# تاریخ اسلام

شاہ معین الدین احمد ندویؒ

مکتبہ رحمانیہ ○ اقرا سنٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

# تاریخِ اسلام

طاھر

از

## شاہ معین الدین ندوی

جلد سوم۔ چہارم

خلافتِ عباسیہ۔ حصہ اوّل

ابو العباس سفاح سے ابو اسحٰق متقی اللہ تک
دو صدیوں کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ

مکتبہ رحمانیہ اقرا سنٹر، غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور

نام کتاب ——— تاریخ اسلام

مصنف ——— شاہ معین الدین احمد ندوی

ناشر ——— مکتبہ رحمانیہ

اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور

مطبع ——— لٹل اسٹار پرنٹرز

تعداد ———

قیمت ———

مکتبہ رحمانیہ

MAKTABA-E-REHMANIA

# فہرست

## (حصہ سوم و چہارم)

## تاریخ بنی عباس



### ابو جعفر عبداللہ بن محمد الملقب
### بہ منصور ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ

| مضمون | صفحہ |
|---|---|

## ہارون الرشید بن مہدی
### ۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ



## محمد الامین بن ہارون
### ۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ



## عبداللہ المامون بن ہارون ۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ

| مضمون | صفحہ |
|---|---|

| مضمون | صفحہ |
|---|---|


## متوکل علی اللہ بن معتصم
### ۲۳۲ھ تا ۲۴۶ھ



## منتصر باللہ بن متوکل
### ۲۴۷ھ تا ۲۴۸ھ

مضمون | صفحہ

## مہتدی باللہ بن واثق
### ۲۵۵ھ تا ۲۵۶ھ



## معتمد علی اللہ بن متوکل
### ۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ

### طائع للہ ۳۶۳ھ تا ۳۸۱ھ



### قادر باللہ ۳۸۱ھ تا ۴۲۲ھ

مضمون — صفحہ

## عباسیوں کا تمدن

# دیباچہ طبع اول

اسلامی حکومتوں میں مذہبی و سیاسی اہمیت' مدت کی وسعت' تہذیب و تمدن کے فروغ اور علوم و فنون کی ترقی کے اعتبار سے خلافت عباسیہ کو سب سے زیادہ اہمیت و امتیاز حاصل ہے' یہ حکومت ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک پانچ سو سال سے اوپر قائم رہی۔ گو اس مدت میں اس پر تغیر و انقلاب اور عروج و زوال کے بڑے بڑے دور گزرے۔ اس نے ہارون' مامون اور معتصم کی عظمت و شان اور جاہ و جلال کے مناظر بھی دیکھے' اور انکے بعد کے خلفاء تنزل و ادبار اور بیکسی کا عبرت آموز تماشا بھی دیکھا' جب کہ خود ان میں کوئی قوت باقی نہ رہ گئی تھی' اور انکے پردہ میں غالب قوتیں حکمرانی کرتی تھیں۔ جسے چاہتی تھیں خلیفہ بناتی تھیں' جسے چاہتی تھیں معزول بلکہ قتل تک کرا دیتی تھیں' لیکن خلافت بغداد کی مرکزی دینی حیثیت آخر تک قائم رہی اور بنی امیہ اندلس اور مصر و مغرب کے فاطمیوں اور علویوں کے علاوہ جو بنی عباس کے حریف مقابل تھے۔ دنیائے اسلام میں جتنی حکومتیں قائم ہوئیں' وہ سب خلافت بغداد کی دینی مرکزیت کو مانتی اور اسکی سیادت کو تسلیم کرتی تھیں۔

بنی عباس کے عروج کا دور معتصم باللہ المتوفی ۲۲۷ھ پر ختم ہو گیا تھا' گو اس کے بعد خلافت بغداد چار صدیوں سے زیادہ قائم رہی' لیکن یہ پورا زمانہ تمام تر اس کے سیاسی زوال' عباسی امراء و عمال کی خود سری' غالب قوتوں کے اقتدار و استبداد اور نئی حکومتوں کے قیام' ان کے اور خلفاء کے اختلافات اور خود ان کی آپس کی کش مکش اور جنگ و جدل کی داستان پر مشتمل ہے۔

مورخین بنی عباس کی تاریخ کو دو دوروں میں تقسیم کرتے ہیں' ایک ان کے آغاز سے معتصم باللہ المتوفی ۲۲۷ھ تک دور عروج کی تاریخ' دوسری واثق باللہ المتوفی ۲۳۲ھ سے آخر تک دور زوال کی' عروج و زوال کے اعتبار سے یہ تقسیم بالکل صحیح ہے' لیکن اس کے مطابق کتاب کے حصوں کی تقسیم میں یہ نقص ہے کہ دور عروج میں کل ایک صدی کی تاریخ آئی ہے' اور چار صدیوں سے زیادہ کی باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے دور زوال کا حصہ زیادہ طویل ہو جاتا ہے' اس میں شبہ نہیں کہ معتصم کے بعد خلافت عباسیہ کا زوال شروع

ہو گیا تھا اور اس پر ترک حاوی ہو گئے تھے اور جیسا کہ اوپر مذکور ہے' جسے چاہتے تھے خلیفہ بناتے تھے۔ جسے چاہتے تھے معزول کر دیتے تھے' پھر بھی خلفاء کے بہت کچھ اختیارات باقی تھے۔ حکومت کا نظام ان ہی کے نام اور احکام و فرامین سے چلتا تھا' اس دور میں بعض ایسے اولوالعزم اور حوصلہ مند خلفاء بھی پیدا ہوئے جنھوں نے ترکوں کی قوت کو توڑنے اور ان کا اقتدار گھٹانے کی کوشش کی' اور اس میں ان کو عارضی کامیابی بھی ہوئی' لیکن مکتفی باللہ المتوفی ۳۳۴ھ کے عہد میں جب بنی بویہ نے ترکوں کی جگہ لی تو انہوں نے گو خلفاء کا ظاہری احترام قائم رکھا' لیکن عملاً ان کو عضو معطل بنا دیا۔ حکومت کے تمام اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لیے اور خلفاء کا وظیفہ مقرر کر دیا' ان کا محض نام باقی رہ گیا تھا۔ باقی حکومت سے جملہ سیاہ سپید کے مالک بنی بویہ تھے' اس دور سے جو زوال شروع ہوا تو پھر آخر تک حالت نہ سنبھل سکی' اس لیے ہم نے اس کتاب کی تقسیم اس دوسرے دور زوال کے لحاظ سے کی ہے۔ چنانچہ اس حصہ میں ابتداء سے متقی باللہ المتوفی ۳۳۳ھ کے عہد یعنی ترکوں کے دور اقتدار تک دو سو سال کی تاریخ ہے۔ دوسرے حصہ میں مکتفی باللہ المتوفی ۳۳۴ھ کے عہد میں بنی بویہ کے آغاز اقتدار سے آخر تک چار صدیوں کی تاریخ ہو گی۔

بنی عباس کے علمی و تمدنی کارنامے اتنے گونا گوں ہیں کہ انکو ایک علیحدہ جلد میں لکھنا مناسب معلوم ہوا' تاکہ اسکی مرتب تصویر نگاہوں کے سامنے آ سکے' چنانچہ پہلے دونوں حصوں میں صرف سیاسی تاریخ ہو گی۔ اور تیسرا حصہ علمی و تمدنی تاریخ پر مشتمل ہو گا۔

عربی مورخین عموماً سیاسی انقلابات اور جنگ و جدال کی بڑی جزو تفصیلات لکھتے ہیں۔ جن سے طول بیان کے علاوہ کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا' اس لیے ہم نے حتیٰ الامکان ان میں اختصار ملحوظ رکھا ہے' اور غیر ضروری تفصیلات قلم انداز کر دی ہیں۔

فقیر

معین الدین احمد ندوی

۲۱ جون ۱۹۴۴ء

# دیباچہ طبع دوم

الحمدللہ سلسلہ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، اور اس کا پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہو گیا، چنانچہ اس کے پہلے دو حصے مزید ترمیم و اضافوں کے ساتھ دوبارہ شائع ہو چکے ہیں، یہ تیسرا حصہ ہے اس میں بھی بہت سے نئے اضافے کیے گئے ہیں۔ عباسیوں کی علمی و تمدنی تاریخ پر ایک مستقل جلد ہو گی جو زیر تالیف ہے، اس لیے پہلے ایڈیشن میں علمی و تمدنی حالات نہیں لکھے گئے تھے، لیکن یہ سلسلہ متعدد درسگاہوں کے تاریخ اسلام کے نصاب اور ان کے مطالعہ کی کتابوں میں داخل ہے اور اس کی کمی سے طلباء کو دشواری پیش آتی تھی اس لیے اس ایڈیشن میں مختصر علمی حالات، مستقل اور تمدنی و انتظامی حالات بھی جستہ جستہ بڑھائے گئے ہیں، تاکہ اس سے ایک اجمالی واقفیت ہو جائے، اس کی تفصیل انشاء اللہ زیر تالیف جلد میں ہو گی، ان کے علاوہ اس درمیان میں اور جو نئے معلومات حاصل ہوئے، ان کا بھی اضافہ کیا گیا ہے، اور اب یہ حصہ پہلے سے زیادہ جامع و مکمل و طلبہ کے لیے مفید ہو گیا ہے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۲۵ رجب ۱۳۸۶ھ مطابق مئی ۱۹۴۹ء

# دیباچہ طبع اول

یہ جلد تاریخ اسلام کا چوتھا اور تاریخ بنی عباس کا دوسرا حصہ ہے' اس کے پہلے حصہ میں خلافت عباسیہ کے قیام سے لے کر متقی باللہ (۳۲۹ھ تا ۳۳۳ھ) تک دو صدیوں کے حالات تھے' اس میں اس کے بعد سے خلافت بغداد کے ۶۵۶ھ تک چار صدیوں کی تاریخ ہے یہ دور تمام تر خلافت عباسیہ کے زوال اور دوسری نئی نئی حکومتوں کے قیام اور خلافت بغداد میں ان کے تسلط و اقتدار کے حالات پر مشتمل ہے' اس دور میں خلافت کا سارا نظم و نسق دیالمہ اور ان کے بعد سلجوقیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا' خلفاء کے اختیارات بہت کم رہ گئے تھے اور آخر زمانہ میں ان کی حیثیت محض ایک وظیفہ خوار کی ہو گئی تھی' خلافت عباسیہ کے خاتمہ سے کچھ دنوں پہلے بعض خلفاء ضرور ایسے پیدا ہوئے' جنہوں نے خلافت کو سلجوقیوں کے استبداد سے چھڑایا اور دولت عباسیہ کے رقبہ میں بھی جو اس زمانہ میں بغداد اور آس پاس کے چند اضلاع تک محدود ہو گیا تھا' کچھ اضافہ کیا' اور ایک حد تک انہوں نے خلافت بغداد کا کھویا ہوا وقار دوبارہ قائم کر دیا' لیکن یہ اس چراغ سحری کا آخری سنبھالا تھا' اس کے بعد تاتاریوں کا طوفان اٹھا' جس نے عباسی خلافت کا چراغ سحری ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔

یہ تاریخ اسلام کا قابل ذکر واقعہ ہے کہ جو زمانہ عباسیوں کے زوال کا تھا وہی دنیائے اسلام کے عروج و ترقی کا تھا' ایک حکومت کے زوال کے ساتھ ہی دوسری نئی طاقت اس کی جگہ لے لیتی تھی اور نئی نئی حکومتوں کے قیام و ترقی کا ایک سلسلہ قائم تھا' چنانچہ دیلمی' غزنوی' سلجوقی' اتابکی' ایوبی اور خوارزمی وغیرہ اس زمانہ کی بڑی بڑی حکومتیں اس دور میں قائم ہوئیں دیلمی اور سلجوقی خاندان خلافت بغداد کے متولی تھے اور اس کا سارا نظام ان ہی کے ہاتھوں میں تھا اور اس کی تاریخ خلافت ان ہی دونوں حکومتوں کے حالات سے عبارت ہے اس لیے دولت عباسیہ کے ضمن میں ان کی اجمالی تاریخ آ گئی ہے' اتابکی اور ایوبی حکومتوں کو اگرچہ براہ راست خلافت بغداد سے کوئی تعلق نہ تھا' لیکن یہ دونوں خاندان جنگ صلیبی کے ہیرو تھے' جو تاریخ اسلام کا نہایت مہتم بالشان واقعہ ہے' اس لیے جنگ

صلیبی کے سلسلے میں ان کے مجاہدانہ کارناموں کے ضروری حالات بھی آ گئے ہیں' آخر میں عباسیہ مصر کے بھی مختصر حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔

ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی حکومتوں کے ان حالات کا بھی مختصر تذکرہ ہے' جن کا تعلق خلافت بغداد یا اس زمانہ کے دنیائے اسلام کے اہم حوادث سے تھا' اس طرح یہ کتاب خلافت بغداد کے ساتھ اس زمانہ کی مشرق کی بڑی بڑی حکومتوں کے اہم حوالات و کوائف کی بھی اجمالی تاریخ بن گئی ہے اور اس کے مطالعہ سے دنیائے اسلام خصوصاً مشرق کے چار صدیوں کے سیاسی مدو جزر کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے' لیکن تاریخ اسلام میں ان حکومتوں کے مستقل حالات لکھے جائیں گے' اس لیے ان کی تفصیل سے گریز کیا گیا ہے' ہر حکومت کے حال میں حتیٰ الامکان مستند ترین عربی و فارسی ماخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے' جس کا اندازہ کتاب کے حوالے سے ہو گا۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۶ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۴۵ء

# دیباچہ طبع دوم

سلسلہ تاریخ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑا حسن قبول عطا فرمایا' مختلف یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے نصاب میں داخل کیا' بعض نے اس کو مطالعہ کی کتابوں میں رکھا' خود تاریخ اسلام کے طلبہ سہولت کے خیال سے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں' تاریخ اسلام کے نئے مصنفین نے اس کی مدد سے مختصرات مرتب کیے' اس لیے چند سال کے عرصے میں اس کے ابتدائی حصوں کے کئی ایڈیشن نکل گئے اور ہر ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ اضافے کیے گئے' چوتھے حصہ کا دوسرا ایڈیشن اب شائع ہو رہا ہے' اس میں بھی جا بجا ترمیمیں کی گئی ہیں اور کتاب کے آخر میں عباسیوں کے تمدن کا حصہ نیا اضافہ ہے' جو اردو میں تاریخی استناد کے ساتھ عباسی تمدن پر بالکل نئی چیز ہے' جس سے امید ہے کہ اسلامک کلچر کے طلبہ کو بہت فائدہ پہنچے گا' اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے نافع بنائے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۷ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۵۴ء

# تاریخ اسلام

## حصہ سوم

## دولت عباسیہ کی اہمیت

## مسئلہ خلافت کی تاریخ اور

## عباسی حکومت کا قیام

اسلام کی پونے چودہ سو سال کی تاریخ میں بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں اور بہت سے خانوادے تخت حکومت پر بیٹھے' لیکن ان سب میں مختلف حیثیتوں سے جو عظمت و شان اور جو اہمیت دولت عباسیہ کو حاصل ہوئی وہ کسی کے حصہ میں نہ آئی۔ گو اموی حکومت کے مقابلہ میں ان کا رقبہ کم تھا اور برابر گھٹتا ہی گیا' لیکن جب تک عباسی حکومت کا نام باقی رہا اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں مرکزی حیثیت اسی کو حاصل رہی اور اس کے زوال زمانہ میں اس سے ٹوٹ کر جتنی حکومتیں قائم ہوئیں ان میں سے اکثر کا تعلق ماتحت کی حیثیت سے آخر تک اس کے ساتھ قائم رہا' اور ان کے حکمران عباسیہ کی سیادت تسلیم کرتے اور اس کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے' اسی کا علم ان کی حکومت کا نشان تھا' جسے خود عباسی خلفاء ان کو عطا کرتے تھے۔ آخر زمانہ میں جب عباسی حکومت صرف بغداد میں محدود ہو کر رہ گئی تھی' اس وقت بھی دینی مرکزیت اسی کو حاصل تھی۔

اسلامی تاریخ میں علوم و فنون کی تدوین کا آغاز اسی علم دوست حکومت کے زمانہ میں ہوا۔ اور اسی کے عہد میں اوج کمال کو پہنچا' حدیث اور سیرت و مغازی اور تاریخ و طب وغیرہ کی دو چار کتابیں اموی دور میں بھی تالیف و ترجمہ ہوئیں' لیکن اس کو علمی سلسلہ کی کوئی اہم کڑی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس کا مستقل آغاز اور کمال عباسی ہی دور میں ہوا' مسلمانوں کی ساری دفاعی ترقیاں' علمی کارنامے اور اکابر علماء اور علم و فن کے بہترین ذخائر عباسی ہی عہد کی یادگار ہیں۔ ان کا پایہ تخت بغداد مدینتہ العلم تھا' جہاں ہر فن کے صاحب کمال موجود تھے اور جس سے ساری دنیائے اسلام کے تشنگان علم سیراب ہوتے تھے۔

تمدنی نقش آرائیاں البتہ اموی دور سے شروع ہو چکی تھیں' لیکن اس کی تکمیل بھی عباسی عہد میں ہوئی۔ مختلف قوموں کے میل جول' خصوصاً عجمیوں کے اثر نے تہذیب معاشرت میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا' اور عباسی خلفاء کی تمدن نوازی نے ایرانی کلد انی' مصری' رومی' یونانی اور ہندی تہذیب و تمدن کے گوناگوں رنگوں سے سادہ عربی تمدن میں وہ بوقلموں نقش آرائیاں کیں کہ عباسی تمدن دنیا کا تماشا بن گیا۔ اور مشرق میں اسی کا نام ہی اسلامی تمدن قرار پایا' اور کشمیر و کاشغر سے لے کر مصر و مغرب تک تمام مسلمانوں کا دینی تمدن ہو گیا' اور مشرق کے جس حصہ میں بھی مسلمانوں کی کوئی نئی حکومت قائم ہوئی یا نئی قوم بر سر عروج آئی' عباسی تمدن اس کا مایہ خمیر قرار پایا' اس لیے مسلمانوں کے تمدن' علوم و فنون اور حکمت و سیاست کو سمجھنے کے لیے بنی عباس کی تاریخ سب سے اہم ہے۔ اس حکومت کے قیام کی تفصیل بنی امیہ کے دور میں گزر چکی ہے اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ابتدائی تاریخ اسلام کے واقف کاروں سے یہ راز پوشیدہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہی سے آپ کی جانشینی کا مسئلہ جس کا اصطلاحی نام خلافت و امامت ہے' مسلمانوں میں اختلاف انگیز رہا' لیکن صحابہ کرام کے اخلاص اور حسن نیت نے اس اختلاف کو دبا کر اتحاد و اتفاق قائم کر رکھا اور دو اگلی خلافتیں اسی مسلک پر گزر گئیں تیسری خلافت کے آخری زمانہ میں جب اکثر اکابر صحابہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان کے اخلاف ان کے وارث ہوئے تو پر جوش نوجوان طبیعتیں منصبوں اور عہدوں کی حرص و ہوس میں مبتلا ہو گئیں' خصوصاً قریشی نوجوان اس عظیم الشان اسلامی حکومت کو جس کے قائم کرنے میں عرب کے تمام قبائل کی کوششیں برابر کی شریک تھیں' اپنی تنہا ملک سمجھنے لگے' یہ چیز آزاد اور مساوات پسند عربوں پر سخت (تاریخ طبری واقعات عہد عثمانؓ) شاق گذری' اس کے علاوہ مفتوحہ قومیں علیحدہ مسلمانوں کی محکومی سے گلو خلاصی کے لیے موقع کی منتظر

تھیں، شام و مصر تو عربوں نے رومیوں کی غیر قومی حکومت سے لیا تھا' اس لیے اس کے مٹنے کا مصر و شام کے باشندوں کو کوئی بڑا افسوس نہ تھا۔ لیکن ایران میں عجمیوں کی قومی حکومت تھی' گو کتنی ہی بڑی سہی تاہم وہ ان کی اپنی تھی' جس کے چھن جانے کا غم آسانی سے ایرانیوں کے دلوں سے محو نہیں ہو سکتا تھا۔

حکومت کھونے کے بعد گو وہ عربوں کے ماتحت ہو گئے تھے' لیکن اس کا داغ ان کے دل سے نہ مٹتا تھا' اور ان کے دل میں اس کو دوبارہ واپس لینے کے جذبات برابر پرورش پاتے رہے لیکن چند ہی دنوں کے اندر حکومت اسلامیہ کی بنیادیں اس قدر راسخ ہو گئی تھیں کہ قوت سے اس کا جنبش دینا ان کے بس سے باہر تھا' اور ان کے لیے صرف یہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ وہ اسلامی حکومت کو کسی ایسی شکل میں تبدیل کر دیں کہ ان کو اس میں زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل ہو جائیں' لیکن ایسی شکل میں بدلنا بھی مذہب کی آڑ کے بغیر ممکن نہ تھا' اس وقت اسلام پر زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا' اس لیے مسلمانوں میں عقائد کی کوئی بڑی تفریق نہیں قائم ہوئی تھی' البتہ سیاسی اختلافات کی تفریقیں قائم ہو رہی تھیں اور انہی اختلافی جذبات کو ابھارنے سے کسی نئے انقلاب کی بنیاد پڑ سکتی تھی۔

قریش میں دو خاندان نمایاں اور ممتاز تھے' بنی امیہ اور بنی ہاشم' غزوہ بدر میں قریش کے اکثر رئیس جب مارے گئے تو مکہ کی ریاست تنہا ابو سفیان اموی کے حصہ میں آئی' بنی ہاشم میں خود آنحضرت ﷺ' آپ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضرت علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب تھے' اس طرح گویا بدر سے لے کر فتح مکہ تک بنی امیہ اور بنی ہاشم بر سر مقابلہ رہے اور فتح مکہ پر بنی امیہ کی ریاست کا خاتمہ ہوا' اور وہ بھی عالم اسلامی حکومت کا جز بن گئے' جن میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کا کوئی سوال نہ تھا' شاید اس کو مٹانے کے لیے آنحضرت ﷺ نے بنی ہاشم کو کوئی بڑا عہدہ اور منصب بھی نہیں دیا اور ہر قسم کی قبائلی اور خاندانی تفرقہ اندازیوں کا قلع قمع کر دیا' چنانچہ آپ کے بعد دو خلیفہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نہ ہاشمی تھے اور نہ اموی' انہوں نے بھی اس نکتہ کو پوری طرح یاد رکھا۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا' یہ گو آنحضرت ﷺ کے داماد تھے' مگر اموی خاندان کے تھے' اس لیے ان کے اخیر عہد میں پرانا اموی اور ہاشمی سوال پھر پیدا ہو گیا' یا پیدا کر دیا گیا' شام میں حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں امیر معاویہؓ گورنر چلے آ رہے

تھے۔ اس لیے وہاں ان کا بڑا اثر قائم ہو گیا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا دارالحکومت عراق میں منتقل کر دیا تھا' اس لیے بنی ہاشم کے حامیوں اور طرف داروں کی بڑی جماعت عراق میں تھی اور عراق کے ساتھ عجم کی پوری طاقت بھی شریک تھی' اس طرح عراق سے لے کر ایران و خراسان تک بنی ہاشم کا اقتدار قائم تھا۔

حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ نے خلافت کی مسند پر قدم رکھا' وہ ہاشمی تھے' بنی امیہ نے ان سے اختلاف کیا اور شام نے ان کا ساتھ دیا' اس مخالف جماعت کے راہنما امیر معاویہؓ تھے' حضرت علیؓ کا پورا عہد اسی جنگ و جدال میں بسر ہو گیا اور لوگ امن و امان کو ترسنے لگے یہ دیکھ کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جو حضرت علیؓ کی جگہ عراق و عجم کے خلیفہ تھے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی' مگر بنی ہاشم نے اس کو پسند نہیں کیا اور "بنی ہاشم" جو جاہلیت کی اصطلاح تھی اسلام کے بعد اہل بیت نبوی کی مذہبی اصطلاح میں بدل گئی تھی اور اب مقابلہ بنی امیہ اور اہل بیت نبوی میں ہو گیا۔

امیر معاویہؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اہل بیت نبویؐ کی پوری مدارات اور بظاہر ہر طرح ان کی دلجوئی کی' ان کی وفات کے بعد ان کا لڑکا یزید تخت نشین ہوا' اس جانشینی نے اسلام میں وراثت کی بد ترین نظیر پیش کی' اور عام طور پر مسلمانوں نے اس کو اس منصب کے ناقابل سمجھا مگر دنیاوی طاقت و حکومت اس کے ہاتھ میں تھی' اس لیے کچھ لوگوں نے قوت سے ڈر کر اور کچھ لوگوں نے مسلمانوں کو تفریق سے بچانے کے لیے اس کی خلافت مان لی' لیکن قریش اور اہل بیت نبوی میں جو لوگ اخلاقی طاقت رکھتے تھے انہوں نے اس جبری اور موروثی جانشینی سے اختلاف کیا' ان میں سب سے اہم شخصیت حضرت زبیرؓ بن عوام کے صاحبزادہ عبداللہ بن زبیرؓ کی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے لڑکے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول کے نواسہ تھے۔ ان سے بھی زیادہ اہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تھے' جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم کے چھوٹے صاحبزادے تھے' ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ دوم کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عباسؓ کے صاحبزادہ عبداللہ بن عباسؓ موجود تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے زہد و ورع کی بنا پر گوشہ گیری اختیار کر لی' اور حضرت

عبداللہ ابن عباسؓ نے علم کی مسند پر قناعت کی' اب صرف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؓ باقی رہ گئے' حضرت امام کو ان کے عراق کے طرف داروں نے کوفہ آنے کی دعوت دی اور جیسا کہ معلوم ہے انہوں نے کوفہ جا کر اہل بیت کے اکثر افراد کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا' اس کے بعد اہل بیت کی یادگار میں صرف حضرت امام حسین کے بیمار صاحبزادہ امام علی زین العابدین رہ گئے ان کے علاوہ حضرت علیؓ کے ایک اور صاحبزادہ جو حضرت فاطمہؓ زہرا کے بعد کی ایک اور بیوی حنفیہ سے تھے' ان کا نام محمد بن حنفیہ تھا۔

حضرت علی زین العابدینؒ نے سجادہ عبادت کو چھوڑ کر سیاسی میدان میں قدم رکھنا گوارا نہ فرمایا' لیکن عبداللہ بن زبیرؓ نے حجاز میں خلافت کا دعویٰ کیا' ابھی ان میں اور یزید میں جنگ جاری تھی کہ یزید کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا' لیکن وہ یزید کے عہد کے المناک حوادث سے اتنا متاثر تھا کہ دو ہی چار دن کے بعد تخت چھوڑ کر گوشہ گیری اختیار کر لی اس طرح امام حسینؓ کی شہادت کے چند ہی سال بعد امیر معاویہؓ کے خاندان کی موروثی حکومت ختم ہو گئی اور عبداللہ بن زبیرؓ نے حجاز و عراق میں اپنی حکومت قائم کر لی' لیکن ادھر شام میں خاندان بنی امیہ کے ایک اور چالاک ممبر مروان بن حکم نے موقع انتخاب میں اپنے کو پیش کر کے کامیابی حاصل کی' مگر وہ جلد ہی دنیا سے رخصت ہو گیا' اس کا لڑکا عبدالرحمٰن نہایت مدبر' سیاستدان اور باہمت تھا' اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کا خاتمہ اور تمام بغاوتوں کا استیصال کر کے پھر سے بنی امیہ کی نئی حکومت قائم کر دی اور بہت سے نئے فتوحات حاصل کیے۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد آپ کے خلف الصدق حضرت امام زین العابدینؒ سیاسی جھگڑوں سے بالکل کنارہ کش ہو گئے تھے اور طرفداران اہل بیت جن کا اصطلاحی نام شیعہ (گروہ) تھا ان کی امامت و رہنمائی محمد بن حنفیہ کی طرف منتقل ہو گئی جو حضرت علیؓ کے غیر فاطمی صاحبزادہ تھے' اس وقت سے حضرت علیؓ کی اولاد کے لیے دو نئی اصطلاحیں قائم ہو گئیں' ایک فاطمی جو حضرت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھے اور دوسرے علوی جو حضرت علیؓ کی دوسری بیویوں سے تھے' بہر حال اس طرح یہ سلسلہ فاطمی اہل بیت سے علویوں میں منتقل ہو گیا' محمد بن حنفیہ کے بعد ان کے لڑکے ابوہاشم عبداللہ ان کے قائم مقام ہوئے' اتفاق سے ان کو ایک ایسے مقام (حمیمہ ملک شام) میں مرض الموت

پیش آیا' جہاں حضرت عباسؓ کی اولاد کے سوا کوئی دوسرا رکن اہل بیت موجود نہ تھا' یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے محمد بن علی تھے۔ اس لیے ابو ہاشم نے یہ امانت محمد بن علی کے سپرد کر کے ان کو اپنا جانشین بنایا' اور اپنے خراسانی اتباع و انصار کو وصیت کی کہ میرے بعد محمد علی بن عبداللہ بن عباسؓ میرے جانشین ہوں گے تم لوگ ان کی طرف رجوع کرنا' اس وصیت کے مطابق ابو ہاشم کی وفات کے بعد خراسانیوں نے محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی' اس طرح خلافت و امامت کا استحقاق حضرت علیؓ کی اولاد سے حضرت عباسؓ کی اولاد میں منتقل ہو گیا یہ گویا عباسی حکومت کا بنیادی پتھر تھا۔

۱۲۶ھ میں محمد بن علی نے وفات پائی' اور ان کے لڑکے ابراہیم ان کے جانشین ہوئے ان دونوں کے زمانے میں برابر عباسی دعوت کا خفیہ سلسلہ قائم رہا۔ ابراہیم کے زمانہ میں یہ راز فاش ہو گیا' اور بنی امیہ نے ان کو گرفتار کر کے قید کر دیا' اور قید ہی میں انہوں نے وفات پائی' ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ۱۲۹ھ میں ان کے چھوٹے بھائی ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی نے ان کی جگہ لی' ان کے زمانہ میں عباسیوں میں کافی طاقت آ گئی تھی اس لیے وہ علانیہ بنی امیہ کے مقابلہ میں آ گئے' اور بنی عباس کے داعی اعظم ابو مسلم خراسانی نے بنو امیہ کا خاتمہ کر دیا' بنی عباس کی دعوت ان کی اور بنی امیہ کی آویزش اور لڑائیوں اور بنی امیہ کے خاتمہ کی تفصیل بنی امیہ کے حصہ میں گزر چکی ہے' اس لیے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

# ابو العباس عبداللہ بن محمد المعروف بہ سفاح

## (۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ مطابق ۷۴۹ء تا ۷۵۳ء)

بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد ابو العباس عبداللہ بن محمد تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس کی امامت کی بیعت ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ۱۲۹ھ میں ہوئی تھی، لیکن یہ محض ابراہیم کی جانشینی کی بیعت تھی، اور ان کے حامیوں تک محدود تھی۔ خلافت کی بیعت عراق پر عباسیوں کے قبضہ کے بعد ربیع الاول ۱۳۲ھ میں ہوئی اور مروان کے قتل کے بعد ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں وہ دنیائے اسلام کا خلیفہ تسلیم کیا گیا، اور اس نے بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ دیا۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۱۶۲ و یعقوبی ج ۱ ص ۴۱۳) اس کا زمانہ زیادہ تر فتنوں کے دبانے اور نئی حکومت کے استوار کرنے میں گزرا۔ "سفاح" کے لفظی معنی خونریز کے ہیں۔ اس نے بنی امیہ کے افراد کو چن چن کر قتل کیا اور بنی امیہ نے ۴۰ھ (سال شہادت حضرت علیؓ) سے لے کر اپنے آخری دور ۱۳۲ھ تک ۹۲ برس میں اہل بیت اور ان کے طرفداروں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا سفاح نے اس کا انتقام پانچ ہی برس میں لے لینا چاہا، سینکڑوں امویوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا، یہاں تک کہ بنی امیہ کی قبریں اکھاڑ کر ان کی ہڈیاں جلائی گئیں اور خراسانیوں کے ہاتھوں نئی عباسی حکومت کا رعب بٹھانے کے لیے بہت کچھ مظالم کا ارتکاب کیا گیا، (دیکھو ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۶۱ و ابو الفداء ص ۲۱۳ و ۲۱۲ ج ۱ حسینیہ مصر و کتاب الفخری ص ۱۳۴ مطبع موسوعات مصر۔) بنی امیہ میں صرف ایک جوان مرد عبدالرحمٰن مشرق سے بھاگ کر مغرب چلا گیا اور اسپین پہنچ کر بنی امیہ کی عظیم الشان حکومت قائم کی جو تین سو برس تک اسپین میں کامیابی کے ساتھ قائم رہی۔

<u>پایہ تخت</u> بنی عباس کے اعوان و انصار زیادہ تر عراق و خراسان میں تھے، یہیں سفاح کی سب سے پہلی بیعت ہوئی تھی، اس لیے اس نے عراق ہی کو پایہ تخت بنایا اور ۱۳۴ھ میں انبار میں ایک شہر ہاشمیہ آباد کر کے اس کو پایہ تخت قرار دیا (یعقوبی جلد ص ۴۲۹۲) یہ شہر سفاح کے نام سے مدینتہ المنصور بھی کہلاتا تھا۔ (دینوری ص ۳۴۳)

سفاح نے اپنی نئی حکومت کا ڈھانچہ اس طرح کھڑا کیا کہ اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو جزیرہ آذربائیجان اور آرمینیہ کا والی بنایا۔ اور اپنے چچا داؤد کو مدینہ منورہ، **مکہ معظمہ**، یمن اور یمامہ سپرد کیا اور اپنے ایک بھتیجے کو کوفہ بھیجا، اور اپنے دوسرے چچا کو شام دیا اور مصر کی حکومت ابو عون کے سپرد کی اور خراسان کی باگ بدستور ابو مسلم کے ہاتھ میں رہنے دی، اور فارس کا امیر اپنے بھائی کو بنایا۔ (ابو الفداء جلد ا ص ۲۱۳ حسینیہ)

**وزارت** وزارت کا عہدہ قائم کیا اور سب سے پہلے اس منصب پر عباسی تحریک کے مشہور داعی ابو سلمہ حفص بن سلیمان کا تقرر ہوا، یہ کوفہ کا ایک ذی علم، عالی دماغ اور فیاض امیر تھا، مشہور عباسی داعی بکیر بن ہامان کی لڑکی اس سے منسوب تھی، مرتے وقت وہ ابو سلمہ کو اپنا جانشین بنا کر امام ابراہیم کے سپرد کر گیا تھا، اس نے عراق میں عباسی تحریک کی بڑی قابل قدر خدمات انجام دیں تھیں اس لیے سفاح نے اس کے صلہ میں اس کو وزارت کا منصب عطا کیا، لیکن یہ زیادہ دنوں تک اس عہدہ پر قائم نہ رہ سکا اور خود سفاح نے اس کا خاتمہ کرا دیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ بنی امیہ کے زوال کے بعد ابو سلمہ نے حکومت کو اہل بیعت نبویؐ میں منتقل کرنے کی کوشش کی تھی اور اس خاندان کے کئی بزرگوں کے سامنے اس منصب کو پیش کیا، لیکن سب نے انکار کر دیا۔ سفاح کو اس کا علم ہو گیا تھا، لیکن ابو سلمہ ابو مسلم کا خاص آدمی تھا، اس لیے سفاح کو اس کے ساتھ کسی بدسلوکی کی جرات نہ ہوئی، اس نے ابو مسلم کو اس کی سازش کی اطلاع دے کر اس کا فیصلہ اسی کے حق میں چھوڑ دیا۔ ابو مسلم کو سفاح کے دلی خیال کا اندازہ ہو گیا تھا، اس لیے اس نے قتل کرا دیا۔

(الفخری ص ۱۳۷ و ۱۳۸)

ابو سلمہ کے بعد یہ عہدہ خالد بن برمک کو ملا۔ خالد کا دادا برمک بلخ کے بدھوں کے معبد نو بہار کا پجاری تھا، اس لیے عجمی بدھوں کے دلوں میں اس کی بڑی عظمت تھی۔ (پچھلے بے احتیاط مورخوں نے نو بہار کو مجوسیوں کا آتش کدہ لکھا ہے، لیکن حضرت استاد مولانا سید سلیمان ندوی نے دلائل قاطعہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ آتش کدہ نہیں بلکہ بدھوں کا معبد تھا (دیکھو عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۳۲ و ۱۳۳) اس کی اولاد نے اسلام قبول کر لیا، یہ سارا خاندان بڑا عالی دماغ تھا، خالد علم و فضل، عقل و دانش، تدبیر و سیاست، شجاعت و شہامت، جود و سخا وغیرہ میں سارے خاندان میں ممتاز تھا۔ اس نے بھی عباسی دعوت کی تبلیغ میں مفید خدمات انجام

دی تھیں۔ اس لیے ابو سلمہ کے بعد سفاح نے اسے وزارت کا عہدہ عطا کیا جس پر وہ منصور کے زمانہ تک قائم رہا۔

**غیر مقبوضہ علاقوں پر قبضہ** بنی عباس اور بنی امیہ کی معرکہ آرائیوں کے زمانہ ہی میں ممالک محروسہ کا بڑا حصہ بنی عباس کے زیر نگین ہو چکا تھا جو حصے باقی رہ گئے تھے ان پر سفاح کے زمانہ میں قبضہ ہو گیا' اس سلسلہ میں بعض معمولی لڑائیاں بھی پیش آئیں۔

خراسان پر مروان کی زندگی ہی میں قبضہ ہو چکا تھا ۱۳۳ھ میں محمد بن مسلمہ اموی نے اسے واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام (یعقوبی ج ۱ ص ۴۲۵) اسی طرح اہل موصل کی جانب سے مخالفت کا ظہور ہوا۔ اور انہوں نے عباسی حاکم محمد بن صول کو اپنے یہاں سے نکال دیا سفاح نے یحییٰ بن علی کو بھیجا اس نے بزور شمشیر اہل موصل کو مطیع بنایا۔

(ابن اثیر ج ۵ ص ۱۲۶)

آرمینیہ پر یہاں کے اموی حاکم اسحاق بن مسلم عقیلی کا نائب مسافر بن کثیر قابض ہو گیا تھا سفاح نے محمد بن صول کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا' اس نے اسحاق کو قتل کر کے آرمینیہ کو اس کے قبضہ سے چھڑا لیا۔ (یعقوبی ج ۲ ص ۴۲۹)

اسی طرح سندھ پر ایک شخص منصور بن جمہور نے بنی امیہ کے آخری دور میں غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا' عبدالرحمٰن بن مسلم نے مغلس عبدی کو سرحد کا حاکم مقرر کیا' اس نے سندھ پر فوج کشی کی۔ منصور نے اسے قتل کر دیا۔ ابو مسلم کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے موسیٰ بن کعب کو سندھ روانہ کیا' اس نے منصور کو شکست دی' شکست کھا کر وہ ریگستانی علاقہ کی طرف بھاگ گیا اور اس بے آب و گیاہ علاقے میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے پیاسا مر گیا۔ سندھ پر قبضہ کے بعد موسیٰ نے منصورہ کو جو ہندوؤں کی یورش سے ویران ہو گیا تھا دوبارہ آباد کیا اور بعض نئی فتوحات حاصل کیں۔ (فتوح البلدان ص ۴۴۹)

**بغاوتوں کا استیصال** عباسی دعوت چونکہ اہل بیعت کے نام کے پردہ میں ہوئی تھی اس لیے ان کے بہت سے ہوا خواہ اس میں شریک ہو گئے تھے' لیکن بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد جب ان کی توقع کے خلاف اہل بیت کے بجائے بنی عباس کے ہاتھوں میں حکومت آئی تو وہ لوگ ان کے خلاف ہو گئے چنانچہ ایک محب اہل بیت شریک نے بخارا میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ تیس ہزار آدمی اس کے ساتھ ہو گئے لیکن ابو مسلم نے اس کا خاتمہ کرا دیا'

ایک اور خراسانی امیر بسام بن ابراہیم باغی ہو گیا' اس کے ساتھ بھی ایک جماعت ہو گئی تھی' سفاح نے خازم بن خزیمہ کو بھیج کر اس کا خاتمہ کرا دیا۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۲۶۸)

**خوارج** عمان اور بحرین وغیرہ خوارج کے پرانے مرکز تھے۔ یہ بنی امیہ کی طرح بنی عباس کے بھی خلاف تھے اس لیے بسام بن ابراہیم کے خاتمہ کے بعد سفاح نے خازم کو خارجیوں کے مقابلہ کے لیے عمان اور جزیرہ کاوان بھیجا' صحرائے عمان میں دونوں کا مقابلہ ہوا' کئی خونریز معرکوں کے بعد خارجیوں کا سردار جلندی مارا گیا اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی۔ (ابن اثیر ج ۵ ص ۲۶۸)

**رومیوں کا حملہ** دوسری طرف انقلاب حکومت کی بد نظمی سے فائدہ اٹھا کر ۱۳۳ھ میں قیصر روم نے ایشیائے کوچک کے ایک سرحدی شہر کمخ پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے باشندوں نے ملطیہ کے مسلمانوں کی مدد سے مقابلہ کیا' لیکن ان کو شکست ہوئی۔ کمخ کے بعد رومیوں نے ملطیہ کو گھیر لیا' اور یہاں کے مسلمانوں سے کہلا بھیجا کہ وہ شہر حوالہ کر کے اسلامی علاقے میں نکل جائیں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا' مسلمانوں نے انکار کیا۔ ان کے انکار پر رومیوں نے محاصرہ اور زیادہ سخت کر دیا' مسلمانوں میں زیادہ تاب مقاومت نہ تھی اس لیے انہوں نے مجبور ہو کر ملطیہ چھوڑ دیا اور جزیرہ چلے گئے' شہر خالی ہونے کے بعد رومیوں نے اس کو بالکل ویران کر دیا۔ اور یہاں جتنے مسلمان مرد تھے ان کو قتل اور عورتوں کو قید کر لیا۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ ملطیہ پر رومیوں کا قبضہ نہیں ہوا بلکہ مصالحت ہو گئی اور سفاح نے آئندہ خطرات کے انسداد کے لیے عبداللہ بن علی کو بھیج کر سرحد کی حفاظت کا انتظام کرایا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۱۳۵)

**فتوحات** ان حوادثات کے ساتھ سرحدی علاقوں پر فوج کشی کا بھی سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ۱۳۳ھ میں خالد بن ابراہیم نے ختن پر فوج کشی کی یہاں کا فرمانروا جیش بن شبل معمولی مدافعت کے بعد چین کی طرف نکل گیا۔

اسی سنہ میں فرغانہ اور چاچ کے حکمرانوں میں مخالفت ہو گئی۔ فرغانہ کے حاکم نے خاقان چین کی مدد سے چاچ کا محاصرہ کر لیا' فرمانروائے چاچ میں خاقان کے مقابلہ کی طاقت

نہ تھی اس لیے اس نے اس کی اطاعت قبول کرلی۔ ابو مسلم خراسانی کو اس اختلاف کی خبر ہو گئی۔ اس نے فوراً زیاد بن صالح کو روانہ کر دیا۔ دریائے طراز پر دونوں کا مقابلہ ہوا' زیاد نے بڑی فاش شکست دی' ۱۳۴ھ میں خالد بن ابراہیم نے کش پر فوج کشی کی اور یہاں کے فرمانروا آخرید کو قتل کر کے بہت سامال غنیمت حاصل کیا اور آخرید کے بھائی طاران کو کش کا حاکم بنایا۔ (یہ حالات ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۶۷' ۱۶۸ سے ماخوذ ہیں)

**ولی عہدی** ۱۳۶ھ میں سفاح نے اپنے بعد اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو اور اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد مقرر کیا۔ (ابن کثیر جلد ۱ ص ۶۰' ۶۱)

**ابو مسلم خراسانی کا حج** اسی سنہ میں ابو مسلم خراسانی سفاح کی اجازت سے حج کے لیے گیا' اس سال کا حج ابو جعفر منصور کی امارت میں ہوا۔ ابھی ابو جعفر حج سے واپس نہ ہوا تھا کہ سفاح کا وقت آخر ہو گیا' اور ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں اس نے سفر آخرت کیا اور اپنے پایہ تخت ہاشمیہ میں دفن ہوا' انتقال کے وقت ۶۳ یا ۶۶ سال کی عمر تھی' مدت خلافت ۴ سال ۸ مہینے' وفات سے دو تین دن پہلے اس کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا۔ بعض لوگوں نے اس خیال کی تردید کرنی چاہی' سفاح نے کہا گو دنیا سے مجھے محبت ہے لیکن آخرت اس سے زیادہ محبوب اور اللہ عزوجل سے ملاقات میرے لیے زیادہ بہتر ہے' اس کی زبان سے آخری الفاظ یہ نکلے تھے۔ حقیقی بادشاہت اللہ حی و قیوم کے لیے ہے وہ بادشاہوں کا بادشاہ اور جباروں کا جبار ہے۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۸۷)

**اوصاف** سفاح حلیم' باوقار' عاقل' مدبر' فیاض اور حسن اخلاق سے آراستہ تھا۔ (الفخری ص ۱۳۳) فیاضی اور سیر چشمی کا وصف نمایاں تھا' سیوطی کا بیان ہے کہ وہ بڑا فیاض تھا' جو وعدہ کرتا اس کو فوراً اسی مجلس میں پورا کرتا تھا اپنے حریف علویوں کے ساتھ بھی بڑی فیاضی سے پیش آتا' عبداللہ بن حسن علوی کا بیان ہے کہ میں نے دس لاکھ کی رقم نہیں دیکھی تھی' سفاح نے منگا کر مجھے دکھایا اور دکھانے کے بعد گھر جاتے وقت میرے ساتھ کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۱) شعر و ادب اور موسیقی سے بہت دلچسپی رکھتا تھا' اور شعراء اور گویوں کو بڑی رقمیں دیتا تھا۔ کبھی کوئی شاعر اور گویا اس کے دربار سے خالی ہاتھ واپس نہیں ہوتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا کہ جو لوگ سرور مجھے نقد دیتے ہیں ان کا انعام ادھار پر نہیں

ٹالا جا سکتا۔

لیکن بنی امیہ کے استیصال میں اس نے بڑی سختی کی تھی۔ اس لیے سفاح اس کا لقب ہو گیا اور اسی لقب سے وہ تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔

# ابو جعفر عبداللہ بن محمد الملقب بہ منصور

## ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ مطابق ۷۵۳ء تا ۷۷۴ء

سفاح کے بعد اس کا بھائی ابو جعفر عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن مطلب خلیفہ ہوا۔ یہ ایک بربری لونڈی صلامہ کے بطن سے تھا' سفاح کی وفات کے وقت جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے' وہ مکہ میں تھا' دارالخلافہ میں اس کے چچا عیسیٰ بن علی نے اس کی جانب سے بیعت لی' راستہ میں منصور کو سفاح کی وفات کی خبر ملی' ابو مسلم ساتھ تھا' پہلے اس نے خود بیعت لی اور ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا' اس وقت اس کا اکتالیسواں سال تھا۔

سفاح اپنے زمانہ میں بنو امیہ کا استیصال کر کے منصور کے لیے میدان صاف کر گیا تھا' اس لیے ان کی طرف سے وہ بالکل مطمئن رہا' لیکن ابھی اموی حکومت کو مٹے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اس لیے مختلف صوبوں میں بغاوت کے شعلے بھڑکے' علویوں نے علیحدہ زور پکڑا' خود عباسی خاندان کے بعض افراد تخت خلافت کے مدعی بن کر کھڑے ہو گئے' لیکن منصور کی بیدار مغزی' تدبر اور مستعدی ان تمام مشکلات پر غالب آئی اور اس نے ہر طرح کی شورشوں کے باوجود سلطنت میں کوئی انقلاب نہ ہونے دیا۔

**عبداللہ بن علی کا دعویٰ خلافت** سفاح کے انتقال کے وقت اس کے چچا عبداللہ بن علی شام میں تھے ان کو سفاح کی موت کی خبر ملی تو اس کو تاج و تخت کی طمع دامن گیر ہوئی چنانچہ انہوں نے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ سفاح نے مروان کے مقابلہ میں بنو عباس کو بھیجنا چاہا تھا' لیکن میرے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا' میری مستعدی دیکھ کر سفاح نے کہا تھا کہ اگر تم مروان پر غالب ہو گئے تو میرے بعد تم ہی میرے ولی عہد ہو گے' اس کے اس دعویٰ پر بہت سے لوگوں نے شہادت دی' چنانچہ ایک جماعت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (الفخری ص ۱۵۰) لیکن یہ بیان واقعہ کے بالکل خلاف تھا' اس لیے منصور کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے ابو مسلم سے مشورہ کیا' طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ ابو مسلم اس کی

امداد کے لیے آمادہ ہو گیا' لیکن یعقوبی کا بیان ہے کہ اس نے درمیان میں پڑنا مناسب نہ سمجھا اور یہ جواب دیا کہ شام میں عبداللہ کی طاقت بہت کمزور ہے اس لیے ادھر توجہ کی ضرورت نہیں۔ آپ کو صرف خراسان سنبھالنا چاہیے' یہ رائے دے کر وہ اپنے گھر چلا گیا اور اپنے کاتب سے کہا کہ مجھے ان دونوں کے درمیان میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ میں ان دونوں مینڈھوں کو چھوڑ کر خراسان چلا جاؤں جو غالب ہو گا وہ خود ہی بلائے گا' کاتب نے کہا لیکن خراسانیوں کو یہ طعنہ دینے کا موقعہ ملے گا کہ آپ نے جس چیز کو اپنے ہاتھوں بنایا پھر اس کو خود ہی برباد کر دیا' چنانچہ کاتب کے اصرار سے مجبور ہو کر ابو مسلم منصور کی امداد و اعانت کے لیے آمادہ ہو گیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۴۳۸) اور نصیبین میں عبداللہ کو شکست دے کر اس کی جماعت منتشر کی' عبداللہ بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے گھر میں پناہ گزیں ہوا' سلیمان نے منصور سے سفارش کر کے اس کی خطا معاف کرا دی' لیکن امان ملنے کے بعد جب عبداللہ منصور کے پاس گیا تو انہوں نے اس کو قید کرا دیا اور وہ قید ہی میں مرا۔

عبداللہ کو شکست دینے کے بعد اس کا بہت سا مال و متاع ابو مسلم کے ہاتھ لگا تھا' منصور نے اس کو لینے کے لیے آدمی بھیجے ابو مسلم سخت برہم ہوا' بولا خون ریزی کے لیے تو مجھ پر اعتبار کیا جاتا ہے اور مال کے بارے میں یہ اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ وفد کا ایک رکن یقطین بن موسیٰ نہایت ہوشیار شخص تھا' ابو مسلم کے تیور دیکھ کر کہا' امیر المومنین نے مجھ کو صرف فتح پر مبارکباد دینے کے لیے بھیجا تھا' مسعودی کا بیان ہے کہ ابو مسلم اصل واقعہ تو سمجھ گیا' لیکن یقطین کی برمحل تاویل کے بعد اس کے ساتھ ظاہری اخلاق میں کمی نہ کی' لیکن یعقوبی کا بیان ہے کہ اس کی اس تاویل کے بعد بھی وہ دلی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا' اور منصور کی ماں کی نسبت گستاخانہ کلمات استعمال کیے۔ (مروج الذہب مسعودی جلد ۶ ص ۱۷۷ و ص ۱۷۸ مطبوعہ لیڈن و یعقوبی جلد ۲ ص ۴۴۰ مطبوعہ لیڈن۔) اس واقعہ سے دونوں کی کشیدگی میں اور اضافہ ہو گیا اور رفتہ رفتہ کشیدگی نے مخالفت کی شکل اختیار کر لی اور ابو مسلم نے خلافت عباسیہ کو مٹانے کا تہیہ کر لیا' چنانچہ ذہبی کے بیان کے مطابق وہ نصیبین سے فوجیں لئے ہوئے سیدھا خراسان کی طرف بڑھا' تاکہ منصور کی بیعت توڑ کر یہاں علوی سلطنت قائم کرے۔ (دول الاسلام ذہبی جلد ۱ ص ۷۰ حیدر آباد دکن) راستہ میں اوفیہ میں

منصور ٹھہرا ہوا تھا' اس نے ابو مسلم کو بلا بھیجا' مگر وہ نہ آیا' منصور نے دوبارہ عیسیٰ بن موسیٰ اور جریر بن عبداللہ بجلی کو بھیجا' یہ دونوں بلطائف الحیل اس کو لے آئے' منصور اس وقت مصلحت وقت کے خیال سے خاموش رہا اور اپنے کسی طرز عمل سے برہمی کا اظہار نہ ہونے دیا اس ملاقات کے بعد ابو مسلم پھر آنے جانے لگا۔

ابن طقطقی کا بیان ہے کہ اس اختلاف کے بعد ابو مسلم اس کی مخالفت کے خیال سے خراسان روانہ ہو گیا' خراسان عباسی دعوت اور ابو مسلم کے اثر و اقتدار دونوں کا مرکز تھا' اس لیے یہاں ابو مسلم کی مخالفت سے عباسی حکومت کے لیے بڑا خطرہ تھا' اس سے منصور بہت گھبرایا اور اسے ایک ہوشیار آدمی کے ذریعہ بلا بھیجا وہ آنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا' لیکن کسی طرح سمجھانے بجھانے سے چلا آیا۔ (الفخری ص ۱۵۲ و ۱۵۴)

**ابو مسلم کا قتل** ابو مسلم اپنے آپ کو عباسی سلطنت کا بانی سمجھتا تھا اور اس کو یہ بھی یقین تھا کہ یہ حکومت اسی کے بل پر قائم ہے اس لیے وہ آزاد اور خود سرانہ حکومت چاہتا تھا' لیکن منصور جیسے بیدار مغز حکمران کے زمانہ میں یہ ممکن نہ تھا' خصوصاً جب سے اس نے منصور سے بغاوت کر کے علوی حکومت قائم کرنے کا قصد کیا تھا۔ اس وقت سے منصور اس کو مستقل خطرہ سمجھنے لگا تھا' اور اس سے بچنے کی اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہ تھی کہ ابو مسلم کا قصہ تمام کر دیا جائے' لیکن علانیہ اس کا قتل کرنا بہت مشکل تھا' دربار میں اس کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی' اس لیے منصور نے ایک دن ابو مسلم کے آنے کے وقت مسلح آدمی چھپا دیئے' وقت مقررہ پر جب وہ آیا تو اس کی تلوار باہر رکھوا لی گئی' پہلے اس میں اور منصور میں ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں' پھر منصور نے تیور بدل کر کہا تم اپنی حدود سے کتنا آگے بڑھتے جاتے ہو' خطوط میں اپنا نام پہلے لکھتے ہو' میری پھوپھی آمنہ کو تم نے شادی کا پیغام دیا' تم اپنے کو سبط بن عبداللہ بن عباس کی اولاد بتاتے ہو' ابو مسلم ہر جرم کی معذرت میں دست بوسی کرتا جاتا تھا' اس کے جرائم گنانے کے بعد منصور نے تالی بجائی اور مسلح آدمی نکل کر اس کے اوپر ٹوٹ پڑے اور عباسی حکومت کا یہ بانی اعظم جس نے اس کی تاسیس میں چھ لاکھ آدمیوں کا خون کیا تھا' خود خاک و خون میں تڑپنے لگا۔

(مروج الذہب مسعودی جلد ۶ ص ۱۸۱ و ۱۸۲)

ابو مسلم کے قتل کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ عباسی دربار میں داخل ہوا اور پوچھا ابو مسلم

کہاں ہے۔ منصور نے جواب دیا فرش پر لیٹا ہوا ہے' عیسیٰ نے کہا کیا قتل کر دیا گیا منصور نے اثبات میں جواب دیا۔ عیسیٰ نے انا اللہ پڑھا اور کہا اس کے کارناموں اور جان بخشی کے بعد یہ سلوک؟ منصور نے جواب دیا خدا کی قسم روئے زمین پر اس سے زیادہ تمہارا کوئی دشمن نہ تھا' اس کی زندگی میں تم لوگوں کے لیے حکومت کرنا ناممکن تھا' اس سے بچنے کی صرف یہی ایک صورت تھی۔

**سنباد کی بغاوت** ابو مسلم کے قتل سے عربی اور عجمی کا سوال پیدا ہو گیا اور ۱۳۷ھ میں سنباد ایک مجوسی اس کے انتقام کے لیے اٹھ کھڑا ہوا خراسان کے کوہستانی علاقہ کے تمام عجمیوں نے اس کا ساتھ دیا۔ سنباد نے خراسان کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا' اور مسلمان عورتوں کو قید کر کے خانہ کعبہ ڈھانے کا عزم ظاہر کیا' منصور کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے جمہور بن مرار عجلی کو دس ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا' اس نے ہمدان اور رے کے درمیان سنباد کو بڑی فاش شکست دی' ساٹھ ہزار مجوسی مارے گئے' سنباد نے شکست کھا کر طبرستان نکل جانا چاہا' لیکن راستہ میں اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ (الفخری ص ۱۵۳ و ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۸۰) یہ عباسیوں سے عجمیوں کی پہلی جنگ تھی' اس کے بعد سے عجمیوں کے دل میں عباسیوں کی جانب سے غبار پیدا ہو گیا۔

**جمہور بن مرار عجلی کی بغاوت** سنباد کو شکست دینے کے بعد جمہور نے اس کے مال و متاع کو دارالخلافہ بھیجنے کے بجائے خود اپنے قبضہ میں کر لیا اور باز پرس کے خطرے سے بغاوت کر بیٹھا' منصور نے محمد بن اشعث کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے رے بھیجا' جمہور رے چھوڑ کر اصفہان چلا گیا۔ ابن اشعث خود رے میں ٹھہرا رہا۔ اور جمہور کے تعاقب میں اصفہان فوج بھیجی' جمہور کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اس وقت ابن اشعث کے پاس فوج کم ہے اس لیے عقب سے اس پر حملہ آور ہونا چاہیے' چنانچہ وہ پلٹ پڑا' لیکن عین وقت پر ابن اشعث کے پاس خراسان سے امدادی فوج آگئی فیروزان میں ان کا مقابلہ ہوا' جمہور شکست کھا کر آذربائیجان بھاگ گیا' یہاں خود اس کے ساتھیوں نے اس کا سر قلم کر کے منصور کے پاس بھجوا دیا۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۸۱)

**مختلف بغاوتیں** ابھی عباسی حکومت کو قائم ہوئے زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا اور اس کی

بنیادیں پورے طور سے جمی نہ تھیں' اس لیے ملک کے مختلف حصوں میں بغاوتیں شروع ہو گئیں چنانچہ سنباد کی بغاوت فرو ہونے کے بعد ہی۔

**ملبد بن حرملہ کی بغاوت** ۱۳۷ھ میں جزیرہ کے قریب ایک شخص ملبد بن حرملہ باغی ہو گیا' اس کی بغاوت اس قدر شدید تھی کہ مسلسل فوجیں جاتی تھیں اور شکست کھا کر ناکام واپس لوٹ آتی تھیں۔ بالآخر ۱۳۸ھ میں خازم بن خزیمہ نے بڑی دشواریوں کے بعد اس کا کام تمام کیا۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۸۱)

**فرقہ راوندیہ کی شورش** ۱۴۱ھ میں فرقہ راوندیہ نے شورش برپا کی' یہ ایک چھوٹا عجمی فرقہ تھا' جو تناسخ کا قائل تھا' اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح عثمان بن نہیک میں حلول کر گئی ہے اور منصور کو خدا کہتا تھا اور ہیثم بن معاویہ کو جبریل مانتا تھا' ۱۴۱ھ میں منصور کے محل کے پاس شور مچانا شروع کیا کہ یہ ہمارے رب کا محل ہے' منصور نے ان کے دو سو سردار گرفتار کر کے قید کر لیے۔ راوندیہ اپنے سرداروں کی گرفتاری پر اور برہم ہو گئے' اور قید خانہ توڑ کر ان کو نکال لے گئے اور چھ سو بلوائی منصور کے محل کی طرف چلے' شہر میں سخت ہنگامہ برپا ہو گیا' منصور محل سے نکل آیا' اس نازک وقت میں ایک شخص معن بن زائدہ شیبانی کو جو ایک جرم کی وجہ سے منصور کے خوف سے روپوش تھا' اور منصور برابر اس کی تلاش میں لگا ہوا تھا کارگزاری دکھانے کا موقع مل گیا' چنانچہ اس نے نہایت بہادری سے مقابلہ کر کے بلوائیوں کو شکست فاش دی۔

**عبدالجبار بن عبدالرحمٰن ازدی** ۱۴۱ھ میں خراسان کا والی عبدالجبار بن عبدالرحمٰن باغی ہو گیا۔

**والی خراسان کی بغاوت** اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اس نے خراسان کے چند افسروں کو قتل اور چند کو گرفتار کر لیا' منصور کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے وزیر دولت ابو ایوب سے کہا کہ عبدالجبار کا ہمارے حامیوں پر اس طرح بے باکی سے ہاتھ صاف کرنا بغاوت کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے' ابو ایوب نے مشورہ دیا کہ اس کو لکھ بھیجئے کہ میں روم کی طرف بڑھنا چاہتا ہوں تم خراسان کے منتخب بہادروں اور وہاں کے اعیان کو معہ فوج کے روانہ کر دو' اس حیلہ سے فوجی قوت ہٹا لینے کے بعد پھر جس کو چاہے وہاں کا حاکم بنا کر بھیج

دیجئے، عبدالجبار میں مخالفت کی ہمت باقی نہ رہے گی، چنانچہ منصور نے اس کے پاس حکم بھیج دیا، لیکن عبدالجبار نے یہ عذر کیا کہ اس وقت ترک آمادہ پیکار ہیں۔ اگر یہاں سے فوجیں ہٹیں تو خراسان ہاتھوں سے نکل جائے گا، اس جواب کے بعد ابو ایوب نے مشورہ دیا کہ اب اسے لکھئے کہ خراسان مجھے تمام ممالک محروسہ میں سب سے زیادہ عزیز ہے اس لیے ترکوں کے خطرہ سے بچنے کے لیے میں دارالخلافہ سے مزید فوجیں بھیجتا ہوں۔ اس بہانہ سے دارالخلافہ کی فوجیں خراسان بھیج دیجئے، تاکہ اگر عبدالجبار بغاوت کرنا چاہے تو فوجیں اسے زیر کر سکیں، لیکن عبدالجبار کی نیت فاسد تھی، اس لیے پھر اس نے ایک بہانہ کیا کہ اس سال خراسان میں گرانی زیادہ ہے اگر مزید فوجوں کا بار اس پر ڈالا تو رعایا تباہ ہو جائے گی، اس جواب کے بعد جب عبدالجبار کی بدنیتی عیاں ہو گئی تو منصور نے فوراً مہدی اور خزیمہ بن خازم کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیا، لیکن یہ ابھی پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ مروالروز کے باشندے ان کے آنے کی خبر سن کر خود عبدالجبار کے مقابلہ کے لیے بڑھ گئے اور ان کے پہنچتے پہنچتے اس کو نکال دیا، عبدالجبار میدان چھوڑ کر رو پوش ہو گیا، محشر بن مزاحم نے گرفتار کر کے دارالخلافہ روانہ کر دیا، منصور نے اس کے قبضہ سے مال بر آمد کر کے اسے قتل کرا دیا۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۱۴۱) (ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۸۷ و ۱۸۸)

۱۴۲ھ میں سندھ کا عامل عیینہ بن موسیٰ باغی ہو گیا، لیکن اس کی بغاوت زیادہ نہ بڑھنے پائی، منصور نے عمرو بن حفص کو سندھ اور اضلاع ہندوستان کا حاکم بنا کر بھیجا، اس نے بہت جلد عیینہ پر قابو حاصل کر لیا۔

**حسان بن مجالد کی بغاوت** ۱۴۸ھ میں حسان بن مجالد ہمدانی خارجی موصل کے قریب ایک قریہ با مخازی میں اٹھا، موصل کی شاہی فوجوں نے اس کا مقابلہ کیا، لیکن ناکام رہیں اور خارجیوں نے بازار لوٹ کر آگ لگا دی اور حسان رقہ ہوتے ہوئے شہر میں داخل ہو گیا، یہاں سے پھر موصل واپس آیا، موصل کی سرکاری فوج کا امیر العسکر صقر بن نجدہ مقابلہ کے لیے نکلا، امیر حسن بن صالح اور بلال قیسی اس کے ساتھ تھے، لیکن حسان کی قوت اتنی مضبوط تھی کہ صقر اس مرتبہ بھی ناکام رہا۔ اور حسان نے ایک افسر بلال قیسی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا، منصور کو اس کی خبر ہوئی، تو اس نے از سر نو فوجیں بھیجنے کا عزم کیا، اور پہلے امام ابو حنیفہ اور محدث ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ کو بلا کر ان سے کہا کہ

موصل والوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے خلاف بغاوت نہ کریں گے اگر کریں گے تو وہ مجھ پر ان کے مال اور ان کے خون کی کوئی ذمہ داری باقی نہ رہے گی اس لیے اب میں بری ہوں' امام ابو حنیفہ یہ سن کر خاموش ہو گئے' باقی دونوں آدمیوں نے کہا کہ امیر المومنین موصل کے باشندے آپ کی رعایا ہیں۔ اگر آپ درگزر سے کام لیں تو وہ اس کے حقدار ہیں اور اگر سزا دیں تو وہ سزا کے مستحق ہیں' لیکن امام صاحب خاموش رہے' منصور نے کہا آپ کیوں خاموش ہیں؟ امام صاحب نے یہ بلیغ جواب دیا' امیر المومنین! انہوں نے ایسی چیز جائز رکھی جس کے خود وہ مالک نہ تھے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر کوئی عورت بغیر نکاح اور مملوکیت کے اپنے کو کسی مرد کے سامنے پیش کرے تو کیا اس سے تمتع جائز ہو گا۔ منصور نے کہا نہیں۔ امام موصوف کے اس جواب کے بعد منصور نے موصل والوں سے مواخذہ کا خیال چھوڑ دیا اور بغاوت ختم ہو گئی۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۱۹)

**استاذ سیس کا دعویٰ نبوت** ۱۵۰ھ میں نواح خراسان میں استاذ سیس نامی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ہرات' بادغیس اور سجستان کے بہت سے باشندے اس کے ساتھ ہو گئے' اور وہ ان کی مدد سے خراسان کے بہت سے حصے پر چھا گیا' مروالروز کا حاکم اجشم اس فتنہ کو دبانے کے لیے نکلا لیکن استاذ کی طاقت بہت مضبوط تھی' اجشم اور اس کے بہت سے فوجی افسر مارے گئے' منصور کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو اس نے خزیمہ بن حازم کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ شہزادہ مہدی کے پاس روانہ کیا' مہدی نے اس کو مزید ۲۰'۲۲ ہزار کمک دے کر استاذ سیس کی سرکوبی پر مامور کیا' خزیمہ نے بڑے اہتمام سے اس کے مقابلہ کی تیاری کی ہشیم بن شعبہ' نہار بن حصین السعدی' بکار بن مسلم وغیرہ منتخب بہادروں کو فوج کے مختلف حصوں پر متعین کیا۔ اور زبرقان کو علم دے کر استاذ سیس کی طرف بڑھایا۔ اس کے آدمی زیادہ تر پیدل تھے' اس لیے خزیمہ نے پہلے اس کو مختلف مقامات میں چکر دے کر تھکا دیا' پھر ایک مقام پر خندق کھودی اور اس کے چاروں رخ پر ہزار ہزار منتخب بہادر متعین کیے' اس دوران میں استاذ سیس بھی پہنچ گیا اور خندق کے جس رخ پر بکار بن مسلم متعین تھا اس کو پاٹنا شروع کیا' لیکن بکار نے انہیں ہٹا دیا' یہاں سے ہٹ کر ان لوگوں نے خازم کے مورچہ کا رخ کیا اور حریش نامی ایک سیستانی اس کی جانب بڑھا' خازم نے اس کو آتے دیکھ کر ہشیم کو بکار کی سمت سے پھر کر عقب سے حملہ کرنے کا

حکم دیا' اور بکار کو یہ ہدایت کر دی کہ وہ ہشم کا جھنڈا دیکھتے ہی اعلان کرا دے کہ طخا رستان سے امدادی فوج آ گئی' یہ ہدایت دے کر خود حریش کے مقابلہ کے لیے بڑھا' ادھر یہ دونوں گتھے ہوئے تھے کہ پیچھے سے ہشم پہنچ گیا' ان کو دیکھتے ہی بکار کے دستہ نے خازم کی ہدایت کے مطابق نعرہ لگایا' حریش گھبراہٹ میں ادھر متوجہ ہو گیا اور خزیمہ نے نہایت زور و شور سے حملہ کر کے پیچھے ہٹا دیا' پیچھے ہشم موجود تھا۔ اس نے ادھر سے گھیر لیا' بکار اور نماد علیحدہ اپنی اپنی سمتوں سے ٹوٹ پڑے اور استاذ سیس کی فوج چاروں طرف سے گھر کر پامال ہو گئی' ستر ہزار آدمی قتل اور ۱۴ ہزار گرفتار ہوئے استاذ سیس پہاڑی علاقہ میں بھاگ گیا خازم نے تعاقب کر کے گھیر لیا' استاذ سیس نے جب دیکھا کہ بھاگنے سے بھی جان نہیں بچتی تو ابو عون کا حکم مان کر چلا آیا کہ وہ جو فیصلہ کرے اسے قبول کرے گا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ استاذ سیس اور اس کے لڑکے قید کیے جائیں اور باقی ماندہ لوگوں کو رہا کر دیا جائے۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۱۹)

**افریقہ کی بغاوت** شمالی افریقہ کا پورا علاقہ بغاوت پسند تھا' یہاں کے بربری اور خارجی جن کی افریقہ میں بڑی تعداد تھی دونوں بڑے شورش پسند واقع ہوئے تھے' بنی امیہ کے آخری زمانہ میں یہاں بڑی عظیم الشان بغاوت ہو چکی تھی' جس کے آثار عباسی عہد میں بھی باقی تھے۔ ۱۴۴ھ میں منصور نے امیر محمد بن اشعث کو مصر و مغرب کا والی بنا کر بھیجا' اس نے شورش پسندوں کا قلع قمع کر کے امن و سکون قائم کیا' اور افریقہ کے برہم شدہ نظام کو از سر نو درست کیا اور کئی سال تک یہاں امن و امان قائم رہا۔ پھر ۱۴۸ھ میں خود ابن اشعث کی فوج کا ایک سردار موسیٰ بن عجلان باغی ہو گیا' فوج نے بھی اس کا ساتھ دیا اور ابن اشعث کو نکال کر عیسیٰ بن موسیٰ خراسانی کو افریقہ کا حاکم بنایا' اس لیے منصور نے ایک نامور امیر اغلب بن سالم تمیمی کو افریقہ کا حاکم بنا کر بھیجا' یہ بڑا مدبر تھا۔ اس نے افریقہ پہنچتے ہی حسن تدبیر سے امن و سکون قائم کر دیا' لیکن ایک ہی سال کے بعد ۱۴۹ھ میں بڑی انقلاب انگیز شورش شروع ہو گئی' جس کا سلسلہ کئی سال تک مسلسل قائم رہا' اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اس سنہ میں ایک بربری خارجی ابو قرہ بربریوں کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا' اغلب کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ سالم بن سوادہ کو قیروان کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر ابو قرہ کے مقابلہ کے لیے نکلا' لیکن وہ بھاگ گیا' اس لیے اغلب نے طنجہ جانے کا ارادہ کیا'

لیکن اس کی فوج نے جس میں زیادہ تر بربری تھے انکار کر دیا کہ وہ ابو قرہ کے مقابلہ کے لیے نکلے تھے اس لیے وہ کہیں نہ جائیں گے۔ چنانچہ اغلب کا ساتھ چھوڑ کر قیروان چلے گئے اور اس کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔

اغلب کی فوج کا یہ رنگ دیکھ کر بربری حسن بن حرب نے جو اس وقت تونس میں تھا' اس کو اپنے ساتھ ملا لیا' اور اغلب کے نائب سالم بن سوادہ کو گرفتار کر کے قیروان پر قبضہ کر لیا' اغلب کو اس کی اطلاع ہوئی تو اپنی مختصر سی (یہ ابن العذاری کا بیان ہے' ابن اثیر کا بیان ہے کہ فوج پھر آ کر اس سے مل گئی تھی) فوج لے کر قیروان پہنچا اور حسن کو شکست دے کر یہاں سے نکال دیا' اور وہ تونس چلا گیا' لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر فوجیں لے کر پہنچ گیا' اغلب نے مقابلہ کیا اور زخمی ہو کر اس کے صدمہ سے مر گیا' اغلب کی موت کے بعد اس کے ایک افسر مخارق بن غفار نے حسن کو شکست دی اور وہ بھی مارا گیا۔

اغلب کی موت کے بعد منصور نے ۱۵۱ھ میں ابو جعفر عمرو بن حفص کو افریقہ کا والی مقرر کیا یہ مدبر والی تھا' اس نے افریقہ کے عمائد کو حسن سلوک سے قائل کر کے افریقہ میں امن قائم کر دیا۔ تین سال کے بعد ۱۵۳ھ میں ایک شہر طنبہ کو بسانے کے سلسلہ میں اسے قیروان چھوڑ کر زاب جانا پڑا' اس کے ہٹتے ہی پھر بربری اٹھ کھڑے ہوئے' ابن حفص کے نائب حبیب بن میب ملی نے مقابلہ کیا' لیکن شکست کھا کر مقتول ہوا' اور بربریوں نے پھر قیروان پر قبضہ کر لیا' اس کے بعد طرابلس پہنچے اور یہاں کے حاکم جنید بن بشار کو شکست دے کر محصور کر لیا اور سارے افریقہ میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ امیر ابن حفص اس وقت زاب کے شہر طنبہ میں تھا۔ اس لیے ابو قرہ صفری عبدالرحمٰن بن رستم' ابو حاتم' اور عاصم سدرانی وغیرہ باغی بربری سرداروں نے ہزاروں بربریوں کے ساتھ طنبہ پر ہجوم کر دیا' ابن حفص کے پاس کل پندرہ ہزار فوج تھی' تاہم اس نے مقابلہ کا ارادہ کیا' اس کے افسروں نے مشورہ دیا کہ ہم میں سے جس کو چاہے مقابلہ کے لیے بھیج دیجئے۔ آپ خود طنبہ نہ چھوڑیے' اگر آپ کی جان پر آنچ آئی تو سارا مغرب برباد ہو جائے گا اس لیے ابن حفص نے مقابلہ کا خیال چھوڑ دیا اور ابو قرہ کے بھائی کو رشوت دے کر توڑ لیا اور وہ ایک رات بربریوں کی بڑی تعداد لے کر چلا گیا۔ اس لیے ابو قرہ کو بھی لوٹ جانا پڑا' باغی سرداروں میں سب سے بڑی قوت ابو قرہ کی تھی' اس کے چلے جانے کے بعد دوسرے

سرداروں کا زیر کر لینا آسان تھا' چنانچہ عبدالرحمٰن کے مقابلہ میں فوجیں بھیج کر اسے شکست دے دی اور وہ تاہرت چلا گیا اور ابن حفص قیروان واپس آگیا' اس کی واپسی کے بعد ہی ابو حاتم بربری ایک لاکھ تیس ہزار فوج کے ساتھ قیروان پہنچ گیا اور اس کا محاصرہ کر لیا' ابن حفص عرصہ تک مدافعت کرتا رہا' لیکن محاصرہ کی شدت و طوالت کی وجہ سے اہل شہر کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ خورد و نوش کا تمام سامان ختم ہو گیا' آخر میں کتے بلی مار کر کھانے کی نوبت آ گئی' اس دوران میں اطلاع ملی کہ منصور کی جانب سے یزید بن حاتم ساٹھ ہزار امدادی فوجیں لے کر آ رہا ہے' لیکن ابن حفص محاصرہ کی سختیوں سے اتنا تنگ آ چکا تھا کہ اس نے اس کے پہنچنے کا بھی انتظار نہ کیا اور باہر نکل کر بربریوں کا مقابلہ کر کے مردانہ وار جان دے دی۔ یہ واقعہ ذی الحجہ ۱۵۴ھ میں پیش آیا۔

عمرو بن حفص کے بعد لوگوں نے اس کے بھائی جمیل بن حفص کو اس کا قائم مقام بنایا اس نے محاصرہ کی سختیوں سے گھبرا کر ابو حاتم سے صلح کر لینی چاہی' لیکن اس نے منظور نہ کیا' اور قیروان کے پھاٹک کو جلا کر شہر میں داخل ہو گیا یہاں کے اکثر باشندے شہر چھوڑ کر داب چلے گئے' ابو حاتم کے قیروان میں داخلہ کے بعد اس کو اطلاع ملی کہ یزید بن حاتم طرابلس پہنچ گیا ہے' اس لیے وہ عبدالعزیز معافری کو قیروان کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر خود یزید بن حاتم کے مقابلہ کے لیے طرابلس روانہ ہو گیا' اس کے درمیان میں یزید طرابلس پہنچ چکا تھا' دونوں میں بڑا سخت معرکہ ہوا' ایک ایک خون ریز جنگ کے بعد بربریوں نے شکست فاش کھائی ابو حاتم مارا گیا' اور اس کی تیس ہزار فوج کام آئی اور باقی منتشر ہو گئی' یزید نے تعاقب کر کے جہاں تک ہو سکا بربریوں کو قتل کرایا' ابو حاتم کو شکست دینے کے بعد سعید بن شداد کو طرابلس میں چھوڑ کر خود یزید بن حاتم جمادی الثانی ۱۵۵ھ میں قیروان آیا' یہاں ابو حاتم کا ایک ساتھی عبدالرحمٰن اب تک موجود تھا' یزید کے پہنچنے کے بعد وہ کتامہ بھاگ گیا' یزید نے ۱۵۶ھ میں اس کے تعاقب میں علاء بن سعید کو روانہ کیا' اس لیے عبدالرحمٰن یہاں بھی نہ ٹھہر سکا اور علاء بن سعید نے یہاں کے بربریوں کا قتل عام کیا اور اسی زمانہ میں ایک اور بربری ابو یحییٰ بن فریانس نے طرابلس کے نواح میں علم بغاوت بلند کیا' بہت سے بربری اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے' لیکن یہاں کے حاکم عبداللہ ابن سمط کندی نے اسے دے کر اس کے جتھے کو تہ تیغ کر دیا' ابو یحییٰ کے بعد افریقہ کی

بغاوت کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور برسوں کی شورش کے بعد کامل امن و امان قائم ہوا۔ (یہ حالات البیان المغرب ص ۹۳ تا ۱۰۳ سے ملخصاً ماخوذ ہیں کہیں کہیں ابن اثیر سے بھی مدد لی گئی ہے جہاں کہیں دونوں کے بیانوں میں اختلاف ہے وہاں البیان المغرب کے بیان کو ترجیح دی گئی ہے)

**اندلس میں اموی حکومت کا قیام** منصور کے زمانہ میں اگرچہ بغاوتیں بہت ہوئیں لیکن ملک کا کوئی حصہ ہاتھوں سے نکلنے نہ پایا' البتہ اندلس میں عبدالرحمٰن الداخل نے اموی حکومت قائم کر لی' اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنی امیہ کی آخری زمانہ ہی سے اندلس کی حکومت کا نظام بگڑ چکا تھا اور یہاں کے عرب اور بربر اور پھر عربوں میں یمنی اور مضری قبائل میں جنگ برپا تھی جس کی تفصیل تاریخ بنی امیہ میں گزر چکی ہے' اس مسلسل خون ریزی اور بد امنی سے گھبرا کر اہل اندلس نے ہشام بن عبدالملک اموی سے درخواست کی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص کو اندلس کا حاکم بنا دے جو یہاں اتحاد و اتفاق پیدا کر کے امن و امان قائم کر سکے' چنانچہ ہشام نے ۱۲۵ھ میں ابو الخطار حسام بن ضرار کلبی کو اندلس کا حاکم مقرر کیا تھا' اہل اندلس بد امنی سے تنگ آ چکے تھے اس لیے سب نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور اندلس میں امن و امان قائم ہو گیا اور ابو الخطار کے آنے کے بعد چار سال تک سکون رہا۔ (مجموعہ اخبار افتتاح اندلس ص ۴۵' ۴۶ و ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۱۹)

لیکن ابو الخطار بھی قبائلی تعصب سے خالی نہ تھا' وہ یمنی تھا' اس نے ایک ممتاز مضری سردار صمیل بن حاتم کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا' اس سے یمنی اور مضری عصبیت پھر تازہ ہو گئی اور دونوں آپس میں لڑ گئے' ابو الخطار شکست کھا کر گرفتار ہو گیا' اس گرفتاری کے بعد اہل اندلس نے ثوابہ بن سلامہ جذامی کو حاکم بنایا' لیکن ۱۲۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ (مجموعہ اخبار افتتاح اندلس ص ۵۶' ۵۷ و ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۱۰)

ثوابہ کی موت کے بعد پھر یمن اور مضر کی حکومت کا سوال پیدا ہو گیا' دونوں فریق اپنا اپنا آدمی چاہتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بنی امیہ کی حالت زبوں ہو رہی تھی' اس لیے وہاں سے بھی اس کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا' اور کامل چار مہینے تک کسی کا کوئی تقرر نہیں ہوا۔ عبدالرحمٰن ابن کثیر کو عارضی طور سے مشیر کار بنا لیا گیا تھا۔

آخر میں بڑے سخت اختلاف کے بعد یوسف بن عبدالرحمٰن مضری کا انتخاب ہوا' ابن خلدون کا بیان ہے کہ دونوں میں یہ طے پایا کہ باری باری سے ایک ایک سال یمن اور مضر

سے حاکم اندلس کا انتخاب ہوا کرے گا۔ (مجموعہ اخبار افتتاح اندلس ص ۵۷) لیکن افتتاح اندلس کے بیان کے مطابق بلا کسی شرط کے انتخاب ہوا' البتہ ایک اور امید وار سردار یحییٰ بن حریث جزامی یمنی کو ریہ کا علاقہ دے دیا گیا تھا۔

لیکن اس سے بھی حالات نہ سلجھے اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر یمنی اور مضری عصبیت بڑی شدت کے ساتھ ابھر آئی اور فریقین میں جنگ شروع ہو گئی' اس کے کئی اسباب بیان کئے جاتے ہیں' ایک یہ کہ یوسف کی ایک سالہ مدت حکومت ختم ہونے کے بعد جب یمنیوں کی باری آئی تو یوسف نے ان پر حملہ کر دیا' دوسرا یہ کہ یوسف کو حاکم بنانے کی تحریک صمیل بن حاتم نے کی تھی' یہ دونوں مضری تھے' اس لیے یمن اور مضر کا سوال پیدا ہو کر جنگ شروع ہو گئی' تیسرا یہ کہ یوسف نے زمام حکومت ہاتھوں میں لینے کے بعد یحیٰی بن حریث جزامی کو جسے ریہ کی حکومت دی گئی تھی معزول کر دیا۔ بہر حال ان تینوں میں سے جو سبب بھی ہو' یوسف کے زمانہ میں پھر فریقین میں جنگ شروع ہو گئی اور اس کا سلسلہ کئی سال تک قائم رہا' اس خانہ جنگی سے اندلس کے مسلمانوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی اور یہاں کے اصلی باشندوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے' بہت سے نو مسلم اندلسی مرتد ہو کر باغی ہو گئے اور سارے اندلس میں انقلاب کی شکل پیدا ہو گئی' لیکن کئی سال کی خون ریزی کے بعد بالآخر یوسف اور صمیل نے یمنیوں کو مغلوب کر کے حکومت قائم کر لی۔ (یہ حالات افتتاح الاندلس میں مفصل اور طویل ہیں ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے) ٹھیک اسی زمانہ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ اندلس پہنچ گیا۔

**عبدالرحمٰن الداخل کا ورود اندلس اور اموی حکومت کا قیام** اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عباسی حکومت کے قیام کے بعد جب سفاح نے بے دردی سے اموی خاندان کو مٹانا شروع کیا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیے جانے لگے تو ان کو جدھر کا راستہ ملا بھاگ نکلے' انہی میں ایک عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک اموی بھی تھا۔ مروان کے خاتمہ کے وقت وہ شام میں تھا' جب بنی امیہ کے دارو گیر اور ان کا قتل عام شروع ہوا تو وہ چھپ کر بھاگ نکلا' عباسی سپاہیوں نے اس کا تعاقب بھی کیا' لیکن وہ کسی نہ کسی طرح جان بچا کر نکل گیا اور مغرب پہنچ کر قبیلہ مکناسہ میں مقیم ہوا' اور افریقہ کے حاکم عبدالرحمٰن بن معاویہ کے افریقہ پہنچنے کی خبر ہوئی تو اس نے اس کی تلاش شروع کر دی' قبیلہ مکناسہ بھی

اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آیا تھا اس لیے عبدالرحمٰن مکناسہ سے قبیلہ نفزاوہ چلا گیا۔ اس کی ماں بربری تھی اور اسی قبیلہ سے تھی اس لیے قبیلہ نفزاوہ نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب یوسف یمنیوں کو مغلوب کر کے اپنی حکومت قائم کر چکا تھا' لیکن اندر ہی اندر مخالفت کی آگ برابر سلگ رہی تھی' اور اب تک عباسیوں کا اثر یہاں نہ پہنچا تھا' اس لیے بنی امیہ کے حامیوں کی بڑی تعداد یہاں موجود تھی' چنانچہ عبدالرحمٰن نے ان کو اندلس میں اپنی حکومت کے قیام کی دعوت دی اور اپنے غلام بدر کو اندلس بھیجا' یمن کے تمام قبائل اور بنی امیہ کے دوسرے طرف داروں نے اس دعوت کو بڑی خوشی سے قبول کر لیا اور ان کا ایک وفد جہاز لے کر عبدالرحمٰن کو لینے کے لیے مغرب آیا' اور ۱۳۸ھ میں اس کو اپنے ساتھ اندلس لے گیا۔ (افتتاح الاندلس ص ۶۸' ۷۵)

اہل اندلس عبدالرحمٰن کے لیے چشم براہ تھے' اس کے پہنچتے ہی یمن کے قبائل نے اس کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا' ان کے علاوہ اشبیلیہ' ریہ' شندونہ اور موررور کے مسلمانوں نے بھی اس کی بیعت کر لی' ان کی حمایت و امداد حاصل ہونے کے بعد عبدالرحمٰن اندلس کے پایہ تخت قرطبہ کی طرف بڑھا' یوسف اس وقت ایک مہم میں جلیقیہ گیا ہوا تھا' یہاں قرطبہ پر عبدالرحمٰن کی فوج کشی کی خبر پہنچی تو یوسف کی تمام فوجیں اس کا ساتھ چھوڑ کر عبدالرحمٰن کے پاس قرطبہ چلی گئیں' اور اس کے ساتھ بہت تھوڑی جماعت رہ گئی' اس کے وزیر و مشیر صمیل نے اس کو عبدالرحمٰن کے ساتھ لطف و مدارات سے پیش آنے کا مشورہ دیا' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی عبدالرحمٰن قرطبہ ہوتا ہوا مالقہ پہنچا' یہاں آنے کے بعد اکثر شہروں کی فوجیں اس کے پاس چلی آئیں' اور قریب قریب پورا اسلامی اندلس اس کے ساتھ ہو گیا' اور یوسف کے ساتھ صرف فہر اور قیس کے قبیلے رہ گئے' اس دوران میں یوسف بھی قرطبہ پہنچ گیا' اس میں اور عبدالرحمٰن میں مقابلہ ہوا' یوسف کی فوج بہت کم تھی' اس لیے اس کو شکست ہوئی اور وہ غرناطہ جا کر قلعہ بند ہو گیا' عبدالرحمٰن نے عقب سے پہنچ کر محاصرہ کر لیا' یوسف کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی اس لیے اسے مجبور ہو کر عبدالرحمٰن کی اطاعت قبول کر لینی پڑی اور دونوں میں مصالحت ہو گئی' عبدالرحمٰن نے اسے قرطبہ میں قیام کرنے کی اجازت دے دی' لیکن تھوڑے دنوں کے بعد وہ بد

عہدی کر کے طلیطلہ چلا گیا' بیس ہزار بربری اس کے ساتھ ہو گئے' عبدالرحمٰن کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے عبدالملک بن عمرو مروانی کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا' اس نے یوسف کو شکست دی اور اس کے ایک آدمی نے حیلہ سے اس کو قتل کر کے اس کا سر عبدالرحمٰن کی خدمت میں پیش کیا' یوسف کے قتل کے بعد ۱۴۱ھ اندلس میں بنی امیہ کی حکومت قائم ہو گئی جو کئی صدیوں تک قائم رہی۔ (ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۲۱ افتتاح الاندلس میں ان واقعات کو بڑی تطویل سے لکھا ہے)

**علوی** خلافت کے بارہ میں اہل بیت اور غیر اہل بیت کی نزاع بنی امیہ کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی جو بنی عباس کے زمانہ میں بھی قائم رہی' بلکہ پہلے سے زیادہ بڑھ گئی اور منصور کے زمانہ میں اس کا جس شدت کے ساتھ ظہور ہوا' اس کی مثال اموی دور میں بھی نہیں ملتی۔ عباسی حکومت کے خلاف علویوں میں ایک عام حرکت پیدا ہو گئی اور سب سے پہلے محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نفس زکیہ نے منصور کے مقابلہ میں خروج کیا' نفس زکیہ فضل و کمال اور زہد و ورع اور اثر و لفوذ کے لحاظ سے بنی ہاشم کے نہایت ممتاز بزرگ تھے' ان کے والد عبداللہ نے بنی ہاشم کے حامیوں میں مشہور حدیث "اسمہ کاسمی" کی تبلیغ کر کے ان کو یقین دلایا کہ محمد وہی مہدی موعود ہیں جن کی پیش گوئی آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں فرمائی تھی۔ (الفخری ص ۱۴۸۔ پوری حدیث یہ ہے **لو بقی من الدنیا یوم یطول اللہ ذالک الیوم حتی یبعث فیہ مھدینا او تا ئمنا اسمہ کاسمی واسم ابیہ کاسم ابی** لیکن محدثین کے نزدیک یہ حدیث پایہ اعتبار سے ساقط ہے) چونکہ نام سے وہ اس حدیث کے مصداق تھے۔ اس لیے بہت سے عوام خصوصاً شیعیان اہل بیت نے آسانی سے اس کو قبول کر لیا۔ اور بہت بڑی جماعت نے ان کو مہدی تسلیم کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور نفس زکیہ ایک زمانہ تک خفیہ دعوت دیتے رہے' منصور ابتداء ہی سے ان کی تاک میں لگا ہوا تھا مگر نفس زکیہ برابر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہے' اس لیے منصور ان کو گرفتار نہ کر سکا۔ ۱۴۴ھ میں جب بنو ہاشم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو منصور نے سختی سے ان کی تلاش شروع کی اور بنو ہاشم کے اشخاص کو بلا کر ان سے ان کا پتہ پوچھا' مگر کسی نے صحیح جواب نہ دیا' منصور نے نفس زکیہ کے والد عبداللہ پر سختی کی کہ وہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی کو حاضر کریں' انہوں نے لاعلمی ظاہر کی

اور کہا اگر وہ میرے پاس ہوتے جب بھی قتل کے لیے تمہارے حوالہ نہ کرتا۔ (الفخری ص ۱۷۳) منصور نے ہر طرح کی سختیاں کیں، مگر کسی طرح پتہ نہ چلا، تلاش و جستجو کا سلسلہ جاری تھا کہ علویوں نے مکہ میں جمع ہو کر منصور کو خفیہ قتل کر دینے کی سازش کی، عبداللہ بن محمد نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، لیکن نفس زکیہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ہم اس وقت تک اس کو دھوکے سے قتل نہ کریں گے، جب تک اس کو خلافت سے دست برداری کا پیام نہ دے لیں۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۹۴) اتفاق سے منصور کا فوجی افسر خالد بن حسان اس مشورہ کے وقت پہنچ گیا تھا، اس نے منصور کو اس کی اطلاع دے دی، منصور نے زیاد بن عبیداللہ کو نفس زکیہ کی گرفتاری پر مامور کیا یہ سیدھا مدینہ پہنچا، اتفاق سے اس وقت نفس زکیہ بھی مدینہ آئے ہوئے تھے، زیاد نے ان کو امان دے کر بلا بھیجا، یہ آئے زیاد نے امان کا پاس کر کے انہیں چھوڑ دیا، اور اس کی سزا میں خود قید کیا گیا اور یہ مہم محمد بن خالد کے سپرد ہوئی اس نے مدینہ پہنچ کر روپیہ کے ذریعے سے پتہ چلانا چاہا، جب اس میں کامیابی نہ ہوئی، تو خانہ تلاشی شروع کی، لیکن نفس زکیہ کا کہیں پتہ نہ چلا، (طبری جلد ۱۰ ص ۸۷، ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۹۴ یہ واقعہ دونوں کتابوں میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ قبول ہے ہم نے اس کا صرف ضروری خلاصہ نقل کیا ہے) آخر میں منصور نے رباح بن عثمان بن حیان المری کو مدینہ کا حاکم بنا کر بھیجا اور سخت تاکید کی کہ محمد اور ابراہیم کی تلاش میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے، اس نے نہایت سختی کے ساتھ تلاش شروع کی، اس کی سختی دیکھ کر نفس زکیہ اور ابراہیم کو گرفتاری کا خطرہ پیدا ہو گیا، اس لیے وہ برابر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہے اور ان کا پتہ نہ چل سکا، رباح نے عبداللہ بن حسن پر سختی کر کے ان سے پوچھنے کی کوشش کی، انہیں قتل بھی کرا دیا، لیکن کوئی پتہ نہ چلا، اس لیے منصور کا غصہ اور تیز ہو گیا اور اس نے رباح کو حکم دیا کہ اگر نفس زکیہ محمد اور ابراہیم نہیں ملتے تو حسن کی کل اولاد گرفتار کر لی جائے، چنانچہ یہ سب گرفتار کر کے پابجولاں ربذہ بھیجے گئے۔ منصور نے انہیں قید میں ڈلوا دیا۔

**نفس زکیہ کا خروج** آل حسن کی گرفتاری کے بعد ان سے نفس زکیہ اور ابراہیم کا پتہ پوچھنے کے لیے بھی طرح طرح کی سختیاں کی گئیں اور آخر میں یہ لوگ ربذہ سے عراق منتقل کر دیئے گئے اور سختی کا سلسلہ برابر جاری رہا، بہت سے لوگ ان سزاؤں کی تاب نہ لا

کر مر گئے، نفس زکیہ اور ان کے اتباع کو برابر ان مصائب کی اطلاع مل رہی تھی اور یہ سب سختیاں انہی کی وجہ سے ہو رہی تھیں' اس لیے ان کے حامیوں نے ان کو مجبور کیا کہ یہ تمام مصائب آپ ہی کی وجہ سے ٹوٹ رہے ہیں' اس لیے جلد میدان میں آیئے۔ چنانچہ رجب ۱۴۵ھ میں وہ بڑی جماعت کے ساتھ نکلے' مقامی جماعتوں کے علاوہ مختلف ملکوں کے وفود بھی شامل تھے' جس ملک کے لوگ نہ آ سکے تھے' ان کے خطوط آئے تھے' چنانچہ انہوں نے مدینہ پر قبضہ کر کے رباح کو قید کر دیا' مدینہ پر قبضہ کے بعد مکہ گئے' یہاں کے باشندے بھی ساتھ ہو گئے۔

منصور کو ان حالات کی اطلاع پہنچی تو اپنی مستقل مزاجی کے باوجود گھبرا گیا اور نفس زکیہ کے نام خط بھیجا' جس کا مضمون یہ تھا۔

**منصور کا خط** خدا کے بندہ عبداللہ امیرالمومنین کی جانب سے محمد بن عبداللہ کو معلوم ہو کہ "جو لوگ خدا اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں' ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں' یا سولی پر لٹکائے جائیں' یا ان کے دونوں مخالف ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں' یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں' ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے" ہاں جو لوگ قابو پائے جانے سے پہلے ان حرکتوں سے تائب ہو جائیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا غفور اور رحیم ہے۔ (آیتہ قرآنی)

ان آیات قرآنی کے بعد مرقوم تھا کہ میں خدا اور رسول کو درمیان میں ڈال کر اور اس کا واسطہ دے کر عہد کرتا ہوں کہ اگر تم میرے قابو میں آنے سے پہلے اپنی حرکتوں سے توبہ کر کے باز آ جاؤ تو میں تمہارے لڑکوں' تمہارے بھائیوں اور تمہارے اہل خاندان اور رفقاء سب کی جان بخشی کرتا ہوں اور تم نے جو جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہے' اس سے بھی درگذر کروں گا اور دس لاکھ درہم نقد دوں گا۔ تمہاری اور جو ضروریات ہوں گی سب پوری کروں گا اور جو مقام تم اپنے رہنے کے لیے پسند کرو گے وہاں قیام کی اجازت دے دی جائے گی تمہارے خاندان کے جس قدر لوگ قید ہیں سب رہا کر دیئے جائیں گے' تمہارے ہاتھ پر جن لوگوں نے بیعت کی ہے یا کسی حیثیت سے تمہارا ساتھ دیا ہے سب کی جان بخشی کی جائے گی' ان میں کسی سے کبھی مواخذہ نہ لیا جائے گا۔ اگر تم میری ان شرائط پر اطمینان حاصل کرنا چاہتے ہو تو جن کو تم پسند کرو' انہیں بھیج دو' وہ آ کر مجھ سے امان نامہ

اور عہد و میثاق نامہ لے لیں۔

محمد بن عبداللہ نے اس کا جواب دیا:۔

**نفس زکیہ کا جواب** "خدا کے بندہ مہدی محمد بن عبداللہ کی جانب سے عبداللہ بن محمد کے نام "طسم" یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں' ہم ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں' موسیٰ اور فرعون کے بعض سچے حالات تم کو سناتے ہیں' فرعون زمین میں بہت بڑھ رہا تھا اور اس نے اس کے باشندوں کے مختلف گروہ بنا دیئے تھے' ان میں ایک گروہ کو اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا' بے شک وہ مفسدہ پردازوں میں تھا ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں جو کمزور سمجھے گئے ان کے ساتھ احسان کریں اور ان کو سزاوار نہ بنائیں' نیز انہیں ملک کا وارث قرار دیں اور ان کے قدم ملک میں جمائیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو جن سے وہ ڈرتے تھے' انہیں لوگوں کے ہاتھوں تباہ کر دکھائیں"۔

ان آیات کے بعد اصل مضمون یہ تھا کہ:۔ "تم نے میرے سامنے جس طرح کی امان پیش کی ہے میں بھی اسی طرح کی امان پیش کرتا ہوں' خلافت دراصل ہمارا حق ہے ہمارے ہی ذریعہ سے تم نے اس کا دعویٰ کیا ہمارے شیعوں کو لے کر تم اس کے حصول کے لیے نکلے اور ہماری ہی فضیلتوں کے طفیل میں تمہیں یہ اعزاز حاصل ہوا ہمارے باپ علیؓ وصی اور امام تھے' پھر تم ہمارے یعنی ان کی اولاد کے ہوتے ہوئے کیسے وارث ہو گئے تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ کسی ایسے شخص نے جس کا نسب اور شرف خاندانی تمہارے جیسا ہو خلافت کا دعویٰ نہیں کیا ہم ملعونوں' مطرودوں اور آزاد کردہ غلاموں کی اولاد میں نہیں ہیں۔ (غالباً اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جنگ بدر میں حضرت عباسؓ مشرکین کے ساتھ نکلے تھے اور ان کی شکست کے بعد گرفتار ہو گئے تھے اور فدیہ دے کر رہائی حاصل کی تھی) ہم کو قرابت رسولؐ سبقت فی الاسلام اور دوسرے فضائل کے جو مفاخر حاصل ہیں' وہ بنو ہاشم میں کسی کو حاصل نہیں ہیں زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی ماں فاطمہ بنت عمرو کی اولاد ہم تھے نہ کہ تم' اور اسلام میں ان کی لڑکی فاطمہؓ کی اولاد ہم تھے نہ کہ تم' خدا نے ہمارے لیے بہترین نسب منتخب کیا۔ ہمارے والد محمد ﷺ نبیوں میں تھے' اور علیؓ سب سے پہلے مسلمان تھے' ازواج النبی میں سب سے افضل ہماری نانی خدیجہؓ طاہرہ تھیں' جنہوں نے سب سے

پہلے قبلہ رخ نماز پڑھی' لڑکیوں میں سب سے بہتر فاطمہؓ خواتین جنت کی سردار ہیں' اسلام میں پیدا ہونے والوں میں سب سے بہتر حسنؓ و حسینؓ نوجوانان جنت کے سردار ہیں' علیؓ کو ہاشم سے دوہرا شرف ا.بنیت حاصل ہے۔ (حضرت علیؓ کے والد ابو طالب ہاشم کے پوتے تھے اور حضرت علیؓ کی ماں فاطمہ بنت اسد ہاشم کی پوتی تھیں۔ اس لیے حضرت علیؓ ہاشم کے پرپوتے بھی تھے اور پر نواسے بھی) حسن کو عبد المطلب سے دوہرا شرف ا.بنیت حاصل ہے۔ (اس طرح حضرت حسنؓ عبد المطلب کے پرپوتے بھی تھے اور پر نواسے بھی) مجھے حسنؓ اور حسینؓ کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوہرا شرف ا.بنیت حاصل ہے۔ (نفس زکیہ حضرت امام حسن کے پرپوتے تھے اور حضرت امام حسینؓ کے پرنواسے اس لیے وہ نانسال اور دادسال دونوں جانب سے اہل بیت نبوی میں تھے) میں "نسبتاً" بنی ہشام کا خلاصہ ہوں' میری رگوں میں امہات اولاد کا عجمی خون نہیں ہے۔ (یہ منصور پر طنز ہے کہ وہ لونڈی کے بطن سے تھا) اللہ تعالیٰ نے نسب کے لحاظ سے میرے لیے بہترین ماں باپ منتخب کیے اور یہ امتیاز دوزخ میں بھی قائم رکھا' میں اس کی اولاد ہوں جس کا درجہ جنت میں سب سے بلند ہو گا۔ (یعنی رسول اللہ ﷺ) میں اس کی اولاد ہوں جس کو دوزخ میں سب سے کم عذاب ملے گا۔ (روایات میں ہے کہ ابو طالب پر سب سے کم عذاب ہو گا) پس میں نیکوں میں سب سے بڑے نیک اور بروں میں سب سے کمتر برے اور جنت اور دوزخ کے سب سے بہتر مکین کا فرزند ہوں' میں خدا کا واسطہ دے کر وعدہ کرتا ہوں کہ تم میری دعوت مان کر میری اطاعت قبول کر لو' تو میں خدا کے حدود' مسلمانوں اور معاہد کے حقوق کے علاوہ جن کا بار تمہاری گردن پر ہے' تمہاری جان' تمہارا مال اور تمہارے تمام محدثات کو معاف کر دوں گا' میں خلافت کا تم سے زیادہ حق دار اور ایفائے عہد کا تم سے زیادہ پابند ہوں' کیونکہ تم جیسی امان مجھے دے رہے ہو' ایسی معلوم نہیں کتنی امانیں دوسروں کو دے چکے ہو' تم مجھے کس طرح کی امان دیتے ہو؟ جیسی ابن ہبیرہ کو دی' یا جیسی اپنے چچا عبداللہ بن علیؓ کو دی' یا جیسی اپنے قوت بازو ابو مسلم کو دی؟ (ان سب کو امان دینے کے بعد قتل یا قید کر دیا گیا تھا)

**منصور کا دوسرا خط** بسم اللہ الرحمن الرحیم! امابعد' تمہاری گفتگو میں نے سنی اور تمہاری تحریر دیکھی تو عوام جہلا اور جفا کاروں کو گمراہ کرنے کے لیے عورتوں کی قرابت کے فخر کا صور پھونکتے ہو۔ (یعنی حضرت فاطمہ کی اولاد ہونے کا) حالانکہ خدا نے عورتوں کا درجہ چچا'

باپ، عصبہ اور اولیاء کے برابر نہیں رکھا۔ خدا نے چچا کو باپ کا رتبہ دیا ہے۔ (یہ اس کی طرف اشارہ ہے کہ منصور کے جد اعلیٰ حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے) اور اپنی کتاب میں بھی اسی سے شروع کیا ہے، اگر خدا نے محض قرابت کی وجہ سے عورتوں کو کوئی رتبہ دیا ہوتا تو اس کی سب سے زیادہ مستحق رسول اللہ ﷺ کی ماں آمنہ ہوتیں اور سب سے پہلے وہ جنت میں جاتیں لیکن خدا اپنے علم کے ذریعہ سے جسے چاہتا ہے رتبہ کے لیے منتخب کرتا ہے خدا فرماتا ہے۔

**انک لا تهدی من اجبت ولکن اللہ یهدی من یشاء (الخ)**

تم جس کو پسند کرتے ہو اس کو ہدایت یاب نہیں کر سکتے، لیکن خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

تم کو ابو طالب کی ماں فاطمہ بنت عمرو کے انتساب پر فخر ہے، حالانکہ خدا نے ان کی اولاد میں سے کسی کو اسلام کی توفیق نہیں عطا کی اور اگر ان میں قرابت کی وجہ سے کسی کو توفیق دیتا تو اس کے سب سے زیادہ مستحق رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ تھے، جو دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کے مستحق تھے، لیکن خدا اپنے مذہب کی توفیق جس کو چاہتا ہے۔ (آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ کا انتقال آپ کی ولادت سے پہلے ہو گیا تھا۔ اور انہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔) دیتا ہے جس وقت رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے، اس وقت آپ کے چار چچا زندہ تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو ان میں سے دو نے قبول کی جن میں ایک (حضرت عباسؓ) ہمارے جد اعلیٰ تھے۔ (دوسرے حضرت حمزہ) اور دو نے انکار کیا۔ ان میں سے ایک (ابو طالب) تمہارے جد اعلیٰ (دوسرے ابولہب) تھے۔ ان کے انکار پر خدا نے ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان قرابت کا رشتہ توڑ دیا، تمہیں اس پر بھی فخر ہے کہ تم دوزخ میں سب سے کم عذاب پانے والے انسان اور بروں میں سب سے کم برے کی اولاد ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ کفر میں چھوٹے کفر، عذاب میں کم عذاب، شریروں میں کم شریر کا کوئی سوال نہیں سب برابر ہیں، کوئی مسلمان عذاب دوزخ پر خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو فخر نہیں کر سکتا۔ خدا فرماتا ہے سیعلم الدین کفروا الخ اور یہ فخر کہ حسنؓ کو عبدالمطلب سے اور تمہیں رسول اللہ ﷺ سے دوہرا شرف ابنیت حاصل ہے کوئی فخر نہیں، خیر الاولین والاخرین رسول اللہ ﷺ کو ہاشم اور عبدالمطلب دونوں سے

دوہری نہیں بلکہ اکہری نسبت (یعنی دادیہالی) تھی تمہارا یہ لکھنا کہ بنی ہاشم کا خلاصہ ہو' والدین کی طرف سے تمہارا نسب زیادہ خالص ہے' تم میں عجمی امہات اولاد کا خون نہیں ہے' کتنی بڑی جسارت ہے اس دعوت سے تم پورے بنوہاشم کے مقابلہ میں فخر کر رہے ہو' دیکھو کل تم خدا کو کیا جواب دو گے تم اپنے دعوئی میں اپنے حدود سے اتنا آگے بڑھ گئے ہو کہ جو مسلمہ طور پر تم سے ہر اعتبار سے افضل ہے اس کے مقابلہ میں فخر کرتے ہو گویا تم اپنے کو رسول اللہ ﷺ کے صاجزادے حضرت ابراہیم سے افضل سمجھتے ہو' جو ام ولد کے بطن سے تھے' اس مثال کو جانے دو' خود تمہارے باپ کے بھائی کی بہترین اور افضل ترین اولاد ام ولد ہی کے بطن (یعنی حضرت امام زین العابدینؒ بن حسینؓ) سے تھی' یہ تم بھی مانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تمہارے خاندان میں علی بن حسینؓ سے افضل کوئی نہیں پیدا ہوا' وہ بھی ام ولد کے بطن سے تھے لور تمہارے دادا حسن بن حسین سے تھے' پھر ان کے بعد تمہارے خاندان میں محمد بن علی سے بہتر کوئی نہیں ہوا' ان کی دادی بھی ام ولد تھیں' وہ تمہارے باپ سے افضل تھے ان کے بعد ان کے لڑکے جعفر کی دادی بھی ام ولد تھیں۔ اور وہ تم سے بہتر تھے' ان کھلی ہوئی مثالوں کے بعد بھی کیا تمیں فخر کا حق ہے؟ تمہارا یہ دعوئی کہ تم لوگ رسول اللہ (ﷺ) کے لڑکے ہو' قرآن کے سرا سر خلاف ہے' خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما کان محمد ابا احد من رجالکم** ہاں تم آپ کی لڑکی کی اولاد البتہ ہو اور یہ بھی قریبی ہی قرابت ہے' لیکن اس کے لیے میراث جائز ہی نہیں۔ (اس سے یہ مراد ہے کہ عصبات کی موجودگی میں نواسہ وارث نہیں ہوتا یا آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی طرف ہے کہ انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی) نہ لڑکی کو ولایت کا حق ہوتا ہے نہ امامت کا' پھر تمہیں کیونکر اس کا حق پہنچ گیا' تم کو معلوم ہے کہ تمہارے باپ علیؓ نے بھی اس کے حصول کی ہر ممکن کوشش کی تھی' انہوں نے فاطمہؓ کو دن میں نکالا۔ چھپ کر ان کی تیمارداری کی اور رات کو خفیہ دفن کیا' لیکن لوگوں نے شیخین کے سوا ان کی خلافت نہیں تسلیم کی' اسلام کے اس قانون میں کسی کو اختلاف نہیں ہے' کہ نانا' ماموں اور خالہ کسی کو وراثت نہیں ملتی' تمہارا یہ فخر کہ علیؓ سابقین اسلام میں تھے بے معنی ہے' محض سبقت فی الاسلام کوئی ایسا شرف نہیں ہے جو خلافت کا مستحق بناتا ہو' خود رسول اللہ (ﷺ) نے مرض الموت میں ان کے علاوہ دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا' آپ کے بعد مسلمانوں نے علیؓ کو چھوڑ کر

یکے بعد دیگرے دو آدمیوں کو خلیفہ منتخب کیا' ان دونوں کے بعد جب چھ آدمی نامزد ہوئے تو علیؓ کو خلافت سے دور رکھنے کے لیے سبھوں نے ان کو چھوڑ دیا' اور ان کو حق دار سمجھا اور عبدالرحمٰنؓ نے عثمانؓ کو ان پر ترجیح دی اور عثمانؓ کے قتل ہونے کے بعد علیؓ پر ان کے قتل میں شرکت کا الزام لگایا گیا۔

اس کے بعد جب خود ان کا دور آیا تو طلحہؓ اور زبیرؓ نے ان سے جنگ کی اور سعد نے بیعت سے انکار کر کے دروازے بند کر لیے' معاویہؓ نے علیحدہ اپنی بیعت لی' اور علیؓ نے ان کا پورا مقابلہ کیا' مگر آخر میں ان کے ساتھی الگ ہو گئے اور بہت سے ان سے بدگمان ہو گئے' پھر انہوں نے اپنا فیصلہ حکمین کے ہاتھوں میں دے دیا' جنہوں نے بالاتفاق ان کو معزول کر دیا' ان کے بعد ان کے لڑکے حسنؓ نے چند کپڑوں اور درہموں کے عوض خلافت معاویہؓ کے ہاتھ بیچ کر اپنے حامیوں کو معاویہؓ کے حوالہ کر دیا اور خلافت ایک غیر مستحق شخص کو دے کر اس کے بدلہ میں مال لیا' جس کے وہ مستحق نہ تھے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد حجاز کے گوشہ عافیت میں بیٹھ گئے' بالفرض اگر خلافت تمہارا حق تھا بھی تو تم نے اسے بیچ کر اس کی قیمت لے لی' اس کے بعد تمہارے چچا ابن مرجانہ کے مقابلے میں آئے لیکن جو لوگ ان کے ساتھ تھے خود انہوں نے انہیں قتل کر کے ان کا سر ابن مرجانہ کی نذر کیا پھر تم لوگ بنی امیہ کے مقابلے میں اٹھے۔ بنو امیہ نے تمہارے ساتھ کیا کچھ نہ کیا تمہیں قتل کیا' تمہیں سولیوں پر لٹکایا' آگ میں جلایا' جلا وطن کیا حتیٰ کہ یحییٰ بن زید غریب الوطنی میں خراسان میں قتل ہوئے' بنو امیہ نے تمہارے مردوں کو قتل کیا۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر کے بلا پردہ کشاں کشاں شام تک لے گئے' تا آنکہ ہم ان کے مقابلے کے لیے اٹھے اور ان سے پورا پورا بدلہ لیا اور تمہیں ان کے ملک کا وارث بنایا تمہارے اسلاف کی فضیلت کا ڈنکا بجا کر ان کا نام روشن کیا ہمارے اس اعلان فضیلت کو تم ہمارے ہی خلاف حجت قرار دیتے ہو اور سمجھتے ہو کہ تمہارے اجداد کا نام ان کی برتری کی وجہ سے لیتے تھے کہ وہ حمزہؓ' عباسؓ اور جعفرؓ سے افضل تھے' اگر تمہارا یہ خیال ہے تو سرا سر غلط ہے' دنیا سے یہ لوگ ایسی حالت میں صاف اور دامن بچائے ہوئے گئے کہ لوگ ان فضائل کو مسلمہ طور پر مانتے تھے' اس کے برعکس تمہارے باپ علیؓ کو جنگ اور خون ریزی کی آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑا۔ بنو امیہ ان پر اسی طرح لعنت بھیجتے رہے جس طرح

نماز میں کفار پر بھیجی جاتی ہے ایسے وقت میں ہم ہی نے اس کے خلاف احتجاج کر کے ان کے فضائل کا اشتہار دیا اور نہایت سختی اور جبر کے ساتھ ان کو روکا تم کو زمانہ جاہلیت میں ہمارے سقایہ حجاج اور ولایت زمزم کے شرف و اعزاز کا بھی علم ہے یہ شرف سب بھائیوں میں ہمارے ہی باپ عباسؓ کے حصہ میں آیا' اسلام کے زمانہ میں تمہارے باپ نے اس کے لیے جھگڑنا چاہا' لیکن عمرؓ نے ہمارے موافق فیصلہ کیا' اس لیے ہم کو جاہلیت اور اسلام دونوں میں سقایہ حجاج کا اعزاز حاصل رہا' جب مدینہ میں قحط پڑا اور اہل عرب پانی کی ایک ایک بوند کے لیے تڑپتے تھے' اس وقت تمہارے باپ علیؓ بھی موجود تھے' لیکن عمرؓ نے ہمارے ہی باپ (حضرت عباسؓ) کو وسیلہ بنا کر خدا سے دعا کی اور خدا نے ان کے طفیل میں باران رحمت سے سیراب کیا' تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عبدالمطلب کی اولاد میں عباس کے سوا کوئی باقی نہ تھا اور وہ چچا کی حیثیت سے آنحضرتؐ کے وارث تھے' پھر بنی ہاشم کے ایک سے زیادہ آدمیوں نے اسے مانگا' لیکن عباس کی اولاد کے علاوہ کسی کو یہ منصب نہ ملا' اس لیے سقایت کے حق دار بھی عباسؓ تھے اور میراث نبوی کے وارث بھی وہی تھے اور اب خلافت کے حق دار ان کی اولاد ہے پس جاہلیت اور اسلام' دنیا اور آخرت کا کوئی ایسا شرف باقی نہیں ہے جس کی حامل اور وارث عباس کی اولاد نہ رہی ہو تم نے بدر کے معاملہ میں طعنہ زنی کی ہے۔ (محمد نفس زکیہ کے خط میں اوپر گذر چکا ہے۔ حضرت عباسؓ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے) تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ظہور اسلام کے وقت عباس؛ ابوطالب کی ناداری کی وجہ سے ان کے اہل و عیال کے کفیل تھے اگر عباس جبراً" بدر میں نہ لائے جاتے تو طالب اور عقیل بھوکوں مرجاتے اور عتبہ اور شیبہ کے پیالے چاٹتے لیکن عباس نے انہیں کھلا کر اس ذلت سے بچایا اس احسان کے بعد تم ہمارے سامنے سر اٹھاتے ہو' جاؤ پہلے پرورش کے عار اور کفالت کے داغ کو دور کرو تمہاری پستی اور ہماری برتری کے ثبوت کے لیے یہ واقعہ کافی ہے اور سنو بدر میں عقیل کو فدیہ دے کر کس نے چھڑایا تھا؟ وہ ہمارے باپ عباس تھے اب بھی تمہیں ہمارے مقابلہ میں فخر کا موقع ہے؟ ہم کفر کی حالت میں بھی تم سے بلند مرتبہ رہے اور تمہارے قیدیوں کو چھڑایا' بزرگوں کے مفاخر ہماری وجہ سے تم کو حاصل ہوئے خاتم الانبیاء کے وارث ہم ہوئے تم نہیں' ہم نے ہی بنو امیہ سے تمہارے خون کا انتقام لیا اور ان کو تمہاری جانب سے ایسا

سخت بدلہ دیا کہ تم اپنے ذاتی معاملہ کے باوجود اس سے عاجز تھے۔ (دیکھو طبری جلد ۱۰ ص ۲۰۸ '۲۱۵ و ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۹۹ تا ۲۰۱) والسلام۔

**عبداللہ بن علی کا مشورہ** اس خط و کتابت سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ڈیڑھ صدی کے اندر اندر مسلمانوں کی ذہنیت میں کتنا انقلاب پیدا ہو گیا تھا' مفاخر نسبی جن کو اسلام نے نہایت سختی سے مٹایا تھا' کس طرح بری بطرح ابھر گئے تھے' عوام کا ذکر نہیں کیا' خواص اور ائمہ دین تک جن کو مسلمانوں کے لیے نمونہ ہونا چاہئے تھا' ان مہلک خیالات میں مبتلا تھے' ظاہر ہے کہ اس خط و کتابت کا مقصد دعوت حق یا دعوت مصالحت نہ تھا' اس لیے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

منصور کا چچا عبداللہ بن علی بڑا مدبر تھا' نازک موقعہ پر اس کی رائے بہت صائب ہوتی تھی وہ اس وقت قید تھا' منصور نے اس سے رائے پوچھ بھیجی۔ اس نے مشورہ دیا کہ کوفہ اہل بیت اور ان کے اعوان و انصار کا مرکز ہے اس لیے مسلح فوجوں کا پہرہ لگا کر اس کی ناکہ بندی کر دی جائے۔ اور وہاں کا جو باشندہ باہر جانا چاہے' یا باہر کا کوئی شخص اندر آنا چاہے اس کی گردن اڑا دی جائے' مسلم بن قتیبہ کو رے سے بغداد بلا لیا جائے اور شام کے منتخب بہادروں کو انعام و اکرام دے کر مقابلہ پر روانہ کیا جائے۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۹۸ ابن اثیر کے بیان کے مطابق منصور نے خط و کتابت سے پہلے عبداللہ سے مشورہ طلب کیا تھا' لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔)

عبداللہ بن علی کے علاوہ منصور نے ایک اور تجربہ کار اسحاق بن مسلم عقیلی سے بھی مشورہ طلب کیا' اس نے رائے دی کہ سب سے پہلے بصرہ کی ناکہ بندی کیجئے اور نفس زکیہ کے مقابلہ میں ایسے لوگوں کو بھیجئے جو رتبہ میں ان سے کم نہ ہوں۔ تاکہ اگر لوگ نفس زکیہ کی حمایت میں یہ دلیل پیش کریں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہیں تو دوسرے یہ جواب دے سکیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا کی اولاد ہیں' اس مشورہ کے مطابق منصور نے اپنے بھتیجے عیسیٰ کو چار ہزار سوار اور دو ہزار پیدل کے ساتھ روانہ کیا اور محمد بن قحطبہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ ان کی مدد کے لیے عقب سے بھیجا' (مسعودی جلد ۶ ص ۱۹۱ '۱۹۲) اور ہدایت کر دی کہ اگر محمد بن عبداللہ مغلوب ہو جائیں تو تلوار نیام میں کر لینا اور امان دے دینا' اور علیؓ کی اولاد میں سے جو تمہیں ملے اس کا نام مجھے لکھ بھیجنا اور جو نہ ملے اس

کا مال ضبط کر لینا۔

نفس زکیہ مدینہ میں تھے' اس لیے عباسی فوج نے سیدھا مدینہ کا رخ کیا اور جب اس کے قریب پہنچی تو عبداللہ بن محمد بعض ہاشمیوں کو لے کر ان سے مل گئے' نفس زکیہ کو عیسیٰ کی آمد کی خبر ملی تو انہوں نے وہ خندق جو رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقع پر کھودی تھی صاف کرائی' عیسیٰ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے آخری مرتبہ پھر محمد نفس زکیہ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ اگر اب بھی آپ جنگ سے باز آ جائیں تو آپ کی اور آپ کے خاندان والوں کی جان بخشی کی جائے گی" لیکن نفس زکیہ نے اس پیشکش کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا اور جواب میں کہلا بھیجا کہ تم کو بھی رسول اللہ ﷺ سے قرابت قریبہ حاصل ہے میں تم کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور اس پر عمل کی دعوت دیتا ہوں اور اس کے انتقام سے ڈراتا ہوں' خدا کی قسم میں اس وقت تک اپنے دعوے سے دست بردار نہیں ہو سکتا جب تک اس سے مل نہ جاؤں' تمہیں اس سے بچنا چاہیے کہ جو شخص تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہے وہی تمہیں قتل کرے' ایسی صورت میں تم کیسے برے مقتول ہو گے اور اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو اس کا وبال تمہارے اوپر ہو گا۔

**نفس زکیہ کی شہادت** اس نامہ و پیام کے بعد رمضان ۱۴۵ھ میں عیسیٰ نے مدینہ میں منادی کرا دی کہ خدا تعالیٰ نے باہم مسلمانوں کی خون ریزی حرام کی ہے' اس لیے امن و صلح کا پیغام قبول کرو جو شخص ہمارے پاس آ جائے یا گھر میں بیٹھ جائے' یا مسجد نبوی میں چلا جائے' یا ہتھیار ڈال دے یا مدینہ چھوڑ دے وہ مامون ہے' ہم کو اور نفس زکیہ کو تنہا چھوڑ دو' ہم دونوں سمجھ لیں گے' لیکن اہل مدینہ نے اس امان کا نہایت سخت جواب دیا' اور دوسرے دن جنگ شروع ہو گئی' نفس زکیہ نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا' ابتداء میں ان کے ساتھیوں نے حمایت کا پورا حق ادا کیا' لیکن آخر میں بعضوں نے ساتھ چھوڑ دیا' اور نفس زکیہ محمد بن قحطبہ کے ہاتھوں مارے گئے' اور ان کا سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیجا گیا' منصور نے لوگوں کی عبرت کے لیے پہلے کوفہ میں اور پھر اور مقامات میں اس کی تشہیر کرائی۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۰۲ تا ۲۰۴)

**ابراہیم بن عبداللہ کی تلاش** منصور کو نفس زکیہ کے ساتھ ساتھ ان کے بھائی ابراہیم کی طرف سے بھی خطرہ تھا اور وہ ان کی تلاش میں بھی لگا ہوا تھا' مگر ان کی نقل و

حرکت بالکل خفیہ ہوتی تھی' اس لیے پتہ نہ چلتا تھا' منصور کی فوج میں بھی ان کے شیعوں کی خاصی تعداد تھی' اس لیے کبھی کبھی وہ بغداد بھی آجایا کرتا تھے۔

ایک مرتبہ جب وہ بغداد آئے ہوئے تھے' منصور کو علم ہو گیا' اسی وقت اس نے شہر کی ناکہ بندی کر کے نہایت سختی سے تلاش شروع کر دی' ابراہیم بہت خوف زدہ ہوئے ان کے ایک ساتھی سفیان بن حیان قمی نے کہا کہ اب بغیر حیلہ کے رہائی مشکل ہے' ابراہیم نے کہا تمہیں اختیار ہے جو طریقہ چاہو اختیار کرو' چنانچہ وہ اسی وقت منصور کے پاس پہنچا' منصور کو اس کے اور ابراہیم کے تعلقات کا علم تھا' اس لیے اس کو دیکھتے ہی برس پڑا' اس نے دست بستہ عرض کی امیر المومنین جو کچھ فرماتے ہیں' میں واقعی اس کا مستحق ہوں' لیکن اب میں تائب ہو کر آپ کے لیے پیام مسرت لایا ہوں' میں ابراہیم کو آپ کے حوالے کر دوں گا' میں نے خوب ان کو آزمایا' لیکن ان میں کوئی اچھائی نظر نہ آئی' مجھے ان کی گرفتاری کے لیے تین چیزیں درکار ہیں۔ میرے اور میرے غلام کے لیے اجازت نامہ (پروانہ راہداری) ڈاک کی سواری اور تھوڑی سی فوج منصور نے ان چیزوں کا انتظام کر دیا' سفیان ان کو لے کر ابراہیم کے پاس پہنچا اور ان کو ساتھ لے کر بغداد سے نکل گیا' بعض مقامات پر روک ہوئی' مگر شاہی اجازت نامہ موجود تھا' اس لیے نکلتا چلا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۰۸)

**ابراہیم کا خروج اور قتل** منصور کو ان کے نکل جانے کا علم ہوا تو پھر سختی سے ان کی تلاش شروع ہو گئی' لیکن ابراہیم برابر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہے' آخر میں بصرہ پہنچے' اور اہل بصرہ سے اپنے بھائی نفس زکیہ کی بیعت لینی شروع کی (یہ واقعہ نفس زکیہ کے قتل سے پہلے کا ہے) مرہ عبسی' عبدالواحد بن زیاد' عمرو بن سلمہ وغیرہ اور بہت سے عمائد نے ان کی بیعت قبول کر لی اور فقہا اور اہل علم کی بڑی جماعت بھی ان کے زیر اثر آگئی' سفیان بن معاویہ والی بصرہ یہ صورت دیکھ کر دارالامارہ میں قلعہ بند ہو گیا' ابراہیم نے اس کو گھیر لیا اور سفیان ان کی اطاعت کرنے پر مجبور ہو گیا' ابراہیم نے قصر امارت پر قبضہ کرنے کے بعد بیت المال کی کل رقم اپنی فوج میں تقسیم کر دی' اور بصرہ والوں میں عفو عام کا اعلان کر دیا' بصرہ پر تسلط کے بعد اہواز اور واسط پر قبضہ کیا۔ پھر عراق کے مختلف حصوں میں عمال اور فوجیں روانہ کر دیں' اسی زمانہ میں نفس زکیہ کے قتل کی

خبر آگئی، یہ خبر سن کر یہ بصرہ سے کوفہ روانہ ہو گئے، اس وقت ایک لاکھ فوج ان کے ساتھ تھی۔ احمزا میں پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ منصور کو ان کے حالات کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں، نفس زکیہ کے قتل سے فراغت کے بعد اس نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ابراہیم کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا۔ احمزا میں دونوں کا مقابلہ ہوا، پہلے حملہ میں عیسیٰ کی فوج کا بڑا حصہ پسپا ہو گیا، لیکن عیسیٰ نے پھر سنبھل کر اس زور کا حملہ کیا کہ ابراہیم کی فوج کے پیر اکھڑ گئے، ابراہیم چھ سو جانثاروں کے ساتھ نہایت بہادری سے لڑتے رہے، مگر دفعتاً" مخالف فوج کا ایک تیر ان کے حلق میں آ کر لگا اور ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا، "میں کچھ چاہتا تھا مگر خدا کی مرضی کچھ اور تھی"۔

اسی حالت میں ان کے ساتھی ان کو علیحدہ اٹھا کر لے گئے، ان کے ہٹتے ہی ان کی فوج نے میدان چھوڑ دیا، ان کا سر کاٹ لیا گیا۔ یہ واقعہ ذی الحجہ ۱۴۵ھ کا ہے، اس وقت ابراہیم کا سن ۴۸ سال کا تھا۔ (ابو الفداء جلد ۲ ص ۴)

## عبداللہ کی اولاد کا قتل اور قید

ابراہیم کے علاوہ نفس زکیہ کے اور دوسرے بھائی اور لڑکے ممالک اسلامیہ کے مختلف حصوں میں ان کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف تھے، علی بن محمد مصر میں، عبداللہ بن محمد خراسان اور سندھ میں، حسن بن محمد یمن میں، موسیٰ بن عبداللہ جزیرہ میں، یحییٰ بن عبداللہ رے اور طبرستان میں، ادریس بن عبداللہ مغرب میں، منصور نے ان میں سے بعض کو گرفتار کر کے قید اور بعض کو قتل کر دیا۔

(مروج الذہب مسعودی جلد ۶ ص ۱۹۳)

## ملطیہ پر رومیوں کا حملہ

منصور کے زمانہ میں دوسری حکومتوں اور غیر قوموں کے ساتھ بھی معرکے ہوئے۔ ۱۳۸ھ میں قیصر روم قسطنطین کے ملطیہ پر حملہ کر کے اس کی شہر پناہ مسمار کر دی، اسی سال اس کی مرمت کرائی گئی اور صالح بن علی، عباس بن محمد اور جعفر بن حنظلہ نے مختلف سمتوں سے رومی مقبوضات پر فوج کشی کی، لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی، اس مہم میں دو مسلمان خاتون ام عیسیٰ اور لبابہ بھی مجاہدانہ شریک تھیں۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۸۱، ۱۸۲) اسی سال رومی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔

ملطیہ اسلامی اور رومی سرحد کا بڑا اہم مورچہ تھا، اس لیے ۱۴۰ھ میں منصور نے از سر

تو اس کے استحکامات درست کرائے' ایک قلعہ تعمیر کر کے اس میں چار ہزار حفاظتی فوج متعین کی قیصر کو ان انتظامات کی خبر ہوئی تو وہ ایک لاکھ فوج لے کر بڑھا' لیکن جیحان آ کر معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی قوت زیادہ ہے۔ اس لیے لوٹ گیا۔

**کوہستان' طبرستان اور دباوند پر قبضہ** طبرستان کے ترک اکثر فساد مچایا کرتے تھے' اوپر گذر چکا ہے کہ ۱۴۱ھ میں منصور نے مہدی کو عبدالجبار والی خراسان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا تھا' اس سے فراغت کے بعد مہدی کو طبرستان پر فوج کشی کا حکم دیا' اس نے منصور کی ہدایت کے مطابق آگے بڑھ کر ابوالخصیب کو اصبہند والی طبرستان کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا' وہ اس وقت دباوند کے فرمانروا مصمغان سے برسرپیکار تھا' لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں دونوں نے صلح کر لی' اور اصبہند نے لوٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا طبرستان کا علاقہ پہاڑی ہے۔ اس لیے عرصہ تک جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا' اس لیے منصور نے پہاڑی علاقہ کے ایک واقف کار عمرو بن علاء کو مدد کے لیے روانہ کیا' اس نے رویان اور طلق کے قلعہ کو فتح کر کے چند دنوں میں پورا علاقہ زیر نگیں کر لیا اور اصبہند کو مجبور ہو کر اپنا قلعہ حوالہ کر کے اطاعت قبول کر لینی پڑی' اس سے فراغت پر مسلمانوں نے مصمغان کے علاقہ پر فوج کشی کر کے اسے بھی فتح کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۸۸' ۱۸۹)

لیکن ایک ہی سال کے بعد ۱۴۲ھ میں اصبہند نے طبرستان کے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا' اس مرتبہ منصور نے ابو خصیب' خازم بن خزیمہ اور روح بن حاتم کو بھیجا' انہوں نے طبرستان پہنچ کر اصبہند کو قلعہ میں محصور کر لیا' لیکن جب عرصہ تک قلعہ فتح نہ ہو سکا تو خصیب نے اصبہند کے پاس جا کر اسے یقین دلایا کہ مسلمانوں نے اس کو اس کی حمایت کے جرم میں نکال دیا ہے وہ کہنے میں آ گیا اور ابو خصیب کو اپنا معتمد علیہ بنا لیا' ایک دن ابو خصیب نے تیر کے ذریعہ رقعہ لکھ کر اسلامی لشکر میں پھینک دیا کہ تم لوگ شب کو حملہ کرو' میں قلعہ کے پھاٹک کھول دوں گا' چنانچہ مسلمانوں نے شب کو حملہ کر دیا' ابو خصیب نے پھاٹک کھول دیئے اور مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اصبہند نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ (ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۸۹' ۱۹۰)

**دیالمہ کی تاخت** ۱۴۳ھ میں دیلمیوں نے اپنے یہاں کے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر ڈالا' منصور نے اس کے انتقام کے لیے فوج روانہ کر دی' ۱۴۴ھ میں مزید امدادی فوجیں

بھیجیں ۱۴۵ھ میں باب الابواب کے ترک اور خزر نے آرمینیہ کے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر ڈالا ۱۴۷ھ استرخان خوارزمی نے نواح آرمینیہ پر حملہ کر کے بہت سے مسلمان اور ذمی گرفتار کر لیے اور تفلس میں داخل ہو گیا' منصور نے جبرائیل بن یحیٰ اور حرب بن عبداللہ کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا لیکن مسلمانوں کو شکست ہوئی اور حرب جنگ میں کام آیا۔(یہ حالات ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں)

**رومی مہمات** روم کے علاقے میں حسب معمول صائفہ یعنی گرمائی فوجیں بر سرپیکار رہیں اور ۱۵۵ھ میں قیصر روم کو جزیہ دینے پر مجبور کر دیا۔(ابن اثیر جلد ۶ ص ۲)

**سندھ کی فتوحات** سندھ کی فتوحات میں بھی اضافہ ہوا' سفاح کے دور میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ منصور بن جمہور عجلی کے ہاتھوں سے سندھ موسیٰ بن کعب تمیمی نے چھڑایا تھا۔ ۱۴۱ھ میں اس کا انتقال ہو گیا' اس کے بعد اس کا لڑکا عیینہ اس کا جانشین ہوا' اس کی نا اہلی کی وجہ سے سندھ میں عدنانی اور قحطانی قبائل کی عصبیت جس نے بنی امیہ کا خاتمہ کیا تھا' ابھر آئی اور بارگاہ خلافت سے بھی عینیہ کا رویہ باغیانہ ہو گیا' اس لیے منصور نے عمر بن حفص عتکی کو اس کی تادیب کے لیے روانہ کیا' عینیہ دیبل کے قلعہ میں محصور ہو گیا' ابن حفص نے حملہ کر دیا' عینیہ نے اپنے طرز عمل سے اپنے ساتھیوں کو بھی برہم کر دیا تھا' اس لیے وہ سب ابن حفص سے مل گئے اور عینیہ کو مجبور ہو کر اپنے کو ابن حفص کے حوالہ کر دینا پڑا۔ اس نے اسے منصور کے پاس بھجوا دیا' راستہ میں وہ موقع پا کر بھاگ نکلا' لیکن رخج میں قحطانیوں کے ہاتھ میں پڑ گیا' انہوں نے قتل کر کے اس کا سر منصور کے پاس بھجوا دیا۔

یعقوبی کا بیان ہے کہ سندھ آنے کے دو سال بعد ۱۴۳ھ میں منصور نے ابن حفص کو معزول کر کے ہشام بن عمرو تغلبی کو والی بنایا' لیکن ابن اثیر کے بیان کے مطابق ۱۵۱ھ تک وہ سندھ میں رہا' اس کی معزولی کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے' نفس زکیہ نے اپنے خروج کے زمانہ میں اسلامی ممالک کے مختلف حصوں میں اپنے دعاۃ بھیجے تھے' ابن حفص بھی ان کے حامیوں میں تھا' اس کے پاس اپنے لڑکے عبداللہ بن اشتر کو بھیجا' اس نے ان کو چھپا کر سندھ میں ان کی خفیہ دعوت شروع کر دی تھی' اس دوران میں نفس زکیہ قتل ہو گئے' عبداللہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ خوف زدہ ہوئے' ابن حفص نے ان کو ہندوستان کے ایک

راجہ کے پاس بھیج دیا' اس نے بڑی عزت کے ساتھ ٹھہرایا' منصور کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو اس نے ابن حفص سے باز پرس کی' اسے خوف ہوا کہ اگر وہ جائے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ اس کے متوسلین میں سے ایک شخص نے وفاداری کا حق ادا کیا' اور سارا الزام اپنے سر لینے کے لیے تیار ہو گیا' چنانچہ ابن حفص نے اسے منصور کے پاس بھجوایا' اس نے قتل کر دیا' لیکن ابن حفص متہم ہو چکا تھا اور عبداللہ الاشتر سندھ میں موجود تھے۔ اس لیے ابن حفص کا افریقہ تبادلہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ ہشام بن عمر تغلبی کا تقرر ہوا' اس کے سندھ پہنچنے کے بعد اس کا بھائی سفنج ایک مہم میں جا رہا تھا کہ اتفاقی طور پر عبداللہ الاشتر کا سامنا ہو گیا' دونوں میں جنگ ہوئی اس میں عبداللہ مارے گئے' ان کے قتل کے بعد منصور نے ہشام کو اس راجہ پر جس کے یہاں عبداللہ پناہ گزیں ہوئے تھے فوج کشی کا حکم دیا' چنانچہ ہشام نے فوج کشی کر کے اس کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

(ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۲۰'۲۲۱)

عبداللہ کی جانب سے اطمینان حاصل ہونے کے بعد ہشام نے سندھ کے مختلف حصوں میں فوجیں روانہ کیں اور خود ملتان کی طرف بڑھا' حاکم ملتان نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا' لیکن ایک خون ریز معرکے کے بعد شکست کھائی اور شہر پر ہشام کا قبضہ ہو گیا۔

(یعقوبی جلد ۲ ص ۴۴۹)

عینیہ کے زمانہ میں قندابیل پر بعض عرب قابض ہو گئے تھے' ملتان کے بعد ہشام نے ان کو یہاں سے نکالا' اور ہر دوح کی بندرگاہ گندھار پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا اور یہاں ایک مسجد تعمیر کی' یہ اس سرزمین میں پہلی مسجد تھی' ان فتوحات میں بے شمار دولت ہاتھ آئی' انتظامی حیثیت سے بھی ہشام کا دور نہایت کامیاب رہا' اس کے زمانہ میں سندھ کی فارغ البالی اور سرسبزی و شادابی میں اتنا اضافہ ہو گیا کہ یہاں کے باشندے اسے بابرکت سمجھنے لگے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۹)

**ولایت عہد** اوپر گذر چکا ہے کہ سفاح اپنے بعد بالترتیب منصور اور عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد نامزد کر گیا تھا۔ کچھ دنوں تک منصور نے اس وصیت کا احترام ملحوظ رکھا' دربار میں عیسیٰ بن موسیٰ کو دائیں جانب جگہ دیتا اور اپنے لڑکے مہدی کو بائیں جانب بٹھاتا تھا' لیکن پھر اس کی نیت میں فتور آ گیا' چنانچہ ۱۴۷ھ میں اس نے عیسیٰ بن موسیٰ سے خواہش کی کہ

وہ اپنے بجائے مہدی کو ولی عہد مان لے۔ لیکن وہ آمادہ نہ ہوا۔ اس کے انکار پر منصور نے اس کا رتبہ گھٹانا شروع کیا' اور دربار میں اس کی جگہ بھی بدل دی اور ہر چیز میں مہدی کے مقابلہ میں اس کو گرانے اور ہر طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگا۔ بالآخر ۱۴۷ھ میں اس کا نام ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے مہدی کو ولی عہد بنا دیا۔

**وزارت** یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عباسی حکومت میں وزارت کا عہدہ سب سے پہلے سفاح نے قائم کیا تھا' اس کی اہمیت برابر بڑھتی گئی اور آگے چل کر حکومت اسارا سیاہ و سفید وزرا کے ہاتھ میں آ گیا تھا' بیشتر عباسی وزراء' بڑے مدبر' عالی دماغ اور ذی علم ہوتے تھے' اس لیے عباسی دور کی تاریخ میں ان کی بھی بڑی اہمیت ہے اس لیے خلفاء کے ساتھ ان کے مختصر حالات بھی پیش کیے جائیں گے بعض تاریخوں میں ہے کہ منصور کا سب سے پہلا وزیر ابو سلمہ خلال تھا' جو سفاح کے زمانہ میں بھی اس منصب پر رہ چکا تھا' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' ابن طقطقی اور جہشیاری دونوں اس کے عہد کی وزارت کا آغاز ابو ایوب موریانی سے کرتے ہیں۔ (الفخری ص ۱۵۶ و ابوذر جشیاری ص ۱۰۳' ۱۰۴) ابن خلکان کا بیان ہے کہ سفاح کی وفات کے وقت خالد بن برمک وزیر تھا' اس کی وفات کے بعد منصور کے عہد میں بھی ایک سال چند مہینوں تک رہا۔ پھر ابو ایوب نے حسن تدبیر سے اس کو ہٹا کر خود وزارت پر قبضہ کر لیا۔ (ابن خلسکان جلد ۱ ص ۲۰۶) بہر حال منصور کے عہد میں تین وزیر ہوئے' خالد بن برمک' ابو ایوب موریانی اور ربیع بن یونس خالد کے حالات سفاح کے عہد میں گزر چکے ہیں۔

**ابو ایوب** ابو ایوب کا پورا نام سلیمان بن مخلد ہے۔ یہ اہواز کے ایک قریہ موریان کا باشندہ تھا' منصور نے اس کو خلیفہ ہونے سے پہلے جب یہ بچہ تھا' خریدا تھا' اسی وقت اس میں ترقی کے آثار تھے' منصور نے بڑی توجہ سے اس کی تعلیم و تربیت کی' ایک مرتبہ منصور نے اس کو سفاح کے پاس ہدیہ دے کر بھیجا' سفاح کو اس کا طور و طریقہ اور اس کی گفتگو بہت پسند آئی پوچھا کس کے غلام ہو؟ اس نے کہا امیر المومنین کے بھائی کے' سفاح نے کہا اچھا آج سے تم میرے غلام اور منصور کو لکھ دیا کہ میں نے اس کو آزاد کر کے اپنے پاس رکھ لیا ہے' چنانچہ سفاح کے دامن عاطفت میں اس کی تربیت ہوئی' وہ عقل و فہم ذکاوت' ذہانت' معاملہ فہمی اور فضل و کمال میں یگانہ روزگار تھا۔ (الفخری ص ۱۵۷) فقہ کے

علاوہ تمام علوم پر اس کی نظر تھی، کیمیا، طب، نجوم اور حساب میں زیادہ درک تھا، منصور کے مزاج میں ان کو اتنا رسوخ و اعتماد حاصل تھا کہ اس نے اس کو وزیر بنا کر مختار جزو کل بنا دیا، وزارت کے ساتھ دیوان کا عہدہ بھی اس کے متعلق تھا، وہ منصور پر اتنا حاوی تھا کہ عوام میں مشہور ہو گیا کہ ابو ایوب نے منصور پر سحر کر دیا ہے۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۹) لیکن جب ابو ایوب کا ستارہ گردش میں آیا تو سحر الٹ گیا، اور خود منصور کے ہاتھوں ابو ایوب کا خاتمہ ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ منصور نے اس سے کہا کہ میرے لڑکے صالح کے پاس کوئی جاگیر نہیں ہے۔ ابو ایوب نے عرض کی امیر المومنین اہواز میں بہت سی زمینیں بیکار پڑی ہیں، اگر تین لاکھ درہم صرف کر کے ان کو باکار بنایا جائے تو کافی آمدنی ہو سکتی ہے، منصور نے تین لاکھ روپے دے کر اس کو آباد کرنے کا حکم دیا، ابو ایوب نے یہ پوری رقم اپنی جیب میں رکھ لی اور زمین پر ایک حبہ صرف نہیں کیا، بیس ہزار سالانہ منصور کو جائیداد کی آمدنی کے نام سے دے دیا کرتا تھا، اس کے دشمنوں نے منصور سے واقعہ بیان کر دیا، منصور نے اس کی تحقیقات کی، ابو ایوب نے سرکاری باغات کو دکھا کر دھوکا دینا چاہا، لیکن اس کے دشمن ساتھ تھے انہوں نے اصل واقعہ بیان کر دیا، منصور نے اصل مقام کو جا کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا، اس خیانت پر منصور نے اس کو قتل کر کے کل اثاثہ ضبط کر لیا۔ (الفخری ص ۱۵۷، ۱۵۸)

**ربیع بن یونس** تیسرا وزیر ربیع بن یونس حضرت عثمانؓ کے غلام ابو فروہ کی نسل سے تھا، یہ بھی عقل و فرزانگی اور معاملہ فہمی میں ابو ایوب کا ہمسر اور شجاعت و شہامت اور تدبیر و سیاست میں یگانہ تھا، بڑے دبدبہ و شکوہ کا وزیر تھا، سب سے آخر میں وزارت کے عہدہ پر سرفراز ہوا، اور منصور کی وفات تک برابر اس پر قائم رہا۔ منصور کے بعد مہدی کی بیعت اسی نے لی تھی۔ ہادی کے زمانہ میں قتل کیا گیا۔ (الفخری ص ۱۵۹، ۱۶۰)

**وفات** منصور ذی الحجہ میں پیدا ہوا تھا، ذی الحجہ ہی میں تخت نشین ہوا تھا اس لیے اس کو وہم ہو گیا تھا کہ ذی الحجہ ہی میں مرے گا بھی، ۱۵۸ھ میں اس نے مہدی سے کہا کہ میرا دل کہتا ہے کہ میں ذی الحجہ میں مر جاؤں گا اور میری موت کا یہی سال ہے، چنانچہ اس کو امور سلطنت کے متعلق ضروری امور سمجھائے اور ایک مفصل ہدایت نامہ دے کر حج کے قصد سے نکلا، اس کا وہم صحیح نکلا، راستہ میں بیمار پڑا، اور بیر معونہ پہنچ کر مر گیا۔ اس وقت احرام

باندھ چکا تھا' اس لیے باب معلی کے قبرستان میں برہنہ سر دفن کیا گیا' وفات کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی مدت خلافت ۲۲ سال ۳ ماہ چند دن۔

**اخلاق و سیرت** عباسی خلفاء میں منصور سب سے زیادہ با عظمت خلیفہ تھا' گو عباسی حکومت کا بانی سفاح تھا' لیکن اس کو مستحکم منصور نے کیا' عباسی خلفاء میں اس کی وہی حیثیت تھی جو اموی خلفاء میں عبدالملک کی تھی' وہ عقل و دانش' سیاست و تدبیر' جرات و دلیری' ہمت و استقلال' سطوت و جبروت کا پیکر تھا' نازک سے نازک موقعوں پر بھی نہ گھبراتا تھا' بڑی بڑی پیچیدہ گتھیوں کو ناخن تدبیر سے سلجھا لیتا تھا' اس کے زمانہ میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے' لیکن اس کی ہمت و تدبیر نے سلطنت کو ہلنے نہ دیا اور اپنے زمانہ میں عباسی سلطنت کو اس قدر مستحکم کر گیا کہ مدتوں اس کے جانشین اطمینان کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔

تمام مورخین اس کے اوصاف کمالات کے معترف ہیں' ابن طقطقی کا بیان ہے کہ منصور' حزم' عقل' علم' اصابت رائے' حسن تدبیر اور وقار تمکنت کے لحاظ سے دنیا کے عظیم ترین سلاطین میں تھا' خلوت میں وہ خوش مزاج اور خوش اخلاق رہتا تھا' لغو اور مذاحیہ باتوں کو بھی برداشت کر لیتا تھا' لیکن جب لباس شاہی زیب تن کر کے دربار میں آتا تو بالکل رنگ بدل جاتا آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور اس کے تمام اوصاف یکسر بدل جاتے' اس نے اپنے لڑکوں تک سے کہہ دیا تھا کہ جب میں اپنے شاہی لباس میں مجلس میں آ جاؤں تو میرے قریب نہ آیا کرو' ممکن ہے تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے' سب سے اول اسی نے عباسی حکومت کی جڑوں کو مضبوط کیا' اس کا نظام قائم کیا' اس کے قواعد مرتب اور انہیں نافذ کیا۔ (الفخری ص ۱۴۱' ۱۴۲) مسعودی کا بیان ہے کہ منصور خوبی' تدبیر اور حسن سیاست کی معراج کمال پر پہنچا ہوا تھا' جس معاملہ میں نفع کی توقع ہوتی تھی' اس میں بے دریغ روپیہ صرف کر دیتا اور جہاں روپیہ ضائع ہوتا وہاں حقیر رقم بھی نہ صرف کرتا تھا۔

(مسعودی جلد ۶ ص ۲۲۱)

ابن ہبیرہ کا بیان ہے کہ جنگ اور امن دونوں حالتوں میں منصور سے زیادہ حیلہ ساز اور بیدار مغز کوئی نہ تھا۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۴۱) اس کا ایک خاص وصف تھا کہ نازک سے نازک موقعوں پر بھی وہ نہ گھبراتا تھا۔ اس کا دماغ امن و سکون اور شورش و فساد دونوں

موقعوں پر یکساں کام دیتا تھا۔ اس لیے اس کے عہد میں کوئی انقلابی سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ (طبری جلد ۱۰ ذکر سیرۃ ہارون)

سیوطی لکھتے ہیں کہ منصور ہیبت و شجاعت، حزم و رائے، سطوت و جبروت کے لحاظ سے بنو عباس کا سب سے بڑا آدمی تھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۶۱) اس کا سارا وقت امور مملکت پر غور و فکر اور اس کے انتظام میں صرف ہوتا تھا، صبح سے دوپہر تک حکام کے عزل و نصب، سرحدوں اور اطراف ملک کے استحکام، راستوں کے قیام امن، حکومت کی آمدنی اور اس کے مصارف، رعایا کی معاش اس کی راحت و آرام کے مسائل پر غور و فکر کرتا تھا، اور ان کے متعلق احکام دیتا تھا، عصر کے بعد گھر والوں کے پاس بیٹھتا تھا، عشاء کی نماز کے بعد ان مراسلات و اطلاعوں پر غور کرتا تھا، جو اطراف ملک سے آتی تھیں اور ان پر ارکان سلطنت سے مشورہ کرتا تھا، ایک تہائی شب کے بعد آرام کرتا تھا۔ اور صبح نماز فجر کے بعد پھر معمولات شروع ہو جاتے تھے، اپنے لڑکے مہدی سے کہا کرتا تھا کہ کوئی کام غور و فکر کے بغیر نہ کیا کرو، غور و فکر عقل مند کے لیے گویا آئینہ ہے، جس میں اس کام کی اچھائی برائی نظر آتی ہے۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۹)

ایک مرتبہ مہدی سے پوچھا تمہارے پاس کتنے جانور ہیں، اس نے کہا مجھے تعداد معلوم نہیں، منصور نے کہا یہ تمہاری بڑی تقصیر ہے۔ جب تم کو جانوروں کا حال نہیں معلوم تو خلافت کو تم اور بھی ضائع کر دو گے۔ (ابن کثیر جلد ۱۰ ص ۱۲۶)

**عدل و جور میں منصور کی سیاست** منصور طبعاً سخت گیر اور درشت مزاج واقع ہوا تھا۔ اور تاریخوں میں اس کے ظلم و زیادتی کے بعض واقعات بھی ملتے ہیں، عدل و جور کے بارہ میں اس کی سیاست یہ تھی کہ حکومت کے باغیوں کے مقابلہ میں وہ نرمی روا نہ رکھتا تھا اور ان پر بلا شبہ اس کے زمانہ میں اعتدال سے زیادہ سختیاں ہوئیں، لیکن امن پسندوں اور عام رعایا کے لیے وہ اصولاً اور عملاً دونوں حیثیتوں سے عادل تھا، اس کا قول تھا کہ "خلیفہ کو صرف تقویٰ درست رکھ سکتا ہے، سلطان کو اطاعت اور رعایا کو عدل، جو سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے، اس کے لیے عفو و درگذر زیادہ مناسب ہے اور وہ بڑا کم عقل ہے جو اپنے زیر دستوں پر ظلم کرتا ہے۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۵۶)

وہ کہا کرتا تھا کہ سلطنت کے ارکان چار ہیں، جن کے بغیر حکومت نہیں چل سکتی،

ایک قاضی جو بغیر خوف لومتہ لائم منصفانہ فیصلہ کرے' دوسرے پولیس جو قوی کے مقابلہ میں کمزور سے انصاف کرے' تیسرے تحصیل دار جو پورا خراج وصول کرے' لیکن رعایا پر ظلم نہ ہونے پائے' چوتھے پرچہ نگار جو ان لوگوں کی صحیح اطلاع دیتا رہے۔

(ابن اثیر جلد ۵ ص ۹)

ان اصولوں کو اس نے جہانبانی میں رہنما بنایا تھا' رعایا کے ساتھ قیام عدل میں اتنا اہتمام تھا کہ اس نے لوگوں کو عام آزادی دے رکھی تھی کہ جس کسی کو کسی حاکم سے کوئی تکلیف پہنچے وہ بلا روک ٹوک اس سے اس کی شکایت کر سکتا ہے' چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک عامل کی شکایت کی کہ اس نے اس کی جائیداد کا کچھ حصہ اپنی جائیداد میں شامل کر لیا ہے۔ منصور نے فوراً عامل کو لکھا' اگر تم عدل کرو گے تو ہمیشہ سلامتی تمہارے ساتھ رہے گی اس لیے اس مظلوم کے ساتھ انصاف سے کام لو' اسی طرح ایک مرتبہ ایک دہقانی نے ایک عامل کی شکایت کی' منصور نے اس کو جواب دیا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو میں تم کو اس کی اجازت دیتا ہوں کہ عامل کو باندھ کر میرے پاس لے آؤ' طبری نے اس قبیل کے اور متعدد واقعات لکھے ہیں۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۴۳۷)

ایک مرتبہ عیسیٰ بن موسیٰ عباسی والی کوفہ نے ایک شخص کو قتل کر دیا' منصور کو اس کی خبر ہوئی تو اس کے قصاص میں عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا' لیکن معلوم ہوا کہ عیسیٰ نے کسی عداوت یا بد دیانتی سے قتل نہیں کیا تھا' بلکہ جرم کے شبہ میں قتل کر دیا ہے' اس لیے منصور نے قصاص تو نہیں لیا' لیکن عیسیٰ بن موسیٰ کو نہایت سخت تحریر لکھی کہ آئندہ سے کسی شخص کو محض شبہ اور گمان پر سزا نہ دی جائے' جب تک کہ پورا ثبوت موجود نہ ہو۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۴۳۷)

اس نے رعایا کو اتنی آزادی دے رکھی تھی کہ معمولی معمولی آدمی اسے علانیہ ٹوک دیتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ خطبہ دے رہا تھا اور خدا کی حمد شروع کی تھی کہ ایک شخص نے اٹھ کر کہا امیر المومنین آپ جس (خدا) کا ذکر کر رہے ہیں اسے میں آپ کو یاد دلاتا ہوں' منصور نے کہا' مرحبا تم نے بڑی جلیل القدر ذات کو یاد اور بڑی عظیم ہستی کا خوف دلایا ہے۔ میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہو کہ جب ان کو خدا کا خوف دلایا جاتا ہے تو ان کی نخوت اور ان کا غرور ان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے' پندو

مو عظمت ہمارے ہی گھر سے شروع ہوئی ہے۔ اور ہمارے ہی یہاں سے نکلی ہے' اس لیے ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں' لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس وقت تمہارا مقصود صرف یہ ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ اس شخص نے خلیفہ پر اعتراض کیا اور اس کے بدلہ میں اس کو سزا دی گئی' یہ بہت پست مقصد ہے میں تم کو معاف کرتا ہوں۔

(تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۵۶)

گو وہ سخت گیر تھا' لیکن اکثر باغیوں کو بھی معاف کر دیتا تھا' قطن بن معاویہ کا بیان ہے کہ میں نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم کے خروج میں ان کے ساتھ ہو گیا۔ ان کے قتل کے بعد منصور کے خوف سے چھپا پھرتا تھا' اس زندگی سے تنگ آ کر میں نے امیر ابو عمرو بن العلاء سے مشورہ کیا کہ میں منصور کے پاس جا کر اپنی خطاؤں کا اعتراف کر لوں۔ انہوں نے مخالفت کی اور کہا اگر تم گئے تو ضرور قتل کر دیئے جاؤ گے' لیکن میں بہت عاجز ہو چکا تھا' اس لیے ابو عمرو کا مشورہ قبول نہ کیا اور بغداد جا کر وزیر دولت ربیع بن یونس کی خدمت میں حاضر ہو گیا' اس نے حراست میں لے لیا' اس وقت مجھے ابو عمرو کا مشورہ قبول نہ کرنے پر ندامت ہوئی' اس کے بعد مجھے قصر خلافت پہنچا دیا گیا اور پھاٹک بند کر دیئے گئے' اب مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا ظہر کے وقت ایک خواجہ سرا وضو کے لیے پانی اور کھانا لایا' وضو کر کے میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور روزہ کا عذر کر کے کھانا واپس کر دیا' اسی طریقہ سے عصر اور مغرب کا وقت گزرا' رات کے وقت جب محل کے پھاٹک بند ہونے لگے تو مجھے اپنی زندگی سے بالکل مایوسی ہو گئی اور آنکھوں سے نیند اڑ گئی۔ آدھی رات گئے ایک خواجہ سرا آ کر مجھے لے گیا اور میں منصور کے حضور میں پیش کیا گیا' اس وقت صرف وہ اور ربیع بن یونس تھے' مجھے دیکھ کر منصور نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا' کہو کیا ہے۔ میں نے عرض کیا یا امیر المومنین میں قطن بن معاویہ ہوں' جس نے حضور کے خلاف اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں' آپ کی نافرمانی کی' آپ کے دشمن کا ساتھ دیا' آپ کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی' ان جرائم کے بعد اگر آپ مجھے معاف کر دیں تو آپ اس کے اہل ہیں اور اگر سزا دینا چاہیں تو میرے چھوٹے سے چھوٹے گناہ کے بدلہ میں قتل کر سکتے ہیں' منصور نے پھر سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد سر اٹھا کر کہا' کہو کیا کہتے ہو؟ میں نے پھر اپنے جرائم دہرائے' منصور نے کہا امیر

المومنین نے تمہیں معاف کیا' یہ سن کر میرا حوصلہ بڑھا میں نے عرض کی حضور کے دروازے سے اس حال میں واپس جاؤں گا کہ میری جائیداد اور میرا گھر ضبط ہے' اس لیے اگر رائے عالی ہو تو اس کی واگزاری کا بھی حکم ہو جائے' منصور نے اسی وقت عبدالملک بن ایوب والی بصرہ کے نام یہ حکم لکھوا دیا کہ' امیرالمومنین قطن بن معاویہ سے راضی ہو گئے ہیں' اس لیے ان کی جائیداد' گھر اور جو کچھ ضبط کیا گیا ہو' سب واپس کر دیا جائے' یہ حکم لے کر میں بصرہ پہنچا اور حکم نامہ عبدالملک کے حوالہ کیا' اس نے فوراً میری پوری املاک واگزار کر دی۔

(تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۵۹' ۶۰)

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حکومت کے مخالفین خصوصاً علویوں اور آل حسن کے بارہ میں وہ حد اعتدال سے بہت آگے بڑھ گیا تھا' حقیقت یہ ہے کہ رعایا کے ساتھ عدل وجور کے بارہ میں اس کی پالیسی یہ تھی کہ امن پسند اور عام رعایا کے ساتھ وہ جادہ عدل سے باہر قدم نہیں نکالتا تھا۔ لیکن مخالفین کے ساتھ اس کا عدل سخت گیری اور درشتی بلکہ ظلم سے بدل جاتا تھا۔ اور چونکہ اس کا زمانہ عباسی حکومت کا تاسیسی دور تھا' اس لیے بہت سی مخالف طاقتیں اٹھیں اور ان پر سختیاں بھی زیادہ ہوئیں' لیکن اس کی عام پالیسی نرمی کی تھی' وہ ولی عہد مہدی سے کہا کرتا تھا' کہ حکومت صرف تقویٰ سے درست ہو سکتی ہے' رعایا اطاعت سے اور ملک عدل و انصاف سے آباد ہو سکتا ہے' جو شخص عفو و درگزر پر قادر ہے دراصل وہی سزا دینے پر بھی قادر ہے' سب سے کمزور وہ انسان ہے جو اپنے زیر دست پر ظلم کرتا ہے اپنے ساتھیوں کے کاموں کی اچھائی برائی کو جانچو اور اس کے مطابق ان کو اس کے ترک و اختیار کرنے کا مشورہ دو' کسی ایسی مجلس میں نہ بیٹھو جس میں اہل علم نہ ہوں' جو شخص اپنے کو محمود اور مقبول بنانا چاہتا ہے اسے سیرت درست کرنی چاہیے اور جو تعریف کو برا سمجھتا ہے اسے سیرت بگاڑنی چاہیے' ایسا شخص ہمیشہ مذمت کا ہدف اور لوگوں میں ہمیشہ ناپسندیدہ رہے گا' عاقل وہ نہیں ہے جو مشکلات میں پڑنے کے بعد اس سے رہائی کی تدبیر کرے بلکہ عاقل وہ ہے جو ایسی تدبیر کرے کہ مشکلات پیش ہی نہ آئیں۔

(ابن اثیر جلد ۸ ص ۱۰)

ایک موقع پر مہدی کو یہ وصیت کی کہ خدا کی عطا کردہ نعمتیں شکر سے قائم رہتی ہیں'

قدرت عفو و درگزر سے لوگوں کی اطاعت' تالیف قلب سے اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد' تواضع اور لوگوں پر رحم کرنے سے' اس لیے نہ تم اپنا دنیاوی حصہ فراموش کرو اور نہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بھولو۔ (ابن کثیر جلد ۱۰ ص ۲۳)

اس کی پالیسی کا اندازہ اس وصیت نامہ سے ہوتا ہے جو اس نے مرتے وقت مہدی کے لیے لکھا تھا۔ یہ وصیت نامہ حسب ذیل ہے:

"بیٹا محمد ﷺ کی امت کی حفاظت کرنا' اس کے بدلہ میں خدا تمہارے کاموں کی حفاظت کرے گا' حرام خون ریزی سے ہمیشہ بچنا کہ یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے اور دنیا میں بھی ایسا عار ہے جو کبھی نہیں مٹتا' حلال کو اپنے اوپر لازم کرلو' کیونکہ اس میں تمہارے لیے آخرت میں بھی ثواب ہے اور دنیا میں بھی بھلائی ہے' اعتدال سے نہ بڑھنا کہ اس میں ہلاکت ہے اگر خدا کو حدود کے علاوہ کوئی دوسری ایسی چیز معلوم ہوتی جو اس کے مذہب کے لیے زیادہ موزوں اور اس کے گناہوں پر متنبہ کرنے والی ہوتی تو اپنی کتاب میں ضرور اس کا حکم دیتا خدا کا غضب سب سے زیادہ بادشاہت کے لیے تیز ہے۔ اس لیے اس نے ایسے شخص کے لیے جو زمین میں فساد پھیلائے دونے عذاب اور عتاب کا حکم دیا ہے' چنانچہ فرماتا ہے"۔

"انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فسادا" پس بیٹا! بادشاہت خدا کی حبل متین' اس کا عروۃ الوثقیٰ اور دین قیم ہے' اس کی حفاظت کرنا' اسے مضبوط کرنا' اس کے لیے مدافعت کرنا' اس میں رخنہ ڈالنے والوں کو سزا دینا' اس سے بھاگنے والوں کی بیخ کنی کرنا اور اس سے نکلنے والوں کو عذاب دے کر اور مثلہ کر کے قتل کرنا' لیکن خدا نے قرآن میں جو حکم دیا ہے اس سے تجاوز نہ کرنا' عدل کے ساتھ حکومت کرنا' اپنی حد سے آگے نہ بڑھنا کیونکہ یہ باتیں شور و فتن کو روکنے والی اور دشمن کو تباہ کرنے والی اور کارگر دوا ہیں۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۴۴۷)

**بغداد کی تعمیر** منصور نے اپنے زمانے میں حکومت کے استحکام کے علاوہ اور بہت سے کارنامے انجام دیئے' اس کا ایک بڑا کارنامہ بغداد کی تعمیر ہے' سفاح نے وقتی طور پر ہاشمیہ کو پایہ تخت بنالیا تھا' منصور کے زمانہ میں جب عباسی حکومت کی بنیاد پوری طرح مضبوط ہو گئی اور اس کے نظام میں وسعت اور ترقی ہوئی تو اس نے بغداد آباد کر کے اس کو دارالخلافہ بنایا اور بغداد کے خلفاء برابر اس کی تعمیر اور آبادی میں اضافہ کرتے رہے' تا آنکہ ایک صدی کے اندر بغداد دنیا کا عظیم الشان شہر بن گیا' اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ جستہ جستہ حالات اپنے اپنے موقع پر آئیں گے' منصور کے تعمیر کردہ بغداد کا نقشہ اور اس کا اجمالی حال یہ ہے۔

اس کی تعمیر کے لیے منصور نے بڑا اہتمام کیا' مختلف مقاموں کی آب و ہوا اور مٹی کا اہتمام کرنے کے بعد ارض بابل و نینوا کا ایک خوش سواد اور سرسبز و شاداب قطعہ جسے دجلہ سیراب کرتا تھا منتخب کیا گیا' اور بڑے ماہر مہندسین نے شہر کا نقشہ بنایا اور اس کی تعمیر کے لیے دنیا کے مختلف حصوں سے معمار' سنگتراش' نجار اور نقاش وغیرہ ہر صنف کے صناع و کاریگر جمع کئے گئے اور جن ملکوں میں جو سامان تعمیر مل سکتا تھا فراہم کیا گیا۔

شہر کا نقشہ دائرہ نما تھا' درمیان میں منصور کا محل قصر الخلد تھا' اس کے بعد حکومت کے دفاتر کی عمارتیں اور عمائد و ارکان سلطنت اور امراء کے محلات تھے آخر میں عام آبادی اور بازار و باغات تھے' لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد بغداد سے متصل اور اس سے الگ کرخ کے نام سے عوام کی ایک الگ آبادی قائم کر دی تھی' ابتداء میں شہر میں دو جامع مسجدیں تھیں ایک شاہی دوسری عام آبادی کے لیے شہر کے گرد ۳۵ گز بلند دوہری سنگین شہر پناہ اور اس کے بعد وسیع خندق تھی' بیرونی اور اندرونی دونوں فصیلوں کے چار سمت چار بڑے بڑے پھاٹک باب الکوفہ' باب الشام' باب البصرہ اور باب الخراسان تھے' پھاٹکوں کے اوپر اونچے اونچے برج تھے اندرونی فصیل کے پھاٹکوں پر پچاس پچاس گز بلند گنبد اور شہ نشینیں تھیں' گنبدوں کی چوٹی پر مختلف مجسمے تھے جو ہوا کے رخ کے ساتھ ساتھ پھرتے تھے۔

قصر الخلد اپنی خوبصورتی' زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کے لحاظ سے خلد کا نمونہ تھا' اس کا وسطی گنبد زمین سے اسی گز بلند تھا اور اس کے کلس پر ایک نیزہ بردار سوار کا مجسمہ نصب تھا شہر کی آبادی میں ہر قبیلہ اور ہر طبقہ کے محلے الگ الگ اور مختلف

چیزوں کے بازار جدا جدا ان کے ناموں سے موسوم تھے' کل سڑکیں اور گلیاں مختلف ناموں اور نسبتوں سے منسوب تھیں' شوارع عام چالیس چالیس گز چوڑی تھیں' دجلہ سے کاٹ کر بہت سی نہریں شہر میں جاری کی گئی تھیں۔

بغداد کی آبادی کے چند سال بعد ولی عہد سلطنت مہدی کے لیے بغداد کے مشرقی جانب اس سے متصل ایک عالی شان قصر معہ جملہ لوازم و ضروریات کے تعمیر کرایا تھا۔ جو رصافہ کے نام سے موسوم تھا اور بجائے خود ایک چھوٹا سا شہر تھا' اس کی مستقل شہرپناہ اور خندق تھی اور مغربی جانب فوجی چھاؤنی بنوائی۔

ان تعمیرات پر ایک کروڑ اسی لاکھ صرف ہوا تھا جو اس زمانہ کے لحاظ سے بہت بڑی رقم ہے' جاحظ کا بیان ہے کہ میں نے شام و روم وغیرہ کے بڑے بڑے شہر دیکھے' لیکن عمارتوں کی بلندی' آبادی کی گولائی' عظمت و شان' پھاٹکوں کی وسعت اور فصیل کی مضبوطی کے لحاظ سے کوئی شہر مدینہ ابو جعفر منصور کے پایہ کا نظر نہ آیا' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا شہر ڈھلا ہوا ہے۔

خلافت عباسیہ کی مالی و تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس شہر کی وسعت و ترقی میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور بعد کے خلفاء عالی شان محلات و باغات اور مختلف النوع عمارتیں بنواتے رہے' تا آنکہ تیسری اور چوتھی صدی میں بغداد وسعت اور عمارتوں کی عظمت و شان اور عجائبات کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا شہر ہو گیا' اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں بغداد میں سترہ ہزار حمام' اس سے زیادہ مسجدیں اور دس ہزار سڑکیں اور گلیاں تھیں اور اس کے محلات اپنی خوبصورتی اور آرائش کے اعتبار سے رشک فردوس تھے' ان میں سے بعض کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔ (خطیب نے اپنی تاریخ میں اس کی پوری تفصیل لکھی ہے ہم نے صرف منصور کے آباد کردہ شہر کا صرف مختصر اجمالی تذکرہ کیا ہے تفصیل کے لیے دیکھو تاریخ خطیب ج ۱ ص ٦٦ تا ۹۳)

منصور کے زمانہ میں ارزانی کا یہ حال تھا کہ مینڈھا ایک درہم میں' باربردار جانور چار دانق میں' کھجور ایک درہم میں ساٹھ رطل یعنی تقریباً تیس سیر' روغن زیتون ایک درہم میں آٹھ سیر' گائے کا گوشت ایک درہم میں ایک من سے زیادہ' بکری کا گوشت ایک درہم میں تیس سیر' شہد ایک درہم میں پانچ سیر' چربی ایک درہم میں چھ سیر ملتی تھی۔ اس ارزانی

کی وجہ سے رعایا نہایت آسودہ حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتی تھی۔

(تاریخ خطیب ج ۱ ص ۷۰)

یعقوبی نے بغداد کی تعمیر کی جو تفصیل لکھی ہے اس میں منصور کے عہد حکومت کے شعبوں پر بھی روشنی پڑتی ہے' اس کے بیان کے مطابق حسب ذیل شعبوں کے دفاتر کی عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں:۔

بیت المال (خزانہ) و خزانۃ السلاح (اسلحہ خانہ) دیوان الرسائل (احکام و فرامین کا محکمہ) دیوان الخراج (خراج کا محکمہ) دیوان الخاتم (مہر شاہی کا محکمہ) دیوان الجند (فوج کا محکمہ) دیوان الحوائج دیوان الاحشام (شاہی خدم و حشم کا محکمہ) مطبخ عامہ (باورچی خانہ) دیوان النفقات (مصارف سلطنت کا محکمہ) (کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۴۰)

**تعمیر حرم** ان تعمیرات کے ساتھ منصور نے خانہ خدا میں بھی توسیع کرائی' مسجد حرام کی عمارت بہت تنگ تھی' ۱۳۸ھ میں منصور نے اس کے ملحقہ مکانات اور دارالندوہ کی عمارت کو اس میں شامل کرایا' جس سے حرم کی وسعت دونی ہو گئی' دو سال میں اس تعمیر کی تکمیل ہوئی' مسجد خیف بھی چھوٹی تھی' حرم کے ساتھ منصور نے اس کی بھی توسیع کرائی' اور ۱۴۰ھ میں خود ان عمارتوں کے معائنہ کے لیے مکہ گیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۴۴)

**علمی خدمات** اموی عہد میں گو مذہبی اور اسلامی علوم کے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے' اور ان میں سے بعض نے کتابیں بھی لکھیں' لیکن ان کی تعداد اتنی کم ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے' اس دور کے علماء کی علمی سعی صرف مذہبی علوم کی درس و تدریس اور نقل و روایت تک محدود رہی' تالیف و تصنیف اور دوسری قوموں اور زبانوں کے علوم کا مذاق منصور کے زمانہ میں پیدا ہوا' حدیث و تفسیر' فقہ اور مغازی و سیرت کی تالیف کا سلسلہ شروع ہوا' چنانچہ امام مالک نے موطا لکھی' امام ابو حنیفہ نے فقہ مدون کی' ابن اسحاق نے مغازی مرتب کئے' ان کے علاوہ ابن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ نے بصرہ میں' معمر نے یمن میں' سفیان ثوری نے کوفہ میں' اور ہشیم' لیث' ابن لہیعہ' ابن مبارک' امام ابو یوسف اور ابن وہب محدثین و فقہاء نے اپنے اپنے مقاموں پر حدیث و فقہ کی تدوین و ترتیب کی جانب توجہ کی اس کے علاوہ ادب و تاریخ پر بھی کتابیں لکھی گئیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۳)

خود منصور کو دوسری قوموں اور زبانوں کے علوم کا بڑا ذوق اور فلسفہ اور نجوم سے

خاصی دلچسپی تھی۔ ابن ساعد اندلسی کا بیان ہے کہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے خلیفہ ابو جعفر منصور نے علوم کی طرف توجہ کی' وہ فقہ کا ماہر اور فلسفہ و نجوم میں دستگاہ رکھتا تھا۔ نجوم سے زیادہ شغف تھا۔ (طبقات الامم ص ۴۸) اس نے قیصر روم سے یونانی کتابوں کی فرمائش کی' اس نے اقلیدس کی اور چند طبیعات کی کتب بھیجیں۔

اس کے دربار میں ہر فن کے اصحاب کمال جمع تھے۔ اس کا درباری منجم نوبخت اپنے فن کا ماہر تھا' اس کے بعد اس کا لڑکا ابو سہل باپ کا جانشین ہوا' نوبخت کی اولاد نے منصور کے لیے کواکب اور ان کے احکام پر متعدد کتابیں ترجمہ کیں۔

دوسرا درباری منجم ابراہیم فزاری تھا' یہ بھی بڑا صاحب کمال تھا' تاریخ اسلام میں سب سے اول اسی نے اصطرلاب بنایا اور علم ہیئت پر کئی کتابیں لکھیں' ایک کتاب تسطیح کرہ پر تالیف کی۔ اس کی بعض کتابوں کے نام یہ ہیں "کتاب القصیدہ فی علم النجوم" "کتاب المقیاس للزوال" "کتاب التریج علی سنی العرب" "کتاب العمل بالا صطرلابات" "ذوات الحلق" "کتاب العمل بالاصطرلاب المسطح"۔

نجوم سے منصور کی دلچسپی کا شہرہ سن کر دور دور کے منجم بغداد پہنچ گئے تھے ان میں ہندوستان کا بھی ایک نجم تھا' اس نے سنسکرت کی مشہور ہیئت کی کتاب سدھانت منصور کی خدمت میں پیش کی' اس نے ابراہیم بن منجم کے لڑکے محمد سے اس کا ترجمہ کرایا اور اس کی مدد سے محمد نے ہیئت کی ایک کتاب سند ہند کبیر کے نام سے تالیف کی جو مدتوں علماء ہیئت کا مرجع رہی' (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۰۱) طبی کتابوں کے ترجمہ اور تالیف کا آغاز بھی اسی زمانہ سے ہوا۔ ایک مرتبہ منصور بیمار پڑا' اس کے علاج کے لیے جندیسا پور کے مشہور شفا خانے کا رئیس الاطباء جورجیس بن بختیشوع بلایا گیا' اس کے علاج سے منصور کو فائدہ ہوا' اس نے اس کو انعام و اکرام سے نوازا' اور اپنا طبیب خاص بنالیا۔ (الفہرست ص ۳۸۱) جورجیس نے منصور کے لیے کئی طبی کتابوں کے ترجمے کیے ایک اور درباری طبیب بطریق نے سقراط اور جالینوس کی کتابوں کے ترجمے کیے۔

منطق' فلسفہ اور فارسی کی بھی کتابوں کے ترجمے ہوئے' منصور کے میر منشی عبداللہ بن مقفع نے جو بڑا نامور ادیب اور فلسفی تھا' ارسطاطالیس کی کتاب قاطیغوریاس' باری آرمیناس اور نولوطو یقا اور منطق کی مشہور کتاب ایسا غوجی کا ترجمہ کیا' کلیلہ دمنہ کو بھی

سب سے پہلے اسی نے عربی کا جامہ پہنایا ترجمہ کے علاوہ سیاست پر دو رسالے لکھے۔ (الفہرست ص ۳۸۱) فارسی سے پارسی علم الاخلاق کی کتابوں کا ترجمہ الادب الکبیر اور الادب الصغیر بھی ابن مقفع کی یادگار ہے' ان کے علاوہ اس نے اور منصور کے دوسرے مترجموں نے ایران کے بانیان مذاہب مانی' ولسیان اور مرقون کی کتابوں کے ترجمے کیے۔ لیکن اس سے مسلمانوں کے عقائد و خیالات پر اچھا اثر نہیں پڑا۔

(طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۲۴۹)

**تفریحی مشاغل سے احتراز** تفریحی مشاغل شخصی حکمرانوں اور مطلق العنان سلاطین کی بزم طرب کے ضروری لوازم ہوتے ہیں' لیکن منصور کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی' یحییٰ بن سلیم فضل بن ربیع کے کاتب کا بیان ہے کہ منصور کے گھر میں کبھی لہو و لعب کے مشابہ بھی کسی چیز کا گزر نہ ہوا' ایک مرتبہ اس کے محل میں ایک غلام طنبور بجا رہا تھا اور لونڈیاں قہقہے لگا رہی تھیں' اس کے کانوں میں آواز پہنچی' پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا طنبور' لیکن یہ طنبور کو بھی نہیں جانتا تھا' پوچھا طنبور کسے کہتے ہیں؟ اس کی وضع و ہیئت بتائی گئی۔ منصور اسی وقت اٹھا اور طنبور بجانے والے کے سر پر طنبور توڑ کر اسی وقت اس کو نکال دیا۔ (مروالذہب مسعودی) ابن طقطقی کا بیان ہے کہ ہمیشہ موٹا کپڑا استعمال کرتا تھا بسا اوقات پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی پہنتا اور اس کے گھر میں کبھی لہو و لعب بلکہ اس سے مشابہ بھی کسی چیز کا گزر نہ ہوا۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۳۹۲ الفخری ص ۱۴۱)

ایک مرتبہ اس کی لونڈی نے اس کے بدن پر پیوند لگے ہوئے کرتے کو دیکھ کر کہا کہ خلیفہ اور پوند لگا ہوا کرتا؟ منصور نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

**قیدرک الشرف الفتی ورداہ خلق و جیب قمیصہ مرقوع۔** یعنی مرد آدمی اس حالت میں عزت و شرف حاصل کر لیتا ہے کہ اس کی چادر پرانی ہوتی ہے اور اس کی قمیص کا جیب پیوند لگا ہوا ہوتا ہے۔

**کفایت شعاری** منصور کی فرد حساب میں اسراف و تبذیر کی کوئی مد نہ تھی' بلکہ اس کی احتیاط بخل تک پہنچ گئی تھی' اپنے گھر والوں کو ہدایت کیا کرتا تھا کہ اپنے مال کی حفاظت کرو' اس کو بچاؤ' بیکار نہ ضائع کرو' اکثر کہا کرتا تھا کہ جس کی دولت کم ہوئی اس کے اعوان و انصار کم ہوئے۔ جس کے اعوان و انصار کم ہوئے اس کے دشمن اس پر قوی ہو جائیں

گے۔ اور جس کے دشمن اس پر قوی ہوئے اس نے اپنا ملک ضائع کر دیا۔ جس نے ملک ضائع کیا اس کی املاک پر ہر شخص دست درازی کرے گا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۴۶۶)

منصور نے مہدی کے لیے جو تحریری ہدایت نامہ لکھا تھا' اس میں خزانہ کی آبادی اور کفایت شعاری پر خاص طور سے زور دیا تھا' اس کے زمانہ میں کوئی حاکم تفریحی مشاغل میں روپیہ نہ صرف کر سکتا تھا بعض عمال نے شعراء کو بڑے بڑے انعامات دیئے' منصور کو خبر ہوئی تو اس نے سختی کے ساتھ ان کو تنبیہہ کی' اور شعراء کو بقدر واجب انعام دے کر بقیہ رقم واپس لے لی۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۴۴۴ طبع یورپ)

وہ چراغ میں بے کار تیل جلانا بھی پسند نہ کرتا تھا' ایک مرتبہ محل کے پھاٹک میں داخل ہوا' اس میں تین قندیلیں روشن تھیں' پوچھا ان کی بجائے کیا ایک کافی نہ تھی' اسی شب کی صبح کو جب وہ برآمد ہوا تو وابستگان دولت ناشتہ کر رہے تھے' ناشتہ کم تھا' اس کے لیے کم پڑ گیا۔ منصور نے اسی وقت قہرمان کو طلب کر کے پوچھا' کھانا کم پڑنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا آپ نے شب کو قندیلوں پر اعتراض کیا تھا' میں نے خیال کیا کہ جب تیل کی مقدار کم کر دی گئی ہے تو ممکن ہے کھانے کی بھی حد مقرر کر دی گئی ہو' منصور نے بگڑ کر کہا تم اس تیل میں جو بے کار جلتا ہے اور کھانے میں فرق نہیں کرتے کھانا اگر بچ بھی جائے تو بھی کسی کے کام آ جائے گا' اور اسی وقت قہرمان کو سات کوڑے لگوائے۔

(تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۵۶)

**فیاضی** اس قسم کے واقعات کو مورخین نے بخل سے تعبیر کیا ہے' لیکن در حقیقت منصور بخیل نہ تھا' البتہ فضول روپیہ ضائع نہ کرتا تھا' کبھی کبھی وہ فیاضی کے جذبہ میں آ کر بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتا تھا' ایک مرتبہ ایک اعرابی اس کے پاس آیا' منصور کو اس کی باتیں بہت پسند آئیں' خوش ہو کر کہا' تمہاری جو ضرورت ہو بیان کرو' اعرابی نے کہا خدا امیر المومنین کی عمر دراز کرے میری کوئی ضرورت نہیں' منصور نے اصرار سے کہا نہ تم ہمیشہ میرے پاس پہنچ سکتے ہو اور نہ میں ہمیشہ دینے کے لیے تیار رہوں گا' اس وقت موقع ہے جو ضرورت ہو بیان کر دو' اعرابی نے کہا امیر المومنین ایسا کیوں ہے؟ نہ میں خدانخواستہ آپ کی عمر کو کم سمجھتا ہوں اور نہ آپ کے مال کو مال غنیمت کہ جو کچھ لینا ہو اسی وقت لے لوں' ساری روئے زمین کے عرب یہ جانتے ہیں کہ آپ سے گفتگو کرنا عز و شرف ہے

اور کوئی شریف آپ سے انحراف نہیں کر سکتا۔ آپ سے سوال کرنا کوئی عیب اور برائی نہیں ہے بلکہ آپ کا عطیہ عزت و زینب ہے' منصور نے یہ شائستہ اور فصیح گفتگو سن کر اس کو ایک ہزار اشرفیاں عطا کیں۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۵۸)

**خزانہ عامرہ** در حقیقت منصور کی اس کفایت شعاری کا نتیجہ تھا کہ تعمیری کاموں میں بے شمار دولت صرف کرنے کے باوجود اپنے بعد اتنی دولت چھوڑ گیا کہ مہدی کو کبھی روپیہ کی کمی کی شکایت نہیں ہوئی' منصور خود اپنے وصیت نامے میں لکھ گیا تھا کہ میں نے تمہارے لیے اتنی دولت مجمع کر دی تھی کہ اگر تم کو دس سال تک بھی خراج نہ ملے تو تم کو اخراجات کی شکایت نہ ہو گی۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۲۴۴)

# محمد بن منصور الملقب بہ مہدی

## ۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ مطابق ۷۷۵ء تا ۷۸۵ء

منصور کے بعد اس کا لڑکا محمد الملقب بہ مہدی تخت نشین ہوا' اس کی ماں اروی حمیری خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ منصور کے انتقال کے وقت جو عمائد سلطنت اور افسران فوج اس کے ہمرکاب تھے' ان سے ربیع کاتب نے' اور اہل مکہ سے عباس بن محمد بن سلیمان نے بیعت لی اور منصور کی وفات کے بارہویں دن بغداد میں بیعت عام ہوئی اور ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں مہدی تخت خلافت پر بیٹھا' اس وقت اس کا ۳۳واں سال تھا۔

**مہدی کا پہلا کام** منصور نے اپنے زمانہ میں جن جن لوگوں کو قید کیا تھا اور جن کی جائیدادیں ضبط کی تھیں ان کے متعلق مہدی کو وصیت کر تا گیا تھا کہ اس کے بعد سب کو رہا کر کے ان کی جائیدادیں واگزار کر دی جائیں' چنانچہ مہدی نے تخت خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ سب سے پہلے وصیت کی تعمیل کی اور قیدیوں کو رہا کر کے انہیں انعام و اکرام سے نوازا' اس کا اثر عام رعایا پر بہت اچھا پڑا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۴۷۵)

منصور اپنے زمانہ میں سیاسی سازشوں اور انقلاب پسندوں کا قلع قمع کر گیا تھا' اس لیے مہدی کے زمانہ میں کوئی اہم سیاسی انقلاب رو نما نہیں ہوا' تاہم بعض شورشیں ضرور ہوئیں:۔

**مقنع کا دعوئی الوہیت** ان میں ایک خراسانی ملحد مقنع کے دعوئی الوہیت نے بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی یہ مرو کا باشندہ اور یک چشم تھا' اس عیب کو چھپانے کے لیے سونے کا چہرہ منہ پر چڑھائے رہتا تھا' اس لیے مقنع یعنی نقاب پوش کہلاتا تھا' اس نے مہدی کے زمانہ میں الوہیت کا دعوئی کیا کہ خدا آدم کو پیدا کر کے اس میں حلول کر گیا تھا' آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام میں اور اسی طرح مختلف انسانوں کے قالب میں منتقل ہوتا ہوا' ابو مسلم خراسانی کے بعد اس میں جلوہ گر ہوا ہے۔ (الفخری ص ۱۶۱' ۱۶۲) لوگوں کو فریب دینے کے لیے وہ شعبدہ سے مصنوعی آفتاب طلوع کر کے دکھاتا تھا' (ابو الفداء جلد

۲ ص ۹ دول الاسلام ذہبی) بہت سے سادہ لوح عوام اس کے دام تزویر میں پھنس کر اس پر ایمان لے آئے اور اس کے مستقر کی سمت سجدہ کرتے تھے۔ (الفخری ص ۱۶۲)

چند دنوں میں اس کے پیروؤں کی بڑی تعداد ہو گئی اور انہوں نے بسام اور سنجرہ میں حکومت کے خلاف اجتماع کیا' ترک اور صغد بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور مسلمان آبادیوں پر تاخت شروع کر دی' کش کے بعض محلات اور نواسب کے قلعہ پر قبضہ کر لیا' ابو نعمان' جنید اور لیث نے یکے بعد دیگرے ان کا مقابلہ کیا۔ لیکن کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی' آخر میں جبرئیل بن یحیٰ اور یزید نے مقنع کے ایک ممتاز پیرو بلینہ کا مقابلہ کر کے اسے بھگایا اس کے بعد مہدی نے ابو عون کو مقنع کے مقابلہ کے لیے بھیجا یہ بھی ناکام رہا تو یہ مہم ۱۶۱ھ میں معاذ بن مسلم اور سعید حرشی کے سپرد ہوئی' انہوں نے طواویس میں مقنع کے ساتھیوں کو شکست دی اور وہ بھاگ کر مقنع کے پاس چلے گئے' سعید حرشی نے مقنع کو اس کے ساتھیوں سمیت گھیر لیا' چند دنوں کے بعد اس کے ساتھیوں نے سپر ڈال دی اور تیس ہزار آدمیوں نے سعید سے جان بخشی کرا کے مقنع کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کے ساتھ دو ہزار سے کچھ اوپر آدمی رہ گئے' عباسی فوج نے محاصرہ اور زیادہ سخت کر دیا' جب مقنع نے دیکھا کہ اس کے لیے مفر کی صورت باقی نہیں رہی تو اس نے اپنی عورتوں اور اہل و عیال کو زہر کھلا کر ختم کر دیا' اور آگ جلوا کر باقی ساتھیوں سے کہا کہ جو شخص میرے ساتھ آسمان پر چلنا چاہتا ہے وہ اس آگ میں کود پڑے' یہ کہہ کر پہلے خود اس میں کودا' اسے دیکھ کر اس کے سب ساتھیوں نے کود کر اپنا خاتمہ کر لیا' بعض روایتوں میں ہے کہ مقنع نے زہر کھا کر جان دے دی اور جب مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے تو اس میں کچھ نہ تھا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۰۷ و ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳' ۱۷)

**یوسف البرم کی بغاوت** ۱۶۰ھ میں خراسان میں یوسف بن ابراہیم المعروف بہ برم نے مہدی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا' بہت سے شورش پسند اس کے ساتھ ہو گئے' لیکن اس کا فتنہ زیادہ بڑھنے نہ پایا' یزید بن مزید شیبانی نے بہت جلد اس پر قابو حاصل کر لیا اور اس کو مع اس کے ساتھیوں کے گرفتار کر کے دار الخلافہ روانہ کیا' بغداد میں ان سب کے سر قلم کر دیئے گئے۔ (یعقوبی نے ۱۶۲ھ میں یہ بغاوت لکھی ہے)

**عبد السلام یشکری اور اہل الحوف کی بغاوت** ۱۶۳ھ میں عبد السلام بن ہاشم

یشکری نے جزیرہ میں بغاوت برپا کی' اور اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ مسلسل کئی مہمیں اس کے مقابلہ میں ناکام رہیں بالاخر شیب نے تنسر میں بڑی مشکلوں سے اس کا کام تمام کیا' سندھ میں الحوف (مصر) کے باشندوں نے علم بغاوت بلند کیا' یہاں کے حاکم موسیٰ بن معصب نے مقابلہ کیا اور باغیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ موسیٰ کے قتل کے بعد مہدی نے فضل بن صالح کو بھیجا' اس نے مہدی کی وفات کے بعد امن و امان قائم کیا۔

(یعقوبی جلد ۲ ص ۴۸۳)

## مختلف غیر مسلم حکمرانوں سے معاہدے اور ان کی اطاعت

اکثر سرحدی علاقوں کے غیر مسلم حکمران عباسی حکومت کے باغیوں سے مل جاتے تھے جس سے بڑی مشکلات پیش آتی تھیں' اس لیے ۱۶۴ھ میں مہدی نے اپنے ماتحت باجگزاروں اور سرحدی فرمانرواؤں کے پاس سفراء بھیج کر ان سے صلح اور مفاہمت کر کے اس خطرہ کا سدباب کیا' اس سلسلہ میں کابل' طبرستان' سغد' طخارستان' بامیان' فرغانہ' اشروسنہ' سجستان' ترک' تبت' سندھ اور چین کے فرمانرواؤں اور ہندوستان کے بعض راجاؤں نے اطاعت کا معاہدہ کیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۴۷۹)

## رومیوں سے معرکہ آرائیاں

مہدی کے زمانہ میں اندرونی خلفشار نسبتاً" بہت کم رہا' اس لیے اس کو بیرونی فوج کشی کا زیادہ موقع ملا' گو اس کا زمانہ دس بارہ سال سے زیادہ نہیں تھا' لیکن اتنی مدت میں اتنی فوج کشیاں ہوئیں کہ بنو امیہ کے بعد سے اس کے زمانہ تک اس کی مثال نہیں ملتی' گرمائی فوجیں رومی ممالک پر ہر سال حملہ آور ہوتی تھیں' مہدی نے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال اپنے چچا عباس کو بھیجا' اس نے ادہرا فتح کیا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۱۳) ۱۶۱ھ میں ثمامہ بن ولید نے فوج کشی کی اور دابق میں اترا۔ میخائیل رومی اسی ہزار فوج کے ساتھ نکلا اور عمق مرحش میں بہت سے مسلمانوں کو قتل اور قید کر کے مرحش کا محاصرہ کر لیا' یہاں بھی بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور میخائیل محاصرہ اٹھا کر جیحان لوٹ گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۹) اس کے کچھ ہی دنوں بعد ۱۶۲ھ میں رومیوں نے اسلامی اور رومی سرحد حدث پر حملہ کر کے اس کی شہرپناہ گرادی' مہدی نے حسن بن قحطبہ کو ایک جرار لشکر کے ساتھ بھیجا' اس نے اذرولیہ پہنچ کر رومی حدود سلطنت میں تاخت و تاراج کی اور سالم و غانم واپس آیا' اسی سنہ میں یزید بن اسید سلمی نے قالیقلا

کے نواح میں حملہ کر کے تین قلعے فتح کیے۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۹)

۱۶۳ھ میں مہدی نے خود بہ نفس نفیس رومیوں کے مقابلہ میں نکلنے کا ارادہ کیا' خراسان اور دوسری چھاؤنیوں سے تازہ دم فوجیں منگائیں اور بغداد میں اپنے لڑکے موسیٰ ہادی کو اپنا قائم مقام بنا کر خود فوجیں لے کر نکلا اور موصل و جزیرہ ہوتا ہوا فرات کو عبور کر کے حلب پہنچا' یہاں زندیقوں کی بڑی تعداد تھی ان کو جمع کر کے قتل کیا اور ان کی کتابیں تلاش کر کے ضائع کرائیں اس کے بعد جیحان آیا اور یہاں سے ہارون عیسیٰ بن موسیٰ' ربیع حسن بن قحطبہ' سلیمان ابن برمک' یحییٰ بن خالد اور دوسرے عمائد کو رومی حدود کی جانب روانہ کیا' انہوں نے سمالو کا قلعہ فتح کیا۔ اور بہت سی چھوٹی فتوحات حاصل کیں لیکن کوئی بڑا معرکہ پیش نہیں آیا اور مہدی بیت المقدس ہوتا ہوا بغداد واپس آیا۔

(ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۱۳ و ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۰)

۱۶۴ھ میں عبدالکبیر بن عبدالحمید باب حدث کی طرف بڑھا' میخائیل اور طارا دارمنی بطریق نوے ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کو نکلا' عبدالکبیر میں اس ابنوہ عظیم کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے لوٹ گیا' مہدی اس کمزوری پر بہت برافروختہ ہوا' اور عبدالکبیر کو قتل کر دینا چاہا' لیکن لوگوں کی سفارش سے قید کرنے پر اکتفاء کی' ۱۶۵ھ میں ہارون الرشید کو تقریباً چھیانوے ہزار فوج کے ساتھ صائفہ کا امیر بنا کر بھیجا' ہارون اس لشکر جرار کو لے کر ایشیائے کوچک میں داخل ہوا' نقیطا رومی مقابل میں آیا' یزید بن مزید نے اس کو شکست فاش دی اور اس کے کل سازو سامان پر قبضہ کر کے دمشق رومی کی طرف بڑھا' اس نے ایک خطیر رقم دے کر صلح کر لی۔ اس لیے ہارون اسے چھوڑ کر آگے بڑھا اور خلیج قسطنطنیہ تک بڑھتا گیا' اس وقت قسطنطنیہ کے تخت پر لیون کی بیوہ اپنے صغیر السن بچے کی والیہ کی حیثیت سے حکمران تھی اس نے ستر ہزار دینار سالانہ فدیہ پر صلح کر لی شرائط صلح میں یہ بھی تھا کہ مسلمان جن جن راستوں سے گزریں وہاں وہاں رومی بازار لگائیں گے اور راہنمائی کے فرائض انجام دیں گے ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو بکثرت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۱۳ و ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۰)

**سندھ کی فتوحات** سندھ کے علاقہ میں بھی بعض فتوحات حاصل ہوئیں ۱۶۹ھ میں مہدی نے عبدالملک بن شہاب سمعی کو بحری مہم میں سندھ روانہ کیا۔ اس نے باربد

(بھاڑبھوت) کے ساحل پر لنگر انداز ہو کر شہر کا محاصرہ کر لیا' اہل شہر نے مدافعت میں پوری قوت صرف کر دی' لیکن ناکام رہے اور مسلمانوں نے بار بد فتح کر لیا۔ اس معرکہ میں بے شمار سندھی کام آئے' اور مسلمانوں کی صرف چند جانیں ضائع ہوئیں' اس مہم کو سر کر کے مسلمان واپس ہو رہے تھے کہ ایرانی سواحل کے قریب ان کا بیڑا طوفان میں گھر گیا' بعض جہاز ٹوٹ گئے اور بہت سے مسلمان ضائع ہوئے صرف چند جہاز صحیح و سالم واپس پہنچے۔
(ابن خلدون جلد ۳ حالات سنین مذکور ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۱ و ۲۲)

طبرستان کے حاکم و نداد ہرمز اور شروین اکثر فساد برپا کیا کرتے تھے۔ ۱۶۷ھ میں موسیٰ ہادی نے فوج کشی کر کے ان کی پوری تنبیہہ کی'

**ولایت عہد** سفاح نے منصور کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد بنایا تھا' منصور نے اس کا نام مہدی کے بعد کر دیا تھا' مہدی نے بھی باپ کی تقلید میں عیسیٰ کا نام خارج کر کے اپنے لڑکے ہادی کو ولی عہد بنا دیا اور اس کے بعد ہارون کا نام رکھا اور اس کے بدلہ میں اس کو ایک کروڑ نقد اور بہت بڑی جاگیر عطا کی۔

**وزارت** مہدی کے زمانہ میں تین وزیر ہوئے' ابو عبیداللہ معاویہ بن یسار' ابو عبداللہ یعقوب ابن داؤد' فیض بن ابی صالح' ان تینوں کے مختصر حالات یہ ہیں۔
معاویہ بن یسار اشعریوں کا غلام تھا' لیکن بڑا عالی دماغ تھا' منصور کے زمانہ سے عباسی دربار سے متوسل تھا' اور اسی وقت سے وزارت کے لیے اس پر نگاہ اٹھتی تھی' لیکن منصور کی زندگی میں اس کو یہ منصب نہ مل سکا اور مہدی کے سیکرٹری کی حیثیت سے جو اس زمانہ میں وزارت کے فرائض انجام دیتا تھا' کام کرتا رہا' معاویہ مہدی پر اتنا حاوی تھا کہ وہ کسی معاملہ میں اس کی مخالفت نہ کرتا تھا' اور عملاً" وزارت معاویہ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ منصور ہمیشہ مہدی کو معاویہ کے مشورہ پر عمل کرنے کی ہدایت کرتا رہتا تھا۔ (الفخری ۱۶۳) اور یہ تاکید کر دی تھی کہ معاویہ کے بارہ میں کسی کی شکایت نہ سننا' منصور لی وفات اور مہدی کی خلافت تک برابر یہ اثر و اقتدار قائم رہا۔
مہدی کو اس کی قابلیت کا پورا تجربہ تھا' اس لیے تخت نشین ہونے کے بعد ہی اس نے ۱۵۹ھ میں اس کو وزیر بنا لیا۔ اس نے اپنے دور وزارت میں مختلف شعبوں کو ترقی دی' اور ان میں مفید اصلاحات کیں' ہر شعبہ کے دفاتر مرتب کئے' شعبہ خراج میں اس سے

پہلے پیداوار کا ایک مقررہ خراج لیا جاتا تھا' معاویہ نے بٹائی کا طریقہ رائج کیا اور کھجور اور دوسرے پھلدار درختوں پر خراج لگایا اور قانون خراج پر ایک کتاب لکھی' تاریخ اسلام میں اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب تھی' لیکن ان خوبیوں کے ساتھ وہ سخت متکبر اور مغرور تھا' اسی غرور نے اس کو مسند وزارت سے قعرمذلت میں گرایا۔

اس کے غرور نے دوستوں کو بھی دشمن بنادیا تھا۔ چنانچہ ربیع کاتب جو ایک زمانہ میں اس کا بڑا خیر خواہ تھا مہدی کے زمانہ میں اس کی حمایت کیا کرتا تھا' اس کے برتاؤ سے اس کا سخت دشمن ہو گیا' اس کا سبب یہ ہوا کہ منصور کی وفات کے بعد ربیع مکہ سے جب مہدی کی بیعت لے کر لوٹا تو مہدی کے دربار میں حاضری سے قبل معاویہ کے پاس گیا' اس نے اول تو بڑی دیر انتظار کرانے کے بعد اندر آنے کی اجازت دی۔ پھر بدستور اپنی مسند پر بیٹھا رہا اور منصور کی وفات اور مہدی کی بیعت وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا' ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا' ربیع نے چھیڑنا بھی چاہا مگر معاویہ اس ذکر ہی کو ٹال گیا' ربیع کو اس کا یہ طرز عمل سخت ناگوار گزرا اور اس نے قسم کھالی کہ اپنی ساری قوت اس کے گرانے میں صرف کردے گا' گو معاویہ بڑا مدبر تھا' آسانی کے ساتھ اسے زیر کرنا مشکل تھا' لیکن معاویہ کی شومی قسمت سے اس کا لڑکا عبداللہ ملحد تھا' اور مہدی ملحدوں کا دشمن تھا اور ان کو ڈھونڈ کر سزا دیتا تھا' چنانچہ ۱۶۶ھ میں جب ملحدوں کی ایک جماعت گرفتار ہو کر آئی تو اس میں معاویہ کا لڑکا بھی تھا' مہدی نے اس سے کہا قرآن پڑھو' اس نے پڑھا: تبارکت و عالموک بعظم الخلق ربیع کو موقعہ مل گیا' اس نے عبداللہ کو قتل کرنے کا مشورہ دیا اور مہدی کے حکم سے اس کا سر قلم کردیا گیا لیکن اس واقعہ کا اثر معاویہ کے عہدہ پر نہیں پڑا' وہ بدستور وزیر رہا' کچھ دنوں کے بعد ربیع نے مہدی کے بعض خادموں سے سازش کی کہ میں تم کو تیس ہزار اشرفی اس شرط پر دوں گا کہ جب ابو عبیداللہ (معاویہ) مہدی کے پاس جائے تو تم اس کی تلوار کا قبضہ پکڑے ہوئے ساتھ رہو' اگر مہدی اس پر اعتراض کرے تو کہنا کہ امیر المومنین جس کے لڑکے کو کل آپ نے قتل کیا ہو' اس کا تنہائی میں آپ کے پاس مسلح آنا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے' اس تدبیر سے مہدی اس سے بدظن ہو گیا۔ (کتاب الوزراء و الکتاب جہشیاری ص ۱۷۶ تا ۱۸۰) اور گو اس وقت اس نے یہی کہا کہ مجھے ان پر ہر حال میں اعتماد ہے' لیکن دل میں بات جم چکی تھی' اس لیے کچھ دنوں کے بعد اس بہانہ سے کہ میں

نے ابو عبیداللہ کے لڑکے کا قتل کیا ہے اس لیے مجھے اس سے ندامت معلوم ہوتی ہے، اس کو منصب وزارت سے الگ کر دیا اور وہ نہایت غم و الم کی حالت میں زندگی کے دن کاٹتا ہوا ۱۷۰ھ میں مر گیا۔

(الفخری ص ۱۲۵ الفخری اور جہشیاری کے بیان میں بعض جزئی اختلافات ہیں)

**ابو عبداللہ یعقوب** معاویہ کے بعد یعقوب بن داؤد کی قسمت کا ستارہ چمکا، یہ بھی غلاموں کے زمرہ میں تھا اس کا باپ داؤد اور اس کے دوسرے بھائی امیر نصر بن سیار، امیر خراسان کے کاتب تھے، "ابتدا" اس میں تشیع تھا اور وہ عبداللہ بن حسن کی طرف مائل تھا۔ (الفخری ص ۱۶۶) چنانچہ منصور کے زمانہ میں اس کا سارا گھر امام ابراہیم بن عبداللہ کے ساتھ ہو گیا تھا، ابراہیم کے مارے جانے کے بعد ان کے حامیوں کے ساتھ یعقوب اور علی گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے تھے، منصور کے بعد جب مہدی نے اپنے زمانہ میں سیاسی قیدیوں کو رہا کیا تو اس سلسلہ میں یہ دونوں بھی چھوٹے۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۳)

مہدی علویوں اور سادات کی مخالفت سے گھبراتا تھا اس لیے اس کو ایسے آدمی کی تلاش تھی جس کو آل حسن سے تعلق رہ چکا ہو، تاکہ وہ اس سے ضرورت کے وقت کام لے سکے، یعقوب اس کام کے لیے موزوں شخص تھا، اس لیے ربیع کی سفارش پر مہدی نے اس کو بلایا، اس کی عقل و فرزانگی کا مہدی پر بہت اچھا اثر پڑا، اور اس کو اس نے اپنے خواص میں شامل کر لیا اور رفتہ رفتہ وزارت کے منصب تک پہنچ گیا اور مہدی کے مزاج میں اتنا رسوخ حاصل کر لیا کہ کل امور مملکت پر حاوی ہو گیا، اس کے اقتدار نے اس کے بہت سے حاسد پیدا کر دیئے، جنہوں نے اس کو مہدی کی نگاہوں سے گرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

یعقوب کے دل میں آل حسن کی محبت برابر قائم تھی اور وہ علانیہ ان کی حمایت کرتا تھا، اپنے عہد وزارت میں اس نے بہت سے زیدیوں کو حکومت کے معزز عہدوں پر پہنچا دیا، اس سے اس کے حاسدوں کو موقع مل گیا، انہوں نے مہدی سے کہا کہ ساری سلطنت یعقوب اور اس کی جماعت کے قبضہ میں ہے، وہ جب چاہے ایک دن میں اسے زیر و زبر کر سکتا ہے۔ مہدی علویوں کے بارہ میں یعقوب کے جذبات سے واقف تھا، اس لیے اس کے دل میں یہ بات اتر گئی، چنانچہ ایک موقع پر آزمائش کے لیے اس نے یعقوب سے ایک

علوی کو قتل کرنے کا وعدہ لے کر اس کے حوالہ کر دیا' علوی نے یعقوب سے کہا میں علی بن ابی طالب اور فاطمہ کی اولاد ہوں تم میرے خون کا بار اپنی گردن پر لے کر خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ یعقوب نے کہا خدا کی قسم یہ بار میں اپنی گردن پر نہ لوں گا' تم یہ مال لو اور اپنی جان بچا کر نکل جاؤ' ایک لونڈی جو یہ گفتگو سن رہی تھی فوراً مہدی کو اطلاع دے دی' مہدی نے اسی وقت اس علوی کو گرفتار کروا لیا' اور یعقوب سے بلا کر پوچھا تم نے علوی کو کیا کیا؟ اس نے کہا خدا نے اس سے امیر المومنین کو مطمئن کر دیا' مہدی نے کہا کیا وہ مر گیا! یعقوب نے اثبات میں جواب دیا' مہدی نے اس سے قسم لی اور قسم لینے کے بعد علوی کو بلوا کر سامنے کھڑا کر دیا' یعقوب اس کو دیکھ کر متحیر ہو گیا' اب اس کے لیے کسی حیلہ کی گنجائش نہ تھی مہدی نے اسی وقت اس کو قید کرا دیا' کئی سال تک قید رہا' رشید کے زمانہ میں اس سے نجات ملی اور ۱۸۶ھ میں مکہ میں وفات پائی۔ (الفخری ص ۱۶۶' ۱۶۷ یہ واقعہ فخری' طبری' ابن اثیر سب میں ہے)

**فیض بن ابی صالح نیشاپوری** یعقوب کے بعد ابو صالح وزیر ہوا' اس کا وطن نیشاپور اور آبائی مذہب عیسوی تھا' اس کا گھرانہ ترک وطن کر کے بنو عباس کے زیر سایہ آ گیا تھا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا' چنانچہ فیض نے عباسیوں کے دامن تربیت میں پرورش پائی' اور وزارت کے عہدہ تک پہنچا' جود و کرم میں عدیم النظیر تھا' یحییٰ بن خالد برمکی جس کی فیاضیوں کی داستانیں مشہور عالم ہیں' کہا کرتا تھا کہ اگر تم فیض کی فیاضیاں دیکھتے تو میری فیاضیاں حقیر معلوم ہوتیں' مہدی کی وفات تک یہ وزارت کے منصب پر فائز رہا۔ اس کی وفات کے بعد ہادی نے علیحدہ کر دیا اور رشید کے زمانہ تک زندہ رہا اور ۱۷۳ھ میں وفات پائی۔ (الفخری ص ۱۶۹' ۱۷۰)

**وفات** محرم ۱۶۹ھ میں مہدی نے انتقال کیا' اس کے سبب وفات کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں' ایک روایت یہ ہے کہ ایک دن شکار کے لیے نکلا' ایک شکار کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا وہ ایک ویران عمارت کے پھاٹک میں گھستا چلا گیا' اس کی رگڑ سے پیٹھ کو اتنا صدمہ پہنچا کہ ۱۲ محرم ۱۶۹ھ کو انتقال کر گیا۔ (دول الاسلام جلد اول ص ۶۷ و یعقوبی جلد ۲ ص ۴۸۴) دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی لونڈی نے زہر دے دیا' یا خود کشی کے لیے اس نے خود اپنے کھانے میں زہر ملایا تھا' جسے غلطی سے مہدی نے کھا لیا' تیسری روایت یہ ہے کہ ایک

دن خواب میں اس کو ہاتف غیب نے دنیا کی بے ثباتی کا پیغام دیا اور اس کے دسویں دن مہدی دنیا سے چل بسا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۷) اس کا انتقال ماسبندان کے ایک قریہ میں ہوا تھا' ہارون رشید نے نماز جنازہ پڑھائی اور اسی غربت کدہ میں پیوند خاک کیا گیا' وفات کے وقت ۴۳ سال کی عمر تھی' مدت خلافت دس سال ایک ماہ۔

مہدی اپنے ذاتی محاسن اور طریقہ حکمرانی دونوں حیثیتوں سے بہترین فرمانروا تھا' اس کی خوبیوں نے اس کو رعایا میں بہت محبوب و مقبول بنا دیا تھا' اس کا عہد عدل و انصاف' امن و سکون اور آسودہ حالی کے اعتبار سے ملک کے لیے عیش و رفاہیت کا دور تھا' مسعودی کا بیان ہے کہ مظالم کے انسداد' قتل خونریزی سے احتراز' خوف زدوں کی پشت پناہی اور داد و دہش نے مہدی کو خاص و عام میں محبوب بنا دیا تھا۔ (مروج الذہب جلد ۶ ص ۲۳۳) محدث ذہبی لکھتے ہیں کہ اس کا دور حکومت بڑا مبارک و مقبول تھا اس کی صورت و سیرت دونوں پسندیدہ تھیں' رعایا میں بہت ممدوح و محبوب تھا۔ (دول الاسلام ذہبی جلد اول ص ۸۳' ۸۷)

اس کی حکومت کا آغاز بھی نیکیوں سے ہوا تھا' اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ تخت نشینی کے ساتھ ہی منصور کے زمانہ کے جتنے قیدی تھے سب کو رہا کر دیا اور جن جن لوگوں کی جائیدادیں ضبط کی گئی تھیں سب واگزار کر دی تھیں۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۴۷۵)

**تدبیر مملکت** مہدی گو عیش پرست تھا' لیکن امور مملکت سے کبھی غافل نہیں ہوا' منصور کی طرح وہ بھی حکومت کے جزئی سے جزئی امور پر نگاہ رکھتا تھا۔ (الفخری ص ۱۶۲) میدان جنگ میں بھی نکلتا تھا' اس لیے عیش پرستی کے باوجود نظام حکومت میں خلل نہ آنے پایا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ۲۷۶) روزانہ مظالم کی تحقیقات کے لیے بیٹھتا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۷) اور مظلوموں کی داد رسی کے لیے ہر وقت اس کا دروازہ کھلا رہتا تھا' **کان یجلس فی کل وقت لرد المظالم** (الفخری ص ۱۶۱)

بنی امیہ کے دور میں بیشتر انتظامی شعبہ جات ملے ہوئے تھے' مہدی نے ان کو الگ کر کے ان کے علیحدہ علیحدہ منتظم اور نگران مقرر کیے اور ان کا نام دیوان الازمہ رکھا۔ (نجوم الزاہرہ ابن تغری بردی) اس جدید تنظیم سے بہت سے نئے شعبے اور محکمے قائم ہو گئے اور حکومت کا پورا نظام نہایت مرتب ہو گیا' مکہ' مدینہ' یمن اور بغداد وغیرہ اہم شہروں کے درمیان اونٹ اور خچروں کی ڈاک قائم کر دی اور پوری اسلامی قلمرو کے کوڑھیوں کی

پرورش کا انتظام کیا۔

**اخلاق و سیرت** مہدی ذاتی اوصاف کے لحاظ سے بھی محاسن اخلاق کا مجموعہ تھا' منصور جتنا ہی درشت مزاج اور سخت گیر تھا' مہدی اتنا ہی نرم اور متحمل مزاج تھا' عفو درگزر اس کی خصوصیت تھی' ایک ممتاز فوجی افسر بار بار غلطی کرتا تھا۔ مہدی نے کئی دفعہ اس کو فہمائش کی' لیکن وہ باز نہ آتا تھا' آخر میں مہدی نے اس سے کہا کہ تم کب تک غلطی کرتے رہو گے؟ اور میں کب تک معاف کرتا رہوں گا' اس نے کہا میں ہمیشہ بھولتا رہوں گا اور خدا امیر المومنین کی عمر دراز کرے وہ ہمیشہ مجھے معاف کرتے رہیں گے یہ جواب سن کر مہدی شرمندہ ہو گیا اور اسے معاف کر دیا۔

ربیع حاجب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مہدی نے عشاء کی نماز میں کلام اللہ کی یہ آیت تلاوت کی۔ **فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدو فی الارض و تقطعوا ارحامکم** نماز ختم کرنے کے بعد مجھ سے کہا ربیع! موسیٰ'' میں نے دل میں خیال کیا کون موسیٰ مراد ہے' شاید موسیٰ بن جعفر مقصود تھا جو اس وقت میری قید میں تھا' میں نے اس کو لا کر پیش کر دیا' مہدی نے اس سے کہا میں نے جب **تقطعوا ارحامکم** پڑھا تو مجھے خیال آیا کہ کہیں میں تمہارے معاملہ میں قطع رحم کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہوں' اس لیے تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میرے مقابلہ میں خروج نہ کرو گے موسیٰ نے وعدہ کیا اور مہدی نے اسی وقت اس کو رہا کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۸)

منصور کے زمانہ سے بہت سے علوی قید بند تھے' مہدی نے ان سب کو رہا کر کے ان کے وظائف مقرر کر دیئے۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۴۷۵) اس کی رقیق القلبی کا ایک عبرت آموز واقعہ تاریخوں میں مذکور ہے' بنی امیہ کے ساتھ بنی عباس کی دشمنی معلوم و مشہور ہے' مہدی ایسا شریف‌ سعل تھا کہ اس کو ان پر رحم آ جاتا تھا' ایک مرتبہ مہدی کی بیوی اور دوسری خواتین شاہی محل میں بیٹھی تھیں کہ خادم نے آکر اطلاع دی کہ ایک شریف مگر بد حال عورت اندر آنے کی اجازت چاہتی ہے' لیکن نام نہیں بتاتی۔ مہدی کی بیوی خیزران نے بلا لیا عورت اندر آئی' وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں تھی' لیکن بشرہ پر شرافت کا جمال نمایاں تھا' خیزران نے پوچھا بہن تم کون ہو؟ اس نے کہا میں مروان بن محمد (آخری اموی خلیفہ) کی بیوی مزنہ ہوں۔ زمانہ نے مجھے اس نوبت کو پہنچا دیا ہے' میرے جسم پر تم یہ جو

پرانے کپڑے دیکھ رہی ہو' یہ بھی میرے نہیں ہیں' بلکہ مانگے کے ہیں' گو زمانہ نے ہم کو اس نوبت کو پہنچا دیا ہے' لیکن اب بھی ہماری شرافت کا وقار ہم کو عامتہ الناس سے ملنے کی اجازت نہیں دیتا' اس لیے ہم تمہارے پاس آئے ہیں کہ ہماری جو نوبت بھی ہو تمہارے پردہ میں ہو' مزنہ کی باتیں سن کر خیزران کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں' لیکن اس کی مغلانی زینب نے جو بڑی منہ چڑھی تھی بولی:-

مزنہ تم وہ دن بھول گئیں جب ہم حران میں تمہارے پاس ابراہیم (سفاح کے بڑے بھائی جو مروان کے زمانہ میں گرفتار کر کے قتل کیے گئے تھے) کی لاش مانگنے کے لیے گئے تھے اس وقت ڈانٹ کر تم نے نکلوا دیا تھا اور کہا تھا کہ مردوں کے معاملات میں عورتوں کو کیا دخل' تم سے اچھا سلوک تو مروان نے کیا تھا اور لاش ہمارے حوالہ کر کے مالی سلوک بھی کرنا چاہا تھا' لیکن ہم نے انکار کر دیا' مزنہ نے کہا خدا کی قسم ہماری یہ حالت اسی کا نتیجہ ہے' معلوم ہوتا ہے کہ تم اس حالت کو اچھی طرح سمجھتی ہو' جبھی اس سیدہ (خیزران) کو ایسے کام پر ابھار رہی ہو' جس میں ہم مبتلا ہو کر اس نوبت کو پہنچ گئے ہیں تم کو چاہئے تھا کہ نیکی اور بھلائی پر آمادہ کرتیں اور برائی کے بدلہ میں برائی کرنے سے روکتیں' تاکہ خدا نے تم کو جو نعمت عطا کی ہے وہ باقی اور قائم رہے' بہن زینب تم دیکھ رہی ہو کہ خدا نے دوسروں کی حق تلفی اور ان کے ساتھ بد سلوکی کا ہم سے بدلہ لیا ہے' پھر بھی تم ہماری ہمدردی سے اجتناب برتتی ہو' یہ کہہ کر وہ روتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

خیزران دل میں بہت متاثر ہوئی' لیکن زینب کی مخالفت نہ کر سکتی تھی' اس لیے ظاہری اخلاق نہ برت سکی اور ایک لونڈی کو اشارہ کر دیا کہ وہ چپکے سے کمرے میں لے کر جا کپڑے وغیرہ بدلوا دے' رات کو جب مہدی محل میں آیا تو خیزران نے یہ سارا قصہ اس کو سنایا' اس نے اسی وقت لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ کمرہ میں جانے کے بعد مزنہ کیا کہہ رہی تھیں' اس نے کہا امیر المومنین وہ رو رو کر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ رہی تھیں۔

وضرب اللہ مثلا قریۃ کانت امنۃ مطمئنۃ یاتیھا رزقھا رغدا من کل مکان فکفرت بانعم اللہ فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یصنعون

اور اللہ نے ایسی بستی کی مثال بیان کی جو امن و چین سے تھی' اس کے پاس ہر جگہ سے فراغت سے رزق آتا تھا' پس اس نے اللہ کی نعمتوں کے ساتھ کفر کیا اس کی سزا

میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا۔ (نحل-۱۵)

یہ سن کر وہ زار زار رونے لگا' اور خدا کے حضور میں دعا کی۔ "بار الٰہ میں زوال نعمت سے پناہ مانگتا ہوں" اور خیزران سے کہا کہ اگر تم مزنہ کے ساتھ شرافت سے پیش نہ آئی ہوتیں تو میں تم سے کبھی نہ بولتا' اور زینب پر سخت برہمی ظاہر کی اور ایک لونڈی کے ذریعہ مزنہ کے پاس سلام کے بعد یہ پیام کہلا بھیجا کہ بنت عم اس وقت تمہاری سب بہنیں میرے پاس جمع ہیں' ایسی حالت میں اگر میرا آنا تمہارے پاس تم کو غمزدہ نہ کر دیتا تو میں خود آتا' مزنہ اس کا مطلب سمجھ گئیں اور خود چلی آئیں' مہدی نے اپنے پاس بٹھایا اور دیر تک ان کے خاندان کی تباہی پر ہمدردانہ گفتگو کرتا رہا اور کہا اگر میں تمہارے خاندان میں شادی کرنا پسند کرتا تو ضرور تمہارے ساتھ شادی کر لیتا' لیکن ایسا نہیں کر سکتا' اس لیے بہتر ہے کہ تم مجھ سے پردہ کرو اور اپنی بہنوں (عباسی خواتین) کے ساتھ محل میں رہو جو سلوک ان کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔

چنانچہ مزنہ کے آرام و راحت کا تمام سامان مہیا کر دیا' اس میں اور خاندان شاہی کی خواتین میں کوئی فرق نہ کرتا تھا' حتیٰ کہ ان کے برابر جاگیر بھی ان کو دے دی اور مزنہ نے راحت و عزت و آبرو کے ساتھ اس محل میں پوری عمر گزاری' ہارون رشید کے زمانہ میں انتقال کیا۔ (مسعودی جلد ۲ ص ۲۲۹ تا ۲۳۴)

**خوش خلقی** نہایت خوش اخلاق تھا' مزاج میں سختی و درشتی کا نام تک نہ تھا' معمولی سے معمولی انسان سے بڑی نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آتا تھا۔ خطیب نے اس کی خوش اخلاقی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ بصرہ گیا' نماز ہمیشہ مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھتا تھا' ایک دن کسی وقت نماز میں جب اقامت ہو چکی تھی ایک اعرابی نے کہا۔ امیر المومنین میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتا ہوں' لیکن مجھے غسل کی ضرورت ہے' اس لیے آپ لوگوں کو حکم دیجئے کہ میرا انتظار کریں' مہدی محراب میں کھڑا ہو چکا تھا' لیکن اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک اعرابی نہ آ گیا' اس خوش اخلاقی پر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ (خطیب جلد ۵ ص ۴۰۰) غرض وہ خوش خلقی اور حسن اخلاق کا نمونہ تھا۔

**حرمین کی خدمت** اپنے زمانہ میں اس نے حرمین کی بڑی خدمت کی ۱۶۰ھ میں خانہ کعبہ کی عمارت میں توسیع کرائی۔ (تاریخ مکہ ازرقی جلد ۱ ص ۱۷۵'۱۷۶) اس کے چاروں طرف

رواق تعمیر کرائے اور ان میں سنگ رخام کے ستون لگوائے (دول الاسلام ذہبی جلد ا ص ۸۳) کعبہ کے پرانے غلافوں کو اتروا کر اس کی دیواروں پر مشک و عنبر ملوایا اور قباطی' خز اور دیبا کے تین غلاف چڑھائے۔ (تاریخ مکہ ازرقی ص ۱۷۶)

اسی زمانہ میں مسجد نبوی کی عمارت میں ترمیم و توسیع اور اس کی آرائش کرائی' شامی رخ پر عمارت میں سو ہاتھ کا اضافہ کیا اور سنگ رخام کے دس نئے ستون لگوائے اور پوری عمارت کو نقش و نگار سے آراستہ کرایا۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۱۴۳' ۱۴۴)

ان کے علاوہ مکہ کا راستہ درست کرایا' یہاں بہت سی نئی عمارتیں تعمیر کرائیں' حوض بنوایا' بغداد' مکہ' مدینہ' اور یمن کے درمیان ڈاک کا سلسلہ جاری کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۴) حرمین کے باشندوں میں کئی کروڑ نقد اور ڈیڑھ لاکھ کپڑے تقسیم کیے' ذہبی کا بیان ہے کہ حرمین کے باشندوں کی اتنی خدمت کسی نے نہ کی تھی۔

(دول الاسلام جلد اول ص ۸۳)

**دوسری تعمیرات** حرمین کے علاوہ مہدی نے اور بہت سی عمارتیں بنوائیں' اپنے قیام گاہ رصافہ میں ایک محل تعمیر کرایا' بصرہ کی جامع مسجد تعمیر کرائی' عیسیٰ آباد میں ٹکسال کی عمارت تعمیر کرائی' رومیوں کے تاخت و تاراج کو روکنے کے لیے حدث کی سرحد کو مستحکم کرایا۔

**علمی حیثیت** علمی اعتبار سے مہدی کوئی امتیازی درجہ نہ رکھتا تھا' لیکن اس کی تعلیم و تربیت اچھی ہوئی تھی اور اسے اہل علم کی صحبت مرغوب تھی' تادب و جالس العلماء (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۵) شاعری کا ستھرا ذوق رکھتا تھا' خود بھی شعر کہتا تھا' سیوطی نے اس کے اشعار نقل کیے ہیں' حدیث میں بھی درک رکھتا تھا' اپنے والد اور مبارک بن فضالہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۵) ارباب علم کا بڑا قدر دان تھا اور ان کی خدمت سعادت سمجھتا تھا۔ ایک مرتبہ قاضی شریک اس کے پاس آئے اور اس نے کہا تین باتوں میں سے ایک بات آپ کو قبول کرنا پڑے گی' یا عہدہ قضاء قبول کیجئے یا میری اولاد کی تربیت کا فرض انجام دیجئے اور ان سے حدیث بیان کیجئے یا میرے ساتھ ایک لقمہ کھا لیجئے۔ شریک نے تھوڑی دیر غور کرنے پر آخری صورت منظور کر لی۔ مہدی نے بڑے اہتمام کے ساتھ ان کی دعوت کی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۸)

مشہور محدث سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ امراء و سلاطین سے بہت گھبراتے تھے' ایک مرتبہ کسی طرح مہدی کے دربار میں لائے گئے' لیکن کسی قسم کے شاہی آداب نہیں برتے محض اسلام علیکم پر اکتفا کی۔ مہدی نے خوش طبعی کے طور پر کہا۔ آپ مجھ سے بھاگے پھرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اب تو آپ میرے قبضہ میں ہیں جو حکم چاہوں دے دوں"۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا' جو حکم تم میرے بارے میں دو گے وہی حکم قادر مطلق تمہارے بارے میں دے گا' جو حق و باطل کا فیصلہ کر دے گا' اس جواب پر حاجب شاہی ربیع نے ان کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے اور تلوار اٹھانے کی اجازت چاہی' مہدی نے اس کو ڈانٹا اور کہا ایسے بزرگوں کو قتل کر کے ان کی خیر و برکت سے محروم ہو جائیں اور اسی وقت کوفہ کے عہدہ قضا کا پروانہ لکھ کر ان کے حوالہ کیا اور یہ بھی آزادی دے دی کہ ان کے فیصلوں میں کوئی مداخلت نہ کی جائے گی' سفیانؒ نے یہ پروانہ تو لے لیا' لیکن وہاں سے نکلنے کے بعد اس کو چاک کر کے دجلہ میں پھینک دیا' اور کہیں روپوش ہو گئے۔ مہدی نے بہت تلاش کرایا' لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔

(مروج الذہب جلد ۶ ص ۲۵۷'۲۸۵)

ایک مرتبہ مہدی کا ایک لڑکا قاضی شریک کی خدمت میں حاضر ہوا اور ٹیک لگا کر ان سے حدیث پوچھی' شریک نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی' اس نے دوبارہ پوچھا' شریک نے پھر کوئی توجہ نہ کی' لڑکے نے کہا آپ خلفاء زادوں کی توہین کرتے ہیں' شریک نے کہا ایسا نہیں ہے۔ البتہ علم کی ناقدری نہیں کرتا' بلکہ اس کا احترام کرتا ہوں' شہزادہ سمجھدار تھا سمجھ گیا اور گھٹنے ٹیک کر حدیث پوچھی' شریک نے کہا ہاں اس طرح علم حاصل کیا جاتا ہے۔

**اصلاح عقائد** عقائد میں بہت پختہ اور مذہب کے معاملہ میں بڑا متشدد تھا عقائد اسلامی میں وہ کسی قسم کی آزادی اور رخنہ اندازی پسند نہ کرتا تھا' اس کے زمانہ میں عجمیوں کے اثر سے ملحدوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تھی' جو اپنے عقائد کی اصلاح بھی کرتی تھی اور اس کا اچھا خاصہ لٹریچر پیدا ہو گیا تھا' مہدی نے ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرایا اور ان کی کتابیں جہاں مل سکیں جلائیں۔ (ملحدوں کے استیصال کا ذکر دول الاسلام ذہبی و تاریخ الخلفاء سیوطی وغیرہ سب میں ہے)

**علمی خدمات** مذہبی اصلاح کے سلسلہ میں مہدی نے بعض مفید علمی خدمات انجام دیں' اور الحاد و زندقہ کے تدارک کے لیے حکماء کو مناظرانہ کتابوں کی تالیف کا حکم دیا' جس سے علم کلام کی بنیاد پڑی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۴) اس طرح اس عظیم الشان فن کی ایجاد کا سہرا جو مسلمانوں کے لیے سرمایہ فخر ہے مہدی کے سر ہے علم کلام کے علاوہ بعض ادبی کتابیں بھی لکھوائیں' چنانچہ مفضل ضبی نے اس کے حکم سے امثال و ایام عرب پر ایک کتاب لکھی۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۵۳۳)

**مساوات** وہ اسلامی مساوات کے خلاف کوئی امتیاز بھی پسند نہیں کرتا تھا جب سے نماز کی حالت میں امیر معاویہ پر قاتلانہ حملہ ہوا انہوں نے مسجد میں ایک مقصورہ یعنی ایک خیمہ نما حجرہ بنوا لیا تھا اسی میں وہ نماز پڑھتے تھے لیکن بعد میں خلفاء نے اظہار تفاخر کے لیے اس کو استعمال کیا اور شان و شوکت کے لیے مسجدوں میں بڑے بڑے منبر رکھوائے یہ دونوں باتیں دین کی سادگی اور مساوات کے خلاف تھیں' اس لیے مہدی نے مقصورہ کو تو اٹھوا دیا اور منبروں کو گھٹا کر منبر نبوی کے برابر کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۶)

نماز با جماعت کا بڑا اہتمام تھا سفر میں بھی نماز پنجگانہ جامع مسجد میں ادا کرتا تھا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۸۱)

**خشیت الٰہی** اس کا دل خشیت الٰہی سے لبریز تھا۔ مزنہ کی حالت سن کر اس کی گریہ زاری اور خدا کے حضور میں اس کی عاجزانہ دعا کا حال اوپر گذر چکا ہے۔ حسن الوصیف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہوا کا اتنا سخت طوفان آیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ حشر بپا ہو جائے گا' میں امیر المومنین کی تلاش میں نکلا' دیکھا تو وہ رخساروں کو فرش خاک پر رکھے دعا میں مصروف ہیں کہ "خدایا امت کی حفاظت کر' خدایا ہمارے دشمنوں کو ہماری تباہی پر ہنسنے کا موقع نہ دے' اگر میرے گناہوں کی پاداش میں تو نے عالم کو پکڑا ہے تو یہ پیشانی تیرے حضور میں حاضر ہے۔ (طبری جلد ۱۰ ص ۵۳۰' ۵۳۱)

**محبت رسولؐ** مہدی کی ذات نبویؐ سے اتنی عقیدت تھی کہ آپ کی جانب کسی چیز کی جھوٹی نسبت کا بھی بڑا احترام کرتا تھا' ایک مرتبہ ایک شخص رومال میں ایک جوتا لپیٹ کر اس کے پاس لایا اور کہا کہ یہ حضرت محمد ﷺ کی نعل مبارک ہے آپ کی خدمت میں ہدیہ

کے لیے لایا ہوں مہدی نے اسے لے کر بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور لانے والے کو دس ہزار درہم عطا کیا اور اس کے واپس جانے کے بعد حاضرین سے کہا میں جانتا ہوں کہ اس جوتے پر رسول اللہ ﷺ کی نگاہ بھی نہیں پڑی پہننا تو بڑی بات ہے۔ لیکن میں نے اس کو صرف اس لیے لے لیا کہ وہ شخص کہتا پھرتا کہ میں امیر المومنین کے پاس رسول اللہؐ کا جوتا لے گیا اور انہوں نے واپس کر دیا۔ (تاریخ خطیب جلد ۵ ص ۳۹۴)

**فیاضی** عباسی خلفاء کی تاریخ میں اس سے زیادہ فیاض' دریا دل' بلکہ مسرف دوسرا نہ تھا' منصور اپنے زمانہ میں انتہائی کفایت شعاری سے کام لے کر بڑی دولت چھوڑ گیا تھا' مسعودی کے بیان کے مطابق جواہرات کے علاوہ خزانہ میں ایک کروڑ چالیس لاکھ اشرفیاں اور ساٹھ کروڑ درہم تھے' مہدی نے چند دنوں میں یہ ساری دولت اڑا دی' آخر میں خزانہ بالکل خالی ہو گیا اور ابو حارثہ خزانچی نے کنجیاں لا کر اس کے سامنے پٹک دیں کہ خالی خزانہ کے لیے کنجیوں کی کیا ضرورت ہے۔ (مسعودی جلد ۶ ص ۲۳۳)

اس کی نگاہ میں دولت کی کوئی وقعت ہی نہ تھی' بات بات پر روپیہ کی بارش کرتا تھا' اس کی فیاضی کے واقعات سے تاریخیں بھری ہوئی ہیں' خطیب کا بیان ہے کہ جب منصور کا خزانہ اور اس کے ذخیرے مہدی کے قبضہ میں آئے تو جس قدر مال ظلم و زیادتی سے حاصل کیا گیا تھا' سب واپس کر دیا گیا' اپنے اعزہ و اقرباء اور دوسرے معززین میں دولت تقسیم کی' اپنے خاندان والوں کا فی کس پانچ سو ماہانہ وظیفہ مقرر کیا اور دس دس ہزار یکمشت دیئے۔ (تاریخ خطیب جلد ۵ ص ۳۹۳)

ربیع حاجب کا بیان ہے کہ آخری اموی فرمانروا مروان بن محمد کا جو توشہ خانہ عباسیوں کے قبضہ میں آیا تھا' اس کو منصور نے ایک دن کھولا تو اس میں صرف ریشم کے تھانوں کی بارہ ہزار گانٹھیں نکلیں' منصور نے ایک تھان نکال کر مجھے دیا کہ اس میں ایک جبہ میرا اور ایک مہدی کا بنا دو' میں نے کہا اس میں دو جبے نہیں ہو سکتے' اس نے کہا پھر میرا ہی ایک جبہ اور ٹوپی قطع کر دو' اور مہدی کے لیے دوسرا تھان دینا گوارا نہ کیا۔ اور جب مہدی کے قبضہ میں یہ توشہ خانہ آیا تو اس نے خادموں اور غلاموں میں اس کو تقسیم کر دیا۔ (تاریخ خطیب جلد ۵ ص ۳۹۳) ایک ایک شاعر کو اس نے پچاس ہزار اشرفیاں دیں۔ (دول الاسلام ذہبی جلد ۱ ص ۸۷) اسی سے دوسرے مصارف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے' خطیب نے اس کی داد

و دہش اور غلط بخششوں کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھو خطیب جلد ۵ ص ۳۹۱ وما بعد)

**عیش پرستی** ان خوبیوں کے ساتھ وہ بڑا عیش پرست اور رنگین مزاج تھا' اس کا محل حسین عورتوں کا جمالستان تھا' لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس عیش پرستی کے باوجود وہ امور مملکت سے کبھی غافل نہ ہوا اور اس کے لیے ایوان عیش کی رنگینیاں اور میدان کار زار کی ہولناکیاں دونوں یکساں دلچسپ تھیں' وہ عیش بھی کرتا تھا اور امور مملکت پر بھی نگاہ رکھتا تھا اور میدان جنگ میں بھی نکلتا تھا' اسی لیے اس کا زمانہ ہر حیثیت سے کامیاب رہا۔

# موسیٰ بن مہدی الملقب بہ ہادی

## ۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۵ء تا ۷۸۶ء

مہدی کے بعد اس کا لڑکا موسیٰ تخت نشین ہوا' یہ ایک ام ولد خیزران کے بطن سے تھا' مہدی کا انتقال سفر کی حالت میں ماسبندان میں ہوا تھا اتفاق سے اس وقت ہادی بھی دارالخلافہ سے دور جرجان کی مہم میں مشغول تھا' یحییٰ بن خالد برمکی اور ہارون نے جو سفر میں مہدی کے ساتھ تھے عصا اور خاتم خلافت ہادی کے پاس بھجوا دی' اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ ہادی کی بیعت لے لی۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ مہدی کی وفات کے بعد ماسبندان ہی میں بیعت لی گئی اور بعض لکھتے ہیں کہ ہادی کے بغداد آنے کے بعد یہاں عام بیعت ہوئی اور صفر ۱۶۹ھ میں وہ مسند خلافت پر بیٹھا اور ربیع کو منصب وزارت پر سرفراز کیا' اس وقت ہادی کا پچیسواں سال تھا۔

**حسین بن علی کا خروج اور قتل** ہادی کے خلیفہ ہونے کے بعد ہی حسین بن علی بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب نے مدینہ میں خروج کیا' اس کی تیاری وہ پہلے سے کر رہے تھے اور عراق کے شیعان علی ان کے ہاتھوں پر بیعت کر کے مجتمع ہو چکے تھے ایک واقعہ سے ان کو میدان میں آنے کا بہانہ مل گیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب حاکم مدینہ نے حسن بن محمد مسلم بن جندب ہذلی اور عمر بن سلام کو نبیذ نوشی کے جرم میں سزا دی اور ان کی تشہیر کرائی حسین بن علی کو معلوم ہوا تو وہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے اور کہا علمائے عراق نبیذ کو جائز سمجھتے ہیں اس لیے تمہیں ان لوگوں کو سزا دینے کا حق نہیں ہے ان کے اس اعتراض پر عمر بن عبدالعزیز نے نبیذ پینے والوں کو قید کر دیا پھر حسن بن محمد کو حسین بن علی کی ضمانت پر اس شرط کے ساتھ رہا کر دیا کہ وہ اطمینان کے لیے ان کو وقتاً" فوقتاً" پیش کرتے رہیں گے مگر یہ شرط پوری نہ ہو سکی۔ اور حسن بن محمد کہیں غائب ہو گئے' عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حسین بن علی اور یحییٰ بن عبداللہ کو بلا کر باز پرس کی' انہوں نے کہا وہ تو کہیں غائب ہو گئے عمر نے اس جواب پر

سخت الفاظ استعمال کئے، یحیٰی کو بھی غصہ آگیا، انہوں نے جھلا کر کہا کہ "جب تک تمہارے سامنے ان کو پیش نہ کر دوں گا اس وقت تک نہ سوؤں گا اور ان کو لا کر تمہارا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا" ان کے واپس آنے کے بعد حسین نے یحیٰی سے پوچھا کہ تم نے اتنی بڑی ذمہ داری کیوں لے لی، تمہیں حسن کہاں ملیں گے؟ تم نے ایسی چیز کے متعلق حلف لیا ہے جو تمہارے بس سے باہر ہے، یحیٰی نے کہا میں نے صحیح حلف لیا ہے، میں تلواروں سے اس کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ ان کی جماعت پہلے سے تیار تھی، خروج کا وقت بھی مقرر ہو چکا تھا۔ (طبری ۱۰ ص ۵۵۲، ۵۵۳) چنانچہ ایک دن انہوں نے دار الامارۃ کا محاصرہ کر لیا اور قید خانے توڑ کر قیدی نکال لیے۔ (الفخری ص ۱۷۳) عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مقابلہ کیا مگر اس کو شکست کھا کر پسپا ہونا پڑا، حسین کے ساتھیوں نے بیت المال کو لوٹ لیا اور مدینہ میں عام ہنگامہ بپا ہو گیا۔ لوگوں نے اپنے اپنے گھر بند کر لیے پہلے یہ ہنگامہ مدینہ ہی تک محدود تھا، پھر حسین مکہ پہنچے اور اعلان کر دیا "کہ جو غلام ہمارے ساتھ آ جائے گا وہ آزاد ہے" اس اعلان پر غلاموں کی بہت بڑی تعداد ان کے ساتھ ہو گئی۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۳۰، ۳۱)

آخر میں بڑی مشکلوں سے محمد بن سلیمان اور سلیمان بن منصور نے مقام فخ میں حسین کو شکست دی اور ان کا سر قلم کر کے ہادی کے سامنے پیش کیا، سر دیکھ کر بہت برہم ہوا اور کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ کسی طاغوت کا سر لائے ہو، اس کا کم سے کم بدلہ یہ ہے کہ تم کو کچھ نہ دیا جائے۔ (الفخری ص ۱۷۲) مسعودی کا بیان یہ ہے کہ ہادی سر کو دیکھ کر رویا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی ترک یا دیلم کا سر لائے ہو، یہ عزت رسول ﷺ کا سر ہے، اس کا کمترین بدلہ یہ ہے کہ اس کا کوئی صلہ نہ دیا جائے۔ (مروج الذہب جلد ۶ ص ۲۶۷)

حسین بن علی کی شہادت کے بعد ان کے ماموں ادریس بن عبد اللہ بن حسن بھاگ کر مغرب پہنچے فارس کے باشندوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور وہ یہاں مقیم ہو گئے کچھ دنوں کے بعد انہیں دانتوں کے درد کی شکایت ہوئی، مہدی کے ایک غلام ادریس شماخ نے جو ادریس بن عبد اللہ کو دھوکہ دینے کے لیے ان کے اتباع میں داخل ہو گیا تھا، منجن میں زہر دے دیا، اس کے اثر سے وہ مر گئے۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ ہادی کے بعد ہارون رشید کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا، ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے ادریس ان کے جانشین ہوئے، جنہوں نے بعد میں ادریسی سلطنت قائم کی۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۸۸، ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۱)

**حمزہ بن مالک خارجی کی بغاوت** ابھی علویوں کا ہنگامہ فرو ہوا تھا کہ حمزہ بن مالک خزاعی خارجی نے جزیرہ میں علم بغاوت بلند کیا' یہاں کے حاکم منصور بن زیاد نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں' موصل کے علاقہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا' حمزہ نے شکست دے کر منصور کی فوج کے تمام سامان پر قبضہ کر لیا' لیکن پھر کچھ ہی دنوں کے بعد دو آدمی اس کے ساتھ جا کر رہنے لگے اور دھوکے سے قتل کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۱)

**رومیوں سے معرکہ آرائی** ہادی کا زمانہ بہت مختصر تھا' اس لیے اس کے زمانہ میں بیرونی مہمات کا زیادہ موقع ہی نہ ملا تھا' البتہ رومیوں نے حدیثہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا' لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ۱۶۹ھ میں معیوف بن یحییٰ نے انہیں نکال کر حدیثہ کو واپس لے لیا' اور رومی علاقہ میں آشنہ تک بڑھتا چلا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۱)

**ولایت عہد** ہادی کے بعد ہارون ولی عہد تھا' ۱۷۰ھ میں ہادی نے اپنے اسلاف کی تقلید میں ہارون کا نام ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہا' افسران فوج بھی اس کے ساتھ ہو گئے اور انہوں نے اپنی پوری جماعت کو ہارون کی مخالفت پر آمادہ کر لیا اس سے ہادی کو بڑی تقویت ہوئی' چنانچہ اس نے ہارون پر دست برداری کے لیے زور ڈالنا شروع کیا۔ اور اس کو ملکی صلاح و مشورہ سے خارج کر دیا۔

یحییٰ بن خالد مہدی کے زمانہ میں ہارون کا اتالیق اور مشیر کار تھا' ہارون کے مخالفین نے ہادی کو سمجھا دیا کہ ہارون کبھی آپ کے فیصلہ کی مخالفت نہ کرتا یحییٰ اس کو بھڑکاتا ہے۔ ہادی نے یحییٰ سے باز پرس کی۔ اس نے کہا مہدی کے بعد آپ ہی نے مجھ کو ہارون کی خدمت کا حکم دیا تھا اس لیے میں صرف حکم بجا لاتا تھا' اس جواب پر ہادی کا غصہ کم ہوا اور اس نے ہارون کو ولی عہدی سے خارج کرنے کے بارہ میں یحییٰ سے مشورہ کیا' اس نے کہا اگر آج امیر المومنین مہدی کے نامزد کردہ ولی عہد کو لوگوں کے کہنے سننے سے ولی عہدی سے خارج کر دیں گے تو کل ان کے لیے امیر المومنین کے نامزد کردہ ولی عہد کا علیحدہ کر دینا بھی آسان ہو گا' ہاں اگر آپ ہارون کے بعد جعفر کو ولی عہد بنانا چاہیں تو یہ ولی عہدی زیادہ پائیدار ہو گی' بات معقول تھی' ہادی کی سمجھ میں آ گئی' اس نے کہا تم سچ کہتے ہو' لیکن افسران فوج اور اس کے ہم خیال جماعت نے پھر ہادی کو بھڑکا دیا' چنانچہ اس نے یحییٰ کو قید

کرا دیا۔ یحییٰ نے قید خانے سے کہلا بھیجا کہ امیر المومنین سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں' ہادی نے اجازت دے دی' اس نے آ کر کہا' اگر نصیب اعداء امیر المومنین کا سایہ سر سے اٹھ جائے تو کیا امیر المومنین کو اس کی امید ہے کہ لوگ نابالغ شہزادے جعفر کی خلافت قبول کر لیں گے؟ اور وہ نماز' حج اور جہاد وغیرہ میں ان کی امامت پسند کریں گے۔؟ ہادی نے کہا اس میں تو ضرور شبہ ہے' یحییٰ نے کہا ایسی صورت میں کیا آپ یہ خطرہ نہیں محسوس کرتے کہ آپ کے بعض بزرگ اہل خاندان خلافت کے مدعی ہو جائیں اور یہ شرف آپ کے پدر بزرگوار کی اولاد سے ان میں منتقل ہو جائے' میں تو کہتا ہوں کہ اگر امیر المومنین مہدی' ہارون کو ولی عہد نہ بھی بنا گئے ہوتے تو بھی آپ کا یہ فرض تھا نہ کہ آپ خود ان کو ولی عہدی سے خارج کر رہے ہیں' میری رائے یہ ہے کہ ہارون کی ولی عہدی برقرار رکھئے' جعفر کے بلوغ کے بعد میں خود ہارون کو لا کر دست بردار کرا دوں گا' ہادی نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور یحییٰ کو رہا کر دیا گیا' لیکن افسران فوج نے پھر اس کو مذبذب کر دیا۔ اور اس نے ہارون کو بلا بھیجا یہ آیا مگر پھر شکار کے بہانہ سے واپس چلا گیا' ہادی ہارون سے اتنا بد گمان ہو رہا تھا کہ پھر اس کو طلب کیا' اس مرتبہ اس کو آنے میں تامل ہوا' مگر ہادی نے اس پر اتنا زور ڈالا کہ مجبور ہو کر واپس آنا پڑا' لیکن ہارون کی خوش قسمتی سے اس کی واپسی کے کچھ ہی دنوں بعد ہادی کا وقت آخر ہو گیا اور اس کو کسی عملی کاروائی کا موقع نہ مل سکا۔

(ابن اثیر جلد ٦ ص ٣٠' ٣١)

**وزارت مختصر تھا'** ہادی کا سب سے پہلا وزیر ربیع بن یونس تھا اور اس کی وزارت کا زمانہ بہت مختصر تھا' وزارت کے چند ہی دنوں بعد وہ مر گیا اس کے بعد ابراہیم بن زکوان حرانی وزیر ہوا' یہ ہادی کی طالب علمی کے زمانہ میں اس کے استاد کے ساتھ آیا کرتا تھا' اس لیے ہادی اس سے اتنا مانوس ہو گیا تھا کہ بغیر اس کے اس کو چین نہ آتا تھا' لیکن مہدی ہادی سے اس کا ملنا جلنا پسند نہ کرتا تھا' اس لیے ہادی کو منع کر دیا تھا' لیکن وہ نہ مانا اور ابراہیم کو برابر اپنے ساتھ رکھتا تھا' مہدی نے آخر میں یہاں تک دھمکی دی کہ اگر تم فوراً ابراہیم کو میرے پاس نہ بھیج دو گے تو میں تم کو ولی عہدی سے خارج کر دوں گا' اس لیے ہادی نے مجبور ہو کر اس کو مہدی کے پاس بھجوا دیا' لیکن احتیاط کے خیال سے اپنے آدمی ساتھ کر دیئے' مہدی ابراہیم پر سخت برہم ہوا اور کہا میں تجھے قتل کر کے رہوں گا' مگر ابراہیم کی خوش قسمتی سے

اس وقت مہدی شکار کے لیے پابہ رکاب تھا اس لیے ابراہیم کو آدمیوں کے سپرد کر کے چلا گیا اور پھر اس کو زندہ آنا نصیب نہ ہوا' (الفخری ص ۱۷۴) اور ہادی کی تخت نشینی کے بعد ابراہیم منصب وزارت پر فائز ہوا۔

**وفات** ابھی ہادی کو تخت نشین ہوئے کل سوا سال ہوا تھا کہ پیام اجل آپہنچا اور ربیع الاول ۱۷۰ھ میں اس کا انتقال ہو گیا' ایک روایت یہ ہے کہ طبعی موت مرا اور دوسری یہ ہے کہ خود اس کی ماں خیزران نے مروا ڈالا' اس کے دو اسباب بیان کیے جاتے ہیں' ایک یہ کہ خیزران اپنے شوہر مہدی کے زمانہ میں امور مملکت پر بہت حاوی تھی' یہی طریقہ اس نے ہادی کے زمانہ میں بھی قائم رکھنا چاہا وہ اس کو ناپسند کرتا تھا' اس نے کہا کہ آپ کو چرخہ و تلاوت قرآن اور تسبیح بھی قائم رکھنا چاہیے' آپ کیوں امور مملکت میں دخل دیتی ہیں مگر وہ نہ مانی اور جب ہادی نے سختی سے روکنے کی کوشش کی تو اس نے اس کا کام تمام کرا دیا' دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ہادی نے ہارون کو ولی عہدی سے دست برداری پر مجبور کرنا شروع کیا اور اسے دھمکایا تو خیزران نے ہادی کی عداوت اور دوسرے بیٹے کی محبت میں اسے ختم کرا دیا' لیکن یہ آخری روایت لائق اعتماد نہیں' ابن خلدون بھی اس روایت کو کمزور سمجھتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۱۷ و ابن اثیر جلد ۶ ص ۳۳ و تاریخ الخلفاء ص ۲۸۳) عیسیٰ آباد کے باغ میں دفن کیا گیا' وفات کے وقت کل ۲۶ سال کی عمر تھی' مدت خلافت ایک سال تین مہینے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہادی اور اس کی ماں کے تعلقات کشیدہ تھے' لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس نے بیٹے کو زہر دے کر مار ڈالا صحیح نہیں ہے اس نے ماں کو صرف امور مملکت میں مداخلت کرنے سے روکا تھا' لیکن ماں کی عظمت و محبت میں فرق نہیں آنے دیا جس کی تصدیق خود اس کے مرض الموت کے بیان سے ہوتی ہے' جب اس کا وقت آخر ہوا تو ماں کو عفو و تقصیر کے لیے بلا کر کہا میں نے سیاست ملکی کی بنا پر آپ کو امور مملکت میں دخل دینے سے روکا تھا' شرعی احکام کی بجا آوری اور نیک کاموں سے نہیں روکا تھا' میں آپ کا نافرمان نہیں ہوں' بلکہ حق شناس اور اطاعت گزار فرزند ہوں۔

(مروج الذہب مسعودی)

**اوصاف** ہادی جملہ اوصاف جہاں بانی سے متصف تھا' ابن طقطقی لکھتا ہے کہ ہادی

بیدار مغز، غیور، فیاض، جری، بہادر، سخت گیر، مجمع الحواس اور عزم و ہمت کا فرمانروا تھا۔ (الفخری ص ۱۷۱) سیوطی کا بیان ہے کہ وہ بڑے دبدبہ اور جبروت کا خلیفہ تھا، جب وہ نکلتا تھا تو عصا بردار اور سپاہی اس کے آگے آگے ننگی تلواریں اور کھچی ہوئی کمانیں لے کر چلتے تھے، اس کے عمال نے بھی اس کی تقلید کی اس لیے اس کے زمانہ میں اسلحہ عام ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۳) پرائیویٹ صحبتوں میں وہ بہت بے تکلف رہتا تھا، لیکن دربار میں آتے ہی رنگ بدل جاتا تھا اس کے رضاعی بھائی حسین بن معاذ بن مسلم کا بیان ہے کہ پرائیویٹ صحبتوں میں میرے دل میں ہادی کی مطلق ہیبت نہ ہوتی تھی اور میں اس کو پچھاڑ کر زمین پر ٹیک دیتا تھا، لیکن جب وہ درباری لباس پہن کر ایوان شاہی میں آتا، اور میں اس کی پشت پر کھڑا ہوتا تو پھر میں اپنے کو اس کے خوف و ہراس اور ہیبت سے نہیں روک سکتا تھا۔

(طبری جلد ۱۰ ص ۵۵۶)

ہادی بھی باپ کی طرح عیش پرست اور مذہب میں متشدد، اور ملحدوں اور زندیقوں کا سخت دشمن تھا، چنانچہ اس نے بھی ان کی بڑی تعداد قتل کی۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۸۲) مانی مذہب کا خاص طور سے بڑا دشمن تھا، چنانچہ اس کو اس نے مٹانے کی بڑی کوشش کی، اگر کچھ دنوں وہ اور زندہ رہ گیا ہوتا، تو اس مذہب کا نام و نشان باقی نہ رہتا۔

(طبری جلد ۱۰ ص ۵۵۸)

**ذات نبویؐ سے محبت و عقیدت** آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک سے خاص عقیدت و محبت تھی، ایک مرتبہ ابو الخطاب سعدی شاعر مدحیہ قصیدہ کہہ کر لایا جب یہ شعر سنایا

یاخیر من عقدت کفاه حجزتة وخیر من قلوته امرها مضر

تو ہادی نے فوراً ٹوکا کیونکہ اس میں آنحضرت ﷺ کا بھی استثنا نہ تھا ابو الخطاب سمجھ گیا، اور برجستہ یہ شعر پڑھا۔

الا النبی رسول اللہ ان لہ فضلا و انت بنا الک الفضل تفتحز

ہادی نے کہا اب تم نے درست کہا اور پچاس ہزار درہم عطا کیے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۲۸۵)

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک شخص نے قبیلہ قریش کو برا بھلا کہا، اس سلسلہ میں

ذات پاک نبویؐ کے متعلق بھی گستاخی کی، وہ ہادی کے سامنے لایا گیا اس نے علماء و فقہا کو جمع کر کے اس کے متعلق فتویٰ لیا اور کہا کہ اس کی سزا کے لیے قریش ہی کی اہانت کافی تھی نہ کہ اس دشمن خدا نے رسول پاکؐ کو بھی اس میں شامل کر لیا۔ چنانچہ اس کا سر قلم کرا دیا۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۳ ص ۲۳)

ہادی کی علمی استعداد بھی اچھی تھی سیوطی کا بیان ہے۔

**کان فصیحا قادرا علی الاکلام ادیبا** (تاریخ الخلفاء ص ۲۸۲)

**رعایا نوازی** رعایا پروری میں بھی وہ باپ کے نقش قدم پر تھا، اس کی سہولت اور داد رسی کے لیے اس نے فضل بن ربیع کو حکم دیا تھا کہ کسی شخص کو میرے پاس آنے سے نہ روکو، اس سے برکت جاتی رہتی ہے اور میرے سامنے کوئی ایسا معاملہ نہ پیش کرو جو تحقیقات کے بعد غلط نکلے کہ یہ حکمران اور رعایا دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔

(طبری جلد ۱۰ ص ۵۸۵)

**فیاضی** فیاضی اور دریا دلی بھی باپ سے وراثت میں ملی تھی، طبری اور خطیب نے اس کی فیاضی کے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو خطیب حوالہ مذکور)

# ہارون بن مہدی الملقب بہ رشید

## ۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ مطابق ۷۸۶ء تا ۸۰۹ء

ہارون ہادی کا حقیقی بھائی اور خیزران کے بطن سے تھا۔ ہادی کی وفات کے بعد اس کی بیعت ہوئی اور ربیع الاول ۱۷۰ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا' اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی' تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے قدیم محسن اور خیر خواہ یحییٰ بن خالد برمکی کو منصب وزارت پر سرفراز کیا۔

ہارون الرشید کا عہد دولت عباسیہ کا اوج شباب تھا' اس نے مسند نشینی کے پہلے سال حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور حرمین کے باشندوں پر انعام و اکرام کی بارش کی' اور آل علی پر سے قید و بند اٹھا کر ان کو مدینہ میں سکونت کی اجازت دی۔

**یحییٰ بن عبداللہ کا خروج** ہارون کے زمانہ میں ملک کے مختلف حصوں میں شورشیں نمایاں ہوئیں' لیکن اس نے بروقت ان کا تدارک کیا اور کوئی انقلاب نہ ہونے پایا۔

۱۷۶ھ میں نفس زکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نے دیلم میں خروج کیا' مشرقی ملکوں کے بہت سے باشندے ان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے' اور چند دن میں ان کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ ہارون الرشید کو فضل بن یحییٰ برمکی کو ان کے مقابلہ پر مامور کرنا پڑا' برمکی خاندان اہل بیت کا ہمدرد تھا' اس لیے فضل نے لڑنے کے بجائے حسن تدبیر سے یحییٰ کو صلح پر آمادہ کر لیا اور یہ شرط قرار پائی کہ خود ہارون ان کو امان لکھ کر دے گا' جس میں قضاۃ فقہاء اور عمائد بنو ہاشم کے دستخط ہوں گے' ہارون نے یہ تمام شرطیں مان لیں اور انعام و اکرام سے بھی نوازا' لیکن آخر میں قید کر دیا اور یحییٰ نے قید میں انتقال کیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۴۱ و الفخری ص ۱۷۶)

**دمشق کے مضری اور یمنی قبائل میں جنگ** اسی سنہ میں دمشق کے یمن اور مضر کے قبائل میں عصبیت کی پرانی آگ بھڑک اٹھی' اور دونوں میں سخت کشت و خون شروع ہو گیا' دمشق کے حاکم عبدالصمد بن علی نے صلح کرانے کی کوشش کی' لیکن یمنی تیار

نہ ہوئے اور فریقین کے سینکڑوں آدمی قتل ہوئے' اس لیے ہارون نے عبدالصمد کے بجائے ابراہیم بن صالح کو دمشق کا حاکم بنایا' لیکن پھر بھی اس فتنہ کو دبانے میں ناکام رہا اور دو سال تک مسلسل خون کی ندیاں بہتی رہیں یہ صورت دیکھ کر ہارون نے ابراہیم کو بھی ہٹا کر موسیٰ بن عیسیٰ کو دمشق کا حاکم اور ایک سندھی کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا' ان دونوں نے بڑی مشکل سے اس فتنہ کو فرو کیا اور اس کا سرغنہ ابوالہندام باختلاف روایت قتل کیا گیا' یا نکل بھاگا' کچھ دنوں کے بعد پھر شورش کے آثار نمودار ہوئے۔ لیکن جعفر بن یحییٰ کے حسن تدبیر سے ابھرنے نہ پائی۔

یمنی اور مضری قبائل کی عصبیت بہت پرانی تھی۔ اس سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچا تھا' اموی حکومت کے زوال کے اسباب میں ایک سبب ان دونوں قبیلوں کی عصبیت اور جنگ بھی تھی جو عباسی حکومت کے لیے بھی مضر تھی' یہ کشمکش محض حصول امتیاز کے لیے تھی' مضری بنی اسماعیل تھے اس لیے وہ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں عرب کا مرجع رہے' زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کی تولیت اسی خاندان میں رہی' پھر ظہور اسلام کے بعد نبوت و خلافت وغیرہ سے بھی یہی خاندان سرفراز رہا' اس لیے وہ یمنیوں کے مقابلہ میں اپنے کو معزز سمجھتے تھے اور یمنیوں کو گو یہ امتیازات حاصل نہ تھے' لیکن وہ عرب کا قدیم اور تاریخی خاندان تھا جو صدیوں تک حکومت اور تمدن کا وارث رہا تھا' اس لیے وہ اپنے کو بنی اسماعیل سے کم نہ سمجھتا تھا' ہارون رشید نے اس رقابت کو بڑے حسن تدبیر سے ختم کر کے دونوں قبائل کے معززین و سرداروں کو بلا کر ان کی دعوت کی اور ان کو اس ترتیب سے بٹھایا کہ پہلے داہنی جانب ایک مضری سردار کو جگہ دی اور بائیں جانب یمنی کو' پھر دونوں جانب ہر مضری یمنی کے بعد ایک ایک مضری اور یمنی کو' اس ترتیب سے بٹھانے کے بعد تقریر کی کہ "اللہ عزوجل نے قریش کو عرب کے درمیان میزان بنایا ہے اور مضر میں ان کا دادھیال اور یمن میں نانہال بنایا۔ اس لیے جو قریشی بھی یمن کے مقابلہ میں تعصب سے کام لیتا ہے وہ جہالت کرتا ہے۔ مضریو! میں اس دعویٰ میں تمہارے ساتھ ہوں کہ جب تم اپنے یمنی بھائیوں کے ساتھ کسی کام کے لیے نکلو تو امیر تمہارا ہو' اور یمنیو! میں اس قول میں بھی تمہارے ساتھ ہوں کہ جب میں نے ہر مضری کے پہلو میں یمنی کو اور ہر یمنی کے پہلو میں مضری کو بٹھایا ہے تو مضر کو یمنی پر تقدم حاصل نہیں ہوا' مضر یہ

کہیں گے کہ مضری کو داہنے جانب اور یمنی کو بائیں جانب بٹھایا گیا ہے اور دائیں سمت بائیں سے افضل ہے جو ہمارے تقدم کی دلیل ہے' لیکن کل یمنی سرداروں کو داہنے جانب اور مضری سرداروں کو بائیں جانب بٹھایا جائے گا اور دونوں کی نشستیں آئندہ بدلتی رہیں گی"۔ ہارون الرشید کی اس تقریر کا دونوں قبائل پر بہت اچھا اثر پڑا' اور دونوں مطمئن ہو گئے۔ (شام کے مشہور فاضل کرد علی نے یہ واقعہ اپنی کتاب الاسلام والحضارۃ العربیہ میں نقل کیا ہے' غالباً کسی قلمی یا کمیاب مطبوعہ کتاب سے لیا ہے' کتاب مذکور جلد ۲ ص ۲۱۲)

**سندھ میں شورش** دمشق کا فتنہ فرو ہی ہوا تھا کہ سندھ کے یمنی اور مضری قبائل میں جنگ شروع ہو گئی' ہارون نے یکے بعد دیگرے کئی حکام بھیجے' لیکن سب ناکام رہے اور کئی سال تک کشت و خون کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۸۴ھ میں داؤد بن حاتم مہلبی کو بھیجا گیا' اس نے اپنے بھائی مغیرہ کو مامور کیا۔

اس وقت مضریوں نے سندھ پر قبضہ کر کے یمنیوں کو یہاں سے نکال دیا تھا' اس لیے جب مغیرہ منصورہ پہنچا تو مضری مزاحم ہوئے' لیکن پھر اس شرط پر اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی کہ وہ مضر کے ساتھ تعصب نہ برتے گا اور جو لوگ یہاں سے نکلنا چاہیں انہیں روکا نہ جائے گا' مغیرہ نے منظور کر لیا اور بہت سے مضری منصورہ چھوڑ کر چلے گئے' لیکن منصورہ میں داخل ہونے کے بعد مغیرہ نے معاہدہ کے خلاف مضریوں پر سختی شروع کر دی' انہوں نے بھی مقابلہ کیا' اور مغیرہ کو شکست کھا کر منصورہ چھوڑ دینا پڑا' داؤد بن یزید کو اس کی خبر ہوئی تو وہ خود منصورہ پہنچا اور مضریوں کو بے دریغ قتل کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اور شہروں کو ان سے چھڑا کر سندھ میں ان کا زور توڑ دیا۔

(یعقوبی جلد ۲ ص ۴۹۴)

**دوسری مختلف بغاوتیں** ۱۷۷ھ میں موصل میں ایک شخص عطاف نے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور دو سال تک قابض رہا' ہارون نے اس کے مقابلہ میں بہ نفس نفیس فوج کشی کر کے اس کو شکست دی اور آئندہ بغاوت کے خطرہ سے شہر پناہ تڑوا دی ۱۷۸ھ میں مصر میں قیس اور قضاعہ کے قبائل میں بغاوت پھیلی' یہاں کے حاکم اسحاق بن سلمان نے مقابلہ کیا اور ہرثمہ بن اعین والی فلسطین نے مطیع بنا لیا۔

**ولید خارجی کا قتل** اسی سنہ میں ولید بن طریق خارجی جزیرہ میں خروج کیا اور آرمینیہ

اور حلوان وغیرہ پر چھا گیا' ہارون رشید نے یزید بن مزید شیبانی کو اس کے مقابلہ میں مامور کیا اس نے جنگ کرنے کے بجائے حسن تدبیر سے قابو میں لانے کی کوشش کی' برامکہ یزید کے مخالف تھے' انہوں نے رشید سے کہا کہ یزید ولید کا ہم قبیلہ ہے' اس لیے وہ اس سے لڑنا نہیں چاہتا' رشید ان کے کہنے میں آ گیا اور یزید کو ایک غضب آلود حکم بھیجا' اس حکم پر یزید کو ولید سے جنگ کرنی پڑی ۱۷۹ھ میں ایک خونریز معرکہ کے بعد ولید مارا گیا۔

(ابن اثیر جلد ۶ ص ۴۷)

**افریقی فوج کی بغاوت** ۱۷۷ھ میں افریقہ میں بغاوت ہوئی' جس کا سلسلہ ۱۸۱ھ تک قائم رہا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ ۱۷۷ھ میں ہارون رشید نے فضل بن روح کو افریقہ کا والی بنایا اس نے تونس کے علاقہ پر اپنے بھتیجے مغیرہ بن بشر کا تقرر کیا' مغیرہ ناسمجھ اور ناتجربہ کار تھا' اس نے فوج کے ساتھ تحقیر آمیز طریقہ اختیار کیا' اس سے وہ برہم ہو گئی اور فضل سے مغیرہ کی معزولی کا مطالبہ کیا' لیکن فضل نے منظور نہ کیا اس کے انکار پر خود فوج نے مغیرہ کو نکال دیا اور فضل کو اطلاع بھیج دی کہ ہم نے مغیرہ کو بغاوت کے خیال سے نہیں بلکہ صرف اس کی بدسلوکی کی وجہ سے نکالا ہے اور اچھے امیر کی اطاعت کے لیے ہر وقت تیار ہیں اس پیام پر فضل نے مغیرہ کی جگہ عبداللہ بن یزید کو بھیجا' لیکن فوج کے سرغنہ عبداللہ بن جارود نے سب کو بھڑکا دیا کہ یہ فضل کا فریب ہے' فی الحال ہم لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے عبداللہ بن یزید کو بھیج دیا ہے اس کے بعد وہ تم سے بدلہ لے گا' چنانچہ فوج نے عبداللہ بن یزید کو قتل کر دیا اور فضل کو بھی افریقہ سے نکالنے کا عزم کر لیا اور یہاں کے تمام بڑے اور ممتاز فوجی افسروں اور عہدیداروں کو لکھا کہ فضل نے امیر المومنین کے ملک میں فساد برپا کر دیا ہے' اس سے ہم لوگ بغاوت پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ہم کو آپ سے زیادہ کوئی شخص لائق اعتماد اور امیر المومنین کا خیر خواہ نظر نہیں آتا' ہم آپ کی مدد سے فضل کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں' اگر آپ کامیاب ہو گئے تو امیر المومنین سے آپ کی امارت کی درخواست کریں گے اور اگر ناکام رہے تو کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائے گی۔ اس ترغیب سے افریقہ کے پورے علاقہ کی فوج ساتھ ہو گئی' فضل نے باغیوں کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں' مگر یہ شکست کھا کر قیروان واپس ہو گئیں' اور باغیوں نے تعاقب کر کے قیروان پر قبضہ کر لیا' اور ابن جارود نے فضل کو قتل کر دیا' اور باغی فوج کا ایک حصہ

فضل کے قتل کا مخالف تھا' اس لیے وہ ابن جارود کے خلاف ہو گیا اور اس کے آدمیوں کو قیروان سے نکال کر خود اس پر قبضہ کر لیا' ابن جارود اس وقت تونس میں تھا' اس کو اس کی خبر ہوئی تو فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا' لیکن اس کے آتے آتے فوج کا بڑا حصہ قیروان سے منتشر ہو چکا تھا' جو لوگ باقی رہ گئے تھے ابن جارود نے انہیں شکست دے کران کے سرغنہ قتل کر دیئے۔ یہ لوگ یہاں سے اربس پہنچے اور یہاں کے حاکم علاء بن سعید کو اپنا سردار بنا کر قیروان واپس آئے۔

اس دوران میں ہارون نے ہرثمہ بن اعین اور یحییٰ بن موسیٰ کو بغاوت فرو کرنے کے لیے افریقہ بھیجا' باغیوں کے سرغنہ ابن جارود اور ابن فارس عجمی تھے اور یحییٰ کا خراسانیوں پر بڑا اثر تھا' اس لیے اس نے ابن جارود سے مقابلہ کرنے کے بجائے اس کو ملانے کی کوشش کی' اس نے دھوکہ دینا چاہا' یحییٰ کو اندازہ ہو گیا' اس لیے اس نے اسے چھوڑ کر دوسرے سرغنہ ابن فارس کو ملا لیا' اس نے ابن جارود کی فوج کے ایک حصہ کو اس سے الگ کر کے خود اس کے مقابلہ میں کر دیا' لیکن عین اس وقت ابن جارود نے ابن فارس کو دھوکے سے قتل کر دیا اور اس کی جماعت منتشر ہو گئی اور یحییٰ طرابلس لوٹ گیا اور یہاں دوبارہ تیاری کر کے ابن جارود کے مقابلہ کے لیے نکلا' ابن جارود میں اس کی تازہ دم قوت کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے محرم ۱۷۹ھ میں اس نے قیروان چھوڑ دیا۔

یہ صورت دیکھ کر علاء بن سعید والی اربس جو پہلے باغیوں کے ساتھ تھا اپنی کارگزاری دکھانے کے لیے یحییٰ سے پہلے قیروان پہنچ گیا اور ابن جارود کے بہت سے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور ہرثمہ بن اعین نے علاء بن سعید اور ابن جارود دونوں کو ہارون الرشید کے پاس بھجوا دیا' اس نے علاء کو انعام و اکرام سے نوازا اور ابن جارود کو قید کر دیا' اور ربیع الاول ۱۷۹ھ میں قیروان پر قبضہ اور امن و امان قائم ہو گیا اور ہرثمہ نے آئندہ بغاوت کے سدباب کے لیے طرابلس کے گرد شہر پناہ تعمیر کرائی۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۴۵ و ۲۴۶)

اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد عیاض بن وہب اور کلیب بن جمیع کلبی نے ایک جتھا جمع کیا' لیکن یحییٰ نے اسے منتشر کر دیا اور ہرثمہ نے افریقہ کی شورش پسندی سے گھبرا کر استعفیٰ دے دیا' اس کے بعد ہارون نے اپنے رضاعی بھائی محمد بن مقاتل کو افریقہ بھیجا' یہ نہایت بد خلق تھا' اس لیے پھر فوج باغی ہو گئی اور مخلد بن مخلد کو اپنا سردار بنا لیا'

بہت سے شورش پسند بربر اس کے ساتھ ہو گئے' لیکن محمد بن مقاتل نے ان کو شکست دے کر مخلد کو قتل کر دیا' اس کے بعد کچھ دنوں تک سکون رہا۔ ۱۸۳ھ میں پھر تونس میں ایک شخص تمام بن تمیم اٹھ کھڑا ہوا' اور محمد بن مقاتل کو شکست دے کر قیروان پر قبضہ کر لیا اور اس شرط پر ابن مقاتل کی جان چھوڑی کہ وہ افریقہ سے نکل جائے' چنانچہ وہ قیروان سے طرابلس چلا گیا۔

ابراہیم بن اغلب والی زاب کو جو تمام کا ہم قبیلہ تھا۔ اس کی یہ سرکشی بہت گراں گزری اور وہ اس کے مقابلہ کے لیے قیروان پہنچا' تمام میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے اس نے قیروان چھوڑ دیا اور ابراہیم نے ابن مقاتل کو بلا کر قیروان اس کے حوالے کر دیا' لیکن یہاں کی رعایا بھی ابن مقاتل کو ناپسند کرتی تھی۔ اس لیے تمام بن تمیم اس امید پر کہ قیروانی اس کی مدد کریں گے پھر قیروان پہنچا' لیکن ابراہیم اور مقاتل دونوں نے مل کر اس کو شکست دی۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۴۷)

**ابراہیم بن اغلب کی ولایت افریقہ** قیروانی ابن مقاتل کے خلاف تھے' چنانچہ تمام کی شکست کے بعد انہوں نے ابراہیم کو مجبور کیا کہ وہ خلیفہ سے افریقہ کی حکومت کی درخواست کرے۔ ابراہیم نے ان کے اصرار پر درخواست کی' ابراہیم بڑا مدبر تھا' افریقہ کے سابق والی ہرثمہ نے بھی ہارون سے اس کی تعریف کی' چنانچہ ۱۸۴ھ میں افریقہ کی ولایت پر اس کا تقرر ہو گیا' اس نے چند دنوں کے اندر تمام شورش پسندوں کا قلع قمع کر دیا اور جتنے مشتبہ لوگ تھے' سب کو پکڑ کر دار الخلافہ بھجوا دیا اور افریقہ میں پورا امن و امان قائم ہو گیا۔

قیام امن کے بعد اندرونی انتظامات کی طرف توجہ کی اور قیروان کے پاس ایک شہر شماسہ بسایا' دو سال کے بعد ۱۸۶ھ میں ایک شخص حمدیس نے تونس میں علم بغاوت بلند کیا' ابراہیم نے اس کی سرکوبی کے لیے عمران کو مامور کیا' اس نے حمدیس کو شکست دے کر اس کی جماعت تہ تیغ کر دی۔

اسی زمانہ میں ادریس بن ادریس علوی نے مغرب اقصیٰ میں خروج کا ارادہ کیا' لیکن ابھی یہ فوجیں جمع کر رہے تھے کہ ابراہیم کو اطلاع ہو گئی' اس نے ادریس کے داعی بہلول بن عبدالواحد مغربی کو ہدایا و تحائف کے ذریعہ توڑ لیا۔ اس کے الگ ہوتے ہی ادریس کی جماعت منتشر ہو گئی اور اس کو آخر میں مجبور ہو کر ابراہیم کے دامن میں پناہ لینی پڑی۔

اسی زمانہ میں ابراہیم کا ایک خاص آدمی عمران بن مخلد ایک معمولی سی بات پر ابراہیم سے بگڑ کر بغاوت پر آمادہ ہو گیا' افریقہ کے بغاوت پسند باشندے اور فوج کا ایک حصہ اس کے ساتھ ہو گیا' اور کامل ایک سال تک ابراہیم کا مقابلہ کرتا رہا' ایک سال کے بعد ہارون نے دارالخلافہ سے روپیہ بھیجا' ابراہیم نے منادی کرا دی کہ سرکاری فوج کی جو سپاہ عمران کے ساتھ ہو گئی ہو' وہ آ کر اپنا روپیہ لے لے' یہ اعلان سن کر ساری فوج عمران کو چھوڑ کر منتشر ہو گئی' اور ابراہیم کی فوج نے آسانی سے اس کو شکست دے دی' اور سب کو امان دے کر ان میں روپیہ تقسیم کیا' عمران شکست کھانے کے بعد زاب چلا گیا اور افریقہ میں امن و امان ہو گیا اور کئی سال تک قائم رہا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۵۲)

۱۸۹ھ میں طرابلس میں بغاوت پھیلی۔ بربر فطرۃ" شورش پسند تھے اور ہمیشہ اپنے والیوں کے شاکی رہتے تھے' ابراہیم محض بغاوت کے خطرہ سے ان کی شکایت پر والیوں کو بدل دیا کرتا تھا۔ ۱۸۹ھ میں اس نے سفیان بن المضاء کو طرابلس کا والی مقرر کیا' طرابلسی اپنی عادت کے مطابق اس کے بھی خلاف ہو گئے اور اس کو نکال دیا' سفیان جامع مسجد میں پناہ گزیں ہوا' باغیوں نے اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا' اور سفیان کو طرابلس میں آنے کے کل ۲۷ دن کے بعد مجبور ہو کر طرابلس چھوڑ دینا پڑا اس کو نکال دینے کے بعد باغیوں نے ابراہیم بن سفیان کو والی بنایا اس کے درمیان میں اہل طرابلس اور بنی ابی کنانہ اور بنی یوسف میں جنگ چھڑ گئی اور سارے طرابلس میں اس کے شعلے بھڑک اٹھے' ابراہیم نے فوجیں بھیج کر ان کے سرغناؤں کو پکڑ کر قیروان بلوایا' ان لوگوں نے معافی چاہی' ابراہیم نے درگزر سے کام لیا اور یہ سب معافی نامہ لے کر طرابلس واپس گئے۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۲۵) اس کے بعد پھر کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔

## خارجی حالات اور فتوحات

ہارون کا عہد بیرونی فتوحات کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے' اس کے زمانہ میں رومیوں کے ساتھ خاص طور سے بکثرت معرکہ آرائیاں ہوئیں' بعض مہموں میں خود ہارون شریک ہوتا تھا اور بعض میں خاندان شاہی کے معزز ارکان کو افسران بنا کر بھیجتا تھا' رومی ممالک پر تقریباً ہر سال فوج کشی ہوتی تھی' ۱۸۱ھ میں خود ہارون نے منصاف کا قلعہ فتح کیا اور اسی سنہ میں عبدالملک بن صالح ایشیائے کوچک میں انقرہ تک بڑھتا چلا گیا اور مطمورہ فتح کیا' ۱۸۷ھ میں قاسم بن رشید نے قرہ کا محاصرہ کیا اور عباس بن

جعفر نے حصن سنان کا، یہاں کے باشندوں نے محاصرہ سے گھبرا کر تین سو بیس مسلمان قیدیوں کو جو ان کے ہاتھوں میں اسیر تھے رہا کر کے صلح کر لی۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۲۲۵)

اس سلسلہ کا سب سے اہم معرکہ ایشیائے کوچک پر حملہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قسطنطنیہ کی ملکہ رینی (ایرانی) ہارون رشید کی باجگزار تھی، رومیوں نے جب اس کو معزول کر کے نقفور (نیسی فور) کو بادشاہ بنایا، تو اس نے ہارون رشید کو لکھ بھیجا کہ "ملکہ اپنے بچاؤ کے لیے تم کو رخ کی جگہ استعمال کرتی اور اپنی خلقی کمزوری اور ضعف عقل کی وجہ سے تم کو روپیہ دیتی تھی، حالانکہ تمہیں خود اسے خراج دینا چاہیے تھا، اس لیے میرا خط دیکھتے ہی جس قدر رقم تم وصول کر چکے ہو فوراً واپس کر دو۔ ورنہ تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی" یہ خط پڑھ کر ہارون جوش غضب سے لبریز ہو گیا، اور اسی کی پشت پر یہ جواب لکھ کر واپس کر دیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے روم کے کتے نقفور کو معلوم ہو کہ میں نے تجھ کافر بچہ کا خط پڑھا، تو اس کا جواب آنکھوں سے دیکھے گا"۔

یہ جواب بھیج کر اسی وقت فوجوں کو کوچ کا حکم دے دیا اور ایشیائے کوچک پر حملہ کر کے ہر قلعہ فتح کیا اور بہت سی آبادیاں برباد کر ڈالیں، نیسی فور میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لیے اس کو خراج دے کر صلح کرنی پڑی، یہ سردی کا زمانہ تھا، مسلمان ایشائے کوچک کی سخت سردی نہ برداشت کر سکتے تھے۔ اس لیے ہارون کے لوٹتے ہی وہ عہد و پیمان سے پھر گیا، ہارون کو راستہ میں اس کی خبر ملی، وہیں سے وہ پلٹ پڑا اور ایشیائے کوچک کو پوری طرح پامال کر کے واپس ہوا اور دوسرے سال ۱۸۸ھ میں ابراہیم بن جبریل کو بھیجا نیسی فور نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور اس کے چالیس ہزار آدمی مارے گئے۔ (ابن اثیر ج ۶ ص ۶۰، ۶۱ و ابن خلدون ج ۳ ص ۲۲۶) یورپین مورخین میں لبنان نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ (تمدن عرب ص ۲۷۲، ۲۷۳)

نیسی فور کی اس بد عہدی کے انتقام میں ہارون نے رومی سلطنت کے مختلف حصوں پر عام یورش شروع کر دی، داؤد بن عیسیٰ نے متعدد مقامات فتح کیے۔ شرجیل بن معن نے حصن صقالیہ اور دلسہ، یزید بن مخلد نے صفصاف اور مغلونیہ کو فتح کیا اور حمید بن معیوف

نے سواحل شام اور مصر میں فتوحات حاصل کیں اور سترہ ہزار رومی قید کیے' خود ہارون طوانہ کی طرف بڑھا اور اس پیہم یورش سے نیسی فور گھبرا گیا اور جزیہ و خراج دے کر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا ان فتوحات کے علاوہ قونیہ اور اناطولیہ کے بعض دوسرے مقامات بھی فتح کیے۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۶۴)

شام رومیوں کا بڑا نازک مورچہ تھا' اسلامی تسلط کے بعد مسلمان اسی کو مرکز قرار دے کر براہ خشکی اناطولیہ کی طرف بڑھے تھے اور قونیہ و انگورہ پر بھی اسی راستہ سے قابض ہوئے تھے اسی لیے رومیوں کو شام لینے کی فکر دامن گیر رہتی تھی' لیکن خشکی کے راستے سے حملہ کا دروازہ بالکل بند تھا کیونکہ اناطولیہ میں قونیہ تک مسلمان قابض ہو چکے تھے اسی لیے وہ بحر روم کے ذریعہ سے شام کے ساحل پر بحری حملے کرتے تھے۔ ہارون نے اس خطرہ کو مٹانے کے لیے سواحل شام پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں' قلعے بنوائے اور طرطوس' عین زربہ اور ہارونیہ بسایا' اور مصیصہ کو از سر نو مستحکم کر کے ان شہروں میں مسلمان آباد کیے اور دلسہ کے شورش پسندوں کو جلا وطن کیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۷۷' ۱۷۸)

**ولایت عہد** ہارون کے متعدد اولادیں تھیں' ان میں وہ امین اور مامون کو زیادہ مانتا تھا' امین کی تربیت فضل نے اور مامون کی جعفر نے کی تھی۔ لیکن مامون میں امین سے زیادہ صلاحیت تھی' اور وہ ہر حیثیت سے امین سے ممتاز تھا' ہارون بھی اس کی ذہانت' طباعی اور علم کی وجہ سے اس کو بہت مانتا تھا' لیکن امین ہارون کی چہیتی بیوی زبیدہ کے بطن سے تھا' اس لیے جب ولی عہد کے تقرر کا وقت آیا تو زبیدہ کی محبت نے قرعہ انتخاب امین کے نام نکالا' مامون کے مقابلہ میں امین کی ولی عہدی نہ صرف ناانصافی بلکہ بڑی فاش غلطی تھی' جس کے مذموم نتائج ہارون کے بعد ظاہر ہوئے' لیکن زبیدہ کی محبت نے ہارون کو انجام سے غافل کر دیا' مامون کی اشک شوئی کے لیے اس نے اسے خراسان کا صوبہ مستقل دے دیا' اور بہت سے امتیازات عطاء کیے اور امین کے بعد اس کو اور اس کے بعد موتمن کو ولی عہد بنایا اور دونوں بھائیوں سے ایفائے عہد کا تحریری معاہدہ لے کر اس کو عمائد سلطنت کے روبرو خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا۔ (طبری جلد ۱۱ ص ۶۶۰ ومابعد)

پھر ۱۸۹ھ میں مامون کی دلدہی اور اس کے اطمینان کے لیے رے میں فوجیں' اسلحہ' خزانہ اور خدم و حشم وغیرہ جملہ لوازم شاہی مامون کے نام علیحدہ نامزد کر کے افسران فوج

سے اس کی بیعت لی' اور قضاۃ اور شہود کو اس پر گواہ بنایا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۶۲)

**خاندان برامکہ** ہارون کا زمانہ خلافت عباسیہ کا عہد زریں تھا' گو اس کی درخشانی میں خود ہارون کی ذاتی خصوصیات کو بھی بڑا دخل تھا' وہ بڑا مخیر فیاض' علم دوست اور تمدن نواز تھا' لیکن عباسی عہد کی ترقیوں کا سہرا ہارون سے زیادہ اس کے نامور برمکی وزراء کے سر ہے' ان کی فیاضیوں' زرپاشیوں' علم نوازی اور تمدن پروری نے ہارونی عہد کو نہ صرف عباسی دور بلکہ تاریخ اسلام کا درخشاں عہد بنایا' اس نامور خاندان نے اس قدر عروج و اقتدار اور عظمت و شان حاصل کی جو بڑے بڑے فرمانرواؤں کو حاصل نہ ہوئی' لیکن یہ تاریخ کا نہایت المناک واقعہ ہے کہ ہارونی عہد میں اس پر ایسا زوال آیا کہ اس خاندان کا نام و نشان تک مٹ گیا' اس خاندان کا عروج و زوال دونوں ہارونی عہد کے اہم واقعات ہیں' اس لیے اس کے ذکر کے بغیر اس عہد کی تاریخ ناقص رہے گی' اس خاندان کی مختصر تاریخ یہ ہے:۔

برامکہ کا جد اعلیٰ برمک بلخ کے بدھ مندر نوبہار کا متولی اور پجاری تھا' اس لیے خراسانی اس کو بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے' جب ابو مسلم نے خراسان میں عباسیہ کی دعوت شروع کی تو برمک کا لڑکا خالد بھی اس کے ساتھ ہو گیا' یہ بڑا صاحب علم' دانش مند' صائب الرائے' فصیح و بلیغ' عالی ہمت' شجاع اور بہادر تھا' اس لیے دعوت عباسیہ کی تبلیغ میں اس سے بڑی مدد ملی' اور بعض نازک مواقع پر اس کی فہم و فراست نے ابو مسلم کی فوج کو دشمنوں سے بچالیا' عباسی حکومت کے قیام کے بعد جب وزارت کا عہدہ قائم ہوا تو پہلے اس پر ابو سلمہ خلال کا تقرر ہوا' اس کے بعد سفاح نے خالد کو اس کی عقل و فراست اور گذشتہ خدمات کے صلہ میں اس منصب پر ممتاز کیا۔ (ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۴۳) سفاح کے بعد منصور کے ابتدائی عہد میں بھی وہ کچھ دنوں تک وزیر رہا' پھر منصور نے ابو ایوب کو قلمدان وزارت سپرد کر دیا اور خالد فارس کی ولایت پر بھیج دیا گیا۔ ابو ایوب کو خالد کی عقل و فرزانگی سے خطرہ تھا' کہ وہ کسی نہ کسی دن اس کو منصب وزارت سے ہٹادے گا۔ اس لیے وہ ہمیشہ خالد کو منصور کی نگاہ سے گرانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا' اس میں وہ کامیاب ہو گیا' چنانچہ ایک بے بنیاد اطلاع پر منصور نے اس کو فارس سے واپس بلا لیا اور اس کے ذمہ خراج کی ایک خطیر رقم نکالی' خالد کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ وہ معمولی سی رقم ادا کر سکتا'

اس کے ہوا خواہوں نے اپنے پاس سے یہ رقم جمع کی' ہارون کی ماں خیزران نے بھی ایک قیمتی ہیرا دیا' منصور کو اس کا علم ہوا تو اسے خالد کی برات کا یقین ہو گیا' اور اس نے رقم کا مطالبہ چھوڑ دیا۔ اور ابو ایوب کو سخت شرمندگی اٹھانی پڑی' اس ناکامی کے بعد اس نے ایک نصرانی کو ایک بڑی رقم دے کر منصور کے سامنے پیش کرا دیا کہ خالد نے اس کے پاس یہ روپیہ جمع کروایا تھا۔ یہ ایک ایسی تدبیر تھی کہ منصور پھر مذبذب ہو گیا اور اس نے خالد سے دوبارہ باز پرس کی' اس نے حلفیہ لاعلمی ظاہر کی' اس قسم پر منصور کو شک ہوا' اس نے نصرانی سے کہا' اگر تم خالد کو دیکھو تو اس کو پہچان لو گے۔ اس نے کہا ہاں' خالد اس کے سامنے ہی موجود تھا' منصور نے نصرانی سے کہا خالد تو تمہارے پاس موجود ہے اس گرفت پر نصرانی نے گھبرا کر اصل واقعہ بیان کر دیا' اس کے بعد پھر کبھی منصور نے خالد کے بارہ میں ابو ایوب کی باتوں کا اعتبار نہ کیا۔ (کتاب الوزراء والکتاب ۔جشیاری ص ۱۰۴'۱۰۵)

**یحیٰی**

۱۶۳ھ میں خالد کا انتقال ہو گیا' اس کا لڑکا یحیٰی باپ کے تمام اوصاف و کمالات کا وارث اور عباسی دربار سے متوسل تھا' منصور کے عہد سے لے کر ہادی کے زمانہ تک مختلف اوقات میں متعدد خدمتیں اس کے سپرد ہوئیں' ان سب کو اس نے خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اور اپنی کارگزاری سے دربار میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا۔ مہدی نے اس کو ہارون کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ ہادی کے زمانہ میں بھی وہ اس خدمت پر مامور رہا۔ ہارون میں جو کمالات تھے وہ سب اسی کے فیض تربیت کا نتیجہ تھے' ہارون نے فضل کی ماں یعنی یحیٰی کی بیوی کا دودھ پیا تھا۔ اور ہارون کی ماں خیزران نے فضل کو دودھ پلایا تھا' اس لیے یحیٰی ہارون کا رضاعی باپ بھی تھا۔ اور وہ اس کو باپ ہی کہتا تھا۔ یحیٰی بھی ہارون کو اپنے لڑکے کی جگہ سمجھتا تھا' اور ہر موقع پر اس کا خیر خواہ رہا اور ہر طرح کے خطرات برداشت کر کے ہادی کو ہارون کی ولی عہدی کی منسوخی سے باز رکھا' اس کی خاطر جیل بھی گیا' ہارون کو اس احسان کا پورا احساس تھا' چنانچہ جب وہ خلیفہ ہوا تو اس نے کہا! آپ ہی کی برکت' احسان اور حسن تدبیر نے آج مجھ کو اس مقام پر پہنچایا ہے' اس لیے میں اس صلہ میں آپ کو تمام سپید و سیاہ کا مالک بناتا ہوں اور قلمدان وزارت اس کے حوالہ کر دیا' چنانچہ ہارون کے ابتدائی عہد میں تمام امور مملکت اسی کے حکم سے انجام پاتے تھے۔ ہارون اس میں کچھ دخل نہ دیتا تھا۔ (ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۴۳)

**فضل** یحییٰ کے چار لڑکے تھے۔ فضل ' جعفر ' موسیٰ اور محمد ' ان چاروں میں کچھ نہ کچھ خصوصیات تھیں ' لیکن فضل اور جعفر نے اپنے اوصاف و کمالات کی وجہ سے زیادہ ناموری حاصل کی ' فضل سب میں بڑا اور خاندانی اوصاف کا حامل تھا ' فیاضی اور سیر چشمی میں خاندان میں کوئی اس کے ہمسر نہ تھا ' چونکہ ہارون اور فضل دونوں نے ایک دوسرے کی ماں کا دودھ پیا تھا ' چنانچہ اس نے اس کو مختلف مناصب پر مامور کیا اور وہ مختلف اوقات میں خراسان اور شروان وغیرہ کا حاکم رہا ' ابتدائی زمانہ میں فضل کو سیر و شکار اور دوسرے تفریحی مشاغل سے زیادہ دلچسپی تھی ' نامہ نگاروں نے ہارون الرشید کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے یہ خط یحییٰ کو دے دیا یحییٰ نے اس کو نہایت بلیغ نصیحتیں لکھ بھیجیں ' اس کا یہ اثر ہوا کہ فضل نے بے کار مشاغل چھوڑ دیئے اور اس کا سارا وقت دفتری کاموں میں صرف ہونے لگا ' اور اس کی توجہ سے خراسان کا نظام بہت بہتر ہو گیا ' اسی زمانہ میں اس نے وہاں بکثرت مساجد ' حوض اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ ہارون اس کی اس خوشگوار تبدیلی سے بہت خوش ہوا ' اور جب عراق میں یہ دونوں ملے تو ہارون نے شعراء سے اس کی شان میں قصائد کہلائے۔ رفتہ رفتہ اپنے حسن خدمات کی وجہ سے وزارت میں دخیل ہو گیا اور اپنے باپ یحییٰ کی نیابت کرنے لگا ' ہارون نے اس کو امین کا اتالیق بھی مقرر کیا رفتہ رفتہ وزارت کے سارے کام اس کے ہاتھوں میں آ گئے اور یحییٰ برائے نام وزیر رہ گیا ' اس نے اپنے زمانہ عروج میں ہزاروں انسانوں کو مالا مال کر دیا ' کوئی سائل اس کے در سے ناکام واپس نہ ہوتا تھا ' اس کے عہد میں سخاوت و فیاضی میں اس کا کوئی مقابل نہ تھا ' اپنے دشمنوں تک کے ساتھ سلوک کرتا تھا ' ایک مرتبہ الہول حمیری نے اس کی ہجو لکھی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اس کے پاس سائل کی حیثیت سے آیا ' اس نے کہا کس منہ سے مجھ سے ملنے آئے ہو ' اس نے کہا اسی منہ سے جس سے خدا سے ملوں گا ' حالانکہ آپ کے گناہ اس کے گناہ کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ اس جواب پر فضل بے ساختہ ہنس پڑا ' اور اس کو انعام و اکرام دے کر واپس کیا۔

**جعفر** یحییٰ کا دوسرا لڑکا جعفر تھا۔ یہ مجموعی حیثیت سے اپنے تمام بھائیوں پر فائق تھا ' قاضی ابو یوسف کے دامن علم میں اس کی تعلیم ہوئی ' خاندان برامکہ میں اس سے زیادہ بلند مرتبہ ' عالی ہمت اور دبدبہ و شکوہ کا کوئی شخص نہیں تھا ' فصاحت و بلاغت اور ادب و انشاء میں اس کو اتنا کمال حاصل تھا کہ ایک ایک رات میں ہزار ہزار توقیعات لکھ ڈالتا تھا۔ اپنی

ذہانت طباعی اور خوش مزاجی سے ہارون کے مزاج میں بہت رسوخ حاصل کر لیا تھا' اور وہ اس کو فضل سے بھی زیادہ ماننے لگا تھا' دربار میں اس سے زیادہ کسی کی عزت نہ تھی۔ فضل کو جو اپنے رسوخ کی وجہ سے وزارت پر حاوی ہو گیا تھا' آخر میں جعفر کے لیے جگہ خالی کرنی پڑی۔ ہارون کو جعفر سے غیر معمولی انس تھا' اسے کوئی صحبت اس کے بغیر پر لطف نہ معلوم ہوتی تھی اور یک جائی میں بھی اتنی قربت ہوتی تھی کہ مخصوص صحبتوں میں دونوں ایک ہی کپڑا اوڑھتے تھے جس زمانہ میں فضل امین کا اتالیق مقرر ہوا تھا' اسی زمانہ میں جعفر کو مامون کی اتالیقی سپرد ہوئی تھی۔ گو مامون میں ترقی اور بڑائی کی فطری صلاحیت تھی، لیکن جعفر کی تربیت کو بھی اس کے سنوارنے میں بہت کچھ دخل تھا' جعفر ۱۸۶ھ میں افریقہ کی حکومت پر مامور ہوا' اور ترقی کرتے کرتے وزارت کے عہدہ جلیلہ تک پہنچا' ہارون رشید چونکہ فضل کو بھی مانتا تھا اور فضل سب بھائیوں میں بڑا بھی تھا' اس لیے جب اس نے فضل سے جعفر کی طرف وزارت منتقل کرنے کا ارادہ کیا تو صاف حکم نہیں دیا' بلکہ یحییٰ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ بھائی فضل کی انگوٹھی جعفر کو پہنا دوں، فضل کنایہ سمجھ گیا اور خود جعفر کے لیے مسند وزارت خالی کر دی۔ جعفر نے اپنے زمانہ وزارت میں اتنا عروج حاصل کیا کہ سلطنت کا مدار تمام تر اس پر ہو گیا تھا' ہارون رشید کو برائے نام دخل رہ گیا تھا' یہی غلبہ اور اقتدار برامکہ کی تباہی کا باعث ہوا' یحییٰ کے باقی دو لڑکوں محمد اور موسیٰ نے فضل اور جعفر کے مقابلہ میں کوئی خاص ناموری نہیں حاصل کی' البتہ موسیٰ شجاعت اور بہادری میں ممتاز تھا۔ (جعفر اور فضل کے تمام حالات ابن خلکان کتاب الوزراء والکتاب اور الفخری سے ماخوذ ہیں) ہارونی عہد کی تمام علمی و فنی اور تمدنی ترقیاں زیادہ تر برامکہ ہی کے فیض کا نتیجہ تھیں، لیکن یہ تاریخ کا نہایت افسوس ناک واقعہ ہے کہ وہ خاندان جس نے مدتوں اس شان کی وزارت کی جس کی مثال تاریخ اسلام میں مشکل سے ملے گی اور جس نے اپنے عہد وزارت میں عباسی تہذیب کو تماشاگاہ عالم بنا دیا' اس کے زوال کی داستان دوسروں کے لیے سامان عبرت ہے۔

**زوال برامکہ کی غلط روایات** مورخین نے برامکہ کے زوال کے اسباب مختلف لکھے ہیں اور متاخرین نے جعفر و عباسیہ کی لغو اور مہمل داستان کو افسانہ بنا کر اسے اور بدنما کر دیا ہے اس کی تردید میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اب اہل نظر کی نگاہ میں یہ واقعہ افسانہ

سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اس پر زیادہ لکھنا بے کار ہے، تاہم چونکہ ہارونی عہد کی تاریخ بغیر اس پر کچھ لکھے ہوئے ناقص رہ جاتی ہے۔ اس لیے اس کی تردید میں صرف چند شہادتیں پیش کی جائیں گی۔

قدیم تاریخوں خصوصاً ان تاریخوں میں جو عباسیوں کے حالات میں زیادہ مستند ہیں اس واقعہ کا کہیں اشارہ بھی نہیں ملتا، چنانچہ تاریخ اسلام کے سب سے قدیم مورخ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے اپنی کتاب میں کہیں اس کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ مہدی کی اولاد کی تفصیل کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ ہارون نے عباسیہ کی پہلی شادی محمد بن سلیمان عباسی سے کی تھی، اس کی موت کے بعد دوسرا عقد ابراہیم بن صالح بن علی سے کر دیا۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۱۳۰) اس کتاب کا مصنف زوال برامکہ کے کل ۲۵ سال بعد پیدا ہوا۔ اس لیے اس کی شہادت اس باب میں سب سے زیادہ معتبر ہے، قریب قریب اسی زمانہ کا دوسرا مورخ محمد بن عبدوس جہشیاری ہے۔ جس نے اپنی کتاب کتاب الوزراء و الکتاب میں عباسی حکومت خصوصاً ہارونی عہد اور برامکہ کے حالات نہایت وضاحت سے لکھے ہیں۔ یہ بھی اس واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا، یہ نادر کتاب ویانا میں عکسی چھپی ہے محمد بن عبدوس کا زمانہ تیسری صدی کا آخر اور چوتھی صدی کا اول ہے۔

اس کے بعد اس عہد کے تیسرے نامور مورخ احمد داؤد دینوری المتوفی ۲۸۱ھ نے بھی اپنی کتاب اخبار الطوال میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اسی عہد کا چوتھا مورخ احمد بن ابی یعقوب بن واضح جو عباسی کاتب بھی تھا، تاریخ یعقوبی میں اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا، قدیم مورخین میں سب سے پہلے طبری نے یہ واقعہ لکھا ہے، گو طبری مستند مورخ ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ایک واقعہ کے متعلق جس قدر مستند اور غیر مستند روایتیں ہوتی ہیں، بلا اظہار رائے سب کو نقل کر دیتا ہے، کسی پر نقد و تبصرہ نہیں کرتا، چنانچہ اس نے منجملہ اور واقعات کے جعفر و عباسیہ کا واقعہ بھی مختصر الفاظ میں نقل کر دیا ہے، لیکن اس میں کوئی حاشیہ آرائی اور فساد طرازی نہیں ہے، یہ بھی معلوم ہے کہ طبری کا زمانہ اول الذکر مورخین کے مقابلہ میں برامکہ کے بہت بعد میں ہے۔ اور اتنی مدت میں ایک واقعہ کیا کیا شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔

طبری کے بعد ابن اثیر اور ابو الفداء کی تاریخوں میں یہ واقعہ ملتا ہے۔ لیکن ابن اثیر

طبری کا اور ابوالفداء ابن اثیر کا خلاصہ ہے' اس لیے یہ بھی گویا طبری کا بیان ہے' سب سے آخر میں ابن خلدون کا نمبر آتا ہے' گو یہ بھی اپنے پیش رو مورخین کا خوشہ چین ہے' لیکن محض مقلد نہیں ہے ہر واقعہ کے متعلق تحقیقی رائے رکھتا ہے اور ان کو فلسفہ تاریخ کی کسوٹی پر جانچتا ہے' اس لیے اس کی رائے مشتبہ واقعات کی تصدیق اور تردید میں زیادہ صائب مانی جاتی ہے' اس لیے اس واقعہ کے متعلق بھی اس کی رائے زیادہ صحیح اور محققانہ ہو گی

اس نے مقدمہ کے اس باب میں جہاں مورخین کے مغالطہ اور اوہام میں مبتلا ہونے کے اسباب پر بحث کی ہے' وہاں اس نے بے اصل مگر مشہور واقعات کے سلسلہ میں جعفر و عباسیہ کے افسانہ پر تنقید کر کے اس کو بے بنیاد قرار دیا ہے' چونکہ یہ بحث لمبی ہے' اس لیے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔ جو صاحب دیکھنا چاہیں وہ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۰ تا ۱۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

**زوال برامکہ کے حقیقی اسباب** شخصی حکومتوں کی تاریخ میں یہ نیا واقعہ نہیں ہے کہ بادشاہ وقت کو جس شخص پر اعتماد ہوتا ہے' اس کو وہ ابتداء میں حکومت کے تمام سیاہ و سپید کا مالک بنا دیتا ہے اور جب وہ رفتہ رفتہ اپنے حدود سے بڑھ کر تمام امور سلطنت پر حاوی ہو جاتا ہے' اور بادشاہ اس کے مقابلہ میں بے بس اور مسلوب الاختیار پاتا ہے۔ اس وقت وہ اس کے گرانے کی کوشش کرتا ہے' برامکہ بھی اس بے عنوانی کا شکار ہوئے' یحییٰ ہارون کا رضاعی باپ تھا اسی نے اس کو سلطنت دلوائی تھی' اس لیے ہارون نے اس کو مختار جزو کل بنا دیا تھا' فضل اور جعفر وزارت میں اس کے دست راست تھے' پھر جب یحییٰ بوڑھا ہوا' تو پہلے فضل' پھر جعفر کے ہاتھ میں قلمدان وزارت آیا' تو ان کی زرپاشیوں اور ارباب علم کی قدردانیوں نے کل رعایا کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ ہارون محض نام کا بادشاہ رہ گیا تھا' عملاً بادشاہت برامکہ کے ہاتھ میں تھی' اس عروج نے ان کو اتنا خود سر بنا دیا تھا کہ ہارون کے احکام کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ اگر ہارون کو خزانہ سے معمولی رقم کی ضرورت ہوتی تو آسانی سے ملنا مشکل ہو جاتا تھا۔ (مروج الذہب جلد ۶ ص ۳۶۳ مطبوعہ یورپ) درانحالیکہ خود برامکہ محض نمود و نمائش کے لیے بے دریغ روپیہ لٹاتے تھے' اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابتداروں کو بڑے بڑے انعام دیتے تھے' شعراء اور

سائلین پر خلعت اور انعام و اکرام کی بارش کرتے تھے' ممالک محروسہ کے تمام عمدہ علاقوں اور جاگیروں پر وہ قابض ہو گئے۔(مقدمہ ابن خلدون ص ۱۳)

ہارون رشید کی برہمی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ برامکہ عباسیوں کے حریف مقابل اور ان کے مخالف ائمہ اہل بیت کرام کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک سے پیش آتے تھے' بلکہ ہارون کے علی ارغم ان کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ یحییٰ بن عبداللہ نفس ذکیہ کے بھائی حکومت کے باغی تھے۔ رشید نے ان کو گرفتار کرا کے قید کرنے کے لیے جعفر کے حوالہ کیا' اس نے ان کو چھوڑ دیا' فضل بن ربیع کو جو برامکہ کا سخت دشمن تھا' اس کی خبر لگ گئی' اس نے ہارون سے کہہ دیا' دوسرے دن جب جعفر دربار میں آیا تو ہارون نے پوچھا' یحییٰ کا کیا حال ہے' اس نے کہا امیر المومنین وہ اب تک قید خانہ میں بند ہے۔ اس نے کہا سچ کہتے ہو؟ اس مکرر سوال پر جعفر تاڑ گیا کہ ہارون کو اس کی خبر لگ گئی' عرض کی آقائے من وہ امیر المومنین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے' اس لیے میں نے ان کو چھوڑ دیا' ہارون نے جواب دیا' اچھا کیا میں بھی ان کو چھوڑنا چاہتا تھا' لیکن جب جعفر چلا گیا' تو ہارون نے کہا میں تجھ کو قتل کرا کے چھوڑوں گا۔ (طبری جلد ۱۱ ص ۶۷۰) صرف یہی ایک واقعہ نہیں ہے' بلکہ عجمیت کی وجہ سے عام طور پر برامکہ کا سلوک اہل بیت کے ساتھ ایسا ہی تھا گو اخلاقی نقطہ نظر سے یہ کوئی قابل اعتراض فعل نہیں شمار کیا جا سکتا' بلکہ اسے مستحسن ہی کہا جائے گا' لیکن بنی عباس کی سیاست کے بالکل خلاف تھا' اس لیے اس سے ہارون کی برگشتگی میں اور اضافہ ہوا۔

برامکہ کے اثر و اقتدار نے ہارون کو نہ صرف مسلوب الاختیار کر دیا تھا' بلکہ رعایا بھی انہی کو بادشاہ سمجھنے لگی تھی' سلطنت کے تمام عمائد ہارون کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے' سلاطین اور وزراء ہدایا و تحائف براہ راست برامکہ کے پاس بھیجتے تھے' خراج کی کل رقم انہی کے قبضہ میں رہتی تھی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۳) جسے وہ ہر طرح کے جائز و ناجائز اخراجات میں صرف کرتے تھے اور ہارون رشید کے ضروری اخراجات کے لیے بھی مشکل سے نکلتی تھی' برامکہ کے ایک ایک محل پر دو دو کروڑ درہم صرف ہو جاتے تھے۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۵۸) حکومت کے تمام بڑے اور معزز عہدوں کی کتابت' قیادت اور حجابت وغیرہ پر برامکہ نے اپنے خاندان والوں کو بھر دیا تھا' ان حالات نے ایک طرف ہارون رشید

کے دل میں ان کی جانب سے بدگمانی پیدا کر دی، دوسری جانب دوسرے عباسی متوسلین میں ایک جماعت ان کے خلاف ہو گئی، جس نے ہارون رشید کو ان کے خلاف ورغلانا شروع کر دیا، جس میں خود جعفر کے ننہالی رشتہ دار بھی تھے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۶)
لیکن ہارون رشید پر برامکہ کا اثر غالب تھا کہ ابتداء میں اس نے ان شکائتوں کی جانب توجہ نہ کی۔ مگر پھر ان کی خود سری نے ہارون رشید کے دل میں بھی رفتہ رفتہ یہ بات جمادی کہ یہ سب اس کو عضو معطل بنا کر سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ محض نقطہ نظر کے بدل جانے سے وہ شے جو کبھی ممدوح معلوم ہوتی ہے مذموم نظر آنے لگتی ہے، اس کا یہ عبرت انگیز واقعہ سننے کے لائق ہے کہ دجلہ کے ساحل پر قصر شاہی کے بالمقابل برامکہ کے محلات و قصور تھے۔ ہارون کے طبیب خاص بختیشوع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید کے پاس گیا، اس وقت برامکہ کے محل کے سامنے سوار و پیادہ حاجت مندوں کا ہجوم تھا، ہارون رشید نے کہا، خدا یحییٰ کو جزائے خیر دے اس نے مجھ کو کتنی زحمتوں سے بچا کر عیش و آرام کا موقع دیا، کچھ عرصہ کے بعد پھر جانے کا اتفاق ہوا، تو پھر وہی منظر تھا، لیکن ہارون برامکہ سے بدظن ہو چکا تھا، اس مرتبہ اس نے یہ منظر دیکھ کر کہا خدا یحییٰ سے سمجھے حکومت کا مختار کل بن گیا ہے اور میرا صرف نام رہ گیا ہے۔

(الفخری ص ۱۹۰)

**برامکہ کا قتل و حبس** غرض مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر برامکہ کے آفتاب اقبال پر زوال آ گیا اور ۱۸۷ھ میں ہارون نے جعفر کو قتل کرا دیا اور یحییٰ اور فضل قید و محن میں ڈلوا دیئے گئے، خاندان برامکہ میں محمد بن خالد کے سوا کوئی فرد قید کی مصیبت سے نہ بچا، ان کے محلات، باغات، جائیدادیں، نقد و جنس، غرض کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا، یحییٰ اور فضل دونوں باپ بیٹے جیل کے مصائب اور سختیاں جھیلتے جھیلتے بالترتیب ۱۹۰ھ اور ۱۹۳ھ میں نہایت بے کسی کے عالم میں مرے، یا برامکہ کا وہ اقبال تھا کہ بڑے بڑے امراء و عمائد ان کی آستان بوسی کو فخر سمجھتے تھے، ان کی زرپاشیوں نے دجلہ کے بالمقابل سونے اور چاندی کا دریا بہا دیا تھا۔ ان کا محل فقیروں اور مسکینوں کا ملجا و ماویٰ تھا، علماء اور شعراء اور دوسرے ارباب کمال ان کی فیاضیوں سے مالا مال تھے، یا یہ ادبار آیا کہ جعفر کی ماں عبادہ جس کی خدمت میں چار چار سو کنیزیں رہتی تھیں، عین عید کے دن پھٹے پرانے کپڑوں میں محمد بن عبدالرحمٰن امام

مسجد کوفہ کے گھر معمولی امداد کے لیے نظر آتی ہے۔ اور اس کے پاس بکری کی دو کھالوں کے سوا جن میں سے ایک اوڑھتی اور ایک بچھاتی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ (مروج الذہب جلد ٦ ص ٤٠٦) جعفر کے قتل کے بعد ہارون کی مسرتوں کا بھی خاتمہ ہو گیا' مورخین کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی اس کے چہرہ پر خوشی کی جھلک نہ نظر آئی اور وہ ہمیشہ ان کے غم میں سوگوار رہا۔

**وفات** برمکی خاندان کی تباہی کے چند ہی برسوں بعد اس کا بھی وقت آخر ہو گیا ۱۹۳ھ میں اس نے ایک مہم میں خراسان کا سفر کیا' طبیعت پہلے سے کچھ ناساز تھی' جرجان پہنچ کر زیادہ خراب ہو گئی' اس لیے طوس لوٹ آیا' علاج معالجہ سے کوئی فائدہ نہ ہوا' جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو خود اپنی قبر کھدوائی اور اس میں قرآن پڑھوایا اور جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں طوس کے غربت کدہ میں انتقال کیا' اس وقت ۴۷ سال کی عمر تھی مدت خلافت ۲۳ سال۔

**ہارونی عہد کی خصوصیات** ہارون رشید دولت عباسیہ کا گل سرسبد اور اس کا عہد عباسی حکومت کا دور زریں تھا' اس کے زمانہ میں دولت عباسیہ علمی' تمدنی' سیاسی ہر حیثیت سے اوج کمال پر پہنچ گئی' بیت الحکمت جس سے عباسی حکومت میں علوم و فنون کا دروازہ کھلا اسی کے زمانہ میں قائم ہوا' عربی اور ایرانی تمدن کی آمیزش سے ایک ایسا دو آتشہ اور بوقلمون تمدن پیدا ہوا جو اس دور کے اسلامی تمدن کا معیار بن گیا' ابن طقطقی نے اس کے دور خلافت کی خصوصیات پر یہ مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے' اس کا دور حکومت بہترین تھا' اس کے زمانہ میں حکومت کا بڑا وقار تھا' اس میں بڑی رونق اور بڑی بھلائیاں تھیں' اس کی سلطنت کا رقبہ بڑا وسیع تھا' دنیا کے بڑے حصہ سے خراج آتا تھا' والی مصر اس کا ایک عامل تھا' اس کے دربار میں جتنے علماء' شعراء' فقہا' قضاۃ' کاتب' ندیم اور گویے جمع ہوئے' وہ کسی خلیفہ کے دربار میں نہ تھے' وہ ان میں سے ہر ایک کو انعام دیتا تھا اور بڑے بڑے مدارج پر پہنچاتا تھا' وہ خود بھی بڑا فاضل' شاعر' اخبار و آثار و اشعار کا راوی اور صحیح المذاق تھا' خواص اور عوام سب کے دلوں میں اس کی ہیبت تھی۔ (الفخری ص ۱۹۰)

ہارونی عہد میں سلطنت نہایت مضبوط' ملک شاد آباد' خزانہ معمور تھا اور رعایا مرفہ الحال اور فارغ البال تھی' اس کو رعایا کی اصلاح و بہبود کی اتنی فکر رہتی تھی کہ وہ بہ نفس نفیس اس کے حالات کی جستجو کرتا تھا' اس کی جستجو کے واقعات نے افسانے کی شکل اختیار کر

لی ہے' لیکن افسانے حقیقت سے خالی نہیں' اپنے زمانہ میں اس حکومت کے استحکام عدل و انصاف کے قیام اور رعایا کی فلاح کے بہت سے کام انجام دیئے' گو اسلامی خلافت کے ضوابط اور اسلامی اصول حکمرانی پر عمل ہوتا رہا' لیکن اموی دور سے ان میں بے عنوانی شروع ہو گئی تھی جو عباسی دور میں بھی قائم تھی عموماً عمال پر کوئی احتساب نہ تھا' خراج کی تحصیل وصول میں سختی برتی جاتی تھی' شرعی محاصل کے علاوہ اور بہت سی ناجائز آمدنیاں لی جاتی تھیں' ہارون رشید نے اس کی اصلاح کے لیے قاضی ابو یوسف سے خراج کا قانون مرتب کروایا' جو آج بھی کتاب الخراج کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ اگرچہ یہ کتاب دراصل خراج و صدقات و جزیہ وغیرہ محاصل حکومت کے قانون پر ہے' لیکن اس میں حکومت اور رعایا کے تعلقات کی نوعیت ذمی اور مسلمان رعایا کے حقوق و فرائض' حکومت کے عمال اور عہدہ داروں کے اختیارات' ان کے فرائض' ان کی نگرانی وغیرہ اسلامی اصول حکمرانی کے متعلق بہت سی مفید ہدایات ہیں' اس کے جستہ جستہ اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں' جس سے ہارونی عہد کی اصلاحات کا اندازہ ہو گا' کتاب کا آغاز اس تمہید کے ساتھ کیا گیا ہے۔

امیر المومنین نے رعایا سے ظلم کے ازالہ اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے خراج' عشور' صدقات اور جزیہ پر ایک جامع کتاب لکھنے کا حکم دیا ہے' خدا امیر المومنین کو ان امور سے متعلق اس کے فرائض کی تکمیل کی توفیق دے' امیر المومنین کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی ذمہ داری سپرد کی ہے' اس کا ثواب بھی بہت بڑا ہے اور عذاب بھی بہت بڑا' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امت کا ذمہ دار بنایا ہے اور اس کے ذریعہ آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا ہے' کوئی عمارت جس کی بنیاد تقویٰ پر نہ ہو قائم نہیں رہ سکتی' اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بنانے والے پر گرا دیتا ہے اس لیے اس امت اور رعایا کی جو ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی ہے اس کو ضائع نہ کیجئے' عمل میں اللہ تعالیٰ قوت عطا فرماتا ہے اور آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھئے' اگر آپ نے ایسا کیا تو اس کو ضائع کر دیا' موت انسان کی آرزوؤں سے زیادہ قریب ہے اس لیے عمل میں جلدی کیجئے' موت کے بعد پھر عمل کا موقع نہیں ہے۔ بادشاہوں کو اپنے خدا کے بارہ میں وہی چیز پیش کرنا ہو گی' جو چرواہا اپنے مالک کی خدمت میں واپس کرتا ہے یعنی (رعایا) اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس چیز کا والی بنایا ہے اس میں حق و

انصاف کو قائم کیجئے اگرچہ تھوڑی دیر سہی' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے خوش قسمت وہ راعی ہو گا' جس کے ذریعہ اس کی رعایا کو خوش بختی حاصل ہوئی ہو' کج روی اختیار نہ کیجئے' ورنہ رعایا بھی سیدھی راہ سے ہٹ جائے گی' خواہش نفس کی تعمیل اور غصہ کی بناء پر مواخذہ کرنے سے بچئے' جب آپ کے سامنے' ایسے دو امور آئیں جن میں ایک دنیا کا بھلا ہو اور دوسرے میں آخرت کا تو آخرت والے امر کو اختیار کیجئے' دنیا فانی اور آخرت پائیدار ہے' اللہ تعالیٰ کا خوف ہمیشہ نگاہ میں رکھئے' خدا کے معاملہ میں قریب و بعید سب کو برابر سمجھئے' اور اس بارہ میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کا خوف نہ کیجئے' خوف دل سے ہوتا ہے زبان سے نہیں' تقویٰ اختیار کیجئے وہ احتیاط سے حاصل ہوتا ہے' جو شخص خدا کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے خدا اس کو بچاتا ہے۔

مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ خراج کے عمال اپنی جانب سے ایسے تحصیل داروں کو بھیجتے ہیں جو ظلم کرتے اور ناجائز مال وصول کرتے ہیں' اس خدمت پر صالح اور پاک دامن لوگوں کو مقرر کرنا چاہیے۔ جب اس پر آپ کسی عامل کا تقرر کیجئے اور وہ اپنی جانب سے کسی امین دیانت دار اور معتبر آدمی کو یہ خدمت سپرد کرے تو اس کو اس آمدنی سے مقررہ دستور کے مطابق مناسب معاش دی جائے لیکن وہ اتنی زیادہ نہ ہو جس میں صدقات کی کل آمدنی ہی ختم ہو جائے۔

جو شخص اس خدمت پر مامور کیا جائے' اس کو فقیہ' عالم اور امین ہونا چاہیے اور اس کو اہل الرائے سے مشورہ کرنا چاہیے' عموماً ان کے تقرر میں احتیاط نہیں کی جاتی' بلکہ جو شخص چند دنوں تک کسی والی کے در سے چمٹ جاتا ہے اس کو مسلمانوں کی گردن پر سوار کر دیا جاتا ہے' خواہ اس کے اخلاق' پاک دامنی اور سلامت روی کا کوئی علم نہ ہو۔

خراج کے عمال کے تقرر میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ وہ ظالم اور خراج ادا کرنے والوں کی تحقیر و تذلیل کرنے والے نہ ہوں' ان کی عام پالیسی نرم لیکن خفیف سختی آمیز ہونی چاہیے مگر اس طرح کہ کسی شخص پر ظلم و زیادتی نہ ہونے پائے' مسلمانوں کے ساتھ نرمی' نافرمانوں کے ساتھ سختی' ذمیوں کے ساتھ عدل' مظلوم کے ساتھ انصاف' ظالم پر درشتی اور عام لوگوں سے درگزر کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

والی خراج کی جانب سے جو ظلم و زیادتی بھی ہو گی وہ بالائی حکم (خلیفہ کا حکم) پر محمول

کی جائے گی' اور ماتحتوں کے لیے سند جواز سمجھی جائے گی' اگر ان میں سے کسی ایک کو پوری سزا دی جائے گی تو دوسروں پر اس کا اثر پڑے گا اور وہ ڈریں گے' ورنہ سب جری ہو جائیں گے اور خراج دینے والوں پر زیادتی اور ان سے ناجائز مال وصول کریں گے اس لیے جب کسی عامل یا والی پر ظلم' رعایا کے مال میں خیانت' فئی کے مال میں حرام خوری یا بد کرداری ثابت ہو جائے تو اس کو اس کے عہدہ پر برقرار رکھنا' اس سے مدد لینا' رعایا کے کسی معاملہ میں اس کو مختار بنانا اور حکومت کے معاملات میں شریک کرنا حرام ہے۔ اس کو ایسی عبرتناک سزا دینی چاہیے جس سے دوسروں کو سبق ہو اور آئندہ ایسے کاموں کی جرات نہ کریں۔

مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سرکاری خبر رسان اور پرچہ نگار خبروں میں بے احتیاطی کرتے ہیں اور حکام اور رعایا کے جن حالات سے ان کو واقف اور باخبر ہونا چاہیے۔ ان سے بے توجہی کرتے ہیں۔ رعایا کے معاملات میں حکام کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور ان کی زیادتیاں اور صحیح خبریں چھپاتے ہیں' ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو والی اور عمال ان کو راضی نہیں رکھتے ہیں' ان کے متعلق غلط خبریں دیتے ہیں ان امور کی پوری تحقیقات ضروری ہے' اس جگہ کے لیے ہر شہر اور آبادی کے عادل اور ثقہ لوگوں کا انتخاب کرنا چاہیے اور بیت المال سے ان کو تنخواہ ملنی چاہیے۔ کسی غیر عادل خبر رساں کی اطلاع کو قبول نہ کرنا چاہیے' اس کا اہتمام ضروری ہے کہ خبر رساں رعایا اور حکام کی کوئی خبر نہ چھپانے پائیں' اور نہ اس میں اپنی جانب سے کوئی اضافہ کریں' ایسا کرنے والوں کو سزا دی جائے' قضاۃ والیوں اور دوسرے عہدہ داروں پر خبر رسانوں کی نگرانی ضروری ہے' لیکن جب تک وہ عادل اور ثقہ نہ ہوں' ان کی بھیجی ہوئی اطلاعیں قبول نہ کی جائیں۔ (یہ ٹکڑے کتاب الخراج میں متفرق مقامات پر ہیں' ہم نے ان کو ایک جگہ نقل کر دیا ہے)۔

ان اقتباسات سے اس کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ حکومت کے نظم اور عدل و انصاف کے قیام کے تمام اساسی اصول اس میں آ گئے ہیں' ہارون رشید نے ان اصولوں کو اپنا رہنما بنایا چنانچہ خراج کی تحصیل وصول میں سختی کو یک قلم موقوف کر دیا۔ (یعقوبی ص ۵۰۱) سواد کے علاقہ میں خراج کی مقررہ شرح سے زیادہ جو دسواں حصہ لیا جاتا تھا اس کو بند کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۳۹) عمال کے تقرر کے وقت ان کو عدل و انصاف کی ہدایت کرتا۔

(ابن اثیر جلد ۶ ص ۳۹) ظالم اور خائن عمال کو نہایت عبرت انگیز سزا دیتا۔

ایک نامور اور مقتدر عباسی امیر علی بن عیسیٰ کے جور و ظلم سے مسلمان اور ذمی اور ادنیٰ و اعلیٰ سب عاجز تھے' وہ خراسان کے اعیان و عمائد تک کی تذلیل و تحقیر کرتا تھا' اور سب سے ناجائز روپیہ وصول کرتا تھا' لیکن ہارون رشید کو خوش رکھتا تھا' اس لیے اس کو اس کی زیادتیوں کی خبر نہ ہونے پاتی تھی۔ لیکن جب اس کے مظالم حد سے بڑھ گئے اور ہارون رشید کے پاس پیہم اس کی شکائتیں بھیجیں تو اس نے بڑی ذلت کے ساتھ علی بن عیسیٰ کو معزول کر کے اس کی جگہ ہرثمہ بن اعین کا تقرر کیا۔ (طبری میں اس کی پوری تفصیل ہے (طبری جلد ۱۱ ص ۷۰۲' ۷۰۳' ۷۱۳' ۷۱۴)

علی بن عیسیٰ کو معزولی اور ہرثمہ بن اعین کو تقرر کا جو پروانہ لکھا تھا' اس سے ہارون کی سیاست پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔

میں نے تمہارا مرتبہ بڑھایا' تمہارا نام بلند کیا' سرداران عرب کو تمہارے نقش قدم پر چلایا' سلاطین عجم کی اولاد میں تمہارا رشتہ قائم کیا اور ان کو تمہارا تابع فرمان بنایا' اس کا بدلہ تم نے یہ دیا کہ مجھ سے عہد شکنی کی' میرے احکام کو پس پشت ڈال کر ملک میں فتنہ و فساد برپا اور رعایا پر ظلم کیا اور اپنی بد کرداری' حرص و طمع اور خیانت سے خدا اور اس کے خلیفہ کو ناراض کیا' اس لیے میں نے تم کو معزول کر کے ہرثمہ بن اعین کو خراسان کا والی بنایا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ وہ تم پر تمہاری اولاد' تمہارے کاتبوں اور ماتحت عہدہ داروں پر سختی کر کے تم سے ایک ایک درہم وصول کر لیں' اور مسلمانوں اور ذمیوں سے تم نے جس قدر مال ناجائز حاصل کیا ہے اس کو حاصل کر کے اس کے مستحقین کو واپس کر دیں اور اگر تم اور تمہارے متعلقین اس میں مزاحمت کریں تو تازیانہ کی سزا دی جائے' تم لوگ ان سب سزاؤں کے مستحق ہو جو عہد توڑنے اور ظلم و زیادتی کرنے والوں کے لیے ہیں' تم اللہ' خلیفہ' مسلمان اور ذمی سب کے مجرم ہو اور ہرثمہ کو لکھا۔

میں تم کو خراسان اور اس کے احکام کی رعایت اور ان کی حفاظت کا حکم دیتا ہوں' جملہ امور میں کتاب اللہ کو اپنا راہنما بناؤ' اس کے حلال کو حلال' حرام کو حرام سمجھو' مشتبہ امور میں خود فیصلہ نہ کرو بلکہ دین کے واقف کاروں اور کتاب اللہ کے عالموں سے پوچھو اور علی بن عیسیٰ اور اس کے متعلقین کے پاس حکومت' عام مسلمانوں اور ذمیوں کا جس

قدر ناجائز مال ہو اس کو وصول کر کے ان کے مستحقین کے پاس پہنچا دو' اور مجرمین کو موٹے کپڑے پہنا کر میرے پاس بھیج دو' میں نے اس حکم میں اپنے نفس کی خواہش کے مقابلہ میں (ہارون رشید علی بن موسیٰ کو بہت مانتا تھا) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین کی حرمت کو بہت ترجیح دی ہے' اس لیے تم بھی اس کی تعمیل کرو' اور جن جن اضلاع سے تمہارا گزر ہو وہاں کے حکام کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار کرو کہ وہ تم سے متوحش' مشتبہ اور خوف زدہ نہ ہوں' خراسان کے سرحدی علاقہ کے باشندوں کی خواہش کو پورا کرو' ان کی معذرت قبول کر کے ان کو امان دو (سرحدی علاقے کے باشندے علی بن عیسیٰ کے ظلم و جور کی وجہ سے حکومت سے آمادہ بغاوت ہو گئے تھے) اور ایسا طرز عمل اختیار کرو جس سے اللہ تعالیٰ' خلیفہ اور رعایا سب کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہو' (طبری نے ان احکام کو زیادہ مفصل لکھا ہے' ہم نے صرف ضروری خلاصہ نقل کیا ہے تفصیل کے لیے دیکھو جلد ۱۱ ص ۱۹۰' ۱۹۱)

## علمی خدمات اور علماء و اصحاب علم کی قدر دانی

علم و فن اور علماء و اصحاب کمال کا قدر دان اور سرپرست اور بے کسوں اور حاجت مندوں کا ملجی و ماویٰ تھا' فیاضی اور سیر چشمی میں وہ اپنے پیش رووں سے بڑھ گیا تھا' خطیب کا بیان ہے کہ ہارون کی فیاضی اور داد و دہش کے علاوہ اخلاق و عادات میں منصور کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا تھا اور مانگنے پر اور بے مانگے دونوں حالتوں میں بڑے گراں قدر عطیے دیتا تھا' کوئی شخص جس کو اس سے ادنیٰ تعلق بھی تھا' اس کے در سے محروم نہیں رہا' علماء و اصحاب کمال سے رغبت' فقہ و فقہا اور شعر و شعراء سے محبت رکھتا تھا اور ادب و ادباء کی عظمت کرتا تھا۔

(تاریخ خطیب جلد ۱۴ ص ۷)

علماء کا جس قدر احترام رکھتا تھا' اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ ایک نابینا عالم ابو معاویہ ضریر کی دعوت کی اور خود ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور ابو معاویہ سے پوچھا آپ کو معلوم ہے کہ کون آپ کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا ہے' ابو معاویہ نابینا تھے ان کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا' بولے نہیں' ہارون نے کہا میں نے خود یہ خدمت انجام دی ہے' اس دور کے علماء بھی علم کی اتنی عظمت کرتے تھے' ابو معاویہ نے اس پر کسی ممنونیت کا اظہار نہیں کیا' بلکہ یہ جواب دیا کہ ہاں آپ نے علم کی عزت کے لیے ایسا کیا۔

(تاریخ خطیب جلد ۱۴ ص ۸) وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سماع حدیث کے لیے مدینہ کا مخصوص سفر کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۹۷)

اس کی علماء نوازی اور علم پروری کے بہت سے واقعات ہیں' دولت عباسیہ میں علم و فن کا آغاز ابو جعفر منصور نے کیا تھا' ہارون نے اس کو اور زیادہ ترقی دی اور بیت الحکمۃ کے نام سے تالیف و تراجم کا ایک ادارہ قائم کیا اور اس میں بیش قرار تنخواہوں پر علماء و مترجمین مقرر کر کے ان سے یونانی' فارسی اور دوسری زبانوں کی متعدد مفید کتابیں ترجمہ کرائیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الحکماء ص ۱۶۹ و طبقات الاطباء جلد اول ص ۱۷۵)

اس کا دربار ہر صنف کے اصحاب کمال کا مرکز تھا' اس کے تمام وابستگان دولت اور متعلقین خاص اپنے اپنے اوصاف میں منتخب روزگار تھے' خطیب کا بیان ہے کہ ہارون کے پاس جیسا نورتن جمع تھا اور کسی فرمانروا کو میسر نہ آیا' اس کے وزیر برامکہ تھے' اس کے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تھے' اس کا درباری شاعر مروان بن ابی حفصہ جیسا قادر الکلام تھا جو اپنے زمانہ کا جریر شمار کیا جاتا تھا' اس کا ندیم عباس بن محمد تھا' اس کا حاجب فضل بن عباس جیسا مرجع الخلائق تھا' اس کا مغنی ابراہیم موصلی جیسا یگانہ روزگار گویا تھا' اس کی بیوی ام جعفر (زبیدہ) جیسی مخیر خاتون تھی' جس نے نیکی اور رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دیئے۔
(خطیب جلد ۱۴ ص )

ہارون کی خوش قسمتی سے اس کو وزراء بھی ایسے ملے تھے جو کسی فرمانروا کو مشکل سے میسر آ سکتے ہیں' برمکی خاندان نہ صرف عباسی وزارت میں بلکہ دنیا کی تاریخ میں اپنے اوصاف و کمالات اور کارناموں میں ممتاز ہے' وہ ہارون سے بھی زیادہ علم دوست' علماء نواز' بلند نظر' خوش مذاق' مخیر اور فیاض تھے' ان کا آستانہ ہر صنف کے اصحاب کمال کا مرجع تھا۔ انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے۔ اور عباسی حکومت کو علم و تمدن کے جس درجہ تک پہنچایا' اس کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب درکار ہے' ان کے دور وزارت کے متعلق ابن طباطبا کا یہ اجمالی تبصرہ بالکل صحیح ہے۔

برامکہ کا دور وزارت جبین دہر کا نور اور زمانہ کے سر کا تاج تھا' ان کے مکارم ضرب المثل تھے' وہ دنیا کا مرجع آمال تھے اور لوگ کھنچ کھنچ کر ان کے آستانہ پر آتے تھے' دنیا نے اپنی ساری نعمتیں ان کے سامنے سجادی تھیں' یحییٰ اور اس کے لڑکے انجم تابان'

اس لیے سیوطی کے بقول ہارون رشید کا پورا دور سراسر خوبی تھا اور اس کا ہر روز عید اور ہر شب شب برات معلوم ہوتی تھی' اس کے دور کی تمام ترقیوں کا حال کتاب کے آخر میں آئے گا۔

**اخلاق و سیرت** وہ مجموعہ اوصاف تھا' اس میں متضاد اوصاف جمع تھے ایک طرف اس کی زندگی بڑی پر شکوہ' رنگین اور عیش پرستانہ تھی' اس کی رنگینیوں نے عباسی تہذیب کو تماشا گاہ عالم بنا دیا تھا' دوسری طرف وہ بڑا دین دار اور پابند شریعت' علم دوست اور علماء نواز تھا' لیکن اس کی رنگینی کی داستانوں میں اس کی زندگی کا مذہبی رخ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ خطیب اور طبری کا بیان ہے کہ وہ محرمات کی عظمت کرتا تھا' روزانہ خیرات کرتا تھا' اکثر حج کرتا تھا اور سو علماء اور فقہاء کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا' جس سال خود نہ جا سکتا اس سال تین سو آدمیوں کو نقد و جنس کے ساتھ بھیجتا' حج میں بڑی الحاح و زاری سے دعائیں مانگتا' مناسک حج ادا کرتے وقت آنکھوں سے آنسو رواں رہتے تھے۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۴ ص ٦ و طبری جلد ۱۱ ص ۷۴۰ و ۷۴۱)

جہاد کا شوق اور شہادت کا بڑا ولولہ رکھتا تھا' ایک مرتبہ محدث ابو معاویہ نے اس سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری آرزو ہے کہ خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر مارا جاؤں"۔ یہ حدیث سن کر روتے روتے ہارون کی ہچکی بندھ گئی' اس ولولہ کا یہ اثر تھا کہ پابندی سے وہ ایک سال حج کرتا تھا' اور ایک سال جہاد میں شریک ہوتا تھا۔ (الفخری ص ۱۷۵)

رسول اللہ ﷺ کی محبت سے سرشار تھا' جب اس کے سامنے آپ کا نام مبارک لیا جاتا تو "صلی اللہ علیہ و سلم علی سیدی" کہتا' ایک مرتبہ ابو معاویہ نے ایک حدیث بیان کی' ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا' ہارون جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور کہا یہ شخص زندیق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے' اور اسی وقت تلوار منگائی' ابو معاویہ نے سمجھا بجھا کر غصہ ٹھنڈا کیا۔ (تاریخ خطیب جلد ۴ ص ٦' ۷)

علماء اور صلحا کی صحبت بہت مرغوب تھی' مشہور محدث سفیان ثوری اور مشہور زاہد فضیل بن عیاض اور ابن سماک سے بڑی عقیدت رکھتا تھا' ان سے درخواست کر کے پند و نصائح سنتا' ایک مرتبہ ابن سماک سے نصیحت کی درخواست کی' انہوں نے فرمایا خدا سے ڈرا

جس کا کوئی شریک نہیں اور اس پر یقین رکھ کل تجھے خدا کے رو برو جانا ہے اور وہاں تجھے دو مقاموں میں سے ایک مقام اختیار کرنا ہے' جس کے علاوہ تیرا مقام نہیں ہے' یہ مقام جنت و دوزخ ہے' یہ سن کر ہارون رشید اتنا رویا کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی- یہ حالت دیکھ کر ہارون کے حاجب فضل بن ربیع نے کہا سبحان اللہ امیر المومنین کے جنت جانے میں بھی کوئی شبہ ہے' وہ خدا کے حقوق ادا کرتے ہیں' اس کے بندوں کے ساتھ عدل کرتے ہیں' اس کے صلہ میں انشاء اللہ ضرور جنت جائیں گے' ابن سماک نے ہارون سے فرمایا' امیر المومنین اس دن فضل تیرے ساتھ نہ ہو گا' اس لیے خدا سے ڈرتا رہ اور اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھ یہ سن کر ہارون پھر زار زار رویا- (طبری جلد ۱۱ ص ۴۵۰)

ایک مرتبہ فضیل بن عیاضؒ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا' اے حسین چہرے والے تو اس امت کا ذمہ دار ہے' تجھی سے اس کی باز پرس ہو گی' یہ نصیحت سن کر ہارون زار و قطار رویا- منصور بن عمار کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں تین آدمی رقیق القلب تھے' خشیت الٰہی سے جن کی پلکوں پر آنسو رکھے رہتے تھے' فضیل بن عیاض زاہد' ابو عبدالرحمٰن زاہد اور ہارون رشید- (تاریخ خطیب جلد ۱۴ ص ۸)

ایک مرتبہ ابن سماک کے سامنے ہارون نے پینے کے لیے پانی مانگا' خادم نے حاضر کیا' ابن سماک نے ہارون سے پوچھا' اگر یہ پانی روک دیا جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے کتنی قیمت تک میں خریدو گے' اس نے کہا نصف سلطنت کے عوض' جب ہارون پانی پی چکا تو پھر پوچھا کہ اگر یہ پانی بدن سے خارج نہ ہو سکے تو اس کے نکالنے میں کتنا خرچ کرو گے؟ ہارون رشید نے کہا کل سلطنت' ابن سماک بولے جس سلطنت کی قیمت ایک چلو بھر پانی ہو اس کے لیے جھگڑنا نہ چاہیے یہ حکیمانہ نصیحت سن کر ہارون رو دیا-

(تاریخ طبری جلد ۱۱ ص ۱۹۳)

ہارون کے ان اوصاف کی وجہ سے فضیل بن عیاضؒ جیسا زاہد اس سے محبت کرتا تھا' چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ لوگ اس شخص کو ناپسند کرتے ہیں' لیکن مجھے یہ بہت محبوب ہے-

(تاریخ خطیب جلد ۱۴ ص ۱۲)

# محمد الامین بن ہارون

## ۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ مطابق ۸۰۹ء تا ۸۱۳ء

ہارون کے انتقال کے بعد اس کا ولی عہد محمد امین تخت نشین ہوا' یہ تاریخ اسلام کی نامور خاتون زبیدہ کے بطن سے تھا' زبیدہ ہاشمیہ تھی' اس لیے امین کی رگوں میں ماں باپ دونوں کی جانب سے خالص ہاشمی خون تھا' یہ خصوصیت اس کے علاوہ کسی عباسی خلیفہ کو حاصل نہ تھی۔

ہارون نے طوس میں وفات پائی تھی' جو عمائد اور ارکان سلطنت اس کے ساتھ تھے' ان سے فضل بن ربیع نے امین کی بیعت لی' اور اس کے اٹھارویں دن بغداد میں بیعت عام ہوئی' اور جمادی الاول ۱۹۳ھ میں امین تخت پر بیٹھا۔

**رافع بن لیث کی شورش اور اس کی اطاعت** رافع بن لیث نے ہارون کے زمانہ میں علم بغاوت بلند کیا تھا' اس کے انتقال کے بعد اس کی شورش اور بڑھ گئی اور اس نے بلخ' طخارستان' صغد اور ماوراء النہر کی غیر مسلم قوموں کو جو مسلمانوں کی دشمن تھیں ساتھ ملا کر قتل و غارت سے بڑی شورش اور بد امنی پھیلا دی اور بہت سے علاقوں میں آگ لگا دی' ہارون اپنی وفات سے پہلے ہرثمہ بن امین کو اس مہم پر مامور کر گیا تھا' اس کے انتقال کے بعد ہرثمہ نے بڑی خون ریز جنگ کے بعد رافع کو شکست دی اور اسے بے بس ہو کر ہرثمہ کے دامن میں پناہ لینی پڑی۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۵۲۸)

**امین و مامون میں اختلاف** ہارون نے ایک سلطنت کے دو فرمانروا بنا کر غلطی کی تھی' اس کے نتائج اس کی آنکھ بند ہوتے ہی نکلنے لگے' مامون خراسان کا مستقل فرمانروا تھا' صرف خطبہ کی حد تک اس کو بغداد کی مرکزی حکومت سے تعلق تھا' خراسان کی مہم میں ہارون کے ساتھ جو خزانہ' فوج اور خدم و حشم تھا' وہ سب مرنے سے پہلے مامون کو دے دیا گیا تھا' اس سے امین کے دل میں مامون کے ساتھ اور بنائے مخاصمت بڑھ گئی' لیکن باپ کی زندگی میں کچھ نہ کہہ سکا' اس کے مرض الموت کی خبر سن کر فضل بن ربیع اور ان ارکان

سلطنت کے پاس جو ہارون کے ہم رکاب تھے خفیہ کہلا بھیجا کہ امیر المومنین کے انتقال کے بعد کل خزانہ' فوج اور حذم و حشم اس کے پاس بغداد بھجوا دیا جائے۔

فضل بن ربیع مامون کو ناپسند کرتا تھا' اس کا بڑا سبب تو یہ تھا کہ امین میں کوئی صلاحیت نہ تھی' اس کے مقابلہ میں مامون مدبر اور دانش مند تھا' اس لیے فضل بن ربیع امین پر آسانی کے ساتھ حاوی ہو سکتا تھا اور مامون کے یہاں اس کا چراغ جلنا مشکل تھا' دوسرے برامکہ کی تباہی میں فضل بن ربیع کا بھی ہاتھ شامل تھا اور مامون پر اس خاندان کا بھی بڑا اثر تھا' اس لیے فضل کو اس کی جانب سے انتقام کا بھی خطرہ تھا' اس لیے وہ اندرونی طور سے مامون کے خلاف تھا امین کے حکم سے اسے اعلانیہ مخالفت کا موقع مل گیا اور وہ ہارون کی وصیت کے خلاف جملہ سامان لے کر امین کے پاس بغداد روانہ ہو گیا۔

(ابن اثیر جلد ۶ ص ۷۳)

مامون کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے ارکان سلطنت سے مشورہ کیا' انہوں نے رائے دی کہ ابھی وہ لوگ زیادہ دور نہیں گئے ہیں' اس لیے آپ خود جا کر انہیں واپس لے آیئے' لیکن تجربہ کار ذوالریاستین فضل بن سہل نے مخالفت کی اور کہا کہ اگر آپ گئے تو وہ لوگ آپ کو پکڑ کر امین کے پاس سوغات میں پیش کریں گے' پہلے آپ امراء کو خط لکھ کر انہیں عہد شکنی سے روکیے اگر وہ نہ رکیں گے تو پھر کوئی دوسری تدبیر کی جائے گی' چنانچہ مامون نے سہل بن سعد کو خط دے کر فضل بن ربیع کے پاس بھیجا' وہ ان کو نیشاپور میں ملا' اس نے کہا۔ میری حیثیت تو ایک معمولی سپاہی کی ہے' میرے اختیار میں کیا ہے"۔ ایک دوسرے شخص عبدالرحمن بن جبلہ انباری نے نیزہ تان کو کہا' اپنے آقا سے جا کر کہہ دو کہ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو یہ نیزہ اس کے جسم میں پیوست ہوتا' قاصد نے واپس آ کر یہ صورت حال بیان کی وہ سن کر بہت دل شکستہ ہوا ذوالریاستین نے تسلی دی کہ آپ گھبرایئے نہیں' خراسان میں آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا' میں آپ کو خلافت دلانے کا ذمہ دار ہوں' اس کی اس حوصلہ افزائی پر مامون نے اسے مختار کل بنا دیا۔ (ابن اثیر ص ۷۵)

ذوالریاستین بڑا مدبر اور عالی دماغ تھا' پہلے اس نے خراسانی امراء کو ملانے کی کوشش کی' لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو مامون نے ذوالریاستین کے مشورہ سے قیام حق' عمل بالحق اور احیائے سنت کی عام دعوت دی اور خود عدل و انصاف میں خاص اہتمام کرنے لگا'

اس تدبیر سے چند ہی دنوں میں سارا خراسان اس کا گرویدہ ہو گیا' اس کے علاوہ مامون نے چوتھائی خراج معاف کر دیا' اس کا اتنا اچھا اثر پڑا کہ سارا خراسان مامون کے ساتھ ہو گیا اور ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ مامون ہمارا بھانجا (مامون کی ماں عجمی تھی) اور ہمارے نبیؐ کا ابن عم ہے۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۷۴)

**امین کا نقض عہد** دوسری طرف فضل بن ربیع نے خراسان سے واپس آنے کے بعد امین اور مامون کے اختلاف کو پائیدار کرنے کے لیے امین کو آمادہ کیا کہ وہ مامون کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے موسیٰ کو ولی عہد بنا دے' مامون کے دوسرے مخالفین نے بھی اس کی تائید کی' لیکن امین کے حقیقی خیر خواہوں نے مخالفت کی' اور کہا نقض عہد کی مثال قائم ہو جانے کے بعد آپ کے ساتھ جو عہد و پیمان ہوں گے ان کے توڑنے میں بھی لوگوں کو تامل نہ ہو گا' اس لیے امین نے مامون کا نام خارج تو نہیں کیا' لیکن اس کے ساتھ عیسیٰ کا نام بھی خطبہ میں داخل کر دیا' مامون کو اطلاع ہوئی تو اس نے شاہی نشان سے امین کا نام خارج کر دیا' اور بغداد سے اپنا تعلق بالکل منقطع کر لیا' اس واقعہ کے چند دنوں کے بعد امین نے مامون کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ عیسیٰ کی ولی عہدی منظور کرے اور فوراً بغداد حاضر ہو' مامون نے دونوں باتوں کو مسترد کر دیا۔

یہ گویا ایک طرح سے اعلان جنگ تھا' اس لیے ذوالریاستین نے حفاظتی تدبیریں شروع کر دیں اور امین کے ایک درباری عباس بن موسیٰ کو خفیہ بلا کر امین کے دربار میں اپنا جاسوس مقرر کر دیا جو برابر وہاں کی خبریں خراسان بھیجتا رہا' مامون کا جواب ملنے کے بعد امین نے اس سے دوسرا مطالبہ یہ کیا کہ وہ خراسان کے بعض حصے بغداد کی حکومت سے منسلک کر دے اور اس کے نامہ نگار کو خراسان میں رہنے کی اجازت دے' لیکن مامون نے ان دونوں مطالبوں کو ماننے سے بھی انکار کر دیا' اور سرحدوں کی ناکہ بندی کر کے خبر رسانی اور جاسوسی کے دروازے بند کر دیئے۔ (ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۳۳'۲۳۴)

**مخالف حکمرانوں سے صلح** امین سے اختلاف کے ساتھ مامون کے لیے دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ خراسان کے سرحدی علاقہ کے کئی فرمانروا اس کے خلاف ہو گئے' چنانچہ تبت کا بادشاہ مخالف ہو گیا' جغبویہ کے فرمانروا نے علم بغاوت بلند کیا' ترکی حکمرانوں نے خراج دینا بند کر دیا۔ لیکن ذوالریاستین کی خوش تدبیری سے یہ گتھیاں آسانی کے ساتھ

سلجھ گئیں، مامون نے شاہ تبت اور جغبویہ کو آزاد حکمران تسلیم کر لیا، ترکی سلاطین کا خراج معاف کر دیا اور کابل سے صلح کر لی۔ شاہ تبت سے مصالحت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آئندہ کے لیے مامون کو تبت میں ایک جائے پناہ مل گئی، ان امور کی جانب سے اطمینان حاصل ہونے کے بعد مامون نے امین کو لکھ بھیجا کہ میں خراسانی سرحد کا محافظ ہوں، والد نے مجھ کو یہاں سے ہٹنے کی ممانعت کر دی تھی اس لیے حاضری سے معذور ہوں۔

(ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۳۱، ۲۳۲)

**معاہدوں کا چاک کرنا** اس جواب کے بعد امین نے اس کا نام ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے صغیر السن بچہ موسیٰ کو ولی عہد بنا دیا، اور تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری کر دیا کہ آئندہ سے خطبہ میں مامون کے بجائے موسیٰ کا نام لیا جائے اور ہارون کے تمام معاہدے جو اس نے خانہ کعبہ میں محفوظ کروا دیئے تھے، منگوا کر چاک کر ڈالے۔

(طبری جلد ۱۱ ص ۷۹۵)

**فوجوں کی روانگی** اور ۱۹۵ھ میں علی بن عیسیٰ بن ہامان کو ۵۰ ہزار فوج کے ساتھ مامون کے مقابلہ کے لیے خراسان بھیجا، امین کی ماں زبیدہ خاتون نے خود اس فوج کو روانہ کیا، اور فوج کے افسر اعلیٰ علی بن عیسیٰ کو ہدایت کر دی کہ مامون کی گرفتاری کے بعد اس کے ساتھ کوئی اہانت آمیز سلوک نہ کیا جائے، اس کا احترام ملحوظ رکھا جائے، اور ایک چاندی کی زنجیر دی کہ گرفتاری کے بعد اس سے باندھا جائے، لیکن تقدیر ان ہدایات پر ہنس رہی تھی غرض شعبان ۱۹۵ھ میں فوج بغداد سے اس شان سے روانہ ہوئی کہ اہل بغداد نے کبھی ایسا منظر نہ دیکھا تھا۔ (ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۳۳ و الفخری ص ۱۹۵)

**جنگ اور شکست** مامون کو بغداد کی تمام خبریں پہنچ رہی تھیں، اس لیے وہ مدافعت کے پورے انتظامات کر چکا تھا اور اس کی فوجیں مقابلہ کے لیے روانہ ہو چکی تھیں، چنانچہ آگے بڑھ کر علی بن عیسیٰ کو اطلاع ملی کہ طاہر بن حسین خراسانی فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے پہنچ چکا ہے، اس لیے علی بھی اسی سمت بڑھا، رے سے چند فرسخ کی مسافت پر دونوں کا سامنا ہوا، طاہر نے جنگ شروع ہونے سے پہلے فوج میں امین کی فسخ بیعت اور مامون کی بیعت کا اعلان کرا دیا۔ تاکہ علی بن عیسیٰ لوگوں کو امین کی بیعت کا فریب نہ دے سکے،

بغدادی فوج کی تعداد پچاس ہزار تھی' اس کے مقابلہ میں خراسانی ۴ ہزار سے بھی کم تھے' تاہم انہوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا' طاہر نے بغدادی فوج کا قلب توڑنے میں پورا زور صرف کر دیا اور اس کی فوج کے ایک سپاہی نے علی کو تیر کا نشانہ بنا دیا' علی کے قتل ہوتے ہی بغدادی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور خراسانیوں نے ان کی بڑی تعداد قتل کر ڈالی' طاہر نے مامون کو ان الفاظ میں فتح مندی کی بشارت دی۔ "امیرالمومنین کو مژدہ ہو کہ علی کا سر میرے سامنے ہے' اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے اور اس کی فوج میرے قبضہ اقتدار میں ہے"۔ ذوالریاستین نے یہ مژدہ مامون کو سنایا اور رعایا نے آ کر سلام خلافت پیش کیا' اس کے دو دن بعد علی بن عیسیٰ کا سر پہنچا' اس کی تشہیر کرائی گئی۔

(ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۳۳' ۲۳۴)

**دوسری فوج کی روانگی اور شکست** امین کو جس وقت فوج کی شکست اور علی کے قتل کی اطلاع پہنچی اس وقت وہ اپنے غلام کوثر کے ساتھ حوض پر مچھلیوں کا شکار کر رہا تھا' اس وقت بھی اس کے سر پر جوں تک نہ رینگی۔ جواب دیا ٹھہرو کوثر نے دو مچھلیاں شکار کر لیں اور مجھے ابھی تک ایک بھی نہیں ملی' اس سے فرصت ملنے کے بعد عبدالرحمٰن بن جبلہ انباری کو ہمدان کا والی بنایا اور بیس ہزار فوج کے ساتھ طاہر کے مقابلہ کے لیے بھیجا' اس نے ہمدان کا محاصرہ کر لیا' اس دوران میں طاہر بھی پہنچ گیا' ہمدان کے باہر دونوں کا مقابلہ ہوا' عبدالرحمٰن شکست کھا کر ہمدان میں داخل ہو گیا' اور دوبارہ پھر سنبھل کر نکلا' لیکن پھر شکست کھائی اور ہمدان میں قلعہ بند ہو گیا' طاہر نے ایسا سخت محاصرہ کیا کہ عبدالرحمٰن کے لیے طاہر کی پناہ میں آنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا' اور اس نے اپنے کو طاہر کے حوالہ کر دیا' قریب ہی قزوین میں امین کا دوسرا عامل کثیر بن قادرہ تھا' عقب سے اس کے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لیے عبدالرحمٰن سے فراغت کے بعد طاہر اس کی طرف بڑھا' کثیر قزوین چھوڑ کر بھاگ گیا اور ہمدان اور عراق عجم کا پورا علاقہ مامون کے زیر نگین ہو گیا۔

عبدالرحمٰن بن جبلہ طاہر کی امان میں آنے کے بعد کچھ دنوں تک اس کی نگرانی میں رہا' جب اس نے دیکھا کہ طاہر اس کی طرف سے غافل اور مطمئن ہو گیا تو ایک دن دفعتاً اپنے آدمیوں کو لے کر حملہ کر دیا اور لڑ کر مارا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۷۰' ۱۷۱)

**تیسری فوج کی روانگی اور واپسی** اس شکست کے بعد امین نے ۱۹۶ھ میں اسد بن یزید' احمد بن مزید اور عبداللہ بن قحطبہ کی سرکردگی میں ۲۰ ہزار فوج کی تیسری مہم بھیجی' بغدادی فوج خانقین میں خیمہ زن ہوئی' اس مرتبہ طاہر نے مقابلہ کرنے کے بجائے جاسوسوں کے ذریعہ بغدادی فوج میں یہ خبر مشہور کرادی کہ تم لوگ یہاں ہو اور وہاں بغداد میں فوجوں کی تنخواہیں تقسیم ہو رہی ہیں۔ یہ تدبیر نہایت کارگر ثابت ہوئی' بغدادی فوجوں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ جیسی آئی تھیں ویسی ہی واپس گئیں' ان کی واپسی کے بعد طاہر آگے بڑھ کر حلوان میں مقیم ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۸۵)

**عراق میں مامون کی بیعت** عراق میں اہواز سب سے اہم مورچہ تھا' بغدادی فوجوں کی واپسی کے بعد مامون نے طاہر کو اہواز کی جانب بڑھنے کا حکم دیا' اس نے حسین بن عمر درشمی کو آگے بھیج دیا اور خود اس کے عقب سے روانہ ہوا' جاسوسوں نے اطلاع دی کہ امین کی جانب سے محمد بن یزید اہواز کی حفاظت کے لیے آ رہا ہے۔ اس لیے طاہر نے محمد بن طالوت' محمد بن العلاء' عباس بن نجار اور قریش بن شبل کو حسین ابن عمرو کی مدد کے لیے بھیجا' اور قریش بن شبل کو حکم دیا کہ محمد بن یزید کے اہواز پہنچنے سے پہلے کسی طرح پہنچ جائے اور خود مزید امدادی فوجوں کی فراہمی کے لیے لوٹ گیا۔

قریش طاہر کی ہدایت کے مطابق محمد بن یزید سے پہلے اہواز پہنچ گیا' اس کے بعد بغدادی فوجیں پہنچیں' دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی محمد کی فوجیں پسپا ہو گئیں' لیکن اس نے خود لڑ کر جان دے دی اور اہواز اور اسی کے ساتھ یمامہ' بحرین اور عمان پر طاہر کا قبضہ ہو گیا' اہواز کے بعد واسط کا رخ کیا' یہاں کے حاکم سندھی بن یحیٰی اور ہثیم بن شعبہ اس کا رخ دیکھ کر بھاگ گئے اور واسط پر بھی قبضہ ہو گیا۔ طاہر کی ان کامیابیوں اور بغدادیوں کی ناکامی سے اہل عراق کے حوصلے پست ہو گئے اور طاہر نے ایک فوجی افسر کو بھیج کر کوفہ' بصرہ اور موصل کے حکام سے امین کی بیعت فسخ کرا کے مامون کی تحریری بیعت لے لی اور حارث بن ہشام اور داؤد بن موسیٰ کو قصر ابن ہبیرہ کی طرف بھیجا' امین کو اس کی اطلاع ہوئی' تو اس نے محمد بن سلیمان اور حماد بربری کو روکنے کے لیے روانہ کیا' حارث اور داؤد نے انہیں شکست دے کر قصر ابن ہبیرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

کوفہ ان کا مرکز تھا' اس لیے امین نے اسے واپس لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ

ہو سکا۔ قصر ابن ہبیرہ کے بعد مدائن کا نمبر تھا' یہ گویا بغداد کا دروازہ تھا' اس لیے یہاں امین کی جانب سے حفاظت کے بڑے مکمل انتظامات تھے اور بغداد سے فوجوں کا تار بندھا ہوا تھا۔ اس لیے طاہر نے مدائن کا رخ کیا' قریش بھی راستہ میں مل گیا' مدائن کے حاکم برمکی نے مقابلہ کی تیاریاں کیں' لیکن اس کی فوجوں میں ایسی ابتری پھیلی ہوئی تھی کہ وہ انہیں جنگ کے لیے آمادہ نہ کر سکا' اس لیے مقابلہ کا خیال چھوڑ دیا اور اس کی فوجیں بغداد لوٹ گئیں اس طرح مدائن پر بھی قبضہ ہو گیا۔ (ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۳۷)

اب بغداد بالکل سامنے تھا' طاہر نے بڑھ کر نہر صرصر پر جو بغداد سے چار فرسخ کی مسافت پر ہے مورچہ قائم کیا۔

## حرمین کی بیعت

خلافت کا فیصلہ ایک حد تک حرمین کی حکومت اور یہاں کے باشندوں کی بیعت پر تھا' یہ دونوں مقامات امین کے قبضہ میں تھے' لیکن امین کی بد عہدی خصوصاً ان معاہدوں کو جنہیں ہارون رشید خانہ کعبہ میں محفوظ کر گیا تھا' چاک کر دینے کا حرمین پر بہت برا اثر پڑا تھا' اور مکہ کے حاکم داؤد بن عیسیٰ نے کعبہ کے خدام' علمائے مکہ اور عمائد قریش کو جمع کر کے امین کی بد عہدی اور معاہدہ چاک کرنے کا حال سنا کر کہا "ایسے شخص کی بیعت فسخ کر کے مامون کی بیعت کر لینی چاہیے" سب نے اس سے اتفاق کیا اور داؤد نے مجمع عام میں تقریر کر کے فسخ بیعت کا اعلان کیا اور اہل مکہ نے مامون کی بیعت کر لی۔ مکہ کے بعد داؤد نے اپنے لڑکے سلیمان حاکم مدینہ کو لکھا' اس نے وہاں مامون کی بیعت لی۔ اور جب ۱۹۶ھ میں حرمین میں مامون کی خلافت تسلیم کر لی گئی' مامون داؤد بن عیسیٰ کی اس کارگزاری سے بہت خوش ہوا' اور اس کو انعام و اکرام سے نوازا۔

(ابن اثیر جلد ۶ ص ۸۹)

## امین کی ناکامی اور بغداد میں شورش

اوپر گذر چکا ہے کہ طاہر بغداد کے قریب نہر صرصر پر پہنچ چکا تھا' امین نے اس کو روکنے کے لیے فوجوں کا تار باندھ دیا' لیکن اس کی ساری کوششیں ناکام رہیں اور اس کی فوجوں کو شکست پر شکست اٹھانی پڑی' جب فوجی مقابلہ میں ناکامی ہوئی تو اس نے روپیہ کے زور سے مامون کو شکست دینے کی کوشش کی اور اس کی فوج کے ایک حصہ کو توڑ بھی لیا' لیکن طاہر نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور اس کے پاس جتنی فوج باقی رہ گئی تھی اس کو لے کر اس شجاعت سے مقابلہ کیا کہ بغدادی

فوجوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست کھا کر بغداد لوٹ گئیں' امین نے ان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے افسروں میں روپیہ تقسیم کیا' لیکن عام سپاہیوں کو نظر انداز کر دیا' طاہر کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ان کو توڑ کر خود ان کے افسروں سے لڑا دیا۔ امین کو اس کا علم ہوا تو اس نے اس کا تدارک کرنے کے بجائے ان کو سزا دینے کے لیے فوجیں بھیجیں' اس وقت طاہر نے ان سب کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ذی الحجہ ۱۹۶ھ میں باب الدینار سے آگے بڑھ کر بستان کی سمت خیمہ زن ہوا' اور اپنی فوج کے افسروں' ان کے لڑکوں اور خواص کے وظائف دو چند کر دیئے' باب الدینار بغداد کا ایک دروازہ تھا' اس لیے خراسانی فوجوں کی قربت سے شہر میں شورش پیدا ہو گئی' اوباشوں نے لوٹ مار شروع کر دی' قیدی قید خانہ توڑ کر نکل گئے اور بغداد میں عام بد امنی پیدا ہو گئی۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۸۹)

**بغداد کا محاصرہ** اور طاہر اور ہرثمہ بن اعین نے آغاز ۱۹۷ھ میں بغداد کا محاصرہ کر لیا' شہر میں پہلے سے شورش پیدا ہو چکی تھی' محاصرہ نے حالت اور زیادہ نازک کر دی' خزانہ بالکل خالی ہو گیا تھا' روپیہ کی قلت سے بغدادی فوجوں میں بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا' امین نے سکے ڈھالنے کے لیے تمام نقرئی و طلائی سامان گلا دیا۔

بغداد کی حالت دیکھ کر امین کے بعض امراء طاہر سے مل گئے' بغداد اتنا عظیم الشان شہر تھا کہ اس کے مختلف حصے بجائے خود مختلف شہر کی حیثیت رکھتے تھے' ان کی حفاظت کے لیے علیحدہ علیحدہ افسر مقرر تھے' ان میں سے جو افسر طاہر سے مل جاتا' اتنا حصہ اس کے قبضے میں آ جاتا تھا' طاہر نے یہ اعلان کروا دیا کہ بغدادی امراء بنی ہاشم اور افسران فوج میں سے جو اس کا ساتھ نہ دے گا' بغداد پر قبضہ کے بعد اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے گی' بغداد کی حالت چونکہ روز بروز نازک ہوتی جاتی تھی' اس لیے اس اعلان سے خوفزدہ ہو کر بہت سے امراء طاہر کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے دنوں میں امین کی فوج نے ہمت ہار دی اور شہر کے اوباشوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔

یہ بد امنی دیکھ کر بغداد کا شحنہ محمد بن عیسیٰ بھی طاہر سے مل گیا' اس کے ملنے کے بعد قیام امن کا یہ سہارا بھی جاتا رہا' شہر کے اوباشوں نے البتہ امین کی جانب سے خراسانی فوجوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی' لیکن عوام کا بے نظام انبوہ' باقاعدہ فوج کا کب تک مقابلہ کر سکتا تھا' امین کے ساتھ جو افسر باقی رہ گئے تھے طاہر نے ان کو لکھا کہ اگر وہ مامون

کی بیعت کر لیں تو ان کی جان بخشی کی جائے گی اس تحریر پر بہت سے امراء اور افسران فوج اس کے ساتھ ہو گئے' اور امین کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور بغداد میں اتنی بد امنی پھیل گئی کہ وہاں کے باشندے گھربار چھوڑ کر نکل گئے۔ قصر صالح میں اوباشوں نے خراسانی فوج کا مقابلہ کر کے بہت سے آدمی قتل کر ڈالے اس کے انتقام میں طاہر نے یہاں کی بہت سی عمارتیں مسمار کرا ڈالیں اور ناکہ بندی کر کے رسد روک دی اور جو کشتیاں بغداد میں غلہ پہنچاتی تھیں انہیں دجلہ سے فرات میں منتقل کر دیا' اس سے بغداد میں سخت قحط پڑ گیا' اس موقع پر بغداد کے اوباشوں نے بڑی بہادری سے خراسانی فوجوں کا مقابلہ کیا اور متعدد افسروں کو جو بغداد کے مختلف حصوں پر قابض ہو گئے تھے نکال دیا اور ان کی فوج کا بڑا حصہ برباد کر ڈالا۔

یہ صورت دیکھ کر طاہر دجلہ کو عبور کر کے آگے بڑھا اور بڑی مشکلوں سے ان کو شکست دے کر ہٹایا' لیکن بغداد کی حالت اتنی ابتر ہو گئی تھی کہ بہت سے امراء شہر چھوڑ کر طاہر سے مل گئے' امین کے حقیقی بھائی موتمن نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا' خزیمہ بن حازم اور محمد بن علی نے جو ہرثمہ کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے تھے' امین کی بیعت توڑ کر ہرثمہ کو عسکر مکرم (بغداد کا ایک حصہ) میں داخل کر دیا' ان کے مل جانے سے بغداد میں کوئی مزاحم باقی نہ رہ گیا اور طاہر دوسرے دن شہر میں داخل ہو گیا اور یہاں امن عامہ کی منادی کرا دی۔

بغداد میں شاہی قصور و محلات کا ایک وسیع سلسلہ تھا' جن میں سے ہر ایک محل مستقل قلعہ کی حیثیت رکھتا تھا' طاہر نے ان سب کا محاصرہ کر کے قلعہ شکن آلات نصب کرا دیئے۔ اس سلسلہ میں مدینتہ المنصور کا بھی جس میں امین فروکش تھا' محاصرہ ہوا ہو بہت سے امراء امین کا ساتھ چھوڑ چکے تھے' پھر بھی ان کی تھوڑی تعداد اس کے ساتھ تھی' مدینتہ المنصور کے محاصرہ کے بعد ان میں سے اکثر امراء اور افسران فوج سے لے کر لونڈی غلاموں تک نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کے ساتھ صرف چند مخصوص جان نثار باقی رہ گئے۔

اس وقت اس کے ہوا خواہ محمد بن حاتم اور محمد بن ابراہیم نے اسے صلاح دی کہ ہمارے پاس سات ہزار سپاہ موجود ہے ہم کو راتوں رات شام نکل جانا چاہیے' وہاں محفوظ

جائے پناہ مل جائے گی اور آپ اطمینان سے اپنے لیے کوشش کیجئے گا۔ امین نے اسے منظور کر لیا' طاہر کو اس کی خبر ہو گئی' اس نے امین کے بعض امراء کو جو اس سے مل گئے تھے مجبور کیا کہ جس طرح ممکن ہو اس کو اس ارادہ سے روکو' ان لوگوں نے جا کر امین کو ڈرایا کہ محمد بن ابراہیم اور محمد بن حاتم طاہر سے سرخروئی حاصل کرنے کے لیے دھوکا دے کر آپ کو اس کے حوالہ کر دینا چاہتے ہیں اس لیے آپ کہیں جانے کا قصد نہ کیجئے' آپ کی بھلائی اس میں ہے کہ ہرثمہ سے پناہ مانگ کر اپنے کو اس کے حوالہ کر دیجئے' ان لوگوں کے واپس جانے کے بعد ابن حاتم اور ابراہیم نے امین کو بہت سمجھایا کہ اگر پناہ ہی لینا ہے تو طاہر سے لیجئے۔ لیکن اس پر وہ آمادہ نہ ہوا' اور ہرثمہ سے پناہ کی درخواست کی' اگرچہ ہرثمہ مامونی افسر تھا' لیکن ہارون کا نمک خوار تھا اور عرب تھا' اس لیے وہ امین کے ساتھ بھی کوئی ناروا سلوک پسند نہ کرتا تھا' چنانچہ اس نے امین کو اپنی پناہ میں لے لیا اور وعدہ کیا کہ میں آپ کی حفاظت میں اپنی جان فدا کروں گا۔

طاہر کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بہت گھبرایا کہ اگر امین ہرثمہ کی پناہ میں چلا گیا تو اس مہم کی کامیابی کا سہرا اسی کے سر ہو جائے گا' اس لیے اس نے امین کے محل کے گرد خفیہ پہرا لگا دیا کہ وہ جیسے ہی نکلے اس کا کام تمام کر دیا جائے امین کو اس کی خبر ہو گئی اس نے جب دیکھا کہ پناہ مانگنے کے بعد بھی اس کی جان بخشی ہوتی نظر نہیں آتی تو اس نے نکل جانا چاہا اور ہرثمہ کو اس کی خبر کر دی اس نے سمجھایا کہ تھوڑی توقف کیجئے میں آپ کی حفاظت کا سامان کر لوں تو چلے جائیے گا' مگر امین پر کچھ ایسا خوف و ہراس طاری تھا کہ وہ ٹھہرنے پر آمادہ نہ ہوا' ہرثمہ نے مجبور ہو کر کشتیاں تیار کرا دیں' امین نے اپنے لڑکوں کو بلایا اور آخری مرتبہ ان سے رو رو کر جدا ہوا۔

**امین کی گرفتاری اور قتل** محل سے نکل کر کشتیوں پر بیٹھا' ہرثمہ نے اس کے ہاتھوں اور سر کو بوسہ دیا۔ طاہر کے آدمی پہلے سے چھپے ہوئے تھے' جیسے ہی کشتیاں چلیں' انہوں نے دفعتاً" حملہ کر کے ڈبو دیا' امین کو کسی نہ کسی طرح ملاح نے نکال لیا اور وہ پکڑ کر قید کر دیا گیا رات کو طاہر کے آدمیوں نے قید خانہ میں گھس کر قتل کر دیا' اور اس کا سر قلم کر کے طاہر کے حضور میں پیش کیا' اس نے ان لوگوں کی عبرت کے لیے پہلے اسے نصب کرایا' پھر مع عصا و خاتم اور ردائے خلافت کے مامون کے پاس بھجوا دیا' اور محرم ۱۹۸ھ

میں بغداد پر مامون کا مکمل قبضہ ہو گیا اور جمعہ کے دن جامع بغداد میں بحیثیت خلیفہ اس کے نام کا پہلا خطبہ پڑھا گیا۔ (یہ تمام حالات ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۳۸ تا ۲۴۱ سے "ملخصاً" ماخوذ ہیں)

**عام حالات** امین نہایت خوش رو، کشیدہ قامت اور شجاع و بہادر تھا۔ علمی استعداد بھی خاصی تھی، فصاحت و بلاغت اور ادب و انشاء میں مہارت رکھتا تھا، لیکن تدبیر و سیاست سے خالی اور عیش پرستی کا دلدادہ تھا، چنانچہ حکومت ملنے کے بعد لہو و لعب، سیر و تماشا، عیش و عشرت میں ایسا ڈوبا کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی، خواجہ سراؤں کو بڑی بڑی قیمتوں پر خرید کر ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں، ان کا اپنا محرم راز اور امور سلطنت میں مشیر کار بنایا، تمام ممالک محروسہ سے مسخروں کو جمع کر کے ان کے بڑے بڑے مشاہرے مقرر کیے، ہر قسم کے افسران فوج کو دربار سے الگ کر دیا، ان کی تحقیر و تذلیل کی بیت المال کا کل نقد و جنس خواجہ سراؤں اور اپنے ہم نشینوں میں تقسیم کر دیا، عیش پرستی اور تفریحی مشاغل کے لیے طرح طرح کی نزہت گاہیں بنوائیں، دجلہ کی سیر کے لیے شیر، ہاتھی، عقاب، سانپ اور گھوڑوں کی شکل کے قیمتی بجرے بنوائے جن پر بیٹھ کر دجلہ کی سیر کا لطف اٹھاتا تھا۔ (طبری جلد ۱ ص ۹۵۲، ۹۵۳) شبانہ روز حسین عورتوں اور مسخروں کے ساتھ انہی رنگ رلیوں میں مصروف رہتا تھا، فضل بن ربیع اس کے پردہ میں حکومت کرتا تھا اور وہ شراب و کباب اور رنگ رلیوں میں ڈوبا رہتا تھا، یہی غفلت اور لاپرواہی اس کی تباہی کا سبب بنی، اس کی غفلت کے علاوہ اس کے خود غرض وزیر فضل بن ربیع کے ناعاقبت اندیشانہ مشوروں نے اس کو اور زیادہ تباہ کیا۔

فضل بن ربیع معمولی حالت سے ترقی کر کے وزارت کے درجہ تک پہنچا تھا، منصور کے زمانہ میں حاجب تھا، ہارون کے زمانہ میں برامکہ کے قتل کے بعد وزیر ہوا، اور آخر تک اس عہدہ پر رہا۔ ہارون کی وفات کے بعد امین کا وزیر ہوا، گو یہ سلاطین کے آداب اور ان کے حالات کا واقف کار اور بڑا علم دوست تھا، وزارت ملنے کے بعد اس نے علماء و فضلاء کی مجلس قائم کر دی تھی، مشہور شاعر ابو نواس اس کا درباری شاعر تھا، لیکن ان خوبیوں کے ساتھ حد درجہ حاسد اور کینہ پرور تھا برامکہ کے عروج پر حسد کر کے ہارون کو ان کے خلاف ورغلایا، برامکہ کے زوال کے اسباب میں ایک سبب اس کی کینہ پروری بھی تھی۔ پھر مامون سے نمک حرامی کر کے امین سے مل گیا۔ اور دونوں بھائیوں کو لڑا کر حکومت بغداد کو کمزور

کیا' پھر امین کی شکست کے بعد رو پوش ہو گیا' اور طاہر بن حسین کی سفارش پر مامون نے اس کی خطاؤں سے در گذر کیا' اس نے ۲۰۸ھ میں وفات پائی۔

(ابن خلکان جلد ا ص ۴۱۲ و الفخری ص ۹۴' ۹۷)

# عبداللہ بن ہارون الملقب بہ مامون

## ۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ مطابق ۸۱۳ء تا ۸۳۳ء

## امین کے قتل کے بعد محرم ۱۹۸ھ میں بغداد میں مامون کی بیعت ہوئی

**طاہر کے خلاف فوج کی بغاوت** طاہر کے پاس دولت اور خزانہ نہ تھا' اس نے محض حسن تدبیر اور فوجوں کو آئندہ کے لیے سبز باغ دکھا کر امین کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی تھی' چنانچہ مامون کی بیعت کے بعد جب فوج نے طاہر سے روپیہ کا مطالبہ کیا تو وہ اس کو پورا نہ کر سکا اس لیے وہ باغی ہو گئی' ابھی بغداد میں طاہر کے قدم پورے طور پر نہ جمے تھے' اس لیے اس کو عقرقوب بھاگ جانا پڑا' جو افسران فوج اس کے ساتھ رہ گئے تھے' انہوں نے باغیوں سے مقابلہ کا ارادہ کیا' لیکن پھر خود باغی فوج کے سرداروں اور بغداد کے عمائد نے طاہر سے معذرت کرلی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

**نصر بن شبث عقیلی کی بغاوت** امین خالص ہاشمی تھا اور مامون میں ننھیال کی جانب سے عجمی خون کی بھی آمیزش تھی' اس لیے امین کے مقابلہ میں اہل عجم نے اس کی بڑی مدد کی تھی' اور انہی کی مدد سے وہ کامیاب ہوا تھا' اس لیے امین کے قتل کے بعد عربی اور عجمی سوال پیدا ہو گیا اور ایک عرب سردار شبث عقیلی نواح حلب میں مامون کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا' بہت سے اعراب اس کے ساتھ ہو گئے' اس نے آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور دریائے فرات کو عبور کر کے مشرقی علاقے کی طرف بڑھا' مامون نے طاہر کو موصل' جزیرہ اور شام کا والی بنا کر نصر بن شبث کے مقابلہ پر مامور کیا' اس نے پہلے خط و کتابت کے ذریعہ اس کو مطیع بنانے کی کوشش کی جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو کیسوم کے قریب اس کا مقابلہ کیا' اس میں بھی ناکام رہا۔ اور ابن شبث مسلسل گیارہ سال تک باغی رہا۔ ۲۰۹ھ میں طاہر کے لڑکے عبداللہ نے بڑی مشکلوں سے اس کو قابو میں کیا' اور کیسوم کا

قلعہ مسمار کرا دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۰، ۱۰۱) اس کی مزید تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

**محمد بن ابراہیم کا خروج** ۱۹۹ھ میں خاندان اہل بیت کے ایک بزرگ محمد بن ابراہیم المعروف بہ ابن طباطبا علوی نے عراق میں خلافت کا دعویٰ کیا اور ان کی قوت اتنی بڑھی کہ کچھ دنوں کے لیے اسلامی سلطنت کے بڑے حصہ سے مامون کی حکومت اٹھ گئی' ان کے خروج کے متعلق مختلف روایات ہیں۔

صحیح تر روایت یہ ہے کہ ایک جرائم پیشہ آدمی ابوالسرایا اپنا جتھا بنا کر ڈاکہ زنی کرتا تھا امین و مامون کی جنگ میں وہ مامون کی فوج میں شامل ہو گیا۔

امین کے قتل کے بعد فوجی اخراجات کی تخفیف کے سلسلہ میں ابوالسرایا کی تنخواہ کم کر دی گئی' اس وقت وہ حکومت کے خلاف ہو گیا اور حج کے بہانہ سے رخصت لے کر الگ ہو گیا۔ اور جتھا بنا کر حکومت کے عمال پر چھاپا مارنے لگا' لیکن اس طریقہ سے جب اس کو کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی تو اس نے محمد بن طباطبا کی بیعت کر لی۔

(ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۳ ملخصاً")

یعقوبی کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے' وہ لکھتا ہے کہ جب مامون نے حسن بن سہل کو عراق وغیرہ کا عامل بنایا' تو سری بن منصور شیبانی المعروف بابی السرایا نے کوفہ میں بغاوت کی اور محمد بن ابراہیم علوی المعروف بہ ابن طباطبا اس کے ساتھ تھے۔

(یعقوبی جلد ۲ ص ۵۴۰)

**محمد بن ابراہیم کی موت اور محمد بن محمد کی بیعت** کوفہ ہمیشہ سے شیعان علی کا مرکز تھا اس لیے ابن طباطبا کی دعوت بہت جلد مقبول ہو گئی اور کوفہ اور نواح کوفہ کے ہزاروں آدمی ان کے ساتھ ہو گئے۔ ان کی مدد سے ابو سرایا نے کوفہ پر قبضہ کر لیا' کوفہ کے عامل سلیمان بن منصور نے زہیر بن مسیب ضبی کو دس ہزار فوج کے ساتھ ابن طباطبا کے مقابلہ کے لیے بھیجا' لیکن ان کی قوت بہت بڑھ چکی تھی' اس لیے زہیر کو شکست فاش ہوئی اور شکست خوردہ فوج کا سازو سامان ابوالسرایا نے بطور مال غنیمت اپنے قبضہ میں کرنا چاہا' ابن طباطبا نے اس کو روک دیا۔ عوام کی عقیدت محمد بن ابراہیم کے ساتھ تھی' ان کے مقابلہ میں ابوالسرایا نے جب دیکھا کہ ان کی موجودگی میں اس کا ذاتی اثر قائم نہیں ہو سکتا تو اس نے محمد بن ابراہیم کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ لیکن بغیر کسی سہارے کے وہ خود

کچھ بھی نہ تھا' اس لیے نام کے لیے اس نے اس خاندان کے ایک نو عمر لڑکے محمد بن محمد بن زید بن علی بن حسین کو محمد ابراہیم کا جانشین بنایا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۳)

**عباسی عمال کا اخراج اور ابو السرایا کا قبضہ** زہیر کی ناکامی کے بعد حسن بن سہل نے عبدوس بن محمد کو ابو السرایا کے مقابلہ پر مامور کیا' اس نے بڑی فاش شکست کھائی اور اس کی فوج کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا اور ابو السرایا نے کوفہ میں اپنا سکہ رائج کر دیا' اور عراق' عرب میں اپنے والی مقرر کیے۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۳) یعقوبی کا بیان ہے کہ اس علاقہ جبل' کیسوم' دیار مضر' قنسرین' حلب' حماۃ' بصرہ' واسط' یمن حجاز' نصیبین' موصل' میا فارقین' آرمینیہ' آذربیجان وغیرہ تمام مقاموں میں عمال مقرر کر کے بھیجے' جنہوں نے چند دنوں میں اکثر مقامات سے عباسی عمال کو نکال کر ان پر قبضہ کر لیا۔

(یعقوبی جلد ۲ ص ۵۴۰' ۵۴۱)

یہ صورت دیکھ کر حسن بن سہل نے مشہور مامونی جنرل ہرثمہ بن اعین کو ابو السرایا کے مقابلہ پر مامور کیا اور علی بن سعید کو واسط اور مدائن بھیجا' ابو السرایا نے فوراً مدائن کی حفاظت کا انتظام کیا۔ اور اس کی فوجیں علی بن سعید سے پہلے یہاں پہنچ گئیں' لیکن علی نے اسے یہاں سے نکال دیا۔ دوسری طرف قصر ابن ہبیرہ میں ابو السرایا اور ہرثمہ کا مقابلہ ہوا' ابو السرایا کے کچھ آدمی مارے گئے اور وہ ہٹ کر کوفہ چلا گیا' اور یہاں کے عباسیوں اور ان کے متعلقین کی جائیدادیں تباہ کر کے انہیں کوفہ سے نکال دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۴)

**مکہ پر حسین الافطس کا قبضہ** اس دوران میں حج کا موسم آ گیا۔ ابو السرایا نے اپنی جانب سے حسن الافطس کو امیر الحج بنا کر مکہ بھیجا' عباسی حکومت کی جانب سے داؤد بن عیسیٰ امیر الحج تھا۔ امیر مسرور نے اس سے کہا کہ تم تیار ہو جاؤ' میں حسین الافطس کو یہاں سے نکال دوں گا' لیکن انہوں نے حرم میں کشت و خون پسند نہ کیا اور مکہ چھوڑ کر نکل گئے' ان کے ہٹنے کے بعد حسین الافطس جو سرف میں مقیم تھے مکہ میں داخل ہو گئے۔

(ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۵)

**ابو السرایا کا قتل** ابو السرایا کے کوفہ میں داخل ہونے کے بعد ہرثمہ نے کوفہ کا محاصرہ کر لیا' ابو السرایا محاصرہ کی سختیوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور چند ہی دنوں میں یہاں سے خفیہ نکل

گیا اور ہرثمہ کوفہ میں داخل ہو گیا' کوفہ سے نکلنے کے بعد ابوالسرایا نے راستہ میں اہواز کا سرکاری مال لوٹ لیا' اور یہاں کے عباسی حاکم حسین بن علی سے لڑ گیا' اس نے شکست دے کر اس کی جماعت منتشر کر دی اور وہ راس عین کی سمت نکل گیا' نو عمر امام محمد اس کے ساتھ تھے' جلولاء میں حماد الکند غوش نے ابوالسرایا کو پکڑ کے حسن بن سہل کے پاس بھیج دیا' اس نے قتل کر کے اس کا سر مامون کے ملاحظہ کے لیے دارالخلافہ بھیج دیا' اور جسم باغیوں کی عبرت کے لیے بغداد پل پر آویزاں کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۹)

ابوالسرایا کے قتل کے بعد اس کی جماعت کا شیرازہ بکھر گیا' علی بن سعید نے اس کے بصری والی موسیٰ بن جعفر صادق سے بصرہ خالی کرا لیا' اور حجاز پر قبضہ کے لیے فوجیں روانہ کیں۔

**محمد بن جعفر صادق کی بیعت** مکہ پر حسین الافطس کے قبضہ کے بعد ان کے آدمیوں نے حرم کی بڑی بے حرمتی کی' مکہ کے تمام عباسیوں کا مال و متاع لوٹ لیا' اس سلسلہ میں اور بہت سے بے گناہوں کا مال ضبط ہوا' حرم کے ستونوں سے سونے کے پتر چھڑا لیے اور خانہ کعبہ کا کل قیمتی سامان لے کر اپنے آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ حرم کی اس توہین پر اہل مکہ میں بڑی برہمی پھیل گئی' لیکن ابوالسرایا کی موجودگی میں وہ بے بسی کی وجہ سے خاموش رہے تھے' اس کے قتل کے بعد جب حسین الافطس کا بازو ٹوٹ گیا' اور ان کو اہل حرم کی جانب سے انتقام کا خطرہ پیدا ہوا تو اہل بیت نبویؐ کے ایک مقدس بزرگ حضرت محمد بن جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس وقت آپ سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا اہل نہیں ہے' اس لیے اس منصب کو قبول فرمائیے' کسی کو اس سے اختلاف نہ ہو گا' محمد ابن جعفر ایک گوشہ نشین آدمی تھے' انہوں نے انکار کر دیا' مگر حسین الافطس نے ان کے صاحبزادے علی بن محمد کو درمیان میں ڈال کر آمادہ کر لیا' اور اہل مکہ سے طوعاً" کرہاً" ان کی بیعت لے کر ان کو امیرالمومنین کا لقب دیا' اور ان کے نام کو آڑ بنا کر ان کے لڑکوں علی اور حسین نے اس تحریک کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

**اہل مکہ کی برہمی اور حسین الافطس کی شکست** محمد بن جعفر کو خلیفہ بنانے کے بعد حسین الافطس نے اور کھل کھیل اور حرم محترم کے اندر فسق و فجور کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا' دن دہاڑے عورتوں اور مردوں کو پکڑ لے جاتے تھے' بالآخر حرم کے باشندوں

نے ان کی بدکاری سے عاجز آکر محمد بن جعفر سے فریاد کی کہ آپ اس کو روکیے' ورنہ ہم آپ کی بیعت فسخ کر کے آپ کو قتل کر دیں گے' وہ ان باتوں سے بالکل بے خبر تھے اس لیے لاعلمی ظاہر کی' اور اس کے تدارک کی مہلت مانگی اور اپنے لڑکے کو اس سے روکنے کی کوشش کی۔

اس دوران میں اسحاق بن موسیٰ عباسی فوجیں لے کر پہنچ گیا' علویوں نے مقابلہ کیا' لیکن اسحاق نے حرم کی بے حرمتی کے خیال سے لڑنا مناسب نہ سمجھا اور معمولی جنگ کے بعد لوٹ گیا۔ راستہ میں دو اور افسر' جلودی اور رجا' جنہیں ہرثمہ نے فوجیں دے کر بھیجا تھا' اسے ملے یہ دونوں اسے مکہ واپس لے گئے اور سب نے مل کر حسین الافطس کو بڑی فاش شکست دی' محمد بن جعفر کو ناکردہ گناہ عباسی فوج کے دامن میں پناہ لینی پڑی۔

جمادی الثانی ۲۰۰ھ میں مکہ پر عباسیوں کا قبضہ ہو گیا اور محمد بن جعفر جحفہ چلے گئے راستہ میں ان کو چند عباسی موالی نے لوٹ لیا' اس لیے وہ آدمی جمع کر کے مدینہ کے والی ہارون ابن مسیب کے مقابلہ میں آگئے' لیکن شکست کھائی' ان کے بہت سے آدمی مارے گئے خود ان کی ایک آنکھ ضائع ہوئی اور رجاء اور جلودی کی پناہ میں جا کر آخری ذوالحجہ ۲۰۰ھ میں اہل مکہ کے سامنے اپنی برات ظاہر کی کہ مجھے مامون کی موت کی غلط اطلاع ملی تھی' اس لیے لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی' لیکن اب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے اس لیے مجھے ندامت ہے اور میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں' یہ تقریر کر کے وہ عراق چلے گئے' اور حجاز و عراق میں امن قائم ہو گیا۔

(یہ واقعات طبری سے ملخصاً ماخوذ ہیں' ص ۹۸۸ تا ۹۹۴)

یمن کے علوی عامل ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر تھے' جس زمانہ میں یمن ان کے متعلق کیا گیا تھا اس زمانہ میں یہاں کا عباسی عامل اسحاق بن موسیٰ مکہ کی مہم میں مصروف تھا' اس لیے انہیں یمن کے داخلہ میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی اور یمن کے قبضہ کے بعد انہوں نے ایک عقیلی کو یمن کے قافلہ کا امیرالحج بنا کر مکہ بھیجا' مگر یہاں معتصم مع افسران فوج کے موجود تھا' اس لیے مکہ کے باہر ہی بستان ابن عامر میں ٹھہرنا پڑا' اسی درمیان میں غلاف کعبہ اور عطریات حرم کا قافلہ ادھر سے گزرا' اس قافلہ کے ساتھ تجار بھی تھے۔ عقیلی نے ان کا کل ساز و سامان اور غلاف کعبہ و عطریات حرم سب لوٹ لیے' معتصم نے

جلودی کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا اس نے کل سامان اس سے چھینا اور کوڑوں سے پیٹ کر ان سب کو بھگا دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۷)

**ہرثمہ بن اعین کا قتل** اسی ۲۰۰ھ میں ہرثمہ بن اعین جس کے کارنامے اوپر گذر چکے ہیں۔ عربی اور عجمی رقابت کا شکار ہوا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح سفاح اور منصور کے زمانہ میں ابو مسلم خراسانی اور رشید کے زمانہ میں برامکہ حکومت پر قابض ہو گئے تھے' اسی طرح مامون کے زمانہ میں وزیر اعظم فضل بن سہل الملقب بہ ذوالریاستین اور اس کے بھائی حسن بن سہل کی کارگذاریوں کی وجہ سے ان کا اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ حکومت کا کل سیاہ و سپید ان کے ہاتھ میں ہو گیا تھا' اور وہ ملک کی خبریں تک مامون کے کانوں تک نہ پہنچنے دیتے تھے' یہ دونوں عجمی تھے اور ہرثمہ عرب تھا' اسے ان کا اقتدار پسند نہ تھا' اس نے مامون کو اس خطرہ سے آگاہ کرنا چاہا' چنانچہ ابو السرایا کا فتنہ دبانے کے بعد اس نے مامون کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کیا' راستہ میں اس کو مامون کا یہ حکم ملا کہ "اس کی خدمت کے صلہ میں حجاز و شام میں سے جس کو وہ پسند کرے وہاں کا اس کو حاکم بنا دیا گیا' اور وہ حکم ملتے ہی فوراً روانہ ہو جائے' لیکن ہرثمہ فضل کے استبداد کی جانب اسے متوجہ کرنا ضروری سمجھتا تھا' اس لیے اس نے اس حکم کی فوری تعمیل نہ کی' فضل بن سہل کو ہرثمہ کے خیالات اور اس کے اندرونی ارادے کا پورا اندازہ تھا' اس لیے اس نے مامون کو بھڑکا دیا کہ ہرثمہ ابو السرایا کا خاص آدمی ہے' اور اس کی بغاوت میں اس کا ہاتھ بھی شامل تھا' اگر وہ نہ چاہتا تو یہ ہنگامہ نہ ہوتا' اس کی سرکشی کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ وہ امیر المومنین کے حکم کے باوجود واپس نہیں گیا' اگر اس وقت درگذر سے کام لیا گیا تو دوسروں پر اس کا برا اثر پڑے گا۔

مامون پر فضل کا بڑا اثر تھا' اس لیے وہ اس کے بھڑکانے میں آ گیا' ہرثمہ نے قریب پہنچ کر اس خیال سے کہ ذوالریاستین اس کی آمد کو مامون سے چھپا نہ سکے' طبل و دمامہ بجواتا ہوا داخل ہوا' مامون نے آواز سنی تو پوچھا یہ کیا ہے' فضل کے آدمیوں نے کہا ہرثمہ کڑکتا اور چمکتا ہوا آ رہا ہے مامون پہلے ہی سے اس سے برگشتہ ہو چکا تھا' اس واقعہ نے اس کو اور برہم کر دیا۔

چنانچہ ہرثمہ مامون کی خدمت میں جب باریاب ہوا تو اس نے اس سے کہا' تم نے

کوفہ میں علویوں کو بڑھنے کا موقع دیا اور ابوالسرایا کو بھڑکایا اگر تم چاہتے تو ان سب کو پکڑ سکتے تھے' ہرثمہ نے ہرچند معذرت کی' لیکن مامون نے شنوائی نہ کی اور اس کو پٹوا کر قید کر دیا اور قید ہی میں قتل کر دیا گیا اور مامون ایک بڑے اور خیر خواہ عرب سردار سے محروم ہو گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۷)

**فوج کی بغاوت** ہرثمہ کی فوج میں جو عرب تھے وہ بھی قدرتاً" ذوالریاستین اور اس کے بھائی حسن کے خلاف تھے' ہرثمہ جس زمانہ میں خراسان کی مہم میں مصروف تھا' اس زمانہ میں اس کی فوج نے حسن بن سہل اور اس کے تمام افسروں کو بغداد سے نکلوا دیا تھا' اور حسن کو مدائن بھیج دیا تھا' ہرثمہ کے قتل پر حسن بن سہل کو فوج کے بدلہ لینے کا موقعہ مل گیا' چنانچہ اس نے امیر علی بن ہشام کے پاس کہلا کر فوج کی تنخواہ رکوا دی' اس پر وہ بگڑ گئی اور ایک عرب سردار محمد بن ابی خالد جو علی بن ہشام کے خلاف تھا فوج کا رہنما بن گیا' بنی ہاشم اور بغداد کے عربوں نے بھی اس کا ساتھ دیا' اور محمد بن ابی نے علی بن ہشام کو بغداد سے نکال دیا' اسے نکالنے کے بعد ۲۰۱ھ میں منصور بن مہدی کو خلیفہ بنانا چاہا' اس نے انکار کیا' اس کے انکار پر اس کو مامون کا نائب بنا دیا' حسن بن سہل اس وقت مدائن میں تھا' اسے یہ حالات معلوم ہوئے تو مدائن سے واسط چلا گیا' محمد بن ابی خالد نے اس کا تعاقب کیا اور راستہ میں اس کی فوجوں کو شکست دیتا ہوا واسط پہنچا' یہاں حسن کی فوجوں سے بڑا زبردست مقابلہ ہوا' ابن ابی خالد بڑا سخت زخمی ہوا' اس کی فوج پسپا ہو گئی' لیکن اس حالت میں بھی وہ برابر لڑتا رہا' تا آنکہ حسن کی فوجوں کو شکست دے کر اس کا مکمل سامان چھین لیا' یہ صورت دیکھ کر حسن خود مقابلہ پر آیا' دونوں میں بڑی پر زور جنگ ہوئی لیکن محمد زخمی ہو چکا تھا' تازہ دم فوجوں کا مقابلہ دشوار تھا' اس لیے بغداد لوٹ گیا' یہاں پہنچ کر زخموں کے صدمہ سے مر گیا۔

اس کے بعد اس کے لڑکے ابو زنبیل نے اس کی جگہ لی' اسے حسن بن سہل نے مغلوب کر لیا اور وہ شکست کھا کر اپنے بھائی ہارون کے پاس نیل چلا گیا' حسن کی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ہارون کو شکست دی اور وہ مدائن چلا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۶)

اس بغاوت میں وہ تمام بنی ہاشم اور عرب افسران فوج جو حسن بن سہل کے خلاف تھے۔ محمد بن ابی خالد کے ساتھ تھے' اس کی موت کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم مجوسی بن

مجوسی حسن بن سہل کی حکومت برداشت نہیں کریں گے اور مامون کی بیعت فسخ کر کے منصور بن مہدی کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی' اس نے انکار کیا' البتہ اس شرط پر اس کی نیابت قبول کر لی کہ اگر مامون خود آ جائے (مامون اب تک خراسان میں تھا) یا کسی کو اپنی جانب سے حاکم بنا کر بھیج دے تو وہ ہٹ جائے گا۔

**بغداد میں شورش اور اس کا تدارک** اس بغاوت کی وجہ سے بغداد میں سخت بدامنی پھیل گئی' یہاں کے اوباشوں اور لٹیروں نے دن دہاڑے ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ رہ گئی' عورتوں کو علانیہ چھین لے جاتے تھے اور کوئی باز پرس کرنے والا نہ تھا۔ یہ صورت دیکھ کر ایک شخص خالد بن درویش نے اہل بغداد کو ساتھ لے کر لٹیروں کا مقابلہ کیا' اور ایک خراسانی سہل بن سلامہ انصاری نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کے ذریعہ اس بدامنی کو روکنے کی کوشش کی اور بڑی مشکلوں سے یہ شورش رفع ہوئی۔ (ابو الفداء جلد ۲ ص ۲۲)

بغداد کے اکثر اوباش منصور بن مہدی اور عیسیٰ بن ابی خالد کے جتھے کے تھے اس لیے قیام امن کے بعد ان دونوں کی قوت کمزور ہو گئی' عیسیٰ بن محمد عرصہ سے حسن بن سہل سے خفیہ امان کی درخواست کر رہا تھا' حسن بھی اس فتنہ و فساد سے گھبرا گیا تھا' اس لیے چند شرائط پر دونوں میں صلح ہو گئی اور حسن نے عفو عام کا اعلان کر دیا اور شوال ۲۰۱ھ میں باغی فوجیں منتشر ہو گئیں اور اہل بغداد کو سکون حاصل ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۱۰)

**علی بن موسیٰ رضا کی ولی عہدی** ابھی یہ شورش فرو ہوئی تھی کہ اس سے بھی بڑا انقلاب برپا ہو گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مامون اپنے اسلاف کے برعکس اہل بیت نبویؐ سے محبت رکھتا تھا اور حضرت علی بن موسیٰ رضا سے اس کو اتنی محبت تھی کہ ۲۰۱ھ میں اس نے ان کو ولی عہد بنا کر تمام ممالک محروسہ میں اس کا اعلان کر دیا اور عام حکم جاری کر دیا کہ فوج میں عباسی حکومت کے سیاہ رنگ کے بجائے آئندہ سے سبز فاطمی رنگ کی وردیاں استعمال کی جائیں اور فوج اور بنی ہاشم سے علی بن موسیٰ رضا کی بیعت لی جائے۔

اس حکم پر کچھ وابستگان دولت تو راضی ہو گئے لیکن اکثروں نے اسے بھی حسن بن سہل کا جو محبان اہل بیت میں تھا شعبدہ سمجھا۔ بنی عباس میں اس سے بڑی برہمی پیدا ہو گئی اور انہوں نے مامون کی بیعت توڑ کر اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا۔

مہدی عباسی کے لڑکوں منصور اور ابراہیم نے خاص طور سے اس کی مخالفت کی' اور جب بغداد میں علی رضا کی بیعت لی جانے لگی' تو عباسیوں نے اعلان کیا کہ وہ مامون کی بیعت فسخ کر کے ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر چکے ہیں اور ایک شخص کو سکھا دیا کہ جب موذن جمعہ کی اذان دے تو وہ کہے کہ ہم لوگ خطبہ میں مامون کے بعد ابراہیم کا نام چاہتے ہیں اور بعضوں کو ہدایت کی کہ وہ صاف کہہ دیں کہ ہم مامون کو مطلق نہیں چاہتے' اس کی بجائے ابراہیم کی بیعت کی جائے اور ان کے بعد ان کا بھتیجا اسحاق نامزد کیا جائے غرض جمعہ کے دن عباسیوں نے مامون سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیا۔

(تفصیل کے لیے طبری جلد ۱۱ ص ۱۰۱۲ تا ۱۰۱۴)

**ابراہیم کی بیعت** اور آغاز ۲۰۲ھ میں اہل بغداد نے بھی ابراہیم کی بیعت کر کے اس کو المبارک لقب دیا اور جمعہ کے دن بنی ہاشم اور افسران فوج نے بھی درجہ بدرجہ بیعت کر لی' فوج کو دو درہم فی کس تقسیم کیے گئے جن کو نقد نہ مل سکا انہیں سواد کے علاقہ سے غلہ دلایا گیا اور ابراہیم نے بغداد میں اپنے حکام مقرر کیے اور کوفہ اور سواد پر قبضہ کر کے مدائن میں فوجیں اتار دیں۔ (تفصیل کے لیے طبری جلد ۱۱ ص ۱۰۱۵ تا ۱۰۱۶) اس انقلاب میں ابراہیم کے نقیب مطلب بن عبداللہ اس میں پیش پیش تھے۔

**مامون کی بے خبری اور انکشاف حقیقت** بغداد میں اتنا عظیم الشان انقلاب ہو گیا' لیکن ذوالریاستین نے اپنے مصالح کی بنا پر مامون کو اس کی خبر نہ ہونے دی' امام علی رضا کو اس کی اطلاع مل چکی تھی انہوں نے صحیح واقعات اس کے گوش گزار کیے اور اسے بتایا کہ اہل بغداد نے آپ کی بیعت توڑ کر ابراہیم کو خلیفہ بنا لیا ہے' مامون نے کہا کہ فضل کی اطلاع تو یہ ہے کہ خلیفہ نہیں بلکہ امیر بنایا ہے' امام موصوف نے اس کی تردید کی اور متعدد فوجی افسروں نے شہادت دی کہ فضل آپ سے اصل واقعہ چھپاتا ہے واقعہ یہی ہے کہ اہل بغداد نے ابراہیم کی بیعت کر لی ہے اور اس کو "سنی" خلیفہ کا لقب دیا ہے اور امام رضا کی ولی عہدی کی وجہ سے آپ پر رفض کا اتہام لگاتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ظاہر کی کہ گزشتہ انقلاب میں صرف ہرثمہ نے آپ کی خلافت بچائی تھی اور آپ کے پاس خیر خواہانہ مشورہ دینے کے لیے آیا تھا' لیکن فضل نے اس کو قتل کرا دیا' طاہر جس کے دست و بازو نے آپ کو مسند خلافت پر بٹھایا' اس کو فضل نے رقہ کے ایک گمنام گوشہ میں ڈال دیا

ہے اور اس کی بے مثال شجاعت سے حکومت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے' اگر وہ اس وقت موجود ہوتا تو یہ واقعات رونما نہ ہونے دیتا' ان واقعات کے سنانے کے بعد افسران نے درخواست کی کہ آپ بغداد چلیے' بغدادی آپ کو دیکھ کر اب بھی سر اطاعت خم کر دیں گے۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۸)

**مامون کا سفر بغداد اور وزیر اعظم کا قتل** اصل واقعات کے بے نقاب ہونے کے بعد رجب ۲۰۲ھ میں مامون مرو روانہ ہوا' فضل کو ان افسران کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے مامون کی جان بخشی کے باوجود ان کو سخت سزائیں دیں' حضرت علی بن موسیٰ رضا نے مامون کو اس کی جانب توجہ دلائی' اس نے کہا میں اس سے غافل نہیں ہوں' ابھی مامون سرخس پہنچا تھا کہ ۲ شعبان ۲۰۲ھ کو ذوالریاستین فضل بن سہل ایک حمام میں خفیہ قتل کر دیا گیا' اور قاتل روپوش ہو گئے۔ مامون نے ان کا پتہ چلانے والے کے لیے دس ہزار انعام مقرر کیا' عباس بن جشم دینوری نے ان کو گرفتار کیا' ان میں سے ایک غالب مسعودی' دوسرا قسطنطین رومی' تیسرا فرج دیلمی اور چوتھا موفق صقلی تھا' یہ سب مامون کے سامنے پیش ہوئے۔ اور کہا کہ آپ ہی نے ہمیں قتل کا حکم دیا تھا مامون اس پر بہت برہم ہوا' اور اسی وقت سب کے سر قلم کر کے فضل کے بھائی حسن کے پاس بھجوا دیے اور تعزیت میں لکھا کہ فضل کے قتل سے تم لوگوں پر جو مصیبت پڑی ہے اس کا مجھے اندازہ ہے اور اس کی تلافی کے لیے فضل کی جگہ حسن کو وزارت عظمیٰ پر ممتاز کیا اور اس کی لڑکی بوران سے شادی کی' اس حسن تلافی سے بڑی حد تک حسن کو تسلی ہو گئی۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۱۸)

**مطلب بن عبداللہ کی علیحدگی** مامون کی خراسان سے روانگی کے بعد ابراہیم کے سب سے بڑے حامی مطلب ابن عبداللہ کو جب اس کا یقین ہو گیا کہ ابراہیم کی خلافت چند روزہ ہے تو ان کا ساتھ چھوڑ کر مامون کے طرفدار بن گئے اور بیماری کے بہانہ سے مدائن کو چھوڑ کر بغداد چلے آئے' اور ابراہیم کی بیعت فسخ کر کے مامون کی خلافت اور منصور بن مہدی کی ولی عہدی کی خفیہ کوشش شروع کر دی' منصور بن مہدی' خزیمہ بن خازم اور متعدد فوجی افسر اس کام میں ان کے مددگار بن گئے مطلب نے اسی پر قناعت نہیں کی' بلکہ علی بن ہشام اور حمید کو ابراہیم کے مقابلہ کا حکم دیا' ابراہیم کو اس کی خبر ہوئی تو وہ مدائن سے

گھر لٹوا دیا، علی بن ہشام اور حمید کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے پلٹ کر مدائن پر قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۲۰)

**امام علی بن موسیٰ رضا کی وفات** مامون کو امام علی رضا سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اپنی ایک لڑکی ام حبیب ان سے بیاہ دی تھی۔ اور دوسری ام فضل محمد بن علی رضا سے، شادی کے چند ہی دنوں بعد علی رضا دفعتہ" انتقال کر گئے، مورخین کا بیان ہے کہ یہ موت انگور کھانے سے ہوئی۔ اسی لیے بعض مورخین لکھتے ہیں کہ ان انگوروں میں خود مامون نے زہر ملوا دیا تھا، لیکن یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔

**عیسیٰ بن محمد کی علیحدگی** مامون جس دن خراسان سے بغداد روانہ ہوا تھا، اسی دن سے ابراہیم کے حامی ان کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے، علی رضا کی موت کے بعد جب مخالفت کا اصل سبب جاتا رہا تو ان کے بہت سے حامی ان سے علیحدہ ہو گئے۔ ۲۰۳ھ میں ان کا سب سے بڑا حامی عیسیٰ بن محمد ابن ابی خالد بھی خفیہ ان کے خلاف ہو گیا اور انہیں گرفتار کرا دینے کی سازش کی، ابراہیم بار بار جنگ کرنے کا حکم دیتے تھے، لیکن وہ کسی نہ کسی بہانہ سے ٹال دیتا تھا، عیسیٰ کے بھائی ہارون نے جو عیسیٰ کے خلاف تھا، ابراہیم کو اس سازش کی خبر دی، انہوں نے عیسیٰ کو بلا بھیجا، پہلے اس نے حیلہ کیا، مگر پھر ابراہیم کے اصرار پر اسے آنا پڑا، ابراہیم نے اس کو کوڑوں سے پٹوایا اور اس کے ساتھیوں سمیت قید کر دیا، ان میں سے بعض آدمی جن میں ایک عباس بھی تھا، قید سے نکل گئے اور لوگوں کو ابرہیم کے خلاف ورغلا کر ان کے بعض عہدہ داروں کو بغداد سے نکال دیا اور حمید کو بغداد حوالہ کرنے کے لیے بلا بھیجا، اس لیے پھر بغداد میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۲۰)

**مامون اور ابراہیم کے حامیوں کی جنگ** عیسیٰ بن محمد کا اہل بغداد پر بڑا اثر تھا، اس لیے اس کی گرفتاری سے وہ سب ابراہیم کے خلاف ہو گئے اور ان کی بیعت توڑ دی، اسی دوران میں حمید جسے عباس نے بغداد حوالہ کرنے کے لیے بلایا تھا پہنچ گیا، عباس اور بغدادی افسران فوج آ کر اس سے مل گئے اور یہ طے پایا کہ فوج بھی ابراہیم کی بیعت فسخ کر دے اور جمعہ کے دن خطبہ میں ابراہیم کے بجائے مامون کا نام لیا جائے اور اس کے صلہ میں فی سپاہی پچاس دینار انعام دیا جائے گا، ابراہیم کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بغدادیوں

کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے عیسیٰ کو قید سے نکال کر بحال کرنا چاہا' لیکن اس نے انکار کر دیا اور بغداد میں قرارداد کے مطابق جمعہ کے دن خطبہ میں ابراہیم کے بجائے مامون کے نام کا خطبہ پڑھا' حمید نے اس کے صلہ میں سپاہیوں کو مقررہ رقم سے دس دس درہم زیادہ دیئے۔

**مامون کی فوجوں کا بغداد میں داخلہ اور ابراہیم کا فرار** بغداد میں مامون کی بیعت کا عام رجحان دیکھ کر ابراہیم کے اکثر اعوان و انصار اور افسران فوج ان کا ساتھ چھوڑ کر حمید سے آ کر مل گئے۔ اور مدائن پر جو ابراہیم کے قبضہ میں تھا' حمید کا قبضہ کرا دیا' ابراہیم نے اپنے باقی ماندہ آدمیوں کو حمید سے لڑنے کا جبری حکم دیا' یہ لوگ چار و ناچار بے دلی سے نکلے' اور شکست کھائی اور حمید کی فوج بغداد میں داخل ہو گئی' اس کے داخلہ کے بعد بنی ہاشم افسران فوج اور عمائد شہر سب یکے بعد دیگرے حمید سے مل گئے' بغداد پر قبضہ کے بعد ابراہیم کی گرفتاری کی تدبیر ہو رہی تھی کہ ان کو اس کی خبر ہو گئی اور وہ راتوں رات بھاگ نکلے' لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر پتہ نہ چلا اور ایک سال گیارہ مہینے کے بعد ان کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۱' ۱۳۲)

**بغداد میں مامون کا داخلہ** بغداد پر قبضہ اور قیام امن کے بعد مامون عراق کا دورہ کرتا ہوا صفر ۲۰۴ھ میں مع خدم و حشم بغداد آیا' مامون کا بدلا ہوا سبز رنگ جو اہل بیت کا نشان تھا ابھی تک باقی تھا' لیکن اہل بغداد کو اس رنگ سے اتنی نفرت تھی کہ جہاں اس رنگ کا لباس دیکھتے پھاڑ ڈالتے' چنانچہ بنی عباس اور خراسانی فوج نے مامون سے کہہ کر یہ رنگ بدلوایا' اور پھر قدیم عباسی سیاہ رنگ جاری ہو گیا' سب سے پہلے طاہر بن حسین نے اپنے لیے سیاہ رنگ کی اجازت لی' اس کے بعد تمام عمال حکومت کو سیاہ خلعتیں ملیں اور پھر سیاہ رنگ حکومت کا رنگ قرار پایا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۱' ۱۳۲)

فضل بن ربیع جو مامون و امین کے اختلاف کی بنیاد تھا' رو پوش ہو گیا تھا' مامون کو معلوم ہوا کہ وہ مر گیا' اس لیے اس نے اس کا کل مال و متاع ضبط کر لیا' لیکن ایک دن دفعتہ" طالب امن کی شکل میں نمودار ہو گیا' مامون کو اس کی اطلاع دی گئی اس نے کہا۔ "جب وہ دوسری دنیا سے دوبارہ لوٹا ہے تو ہارون بھی اس کے ساتھ ہو گا" اور باپ کی یادگار کی حیثیت سے اس کو امان دے کر اس کا کل مال و متاع واپس کر دیا۔

**خراسان کی ولایت پر طاہر بن حسین کا تقرر** ۲۰۵ھ میں مامون نے اپنے مشہور

و معروف جنرل طاہر بن حسین کو تمام مشرقی ممالک یعنی خراسان سے لے کر سندھ تک کا گورنر جنرل مقرر کیا اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن مامون اپنی نبیذ پی رہا تھا کہ طاہر آیا' مامون نے اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا' طاہر نے دست بستہ عرض کی خادم کو آقا کے سامنے بیٹھنے کی مجال نہیں مامون نے کہا یہ آداب درباری ہیں۔ نجی صحبتوں میں اس کے برتنے کی ضرورت نہیں' اثنائے گفتگو میں طاہر کی نظر مامون کی آنکھوں پر پڑی' دیکھا کہ ڈبڈبائی ہوئی ہیں' عرض کی ایسے وقت میں جب کہ پورا ملک حضور کے زیر فرمان ہے' رعایا مطیع اور ان کے دلوں میں حضور کی محبت ہے رونے کا کیا موقع ہے؟ مامون نے کہا اس راز کو افشا کرنا ذلت اور چھپانا تکلیف دہ ہے۔ اس کے بعد طاہر چلا گیا' لیکن اس کے دل میں برابر یہ راز کھٹکتا رہا اور اس نے مامون کے ساقی اور ندیم خاص حسین کو دو لاکھ درہم دیئے کہ وہ کسی موقع پر اس معمہ کو حل کرے' چنانچہ دوسرے دن جب مامون نے نبیذ مانگی تو حسین نے اصرار سے پوچھا کہ گذشتہ شب کو طاہر کے آنے پر حضور کی آنکھیں کیوں ڈبڈبا گئی تھیں؟ مامون نے کہا تم اس راز کو کیوں پوچھتے ہو؟ اس نے کہا اس واقعہ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے مامون نے کہا اچھا میں بتائے دیتا ہوں' لیکن اگر تم نے اس کو اپنی زبان سے نکالا تو سر قلم کرا دوں گا' واقعہ یہ ہے کہ جب میں طاہر کو دیکھتا ہوں تو بھائی امین کی ذلت اور بے کسی کی موت کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے' مجھ کو خطرہ ہے کہ کسی نہ کسی دن طاہر کو میرے ہاتھ سے نقصان نہ پہنچ جائے' طاہر کو یہ راز معلوم ہوا تو وہ بہت گھبرایا' اس نے وزیر اعظم احمد بن ابی خالد سے درخواست کی کہ وہ اسے کسی طرح مامون سے دور کسی مقام پر بھجوا دے' اس نے وعدہ کیا' چنانچہ دوسرے دن جب وزیر مذکور دربار گیا تو اس نے مامون سے کہا کہ مجھے رات بھر نیند نہیں آئی' اس نے پوچھا کیوں؟ کہا آپ نے غسان کو خراسان کا والی بنایا ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر کسی دن ترک اٹھ کھڑے ہوئے تو اس کا خاتمہ کر دیں گے۔ مامون نے کہا میں بھی اس پر غور کر رہا ہوں' تمہاری نظر میں کون اس عہدے کا اہل ہے' اس نے طاہر کا نام لیا' مامون نے کہا مجھ کو اس کی طرف سے بغاوت کا خطرہ ہے' احمد بن ابی خالد نے کہا میں اس کا ذمہ دار ہوں' احمد کی سفارش پر مامون نے ذیقعدہ ۲۰۶ھ میں طاہر کو کل مشرقی صوبہ جات کا والی بنایا۔ (۱)

مامون کا خطرہ بالکل صحیح نکلا' طاہر تقرر کے دو ہی سال بعد باغی ہو گیا اور خطبہ میں اس

کا نام نہیں لیا' مامون کو خبر ہوئی تو اس نے احمد بن ابی خالد کو بلا کر کہا تمہاری ذمہ داری پر اس کا تقرر ہوا تھا' اس لیے اس کو فوراً حاضر کرو' لیکن بغاوت کی خبر کے بعد اس کی موت کی خبر آ گئی' اس لیے احمد بن ابی خالد مواخذہ سے بچ گیا۔

**نصر بن سیار پر فوج کشی اور گرفتاری** اوپر گذر چکا ہے کہ امین کے قتل کے بعد اس کے ایک عرب سردار نصر بن شبث ابن سیار عقیلی نے کیسوم میں علم بغاوت بلند کیا تھا' لیکن اس وقت مامون اس سے بڑی مہموں میں مشغول تھا' اس لیے ادھر توجہ نہ کر سکا اور نصر نے رفتہ رفتہ بڑی قوت حاصل کر لی۔

بغداد پر قبضہ کے بعد جب مامون کو اطمینان ہوا تو ۲۰۶ھ میں اس نے طاہر کے لڑکے عبداللہ کو رقہ سے مصر تک کا والی بنا کر نصر کے مقابلہ پر مامور کیا' اس موقع پر اس کے باپ طاہر (یہ واقعہ طاہر کی موت سے پہلے کا ہے) نے اس کو اصول سیاست و جہان بانی کے متعلق ایک مفصل دستور العمل لکھ کر دیا' جو اپنی جامعیت اور خوبی کے اعتبار سے عدیم المثال تھا' طبری اور ابن اثیر نے اس کو پورا نقل کیا ہے' مامون نے اس کی نقلیں تمام ممالک محروسہ کے عمال کے پاس بھجوائیں' عبداللہ اس دستور العمل کو لے کر روانہ ہوا' ۲۰۹ھ میں نصر کا محاصرہ کر لیا اور وہ چند شرائط پر امان لینے پر مجبور ہو گیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۱) مامون نے محمد بن جعفر عامری کو نصر سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجا' نصر نے اور تمام باتیں منظور کر لیں' لیکن دربار کی حاضری سے معافی چاہی' مامون نے اسے منظور نہ کیا اور کہا کہ وہ مجھ سے اتنا کیوں گھبراتا ہے' محمد بن جعفر عامری نے کہا اپنے جرم کی وجہ سے شرمندہ ہے' مامون نے کہا فضل بن ربیع اور عیسیٰ بن محمد سے بڑا مجرم نہیں ہے۔ جنہوں نے میری حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا میں نے انہیں معاف کر دیا' محمد نے کہا یہ ارشاد بجا ہے' لیکن ان کے آباؤ اجداد کی خدمات ان کی سفارشی تھیں۔ اور نصر کو یہ شرف حاصل نہیں ہے' چند دنوں تک تو اپنی ضد پر قائم رہا' لیکن عبداللہ بن طاہر

نے اس کو اس قدر تنگ کیا کہ آخر میں اس نے غیر مشروط طور پر اپنے کو عبداللہ کے حوالہ کر دیا' اس نے اس کو مامون کے پاس بھجوا دیا اور اس کا قلعہ مسمار کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۲' ۱۳۳' ۱۲۲' ۱۲۳)

**افریقہ کی بغاوت** مامون کے زمانہ میں افریقہ میں بڑی زبردست بغاوت ہوئی' لیکن اب یہاں اغلبیوں کی نیم خود مختار حکومت قائم ہو گئی تھی' جن کا عباسیہ سے محض برائے نام تعلق تھا' اس لیے ان کے حالات قلم انداز کیے جاتے ہیں۔

**عبدالرحمٰن بن احمد علوی کا خروج** مامون نے اپنے اسلاف کے مقابلہ میں علویوں کے ساتھ اپنا طرز عمل بدل دیا تھا' ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا' امام رضا کی محبت میں اس نے اپنی خلافت تک خطرہ میں ڈال دی تھی' لیکن علویوں کے طرز عمل میں کوئی فرق نہ آیا' اور انہوں نے اس کے ساتھ بھی اپنی قدیم مخالفانہ روش قائم رکھی' چنانچہ ۲۰۷ھ میں عبدالرحمٰن بن احمد بن عبداللہ ابن محمد بن عمر بن علی نے یمن میں اہل بیت کی دعوت شروع کی' یمنی عباسی عمال کے خلاف تھے۔ اس لیے بہت سے یمنی عبدالرحمٰن کے ساتھ ہو گئے' مامون کو یہ حالات معلوم ہوئے تو ۲۰۷ھ میں اس نے دینار بن عبداللہ کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا' لیکن اتنا لحاظ اس وقت بھی رکھا کہ عبدالرحمٰن کے لیے امان نامہ لکھ کر دے دیا' کہ اگر وہ اطاعت قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہ کی جائے' چنانچہ دینار نے یمن پہنچ کر یہ امان نامہ بھجوایا' عبدالرحمٰن نے اسے قبول کر لیا اور عبداللہ کے ساتھ مامون کے پاس چلے آئے' مامون انہیں امان دے چکا تھا اس لیے ان کے ساتھ کوئی بد سلوکی نہیں کی لیکن علویوں سے بد دل ہو کر انہیں دربار میں داخلہ کی ممانعت کر دی اور ان کے خاندانی سبز رنگ کی بجائے سیاہ عباسی رنگ استعمال کرنے کا حکم دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۹)

**ابراہیم کے حامیوں کی سازش** اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بغداد میں مامون کے داخلہ کے وقت ابراہیم ابن مہدی روپوش ہو گئے تھے' گو اب ان میں کوئی دم خم نہ رہ گیا تھا' لیکن ان کے بعض حامی وہوا خواہ ابراہیم بن محمد المعروف بہ ابن عائشہ' محمد بن ابراہیم افریقی اور مالک بن شاہی وغیرہ خفیہ ان کی بیعت کے لیے کوشاں تھے' چنانچہ ۲۱۰ھ میں انہوں نے یہ سازش کی کہ جب بغدادی فوج نصر بن شبث عقیلی کی مہم سے فراغت کے بعد واپس

آئے اور بغداد کے پل کو عبور کرنے لگے تو پل توڑ دیا جائے' عمران القطربلی کو اس کا علم ہو گیا اس نے حکام کو اطلاع دے دی اور سب سازشی گرفتار کر لیے گئے انہوں نے چند دوسرے آدمیوں کو شریک جرم بتا کر پھنسانا چاہا لیکن مامون نے اس کو باور نہ کیا اور صرف ابن عائشہ اور ابن شاہی کو جن پر قید خانہ میں نقب لگانے کا بھی الزام تھا' قتل کرا دیا۔

**عبداللہ بن سری کی بغاوت اور اسکندریہ سے اندلسیوں کا اخراج** بغداد کے انقلاب نے بعض عمال میں خود سری کا حوصلہ پیدا کر دیا تھا' چنانچہ ۲۰۵ھ میں سری بن محمد والی مصر کے لڑکے عبداللہ نے جو اپنے باپ کی موت کے بعد ۲۰۵ھ میں اس جگہ والی ہوا۔ علم بغاوت بلند کر دیا تھا اور اہل اندلس کے ایک جرگہ نے جنہیں حکم بن ہشام نے وہاں سے نکال دیا تھا' اسکندریہ پر قبضہ کر کے ابو حفص بلوطی کو اپنا سردار بنا لیا تھا اور مصر و اسکندریہ دونوں خطرے میں پڑ گئے تھے۔

اوپر گزر چکا ہے مامون نے عبداللہ بن طاہر کو مصر کا والی بنا کر نصر بن شبث کے مقابلہ پر مامور کیا تھا' اس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے ۲۱۰ھ میں عبداللہ بن سری ابن محمد کی طرف توجہ کی اور اسے شکست دے کر مطیع بنایا' اس کے بعد اندلسیوں کو اسکندریہ سے نکالنے کے لیے فوجیں بھیجیں ان میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے انہوں نے اس شرط پر خود چھوڑ دیا کہ انہیں کسی قریبی جزیرہ میں نکل جانے دیا جائے' چنانچہ یہاں سے نکل کر کریٹ میں آباد ہو گئے ان کی اولاد مدتوں اس جزیرہ کی حکمران رہی تا آنکہ فرنگیوں نے ان کو یہاں سے نکالا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۶'۱۳۸)

**قم کی بغاوت** اسی سنہ میں قم میں بغاوت رونما ہوئی اس کا سبب یہ ہوا کہ مامون نے عراق کے دورے کے سلسلہ میں رے کا خراج گھٹا دیا تھا۔ قم کے باشندے بھی اس رعایت کے طالب ہوئے لیکن مامون نے ان کی درخواست نہ سنی' انہوں نے خراج دینا بند کر دیا مامون نے علی بن ہشام کو بھیجا اس نے انہیں زیر کر کے سرکشی کی سزا میں مقررہ رقم سے کئی گنا زیادہ وصول کیا۔

**زریق بن علی کی بغاوت** اسی زمانہ میں موصل کے ایک عرب زریق بن علی ازدی نے کردستان اور آذربائیجان کے درمیانی علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا' سید بن انس ازدی والی

موصل نے اس کو ہٹانے کی کوشش کی دونوں میں کئی معرکے ہوئے' ۲۱۱ھ میں زریق چالیس ہزار فوج لے کر چڑھ آیا' ابن انس نے مقابلہ کیا اور اس مقابلہ میں کام آگیا۔

مامون کو اس کی موت کا بڑا صدمہ ہوا' اس نے ۲۱۲ھ میں محمد بن حمید کو اس سے انتقام لینے اور بابک خرمی کی شورش (اس کا حال آئندہ آتا ہے) دبانے کے لیے بھیجا' زاب میں دونوں کا سامنا ہوا' محمد بن حمید نے اس کو اطاعت کی دعوت دی' اس نے مسترد کر دی' اس کے انکار پر محمد بن حمید اور محمد بن سید نے مل کر زریق کو شکست دی' اور اس نے جان بخشی کرا کے اپنے کو حوالہ کر دیا۔ محمد بن حمید نے اسے مامون کے پاس بھجوا دیا' اس نے اس کی کل املاک ضبط کرنے کا حکم دیا۔ زریق کے لڑکوں نے اس حکم کی تعمیل میں کوئی تامل نہیں کیا' اس لیے محمد نے ان کی اطاعت کیشی کے صلہ میں جائیداد انہیں واپس کر دی۔

زریق سے فراغت کے بعد محمد بن حمید آذربائیجان جس پر بعض مخالفین قابض ہو گئے تھے روانہ ہو گیا' لیکن اس کے پہنچنے سے پیشتر علی بن مرہ نے انہیں نکال کر آذربائیجان واپس لے لیا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۶' ۱۳۸)

**بابک خرمی کا خروج** ۲۰۱ھ میں ایک باطنی عجمی بابک خرمی ایک نئی تحریک جو اس کی نسبت سے خرمی مشہور ہے لے کر اٹھا' یہ تحریک ایران کے پرانے مذہب مزد کی پیداوار ہے' مزدکی مذہب کے ایران سے مٹنے کے بعد سب سے پہلے ایک مجوسی جاویدان نے اس کو زندہ کرنے کی کوشش کی تھی' دوسرے عجمی مذاہب کی طرح تناسخ اس کا بنیادی عقیدہ تھا اور چونکہ اس عقیدہ میں فنا نہیں ہے بلکہ محض قالب بدلتا رہتا ہے' اس لیے اس نے اپنا لقب جاویدان یعنی ہمیشہ رہنے والا رکھا۔ اسلامی عہد میں بابک نے اس کو زندہ کرنے کی کوشش کی اور دعویٰ کیا کہ تناسخ کے ذریعہ جاویدان کی روح اس میں منتقل ہو گئی ہے اور وہ اس کا جانشین ہے مزدکی مذہب میں اباحیت یعنی جنسی تمتع کے لیے بلا کسی قید کے مطلق آزادی کی خاص تعلیم تھی' اس لیے بابک نے خرمی یعنی شادمانی' اپنا لقب رکھا' اس آزادی کی وجہ سے ہزاروں آدمی اس میں شریک ہو گئے۔

(کتاب الفرق بین الفرق ص ۲۵۱ و ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۱۱)

یہ تحریک مذہبی رنگ میں تھی' لیکن در حقیقت مسلمانوں کے خلاف ایک سیاسی

تحریک تھی چنانچہ بابک نے اسلامی آبادیوں پر حملہ کر کے ہزاروں مسلمان تہہ تیغ کر دیئے' مامون نے کئی فوجیں اس کے مقابلہ کے لیے روانہ کیں' لیکن سب ناکام واپس ہوئیں۔ ۲۱۴ھ میں محمد بن حمید اس مہم پر مامور ہوا' چنانچہ وہ زریق کو مطیع بنانے کے بعد بڑے اہتمام سے بابک کے مقابلہ کے لیے نکلا۔

بابک نے ایک دشوار گزار کوہستان کو اپنا مرکز بنایا تھا' محمد بن حمید اس کو طے کر کے مقام ہشتادسر پہنچا' اور فوجوں کو از سر نو مرتب کر کے آگے روانہ کر دیا اور خود ان کی حفاظت کے لیے پیچھے رہا' بابک پہاڑی کے اوپر دروں میں چھپا ہوا تھا' جیسے ہی مسلمان اس کی زد پر پہنچے بابک دفعتہ "کمین گاہ سے نکل کر ٹوٹ پڑا' محمد بن حمید نے ہر چند مسلمانوں کو سنبھالنے کی کوشش کی' لیکن بابک کا حملہ ایسا ناگہانی اور سخت تھا کہ وہ سنبھل نہ سکے اور خرمیوں نے محمد بن حمید کو قتل کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۹'۱۴۰) مامونی عہد میں ان ہنگاموں کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات رو نما ہوئے' لیکن وہ چنداں لائق ذکر نہیں ہیں۔

**فتوحات** اگرچہ مامون کا قریب قریب پورا عہد اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کے فرو کرنے اور حکومت کے بگڑتے ہوئے نظام کو درست کرنے میں گزرا' لیکن اس کے باوجود فتوحات کے لحاظ سے بھی اس کا عہد نہایت کامیاب رہا اور اس پر شور عہد میں بعض اہم فتوحات حاصل ہوئیں' یہ فتوحات مختلف سنوں میں ہوتی رہیں' لیکن تسلسل کے خیال سے ان سب کو متفرق طور پر لکھنے کے بجائے شورش اور ہنگاموں کے بعد ایک جگہ لکھنا مناسب معلوم ہوا۔

**شاہ کابل کی اطاعت** ٹھیک بغداد کی شورش کے زمانہ میں جب کہ ایک طرف اس کی فوجیں بغداد کے محاصرہ میں مصروف تھیں' دوسری طرف اس کا ایک حصہ کوہستان کابل میں برسرپیکار تھا' چنانچہ اسی زمانہ میں کابل کے بادشاہ نے اطاعت قبول کر کے اسلام قبول کیا اور تاج شاہی مامون کی پیش کش کے لیے بھیجا۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۴۰۹'۴۳۶)

**بادشاہ اشروسنہ کی اطاعت اور اسلام** عین اسی زمانہ میں ترکستان کے فرمانرواؤں سے بھی مقابلہ جاری رہا' اور یہاں بعض فتوحات بھی ہوئیں' چنانچہ اشروسنہ کے بادشاہ

کاؤس نے ذوالریاستین فضل بن سہل سے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اگر ہمارے حدود سلطنت میں مداخلت نہ کی جائے تو ہم اس کے بدلہ میں ایک مقررہ رقم پیش کرتے رہیں گے۔ ذوالریاستین نے یہ درخواست قبول کرلی تھی' لیکن جب مامون بغداد آیا تو کاؤس معاہدہ پر قائم نہ رہا' اس لیے مامون نے اس کی تادیب کے لیے فوجیں روانہ کیں اور کاؤس کو نقض عہد کی سزا سے بچنے کے لیے اسلام قبول کرنا پڑا' کاؤس کے دو لڑکے تھے' فضل و حیدر (حیدر کا ترکی نام افشین تھا) کاؤس نے فضل کی شادی اپنے ایک مقرب قہرمان کی لڑکی سے کردی تھی' اس تعلق سے قہرمان فضل کی تعریف اور حیدر کی مذمت کیا کرتا تھا' حیدر نے غصہ میں آکر قہرمان کو قتل کردیا' لیکن پھر باپ کے خوف سے گھبرایا' اور اس کے مواخذہ سے بچنے کے لیے مامون کی خدمت میں جاکر اس سے کہا کہ اشروسنہ نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو سکتا ہے اور وہاں تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ بھی بتا دیا' مامون کاؤس کے نقض عہد کی وجہ سے پہلے سے برہم تھا' اس لیے فوراً احمد بن ابی خالد کو اشروسنہ پر فوج کشی کا حکم دے دیا' کاؤس کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ترک سلاطین سے مدد مانگی' ان میں ایک شخص دہم نے امداد دینے کا وعدہ کیا' لیکن اس کی مدد آنے سے پہلے ہی احمد اشروسنہ پہنچ گیا' کاؤس اس وقت اشروسنہ سے دور تھا' اس لیے احمد کی فوج کشی کی خبر سن کر گھبرایا اس کے دوسرے لڑکے حیدر پر بھی جو دہم کی مدد کے لیے آ رہا تھا' ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ بھی امدادی فوج کو راستہ میں چھوڑ کر باپ کے پاس چلا گیا اور ترکی دستہ میں پانی کی قلت کی وجہ سے ہلاک ہوگیا اور کاؤس کے لیے اطاعت قبول کرنے کے سوا چارہ کار نہ رہ گیا' چنانچہ اس نے مامون کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ مامون نے اس صلہ میں اس کی حکومت قائم رکھی اور اس کے بعد اس کے لڑکے حیدر کو اس کا قائمقام بنایا۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۶'۱۳۷)

## طبرستان کے پہاڑی امراء کی اطاعت

۲۰۱ھ میں عبداللہ بن خروازنہ والی طبرستان نے دیلم پر چڑھائی کی اور بلاذر' شیزر اور طبرستان کے بعض کوہستانی علاقوں کو فتح کر کے ابو لیلی بادشاہ دیلم اور کوہستانی علاقے کے بعض فرمانرواؤں کو مامون کی خدمت میں بھیجا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۱۱)

## ایشیائے کوچک کی فتوحات

محرم ۲۱۵ھ میں مامون نے بہ نفس نفیس ایشیائے کوچک

پر فوج کشی کی اور منبج، وابق، انطاکیہ، مصیصہ اور طرطوس ہوتا ہوا ایشیائے کوچک میں داخل ہوا، اور حسن ماجد کو صلحاً اور حسن قرہ کو بزور شمشیر فتح کر کے برباد کر ڈالا، اور امیر اشناس کو حسن سندس اور جعفر کو حسن ستاذ پر مامور کیا۔ اشناس کے قلعدار کو گرفتار کر لیا۔ اور ستاذ کے قلعدار نے اطاعت قبول کر لی اور مامون ظافر و غانم دمشق واپس گیا۔

اس کے ایک سال بعد رومیوں نے طرطوس اور مصیصہ کے کئی ہزار مسلمان قتل کر ڈالے، مامون کو اس کی خبر ہوئی تو ۲۱۷ھ میں پھر روم پر فوج کشی کی، اور انطیعوا کا محاصرہ کر لیا، یہاں کے باشندوں نے صلح کر لی اور مامون نے ہر قلعہ کا رخ کیا، یہاں کے باشندوں نے بھی مصالحت کر لی اور مامون نے معتصم کو رومی قلعوں کی تسخیر پر مامور کیا۔ اس نے تیس قلعے اور مطمورہ کو فتح کیا اور قاضی یحییٰ بن اکثم نے بہت سے رومی گرفتار کیے اور مامون کیسوم ہوتا ہوا دمشق لوٹ آیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۴۱)

۲۱۷ھ میں پھر نکلا اور لولوہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، اس میں کامیابی نہ ہوئی، اس لیے عجیف کو متعین کر کے خود لوٹ گیا، واپسی میں وہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا، جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ مامون کی واپسی کے بعد قیصر روم توفیل مدافعت کے لیے پہنچا، اس دوران میں مامون کی بھیجی ہوئی تازہ دم کمک آ گئی تھی، اس لیے توفیل کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور لولوہ کے باشندے اطاعت پر مجبور ہو گئے۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۵۶) اور مامون نے ان مقامات کی حفاظت کے لیے طوانہ میں قلعہ تعمیر کر کے یہاں مسلمانوں کی آبادی قائم کی۔

## کریٹ کی فتح

جزیرہ کریٹ کا کچھ حصہ ولید اموی اور اس کے بعد ہارون کے زمانہ میں فتح ہوا تھا، مامون کے زمانہ میں ابو حفص عمر بن عیسیٰ اندلسی نے یہاں ایک اور قلعہ فتح کیا اور رفتہ رفتہ پورا جزیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ (فتح البلدان ص ۲۴۵)

## صقلیہ کی فتح

مامونی دور کی ایک بڑی یادگار صقلیہ کی فتح ہے گو اس کو عباسی حکومت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کا سہرا شمالی افریقہ کے حکمران غلیبوں کے سر ہے، لیکن وہ عباسی حکومت کے باجگذار تھے، اور صقلیہ کی فتح نہایت اہم ہے، اس لیے اس کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

صقلیہ پر حملہ کی ابتداء اموی دور میں ہو چکی تھی، لیکن اس کی تسخیر مامونی دور میں عمل میں آئی۔ اس زمانہ میں صقلیہ حکومت قسطنطنیہ کا ایک ماتحت علاقہ تھا اور یہاں کے

حکمرانوں کا عزل و نصب قیصر کے اختیار میں تھا' مقلیہ کی فتح کے زمانہ میں شہنشاہ روم کی جانب سے قسطنطین یہاں کا حکمران تھا' اس نے فیمی نامی شخص کو امیرالبحر بنایا فیمی نے افریقہ کے ساحل پر تاخت کر کے بہت سے تاجروں کو لوٹ لیا' اور مدتوں یہاں مقیم رہا' ایک مرتبہ قیصر سے ناراض ہو گیا اور والی مقلیہ کو اسے گرفتار کر کے سزا دینے کا حکم دیا۔ فیمی کے حامی یہ سن کر بہت برہم ہوئے اور فیمی کو قسطنطین کی مخالفت پر آمادہ کیا' چنانچہ وہ افریقہ سے مقلیہ پہنچا اور سرقوسہ پر مخالفانہ قبضہ کر لیا' قسطنطین نے اسے ہٹانے کی کوشش کی مگر خود شکست کھائی فیمی نے تعاقب کیا' قسطنطین گرفتار ہو کر مارا گیا اور فیمی مقلیہ کا خود مختار بادشاہ بن گیا' مقلیہ کی حکومت حاصل کرنے کے بعد اس نے ایک شخص بلاطہ کو جزیرہ کے ایک حصہ کا حاکم بنایا' کچھ دنوں کے بعد اس میں اور فیمی میں مخالفت ہو گئی اور بلاطہ نے اپنے بھائی میخائل والی بلرم کی مدد سے فیمی کو شکست دے کر سرقوسہ پر قبضہ کر لیا' اس وقت افریقہ میں اغلبی حکومت کے فرمانروا امیر زیادۃ اللہ کا بڑا شہرہ تھا' فیمی نے بلاطہ سے بدلہ لینے کے لیے زیادۃ اللہ کی جانب رجوع کیا اور افریقہ کا سفر کر کے زیادۃ اللہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ اس وقت میری مدد کریں تو مقلیہ کا تاج و تخت آپ کے لیے حاضر ہے۔ جزیرہ مقلیہ مدت سے مسلمانوں کی نگاہ میں تھا' اس لیے زیادۃ اللہ نے ۲۱۲ھ میں قیروان کے قاضی اسد بن فرات کی ماتحتی میں ایک فوج روانہ کر دی' اسد بن فرات مازر پہنچ کر یہاں سے بلاطہ کے مقابلہ کے لیے بڑھے' راستہ میں رومیوں کی ایک جماعت ملی' مسلمانوں نے فیمی کی مدد کے بغیر تنہا مقابلہ کر کے انہیں شکست دی' بلاطہ بھاگ کر قلوریہ پہنچا اور وہاں مارا گیا اس کے بعد مسلمانوں نے متعدد قلعے فتح کیے اور اسد بن فرات نے ایک مشہور قلعہ کا رخ کیا' یہاں کے رومیوں نے جمع ہو کر اسد سے کہا کہ ہم جزیہ دیں گے' آپ مہربانی کر کے یہاں کا رخ نہ کیجئے' اسد نے منظور کر لیا' رومیوں نے اسد کو یہ فریب دے کر خفیہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں' فیمی نے بھی جس کا کام اس کے حریف بلاطہ کے خاتمہ کے بعد پورا ہو چکا تھا اور مقلیہ میں مسلمانوں کی مزید فتوحات اس کے مفاد کے خلاف تھیں' رومیوں کو ملک کی حفاظت پر ابھارا' لیکن ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ رہا۔ چنانچہ مدافعت کی تیاری مکمل کرنے کے بعد انہوں نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا اس لیے اسد نے ہر طرف فوجیں پھیلا کر سرقوسہ کے قرب و جوار کی بہت سی

آبادیاں فتح کرلیں۔ اور بحری اور بری دونوں ناکے گھیر لیے اسی دوران میں افریقہ سے تازہ دم امداد پہنچ گئی' اسی دوران میں بلرم کا حاکم مسلمانوں کی طرف بڑھا' انہوں نے بھی مقابلہ کا پورا انتظام کیا' فوج کے گرد خندقیں کھود کر دور دور تک گڑھے کھود دیئے' رومیوں نے پہنچتے ہی پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا اور زور میں بہت سے رومی گڑھوں میں گر کر ہلاک ہوئے مسلمانوں نے سرقوسہ کا محاصرہ اور سخت کر دیا' اسی دوران میں رومیوں کی مدد کے لیے قسطنطنیہ سے جنگی جہاز پہنچ گئے دوسری طرف اسلامی فوج میں وبا پھیل گئی اور بہت سے مسلمانوں کی جانیں اس میں ضائع ہو گئیں اسد بن فرات بھی اس کا شکار ہو گئے' ان کے بعد محمد بن ابی الجواری نے ان کی جگہ لی' لیکن وباء کی ہلاکت آفرینی نے مسلمانوں کی قوت کمزور کر دی تھی' اس لیے انہوں نے لوٹ جانے کا عزم کیا' مگر رومیوں نے راستہ روک دیا' یہ دیکھ کر مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے' چنانچہ انہوں نے لوٹنے کا ارادہ ترک کر کے جہازوں میں آگ لگا دی اور شہر مینا کو فتح کر کے جرجنت کو مرکز قرار دیا' ان فتوحات نے مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے اور انہوں نے قصریانہ کا رخ کیا' فیمی بھی ساتھ ساتھ تھا قصریانہ والوں نے اس کے سامنے زمین بوس ہو کر اطاعت کا اظہار کیا اور کہا تاج و تخت آپ کے لیے حاضر ہے اور اطاعت کا فریب دے کر اس کو قتل کر دیا' قسطنطنیہ سے رومیوں کی امداد کا تار بندھا ہوا تھا' لیکن مسلمانوں نے ان سب کو قتل کر دیا' جو باقی رہ گئے وہ قصریانہ میں داخل ہو گئے اسی دوران میں محمد بن ابی الجواری کا انتقال ہو گیا اور ان کی بجائے زہیر بن غوث امیر قرار پائے۔

ان پیہم فتوحات نے مسلمانوں کی توجہ اصل مقصد سے ہٹا دی اور وہ فتوحات میں زور صرف کرنے کے بجائے لوٹ میں مصروف ہو گئے اور ان کے مختلف جتھے مختلف سمتوں میں چھاپے مارنے لگے ان کو منتشر دیکھ کر رومی ہر طرف سے نکل پڑے اور مختلف مقامات پر ان کو شکست دینے کے بعد ان پر متحدہ حملہ کر دیا' مسلمانوں کی قوت منتشر ہو چکی تھی' اس لیے فاش شکست کھائی اور ایک ہزار مسلمان قتل ہوئے' جو باقی بچے وہ اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے' لیکن یہاں بھی رومیوں نے ان کو گھیر لیا اور جنگ کا سلسلہ اتنا بڑھا کہ مسلمانوں کے کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا' مسلمانوں نے ان پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا' رومی خیموں کو چھوڑ کر قریب ہی چھپ گئے تھے' اس لیے جیسے ہی مسلمان آگے

بڑھے وہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کر ڈالا' باقی ماندہ لوگ مینا میں داخل ہو گئے' رومیوں نے ان کا بہت سخت محاصرہ کر لیا' مسلمانوں کو جانور کھانے کی نوبت آگئی اور رومیوں کا زور اتنا بڑھ گیا کہ قلعہ جرجنت کے مسلمان بھی ان کی مدد نہ کر سکے اور یہ لوگ ۲۱۴ھ تک اس پریشانی میں دن کاٹتے رہے۔ ۲۱۴ھ میں اتفاق سے کئی اندلسی اسلامی بیڑے جو جنگ کے لیے نکلے تھے' پہنچ گئے اور افریقہ سے بھی مدد آگئی' ان سب نے رومیوں پر متفقہ حملہ کر کے مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات دلائی اور انہوں نے ۲۱۶ھ میں دوبارہ بلرم پر قبضہ کر لیا' پھر بد قسمتی سے ان میں اور اندلسی مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے سقلیہ کی فتوحات رک گئیں اور پھر معتصم کے عہد میں ۲۱۹ھ سے یہ سلسلہ شروع ہوا جس کا ذکر اس کے حالات میں آئے گا۔ (یہ تمام حالات ابن اثیر اور ابن خلدون سے ماخوذ ہیں)

## فضل بن سہل کی وزارت

مامون کا سب سے پہلا وزیر فضل بن سہل تھا' اس کا باپ سہل سلاطین فارس کی اولاد میں تھا' ہارون رشید کے زمانہ میں مہدی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا' بعض مورخین لکھتے ہیں کہ سہل نہیں بلکہ اس کے لڑکے فضل نے اسلام قبول کیا' فضل علم نجوم کا بڑا ماہر تھا اور اسی کی روشنی میں امور مملکت کو انجام دیتا تھا' ابن خلکان نے اس قسم کے متعدد واقعات نقل کیے ہیں' بڑا فصیح و بلیغ بڑا سیاستدان اور آداب سلاطین کا واقف کار تھا' حلم' فیاضی اور سیاست میں اس کا کوئی ہم سر نہ تھا' برامکہ بڑے جوہر شناس تھے' چنانچہ جعفر نے مامون کی خدمت کے لیے ہارون سے فضل کی سفارش کی' ہارون نے اس کو جانچنے کے بعد مامون کی خدمت پر مامور کیا' فضل کی عاقبت بین نگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن مامون کے ہاتھوں میں خلافت آئے گی' اس لیے وہ شروع ہی سے بڑی توقعات رکھتا تھا۔ اور آئندہ کی امید پر مامون پر اپنی کارگزاری اور حسن تدبیر کا سکہ بٹھاتا رہا۔

جب مامون اور امین میں اختلافات شروع ہوئے' اس وقت فضل کو اپنی دیرینہ آرزوؤں کے پورا کرنے کا موقع ملا' اور اس نے اپنے حسن تدبیر سے مامون کو مسند خلافت پر بٹھایا خلافت ملنے کے بعد مامون نے وزارت عظمیٰ کے منصب پر سرفراز اور ذوالریاستین کے لقب سے ملقب کیا کہ تلوار اور قلم دونوں اس کے تابع فرمان تھے' اس نے اس شان

و شکوہ کی وزارت کی کہ برامکہ کے سوا اس کی دوسری مثال نہیں مل سکتی' لیکن اس کی خود سری اور استبداد کی وجہ سے اس کا انجام بھی اچھا نہ ہوا' اس کے قتل کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے' قتل کے وقت بروایت طبری اس کی عمر ۴۲ سال تھی۔

(تفصیل دیکھو ابن خلکان جلد ا ص ۴۱۳' ۴۱۴ والفخری ص ۲۰۲)

**حسن بن سہل** مامون کا دوسرا وزیر فضل کا چھوٹا بھائی سہل تھا' گو یہ فضل جیسا عالی دماغ نہ تھا تاہم اس میں بہت سے اوصاف و خصوصیات تھے' فیاضی میں فضل سے بڑھا ہوا تھا' فضل کے قتل کے بعد مامون نے اس کی دلدہی کے لیے اس کو وزیر بنایا اور اس کی لڑکی بوران سے شادی کی' حسن میں فیاضی اور الوالعزمی کا وصف زیادہ نمایاں تھا' بوران کی شادی میں اس نے جس فیاضی کا مظاہرہ کیا' اس کی مثالیں کم ملیں گی' مورخین کا بیان ہے کہ تاریخ اسلام میں اس شان کی شادی کی دوسری مثال نہیں ملتی اور اس عہد مامونی کے اہم واقعات میں شمار کیا جاتا ہے یہ شادی فم صلح میں ہوئی تھی' بارات میں مامون کا سارا خدم و حشم' فوج اور جملہ عمائد شامل تھے۔ انیس دن تک بارات مقیم رہی' حسن نے بڑی اولوالعزمی سے بارات کی مدارت کی' یہ واقعہ خاص طور سے لائق ذکر ہے کہ شادی کے دن کاغذ کے پرزوں پر نقدی' جائیداد اور غلام اور ہر قسم کا نقد و جنس اور سازو سامان لکھ کر ان کی گولیاں بنا کر لٹائیں۔ جس کو جو گولی ملی' فوراً اس کی مرقومہ چیز اس کے حوالہ کی گئی' ان گولیوں کے علاوہ طلائی اور نقرئی سکے براتیوں پر لٹائے گئے' مامون کے بیٹھنے کے لیے خالص سونے کا فرش تھا' جیسے ہی اس نے اس پر قدم رکھا اوپر سے سچے موتی نچھاور کیے گئے' اور جب پہلی مرتبہ مامون بوران سے ملا تو بوران کی دادی نے دولہا دلہن کے اوپر سے ایک ہزار بیش قیمت در یتیم نچھاور کیے' مورخین اس شادی کے اخراجات کا اندازہ پانچ کروڑ کرتے ہیں۔ (تفصیل دیکھو ابن خلکان جلد ا ص ۹۳' ۹۴ والفخری ص ۲۰۳)

حسن وزارت سے پہلے طاہر کے مفتوحہ ممالک کا والی تھا' فضل کے بعد وزیر اعظم ہوا۔ لیکن اس کو فضل کے قتل کا ایسا شدید قلق اور اس کے دماغ پر اس کا اتنا اثر تھا کہ کچھ ہی دنوں کے بعد جنون ہو گیا اور اسی حال میں ۲۳۶ھ میں وفات پائی۔

**احمد بن ابی خالد** تیسرا وزیر ابو احمد بن ابی خالد الاحول تھا' یہ نہایت عاقل و فرزانہ' امور جہاں بانی کا ماہر' فصیح و بلیغ اور بڑا انشاپرداز تھا' حسن بن سہل کی وزارت کے زمانہ میں

مامون نے احمد کو وزیر بنانا چاہا' اس نے کہا میں اس عہدہ کے جملہ فرائض انجام دینے کے لیے حاضر ہوں' لیکن امیر المومنین مجھے وزارت کے لقب سے ملقب نہ فرمائیں' مامون نے اسے نہ قبول کیا' اور باقاعدہ اسے وزیر بنا دیا' ۲۱۶ھ میں اس نے وفات پائی۔

(الفخری ص ۲۰۵)

**احمد بن یوسف** احمد بن ابی خالد کے بعد احمد بن یوسف بن قسم کو قلم دان وزارت سپرد ہوا۔ یہ بھی فضل و کمال اور ادب و شاعری میں نہایت ممتاز تھا امور جہانبانی اور آداب سلطانی میں مہارت حاصل تھی' احمد بن ابی خالد کے بعد حسن بن سہل کی رائے سے وزارت کا عہدہ اس کے متعلق کیا گیا۔ یہ بھی چند دنوں کے بعد مر گیا' اس کی موت کے بارہ میں دو روائتیں ہیں ایک یہ کہ اس کو مامون نے ایک گستاخی پر سزا دی' اس کے صدمہ سے کچھ دنوں کے بعد مر گیا۔ دوسرے یہ کہ وہ خود اپنی کسی لغزش کے صدمہ سے مرا۔

(الفخری ص ۲۰۶'۲۰۷)

**ثابت بن یحییٰ** اس کے بعد ابو عباد ثابت بن یحییٰ بن یسار رازی کو منصب وزارت تفویض ہوا' یہ ایک اچھا کاتب تھا' حساب میں بڑی مہارت رکھتا تھا' لیکن سخت تند مزاج اور سریع الغضب تھا' غصہ کی حالت میں بالکل قابو سے باہر ہو جاتا تھا۔

**ابو عبداللہ محمد بن یزداد** مامون کا سب سے آخری وزیر عبداللہ محمد بن یزداد بن سوید تھا' یہ خراسان کا باشندہ تھا' اس کے آباؤ اجداد مجوسی تھے' اس خاندان میں سب سے پہلے سوید نے اسلام قبول کیا' سوید کے بچپن میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا' اس کی ماں نے اس کو ایک عجمی کاتب کے حوالہ کر دیا تھا' کاتب نے بڑی توجہ سے اس کو تعلیم و تربیت دی' خصوصاً فارسی آداب کی نہایت عمدہ تعلیم دی' حصول تعلیم کے بعد مرو کے دفتر محاسی میں ملازم ہو گیا' ایک دن پانی برس رہا تھا اس لیے دفتر کے محرر اور بعض دوسرے عہدیدار نہ آسکے تھے' نگران کا میر منشی آگیا تھا' اس کو کچھ ضروری حساب و کتاب کرنا تھا' دفتر بالکل خالی تھا' اس لیے خود کام کرنے لگا' کام کرتے کرتے اس پر غنودگی طاری ہو گئی اور وہ کاغذات سوید کے سپرد کر کے سو گیا' سوید اس کام سے واقف تھا' اس نے اس کو بحسن و

خوبی پورا کر دیا، میر منشی کی آنکھ کھلی تو اس نے کاغذات مانگے، سوید نے لاکر حاضر کیے اس نے دیکھا کہ بقیہ کام نہایت خوش اسلوبی اور صفائی سے پورا کر دیا گیا ہے، پوچھا کس نے کیا؟ سوید نے کہا میں نے، یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا اور اپنے خاص دفتر میں ملازم رکھ لیا رفتہ رفتہ اس نے اتنی ترقی کی کہ ثابت بن یحییٰ کے بعد مامون نے وزارت کے لیے اس کو منتخب کیا اور جملہ امور مملکت اسکے سپرد کر دیئے، مامون کی وفات تک وہ اس عہدہ پر رہا۔

(الفخری ص ۲۰۸)

**وفات** اوپر گذر چکا ہے کہ مامون نے ارض روم پر فوج کشی کی تھی، واپسی میں ایک مقام پر منزل ہوئی۔ قریب ہی دریائے بدندون تھا، اس کی سیر کو گیا اور تفریحاً" دریا میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا اور پانی کی ٹھنڈک اور صفائی کی تعریف کرنے لگا۔ اسی دوران میں سرکاری ہرکارہ پہنچا اور عراق کا تازہ تازہ کھجور لایا، مامون اور اس کے ساتھیوں نے یہیں بیٹھے بیٹھے کھجور کھائے۔ اور دریا کا پانی پیا، معلوم نہیں اس میں کیا اثر تھا کہ یہاں سے اٹھتے اٹھتے سب کو بخار آگیا، مامون کو ایسا سخت آیا کہ پھر نہ اترا، شاہی طبیب بختیشوع اور ابن ماسویہ ہمرکاب تھے، ہر طرح کی تدبیر کی مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوا۔ اور بہت جلد معمولی بخار نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی، اس کا لڑکا عباس اور بھائی معتصم ساتھ تھے، فقہاء اور قضاۃ کے روبرو معتصم کو ولی عہد نامزد کر کے ضروری وصیتیں کیں، یہ وصیت بہت طویل ہے اس کے بعض ٹکڑے یہ ہیں۔

"میری حالت سے سبق حاصل کرو، خلق قرآن کے مسئلہ میں میرا طریقہ اختیار کرنا جب تم پر خلافت کی ذمہ داری آئے تو خدا کے طالب اور اس کے عذاب و عتاب سے خائف کی طرح عمل کرنا، اس کی ڈھیل سے دھوکے میں نہ آنا اور یہ سمجھے رہنا کہ موت سر پر سوار ہے، رعایا کے امور سے کبھی غافل نہ رہنا۔ رعایا، رعایا، عوام، عوام، حکومت انہی سے عبارت ہے مسلمانوں کی نگرانی اور ان کے فائدہ سے غفلت نہ کرنا، ان کے بارہ میں خدا کا خوف کرنا، اپنی خواہشات کے مقابلہ میں ہمیشہ ان کے مفاد اور صلاح و فلاح کو ترجیح دینا، زبردستوں سے زیردستوں کا حق دلانا، ان پر بار نہ ڈالنا، ان میں باہم انصاف سے کام لینا، انہیں مانوس کرنا، قریب لانا۔ (طبری جلد ۱۱ ص ۱۳۷، ۱۳۸)

اس سے فراغت کے بعد حالت اور بگڑ گئی اور لوگوں نے کلمہ شہادت کی تلقین کی،

ابن ماسویہ طبیب نے روکا کہ اس وقت ان میں "معانی" اور خدا میں امتیاز کی صلاحیت نہیں ہے یہ سن کر مامون نے آنکھیں کھول دیں اور ابن ماسویہ کو پکڑنے کا قصد کیا، مگر طاقت جواب دے چکی تھی۔ کچھ بولنا چاہا، لیکن زبان نے یاری نہ دی، بمشکل اتنا کہا کہ "اے وہ جسے کبھی موت نہ آئے گی اس پر رحم فرما جو مر رہا ہے" یہ کہہ کر جمادی الثانی ۲۱۸ھ میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی، لاش طرطوس لے جا کر دفن کر دی گئی۔ وفات کے وقت ۴۸ سال کی عمر تھی، مدت خلافت بیس سال پانچ مہینے۔

(ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۴۶، ۱۴۷)

**فضل و کمال** مامون تدبیر و سیاست، عقل و دانش، فہم و فراست، فضل و کمال، عدل و انصاف، شجاعت و شہامت، فیاضی و دریا دلی، حلم و عفو، سادگی و تواضع، جملہ اوصاف میں کامل تھا۔

اس کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے ہوئی تھی، تعلیم کیلئے ہر فن کے ماہر مقرر کیے گئے تھے، اس کو خود بڑا شوق و ذوق اور علم سے فطری مناسبت تھی، اسلئے ہر فن میں اس نے کمال حاصل کیا، عباسی خلفاء کی تاریخ میں ایسا صاحب علم خلیفہ کوئی نہیں ہوا، علمی حیثیت سے وہ دنیا کے ممتاز ترین حکمرانوں میں تھا اور اس کا شمار اس عہد کے اکابر علماء میں تھا۔ کان المامون امارا بالعدل فقیه النفس یعد من کبار العلماء (تاریخ الخلفاء ص ۳۱۱) قرآن، تفسیر، فقہ، فرائض، ادب، شاعری، طب، فلسفہ، نجوم، ریاضی ہر فن میں کامل تھا، قاضی یحییٰ بن اکثم کا جو خود بڑے عالم تھے بیان ہے کہ امیرالمومنین بھی طب میں جالینوس، نجوم میں ہرمس، فقہ میں علی بن ابی طالب، سخاوت میں حاتم طائی، سچائی میں ابوذر، کرم میں کعب بن مامہ، اور ایفائے عہد میں سموؤل بن عادیا ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۲۱)

**مامونی عہد کی علمی ترقیاں** ان کمالات کے ساتھ وہ علم دوست اور علماء پرور تھا، علامہ ابن صاعد اندلسی لکھتے ہیں کہ جب عباسی سلطنت کے ساتویں خلیفہ مامون کو خلافت ملی تو اس نے اپنے دادا منصور کے اس کام کو جسے اس نے شروع کیا تھا، کمال تک پہنچا دیا، وہ اپنی بلند اور شریف ہمت اور اپنے نفس فاضل کی قوت سے علوم کو، ان کے خزانوں اور معدنوں سے نکالنے پر آمادہ ہوا، چنانچہ سلاطین روم سے تعلقات پیدا کیے، ان کو بڑے

بڑے ہدایا و تحائف بھیج کر اس کے بدلہ میں ان سے فلسفہ کی کتابیں طلب کیں' چنانچہ ان کے پاس افلاطون' ارسطاطالیس' بقراط' جالینوس' اوقلیدس اور بطلیموس وغیرہ کی کتابیں موجود تھیں بھیج دیں' اور مامون نے ماہرین مترجموں کو ان کتابوں کے ترجمہ پر مامور کیا' چنانچہ ان لوگوں نے جہاں تک ممکن تھا' ان کا ترجمہ کیا' ترجمہ ہونے کے بعد پھر مامون نے ان لوگوں کو ان کتابوں کے پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے کا شوق دلایا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے زمانہ میں بغداد میں علم کا بازار گرم ہو گیا اور سلطنت حکمت قائم ہو گئی اور جب علماء اور صاحب وجاہت لوگوں نے دیکھا کہ مامون وابستگان علم و فن کو اپنا مقرب خاص بناتا ہے اور ان کی صحبتوں میں بیٹھ کر' ان کے مناظروں اور ان کے علمی مباحث سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ان کو بڑے بلند مراتب پر پہنچاتا ہے' تو ان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا شوق پیدا ہو گیا' علماء' فقہاء' محدثین' متکلمین' اہل لغت' مورخین' شعراء' ماہرین اور نسابین سب کے ساتھ یہی طرز عمل تھا' اس قدر دانی اور علماء کی مسابقت فی العلم سے اسی زمانہ میں اکابر علماء کی ایک جماعت پیدا ہو گئی' جس نے اپنے بعد کے آنے والوں کے لیے طب کا راستہ بنایا اور ادب کے آئین و اصول وضع کیے' تا آنکہ عباسی حکومت رومیوں کے عہد کمال کا مقابلہ کرنے لگی۔ (طبقات الامم ابن صاعد اندلسی ص ۴۸'۴۹)

ملا کاتب چلپی لکھتے ہیں کہ جب خلافت مامون کے پاس آئی تو اس نے اپنے دادا ابو جعفر منصور کے کام کو تکمیل تک پہنچایا اور علوم و فنون کو ان کے مرکزوں اور معدنوں سے نکالنے کی طرف متوجہ ہوا' سلاطین روم سے فلسفہ کی کتابیں مانگ بھیجیں' چنانچہ ان لوگوں نے افلاطون' ارسطو' بقراط' جالینوس' اقلیدس اور بطلیموس وغیرہ کی کتابیں بھیجیں' اور مامون نے ماہر مترجمین سے ان کا ترجمہ کرا کے لوگوں کو ان کی تعلیم کی ترغیب دلائی اور چند دن کے اندر اندر ایک معتد بہ جماعت علوم و فنون سے آراستہ ہو گئی' (کشف الظنون ص ۲۶) اس سلسلہ میں کاتب چلپی نے ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مامون نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا' پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا ارسطو! پوچھا بھلائی کیا ہے؟ جواب ملا' جسے عقل اچھا کہے' پوچھا اس کے بعد' کہا جس کو شرع اچھا بتائے' اس خواب نے اس کے علمی شوق کو اور تیز کر دیا اور اسی وقت اس نے رومی کتب خانوں کی قدیم کتابوں کی فرمائش میں سلاطین روم کے پاس خطوط لکھے اور حجاج ابن مطر' ابن البطریق

اور بیت الحکمت کے ناظر کو بھیجا کہ یہ لوگ خود جا کر کتابیں انتخاب کر کے لائیں' ان کے آنے کے بعد یوحنا بن ماسویہ ان کے ترجمہ پر مامور ہوا۔ (کشف الظنون ص ۴۴۷)

یہ وہ زمانہ تھا کہ عقلی علوم روما میں ایک مصیبت سمجھے جاتے تھے اور یہاں سے علم و فن کا چرچا اٹھ چکا تھا' چنانچہ جب مامون کا خط قیصر کے پاس پہنچا اور اس نے کتابوں کی تلاش شروع کی تو ایک خانقاہ نشین راہب نے پتہ بتایا کہ فلاں مقام پر ایک مقفل مکان ہے جس میں قسطنطین نے تمام یونانی کتابیں بند کرا دی تھیں' اس وقت سے جو بادشاہ ہوتا ہے وہ اس پر ایک قفل کا اور اضافہ کرتا ہے' قیصر نے اعیان سلطنت سے مشورہ کیا سب نے کھولنے کا مشورہ دیا پھر راہب سے پوچھا کہ اگر یہ کتابیں اسلامی ملک میں بھیج دی جائیں تو مجھ پر دنیا میں کوئی وبال یا آخرت میں مواخذہ تو نہ ہوگا' تجربہ کار راہب نے جواب دیا' وبال و مواخذہ نہیں بلکہ ثواب ملے گا' کیونکہ یہ چیزیں جس مذہب میں داخل ہوئیں' اس کی بنیادیں ہلا دیں' چنانچہ مقفل خزانہ کھولا گیا اور اس میں سے بیشمار قدیم یونانی کتابیں نکلیں اور وہ سب مسلمانوں کے ملک میں روانہ کی گئیں' مامون نے ان سب کا ترجمہ کرایا۔

(اخبار الحکماء ص ۲۳)

بعض مترجمین کے نام یہ ہیں۔

یعقوب بن اسحاق کندی' یہ مسلمانوں میں پہلا شخص ہے' جس نے فیلسوف عرب کا معزز لقب حاصل کیا' اس کی چھوٹی بڑی تالیفات و تراجم کی تعداد پچاس سے اوپر ہے۔

(طبقات الامم اندلسی ص ۵۲)

حنین بن اسحاق عبادی یہ اپنے عہد کا بڑا صاحب کمال نصرانی طبیب تھا' اس کو یونانی' سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں کامل دستگاہ حاصل تھی اس نے یونانی کتابوں کے بکثرت عربی اور سریانی تراجم کیے اس کی تالیفات و تراجم بے شمار ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الحکماء ص ۱۱۸' ۱۲۲) قسطا بن لوقا بعلبکی نصرانی یہ دولت عباسیہ کا مشہور مترجم ہے' اس کو ریاضی' ہندسہ' ہیئت' منطق' طب اور علوم طبیعیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ یہ عباسیہ کے زمانہ میں روم گیا اور وہاں سے بہت سی رومی تصانیف ساتھ لایا' مترجم کی حیثیت سے بغداد طلب کیا گیا چنانچہ یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الحکماء ص ۱۷۳)

عمر بن فرخان طبری' یہ علم ہیئت کا بڑا زبردست ماہر تھا' مامون کے وزیر فضل بن سہل نے اس کو بلا کر مترجمین کے زمرہ میں منسلک کیا' اس نے بہت سی نجوم کی کتابیں مامون کے لیے ترجمہ کیں' نجوم کے علاوہ اس نے فلسفہ کی بعض کتابیں بھی مامون کے لیے لکھیں۔ (طبقات الامم ص ۵۵)

مامون کو یونانی علوم کے ساتھ فارسی علوم سے بھی دلچسپی تھی' برامکہ نے اپنے زمانہ عروج میں فارسی لٹریچر کا کافی ذخیرہ عربی میں منتقل کرایا تھا' مامون کے زمانہ میں یہ عالی شان خاندان تباہ ہو چکا تھا' اس لیے فارسی لٹریچر کی قومی سرپرستی ختم ہو گئی تھی' تاہم مامون کے ہمہ گیر ذوق سے یہ زبان بھی محروم نہ رہی تھی اور اس نے یونانی زبان کی طرح اس کے لیے بھی ماہر عجمی مترجمین فراہم کیے تھے' ان میں ایک مجوسی سہل بن ہارون ایرانی علوم کے ساتھ عربی زبان کا بھی بڑا ماہر تھا۔ بڑے بڑے ادیب اس کی انشاء پردازی کے معترف تھے اس نے کلیلہ دمنہ کے طرز پر ایک کتاب ثعلبہ و عفراء لکھی' اس کا بھائی سعید بھی نہایت لائق تھا' مامون نے اس کو بھی مترجم بنایا تھا۔ (فہرست ابن ندیم ص ۱۲۰) مامون ان مترجموں کو بیش قرار معاوضہ دیتا تھا' چنانچہ علاوہ انعام و اکرام کے مترجمہ کتاب کو تول کر اس کے ہم وزن سونا دیتا تھا۔

مامونی عہد میں علم ہیئت میں بھی بڑی ترقی ہوئی' چنانچہ کرہ ارض کی پیمائش اور رصد خانہ کا قیام تاریخ اسلام میں سب سے پہلے اسی عہد میں ہوا' اس وقت علمائے ہیئت مجسطی کی وجہ سے آلات رصد سے کافی طور پر واقف ہو چکے تھے' مامون نے ان کو جمع کر کے بطلیموس اور دوسرے علمائے ہیئت کے طرز پر قوانین مرتب کرنے کا حکم دیا' جن کے ذریعہ کواکب کا ارصاد کیا جا سکے' چنانچہ یحییٰ بن منصور' خالد بن عبدالملک مروزی' سند بن علی اور عباس بن سعید نے زیچیں تیار کر کے شماسیہ کے شہر میں رصد خانہ قائم کیا اور اس کے ذریعہ آفتاب اور بعض دوسرے ثوابت اور سیارات کے حالات معلوم کیے' یہ رصد خانہ تاریخ اسلام میں پہلا رصد خانہ تھا' اور رصد مامونی کے نام سے موسوم تھا۔ (طبقات الامم ص ۵۰) پھر اس کو زمین کی پیمائش کا شوق ہوا' چنانچہ اس نے بنو شاکر کو جو علم ہیئت کے بڑے ماہر تھے' کرہ ارض کی پیمائش کا حکم دیا' اور ان لوگوں نے سنجار کے وسیع میدان میں نہایت اہتمام سے کرہ ارض کی پیمائش کی ان کی تحقیقات کے مطابق اس کا محیط ۲۴ ہزار میل نکلا۔

(ابن خلکان جلد ۲ ص ۷۸)

مامون کے ذوق و شوق اور حوصلہ افزائی سے ارکان دولت، صاحب وجاہت اور ارباب ثروت بھی ادھر مائل ہو گئے اور چند دنوں میں جزیرہ، عراق، شام اور فارس کے مترجمین کا بغداد میں مجمع ہو گیا۔ ان میں نسطوری، یعقوبی، صابی، مجوسی، رومی اور براہمہ سب تھے، یہ سب یونانی، فارسی، سریانی، سنسکرت، بنطی، لاطینی وغیرہ کے تراجم کرتے تھے، اس سلسلہ تالیف و تراجم سے بغداد میں وراقوں اور کتب فروشوں کی کثرت ہو گئی۔ (تمدن اسلامی جرجی زیدان جلد ۳ ص ۱۴۳) اور بغداد علم و فن کا مرکز بن گیا، مامون کے عہد کی علمی ترقیوں اور اصحاب کمال کی تفصیل بڑی طویل ہے، جس کے لیے مستقل کتاب کی ضرورت ہے، عباسیوں کی علمی و تمدنی کارناموں پر جو حصہ زیر تالیف ہے اس میں زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہ چیزیں انشاء اللہ آئیں گی۔

**رعایا کی خبر گیری** ہارون ہی کے زمانہ میں عباسی حکومت اوج شباب تک پہنچ چکی تھی، مامون نے اس کو اور فروغ دیا، خصوصاً علم و فن کی خدمت و اشاعت میں اس کا قدم ہارونی عہد سے کہیں آگے بڑھا دیا۔

جب تک فضل بن سہل مامون پر حاوی رہا، اس وقت تک اس کو بذات خود امور مملکت کی جانب توجہ کرنے کا موقع نہ ملا، فضل اس کو یہاں تک حالات سے بے خبر رکھتا تھا کہ امام علی رضا کی ولی عہدی کے بعد بغداد سے مامون کی حکومت اٹھ گئی، لیکن اس کو خبر نہ ہونے پائی اس واقعہ نے مامون کو بہت ہوشیار کر دیا تھا، چنانچہ اس انقلاب کے بعد جب اس نے خراسان سے بغداد کا سفر کیا تو راستہ میں جن جن مقامات سے اس کا گزر ہوا، سب میں قیام کر کے وہاں کے حالات سے پوری واقفیت حاصل کی اور وہاں کے باشندوں کی بہتری اور فلاح کی تدبیریں کیں۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۵۵۰)

اس کے فیض سے سلطنت کے مغربی حصے بھی محروم نہ رہے، بغداد آنے کے بعد شام اور مصر وغیرہ کا بھی دورہ کیا، عباسی خلفاء میں یہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے قدم سے مصر کو نواز، مقریزی نے مصر کے دورے کے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ (خطوط مقریزی) شام کے دورے کے زیادہ حالات معلوم نہیں، لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ تفصیلی دورہ تھا، اور قوموں سے جو پرانے معاہدے ہوئے تھے ان کی بھی جانچ پڑتال کی تھی، چنانچہ دمشق

میں اس کے سامنے آنحضرت ﷺ کا ایک معاہدہ پیش کیا گیا' جس کو اس نے قائم رکھا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۵) بعض علاقوں کے محاصل پر نظر ثانی کر کے خراج گھٹایا' رے کے خراج میں تخفیف کی' (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۵) خبر رسانی اور پرچہ نگاری کے شعبہ کو بڑی وسعت و ترقی دی اور ہر صیغہ کے علیحدہ علیحدہ خفیہ نویس اور پرچہ نگار مقرر کیے ملک کے معمولی سے واقعہ سے بے خبر نہ رہتا تھا' اس کی وسعت اطلاع کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ (ابن خلکان تذکرہ مامون)

**عدالت** عدل کے قیام اور ظلم و جور کے انسداد میں بڑا اہتمام تھا' اتوار کے دن صبح سے ظہر تک رعایا کی شکائتیں سننے کے لیے خود بیٹھتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۹)

اس کے ایوان عدالت میں ادنیٰ اور اعلیٰ سب یکساں تھے' ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی شاہزادوں تک سے اپنا حق لے سکتا تھا' ایک مرتبہ ایک شکستہ حال بوڑھی عورت نے استغاثہ دائر کیا کہ مامون کے لڑکے عباس نے اس کی جائیداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ جب مقدمہ پیش ہوا تو مامون نے عباس کو بڑھی کے پاس کھڑا کر کے دونوں کے بیانات لیے' شاہزادہ فرط ادب میں آہستہ آہستہ بولتا تھا اور بڑھی کی آواز بلند تھی' وزیر دولت احمد بن ابی خالد نے روکا کہ امیرالمومنین کے سامنے بلند آواز سے باتیں کرنا خلاف ادب ہے' مامون نے منع کیا کہ جس طرح کہتی ہے کہنے دو حق نے اس کی آواز بلند کر دی ہے اور عباس کو گونگا کر دیا ہے' دونوں کے بیانات سننے کے بعد بڑھیا کے حق میں فیصلہ دیا اور موکل کو لکھ کر اس کی جائیداد واپس کرا دی اور بڑھیا کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔ (عقد الفرید ص ۹)

جب کبھی خود اسے فریق کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تو اس کے ساتھ بھی کوئی امتیازی برتاؤ نہ کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اس پر بیس ہزار کا دعویٰ کیا مامون کو قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑا' خدام نے اس کے لیے قالین بچھایا' قاضی القضاۃ نے روک دیا کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں برابر ہیں۔ کسی کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہیں کیا جا سکتا۔ مامون نے قاضی کی اس حق پرستی کے صلہ میں تنخواہ بڑھا دی۔ (المستطرف جلد ا ص ۱۱۰)

عمال کے ظلم و زیادتی کی پوری نگرانی تھی اور خلاف ورزی کی صورت میں ان کو سزا

ملتی تھی ایک مرتبہ ایک سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا' اس کی زبان پر بے ساختہ حضرت عمرؓ کا نام آگیا' مامون کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی' اس نے فوراً اس آدمی کو طلب کر کے پوچھا تم کو عمرؓ کا عدل یاد آیا؟ اس نے کہا' ہاں' مامون نے کہا خدا کی قسم! اگر میری رعایا عمرؓ کی رعایا جیسی ہوتی تو میں ان سے زیادہ عادل ہوتا اور اس آدمی کو انعام دے کر سپاہی کو موقوف کر دیا۔ (عقد الفرید جلد ۶ ص ۲۶)

اس کا قول تھا کہ بغاوت ہمیشہ عمال کی زیادتیوں کا نتیجہ ہوتی ہے اس لیے عمال کو ہمیشہ قیام عدل اور ظلم و زیادتی سے باز رہنے کی ہدایت کرتا تھا' اس کا اندازہ ان توقیعات یعنی مختصر احکام سے ہوتا ہے جو اس نے عمال کے خلاف داد خواہوں کی عرضیوں پر لکھے اور جنہیں تاریخ کے اوراق نے محفوظ رکھا ہے' چند نمونے یہ ہیں۔ ہشام کو لکھا:

"جب تک ایک شخص بھی میرے دروازہ پر تمہارا شاکی ہو گا۔ میرے دربار میں تمہاری رسائی نہ ہو گی۔" ہشام کے لڑکے کو لکھا' "شریف کی پہچان یہ ہے کہ اپنے سے اونچے کو دبائے اور زیر دست سے خوب دب جائے"۔ ابو عباد کو لکھا۔ "حق و باطل میں کوئی رشتہ نہیں ہے" اپنے ماموں زاد بھائی ابو عیسیٰ کو لکھا۔ "جب نفخ صور ہو گا تو نسب کام نہ آئے گا" حمید طوسیٰ کو لکھا' تقرب پر نہ پھولنا' حق میں تم اور ادنیٰ غلام دونوں برابر ہیں"۔ ابن فضل طوسی کو لکھا "تمہارا بے تمیز اور درشت خو ہونا تو میں نے گوارا کر لیا' لیکن رعایا پر ظلم نہیں برداشت کر سکتا"۔ عمر بن مسعدہ کو لکھا: "اپنی دولت کو عدل سے آباد کرو کہ ظلم اس کو ڈھا دینے والا ہے"۔ (عقد الفرید جلد ۶ ص ۲۶)

**حلم و عفو** لیکن اپنی ذات کا جہاں تک تعلق ہے' حد سے زیادہ حلیم و بردبار تھا' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درشتی اور انتقام کا اس میں مادہ ہی نہ تھا' اپنے دشمنوں تک سے عفو و درگذر سے کام لیتا تھا' ابراہیم بن مہدی عباسی جس نے بغداد کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا' جب گرفتار ہو کر اس کے سامنے پیش ہوا اور یہ معذرت کی کہ اگر آپ مواخذہ کریں تو حق بجانب ہیں۔ اور اگر آپ معاف کر دیں تو مہربانی ہے تو مامون نے اس دشمن کے مقابلہ میں بھی عفو سے کام لیا اور کہا جاؤ میں نے تم کو معاف کیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۳)

امین کے درباری شاعر حسین بن ضحاک نے اس کا نہایت درد انگیز مرثیہ لکھا تھا' اس میں مامون کے متعلق بھی بہت سی ناروا باتیں تھیں اور اس کو بدنام کرنے کے لیے اس کے

ظلم کی جھوٹی داستانیں بیان کی تھیں' جب مامون کے ہاتھوں میں زمام خلافت آئی تو اس نے حسین سے کوئی مواخذہ نہیں کیا' صرف دربار میں آنے کی ممانعت کر دی' پھر چند دنوں کے بعد خود ہی اس کو بلا کر پوچھا کہ فلاں فلاں واقعات جو تم نے لکھے ہیں' کہاں تک صحیح ہیں' اس نے کہا امیرالمومنین میں امین کے قتل پر اپنے جذبات دبا نہ سکا' وفور غم میں غلط اور صحیح کی تمیز کس کو ہوتی ہے' میں نے مرحوم کے ماتم کا حق جن لفظوں میں ہو سکا ادا کر دیا۔ اگر آپ مواخذہ کریں تو آپ کا حق ہے اور بخش دیں تو آپ کی فیاضی ہے' یہ سن کر خود مامون کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور حکم دیا کہ اس کی تنخواہ بحال کر دی جائے۔
(ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۳)

اس کے تحمل اور عفو کی یہ آخری حد ہے کہ اپنے نوکروں تک کی باتیں سن کر چشم پوشی کر جاتا تھا۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۱۸۷) اسے عفو میں مزا ملتا تھا' کہا کرتا تھا کہ مجھے عفو میں اتنی لذت ملتی ہے کہ اس پر ثواب ملنے کی امید نہیں اگر لوگوں کو میرے عفو کا اندازہ ہو جائے تو وہ میرے جرائم کو میرے تقرب کا ذریعہ بنائیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۷) وہ آرزو کرتا تھا کہ "کاش مجرم میرے عفو سے واقف ہو جاتے تاکہ ان کے دلوں سے مواخذہ کا خوف دور ہو جاتا اور وہ سکون کی مسرت سے لطف اندوز ہوتے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۵)

مامون کے ایک درباری عبداللہ بن بواب کا بیان ہے کہ بعض اوقات مامون کے حکم پر ہم لوگوں کو غصہ آ جاتا تھا' ایک مرتبہ دجلہ کے کنارے بیٹھا تھا' سامنے قنات کھچی ہوئی تھی کہ ایک ملاح ادھر سے گزرا اور یہ اہتمام دیکھ کر بلند آواز سے کہا کہ مامون اپنے بھائی کو قتل کر کے ہم لوگوں کی نگاہ میں کبھی معزز نہیں ہو سکتا' یہ سن کر مامون مسکرا دیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا' تم لوگ کوئی ایسی تدبیر بتا سکتے ہو کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نگاہ میں معزز بن سکوں۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۱۸۹)

**تواضع اور بے تکلفی** مزاج میں حد سے زیادہ تواضع و انکساری اور سادگی و بے تکلفی تھی۔ خودی اور تمکنت کا نام نہ تھا اپنے خواص اور حاشیہ نشینوں میں نہایت سادگی اور بے تکلفی سے رہتا تھا' اس کا قول تھا کہ بادشاہوں کے لیے پہلا انصاف یہ ہے کہ وہ اپنے حاشیہ نشینوں کے ساتھ عدل کریں' اس کے بعد درجہ بدرجہ نیچے طبقوں تک۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۱۸۹) اپنے کام میں ملازمین کی راحت میں خلل ڈالنا پسند نہ کرتا تھا اور خود کر

لیتا تھا۔ دوسروں تک کا کام کر دینے میں کوئی تکلف نہ تھا' اس کی اس بے تکلفی اور سادگی کے بہت سے واقعات تاریخوں میں ہیں' قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کا جنہیں اس کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا اور اکثر حریم خلافت میں رہنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ بیان ہے کہ میں نے مامون سے زیادہ شریف الطبع نہیں دیکھا' ایک شب کو مجھے اس کے پاس سونے کا اتفاق ہوا' آدھی رات گئے مجھے پیاس معلوم ہوئی' میں پانی پینے کے لیے اٹھا' مامون کی نظر پڑی گئی' پوچھا قاضی صاحب کیا بات ہے؟ سوتے کیوں نہیں؟ میں نے عرض کیا' امیر المومنین پیاس معلوم ہوتی ہے اس نے مجھے واپس کر دیا اور خود جا کر آبدار خانہ سے پانی لے آیا' میں نے عرض کی امیرالمومنین خادم یا خادمہ کو کیوں نہیں جگا لیا' کہا سب سو رہے ہیں' میں نے عرض کیا تو میں خود ہی پی لیتا' بولا انسان کے لیے یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ اپنے مہمان سے کام لے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قوم کا سردار ان کا خادم ہے۔ (تاریخ خطیب جلد ۱۰ ص ۱۸۸)

ان ہی قاضی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شام میں شب کو مامون کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا' رات کو مجھے نیند نہیں آ رہی تھی' میں نے دیکھا کہ مامون کو کھانسی آتی ہے۔ اور وہ میری نیند کے خیال سے منہ میں آستین ٹھونس کر کھانسی کو روک رہا ہے آخر شب میں میری آنکھ لگ گئی اور دیر تک نہ کھلی' مامون صبح صادق کے وقت مسواک کیا کرتا تھا' لیکن میری نیند ٹوٹ جانے کے خیال سے نہ اٹھا' جب وقت بالکل آخر ہونے لگا تو میں نے کروٹ لی اس وقت اس نے تکبیر کہی' اور ملازم کو آواز دی کہ قاضی صاحب کے جوتے لاؤ۔

ایک شب کو اسے پیاس محسوس ہوئی' بہت سے لوگ سو رہے تھے مامون نے ان کی نیند میں خلل پڑنے کے خیال سے ملازم کو آواز دینا مناسب نہ سمجھا اور خود اٹھ کر پانی پی آیا۔

عبدالسلام بن صلح کا بیان ہے کہ ایک شب کو مامون نے مجھے روک لیا' ہم دونوں اتنی رات تک باتیں کرتے رہے کہ چراغ جھلملانے لگے' مامون نے روشنی کے محافظ کو آواز دی مگر وہ سو چکا تھا میں نے چاہا کہ اٹھ کر درست کر دوں' لیکن مامون نے روک دیا اور خود اٹھ کر درست کر دیا۔ اس کے بعد ملازم بیدار ہوا' میں نے خیال کیا کہ اس وقت

اس پر ضرور ڈانٹ پڑے گی، لیکن مامون نے کچھ نہیں کہا۔ (یہ اور اس قسم کے واقعات خطیب نے نقل کیے ہیں دیکھو جلد ۱۰ ص ۱۸۷ تا ۱۸۹)

**فیاضی** فیاضی اور سخاوت اسے باپ سے ورثہ میں ملی تھی، اس کی فیاضی کے واقعات اتنے زیادہ ہیں کہ آج شاید ان کے صحیح ماننے میں تامل ہو گا، اس کے نزدیک دولت کا مصرف یہی تھا کہ اس کو لٹایا جائے، شعراء، ادباء، اہل کمال، حاجت مند اس کی فیاضیوں سے مالا مال تھے کوئی حاجت مند اس کے دربار سے کبھی ناکام نہ واپس ہوا، شعراء کو ایک ایک مشت پچاس پچاس ہزار دے ڈالتا تھا، سیوطی اور ابن اثیر وغیرہ نے اس کی فیاضی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں، مفلس اور نادار بے بضاعتی کا تحفہ لاتے تھے اور دولت مند ہو کر واپس جاتے تھے، بوران اور مامون کی شادی کے موقع پر تمام وابستگان دولت نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تحفے پیش کیے تھے، ایک مفلس نے نمک اور اشنان کی دو تھیلیاں پیش کیں اور لکھا کہ اگرچہ ناداری سے ہمت نہ ہوتی تھی لیکن مجھے یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ اہل کرم کی فہرست میں میرا نام نہ ہو، نمک کی برکت اور اشنان کی لطافت آپ کے حضور میں نذر پیش کرنے کے لیے کافی ہیں، حسن بن سہل نے اسے مامون کی خدمت میں پیش کیا اس نے دونوں تھیلیوں کو اشرفیوں سے بھر کر واپس کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۷)

اس کی غلط بخششوں کے لیے خزانہ کی آمدنی ناکافی ثابت ہوتی تھیں، لیکن مامون کا ہاتھ نہ رکتا تھا، ایک مرتبہ وہ دمشق میں تھا، روپیہ کی تنگی تھی، مگر اتفاق سے جلد ہی خراج کی تین کروڑ کی رقم آ گئی، مامون نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ہم تو روپیہ لے کر واپس جائیں، اور ہمارے ساتھی محروم رہیں اور اسی وقت کل رقم تقسیم کرا دی۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۴۶)

اس کا اصول زندگی یہ تھا کہ جہاں تک ہو سکے اہل حاجت کی حاجات پوری کی جائیں یحییٰ بن خالد برمکی سے کہا کرتا تھا کہ لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کا موقع غنیمت جانو، آسمان کی گردش، اور زمانہ کا ظلم کسی کو اس حالت میں نہیں رہنے دیتا اور نہ کسی کی حیثیت یکساں قائم رہتی ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۲۶)

**پرائیویٹ زندگی** مامون کا عمل "در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق" پر تھا، اس کی زندگی کے دو رخ تھے، ایک بڑا رنگین تھا، نبیذ پیتا تھا، موسیقی کا شائق تھا، خود بھی

اس کا ماہر تھا' اس کے دربار میں بڑے بڑے صاحب کمال مغنی جمع تھے' رقص و سرود کی محفلیں ہوتی تھیں۔

**مذہبی حالت** دوسرا رخ مذہبی زندگی کا تھا' اس میں وہ معجون مرکب تھا اس کے بعض عقائد شیعی تھے' بعض اہل سنت کے اور بعض فلسفیانہ' حافظ قرآن تھا' خلفائے راشدین کو چھوڑ کر یہ دولت اور کسی خلیفہ کے حصہ میں نہ آئی تھی' خلفائے راشدین میں بھی صرف حضرت عثمانؓ کے حفظ قرآن پر اتفاق ہے۔ بعض رمضان میں اس نے پورے تیس قرآن ختم کیے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱۱) صبح صادق سے عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا'

آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک سے بڑی شیفتگی تھی' دمشق کے دورہ کے زمانہ میں آپ کا ایک فرمان مبارک جو غالباً کسی قوم سے معاہدہ پر مشتمل تھا' اس کے سامنے پیش کیا گیا' اسے آنکھوں سے لگا کر رویا' اور اس میں جو معاہدہ تھا اسے قائم رکھا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے جو عہد کیا تھا اس کو میں نہیں توڑ سکتا' واثق کی آنکھ میں کچھ شکایت تھی اسے دیا کہ اس کو آنکھوں سے لگاؤ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔

(ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۴۸)

عقائد میں مجموعہ اضداد تھا' فلسفہ کے مطالعہ اور غیر قوموں کے علماء کی صحبت کے اثر سے وہ خلق قرآن کا قائل تھا اور اس میں اس کو اتنا غلو تھا کہ علماء سے بالجبر خلق قرآن کا اقرار کرا کے اسے سارے مسلمانوں کا عقیدہ بنا دینے کی کوشش کی جن علماء کو اس کے ماننے میں تامل ہوا' انہیں سخت سزائیں دیں اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

بعض مسائل میں شیعوں کا ہم عقیدہ تھا' چنانچہ حضرت علیؓ کو شیخینؓ سے افضل مانتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱۳) سیوطی کے بیان کے مطابق اس نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص عزت و احترام کے ساتھ معاویہؓ کا نام لے گا اور ان کو کسی صحابی پر فضیلت دے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۷) لیکن یہ روایت قابل اعتبار نہیں۔

متعہ کے جواز کا قائل تھا اور اس کی عام منادی کرا دی تھی اس سے ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھلتا تھا' اس لیے اہل سنت پر یہ منادی بہت شاق گذری' لیکن کسی میں اس کی مخالفت کی جرات نہ تھی' بعض درباریوں نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو آمادہ کیا کہ وہ اس بارہ میں مامون سے گفتگو کریں۔ چنانچہ دوسرے دن جب وہ دربار میں گئے تو اتفاق سے اس

وقت مامون نہایت برہمی کے ساتھ حضرت عمرؓ کا یہ قول "رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں دو متعے تھے میں ان کو روکتا ہوں" نقل کر کے کہہ رہا تھا کہ جس چیز کی رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اجازت تھی اس کے روکنے کا کسی کو کیا حق ہے' قاضی صاحب بیٹھ گئے ان کا چہرہ متغیر تھا' مامون نے پوچھا' یحیٰ! چہرہ کیوں متغیر ہے؟ انہوں نے کہا امیر المومنین اسلام میں ایک رخنہ پڑ گیا' اس نے پوچھا وہ کیا؟ یحیٰ نے کہا زنا کی حلت کا اعلان' اس نے تعجب سے پوچھا زنا؟ یحیٰ نے کہا ہاں زنا' متعہ زنا ہی تو ہے' مامون نے کہا وہ کس طرح؟ یحیٰ نے کہا کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ سے اور کلام اللہ کی یہ آیت **الاعلی ازواجھم اوما ملکت ایمانھم** یعنی تمتع صرف دو طرح کی عورتوں سے جائز ہے' بیوی یا لونڈی" پڑھ کر پوچھا کیا ممتوعہ عورت لونڈی ہے؟ مامون نے کہا نہیں' پوچھا تو پھر بیوی ہے؟ اور اس کو شوہر کی وراثت اور شوہر کو اس کی وراثت ملتی ہے اور اس کے اور بیوی کے تمام شرائط یکساں ہیں' مامون نے کہا نہیں' یحیٰ نے کہا جب ممتوعہ ان دونوں میں سے کسی میں داخل نہیں ہے تو پھر قرآن کے مقرر کردہ حدود سے باہر ہے اس استدلال کے ساتھ حضرت علیؓ کی یہ روایت سنائی کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں متعہ کی حرمت کی جس کی پہلے آپ نے اجازت دی تھی منادی کرا دوں" اس گفتگو کے بعد مامون نے اپنے فعل پر استغفار کیا اور متعہ کی حرمت کی منادی کرا دی۔

(تاریخ خطیب جلد ۱۴ ص ۱۹۹' ۲۰۰)

ان واقعات کی بنا پر سنی مورخین اسے شیعہ لکھتے ہیں' لیکن در حقیقت وہ موجودہ اصطلاحی معنوں میں نہ سنی تھا نہ شیعہ بلکہ آزاد مشرب شخص تھا' فلسفہ کے مطالعہ اور مختلف قوموں کے علماء کی صحبت نے اس کے خیالات کو آزاد کر دیا تھا' خلق قرآن کا عقیدہ اسی آزاد خیالی کا نتیجہ تھا۔ شیعہ وہ اس لیے نہ تھا کہ گو وہ حضرت علیؓ کو شیخین سے افضل مانتا تھا' لیکن اور خلفاء سے سوئے ظن نہ رکھتا تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حسن عقیدت کے ثبوت میں اس کے اشعار موجود ہیں۔

البتہ شیعیت کا اثر اس پر ضرور تھا' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ شیعوں کے ماحول میں رہا۔ اس کی تربیت برامکہ کے زیر نگرانی ہوئی تھی' اس کا وزیر اعظم فضل بن سہل اس پر بہت حاوی تھا' فضل کا بھائی حسن بن سہل اس کا خسر تھا اور یہ سب کے سب شیعی عقائد

و خیالات رکھتے تھے، اگرچہ حکومت کے خوف سے ان میں غلو نہ تھا یا اس کا اعلان نہ کر سکتے تھے اس صورت میں مامون کا ان کے خیالات سے متاثر ہو جانا کچھ تعجب انگیز نہیں ہے، انہی اثرات کے ماتحت وہ اپنے اسلاف کے برعکس اہل بیت کے ساتھ بڑی محبت و عقیدت رکھتا تھا، امام علی رضا کو ولی عہد تک نامزد کر دیا تھا۔ یہ محبت امام علی رضا کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ وہ اہل بیت نبویؐ کے ہر فرد کے ساتھ خوش عقیدہ تھا۔ اس کے زمانہ میں ایک بزرگ یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین علوی کا انتقال ہوا، مامون کو ان کی موت کا سخت قلق ہوا، اور خلفاء کے دستور کے خلاف خود ان کے جنازہ میں شرکت کی، اتفاق سے اسی زمانہ میں ایک معزز عباسیہ خاتون منصور کی چچیری بہن کے لڑکے کا انتقال ہوا۔ تو مامون نے خود شرکت نہیں کی اور جنازہ میں شرکت اور تعزیت کے لیے اپنے بجائے اپنے بھائی صالح کو بھیج دیا، ان خاتون کو مامون کی اس کوتاہی سے بڑی تکلیف پہنچی اور انہوں نے صالح سے کہا، جا کر مراجل (مامون کی ماں جو لونڈی تھی) کے لونڈے سے کہہ دینا کہ اگر یحییٰ بن حسین ہوتے تو وہ منہ پر کپڑا ڈالے ہوئے ان کے جنازہ میں دوڑتا ہوا جاتا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۴۸)

اموی اور عباسی دونوں زمانوں میں علویوں پر حکومت کے عہدوں کے دروازے بند تھے، مامون نے انہیں بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا، اس کے خاندان کی ایک خاتون نے اس پر اعتراض کیا، مامون نے جواب دیا کہ میں گذشتہ خلفاء کی فروگذاشت کی تلافی کر رہا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱۲)

اس کی اس عقیدت کو دیکھ کر اہل بیت کے چند افراد نے مامون سے فدک کی واپسی کی درخواست کی، اس کے بارہ میں تحقیقات اور علماء سے استصواب کے بعد فدک یحییٰ بن حسین کے لڑکے محمد کے حوالہ کر دیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۵۷۳)

**اپنے متعلق مامون کا تبصرہ** یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ عموماً بڑے بڑے مشرقی سلاطین کے پردے میں دوسرے دماغوں کی کار فرمائی رہتی تھی، لیکن مامون کی عظمت ذاتی تھی، وہ کسی سہارے کا محتاج نہ تھا، وہ خود کہتا تھا کہ معاویہ کی قوت عمرو بن العاص کے بل پر تھی، عبدالملک کا سہارا حجاج تھا، لیکن میری قوت و عظمت خود میری ذات سے ہے۔ اسی لیے مورخین اس کو عباسی سلسلہ کا درمیانی گوہر کہتے ہیں۔ افتتاحی سفاح، اختتامی معتضد اور درمیانی مامون۔ (تاریخ الخلفاء ۳۱۱)

# ابواسحاق محمد بن ہارون الملقب بہ معتصم باللہ

## ۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ بمطابق ۸۳۳ء تا ۸۴۱ء

محمد المعتصم ہارون کا منجھلا لڑکا ایک لونڈی مارده کے بطن سے تھا' مامون صاحب اولاد تھا۔ لیکن اس نے انتہائی عاقبت اندیشی سے کام لیا' اور اپنی اولاد کے بجائے اپنے بھائی معتصم کو جو حکومت کا زیادہ اہل تھا' اپنے مرض الموت میں ولی عہد بنا کر اس کا اعلان عام کر دیا تھا' پھر بھی مامون کے بعد فوج نے عباس بن مامون کو خلیفہ بنانا چاہا' لیکن اس نے باپ کی وصیت کا لحاظ کر کے خود معتصم کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور کوئی اختلافی صورت پیش نہیں آئی۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مامون کی عجم نوازی کی وجہ سے ایرانیوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا' اور ان میں اور عربوں میں چشمک پیدا ہو گئی تھی' معتصم نے اپنے زمانہ میں ایرانیوں کا زور توڑنے کے لیے ترکوں کو آگے بڑھایا' اور ان کا اقتدار اتنا بڑھا کہ آگے چل کر حکومت کے لیے وبال جان بن گئے اور عربی اور عجمی چشمک ترکوں کی جانب منتقل ہو گئی۔

**محمرہ کی فتنہ انگیزی** معتصم کی مسند نشینی کے بعد ہی خبر آئی کہ خراسان کے پہاڑی علاقہ میں محمرہ (محمرہ سے مراد خرمی فرقہ ہے' یہ لوگ سرخ پوش تھے' اس لیے بعض عربی مورخین انہیں محمرہ بھی کہتے ہیں) نے ڈاکہ زنی شروع کر دی ہے۔ اور بہت سے خراسانی حجاج کو قتل کر ڈالا ہے معتصم نے ایک ترکی سردار ہاشم بن باتیجور کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا' مگر وہ ناکام رہا دوبارہ اسحاق بن ابراہیم کو بھیجا گیا' اس نے محمرہ کو تنبیہہ کر کے امن و امان قائم کر دیا۔

**محمد بن قاسم علوی کا خروج** محمد بن قاسم بن علی بن حسین بن علی ایک خاموش بزرگ تھے اور مسجد نبویؐ میں گوشہ گیر تھے۔ ایک فتنہ پرست خراسانی انہیں میدان میں کھینچ لایا اور خراسانی حجاج کو لا کر ان سے بیعت کرانے لگا' جب ان کے ارادت مندوں کا

حلقہ بڑھا تو ان کو خروج کے ارادہ سے مدینہ سے جوز جان لے گیا' یہاں کے والی عبداللہ بن طاہر کو ان کی خبر ہو گئی' اس نے ان کے ارادت مندوں کو منتشر کر دیا اور محمد بن قاسم کو ربیع الاول ۲۱۹ھ معتصم کے پاس بھجوا دیا گیا' اس نے اپنے خادم مسرور کے پاس قید کر دیا' سات آٹھ مہینے کے بعد ایک شب کو موقع پا کر نکل گئے اور پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۵۷ و اخبار العیون والحدائق ص ۶'۷)

**زط کی بغاوت** ۲۱۹ھ میں بصرہ کے راستہ میں زط (زط عراق میں مخلوط اقوام کا ایک جرگہ تھا) نے شورش برپا کی اور ایک شخص محمد بن عثمان کو سرغنہ بنا کر لوٹ مار شروع کر دی معتصم نے عجیف بن عینسہ کو ان کی سرزنش پر مامور کیا' اس نے راستہ میں ان کا مقابلہ کر کے ان کے تین سو آدمی قتل اور تین سو گرفتار کیے اور ان کے سر معتصم کے ملاحظہ کے لیے بھیجے اور سات مہینے تک کامل ان کا استیصال کرتا رہا اور ۲۲۰ھ میں ان کے ۲۷ ہزار مردوں' عورتوں اور بچوں کو قید کر کے بغداد لایا' معتصم کے ملاحظہ کے بعد ان کو عین زربہ جانے کی اجازت دی گئی' لیکن راستہ میں رومیوں نے ان سب کو ختم کر دیا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۵۸)

**بابک خرمی کی مہم** مامون کے عہد میں بابک خرمی کا حال گزر چکا ہے' کئی مہمیں اس کے مقابلہ میں ناکام رہ چکی تھیں اور اس کی شورش بہت بڑھ گئی تھی' زنجان اور اردبیل کے درمیان بہت سے سرکاری قلعے تباہ کر دیئے تھے' معتصم نے ابوسعید محمد بن یوسف کو ان قلعوں کی مرمت اور یہاں حفاظتی چوکیاں قائم کرنے کے لیے بھیجا' انہوں نے مرمت شروع کرائی تھی کہ خرمیوں نے پھر اس نواح میں تاخت کی' ابو سعید کو معلوم ہوا تو یہ ان کی تلاش میں نکلا راستہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا' ابو سعید نے بابک کے بہت سے آدمی قتل کر دیئے اور گرفتار کیے اور جو مسلمان ان کے قبضہ میں تھے ان کو چھڑایا۔

(ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۵۱)

آذربائیجان کے دو ممتاز آدمی محمد بن بعیث اور عصمہ کرد حاکم مرند بھی بابک کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے' معتصم نے طاہر بن ابراہیم کو ان کے مقابلہ میں مامور کیا' ابن بعیث نے معتصم کو لکھ بھیجا کہ بدستور بارگاہ خلافت کا اطاعت گزار ہوں اور بابک اور اس کی جماعت کو زیر کرنے کی تدبیر کر رہا ہوں' چنانچہ عصمہ کرد کو اپنے ہاں مدعو کیا اور

شراب پلا کر بدمستی میں گرفتار کر کے معتصم کے پاس بھجوا دیا' معتصم اس کی اس کارگزاری پر بہت خوش ہوا' عصمہ کی گرفتاری کے بعد معتصم نے ترکی افسر افشین بن حیدر اشروسنی کو بابک کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا' وہ راستہ میں پہاڑی علاقہ کے آدمیوں کو لیتا ہوا برزند پہنچا' اور کامل ایک سال تک بابک کا مقابلہ کرتا رہا' پھر برف باری کی وجہ سے جنگ روک دینا پڑی' سردی ختم ہونے کے بعد پھر بڑھا اور مختلف سمتوں میں فوجیں پھیلا دیں اور یدالروز میں جنگی استحکامات درست کر کے کمین گاہوں میں فوجیں چھپا کر رمضان ۲۲۲ھ میں بابک کے مستقر بذ کی طرف بڑھا' بابک مسلسل جنگ سے پریشان ہو چکا تھا' اس لیے اس نے افشین سے گفتگو کی خواہش کی' افشین نے منظور کر لیا اور دونوں ایک نہر پر ملے' ایک جانب افشین تھا اور دوسری سمت بابک' افشین نے اس کے سامنے امان پیش کی۔

اس نے ایک دن کی مہلت مانگی' افشین نے کہا ایک دن کی مہلت میں تم اپنے استحکامات درست کرنا چاہتے ہو' اگر تم کو امان منظور ہے فوراً وادی کو عبور کر کے چلے آؤ' بابک یہ فیصلہ سن کر واپس چلا گیا اور ایک شدید معرکہ کے بعد مسلمان بذ میں داخل ہو گئے' بابک شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہاں ۷۶۰۰ مسلمان قید تھے' افشین نے ان کو چھڑایا' بابک خچر پر سوار ہو کر نکل گیا' افشین نے آرمینیہ اور آذربائیجان کے علاقہ کے بطارقہ کو اطلاع دے دی اور بابک کی گرفتاری پر دس لاکھ درہم کے انعام کا اعلان کر دیا' بابک بذ سے نکل کر ایک بطریق سہل بن سنبناط کے پاس پہنچا' اس نے اس کو گرفتار کر کے افشین کو اطلاع دے دی۔ افشین نے آدمی بھیج کر اس کو بلوا لیا۔ خرمی تحریک نہ صرف حکومت بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھی اور اس سے ساری دنیائے اسلام میں ہنگامہ برپا ہو گیا تھا' اس لیے تمام ممالک محروسہ میں گرفتاری کا اعلان کرایا گیا اور افشین بابک کو لے کر معتصم کے پاس سر من رائی روانہ ہوا' بابک پر فتح یابی افشین کا نہایت اہم کارنامہ تھا' اس لیے افسران فوج نے کئی میل باہر نکل کر افشین کا استقبال کیا اور ۲۲۳ھ میں وہ سر من رائی میں داخل ہوا' معتصم نے بابک کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر قتل کرا دیا اور اس کی لاش سولی پر لٹکائی' اس کا بھائی عبداللہ بغداد میں سولی پر چڑھایا گیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۵۷۸' ۵۷۹ طبری اور ابن اثیر نے ان واقعات کو نہایت مطول لکھا ہے ہم نے اختصار کے خیال سے یعقوبی کا بیان نقل کیا ہے)

**آرمینیہ میں بے چینی** بابک کی شورش کی وجہ سے سارے آرمینیہ اور آذربائیجان میں بد نظمی پیدا ہو گئی تھی' چنانچہ اسی زمانہ میں سہل بن سنباط نے ران پر قبضہ کرلیا تھا۔ محمد بن سلیمان ازدی نے شب خون مار کر اس کو یہاں سے نکالا۔

ورثان میں محمد بن عبید اللہ نے بغاوت برپا کی' افشین نے منکجور کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا' لیکن علی بن یحییٰ ارمنی نے معتصم سے سفارش کرکے ورثان کا قصور معاف کرا دیا اور آرمینیہ کی حکومت پر محمد بن خالد کا تقرر ہوا۔ لیکن یہ بھی یہاں کا بگڑا ہوا نظام نہ سنبھال سکا' اور یکے بعد دیگرے کئی حکام بدلے' آخر میں حمدویہ بن علی کا تقرر ہوا۔ اس نے امن و امان قائم کیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۵۸۰ ملخصاً")

**مازیار والی طبرستان کی بغاوت** طبرستان کا حاکم مازیار بن قارن عباسی حکومت کا باجگزار تھا' اور خراسان کے دیوان کو خراج ادا کرتا تھا' لیکن موجودہ والی عبد اللہ بن طاہر اور اس کے تعلقات کشیدہ تھے' اس لیے معتصم خود خراج وصول کرا کے عبد اللہ بن طاہر کے پاس بھجوا دیا کرتا تھا' رفتہ رفتہ ان دونوں کی کشیدگی اتنی بڑھی کہ دونوں معتصم کے پاس ایک دوسرے کی شکائتیں پہنچانے لگے اور عبد اللہ بن طاہر کی مسلسل شکائتوں سے معتصم مازیار سے بدگمان ہو گیا۔

عبد اللہ بن طاہر اور افشین دونوں ممتاز امیر تھے اور ان میں باہم چشمک رہا کرتی تھی یہ چشمک اتنی بڑھی کہ مخالفت بن گئی اور افشین نے عبد اللہ بن طاہر کے عہدہ خراسان کی ولایت پر قبضہ کرنے کی کوشش شروع کی اور اس کے لیے اس نے مازیار کو عبد اللہ کے خلاف بھڑکایا' اسے یقین تھا کہ اگر مازیار باغی ہو گیا' تو اس کی سرکوبی اسی کے متعلق کی جائے گی' اس طرح اسے خراسان کی حکومت مل جائے گی مسعودی کا بیان ہے کہ مازیار افشین کا ہم مذہب تھا' اس لیے اس نے ہمدردی میں اس کو عباسی حکومت سے آزادی پر آمادہ کیا تھا۔ (مروج الذہب جلد ٦ ص ۱۳۸)

افشین اس کوشش میں کامیاب ہو گیا اور مازیار نے علم بغاوت بلند کر دیا اور دو مہینے کے اندر ایک سال کا پورا خراج وصول کرلیا اور آمل' ساریہ اور طبس کے باشندوں کو ہرمز آباد منتقل کرکے یہاں مقابلہ کے لیے تین میل لمبی شہرپناہ تعمیر کرائی اور ایک بڑی خندق

کھدوائی' یہ تیاریاں دیکھ کر جرجان کی آبادی نے جو عباسی حکومت کے رقبہ میں تھا' شہر خالی کر دیا معتصم اور عبداللہ بن طاہر کو ان حالات کا علم ہو چکا تھا' چنانچہ بروقت ان کی فوجیں پہنچ گئیں' اور مازیار کو ہر طرف سے گھیر لیا اور ایک سپاہی کی رہنمائی میں نو تعمیر شہر پناہ کے اندر گھس کر دشمن کی فوجوں پر ٹوٹ پڑیں' اس کا افسر سرخاستان حمام کر رہا تھا' اسے خبر ہوئی تو وہ حمام ہی سے بھاگ نکلا اور اس کا بھائی شہریار گرفتار کر کے قتل کیا گیا' سرخاستان کو بھی اس کے ایک آدمی نے پکڑ کر مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

**مازیار کی گرفتاری اور اس کا قتل** مازیار کی تند خوئی اور سخت گیری کی وجہ سے خود اس کے آدمی اس کے خلاف تھے' اس کا بھائی فوہیار بھی اس کا دشمن تھا۔ مازیار کی شکست سے اسے بدلہ لینے کا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ اس نے امان ولانے کے بہانہ سے اس کو لے جا کر گرفتار کرا دیا' اور وہ معتصم کے پاس بھجوا دیا گیا۔ معتصم نے اسے کوڑوں سے پٹوایا' جس کے صدمہ سے وہ مر گیا اس کے انتقام میں اس کے آدمیوں نے فوہیار کا خاتمہ کر دیا اور طبرستان کا پورا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔ (ابن اثیر میں اس کی تفصیل طویل ہے ہم نے فتوح البلدان کا خلاصہ لکھا ہے کتاب مذکور ص ۳۴۷'۳۴۸)

**منکجور کی بغاوت اور قتل** بابک کی مہم سے فراغت کے بعد افشین نے اپنے عزیز منکجور کو آذربائیجان کا حاکم بنایا تھا' اسے یہاں بابک کا جمع کیا ہوا خزانہ ہاتھ لگا۔ نامہ نگار نے معتصم کو اس کی اطلاع دی' منکجور نے اس سے انکار کیا اور نامہ نگار مذکور کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا' اردبیل کے باشندوں نے روکا تو ان سے بھی لڑ گیا' معتصم کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے افشین کو اس کے معزول کرنے کا حکم دیا' یہ آسانی سے ہٹنے والا نہ تھا' اس لیے افشین نے مقابلہ کے لیے فوج روانہ کی' منکجور کو خبر ہوئی تو اس نے علم بغاوت بلند کیا' لیکن افشین کی فوجوں نے اسے شکست دی اور وہ آذربائیجان کے ایک قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا' چند مہینوں کے بعد خود اس کے ساتھیوں نے پکڑ کے افسر فوج کے حوالہ کر دیا' اس نے معتصم کے پاس سامرہ بھیج دیا' یہاں وہ قید کر دیا گیا' منکجور کی بغاوت میں معتصم افشین سے بدظن ہو گیا۔

**جعفر بن فہرجس کی بغاوت اور قتل** اسی سنہ یعنی ۲۲۵ھ میں علاقہ موصل کا ایک

کرد جعفر بن فہرجس باغی ہو گیا' بہت سے کرد اور فتنہ پسند عوام اس کے ساتھ ہو گئے۔ معتصم نے عبداللہ بن سید کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا' جعفر اس وقت ماتعیس میں تھا' عبداللہ نے اس کو یہاں سے نکالا' یہ بھاگ کر ایک دشوار گزار درہ میں چلا گیا۔ عبداللہ بھی تعاقب میں پہنچا' جعفر اور اس کے ساتھی پہاڑی علاقہ کے واقف کار اور ایسے مقامات پر جنگ کے عادی تھے اور عبداللہ کی فوج بالکل ناواقف تھی' اس لیے عبداللہ شکست کھا گیا اور اس کی فوج کا بڑا حصہ کام آیا۔ عبداللہ کی شکست کے بعد معتصم نے یہ مہم ایتاخ ترکی کے سپرد کی' اس نے ایک سخت مقابلہ کے بعد جعفر کو قتل اور اس کے جرگے کو منتشر کر دیا' ایک روایت یہ بھی ہے کہ جعفر نے خود ہی زہر کھا لیا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۷۲)

**افشین سے بدظنی** اسی سنہ میں افشین معتوب ہو کر قید کیا گیا' اس کا واقعہ یہ ہے کہ بابک کے مقابلہ کے زمانہ میں افشین کے پاس آرمینیہ سے جو تحائف وغیرہ آتے تھے' انہیں وہ دارالخلافہ بھیجنے کے بجائے اپنے وطن اشروسنہ بھیج دیا کرتا تھا۔ عبداللہ بن طاہر والی خراسان نے جس کے تعلقات افشین سے خراب تھے' معتصم کو اس کی طلاع دی' معتصم نے جاسوس مقرر کر دیئے چنانچہ ایک مرتبہ افشین کا بھیجا ہوا روپیہ پکڑ لیا گیا اور عبداللہ بن طاہر نے اسے لے کر فوج میں تقسیم کر دیا اور لے جانے والوں کو قید کر دیا اور افشین کو لکھ بھیجا کہ میں نے ایک رقم پکڑی ہے جس کے متعلق لے جانے والوں کا بیان ہے کہ وہ تمہاری بھیجی ہوئی ہے' لیکن مجھے یقین ہے کہ تم بغیر مجھے بتائے ہوئے اس قسم کی رقم اشروسنہ نہ بھیجتے' میں نے وہ رقم ان لوگوں سے لے کر فوج میں تقسیم کر دی' اگر یہ رقم واقعی تمہاری تھی تو جب بغداد سے روپیہ آئے گا تو ادا کر دیا جائے گا۔ اور اگر تمہاری نہیں تھی تو اس قسم کی رقمیں بحق امیرالمومنین ضبط کی جا سکتی ہیں۔ افشین نے جواب دیا کہ میرا اور امیرالمومنین کا مال ایک ہے اور جن لوگوں کو تم نے گرفتار کیا ہے' انہیں چھوڑ دو' عبداللہ اور افشین میں پہلے سے چشمک تھی' اس واقعہ سے ان دونوں کے تعلقات اور کشیدہ ہو گئے اور افشین نے اس کے انتقام میں عبداللہ بن طاہر کو خراسان سے ہٹانے کے لیے مازیار والی طبرستان کو بھڑکایا' جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' معتصم کو افشین کی اس سازش کا علم ہو گیا' اس کے بعد منکجور کی بغاوت میں اس کے اشارہ کا شبہ تھا' ان واقعات نے معتصم کو اس سے بدظن کر دیا اور اس کے ساتھ اس کا طرز عمل بدل گیا۔

(طبری جلد ۱۱ ص ۱۳۰۲، ۱۳۰۴)

مسعودی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ افشین سے معتصم کی بدگمانی کے اسباب میں ایک سبب افشین کا قومی تعصب تھا، گو وہ معتصم کے امراء میں تھا، لیکن اپنی عجمیت کی وجہ سے وہ دل میں تعصب رکھتا تھا اور مازیار کو اس نے اسی جذبہ کے ماتحت عباسی حکومت کے خلاف بھڑکایا تھا، بلکہ یہاں تک ثبوت ملتا ہے کہ وہ باطن میں اپنے آبائی مذہب پر قائم تھا اور اس کے قتل کے بعد اس کے یہاں وہ بت برآمد ہوئے جن کی پرستش کرتا تھا۔ (مروج الذہب جلد ۶ ص ۱۳۸) ان تمام اسباب کی بنا پر معتصم کا رویہ اس کے ساتھ بدل گیا۔

## افشین کی گرفتاری اور اس کا قتل

افشین نے اس کو محسوس کیا تو ارادہ کیا کہ موقع پاکر آرمینیہ بھاگ جائے اور خزر کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرے، لیکن اتنے بڑے افسر کا لاؤ لشکر سمیت چھپ کر نکل جانا آسان نہ تھا۔ اس لیے جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے معتصم اور اس کے افسروں کو دعوت میں بلا کر زہر کھلا دینے کا ارادہ کیا۔ اس سازش میں معتصم کے بعض معتمد علیہ آدمی بھی شریک تھے، اس لیے افشین کا منصوبہ پورا ہونے سے پہلے ہی یہ راز فاش ہو گیا اور معتصم نے اسی وقت افشین کو بلا کر قید کر دیا اور ۲۲۶ھ میں قید ہی میں مروا ڈالا۔ (طبری ص ۱۳۰۶، ۱۳۰۷)

## مبرقع کی بغاوت

۲۲۷ھ میں فلسطین میں ایک عرب ابو حرب الملقب مبرقع (برقعہ پوش) نے بغاوت کی، اس کا اصلی سبب تو عرب و عجم کی کشمکش تھی، لیکن بغاوت کا واقعہ یہ ہوا کہ ابو حرب کی غیر حاضری میں ایک ترکی فوجی سردار نے اس کے گھر قیام کرنا چاہا، اس کی بیوی نے منع کیا، فوجی نے اس کو کوڑا مارا، مبرقع جب گھر آیا تو اس کی بیوی نے اس سے واقعہ بیان کیا اس نے غصہ میں اس فوجی افسر کو قتل کر دیا اور حکومت کے خوف سے بھاگ کر اردن کے پہاڑ میں روپوش ہو گیا اور گرفتاری کے خوف سے چہرہ پر نقاب ڈال کر نکلتا تھا، اس لیے مبرقع کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ اس نے لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت دینی شروع کر دی جو لوگ اس کے پاس آتے تھے ان سے معتصم کی برائیاں بھی بیان کرتا تھا۔ اس طرح چند دنوں میں اس نواح کے بہت سے کاشتکار اس کے معتقد ہو گئے اور وہ برابر اپنے مقصد کی تبلیغ کرتا رہا، اور اس کے عقیدت مندوں کا دائرہ بڑھتا رہا، چند یمنی عرب سردار بھی اس کے حلقہ عقیدت میں آ گئے، معتصم کو ان حالات

کی خبر ہوئی تو اس نے رجاء بن حیوۃ کو ایک مختصر فوج کے ساتھ بھیجا اس وقت مبرقع کے پیرووٗں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہو چکی تھی' اس لیۓ رجاء نے فوراً مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور مبرقع کے قریب ہی ٹھہر گیا' مبرقع کے پیرو زیادہ تر کاشتکار تھے' اس لیے جب کاشتکاری کا زمانہ آیا تو ان کی بڑی تعداد اپنے کام میں لگ گئی اور اس کے ساتھ کل بارہ سو آدمی رہ گئے۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۷۷) باقی حال آئندہ آئے گا۔

**فتح عموریہ** معتصم خود بڑا بہادر اور جنگ آزما تھا' اس لیے اس کے زمانہ میں بیرونی مہمات کا سلسلہ بھی جاری رہا' اس کے عہد کی سب سے اہم فتح عموریہ کی ہے۔ عموریہ ایشیائے کوچک میں رومیوں کا بڑا اہم مرکز تھا' اس لیے مورخین اس کو تاریخ اسلام کی نہایت اہم فتح شمار کرتے ہیں۔ (معجم البلدان جلد ۶ ص ۲۲۷) اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۲۳ھ میں جب بابک کو اپنی شکست کے آثار نظر آئے اور اس نے دیکھا کہ جب تک اسلامی فوجوں کا بادل نہ چھٹے گا اس وقت تک اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو اس نے توفیل بن میخائیل شہنشاہ روم کو لکھا کہ معتصم نے اپنی تمام قوت حتیٰ کہ اپنا درزی اور باورچی تک میرے مقابلہ میں بھیج دیا ہے اور دارالخلافہ بالکل خالی ہے تم کو حملہ کے لیے اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا' سلطنت روم اور خلافت بغداد دونوں پرانے حریف تھے اس لیے توفیل نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ایک لاکھ یا پونے دو لاکھ رومی لشکر' اس کے علاوہ خرمیوں کی جماعت کو لے کر زبطرہ پر چڑھ آیا اور یہاں کے مسلمان مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے' ملطیہ وغیرہ کے قلعوں کو خوب لوٹا' بہت سی مسلمان عورتیں گرفتار کیں اور مردوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر ناک اور کان کاٹ ڈالے گرفتار شدہ عورتوں میں ایک ہاشمی عورت بھی تھی' اس نے وامعتصماہ اے معتصم میری مدد کر کی فریاد کی۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۶۲)

معتصم کو جس وقت توفیل کے ان وحشیانہ مظالم' مسلمانوں کی دردناک حالت اور اس عورت کی فریاد کی خبریں پہنچیں۔ اس وقت وہ دربار میں تخت پر بیٹھا تھا' وہیں سے بیٹھے بیٹھے بولا' لبیک لبیک! میں پہنچا میں پہنچا' اور فوراً تخت سے اتر کر فوج میں کوچ کی منادی کرا دی اور انہیں جمع کرا کے خود ایک مسافر کی ضرورت کے بقدر سامان لے کر دربار عام میں آیا۔ اور بغداد کے قاضی عبدالرحمٰن بن اسحاق اور شعبہ بن سہل اور ان کے ساتھ ۳۲۸

دوسرے حکام عدالت کو ملا کر ان کے روبرو وصیت کی کہ میری جاگیر کا ایک ثلث میری اولاد کو اور ایک ثلث میرے موالی کو دیا جائے اور تیسرا حصہ خدا کی راہ میں صرف کیا جائے۔ وصیت کرنے کے بعد جماوی الثانی ۲۲۳ھ کو دجلہ کے مغربی سمت فوجوں کا پڑاؤ کیا اور عجیف بن عبنسہ' عمروالفرغانی اور دوسرے فوجی افسروں کو زبطرہ کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجا' لیکن رومی اس وقت لوٹ مار کر لوٹ چکے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ عبنسہ وغیرہ کے پہنچنے کے بعد جب ان کا خوف و ہراس دور ہوا تو پھر واپس ہو کر آباد ہوئے اور زبطرہ میں امن و سکون قائم ہوا۔ (ابن اثیر جلد ٦ ص ۱۶۲)

اس وقت دار الخلافہ کی فوجوں کا بڑا حصہ بابک کی مہم سے واپس نہ ہوا تھا۔ اس لیے معتصم چند دنوں تک اپنے لشکر گاہ میں ٹھہرا رہا' فوجوں کی واپسی کے بعد روم پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں' اس وقت عموریہ رومیوں کا سب سے بڑا شہر اور ان کا نہایت محکم قلعہ تھا' آغاز اسلام سے لے کر اس وقت تک یہ بالکل محفوظ و مصئون چلا آتا تھا' اس لیے معتصم نے اسی کو حملہ کے لیے منتخب کیا اور اسلحہ' خچر' چرمی خیمے' چرمی حوض' آتشبار مادے اور جملہ فوجی سامان اس کثرت سے فراہم کیا کہ اس سے پہلے کبھی کسی مہم کے لیے اتنا سامان نہیں مہیا کیا گیا تھا۔

اس سرو سامان سے وہ رومی حکومت کی طرف بڑھا اور سلوقیہ پہنچ کر منزل کی' اور یہاں سے انگورہ پر حملہ کرنے کے لیے افشین اور اشناس کو مختلف سمتوں میں بھیجا' اور ایک دن مقرر کر کے سب کو ایک مقام پر جمع ہونے کا حکم دیا۔ (طبری جلد ۱۱ ص ۱۲۳۶' ۱۲۳۷)

توفیل کو جس وقت معتصم کی آمد کی خبر ملی تھی' اسی وقت وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کے لیے روانہ ہو گیا تھا' اور ایک مناسب مقام پر اپنی فوجیں ٹھہرائی تھیں' چنانچہ جیسے ہی اس کو افشین کی پیش قدمی کی خبر ملی' اپنے ایک عزیز کو لشکر گاہ میں چھوڑ کر خود اس کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گیا' آرمینیہ کے اطراف میں دونوں کا سامنا ہوا' اور ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ مسلمانوں کا پورا پیدل دستہ کام آگیا' افشین چند گھنٹوں کے بعد پھر سنبھل کر بڑھا اور اس زور و شور سے رومیوں پر حملہ آور ہوا کہ ان کی فوجیں درہم برہم ہو گئیں' اس ابتری میں خود توفیل اپنی فوج کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور اس کے لشکر گاہ کی فوجیں منتشر ہو گئیں' جب یہ طوفان تھما اور توفیل واپس آیا تو فوجیں منتشر دیکھ کر محافظ

فوجی افسروں پر سخت برہم ہوا اور ان کے سر قلم کر کے تمام فوجی مرکزوں میں لکھ بھیجا کہ جو لوگ لوٹ گئے ہیں ان کو کوڑوں سے پیٹ کر ایک مقام پر جہاں سے وہ دوبارہ مقابلہ کے لیے بڑھنے والا تھا' جمع کیا جائے اور ایک شخص کو انگورہ کی حفاظت کے لیے بھیجا' یہاں کے باشندے مسلمانوں کے حملہ کے خوف سے شہر چھوڑ کر نکل گئے تھے اس نے توفیل کو اس کی اطلاع دی' اس لیے توفیل نے اسے چھوڑ کر عموریہ کی حفاظت کا سامان کیا اور معتصم کے مقدمتہ الجیش پر چھاپہ مارنے کے لیے بڑھا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۹۳) معتصم کے جاسوسوں نے اس کو اس کی اطلاع دی' اس نے فوراً مقدمتہ الجیش کے افسر اشناس کو خبر دے کر ہدایت کی کہ تم وہیں توقف کرو وہیں تم سے ملتا ہوں اور اس درمیان میں رومیوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلا لو۔ اشناس نے یہ خدمت عمرو فرغانی کے سپرد کی' تحقیقات سے معلوم ہوا کہ توفیل مسلمانوں کے مقدمتہ الجیش کی تاک میں نکلا تھا' لیکن جب اس کو آرمینیہ کی سمت اسلامی فوجوں کے بڑھنے کی خبر ملی تو وہ ادھر چلا گیا' اس کی اطلاع کے بعد معتصم نے افشین کو راستہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا' لیکن وہ آگے بڑھ چکا تھا' اس لیے خط نہ ملا اور اشناس اور اس کے عقب سے معتصم دونوں آگے بڑھے۔ انقرہ کے قریب اشناس نے رومیوں کی ایک جماعت گرفتار کر کے قتل کی۔ ان میں ایک بڈھا تھا' اس نے کہا تم مجھے قتل کر کے کیا پاؤ گے اگر چھوڑ دو تو میں تم کو انگورہ کی ایک مفرور جماعت کا جس کے پاس خورد و نوش کا بہت سامان ہے پتہ بتا دوں۔ اشناس نے منظور کر لیا اور مالک بن کرد کو اس کے ساتھ کر دیا' اس نے مالک کو لے جا کر اس جماعت کے سر پر کھڑا کر دیا' مالک نے اس کے کل ساز و سامان پر قبضہ کر لیا' اس جماعت میں کچھ زخمی بھی تھے' ان سے افشین اور توفیل کی جنگ اور توفیل کی شکست کا حال معلوم ہوا' اور اس کے بعد افشین کے ہرکارہ نے پہنچ کر مفصل حالات اور فتح کا مژدہ سنایا پھر خود افشین انگورہ پہنچ گیا۔

(ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۶۳)

افشین کے آنے کے بعد انگورہ میں مسلمانوں نے فوجیں مرتب کیں' میمنہ پر افشین اور میسرہ پر اشناس کا تقرر ہوا' قلب کی قیادت خود معتصم نے اپنے ہاتھوں میں رکھی اور تینوں ایک دوسرے سے دو دو فرسخ کا فاصلہ دے کر تاخت و تاراج کرتے ہوئے عموریہ پہنچے' یہاں ایک مسلمان جو رومیوں کے ہاتھ میں پڑ کر عیسائی ہو گیا تھا' نکل کر ان سے مل

گیا اور بتایا کہ شہرپناہ میں ایک جگہ پر سوراخ ہے جو باہر سے چھپا دیا گیا ہے' لیکن اندر سے خول ہے' معتصم نے اسی مقام پر اپنا خیمہ نصب کر کے سنگباری کے ذریعہ سوراخ توڑ دیا' عموریہ کے بطریق باطیس نے توفیل کو اطلاع دی کہ شہرپناہ میں سوراخ ہو چکا ہے اس لیے میرا ارادہ ہے کہ کسی شب کو نکل کر مسلمانوں پر چھاپا مارتے ہوئے آپ کے پاس پہنچ جاؤں' یہ خط مسلمانوں کے ہاتھ پڑ گیا' معتصم نے اسی وقت شہرپناہ پر سنگباری کر کے اس کو ایک مقام سے توڑ دیا' عموریہ اور مسلمانوں کے درمیان صرف خندق حائل تھی' معتصم نے کھالوں کے بورے بنا کر اور ان میں مٹی بھر کے اس کو پٹوا دیا اور مسلمان سنگ بار آلات کے ساتھ شہرپناہ تک پہنچ گئے اور پھاٹک کے پاس دیوار توڑنا شروع کر دی' دوسری طرف افشین اور اشناس باری باری کر کے دو دن تک پوری قوت کے ساتھ حملہ کرتے رہے' تیسرے دن خود معتصم میدان میں آیا اور صبح سے شام تک نہایت گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی شام ہوتے ہوتے ہزاروں رومی زخمی ہو گئے شہرپناہ کے اس حصہ کے محافظ بطریق وبدوا نے روسائے روم سے اپنی حالت زار بیان کر کے امداد طلب کی لیکن اس میں اس کو مایوسی ہوئی اور اسے مجبور ہو کر معتصم سے جان بخشی کا طالب ہونا پڑا' اس نے امان دے دی اور بطریق مذکور اس کے پاس چلا آیا' ابھی ان دونوں کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ مسلمان ریلا کر کے شہر میں داخل ہو گئے یہ صورت دیکھ کر بطریق بہت خوفزدہ ہوا' معتصم نے اس کو اطمینان دلایا کہ تم مت گھبراؤ تمہارے تمام مطالبات منظور کیے جائیں گے' تمہاری خواہش کے خلاف نہ ہو گا' مسلمانوں کے عموریہ میں داخل ہو جانے کے بعد رومی کلیسائے اعظم کی آڑ پکڑ کر لڑنے لگے' اس لیے مسلمانوں کو اسے مجبوراً آگ لگا دینی پڑی اس آڑ کے ختم ہونے کے بعد عموریہ پر قبضہ ہو گیا' صرف باطیس بطریق ایک برج میں جما ہوا تھا' معتصم نے اسے امان دے کر وہاں سے ہٹایا' اور عموریہ پر کامل قبضہ ہو گیا' اس انقلاب میں بہت سے عوام مارے گئے' لیکن من پسند عمائد اور معززین کو کسی نے ہاتھ نہ لگایا یا اس فتح میں اس کثرت سے مال غنیمت ہاتھ آیا کہ پانچ دن تک برابر نیلام ہوتا رہا' اس کے بعد جو بچ گیا وہ پھونک دیا گیا' عام مسلمانوں نے لوٹ مار شروع کر دی' لیکن معتصم نے اسی وقت روک دیا' اور عموریہ کے تمام جنگی استحکامات توڑ دیے۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۶۲' ۲۶۴)

**عباس بن مامون کی بغاوت اور موت** عموریہ کی فتح کے بعد معتصم نے قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں' لیکن اسی دوران میں اس کے بھتیجے عباس بن مامون کی بغاوت کی خبر آ گئی۔ اس لیے یہ مہم ملتوی کر دینا پڑی' اس کی تفصیل یہ ہے کہ عرب سردار معتصم کی ترک نوازی سے بہت برہم تھے' عموریہ کی مہم میں اس کی مشغولیت کے زمانہ میں ایک سردار بھی ساتھ ہو گیا اور انہوں نے طے کیا کہ وہ معتصم' اشناس اور افشین وغیرہ کو قتل کر دیں گے۔ (ابن اثیر جلد ۱۶۶) معتصم کو اس کی خبر ہو گئی اس لیے وہ قسطنطنیہ پر حملہ کا خیال چھوڑ کر بغداد واپس آ گیا اور عباس کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور اس کا کل مال و متاع جس کی قیمت ایک لاکھ سولہ ہزار اشرفی تھی ضبط کر کے فوج میں تقسیم کر دیا' عباس کچھ دنوں کے بعد قید ہی میں مر گیا' بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موت طبعی تھی اور بعض سے پتہ چلتا ہے کہ افشین نے ہلاک کرا دیا۔ (یعقوبی جلد ۶ ص ۵۸۱)

**وزارت** معتصم کا سب سے پہلا وزیر فضل بن مروان بالکل نااہل تھا' اس کی اخلاقی حیثیت بھی پست تھی' اس کا کوئی وصف قابل ذکر نہیں ہے۔

اس کے بعد احمد بن عمار کو منصب وزارت سپرد ہوا تھا اس نے نہایت معمولی حالت سے ترقی کی تھی' شروع میں آٹا پیسنے کا پیشہ کرتا تھا اس کے ذریعہ اس نے بصرہ میں بڑی جائیداد پیدا کی' پھر بغداد آیا' فضل بن مروان نے اپنے زمانہ وزارت میں اس کی امانت کی تعریف کی تھی۔ اس لیے فضل کے معتوب ہونے کے بعد معتصم نے اس کو وزیر بنایا' یہ علم اور تدبیر و سیاست ہر چیز سے کورا تھا ایک مرتبہ معتصم کے پاس کسی عامل کا خط آیا جس میں "کلا" کا لفظ تھا' معتصم نے احمد سے "کلا" کی تشریح پوچھی' یہ نہ بتا سکا۔ معتصم نے کہا' خلیفہ جاہل اور وزیر عامی' وزیرے چنیں شہریارے چناں۔

پھر اس نے اپنے مصاحب خاص محمد بن عبدالملک الزیات سے استفسار کیا' اس نے "کلا" کے تمام مدارج بتائے کہ شروع میں جب سبزہ اگتا ہے تو اس کو "بقل" کہتے ہیں جب بڑا ہوتا ہے تو اسے "کلا" کہتے ہیں اور جب خشک ہو جاتا ہے تو اس کو حشیش کہتے ہیں' معتصم اس کی قابلیت سے بہت خوش ہوا' اور منشی کے عہدہ پر سرفراز کیا' پھر کچھ دنوں کے بعد وزیر بنا لیا۔ (الفخری ص ۲۱۲' ۲۱۳)

**محمد بن زیات** محمد بن زیارت کا دادا ابان ایک پہاڑی قریہ سکرہ کا باشندہ تھا' وہ زیتون کا

تیل بغداد لے جا کر بیچا کرتا تھا' اس لیے زیات کہلاتا تھا' لیکن محمد کی تعلیم و تربیت بہت اچھی ہوئی تھی' ادب و شاعری' تاریخ' آداب جہاں بانی' قوانین ملوک' فہم و فراست اور عقل و فرزانگی' جملہ اوصاف میں یگانہ تھا' (الفخری ص ۲۱۲) ابن خلکان کا بیان ہے کہ محمد بن زیات ادبائے عصر اور فضلائے وقت میں تھا اور بہت بڑا ادیب' فاضل بلیغ اور نحو و لغت کا بڑا عالم تھا' بڑے بڑے علمائے عصر نحوی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے تھے' علامہ ابو عثمان مازنی جب بغداد آتے اور ان کی مجلس میں نحو کے مسائل چھیڑتے تو جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا' ابو عثمان مباحثہ کرنے والوں کو محمد بن زیات کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے اور اسی کی رائے پر فیصلہ ہوتا۔ (ابن خلکان جلد ا ص ۵۴) شاعری میں اس کا پایہ بہت بلند تھا' تاریخوں اور تذکروں میں بکثرت اس کے اشعار ملتے ہیں' ان خوبیوں کے ساتھ بڑا مغرور' متکبر اور ظالم تھا' لوگوں کو سزا دینے کے لیے ایک تنور بنوایا تھا' جس کے اندر ہر طرف کیلیں لگی ہوئی تھیں' جس کو سزا دینا مقصود ہوتا تھا' اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا اور ذرا حرکت کرنے سے کیلیں ہر طرف چبھنے لگتی تھیں' اگر کوئی رحم کی درخواست کرتا تھا تو جواب ملتا کہ رحم ایک طرح کی کمزوری ہے' لیکن ظلم کبھی پھلتا نہیں' چاہ کن راچاہ درپیش' معتصم اور واثق کا زمانہ تو آرام سے گزرا۔ متوکل کے زمانہ میں اسی تنور میں ڈال کر ہلاک کیا گیا۔ (الفخری ص ۲۴)

**وفات** محرم ۲۲۷ھ میں معتصم نے پچھنا لگوایا' اس سے طبیعت ناساز ہو گئی' لیکن پھر افاقہ ہو گیا تھا کہ ایک دن زنام قصہ خواں نے چند عبرت آموز قصے سنائے انہیں سن کر طبیعت بگڑ گئی اور ربیع الاول ۲۲۷ھ میں انتقال ہو گیا اور اپنے آباد کردہ شہر سامرا میں دفن کیا گیا' ۴۷ سال کی عمر تھی مدت خلافت آٹھ سال آٹھ مہینے۔

**اوصاف** معتصم قوی دل' قوی جسم اور بڑا بہادر اور عظمت و شان اور ہیبت و جبروت کا خلیفہ تھا **کان المعتصم من اعظم الخلفاء واھیبھم** (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۴۰) جسمانی قوت غیر معمولی تھی' توانا سے توانا آدمی کا بازو دبا دیتا تھا' تو ہڈیاں چیخ جاتی تھیں۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۴۰) ایک ہزار رطل تقریباً ۵ من کا بار اٹھا کر چل لیتا تھا' (الفخری ص ۲۱۳) جسم اتنا ٹھوس تھا کہ دانت نہ گڑتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۰)

ان فطری اسباب کی بنا پر اس کو بزم کے بجائے رزم سے دلچسپی تھی' بڑی بڑی مہموں

میں خود نکلتا تھا' اس کو صرف دو چیزوں کا شوق تھا' حکومت کی شان و شکوہ اور میدان کارزار کے مناظر' اس کا روپیہ انہی چیزوں میں صرف ہوتا تھا اس کا سب سے بڑا بجٹ جنگی تھا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۷۸)

اس کی فوجی قوت اور جنگی مصارف کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عموریہ کے معرکہ میں سوار فوج کی تعداد پانچ لاکھ سے اوپر (الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد ۲ بحوالہ التیسیر والاعتبار اسدی) تھی' اور صرف شام کی سرحد کی حفاظت کا خرچ ایک لاکھ اشرفی سالانہ تھا۔
(الاسلام والحضارۃ العربیہ جلد بحوالہ التیسیر والاعتبار اسدی)

اس نے اپنی آٹھ سالہ مدت خلافت میں تمام اندرونی و بیرونی مخالف طاقتوں کا قلع قمع کر دیا جس طاقت نے سر اٹھایا' کچل کر رکھ دیا' عموریہ کی فتح اس کا سب سے بڑا جنگی کارنامہ ہے' خطیب کا بیان ہے کہ اس نے آٹھ ملک فتح کیے اور آٹھ دشمنوں کو مغلوب (تاریخ خطیب ص ۳۴۳) کیا ان میں سے اکثروں کا ذکر اوپر گزر چکا ہے سیوطی کا بیان ہے کہ اس کے زمانہ میں آٹھ فرمانروا اسیر ہوئے جس کی مثال کسی خلیفہ کے زمانہ میں نہیں ملتی۔
(تاریخ الخلفاء ص ۳۴۳)

**ترکوں کا عروج** اوپر گذر چکا ہے کہ معتصم نے ایرانیوں کا زور توڑنے کے لیے ترکوں کو آگے بڑھانے کی پالیسی اختیار کی' اور سمرقند' فرغانہ' اور اشروسنہ وغیرہ سے ہزاروں غلام خرید کر منگائے تھے اور انہیں دیبا کی وردیاں' سونے کے پٹکے اور زیورات پہناتا تھا۔
(تاریخ الخلفاء ص ۳۴۲) جس طرح ہارون اور مامون کے زمانہ میں ایرانیوں کا عروج ہوا تھا' اسی طرح اس کے زمانہ میں ترکوں کا ستارہ چمکا۔ اس سے حکومت کی شان تو ضرور بڑھ گئی اور فتوحات کو بھی فائدہ پہنچا' لیکن آئندہ چل کر جب حکومت کمزور پڑی تو ترکوں کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ خلفاء کا وقار بالکل جاتا رہا۔ اور وہ ان کے ہاتھوں میں تماشا بن کر رہ گئے' ترک جسے چاہتے تھے تخت پر قائم رکھتے تھے اور جسے چاہتے تھے اتار دیتے تھے۔ اس کے علاوہ معتصم ہی کے زمانہ میں عربی اور ترکی کشمکش بھی شروع ہو گئی جس کے بعض واقعات اوپر گذر چکے ہیں' اس سے حکومت کو نقصان پہنچا' معتصم کو آخر میں اپنی اس غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور اس نے اپنے ایک معتمد علیہ اسحاق سے اس کا اظہار بھی کیا تھا کہ بھائی مامون نے طاہر بن حسین' عبداللہ بن طاہر اور محمد بن ابراہیم وغیرہ کو آگے بڑھایا۔

یہ سب کے سب شریف ثابت ہوئے' لیکن میں نے افشین' اشناس' ایتاخ' اور وصیف وغیرہ کو آگے بڑھایا' ان میں سے کوئی بھی لائق اعتماد نہ نکلا' اسحاق نے جواب دیا کہ آپ کے بھائی نے شریف النسل لوگوں کو آگے بڑھایا' اس لیے ان کی اولاد بھی شریف ثابت ہوئی اور آپ نے ایسے لوگوں کو آگے بڑھایا جس کی کوئی جڑ بنیاد نہ تھی' اس لیے وہ کیسے شریف نکلتی' یہ کھرا جواب سن کر معتصم نے کہا' اسحاق یہ جواب میرے لیے اس تکلیف و اذیت سے زیادہ سخت ہے' جو میں اتنے دنوں سے برداشت کر رہا ہوں۔

(طبری جلد ۱۲ حالات معتصم)

**سامرا کی آبادی** ترک تہذیب و تمدن سے ناآشنا محض وحشی تھے' اس لیے بغداد میں ان کے ہجوم سے اہل شہر کو بڑی تکلیفیں پہنچتی تھیں' بے تحاشا گھوڑے کداتے پھرتے تھے۔ عورتیں' بوڑھے' بچے کچل جاتے تھے اور یہ پروا نہ کرتے تھے' اہل بغداد نے معتصم سے فریاد کی' اس نے ترکوں کی آبادی کے لیے بغداد کے قریب ایک مستقل شہر سامرا آباد کیا اور خود یہیں رہنے لگا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۴۱ و مروج الذہب جلد ۷ ص ۱۴۲)

**زمینوں کی آبادی** زمین کی آبادی اور رعایا کی آسودہ حالی کا بڑا خیال تھا' اس لیے اس کے زمانہ میں بکثرت افتادہ زمینیں آباد ہوئیں وہ کہا کرتا تھا کہ زمین کی آبادی میں بہت سے فوائد ہیں' اس سے مخلوق کی زندگی قائم ہے' خراج بڑھتا ہے' ملک کی دولت و ثروت میں اضافہ ہوتا ہے' مویشیوں کے لیے چارہ مہیا ہوتا ہے۔ نرخ ارزاں ہوتا ہے' کسب معاش کے ذریعے بڑھتے ہیں' معاش میں وسعت پیدا ہوتی ہے' اپنے وزیر کو عام حکم دے دیا تھا کہ جس پرتی زمین پر دس درہم خرچ کرنے سے ایک سال کے بعد گیارہ درہم ملنے کی امید ہو' اس کے آباد کرنے کے لیے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

(مروج الذہب جلد ۷ ص ۱۰۴)

**تعلیمی حالت** اپنے اسلاف کے برعکس اسے علم و فن سے کوئی سروکار نہ تھا' بچپن ہی سے وہ پڑھنے لکھنے سے بھاگتا تھا' ہارون نے اپنی دوسری اولادوں کی طرح اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی کیا تھا' لیکن اس کی طبیعت ہی رجوع نہ کرتی تھی' تعلیم سے اس کی نفرت کا ایک دلچسپ واقعہ تاریخوں میں مذکور ہے' بچپن میں اس کا ایک ہم مکتب مرگیا'

ہارون نے اس کی موت پر معتصم سے اظہار افسوس کیا' اس نے کہا ہاں کتاب کی زحمت سے نجات پائی' تعلیم سے یہ نفرت دیکھ کر ہارون نے اس کی تعلیم کی جانب سے توجہ ہٹالی۔ (تاریخ خطیب جلد ۳ ص ۳۴۳) وہ معمولی نوشت خواند سے زیادہ تعلیم نہ حاصل کر سکا۔

**ایک افسوسناک فتنہ** مامون کے عہد میں خلق قرآن کا فتنہ اٹھا تھا' اس کو اس مسئلہ سے اتنا شغف تھا کہ جو علماء اس کے منکر تھے انہیں سخت مصیبتیں جھیلنی پڑیں' مامون جس قدر خلق قرآن کے عقیدہ میں سخت تھا' حضرت امام احمد بن حنبلؒ اسی قدر اس کے انکار میں متشدد تھے' آپ بھی آزمائش سے بچ نہ سکے' لیکن مامون مرتے دم تک آپ سے اس کا اقرار نہ کرا سکا اور مرتے وقت معتصم کو ان پر سختی کرنے کی وصیت کر تا گیا' یہ جاہل اور ناشناس ادب تھا اس نے امام احمد بن حنبلؒ پر بڑی سختیاں کیں اور یہ فتنہ مامون کے عہد سے زیادہ بڑھ گیا معتصم کا غلو یہاں تک بڑھا کہ اس نے سارے ممالک محروسہ میں علماء سے خلق قرآن کا اقرار کرانے کے فرامین جاری کر دیئے اور معلموں کو حکم دیا کہ بچوں کو اس عقیدہ کی تلقیں کریں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۱) اس سے بڑا فتنہ پیدا ہوا جس کی تفصیل اس کتاب کے کسی حصہ میں آئے گی۔

**باورچی خانہ کا خرچ** اس کا دستر خوان بڑا وسیع تھا' باورچی خانہ کے مصارف ایک ہزار اشرفی روزانہ تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۳)

**سادگی اور بے تکلفی** حکومت کے دبدبہ و شکوہ سے تو اس کو بڑی دلچسپی تھی' لیکن پرائیویٹ زندگی میں بہت سادہ' بے تکلف اور خلیق تھا۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۷۸)

# ابو جعفر ہارون الملقب بہ واثق باللہ

## ۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ مطابق ۸۴۱ء تا ۸۴۴ء

واثق باللہ معتصم کا لڑکا ایک رومی لونڈی قراطیس کے بطن سے تھا' معتصم کی وفات کے دن سامرا میں اس کی بیعت ہوئی' اس کے دوسرے دن صبح کو اسحاق بن ابراہیم نے بغداد میں افسران فوج اور عمائد بغداد سے بیعت لی اور ربیع الاول ۲۲۷ھ میں وہ اورنگ خلافت پر متمکن ہوا۔ واثق معتصم سے بھی زیادہ ترک نواز تھا' اس لیے اس کے خلیفہ ہونے کے بعد ترکوں کو اور زیادہ عروج حاصل ہوا' ان کو بڑے بڑے مناصب پر ممتاز کیا' اشناس ترکی کو جوہرات کے ہار پہنائے اور سر پر جواہرات کا تاج رکھ کر نائب السلطنت بنایا' واثق سب سے پہلا شخص ہے جس نے نیابت سلطانی کا عہدہ قائم کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۶) اس لیے اس کے زمانہ میں عربی اور ترکی کشمکش اور عربوں کی مخالفت اور زیادہ بڑھ گئی۔

**بنی قیس کا فساد** چنانچہ واثق کی تخت نشینی کے ساتھ ہی قیسیہ نے دمشق میں فتنہ و فساد برپا کیا' واثق نے رجا بن ایوب فرازی کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا' اس نے پہلے زبانی پیام کے ذریعہ مطیع بنانے کی کوشش کی' لیکن جب وہ باز نہ آئے تو پھر تلوار بے نیام کی' اور پندرہ سو شورش پسندوں کو قتل کر کے اس کا فتنہ دبایا۔

**مبرقع کی گرفتاری** معتصم کے آخری زمانہ میں فلسطین میں ابو حرب مبرقع نے جو شورش برپا کی تھی' وہ اب تک قائم تھی' اس لیے قیسیوں کی شورش فرو کرنے کے بعد رجاء نے فلسطین کا رخ کیا' اس وقت مبرقع کا جرگہ جس میں زیادہ تر کاشتکار شامل تھے' بونے جوتنے کے لیے منتشر ہو چکا تھا اور مبرقع کے ساتھ صرف ہزار دو ہزار آدمی رہ گئے تھے ان میں کوئی مرد میدان نہ تھا' اس لیے عین جنگ کی حالت میں رجاء نے مبرقع کو زندہ گرفتار کر کے سامرا حاضر کیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۳)

**اعراب حجاز کی بغاوت** ۲۳۰ھ میں بنو قیس کی شاخ بنو سلیم نے نواح مدینہ میں

شورش بپا کی' حجاز کے بازاروں میں گھس جاتے تھے اور جس نرخ پر چاہتے تھے' زبردستی سودا لے لیتے تھے' بنی کنانہ پر حملہ کر کے ان کے آدمی قتل کر ڈالے' والی مدینہ محمد بن صالح نے حماد بن جریر کو قیام امن پر مامور کیا' انہوں نے قریش اور انصار کی مدد سے بنی سلیم کا مقابلہ کیا' لیکن شکست کھا کر قتل ہوئے اور بہت سے ممتاز قریشی اور انصار کام آئے۔

(ابن اثیر جلد ۷ ص ۳)

اس کامیابی سے بنی سلیم کے حوصلے اور بڑھ گئے اور انہوں نے عزیزہ خفاجی سلمی کو اپنا خلیفہ بنایا اور اطراف و جوانب کے مواضعات اور مکہ اور مدینہ کی درمیانی منزل گاہوں پر تاخت و تاراج شروع کر دی' اس بد امنی کی وجہ سے حج رک گیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۱۸۷ و ابن اثیر حوالہ مذکور) اس وقت واثق نے ایک بڑی فوج بغا کبیر ترکی کی زیر قیادت روانہ کی' اس نے شعبان ۲۳۳ھ میں سوارقیہ کے قریب جہاں بنو سلیم کے قلعے تھے' ان کا مقابلہ کر کے پچاس آدمی قتل اور پچاس گرفتار کیے' باقی بھاگ نکلے۔ ان کو شکست دینے کے بعد بغا نے امن پسندوں کو امان دے دی' اور ایک ہزار سے کچھ اوپر مفسدوں کو گرفتار کر کے مدینہ میں قید کر دیا' بنو سلیمؓ سے فراغت کے بعد ذات عرق جا کر ان کے شریک بغاوت بنو ہلال کو بھی امان دے دی' البتہ تین سو سرکشوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

(طبری جلد ۱۱ ص ۱۳۳۷' ۱۳۳۸)

اس شورش میں بنی فرازہ فدک پر قابض ہو گئے تھے اس لیے بنی ہلال کے بعد بغا ان کی طرف بڑھا' اس کے ہٹتے ہی مدینہ کے قیدیوں نے دیوار میں نقب لگا کر نکل جانا چاہا' مگر اہل مدینہ کو خبر ہو گئی اور انہوں نے روکنے کی کوشش کی تو قیدیوں نے ان پر حملہ کر دیا' دونوں میں جنگ ہوئی اس جنگ میں اہل مدینہ نے ان کی بڑی تعداد قتل کر دی۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۷ و یعقوبی جلد ۲ ص ۵۸۷)

**احمد بن نصر کا خروج** ۲۳۱ھ میں ایک بزرگ احمد بن نصر نے احتجاجاً" حکومت پر خروج کیا وہ مالک ہثیم خزاعی نقیب دولت عباسیہ کے پوتے اور صاحب علم و تقویٰ بزرگ تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا شعار تھا' امام مالکؒ سے سماع حدیث کیا تھا' یحییٰ بن معین جیسے محدث ان کے تلمیذ تھے۔ (کتاب المحنہ ص ۱۱۶)

واثق خلق قرآن اور رویت (اس کا حال اپنے موقع پر آئے گا) باری کے مسئلہ میں اپنے باپ معتصم کا ہم عقیدہ تھا اور محدثین کا گروہ اس عقیدہ کے خلاف تھا' اس لیے احمد بن نصر بھی اس کے مخالف تھے' انہوں نے اس میں اتنا تشدد اختیار کیا کہ بر سر عام واثق کو کافر اور سور کہتے تھے جب لوگوں نے ان کو عتاب سلطانی کا خوف دلایا تو ان کے پیرو ابو ہارون السراج اور ابو طالب نے ابو نصر کی دعوت شروع کر دی جسے بہتوں نے قبول کر لیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر احمد بن نصر کی بیعت لی' اور ابن نصر کے ماننے والوں کا دائرہ خاصا وسیع ہو گیا۔ اس وقت ان لوگوں نے طے کیا کہ ایک مقررہ شب کو بغداد کے مشرقی اور مغربی دونوں حصوں میں بیک وقت حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

احمد بن نصر کے اتباع میں ہر قسم کے لوگ تھے' ان میں سے بنی اشرس کے دو آدمیوں نے نبیذ کے نشہ میں موعودہ شب سے ایک شب پہلے ہی طبل پیٹنا شروع کر دیا' مگر چونکہ حملہ کے لیے شب مقرر ہو چکی تھی' اس لیے اس صدا کا کسی نے جواب نہ دیا' بغداد کے پولیس افسر محمد بن ابراہیم نے طبل کی آواز سنی تو سبب دریافت کیا' مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا' مزید تحقیقات سے ایک شخص عیسیٰ عور کے ذریعہ اس سازش کا پتہ چل گیا' چنانچہ ابو طالب اور ابو ہارون فوراً گرفتار کر لیے گئے' بنو اشرس کی خانہ تلاشی میں دو سبز علم برآمد ہوئے' جو بنو عباس کی مخالفت کا نشان تھے اس لیے احمد بن نصر کو بھی گرفتار کر کے ان کے گھر کی تلاشی لی گئی مگر ان کے یہاں کوئی مشتبہ چیز برآمد نہ ہوئی اور وہ واثق کے پاس بھیج دیئے گئے۔

احمد بن نصر کے سامرا پہنچنے کے بعد واثق نے علماء کی ایک عام مجلس منعقد کر کے احمد سے پوچھا کہ قرآن کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا' قرآن کلام اللہ ہے اور احمد پاک و صاف ہو کر قتل کے لیے آمادہ ہے' واثق نے پھر پوچھا' کیا قرآن مخلوق ہے؟ انہوں نے پھر وہی جواب دیا کہ قرآن کلام اللہ ہے' پھر سوال کیا کہ قیامت اور رویت باری کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "تم قیامت کے دن اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح بے بدلی کے صاف آسمان پر چودھویں کا چاند دیکھتے ہو" اس لیے میں اس حدیث کا پابند ہوں' اور دوسری مرفوع حدیث سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ کی ہے "کہ "ابن آدم کا

قلب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے۔ جس کو وہ بدلتا ہے"۔ اور رسول اللہ ﷺ دعا فرماتے تھے کہ "اے دلوں کے پلٹنے والے میرا دل اپنے دین پر قائم رکھ"۔ یہ سن کر اسحاق بن ابراہیم بولے' دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو' احمد نے کہا تم ہی نے مجھ سے کہلوایا ہے' اسحاق نے کہا میں نے کہا تھا؟ احمد نے جواب دیا تم ہی نے مجھے امیرالمومنین کو نصیحت کرنے کا مشورہ دیا تھا اور میری نصیحت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی مخالفت نہ کریں' اس گفتگو کے بعد واثق نے لوگوں سے پوچھا' ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ یہ سب اہل دنیا تھے' حاکم وقت کا اشارہ پاتے ہی زبانیں دراز ہو گئیں' عبدالرحمٰن بن اسحاق نے جو کسی زمانہ میں بغداد کے قاضی رہ چکے تھے اور احمد بن نصر کے دوست تھے ان کو مباح الدم قرار دیا' ابو عبداللہ ارمنی نے کہا' امیرالمومنین اس کا خون مجھے پلایئے' قاضی ابن داؤد جو ابن نصر کے خون کا بار بھی اپنے سر نہیں لینا چاہتے تھے' اور خلیفہ کی رضامندی کے بھی خواہاں تھے' یہ گول رائے دی کہ امیرالمومنین یہ کافر ہے' اس سے توبہ کرایئے غالباً اس کو کوئی دماغی مرض اور عقلی فتور لاحق ہو گیا ہے۔

ان فتووں کے بعد اسی مجلس میں واثق نے اپنے ہاتھ سے احمد بن نصر کا سر قلم کیا۔ (یہ واقعات طبری جلد ۱۱ ص ۱۳۴۳ تا ۱۳۴۸ میں تفصیل سے مذکور ہیں ہم نے ان کا خلاصہ نقل کیا ہے)

**قیدیوں کا تبادلہ** مسلمانوں اور رومیوں کی مسلسل جنگ کی وجہ سے طرفین کے ہزاروں قیدی ایک دوسرے کے ہاتھ میں گرفتار تھے' ۲۳۰ھ میں ان کا تبادلہ ہوا اور دونوں طرف کے ۴۳۶۲ قیدی چھوٹے یہ طبری کا بیان ہے' دوسرے مورخین اتنا اور اضافہ کرتے ہیں کہ اس تبادلہ میں بھی واثق نے اپنے متعصبانہ عقیدہ کا اس طرح اظہار کیا کہ جو مسلمان قیدی خلق قرآن کا اقرار اور رویت باری کا انکار کرتا تھا وہ چھڑا لیا جاتا تھا' اور جو نہیں کرتا تھا اس کو بدستور رومیوں کی قید میں رہنے دیا جاتا تھا۔

**بنو نمیر کی بغاوت** ۲۳۲ھ میں یمامہ کے اعراب میں شورش رونما ہوئی اور بنو نمیر نے فتنہ و فساد برپا کر دیا' واثق نے اس کو دبانے کے لیے بغا کو بھیجا' اس نے یمامہ کی ترائی میں ان کے کچھ آدمی قتل اور کچھ گرفتار کیے اور مراۃ میں فوجیں اتار کر بنو نمیر کے پاس اطاعت کے لیے پیغام بھیجا' انہوں نے اسے رد کر دیا اور ان کے کچھ آدمی یمامہ کی پشت پر کوہستان سود کی طرف چلے گئے' بغا ان کی تلاش میں نکلا مقام روضۃ الامان میں دونوں کا

سامنا ہو گیا' بنو نمیر نے بغا کے مقدمتہ الجیش اور میسرہ کو توڑ کر اس کے ایک سو سے زیادہ آدمی قتل کر دیئے اور سات آٹھ سو اونٹ اور باربرداری کے جانور زخمی کر کے ان کا سامان لوٹ لیا' اس لیے بغا کی قوت کمزور ہو گئی' بنو نمیر نے اس کمزوری کا اندازہ کر کے دوسرے دن پھر حملہ کر دیا' قریب تھا کہ بغا کا پورا دستہ ختم ہو جائے کہ اتنے میں دو سو تازہ دم سوار جو دوسری مہم سے فارغ ہو کر لوٹ رہے تھے' دفعتہ" بنو نمیر کے عقب سے پہنچ گئے' انہیں دیکھ کر بنو نمیر کا سوار دستہ بھاگ نکلا اور ان کی پیدل فوج کا بڑا حصہ بغا نے تہ تیغ کر دیا' ایک روایت میں اس واقعہ کی شکل دوسری طرح بھی بیان کی گئی ہے اس صورت واقعہ میں بھی بنو نمیر کے بہت سے آدمی مارے گئے اور ان کے رؤسا گرفتار ہوئے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۹)

**آرمینیہ میں خلفشار** اسی زمانہ میں آرمینیہ اور اس کے قرب و جوار کے بہت سے عرب اور بطارقہ میں بغاوت کے آثار رونما ہوئے' کوہستانی علاقہ اور باب و ابواب کے سلاطین اور امرا علیحدہ اپنے آس پاس کے علاقوں پر مسلط ہو گئے اور یہاں عباسی حکومت کی قوت بالکل کمزور پڑ گئی' اس لیے واثق نے خالد بن یزید بن مزید کو ایک بڑی فوج کے ساتھ روانہ کیا' باغیوں کو اس کی آمد کی خبر ہوئی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور ان میں سے اکثر نے ہدایا اور تحائف بھیج کر اطاعت کا اظہار کیا' لیکن خالد نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ جب تک ہدیہ دینے والا خود نہ آئے گا اس وقت تک اس کا ہدیہ قبول نہ کیا جائے گا' اس جواب سے وہ لوگ اور زیادہ خوف زدہ ہوئے اور خالد ایک باغی اسحاق بن اسماعیل کی طرف بڑھا' اسحاق میں اس کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی اس لیے وہ اپنے کو حوالہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا کہ خالد کا انتقال ہو گیا اور اس کی فوج منتشر ہو گئی اور آرمینیہ کی حالت پہلے سے بھی زیادہ ابتر ہو گئی۔ واثق نے خالد کے لڑکے محمد کو اس کی جگہ مامور کیا' اس نے احمد بن بسطام کو نصیبین روانہ کیا' احمد نے باغیوں کی پوری سرزنش کی اور انہیں قتل و گرفتار کر کے ان کے گھروں میں آگ لگا دی اور خالد کی فوج کے وہ آدمی جو اس کی موت کے بعد منتشر ہو گئے تھے' محمد کے پاس چلے آئے' اس نے صناریہ اور اسحاق کو شکست دے کر نظام قائم کیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۵۸۸)

**خوارج کی بغاوت** ۲۳۱ھ میں دیار ربیعہ کے خارجیوں نے سر اٹھایا' غانم بن ابی مسلم

نے ان کے سرغنہ محمد بن عبداللہ کو گرفتار کر کے سامرا بھیجا' اسی زمانہ میں اصفہان اور فارس میں کردوں نے شورش مچائی' وصف ترکی نے اس کو دبایا اور پانچ سو کرد گرفتار کئے' جن میں زیادہ تر نو عمر غلام تھے۔

**فتوحات** واثق کا عہد فتوحات سے بھی خالی نہیں ہے' اس کے زمانہ میں سسلی میں بعض اہم فتوحات حاصل ہوئیں ۲۲۸ھ میں فضل بن جعفر ہمدانی نے سسلی پر حملہ کیا' اور مسینی کے بندرگاہ پر فوجیں اتار کر مختلف سمتوں میں پھیلا دیں اور خود نابل کی طرف بڑھا' یہاں کے باشندے امان حاصل کر کے اس کے ساتھ ہو گئے' مسلمانوں نے دو سال تک اس کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی' آخر میں شہر کے چاروں طرف چکر لگا کر ایک مقام پر شہر میں داخلہ کا راستہ معلوم کر لیا' اہل شہر دوسرے حصہ کی مدافعت میں مشغول تھے اس لیے مسلمان پہاڑ کو عبور کر کے دفعتہ" عقب سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اس ناگہانی حملہ سے گھبرا کر اہل شہر نے میدان چھوڑ دیا' اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا' اسی سال شہر مسکان فتح ہوا۔

۲۲۹ھ میں ابوالعباس اغلب بن فضل شرہ تک بڑھتا چلا گیا' اہل شرہ نے روکنا چاہا۔ لیکن انہوں نے بڑی فاش شکست کھائی' دس ہزار رومی کام آئے اس کے مقابلہ میں صرف تین مسلمان شہید ہوئے۔ پھر ۲۳۲ھ میں فضل بن جعفر نے مسینی کا محاصرہ کیا اور دوران محاصرہ میں اس کو اطلاع ملی کہ مسینی کے باشندوں نے مقلیہ کے پادری سے مدد مانگی ہے اس نے مدد کا وعدہ کیا ہے اور اپنی آمد کی یہ علامت بتائی ہے کہ جب فلاں پہاڑ پر تین دن تک آگ روشن دیکھو تو سمجھ لو کہ چوتھے دن تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا' اس وقت تم تیار ہو جانا اور دونوں مل کر دفعتا" مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے' یہ راز معلوم ہو جانے کے بعد فضل نے مقررہ وقت سے پہلے اس پہاڑ پر تین دن تک برابر آگ روشن کرا دی' رومی پادری کے وعدہ کے مطابق فوراً جنگ کے لیے تیار ہو گئے' فضل نے ایک فوج کمین گاہ میں چھپا کر محاصرہ کرنے والوں کو ہدایت دے دی کہ جب مسینی کے باشندے شہر سے نکلیں تو تم کمین گاہ کی طرف پسپا ہو جانا' وہ تم پر حملہ آور ہوں گے اور جب وہ حملہ میں کمین گاہوں سے آگے نکل جائیں تو فوراً پلٹ کر حملہ کر دینا' چنانچہ اہل مسینی چوتھے دن جب بطریق کی امداد کی امید پر شہر سے نکلے تو سامنے مسلمان موجود تھے دیکھتے ہی ان پر حملہ

کر دیا اور رومی دونوں طرف سے گھر کر صاف ہو گئے جو باقی بچے انہوں نے اپنی جان و مال کی امان لے کر شہر حوالے کر دیا' اسی سنہ میں اکبردہ کے شہر طارنت میں مسلمان آباد ہوئے۔

**وزارت** معتصم کے آخری عہد میں قلمدان وزارت محمد بن عبدالملک بن زیات کے ہاتھ میں تھا واثق اس سے بہت برہم تھا' اس نے قسم کھائی تھی کہ خلیفہ ہونے کے بعد اس کو سخت سزا دے گا' لیکن محمد بن زیات کی غیر معمولی قابلیت نے واثق کو اس کی قدر شناسی پر مجبور کیا' اس کا واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد واثق نے اپنی بیعت کے لیے بارے میں کاتبوں کو ایک مراسلہ لکھنے کا حکم دیا' انہوں نے لکھ کر پیش کیا' ان میں سے کوئی تحریر واثق کو پسند نہ آئی اور یہ خدمت زیات کے سپرد ہوئی' اس کی تحریر اس کو بہت پسند آئی اس لیے وہ اس سے راضی ہو گیا' اور قسم کا کفارہ دے کر ابن زیات کو منصب وزارت پر قائم رکھا اور دوسرے کاتبوں کو اس کے اسلوب تحریر کی تقلید کی ہدایت کی واثق کے زمانہ میں آخر تک یہی ایک وزیر رہا۔ (ابن خلکان جلد ۲ ص ۶)

**وفات** ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں واثق استسقاء میں مبتلا ہوا' اطباء نے گرم تنور میں بٹھا کر بھاپ ولائی اس سے کچھ افاقہ محسوس ہوا' دوسرے دن اس نے تنور کو زیادہ گرم کرا کے دیر تک بھاپ لی۔ اس کے اثر سے بخار آگیا یہی بخار موت کا بہانہ بن گیا' وفات کے وقت بہ اختلاف ۳۲ یا ۳۶ سال عمر تھی۔ مدت خلافت ۵ سال ۹ مہینے کچھ دن۔

**حلیہ** واثق نہایت خوش رو اور خوش اندام تھا' رنگ سرخ و سپید تھا' بائیں آنکھ میں پھلی تھی۔

**علمی استعداد** اوصاف میں وہ مامون کا ثنیٰ تھا' ابن طقطقی کا بیان ہے کہ واثق عباسیہ کے افاضل خلفاء میں تھا' وہ فاضل' عقل مند' سمجھدار' فصیح البیان اور شاعر تھا' اس کے جملہ حرکات و سکنات مامون جیسے تھے' (الفخری ص ۳۱۵) سیوطی کا بیان ہے کہ واثق اپنے ادب اور فضل کی وجہ سے چھوٹا مامون کہلاتا تھا اس کے اوصاف کی وجہ سے مامون اس کی بڑی عزت و محبت کرتا تھا اور اسے اپنی اولاد سے زیادہ مانتا تھا موسیقی کا بڑا ماہر تھا اور اس فن میں وہ تمام عباسی خلفاء میں ممتاز تھا' موسیقی میں اس نے سو راگ ایجاد کیے تھے' عود

بہت اچھا بجاتا تھا' شاعری میں مامون سے زیادہ بامذاق تھا' مامون نے عربی اور غیر عربی علوم کو باہم خلط ملط کر دیا تھا' لیکن واثق نے عربی علوم کے حدود بالکل الگ رکھے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۳۴۸'۳۴۹)

**علمی مجالس** واثق آزاد خیال تھا اور مسائل میں تقلید کے بجائے آزادانہ فکر و تدبر کو زیادہ پسند کرتا تھا' اس بنا پر اسے اگلے پچھلے فلاسفہ اور مقننوں کی رائیں اور ان کے علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا' (مروج الذہب جلد ۷ ص ۲۷)اس کے دربار میں مختلف علوم و فنون کے علما کی دلچسپ صحبتیں ہوتی تھیں' مسعودی نے اس قسم کی ایک صحبت کا جس میں اطباء اور فلاسفہ کا مجمع تھا' نہایت مفصل حال لکھا ہے اس مجلس میں طبیعات مابعد الطبیعات اور العیہات' خصوصا طب کی نظری اور تجربی حیثیت پر بہت طویل مکالمہ ہوتا تھا' اس نے مشہور فلسفی و طبیب حنین بن اسحاق سے طب پر ایک کتاب لکھائی' جس کا نام کتاب المسائل الطبیعیہ تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو مسعودی جلد ۷ ص ۱۷۳تا۱۸۶)

**مسئلہ خلق قرآن** واثق کی اس فلسفیانہ طبیعت اور آزاد روی کا یہ نتیجہ تھا کہ خلق قرآن رویت باری کے مسئلہ میں محدثین نے قید و بند اور قتل کی مصیبتیں جھیلیں' احمد بن نصر دار پر سرفراز ہوئے یوسف بن یحیٰ فقیہہ صاحب شافعی اور نعیم بن حماد وغیرہ نے قید کی مشقت اٹھائی اور اسی میں جان دے دی۔ (کتاب المحنہ ص ۱۱۹'۱۲۰) یہ تو علمائے حق تھے' جنہیں ہر باطل کے مقابلہ میں اس قسم کی ستم آرائیوں کا شکار ہونا پڑا ہے۔ واثق اس بارہ میں اتنا تنگ خیال اور متشدد تھا کہ عوام تک سے ان اہم مسائل کا اقرار کرایا جاتا تھا۔ چنانچہ ۲۳۰ھ میں جب مسلمانوں اور رومیوں میں قیدیوں کا تبادلہ ہوا تو قاضی ابن ابی داؤد کے اشارہ سے جن کا یہ تمام فتنہ اٹھایا ہوا تھا وہ قیدی جو اس عقیدہ کا اقرار کرتے تھے چھڑا لیے جاتے تھے اور جو انکار کرتے تھے وہ رومیوں کی قید میں رہنے دیئے جاتے تھے کہ وہ اس عقیدہ میں کافر تھے' لیکن سخت حیرت ہے کہ عقیدہ کی اس شدت اور سخت گیری کے باوجود واثق نے امام احمد بن حنبلؒ پر کوئی سختی نہیں کی بلکہ ان کو خارج البلد کر کے رہا کر دیا' اور امام صاحب اس کی زندگی بھر اس کی نگاہ سے اوجھل رہے۔ (دیکھو کتاب المحنہ ص ۱۱۹'۱۲۰) خطیب بغدادی کی ایک روایت سے جو سیوطی نے نقل کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ واثق نے اپنی موت سے پہلے اس عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۷) ممکن ہے امام

احمد کی رہائی اسی رجعت کا نتیجہ ہو' لیکن سرکاری طور پر اس عقیدہ کی مخالفت متوکل کے عہد میں ہوئی۔

ان دونوں مسئلوں کے علاوہ اور امور میں وہ بڑا حلیم الطبع تھا محمد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ خلفاء میں کوئی خلیفہ واثق سے زیادہ حلیم' تکالیف پر صبر کرنے والا' اور خلاف طبع باتوں کو برداشت کرنے والا نہ تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴)

**علویوں کے ساتھ حسن سلوک** اس کے تحمل اور نرمی کا یہ ثبوت ہے کہ اس کے زمانہ میں اہل بیت نبوی (ﷺ) اور علویوں کو جو عباسیوں کے حریف مخالف تھے اور مدتوں سے ان کے مظالم سہتے چلے آتے تھے' آزادی ملی اور واثق نے ان کے رتبہ کے مطابق ان کا اعزاز و اکرام قائم کیا' واثق علویوں کا غیر معمولی احترام کرتا تھا' اور ان کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۹)

**رفاہ عام کے کام** اس نے اپنے عہد میں بہت سے ایسے کام کیے جن سے عام رعایا کو بڑا فائدہ پہنچا اور اس کی موت کے بعد لوگ مدتوں اس کو یاد کر کے رویا کرتے' خلفائے ماسبق کے زمانہ میں جہازوں سے بحری ٹیکس وصول کیا جاتا تھا' اس سے حکومت کو بڑی خطیر آمدنی ہوئی تھی' لیکن واثق نے اس ٹیکس کو بند کر دیا تھا۔ (ابوالفداء جلد ۲ ص ۳۶)

**حرمین کی خدمت** حرمین کی خدمت خلفاء کے لیے سرمایہ سعادت تھی' واثق بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا' وہ یہاں کے باشندوں کی اس فیاضی سے داد و دہش کرتا تھا کہ اس کے زمانہ میں مکہ اور مدینہ میں کوئی سائل باقی نہ رہا' جب اس کی موت کی خبر مدینہ پہنچی تو کہرام مچ گیا' مدینہ کی عورتیں ہر شب اس کی یاد میں بقیع میں جا کر روتی تھیں۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۱)

انتظامی امور میں بھی اس نے اصلاحیں کیں' اس کے زمانہ میں امراء اور اراکین دولت کا جن میں زیادہ تر کاتب تھے' استبداد بہت بڑھ گیا تھا اور رعایا کی دولت سے ان کے خزانے معمور رہتے' واثق نے ان تمام خائن اور مستبد کاتبوں پر بڑے بڑے جرمانے کیے' چنانچہ احمد بن اسرائیل سے ۸۰ ہزار دینار' ایتاخ ترکی کے کاتب سلیمان بن وہب سے ۴ لاکھ دینار' حسن بن وہب سے ۱۴ ہزار دینار' احمد بن خصیب اور اس کے کاتبوں سے ایک

کروڑ دینار' ابراہیم بن رباح اور اس کے کاتبوں سے ایک لاکھ دینار' نجاح سے ۶۰ ہزار دینار' بوالوزیر سے ایک لاکھ چالیس ہزار دینار وصول کیے۔ (ابوالفداء جلد ۲ ص ۳۶ و ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۱) گو اس سے خیانت کا تو انسداد ہو گیا' لیکن ایک بری مثال قائم ہو گئی اور آئندہ کسی امیر اور رکن حکومت کی دولت و ثروت محفوظ نہ رہی اور اس کی ضبطی ایک رسم بن گئی۔

**ترکوں سے غفلت** البتہ اس نے ترکوں کے غلبہ اور اقتدار کا جو روز بروز بڑھتا جاتا تھا کوئی تدارک نہیں کیا' جو آئندہ چل کر خود خلفاء کے لیے مصیبت بن گیا۔

# جعفر بن معتصم الملقب بہ متوکل علی اللہ

## ۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ مطابق ۸۴۷ء تا ۸۶۱ء

واثق کی وفات کے بعد اس کا بھائی جعفر بن معتصم تخت نشین ہوا' یہ ایک خوارزمی لونڈی کے بطن سے تھا' واثق کسی کو ولی عہد نہیں بنا گیا تھا' اس لیے اس کی وفات کے بعد قاضی احمد بن داؤد' ایتاخ' عمر بن فرج' احمد بن ابی خالد اور محمد بن زیات وغیرہ امراء انتخاب خلیفہ کے لیے جمع ہوئے' اکثروں کی رائے تھی کہ واثق کے نو عمر لڑکے محمد کو خلیفہ بنایا جائے۔ لیکن قاضی احمد بن داؤد نے مخالفت کی اور کہا' اس لڑکے کو خلیفہ بناتے ہوئے تم لوگوں کو خدا کا خوف نہیں معلوم ہوتا' ان کے اختلاف پر بحث شروع ہو گئی اور شاہی خاندان کے مختلف افراد کے نام لیے گئے' لیکن کسی پر نگاہ نہیں ٹھہری' آخر میں جعفر بن معتصم کو لایا گیا' قاضی احمد بن ابی داؤد نے بڑھ کر اس کو شاہی لباس پہنایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر سلام خلافت گذارا' اس پر سب کا اتفاق ہو گیا اور متوکل علی اللہ لقب اختیار کیا' بیعت خلافت کے بعد سات خلفاء کی اولادوں نے سلام خلافت گزارا' اور ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا' اس وقت اس کا ستائیسواں سال تھا۔

**وزیر بن زیات کا قتل** واثق کے زمانہ سے متوکل وزیر ابن زیات سے برہم تھا اس کا سبب یہ تھا کہ واثق کسی وجہ سے متوکل سے ناراض ہو گیا تھا اور اس کی نگرانی کے لیے دو آدمی متعین کر دیئے تھے' جو اس کے حالات کی اطلاع دیتے رہتے تھے' واثق پر ابن زیات کا بڑا اثر تھا' اس لیے متوکل ایک دن اس کے پاس گیا کہ وہ واثق سے سفارش کر کے اس کی صفائی کرا دے' ابن زیات نے اس کے ساتھ نہایت نازیبا برتاؤ کیا' پہلے تو مخاطب ہی نہیں ہوا اور دیر تک اس کو کھڑا رکھا' پھر کام ختم کر کے بیٹھنے کی اجازت دی اور خشمگین لہجہ میں پوچھا کیسے آئے ہو۔ متوکل نے کہا امیر المومنین کو مجھ سے راضی کرا دیجئے ابن زیات نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا' ان کو دیکھو' پہلے بھائی کو ناراض کرتے ہیں' پھر مجھ سے سفارش چاہتے ہیں' جاؤ جب تم اپنی حالت سدھار لو گے تو وہ خود راضی ہو جائیں گے۔

اس برتاؤ سے متوکل بہت افسردہ خاطر ہوا اور غمگین و ملول لوٹ آیا' ابن زیات نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ واثق کو اطلاع دی کہ متوکل چوٹی سنوارے' مخنثوں کی شکل میں میرے پاس آئے تھے اور چاہتے تھے کہ میں امیر المومنین سے ان کی صفائی کرا دوں واثق نے کہا ان کے بال کٹوا کر ان کے منہ پر کھینچ مارو' ابن زیات نے اس حکم کو ٹالنے کے بجائے اس کی تعمیل کر دی' پھر واثق کے بعد اس نے اس کے بجائے اس کے لڑکے کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی ان اسباب کی بنا پر متوکل ابن زیات سے سخت برہم تھا' چنانچہ تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد اس کو قید کر دیا' پھر اس کو لوہے کے کانٹے دار تنور میں جسے ابن زیات نے لوگوں کو سزا دینے کے لیے بنوایا تھا' اس کو بند کر دیا' اسی تنور میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۲ و ابن خلکان ص ۵۷)

اسی زمانہ میں ایتاخ ترکی پر عتاب نازل ہوا' اور وہ قتل کیا گیا' اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

**ابن بعیث کی گرفتاری اور موت** آذربائیجان کا ایک محمد بن بعیث باغی ہو کر قلعہ بند ہو گیا تھا متوکل کے زمانہ میں پکڑ کے سامرا میں قید کیا گیا' اور ۲۳۴ھ میں با اختلاف روایت قید سے بھاگ نکلا یا بغا شرابی کو سفارش پر چھوڑ دیا گیا' قید سے چھوٹنے کے بعد مرند کے قلعہ میں سامان رسد جمع کر کے پھر حکومت سے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی' ربیعہ اور دوسرے عرب قبائل اس کے ساتھ ہو گئے' اس لیے یہاں کا حاکم محمد بن حاتم اس کو زیر نہ کر سکا اور متوکل نے اسے معزول کر کے حمدویہ بن علی بن فضل کو اس کی جگہ مقرر کیا' حمدویہ نے ابن بعیث کو مرند کے قلعہ میں گھیر لیا' متوکل برابر امداد پر امداد بھیجتا رہا' مگر قلعہ تسخیر نہ ہوتا تھا' آخر میں بغا شرابی کو دو ہزار سوار کے ساتھ روانہ کیا' امیر عیسیٰ بن شیخ نے محمد بن بعیث کے پاس اس کی اور اس کے ممتاز ساتھیوں کی جان بخشی کا پیام بھیج کر اسے الگ کر دیا۔ اس سے محمد بن بعیث کا جتھا ٹوٹ گیا۔ اور وہ بھاگ نکلا' لیکن راستہ میں معہ لڑکوں اور بھائیوں کے گرفتار ہو گیا بغا نے ان سب کو سامرا لا کر قید کر دیا' محمد بن بعیث ایک مہینہ کے بعد مر گیا اور اس کے لڑکے شاکریہ میں داخل کر دیئے گئے۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۷۴)

**ایک مدعی نبوت** ۲۳۵ھ میں ایک شخص محمود بن فرج نیشاپوری نے سامرا میں

نبوت کا دعویٰ کیا کہ وہ ذوالقرنین ہے اور ایک خود ساختہ کتاب پیش کی کہ وہ قرآن ہے جو جبرئیل کی وساطت سے اس پر نازل ہوا ہے' لیکن ابھی اس پر صرف ۲۷ آدمی ایمان لائے تھے' کہ پکڑ کر متوکل کے دربار میں حاضر کیا گیا اور قتل کر دیا گیا اور اس کی امت قید کر دی گئی۔

**آرمینیہ کے بطارقہ کی بغاوت** ۲۳۷ھ میں بطارقہ کی ایک جماعت نے آرمینیہ کے اطراف میں بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا' امیر یوسف ان کے مقابلہ پر مامور ہوا' اس کے بلد پہنچنے کے بعد بعض بطارقہ نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور ایک بطریق بقراط میں اشوط اس کے پاس حاضر ہو گیا' محمد بن یوسف نے اس کو پکڑ کر متوکل کے پاس بھجوا دیا' اس پر بطارقہ بگڑ گئے اور لڑ کر یوسف کو قتل کر دیا اور بلد میں عام شورش پیدا ہو گئی' اس لیے یوسف کے قتل کے بعد متوکل نے بغا کبیر کو بھیجا' اس کے آتے ہی شورش کم ہونے لگی۔ چنانچہ موسیٰ بن زراہ جس نے بدلیس پر قبضہ کر لیا تھا' امان لے کر بغا کے پاس چلا آیا' بغا نے اسے پابجولاں متوکل کے پاس بھجوا دیا' پھر باق کا رخ کیا اور اشوط بن حمزہ کو پکڑ کر سر من رائے بھیجا' یہاں اس کا سر قلم کر دیا گیا' اس کے بعد بغا نے اسحاق بن اسماعیل کو جو تفلیس پر قابض ہو گیا تھا بلا بھیجا اس نے جواب دیا کہ میں بارگاہ خلافت کی اطاعت پر قائم ہوں' اگر روپیہ کی ضرورت ہو تو روپیہ بھیج دوں' اگر آدمیوں کی ضرورت ہو تو آدمیوں سے مدد کروں' لیکن میں خود نہیں آ سکتا' یہ جواب سن کر بغا نے بڑھ کر اس کو شکست دی اور گرفتار کر کے قتل کر دیا' اس سے فارغ ہو کر مناریہ کی طرف بڑھا' یہاں اسے شکست ہوئی' اس شکست کے غصہ میں جن لوگوں کو امان دے چکا تھا ان سب کو تعاقب کر کے گرفتار کر لیا' پھر بھی کچھ لوگ بچ کر نکل گئے اور روم خرز اور مقابلہ کی مدد حاصل کر کے بہت بڑی تعداد میں مقابلہ کے لیے جمع ہو گئے متوکل کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو اس نے خالد بن یزید شیبانی کو مامور کیا' اس کے آنے کے بعد سب خاموش ہو گئے اور خالد نے دوبارہ ان کی امان کی تجدید کر دی۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۵۹۹ ابن اثیر کا بیان اس سے مختلف ہے اور بہت طویل ہے)

**یعقوب بن لیث الصفاری کا آغاز** اسی سنہ میں بست کے ایک باشندے صالح بن نصر نے سجستان پر قبضہ کر لیا' یعقوب بن لیث الصفار بانی حکومت صفاریہ جو پہلے سے

دولت عباسیہ کا باغی تھا' اس کے ساتھ ہو گیا' لیکن طاہر بن عبداللہ بن طاہر والی خراسان نے سجستان واپس لے لیا' لیکن پھر ایک دوسرا شخص درہم بن حسین دوبارہ سجستان پر قابض ہو گیا' یعقوب بھی اس کے ساتھ تھا' لیکن درہم میں خود فوجی تنظیم کی صلاحیت نہ تھی اس لیے اس کی باگ یعقوب بن صفار کے ہاتھ میں تھی' درہم کے ساتھیوں کو جب اس کی کمزوری اور صفار کی اہلیت اور قابلیت کا اندازہ ہوا تو انہوں نے درہم کی جگہ اس کو سردار بنا لیا' درہم نے کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گیا اور صفار نے سجستان کا بہت اچھا انتظام کیا' فوجی قوت کو بڑی ترقی دی اور چند دنوں میں اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے سجستان میں مستقل حکومت قائم کر لی جو تاریخوں میں صفاری حکومت کے نام سے موسوم ہے اس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

**مصریوں پر رومیوں کا ہجوم** ۲۳۹ھ میں تین رومی سردار تین سو کشتیاں لے کر اسلامی ملکوں کی سمت نکلے' ان میں سے ایک نے ساحل و دمیاط پر بیڑا لنگر انداز کیا' اتفاق سے اس زمانہ میں عید کی تقریب کے سلسلہ میں عنبسہ بن اسحاق صنبی والی مصر نے دمیاط کی فوجیں مصر بلا لی تھیں اور دمیاط بالکل خالی تھا' اس لیے رومیوں نے بغیر کسی مزاحمت کے آزادی کے ساتھ یہاں جس قدر سازو سامان اور اسلحے تھے سب لوٹ لیا اور چھ سو مسلمان اور ذمی عورتوں کو گرفتار کر کے جامع مسجد جلا ڈالی اور لوٹا ہوا مال لے جانے کے لیے کشتیوں پر بار کیا تھا کہ ایک مسلمان امیر بسر بن اکشف جو اس وقت قید خانہ میں تھا' بیڑیاں توڑ کر نکل آیا' بہت سے آدمی اس کے ساتھ ہو گئے اور رومیوں پر حملہ کر کے ان کی اچھی خاصی جماعت تہ تیغ کر دی' رومی بھاگ کر اشتوم تینس پہنچے اور اسلحہ لوٹ کر یہاں کا بڑا آہنی پھاٹک کو اکھاڑے گئے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۲۲) اس واقعہ کے بعد متوکل نے دمیاط میں قلعہ بنوانے کا حکم دیا اور رمضان ۲۳۹ھ میں قلعہ کی تعمیر شروع کر دی۔

**حمص کی بغاوت** ۲۴۰ھ میں اہل حمص نے بغاوت کی اور عباسی حاکم ابوالمغیث موسیٰ بن ابراہیم کو مصر سے نکال دیا' متوکل نے محمد بن عبد ربہ کو حمص کا حاکم مقرر کر کے ان کو اور عتاب بن عتاب کو باغیوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا' ان دونوں نے حمص پہنچ کر سکون پیدا کیا' لیکن چند دنوں کے بعد پھر باغی بگڑ گئے' محمد بن عبد ربہ نے ان کو دوبارہ قابو میں کیا اور ان کے سربر آوردہ اشخاص کی ایک جماعت پکڑ کر پابجولاں متوکل کے پاس

بھجوائی' اور وہاں سے واپسی کے بعد محمد بن عبدربہ نے ان سب کو کوڑوں سے پٹوا کر مروا ڈالا اور ان کی لاشیں سولی پر لٹکائیں اور جس قدر فتنہ پرست تھے سب کو ایک ایک کر کے فنا کر دیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۵۹۹)

## مسلمان قیدیوں کی رہائی

۲۴۱ھ میں ۹۱۰ مسلمان قیدی جو رومیوں کے ہاتھ میں اسیر تھے چھڑا لیے گئے' روم کی ملکہ تدورہ کے پاس بارہ ہزار مسلمان قیدی تھے' ۲۴۱ھ میں اس نے ان کے سامنے عیسوی مذہب پیش کیا' جن مسلمانوں نے قبول کر لیا ان کو زندہ رکھا اور جنہوں نے انکار کیا انہیں قتل کر دیا' پھر بھی کافی تعداد باقی رہ گئی تھی ان کے متعلق متوکل سے کہلا بھیجا کہ اگر وہ چاہے تو فدیہ دے کر انہیں چھڑا لے' چنانچہ متوکل نے شیف خادم اور جعفر بن عبدالواحد قاضی القضاۃ بغداد کو روم بھیج کر چھڑا منگایا ان میں ۷۸۵ مرد اور ۱۲۵ عورتیں تھیں۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۲۴)

## صعید مصر پر بجاہ کی یورش

۲۴۱ھ میں بجاہ نے [1] مصر پر تاخت کی' طبری کا بیان ہے کہ یہ لوگ حبشیوں کی جنس سے تھے اور حبشہ اور سوڈان کے مغرب میں رہتے تھے' ان کے ملک میں سونے کی کانیں تھیں' ان میں اور مسلمانوں میں عرصہ سے یہ معاہدہ تھا کہ فریقین ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہوں گے اور بجاہ چار سو مثقال خام سونا سالانہ حکومت مصر کو دیا کریں گے ایک عرصہ تک یہ لوگ اس معاہدہ کے پابند رہے' لیکن متوکل کے زمانہ میں کئی سال تک سونا نہیں بھیجا اور چند مسلمانوں کو

---

۱۔ بجاہ کا انگریزی تلفظ بیگا ہو گا ہے' یہ سامی فرقوں کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو شرقا" غربا" دریائے نیل اور بحر احمر کے درمیان اور شمالا" جنوبا" مصر و حبشہ کے درمیان حبشہ کے آخری حدود تک آباد تھے' مسلمانوں سے پہلے یونانی کتبوں میں بھی ان کا نام پایا جاتا ہے۔ آغاز فتوحات اسلامیہ میں مسلمان انہیں مطلق کافر یا وحشی سمجھتے تھے اور انہیں کسی معاہدہ کے لائق نہ تصور کرتے تھے' لیکن ان کے ملک میں سونے اور چاندی کی کانیں تھیں اس لیے عربوں کو ان کی طرف توجہ کی ضرورت پیش آئی' چنانچہ دوسری صدی کے آغاز میں عبید اللہ بن حجاب نے ان سے معاہدہ کیا پھر مامون کے عہد میں اس کی تجدید ہوئی اور عرب قبائل ربیعہ اور جہینہ یہاں آکر آباد ہو گئے اور رفتہ رفتہ انہی قبائل میں مل گئے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص ۶۸۷ جلد اول)

جو سونے اور جواہرات کی کانوں میں کام کرتے تھے قتل کر کے ان کے بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا' اور مسلمانوں کو کان کنی سے روک دیا' اس لیے وہ یہاں سے بھاگ گئے اس سے حکومت کی آمدنی میں جو کان سے بطور خمس حاصل ہوتی تھیں کمی آ گئی' متوکل پر مسلمانوں کا قتل بہت گراں گزرا' اس نے بجاہ پر فوج کشی کے بارہ میں مشورہ کیا' لوگوں نے اس کی دشواریاں بتائیں کہ وہ لوگ سخت وحشی ہیں' ان کے پاس اونٹ اور دوسرے مویشی کے گلے بکثرت ہیں' ان کے ملک تک پہنچنا بہت مشکل ہے اور فوج کا تو وہاں پہنچنا ناممکن ہے ان کی آبادی اور اسلامی حکومت کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہے' راستہ تمام تر پہاڑیوں' بیابانوں اور بے آب و گیاہ میدانوں پر مشتمل ہے جہاں پانی اور سبزی کا نام تک نہیں اور نہ کوئی قلعہ وغیرہ ہے اس لیے اگر کوئی مہم وہاں بھیجی جائے تو اس کی مدت قیام تک کا کل سازو سامان ساتھ جانا چاہیے اگر مدت قیام مقررہ وقت سے بڑھ گئی تو پھر کوئی باقی نہیں بچ سکتا اور بجاہ والے ان کو بغیر لڑے بھڑے گرفتار کر لیں گے' یہ مشکلات سن کر متوکل نے فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا لیکن اہل بجاہ کی سرکشی اور جرات بہت بڑھ گئی اور مسلمانوں پر ان کا دست تطاول دراز ہونے لگا۔ صعید مصر کے باشندے جو ان سے نسبتاً قریب تھے بہت خوفزدہ ہو گئے اس لیے متوکل کو مجبوراً" فوج کشی کا عزم کرنا پڑا۔

**بجاہ پر فوج کشی** چنانچہ اس نے محمد بن عبداللہ المعروف بہ قمی کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا' اور عنبسہ بن اسحاق ضبی سپہ سالار مصر کو لکھا کہ قمی کو جس قدر فوج اور ساز و سامان کی ضرورت ہو' وہ مصر سے ان کے لیے مہیا کیا جائے' قمی نے بڑے اہتمام سے بجاہ پر فوج کشی کی' بحر قلزم کے ذریعہ روغن زیتون' کھجور' ستو اور جو وغیرہ سامان رسد کے ساتھ جہاز بجاہ روانہ کیے اور خود کان کنوں اور بیس ہزار رضا کاروں کو لے کر خشکی کے راستہ سے کوہستان اور ریگستان کو طے کرتا ہوا بجاہ کے علاقہ میں پہنچا' یہاں کا فرمانروا علی بابا مسلمانوں کی دونی طاقت کے ساتھ مقابلہ میں آیا' مگر جم کر مقابلہ نہیں کیا' بلکہ چھیڑ چھاڑ کے سلسلہ کو طول دیتا گیا تاکہ جب مسلمانوں کا سامان خورد و نوش اور ان کے مویشیوں کا چارہ ختم ہو جائے تو بغیر جنگ کے ان کو مار لے' اس دوران میں سامان رسد کی ساتوں کشتیاں پہنچ گئیں' اور منجہ کے ساحل پر لنگر انداز ہوئیں' اسلامی فوج کے پاس سامان رسد

کی فراوانی دیکھ کر علی بابا کھل کر میدان میں آ گیا' دوران جنگ میں قمی کو اندازہ ہوا کہ اہل بجاہ کے اونٹ ہر چیز سے بھڑکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے پوری فوج کی **گھنٹیاں** جمع کر کے گھوڑوں کی گردنوں میں پہنا کر دوبارہ حملہ کیا' گھنٹیوں کی آوازیں سن کر اہل بجاہ کے اونٹ بھڑک کر کوہستان وادی جدھر راستہ ملا سواروں کو لے کر بھاگے اور ان کی فوجیں درہم برہم ہو گئیں' قمی نے ان کا تعاقب کر کے بہتوں کو قتل و قید کیا اور رات گئے واپس ہوئے' اس معرکہ میں بے شمار بجاہ مارے گئے' دوسرے دن مسلمانوں کی نظریں بچا کر مقابلہ کے لیے ایک محفوظ مقام پر جمع ہوئے' قمی کو پتہ چل گیا اور وہ راتوں رات دفعتہً ان کے پڑاؤ پر پہنچ گیا' علی بابا چونکہ پہلے سے مقابلہ کے لیے تیار نہ تھا' اس لیے ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلا' قمی نے اس پر قبضہ کر لیا' اس کے بعد علی بابا کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ قمی کی امان میں آ گیا اور چاروں سال کا واجب الادا خمس چار سو مثقال سالانہ کے حساب سے ادا کر دیا اور اپنے لڑکے تمیس کو اپنا قائم مقام بنا کر قمی کے ساتھ آستان خلافت پر حاضر ہوا' متوکل نے اس کی اطاعت کیشی کے صلہ میں خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا اور اس کے اونٹوں پر زریں کجاوے اور دیبا کی جھولیں ڈلوائیں' خلعت پہن کر قمی کے ساتھ اپنے ملک واپس ہوا۔

**تغیرات ارضی و سماوی کا طوفان** ۲۴۱ھ میں حوادث ارضی و سماوی کا سلسلہ شروع ہوا اور تین سال تک برابر قائم رہا' اس کے اثر سے ممالک اسلامیہ کے اکثر حصے متاثر ہوئے اور بڑا جانی و مالی نقصان ہوا۔

سب سے اول ۲۴۱ھ میں مقام آب میں طوفانی بارش ہوئی اور رات بھر شہاب ثاقب ٹوٹتے رہے' اسی سال رے میں سخت زلزلہ آیا اور بے شمار مکانات زمین بوس ہو گئے۔ زلزلہ کا سلسلہ ۴۰ دن تک قائم رہا اور ترکستان سے برفانی ہوا کے طوفان اٹھے' ۲۴۲ھ میں ضلع قومس میں ایسا شدید زلزلہ آیا کہ تمام مکانات زمین بوس ہو گئے اور ۴۵ ہزار آدمی دب کر مر گئے اس زلزلہ کے اثر سے شام' فارس' خراسان اور یمن کے علاقے بھی متاثر ہوئے زلزلہ کے جھٹکوں کے ساتھ نہایت خوفناک آوازیں بھی پیدا ہوتی تھیں' ۲۴۵ھ میں اہل مغرب میں زلزلہ آیا اور بہت سے قلعے' پل اور مکانات برباد ہو گئے' متوکل نے مصیبت زدوں میں تیس لاکھ درہم تقسیم کیے' اسی زمانہ میں فوجی چھاؤنیوں' مدائن اور انطاکیہ میں

زلزلہ آیا' پندرہ سو گھر مسمار ہو گئے اور بے شمار آدمی دب کر مر گئے' انطاکیہ کی شہر پناہ کے نوے سے زیادہ برج گر پڑے زلزلہ کا جھٹکا اتنا شدید تھا کہ انطاکیہ کا پہاڑ پھٹ کر دریا میں گر گیا' دریا میں طغیانی آ گئی اور پانی سے سیاہ تاریک بدبو دار دھوئیں کے بادل اٹھے اور نہایت خوفناک آوازیں پیدا ہوئیں سیس میں یہ آوازیں ایسی ہیبت ناک تھیں کہ اس کی وحشت سے بہت آدمی مر گئے' اسی زمانہ میں جزیرہ ثغود' طرطوس' ادنہ اور شام میں زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوئے' لاذقیہ میں یہ جھٹکے ایسے سخت تھے کہ یہاں کے باشندوں میں بہت کم لوگ باقی بچے' تین سال تک ان مصائب کا سلسلہ جاری رہا۔

**صقلیہ کی فتوحات** متوکل کے زمانہ میں رومیوں سے بکثرت معرکے ہوئے اور صقلیہ میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں' اسی زمانہ میں صقلیہ میں مسلمانوں کی نو آبادی قائم ہو چکی تھی' بلرم ان کا مرکز تھا اور اہل صقلیہ سے جنگ کا سلسلہ بھی جاری رہا' ۲۳۴ میں زغوس کے باشندوں نے مسلمانوں سے صلح کر کے شہر مع جملہ سامان کے ان کے حوالہ کر دیا مسلمانوں نے اس کے استحکامات توڑ دیئے اور جس قدر سامان یہاں سے منتقل کر سکے لے گئے۔ ۲۳۵ھ میں ایک رومی دستہ نے قصریانہ پر حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۳)

رجب ۲۳۶ھ میں صقلیہ کے مسلمان حاکم محمد بن عبداللہ بن اغلب کا انتقال ہو گیا' اس کے انتقال کے بعد صقلیہ کے مسلمانوں نے عباس بن فضل بن یعقوب کو اپنا امیر بنایا اور محمد بن اغلب والی افریقہ سے اس کی منظوری حاصل کر لی' صقلیہ کی امارت ملنے کے بعد عباس نے اپنے چچا رباح کو قلعہ ابی ثور روانہ کیا اور خود قصریانہ کی طرف بڑھا اور اس پر تاخت کر کے لوٹ آیا' البتہ رباح نے بہت سے رومیوں کو قتل کر کے مال غنیمت حاصل کیا۔ ۲۳۸ھ میں عباس ایک بڑی جمعیت کے ساتھ پھر نکلا' اور قصریانہ' قطانہ' سرقوسہ' نوطس اور رغوس پر تاخت کرتا ہوا اثبیرہ پہنچا' اور اس کا محاصرہ کر لیا' پانچ مہینے کے محاصرہ کے بعد یہاں کے باشندوں نے صلح کر لی ۲۴۲ھ میں پھر بڑھا اور بہت سے قلعے فتح کیے ۲۴۳ھ میں دوبارہ قصریانہ پر فوج کشی کی یہاں کے باشندوں نے مقابلہ کیا' مگر شکست کھائی' انہیں شکست دینے کے بعد عباس آگے بڑھا اور سرقوسہ اور طبر وغیرہ پر تاخت کر کے قصر حدید کا محاصرہ کیا' اہل قلعہ نے پندرہ ہزار دینار دے کر صلح کرنی چاہی مگر عباس نے منظور

نہ کیا اور محاصرہ جاری رکھا' آخر میں اہل قلعہ نے اس شرط پر قلعہ حوالہ کر دیا کہ قلعہ کے اندر کے دو سو آدمیوں کو چھوڑ دیا جائے اسے عباس نے قبول کر لیا' اور دو سو آدمیوں کو چھوڑ کر باقی آدمیوں کو غلام بنا کر بیچ ڈالا اور قلعہ کو مسمار کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۲۰)

**قصریانہ کی فتح** مقلیہ میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس کا پایہ تخت سرقوسہ تھا' لیکن مسلمانوں کے حملہ کے بعد قصریانہ کے استحکام کی وجہ سے رومیوں نے اس کو دار السلطنت بنا لیا تھا' امیر عباس کی ابتداء سے اس پر نظر تھی' اس نے اس کا اندازہ لگانے کے لیے ایک بحری مہم بھی روانہ کی تھی اس نے ایک رومی بحری بیڑے کا جس میں چالیس جہاز تھے مقابلہ کر کے دس جہازوں کو گرفتار کر لیا تھا' اس کے بعد تیسری مہم روانہ کی' اس نے قصریانہ پر تاخت کی اور وہاں کا ایک ممتاز آدمی گرفتار ہوا' اور واپسی کے بعد عباس کے سامنے پیش کیا گیا' اس نے اس کے قتل کا حکم دیا' رومی نے کہا مجھے قتل کر کے تم کو کیا فائدہ ہو گا اگر مجھ کو چھوڑ دو تو میں قصریانہ پر قبضہ کرا دوں گا' اور اس کی یہ تدبیر بتائی کہ قصریانہ کے باشندے اس ٹھنڈے اور برف آلود موسم میں تمہارے حملہ سے بالکل مطمئن ہیں اور قصریانہ کی حفاظت کا کوئی خاص سامان نہیں ہے اس لیے تم زیرے ساتھ تھوڑی فوج بھیج دو' میں اس کو قصریانہ میں داخل کرا دوں گا' عباس اس وقت دو ہزار بہادروں کا ایک دستہ لے کر رومی فوج کے ساتھ روانہ ہو گیا اور قصریانہ کے قریب پہنچ کر خود ایک مقام پر چھپ گیا اور اپنے چچا رباح کو آگے روانہ کر دیا' وہ رات کی تاریکی میں قصریانہ پہنچا رومی نے اس کو ایک مقام پر لے جا کر بتایا کہ اس جگہ سے آسانی کے ساتھ قبضہ ہو سکتا ہے' چنانچہ مسلمان کمند ڈال کر اس پہاڑی پر جس کے دامن میں قصریانہ آباد تھا چڑھ کر پار اتر گئے اور صبح کے قریب شہرپناہ کی دیوار کے قریب پہنچ گئے' اس وقت محافظ سو رہے تھے مسلمان ایک چھوٹے راستہ سے جس کے ذریعہ شہر کے اندر پانی جاتا تھا' شہر میں داخل ہو گئے اور شہرپناہ کا پھاٹک کھول کر دفعتہ" رومیوں پر حملہ کر دیا' اس دوران میں عباس بھی پہنچ گیا اور اپنے دستہ کے ساتھ شہر میں داخل ہوا' اس طرح شوال ۲۴۴ھ میں مقلیہ کے پایہ تخت قصریانہ پر قبضہ ہو گیا' اسی دن عباس نے قصریانہ میں مسجد کی بنیاد ڈالی' اور اگلے جمعہ کو اس میں پہلا خطبہ پڑھا' اس فتح میں بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا' بطارقہ اور شاہی خاندان کی بہت سی لڑکیاں گرفتار ہوئیں' اس واقعہ کی خبر قسطنطنیہ پہنچی تو

شہنشاہ روم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے تین سو جہازوں کا عظیم الشان بیڑا معہ ایک جرار لشکر کے ایک بطریق کی قیادت میں مقلیہ روانہ کیا' وہ سیدھا سرقوسہ پہنچا' عباس نے اسے بھی فاش شکست دی اور رومی بیڑے کے سو جہاز گرفتار کر لیے اور ان کے بے شمار آدمی مارے گئے۔

ان پیہم شکستوں نے ان رومیوں میں جو مسلمانوں کے مطیع ہو گئے تھے انتقام کا جوش پیدا کر دیا۔ چنانچہ سطر' ابلا' البا طنوا' قلعہ عبدالمومن' قلعہ بلوط اور قلعہ ابی ثور وغیرہ کے رومی باغی ہو گئے اس لیے عباس ان کے مقابلہ کے لیے بڑھا' راستہ ہی میں رومی فوجوں کا سامنا ہو گیا عباس انھیں شکست دیتا ہوا آگے بڑھا' اور قلعہ عبدالمومن اور قلعہ ابلاطنوا کا محاصرہ کر لیا۔ اسی دوران میں خبر ملی کہ رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے اس لیے ان قلعوں کو چھوڑ کر اس لشکر کے مقابلہ کے لیے بڑھا' جفلودی میں دونوں کا سامنا ہوا۔ عباس نے اسے بھی شکست دی اور وہ کامیاب قصریانہ واپس ہوا' یہاں آنے کے بعد از سر نو قصریانہ کی مرمت کروائی جنگی استحکامات درست کیے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ اس سے فراغت کے بعد ۲۴۷ھ میں سفر آخرت کر گیا اور اس مجاہد کا جسم خاکی اس غربتکدہ میں سپرد خاک کیا گیا' رومی شکست کی شرمندگی میں اتنے غضب ناک ہو رہے تھے کہ انہوں نے قبر اکھیڑ کر لاش نکال کر جلا ڈالی' اس کے بعد بھی جاڑے گرمی دونوں موسموں میں جہاد کا سلسلہ برابر جاری رہا' جن کی تفصیلات منتصر کے حالات میں آئیں گی۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۲۰'۲۱)

**دوسری فتوحات** ان فتوحات کے علاوہ اور مقامات پر بھی رومیوں سے معرکے ہوئے' چنانچہ ۲۴۸ھ میں حسب معمول موسم گرما میں علی بن یحییٰ ارمنی نے رومی حدود پر فوج کشی کی' دونوں میں معمولی جنگ بھی ہوئی' اس کی واپسی کے بعد نواح سمیساط کے رومیوں نے سرحدی مقامات پر حملہ اور لوٹ مار کی اور دس ہزار آدمی پکڑ لیے گئے۔ قراشاش اور عمر بن الاقطع نے ان کا تعاقب کیا' مگر وہ نکل چکے تھے۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۷۷'۲۷۸)

چونکہ اس علاقہ کے رومی اکثر اسلامی حدود پر تاخت و تاراج کیا کرتے تھے' اس لیے متوکل نے اس کو روکنے کے لیے ۲۴۵ھ میں بغا کبیر کو مامور کیا۔ اس نے سمطہ فتح کر کے ارض روم کو پوری طرح سے پامال کیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۲۷ و ابن خلدون حوالہ مذکور) لیکن

اسی سال پھر رومیوں نے سمیساط پر دوبارہ حملہ کر کے اسلامی رعایا کی بڑی تعداد قتل و گرفتار کی اسی سال علی بن یحییٰ ارمنی نے گرمائی فوجوں کے ساتھ کرکہ پر حملہ کیا' یہاں کے باشندے اپنے بطریق سے باغی ہو رہے تھے' انہوں نے پکڑ کر متوکل کے موالی کے حوالہ کر دیا' شہنشاہ روم نے اس کے بدلہ میں ایک مسلمان رہا کر کے بطریق کو چھڑایا' ۲۴۶ھ میں عمرو بن عبداللہ الاقطع گرمائی فوجوں کو لے کر نکلا اور چار ہزار آدمی گرفتار کیے' پھر فضل بن قاران نے بیس جہازوں کے ساتھ بحری حملہ کر کے انطاکیہ کا قلعہ فتح کیا۔[1]

**دور تنزل کا آغاز** اگرچہ متوکل کے زمانہ میں فتوحات و محاربات اور حکومت کے شان و شکوہ کے اعتبار سے دولت عباسیہ میں کوئی کمی نہ آئی تھی اور اس کا ظاہری دبدبہ و وقار ویسا ہی قائم تھا' لیکن اندرونی خرابیوں نے ضعف و کمزوری کے تمام عناصر پیدا کر دیئے تھے' ان میں سب سے زیادہ مضر ترکوں کا غلبہ و اقتدار تھا' وہ حکومت پر اتنے حاوی ہو گئے تھے کہ ان کے مقابلہ میں خود خلیفہ کمزور پڑ گیا تھا' اس سے دونوں میں بدگمانی پھر کشاکشی اور آخر میں اختلاف شروع ہو گیا۔

ترکوں کی خود سری دیکھ کر دوسرے عمال حکومت میں بھی بے عنوانی کا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا' ان سے مواخذہ اور دارو گیر شروع ہو گئی' اس لیے باہمی اعتماد باقی نہ رہا' ان سب سے بڑھ کر ولی عہدی کے بارہ میں متوکل کی سیاسی غلطی نے جس کی تفصیل آئندہ آئے گی' رہا سہا بھرم اور کھو دیا۔

**امیر ایتاخ ترکی کا قتل** ترک ایک وحشی جنگ جو اور آئین و آداب سے ناواقف قوم تھی واثق ہی کے زمانہ میں سے ان کی بے عنوانیاں شروع ہو گئی تھیں۔ متوکل کے دور میں ان کا غلبہ اتنا بڑھ گیا کہ وہ اس کے قابو سے باہر ہو گئے اور اس سے گستاخی اور امور مملکت میں مداخلت کرنے لگے۔ ایک مرتبہ متوکل کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا' مگر امیر

---

ا۔ ابن اثیر میں کرکہ کے بجائے لولوہ ہے لیکن لولوہ اس سے پہلے فتح ہو چکا تھا' کرکہ شام کا مشہور سرحدی مقام ہے ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۷۸ و ابن اثیر اور ابن خلدون کے بیان میں جزوی اختلاف ہیں۔ ابن خلدون صوائف کا حال پابندی سے لکھتا ہے' اس لیے ہم نے اسی کے بیان پر اعتماد کیا ہے اور جو غلطی نظر آئی اس کی تصحیح کر دی ہے۔

بغا کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکے۔ (مروج الذہب مسعودی ۳ ص ۲۵۹) اس وقت متوکل نے ان کا زور توڑنے کی جانب توجہ کی اور سب سے پہلے ایتاخ ترکی اس کی زد میں آیا۔

یہ متوکلی عہد کا ممتاز ترکی افسر تھا' ابتداء میں امیر سلام الابرش کا باورچی تھا' معتصم نے اسے ہونہار دیکھ کر خرید لیا اور اس کا اعزاز بڑھانا شروع کیا' رفتہ رفتہ اس نے اتنی ترقی کی کہ فوج کی امارت' مغاربہ اور ترکوں کی حکومت' حجابت' مالیات اور خبر رسانی کے اہم ذمہ دار عہدے اس کے سپرد ہوئے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۸)

ایک شب کو وہ متوکل کی بزم نشاط میں شریک تھا' دونوں نے شراب پی' متوکل نے بدمستی میں اس سے چھیڑ کی' ایتاخ بھی مدہوش تھا' اس نے متوکل کو قتل کرنے کا ارادہ کیا' مگر پھر رک گیا' جب ہوش آیا تو اپنی جرات و گستاخی پر متوکل سے معذرت کی اور کچھ دنوں تک اس کے پاس سے دور رہنے کے لیے حج کی اجازت مانگی' متوکل نے "مصلحتاً" دے دی' بلکہ نمائش کے لیے خلعت عطا کیا اور عراق سے حجاز تک کی حکومت کا پروانہ بھی دے دیا اور ذیقعدہ ۲۳۴ھ میں ایتاخ حج کے لیے روانہ ہو گیا' اس کے ہٹتے ہی متوکل نے حجابت کا عہدہ امیر وصیف کی جانب منتقل کر دیا' ایتاخ جب حج سے واپس ہوا تو متوکل نے امیر اسحاق بن ابراہیم کو لکھا کہ اس کو گرفتار کر لیا جائے' ترکوں کا مرکز سر من رائی تھا' یہاں اس کا گرفتار کرنا مشکل تھا' اس لیے ایتاخ جب قریب پہنچا تو اسحاق نے اس کو لکھا کہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ پہلے آپ بغداد میں دربار منعقد کر کے بنی ہاشم اور عمائد سے ملیے اور لوگوں میں انعامات تقسیم کیجئے' اس لیے ایتاخ سر من رائی جانے کے بجائے سیدھا بغداد آیا' امیر اسحاق امیر خذیمہ کے محل کے دروازہ پر اس کا استقبال کر کے اندر لے گیا' لیکن اس کے آدمی باہر ہی روک دیئے گئے اور محل کے چار طرف پہرہ بٹھا دیا گیا' محل کے اندر آنے کے بعد ایتاخ اور اس کے لڑکے مظفر و منصور اور اس کا کاتب گرفتار کر کے قید کر دیئے گئے' ایتاخ قید ہی میں مرا' لیکن اس کے لڑکوں کو مستنصر نے اپنے زمانہ میں چھوڑ دیا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۷۴) لیکن ایتاخ کے قتل سے ترکوں کے اقتدار پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

**عمرو بن فرج کی قید اور رہائی** دوسرا گستاخ ترکی امیر عمرو بن فرج تھا۔ یہ معتصم کے زمانہ میں بخشی تھا' تمام وظیفے اور وثیقے اسی کے دستخط سے برآمد ہوتے تھے' ایک مرتبہ

متوکل اپنے وظیفہ کے لیے اس کے پاس دستخط کرانے کے لیے گیا' اس نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لے کر مسجد کے صحن میں پھینک دیا۔ اسی وقت سے متوکل اس سے آزردہ تھا' اس لیے تخت نشینی کے بعد اس کا کل مال و متاع ضبط کر کے قید کر دیا۔ اس کے لڑکے محمد اور غلام نصر پر بھی عتاب نازل ہوا اور گھر بھر کی کروڑوں روپے کی جاگیر اور اثاث البیت ضبط کر لیا گیا' کچھ دنوں قید میں رہنے کے بعد ایک کروڑ درہم دے کر رہائی حاصل کی اور اہواز کی جاگیر واگزار کرائی۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری جلد ۱۲ ص ۱۳۷۷)

**خائنوں کی سزائیں** ترکوں کے غلبہ اور ان کی بے راہ روی کی وجہ سے حکومت کا پورا عملہ ہی بگڑ گیا تھا' بہت سے عہدہ داروں نے خیانت سے گھر بنانے شروع کر دیئے تھے' متوکل نے تین نصرانی عہدہ داروں محمد بن عبدالملک' ہثیم بن خالد اور سعدون بن علی کو خیانت کے جرم میں قید کیا' سعدون نے چالیس ہزار اشرفی دے کر رہائی حاصل کی' عبداللہ اور احمد کی جائیدادیں ضبط کی گئیں اور انہوں نے تیس تیس ہزار دے کر اپنے کو قید سے بچایا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری جلد ۱۲ ص ۱۳۷۸)

اس استحصال سے متوکل کو دولت کی چاٹ پڑ گئی اور اس کی نگاہ تمام ارباب ثروت کی دولت پر پڑنے لگی اور بہت سے ناکردہ گناہ لوگوں کی دولت ضبط ہوئی' ان میں سے ایک امیر ابوالوزیر بھی تھا' اس کے پاس بے شمار دولت تھی' متوکل نے سب ضبط کر لی اور ابراہیم بن جنید نصرانی سے ستر ہزار دینار وصول کر کے اس کو قید کر دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری جلد ۱۲ ص ۱۳۷۸)

**قاضی احمد بن ابی داؤد پر عتاب** قاضی احمد بن ابی داؤد جنہوں نے مامون کے زمانہ میں خلق قرآن کی بدعت ایجاد کی تھی اور واثق کے عہد تک اس کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے تھے' ۲۳۷ھ میں معتوب ہوئے اور ان کی کل منقولہ و غیر منقولہ جائیداد ضبط کر لی گئی' ان کا لڑکا ابوالولید اور پوتے قید کر دیئے گئے' ابوالولید کے پاس بڑی دولت تھی' اس نے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ دے کر اپنے سارے گھر کو رہا کرا لیا' اور اس کے بدلہ میں اپنے باپ اور بھائیوں سے ان کی جائیداد کا بیعنامہ لکھوا لیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۵) احمد بن ابی داؤد پر عتاب کے بعد یحییٰ بن اکثم قضاۃ کے مسند پر بیٹھے لیکن ۲۴۰ھ میں یہ بھی ہٹا لیے گئے اور ان کا کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا' جس کی مقدار ۷۵ ہزار دینار اور چار ہزار جریب زمین

تھی۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۲۴) متوکل کی اس مثال سے خلافت عباسیہ میں استحصال بالجبر کی رسم قائم ہو گئی۔

**ولایت عہد** متوکل کو اپنی بیعت کے وقت امراء میں اختلاف رائے کا تجربہ ہو چکا تھا' اس لیے اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے لڑکوں محمد' طلحہ اور ابراہیم کو علی الترتیب ولی عہد نامزد کر کے منتصر باللہ' معتز باللہ اور موید باللہ لقب دیا اور عباسی حکومت کو ان تینوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کو ان کے رقبہ حکومت کا خود مختار بادشاہ بنا دیا' منتصر کو افریقہ' مغرب قنسرین دیار ربیعہ' دیار مضر' موصل' غانہ' خابور' کور دجلہ' سواد' حرمین' یمن' حضر موت' سندھ' مکران' قندابیل وغیرہ کا علاقہ ملا۔

خراسان' طبرستان' رے' آرمینیہ' آذربائیجان اور فارس کا ملک معتز باللہ کے حصہ میں آیا' ۲۴۰ھ میں خزانہ عامرہ اور ٹکسال بھی اس کے متعلق کر دیئے گئے اور اس کے نام کا سکہ چلنے لگا۔

موید کو حمص' دمشق' فلسطین اور شام کا علاقہ عطا کیا۔

یہ تینوں اپنے اپنے ملکوں کے خود مختار بادشاہ تھے اور ایک دوسرے کے حدود میں کسی قسم کی مداخلت کا اختیار نہ تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری و ابن اثیر حالات ۲۳۵ھ) لیکن ولایت عہد اور متوکل کی جانشینی میں پہلا نام منتصر کا تھا۔ متوکل کی یہ اتنی بڑی پولٹیکل غلطی تھی جس کا ثمرہ اس کو اس کی زندگی ہی میں مل گیا' اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

**وزارت** متوکل کے عہد میں کئی وزارتیں بدلیں' اس کا سب سے پہلا وزیر ابن زیات تھا جس پر تخت نشینی کے بعد ہی عتاب نازل ہوا' ابن زیات کے بعد اس کا کاتب ابوالوزیر وزارت کے فرائض ادا کرنے لگا' لیکن وزارت عہدہ اور لقب نہیں ملا' یہ بھی معتوب ہوا' تو ابو جعفر محمد بن فضل کو منصب وزارت تفویض ہوا' یہ ایک ضعیف العمر شخص مگر ظریف علم مجلسی کا واقف کار اور موسیقی کا ماہر تھا' متوکل کے دل میں اس نے اتنا اثر پیدا کیا کہ وزارت تک پہنچ گیا' لیکن چند ہی دنوں بعد اس کی اتنی شکائتیں ہوئیں کہ معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان وزارت عظمیٰ پر فائز ہوا' اس میں کسی حد تک وزارت کے اوصاف تھے۔ خط نہایت پاکیزہ تھا' حساب مالگذاری اور تحصیل وصول وغیرہ کے قوانین میں اچھی بصیرت رکھتا تھا' خوش اخلاق اور فیاض بھی تھا' لیکن دماغ میں کچھ

فتور تھا' بڑا متدین اور روپیہ پیسہ سے بے نیاز تھا' ایک مرتبہ حاکم مصر نے اس کے پاس دو لاکھ دینار نقد اور ۳۰ صندوق مصری کپڑوں کے بھیجے' اس نے ایک رومال کے سوا کوئی چیز قبول نہ کی' اور کل مال خزانہ میں داخل کر دیا' پھر اسی روپیہ سے حاکم مصر کے لیے مکان لیا۔ یہ متوکل زندگی بھر اس کا وزیر رہا' اس سے ہر طبقہ نہایت خوش اور مطمئن تھا۔ چنانچہ متوکل کے قتل کے زمانہ میں جب متوسلین شاہی پر مصائب نازل ہوئے تو فوج نے خود آ کر اس کے محل کی نگرانی کی' اور کہا کہ آپ نے اپنے زمانہ وزارت میں ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے' اس لیے اس فتنہ میں ہمارا کم سے کم یہ فرض ہے کہ آپ کی حفاظت کریں تاکہ آپ کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچے۔ (الفخری ص ۲۱۶)

**معتز کا عروج اور منتصر کا زوال** اوپر گذر چکا ہے کہ متوکل نے ولایت عہد کے سلسلہ میں منتصر کا نام سب سے مقدم رکھا تھا' لیکن اس کو معتز کی ماں سے بہت محبت تھی' اس لیے نامزدگی کے بعد اس نے معتز کا نام منتصر سے پہلے کرنا چاہا اور اس کو حکم دیا کہ وہ معتز کے حق میں اپنا نمبر بعد میں کر لے' لیکن منتصر اس پر آمادہ نہ ہوا' اس کے انکار پر متوکل نے دربار میں اس کا مرتبہ گھٹانا شروع کیا اور عام مجمعوں میں اس کو برملا ڈانٹنے دھمکانے اور برا بھلا کہنے لگا اور معتز کو اس کے مقابلہ میں بڑھانے کے لیے اپنی نیابت کا اعزاز بخشنے لگا اور رمضان ۲۴۰ھ کے پہلے جمعہ میں اس کو امامت کی نیابت عطا کی' اس تقریب میں اس کے ساتھ وہ تمام آداب و رسوم برتے گئے جو خلفاء کے ساتھ برتے جاتے تھے' چنانچہ خطبہ کے بعد عمائد سلطنت میں عبیداللہ اور فتح بن خاقان دست بوس اور پابوس ہوئے' ختم نماز کے بعد معتز شاہی سواری پر عمائد سلطنت کے جلوس میں متوکل کے پاس آیا' امراء سب خلیفہ کی نگاہ کے پابند تھے' معتز کی جانب اس کا رجحان دیکھ کر سب متوکل کے حضور میں اس کی تعریف و توصیف کرنے لگے جسے سن کر متوکل مسرور ہوتا تھا' اس کے مقابلہ میں منتصر جعفریہ کے ایک گوشہ میں پڑا ہوا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۲۹)

**منتصر پر ناروا زیادتی اور ولی عہدی سے اخراج** متوکل نے اسی پر بس نہیں کیا' بلکہ اعلانیہ منتصر کی تحقیر و تذلیل کرنے لگا۔ ایک مرتبہ بھرے دربار میں اس کو گالیاں دیں۔ اور فتح بن خاقان سے اس کے منہ پر طمانچے لگوائے اور حاضرین سے خطاب کر کے کہا' لوگو! گواہ رہنا میں نے "مستعجل" یعنی اپنی بادشاہی کے لیے جلدی کرنے والے کو

ولی عہدی سے خارج کر دیا اور منتصر سے کہا میں نے تجھے منتصر کا لقب دیا ہے، لیکن لوگ تجھے تیرے حمق کی وجہ سے "منتصر" کہنے لگے تھے اور اب تو "مستعجل" ہو گیا ہے۔ منتصر بولا امیر المومنین اگر آپ میری گردن اڑا دیتے تو وہ میرے لیے اس طرز عمل سے کہیں زیادہ آسان تھا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۴۵۷)

ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد متوکل اور فتح بن خاقان نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ منتصر اور اس کے ساتھ تمام ترکی امراء کو قتل کر دیا جائے، مگر یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا، متوکل کے اس غیر دانش مندانہ طرز عمل کی وجہ سے منتصر اس کے خلاف ہو گیا۔

**منتصر کے اختلاف کا ایک اور سبب** ابن خلدون نے متوکل اور منتصر کے اختلاف کا ایک سبب یہ بھی لکھا ہے کہ اہل بیت کے ساتھ طرز عمل کے بارہ میں منتصر اپنے اسلاف کے خلاف تھا اور اس بارہ میں وہ متوکل کی مخالفت کرتا تھا، متوکل کی مجلسوں میں علی الاعلان حضرت علیؓ کے عیوب بیان کیے جاتے تھے، منتصر اس کی مخالفت کرتا تھا اور عیب چینی کرنے والوں کو دھمکاتا تھا اور متوکل سے کہتا تھا کہ علیؓ ہمارے بزرگ اور بنی ہاشم کے شیخ ہیں، اگر آپ کو ان کو برا ہی کہنا ہے تو خود کہیے، لیکن ان بے ہودوں سے نہ کہلایئے، اس پر متوکل منتصر سے بگڑتا اور اسے برا بھلا کہتا، لیکن یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں تھا، جس سے دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے، اس کے اصلی اسباب وہی تھے جو اوپر مذکور ہوئے۔

**متوکل کا قتل** ترکی امراء اور متوکل میں پہلے سے کشیدگی تھی اور امیر ایتاخ وغیرہ کے قتل اور ترکوں کے ساتھ متوکل کی برگشتگی کی وجہ سے تمام ترکی امراء اس کے خلاف ہو گئے تھے ولی عہد کی مخالفت کا سہارا پا کر وہ منتصر کے ساتھ ہو گئے، منتصر باپ کی مخالفت میں دیوانہ ہو رہا تھا، اس کے نتائج پر غور کیے بغیر ترکوں کے ساتھ ہو گیا، انہوں نے سرے سے متوکل کا قصہ ہی تمام کر دینے کا ارادہ کیا اور وصیف ترکی نے ترک موالی بغا صغیر، اوتامش، باغر، بغلو، واجن اور کنداش وغیرہ کو اس کام کے لیے آمادہ کر لیا۔ یہ سب ۳ شوال ۲۴۷ھ کو رات گئے جب دربار برخاست ہو گیا اور صرف چند آدمی باقی رہ گئے تھے اور محل شاہی کے ایک دروازہ کے سوا تمام دروازے بند ہو چکے تھے محل میں گھس کر متوکل پر

ٹوٹ پڑے' فتح بن خاقان نے نمک حلالی کا پورا حق ادا کیا' جس وقت متوکل پر تلوار کے وار ہونے لگے تو اس کو بچانے کے لیے اپنے کو اس کے اوپر گرا دیا اور آقا و ملازم دونوں ایک ساتھ قتل ہو گئے منتصر نے اس جرم کو چھپانے کے لیے مشہور کر دیا کہ فتح بن خاقان نے والد کو قتل کیا ہے' میں نے اسے انتقام میں قتل کر دیا' چونکہ قصر شاہی میں فتح بن خاقان کے علاوہ سب ترک ہی تھے اس لیے فوراً یہ راز افشا نہیں ہوا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۷۹)

بنو عباس کی تاریخ میں خلیفہ کے قتل کا یہ پہلا واقعہ تھا اور ترکوں کو حد سے زیادہ بڑھانے اور منتصر کے معاملہ میں غیر دانش مندانہ طرز عمل کا لازمی نتیجہ تھا' اس واقعہ نے خلفاء کا احترام اور خلافت کی عظمت کھو دی اور عباسی خلافت میں اتراک گردی کا دور شروع ہوا' قتل کے وقت متوکل کی عمر تقریباً چالیس سال تھی' مدت خلافت ۱۴ سال دس مہینے چند دن۔

**حلیہ** جسم دبلا' رنگ گندمی' آنکھیں خوبصورت' چہرہ کم گوشت۔

**رعایا کے ساتھ تعلقات** متوکل کا طرز عمل رعایا کے ساتھ بہت منصفانہ تھا' اس لیے راعی اور رعایا کے تعلقات نہایت خوش گوار تھے' وہ کہا کرتا تھا کہ اگلے خلفاء رعایا پر اس لیے سختیاں کیا کرتے تھے کہ وہ اس سختی کے خوف سے ان کی مطیع رہیں اور میں نرمی کرتا ہوں تاکہ وہ مجھ سے محبت کریں' میرے پاس آئیں اور میری اطاعت کریں۔ (تاریخ خطیب جلد ۷ ص ۱۶۶) عدل و انصاف کے لحاظ سے بھی اس کا زمانہ ممتاز شمار کیا جاتا تھا۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ۹۱) البتہ عیسائیوں کے لباس وضع قطع اور مذہبی مراسم وغیرہ پر خاص پابندیاں عائد کی گئیں' جو رومی حکومت کے ساتھ ان کے ساز باز کا نتیجہ تھا۔ (ابن اثیر نے اس کی تفصیل لکھی ہے)

**ملک کی آسودہ حالی** رعایا کی فارغ البالی' ملک کی آسودہ حالی اور عیش و تنعم کے سامانوں کی فراوانی کے اعتبار سے متوکل کا دور عباسی حکومت کا عہد زریں تھا' اس کے زمانہ میں تمدنی نفاستیں اور نزاکتیں اس نقطہ پر پہنچ گئی تھیں' جس کے بعد زوال کی سرحد شروع ہو جاتی ہے' مسعودی کا بیان ہے کہ متوکل کا زمانہ اپنی بھلائیوں' خوبیوں' سرسبزی و

شادابی' فارغ البالی اور رفاہیت عیش کے لحاظ سے عہد سرور تھا' سارے خواص و عوام اس سے خوش و رضامند تھے' اس کا زمانہ راستوں کے امن و امان 'چیزوں کی ارزانی' حسن و شباب کی کیفیتوں اور عشق و محبت کے ولولوں کے لحاظ سے بہترین دور تھا' اخراجات کی جس قدر کثرت اس کے زمانہ میں تھی' اس قدر عباسیہ کے گذشتہ زمانہ میں نہ تھی' فوج' موالی' خدم و حشم کے اخراجات اور ان کے بڑے بڑے صلات و انعامات کے علاوہ متوکل نے ایک ارب درہم ہارونی قصر جعفری کی تعمیر میں خرچ کیے اور ان اخراجات کے بعد بھی ۴۰ لاکھ دینار اور ستر لاکھ درہم اپنے بعد چھوڑ گیا۔ (مسعودی جلد ۷ ص ۲۷۵'۲۷۶)

**ذاتی حالات** متوکل علمی حیثیت سے کوئی خاص پایہ نہ رکھتا تھا' تاہم احادیث نبویؐ اور شعر و سخن کا بڑا شائق تھا' اس سے متعدد احادیث مروی ہیں' شعراء کو بڑے بڑے گراں قدر انعامات دیتا تھا' اپنی مدح خصوصیت کے ساتھ بہت پسند تھی۔

**مذہب** متوکل کے پیش رو تمام خلفاء مذاہب اربعہ میں سے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے۔ متوکل پہلا شخص ہے جس نے شافعی مذہب اختیار کیا' اس کو امام شافعی سے سخت عقیدت تھی' اکثر کہا کرتا تھا کہ کاش میں ان کے زمانہ میں ہوتا تو ان کو دیکھتا اور ان سے علم حاصل کرتا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۵۹)

**احیائے سنت** وہ عقیدہ میں نہایت راسخ تھا' اس کا ایک بڑا کارنامہ سنت نبویؐ کا احیاء اور احادیث رسولؐ کی اشاعت ہے' عباسی حکومت کے اس دور میں عہد نبوی کے بعد غیر قوموں کے اختلاط' عجمیوں کے غلبہ اور ان سب سے بڑھ کر خود خلفاء کی غفلت کی وجہ سے سنت رسولؐ مردہ ہو رہی تھی' خواص کو چھوڑ کر عام مسلمانوں کی زندگی جادہ سنت سے بالکل ہٹ گئی تھی' متوکل نہایت راسخ العقیدہ تھا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عقیدت کی بنا پر اس کو سنت رسولؐ سے بڑی شیفتگی تھی' چنانچہ اس نے اپنے زمانہ میں اس کا دوبارہ احیاء کیا' اور لوگوں کو غیر مسنون طریقوں سے ہٹا کر سنت کی صراط مستقیم پر لگایا۔ (تاریخ خطیب جلد ۷ ص ۱۷۰'۱۷۲)

احادیث نبویؐ کی اشاعت کے لیے محدثین کو سامرا بلا کر انہیں بڑے بڑے انعامات دیئے محدث ابوبکر بن ابی شیبہ نے جامع رصافہ میں درس قائم کیا جس میں تین ہزار آدمی

جمع ہوتے تھے اور ان کے بھائی جامع منصور میں بیٹھے تھے' ان کے حلقہ میں بھی اتنا ہی مجمع ہوتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۵۲)

**خلق قرآن کے مناظر کا انسداد** اس نے ان تمام عقائد و خیالات اور مباحث کو جو کتاب و سنت کے خلاف تھے یک قلم بند کرا دیا' اس سلسلہ میں سب سے بڑی بدعت خلق قرآن اور رویت باری کے مسئلہ کی تھی جو مامون کے عہد سے جاری تھی' جس کی وجہ سے علماء اور محدثین آزمائش میں مبتلا ہوئے' متوکل نے ان دونوں یعنی خلق قرآن اور رویت باری کی بحثوں کو روک دیا' اس کے اس کارنامے کو مسلمانوں نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور ہر زبان سے اس کے لیے دعا نکلنے لگی' بعض لوگوں نے اس کے اس کارنامہ کی وجہ سے اس کو خلفائے راشدین کا مماثل قرار دیا چنانچہ قاضی ابراہیم بن محمد تیمی کہتے ہیں کہ تین خلفاء نے کارنامہ دکھایا' ابوبکر صدیقؓ نے ارتداد کے فتنہ کا قلعہ قمع کیا' عمرو بن عبدالعزیزؒ نے بنی امیہ کے مظالم کا تدارک کیا اور متوکل نے بدعت کو مٹا کر سنت کو زندہ کیا۔ (کتاب المحنۃ ص ۱۲۳ و تاریخ خطیب جلد ۷ ص ۱۷۰)

**علماء کا احترام اور صلحاء سے عقیدت** علماء کا بڑا احترام کرتا تھا اور اہل اللہ سے عقیدت رکھتا تھا' ایک مرتبہ اس نے احمد بن معذل اور دوسرے علماء کو اپنے یہاں بلایا' وہ سب آئے' جب متوکل برآمد ہوا تو سب علماء کھڑے ہو گئے' لیکن ابن معذل اپنی جگہ بیٹھے رہے' متوکل نے عبیداللہ سے پوچھا کہ وہ مجھ کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے' عبیداللہ نے کہا خلیفہ کیوں نہیں مانتے اور معذرت میں کہا کہ ان کو دکھائی کم دیتا ہے' احمد بن معذل یہ معذرت سن کر بولے امیر المومنین میری نگاہ میں کوئی خلل نہیں ہے میں نے آپ کو عذاب دوزخ سے بچایا ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں' اس کا ٹھکانا دوزخ ہے' یہ سن کر متوکل ان کے پاس بیٹھ گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۳۵۰)

اس کے زمانہ میں اول اول حضرت ذوالنون مصریؒ نے مصر میں احوال و مقامات اولیاء کے مسائل پر گفتگو کا آغاز کیا' چونکہ اس قسم کے مسائل سلف سے مروی نہ تھے اس لیے عبداللہ بن حکم اور امام مالک کے اصحاب نے اس کی مخالفت کی اور ذوالنون مصری پر زندقہ کا الزام لگایا' امیر مصر نے ذوالنون کو بلا کر ان کے عقائد کے متعلق سوالات کیے انہوں نے

تسلی بخش جوابات دیئے۔ امیر مذکور جوابات سن کر راضی ہو گیا اور متوکل کو اس کی اطلاع دی اس نے ان کو بلا بھیجا اور ان کی باتیں سن کر ان کا گرویدہ ہو گیا' ان سے بڑی محبت اور ان کی عزت کرنے لگا جب صلحاء کا ذکر آجاتا تو ذوالنون کا ذکر ضرور کرتا اور کہتا کہ ذوالنون کا تذکرہ کیوں نہیں کرتے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۵۲)

**اہل بیت سے عداوت اور مشہد حسین کا انہدام** لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ اس میں ایک سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کو حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کے ساتھ مخاصمت بلکہ نفرت اور دشمنی تھی' وہ ان سے محبت رکھنے والوں تک کا دشمن ہو جاتا تھا' ایک دن اپنے لڑکوں معتز اور موید کے استاد یعقوب بن سکیت سے پوچھا کہ تم کو ان دونوں سے محبت ہے یا حسن و حسین سے' یعقوب نے جواب دیا کہ علیؓ کا غلام قنبر ان دونوں سے بہتر ہے یہ جواب سن کر متوکل نے اسی وقت ان کو ترکوں سے روندوا کر مروا ڈالا اور ان کے لڑکے کو دیت ادا کی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۵۴)

اسی نفرت کی بنا پر اس نے ۲۳۶ھ میں حضرت حسینؓ کے مشہد مبارک اور اور اس کے قرب و جوار کے مکانات منہدم کرا کے اس میں کھیتی کرائی اور زیارت سے لوگوں کو روک دیا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۴۰۷)

**امام حسن عسکریؒ** اسی زمانہ میں ایک شخص نے متوکل کو اطلاع دی کہ حضرت حسن عسکری (حضرت حسن عسکری کا پورا نام ابوالحسن علی بن محمد ہے بڑے عابد و زاہد اور متقی بزرگ تھے شیعوں کے دسویں امام ہیں۔) کے گھر میں آپ کے خلاف سازش ہوتی ہے اور اسلحہ اور شیعان علی پوشیدہ ہیں' ترکوں کو متوکل نے ان کے گھر پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا' چنانچہ ایک شب کو دفعتہ" گھر پر چھاپا مارا گیا' لیکن گھر میں سوائے حسن عسکریؒ کے اور کوئی نہ تھا' فرش و فروش میں ریت اور سنگریزے تھے' حسن عسکریؒ پشمینہ کا کرتہ پہنے صوف کا رومال سر پر باندھے اسی فرش خاکی پر آیات قرآنی کی تلاوت میں مصروف تھے ترک اسی حالت میں ان کو پکڑ کر لے گئے اور متوکل کے سامنے پیش کیا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ متوکل اس وقت مے نوشی میں مصروف تھا حسن عسکری کو دیکھ کر ان کی تعظیم کی اور اپنے پہلو میں بٹھایا امام عسکریؒ کے ہاں کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی تھی' جس کے متعلق وہ بازپرس کرتا خاموشی کو توڑنے کے لیے ان کے سامنے جام پیش کیا' انہوں نے کہا یا امیر

المومنین آج تک میرا گوشت اور خون شراب کے اثر سے محفوظ رہا ہے' اس لیے مجھے معاف رکھا جائے۔ متوکل نے آپ سے اشعار سنانے کی فرمائش کی' آپ نے چند عبرت انگیز اشعار سنائے' متوکل ان کو سن کر بہت رویا اور روتے روتے اس کی داڑھی تر ہو گئی' درباریوں پر بھی گریہ طاری ہوا' اور متوکل نے سامنے سے شراب ہٹوا دی اور امام موصوف سے پوچھا کہ آپ پر کچھ قرض ہے' انہوں نے کہا' ہاں ۴ ہزار دینار' متوکل نے اسی وقت ۴ ہزار دینا دلا کر تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ (مسعودی جلد ۷ ص ۲۰۷'۲۰۹ یہ شیعی روایت ہے)

**بعض مشتبہ روایات** بعض شیعہ مورخین مسعودی اور ابن طقطقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ متوکل شراب پیتا تھا' چار ہزار کنیزیں اس کے حرم میں تھیں' اس نے تفنن طبع کے لیے دربار میں مسخروں اور بھانڈوں کو جگہ دی اور اس قبیل کی بہت سی چیزیں رائج کیں جس سے یہ مذاق پہلے امراء اور اراکین سلطنت میں پھر رعایا میں بھی پیدا ہو گیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ متوکل عیش و طرب کا دلدادہ تھا اور اس کے زمانہ میں اس کے اتنے سامان جمع ہوئے کہ اس کا دور عہد سرور کہا جاتا تھا' لیکن خطیب اور طبری وغیرہ دوسرے قدیم مورخین نے اس کی شراب نوشی کا تذکرہ نہیں کیا' البتہ وہ جائز حدود کے اندر عیش پرست ضرور تھا' اس نے اپنے زمانہ میں جو مذہبی خدمات انجام دیں اور جس طرح احیائے سنت کیا اس کے اعتبار سے اس کی شراب نوشی قیاس میں نہیں آتی' البتہ وہ نبیذ ضرور پیتا تھا' ممکن ہے شیعہ مورخین نے متوکل کی سادات دشمنی کی بنا پر شراب نوشی بھی اس کی جانب منسوب کر دی ہو' لیکن شراب نوشی سے اس کی برات کا بھی کوئی حقیقی ثبوت نہیں ہے۔

**فیاضی میں اعتدال** مسعودی کا بیان ہے کہ بخل اور اسراف میں متوکل معتدل تھا' (مسعودی جلد ۷ ص ۱۹۱) لیکن تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا فیاض تھا' خصوصاً شعراء کے ساتھ اس کی داد و دہش عام تھی' طبری نے اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں' سیوطی کا بیان ہے کہ متوکل فیاض اور مدح پسند تھا اور اس نے شعراء کو اتنا مال و زر دیا کہ اس سے پہلے کسی خلیفہ نے نہ دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۵۵)

# محمد بن جعفر الملقب بہ منتصر باللہ

## ۲۴۷ھ تا ۲۴۸ھ مطابق ۸۶۱ء تا ۸۶۲ء

متوکل کے قتل کے بعد ترکوں نے منتصر باللہ کو خلیفہ بنایا' وصیف اور دوسرے امراء نے اس کے ہاتھوں پر بیعت کی' دوسرے دن منتصر کے سوتیلے بھائیوں معتز اور موید سے بیعت لی گئی' امراء اور عمائد سلطنت میں صرف ترک متوکل کے خلاف تھے ان کے علاوہ اور تمام اراکین سلطنت اس کے وفادار تھے' اس لیے متوکل کے قتل کا اصلی سبب ظاہر ہونے میں ان کی مخالفت کا خطرہ تھا' چنانچہ جعفریہ کے تمام عمائد سلطنت افسران فوج اور خدم و حشم کو بھی یہی اطلاع دی گئی کہ امیر المومنین کو فتح بن خاقان نے قتل کیا ہے اور قصاص میں مارا گیا' اور جعفریہ میں بھی بیعت ہو گئی اور شوال ۲۴۷ھ میں منتصر تخت خلافت پر بیٹھا' اس وقت اس کا پچیسواں سال تھا' منتصر کی تخت نشینی کے بعد نظام خلافت تمام ترکوں کے ہاتھ میں آ گیا' اور خلفاء کی قوت اور ان کا اقتدار بالکل ختم ہو گیا۔

تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد منتصر نے جعفریہ کو جسے متوکل نے بڑے ذوق و شوق سے بے شمار دولت صرف کر کے بنوایا تھا' ویران کر دیا' اور یہاں کی کل آبادی کو اس کی پرانی جگہوں پر واپس کر دیا۔

**ابو العمود شاربی کا خروج** منتصر کی تخت نشینی کے بعد ہی ابو العمود شاربی نے یمن' بوازیج' اور موصل میں بغاوت برپا کی' قبیلہ ربیعہ اور کرد بھی اس کے ساتھ ہو گئے تھے' اس لیے اس کی طاقت بہت بڑھ گئی' منتصر نے بیما ترکی کو اس کے لیے بھیجا' اس نے متعدد مقابلوں کے بعد شاربی کو گرفتار کر کے منتصر کی خدمت میں حاضر کیا' منتصر نہایت حلیم تھا۔ اس نے اطاعت کا عہد لے کر چھوڑ دیا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۰۶)

**فتوحات** منتصر کا زمانہ نہایت مختصر تھا' لیکن اس مختصر زمانہ میں صقلیہ میں بعض فتوحات حاصل ہوئیں' ۲۴۷ھ میں امیر صقلیہ عباس کی وفات کا حال اوپر گذر چکا ہے' اس کے بعد اس کا لڑکا عبد اللہ بن عباس امیر ہوا' اس نے جبل بن مالک' ارمنین اور مشارعہ متعدد قلعے

قلعے فتح کیے' پانچ مہینہ کے بعد جمادی الاولی ۲۴۸ھ میں عبداللہ کی جگہ خفاجہ بن سفیان امیر مقرر ہوا۔ اس نے اپنے لڑکے محمود کو سرقوسہ روانہ کیا' اس نے سرقوسہ پر حملہ کر کے اسے خوب لوٹا اہل سرقوسہ نے مقابلہ کیا' مگر ناکام رہے اور محمود صحیح و سالم واپس آیا۔ (مروج الذہب جلد ۷ ص ۲۰۹) سرقوسہ سے واپسی کے بعد صقلیہ کے مختلف حصوں میں فتوحات حاصل ہوئیں' ان کا ذکر مستعین کے حالات میں آئے گا۔

**دار الخلافہ سے وصیف ترکی کی علیحدگی** منتصر کا وزیر احمد بن خصیب نہایت تند مزاج اور بد طینت شخص تھا۔ (الفخری ص ۱۲۱۷) اس میں اور ترکی وزیر وصیف میں نہ بنتی تھیں' وصیف بڑے پایہ کا امیر تھا' اس لیے احمد بن خصیب نے دار الخلافہ میں اس کا رہنا مناسب نہ سمجھا اور منتصر سے کہا کہ وصیف کا قیام یہاں مناسب نہیں ہے' اسے جنگ کے بہانہ سے کہیں بھیج دیجیے' منتصر ابن خصیب کو بہت مانتا تھا' چنانچہ وصیف کو طلب کر کے اس سے کہا کہ قیصر روم سرحد پر حملہ کرنا چاہتا ہے' اس کے مقابلہ کے لیے یا تم جاؤ یا میں خود نکلوں' وصیف نے جواب دیا یہ نمک خوار کا فرض ہے' چنانچہ منتصر نے ابن خصیب کو سامان فراہم کرنے کا حکم دیا' اس نے فوراً جملہ سامان فراہم کر کے وصیف کو روانہ کر دیا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۴۸۰)

**ولایت عہد سے معتز اور موید کا اخراج** متوکل کے قتل کے بعد جن لوگوں نے منتصر کو خلیفہ بنایا تھا ان میں ایک ابن خصیب بھی تھا' منتصر کے بعد نامزد شدہ ولی عہد معتز تھا' اس لیے ابن خصیب کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر اس کی زندگی میں معتز کی خلافت کی نوبت آ گئی تو اس کی جماعت میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑے گا اس لیے اس نے امیر وصیف اور بغا سے کہا کہ حوادث زمانہ کا کوئی اعتبار نہیں' اگر آج امیر المومنین کی آنکھ بند ہو جائے اور کل کو معتز خلیفہ ہو جائے تو ہم میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے گا' اس لیے معتز اور موید کا نام ولی عہدی سے نکلوانے کی کوشش کرنی چاہیے یہ تجویز ترکوں کے لیے بھی مفید تھی' اس لیے بغا نے بھی اس کی تائید کی اور منتصر پر زور ڈالنا شروع کیا کہ وہ معتز اور موید کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالوہاب کو ولی عہد بنائے۔ منتصر انہی کا بنایا ہوا خلیفہ اور ان کے مقابلہ میں بالکل بے بس تھا' اس لیے طوعاً و کرہاً اسے رضا مند ہونا پڑا چنانچہ دونوں بھائیوں کو طلب کیا' معتز معاملہ سمجھ گیا' اس نے موید

سے کہا "اس طلبی کا مقصد ولی عہدی کے مسئلہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا" موید نے کہا "نہیں منتصر ایسا نہیں کر سکتا"۔ کہ اسی دوران میں ولی عہدی سے اخراج کا حکم پہنچ گیا' موید نے بے چون و چرا قبول کر لیا' لیکن معتز نے جواب دیا کہ "میں خود سے دستبردار نہیں ہوں گا اگر تم لوگ قتل کرنا چاہتے ہو تو قتل کر دو" قاصدوں نے جا کر منتصر کو یہ جواب سنایا اس کی سزا میں معتز کو ایک مکان میں بند کر دیا گیا' بھائی کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر موید کے خون میں حرارت آ گئی' اس نے قید کرنے والوں کو ڈانٹا کہ "کتو! تم خون ریزی میں اب اتنے دلیر ہو گئے ہو کہ اپنے آقاؤں پر اس طرح حملہ کرنے میں بھی باک نہیں کرتے' تم لوگ ہٹ جاؤ' مجھے معتز سے بات کرنے دو" اس ڈانٹ پر وہ لوگ ہٹ گئے' موید نے معتز سے کہا کہ تم اتنے نادان کیوں ہو گئے' ان لوگوں نے والد کے ساتھ جو کچھ کیا وہ تمہیں معلوم ہے' پھر بھی تم دستبرداری سے انکار کرتے ہو' ابھی دستبرداری کا اعلان کر دو"۔ معتز نے کہا کہ "ساری دنیا میں میری ولی عہدی کا شہرہ ہو چکا ہے' ایسی حالت میں دست برداری کیونکر ممکن ہے"۔ موید نے کہا' اسی ولی عہدی کے مسئلہ نے والد کی جان لی اور اب تمہاری بھی لے گا"۔ موید کے سمجھانے سے معتز آمادہ ہو گیا اور موید نے منتصر کے آدمیوں کو اطلاع دے دی' ان لوگوں نے جا کر منتصر کو خبر کی اور تحریری دستبرداری لکھانے کے لیے دوبارہ کاتب کاغذ لے کر آئے۔ معتز کو پھر تامل ہوا' لیکن موید نے کاغذ لے کر پہلے خود دستبرداری لکھی اس کے بعد معتز سے بادل نخواستہ لکھوا کر حوالے کر دی۔
(ابن اثیر جلد ۷ ص ۳۵)

تحریر ملنے کے بعد منتصر نے دونوں بھائیوں کو بلا کر ان سے تصدیق چاہی کہ یہ تم ہی لوگوں کی تحریر ہے' معتز خاموش رہا' لیکن موید نے جواب دیا' ہاں امیر المومنین یہ میری تحریر ہے میں نے اس کو برضا و رغبت لکھا ہے"۔ اور معتز سے بھی یہی جواب دلوایا' منتصر نے ان سے کہا "تم لوگوں کو گمان ہو گا کہ میں نے یہ سب اسی لیے کیا ہے تاکہ اپنے لڑکے کو ولی عہد بناؤں' خدا کی قسم! ایک لمحہ کے لیے بھی میرے دل میں یہ طمع پیدا نہیں ہوئی' لیکن ان موالی کے مقابلہ میں بے بس تھا' مجھے یہ خوف تھا کہ اگر میں تم کو معزول نہیں کرتا تو ان میں سے کوئی نہ کوئی تم کو ضرور قتل کر دے گا' اگر میں ان سے اس کا قصاص بھی لیتا تو بھی تمہارے ایک خون کے بدلہ میں ان کی پوری قوم کا خون بھی کافی نہ

ہوتا' اس لیے تمہارا معزول کر دینا ہی مناسب معلوم ہوا۔" یہ سن کر دونوں بھائیوں نے جھک کر بڑے بھائی کے ہاتھ چومے اور منتصر نے دونوں کو گلے لگا کر واپس کیا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۴۸۸) اس واقعہ سے خلیفہ کی بے بسی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

**باپ کے قتل کا غم** منتصر اپنی توہین کے انتقام میں باپ کے قتل میں شریک تو ہو گیا تھا لیکن ضمیر کی ملامت اسے چین نہ لینے دیتی تھی اور وہ اکثر اپنے اس فعل پر غور کیا کرتا تھا' ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ متوکل اس سے کہہ رہا ہے کہ "محمد تم پر افسوس ہے تم نے میری خلافت پر رشک کیا اور ظلم کر کے قتل کر دیا' لیکن خدا کی قسم یاد رکھو میرے بعد تم اس سے زیادہ دنوں تک فائدہ نہ اٹھا سکو گے اور اس کے بعد سیدھے دوزخ میں جاؤ گے"۔ منتصر گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور سسکیاں لے کر رونے لگا' عبداللہ بن عمر بازیار نے آواز سن کر سبب پوچھا' اس نے خواب بیان کیا' عبداللہ نے تشفی دی کہ خواب سچے جھوٹے ہر طرح کے ہوتے ہیں' خدا آپ کو زندہ رکھے گا اس کا کچھ اثر نہ لیجئے اور نبیذ اور دوسرے تفریحی مشاغل سے دل بہلایئے' لیکن منتصر کے دل سے اس کی کھٹک نہ نکل سکی اور اسے ایک دن کے لیے بھی سچی خوشی نصیب نہ ہوئی۔ (ابن اثیر جلد ۷' ص ۳۶)

**علالت و وفات** تخت نشینی کے چھ مہینے کے بعد بیمار پڑا' اس بیماری نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی' دوران علالت میں کہتا تھا کہ "میں نے خود جلد بازی سے کام لیا اس لیے میرے معاملہ میں بھی جلد بازی سے کام لیا گیا" طبیبوں نے نشتر کی رائے دی' نشتر دیا گیا' یہ نشتر مسموم تھا اس کا اثر سارے جسم میں سرایت کر گیا اور بیماری کے تین دن بعد ربیع الثانی ۲۴۸ھ میں انتقال کر گیا۔

نشتر کی سمیت کے بارہ میں ایک روایت یہ ہے کہ ترکوں کے اشارہ سے مسموم کر دیا گیا تھا دوسری یہ ہے کہ غلطی سے مسموم نشتر استعمال ہو گیا تھا' لیکن پہلی روایت زیادہ قرین قیاس ہے اس لیے کہ منتصر باپ کے قتل کی ندامت میں ترکوں کے خلاف ہو گیا تھا' جس کا علم ان کو ہو گیا' اور وہ اس کے دشمن بن گئے تھے' مسعودی کا بیان ہے کہ ایک دن منتصر قصر میں بیٹھا تھا کہ بغا صغیر ترکوں کے غول میں آتا دکھائی دیا' منتصر نے اسے دیکھ کر فضل بن مامون سے کہا کہ اگر میں والد کے بدلہ میں ان لوگوں کو قتل کر کے ان کی جماعت نہ منتشر کر دوں تو خدا مجھے قتل کر دے' ترکوں کو اس کا علم ہو گیا' اس لیے وہ اس

کی بھی جان کے دشمن ہو گئے۔ اسی درمیان میں **منتصر** کو حرارت آگئی' اس نے پچھنا لگوایا' اس کے اثر سے بہت سا خون جسم سے خارج ہو گیا۔

اس کے بعد اس نے ایک خاص قسم کا شربت پیا جو تمام جسم میں سرایت کر گیا' یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ فصد کا آلہ مسموم تھا۔ (مسعودی جلد ۷ ص ۳۰۱)

سیوطی کی شہادت اس سے زیادہ صاف ہے' وہ لکھتے ہیں کہ:۔

منتصر خلیفہ ہونے کے بعد ترکوں کو برا بھلا کہتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ خلفاء کے قاتل ہیں۔ ترکوں نے بارہا اس سے بدلہ لینے کا ارادہ کیا' لیکن اس کی ہیبت' شجاعت اور فطانت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے اور جب وہ بیمار ہوا تو اس کے طبیب خاص ابن طیفور کو تیس ہزار اشرفی دے کر مسموم آلہ سے فصد دلوادی' جس کی سمیت کے اثر سے **منتصر** جانبر نہ ہو سکا۔ اس روایت کے علاوہ اور روائتیں بھی نقل کی ہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۶۵)

منتصر سامرا میں مرا تھا' احمد بن محمد بن معتصم نے نماز جنازہ پڑھا کر یہیں سپرد خاک کیا' وفات کے وقت کل ۲۵ سال ۶ مہینہ کی عمر تھی' مدت خلافت ۶ مہینہ ۲ دن۔

**حلیہ** منتصر فربہ اندام اور وجیہہ تھا' دیکھنے سے ہیبت معلوم ہوتی تھی' رنگ گندمی اور آنکھیں بڑی تھیں۔

**صفات** منتصر عدل و انصاف' نرمی' ولینت' ضبط و حلم اور دوسرے اوصاف میں متوکل کے مشابہ' بلکہ اس سے بڑھا ہوا اور اس کی برائیوں سے بالکل پاک تھا' مسعودی کا بیان ہے کہ وہ نہایت متحمل اور عاقل و فرزانہ تھا' اسے نیکی اور بھلائی سے طبعی رغبت تھی' اچھے کام بہت کرتا تھا' سخی تھا' ادیب تھا' پاک دامن تھا اور عدل و انصاف و مکارم اخلاف میں اپنے تمام پیش رووں پر فائق تھا۔ (مروج الذہب جلد ۷ ص ۳۰۲) سیوطی لکھتے ہیں کہ:۔

منتصر حلیم الطبع اور کریم النفس تھا' اس نے رعایا کے ساتھ اتنا عدل و انصاف کیا کہ اس کی شدید ہیبت کے باوجود رعایا اس کی گرویدہ ہو گئی' اس کا مقولہ تھا کہ "صاحب قدرت کا سب سے بدترین فعل انتقام ہے"۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۶۴)

**آل اطہار کے ساتھ حسن عقیدت** اپنے والد کے برعکس اس کو آل اطہار کے

ساتھ بڑی عقیدت تھی چنانچہ خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی اس نے علویوں اور اہل بیت نبویؐ کے ساتھ زیادتیوں کا سلسلہ یک قلم روک دیا' اور ان کے متعلق بحث و مباحثہ کی قطعی ممانعت کردی' حضرت امام حسین علیہ السلام اور جملہ آل ابی طالب کے مقابر کی زیارت کی عام اجازت دے دی' فدک حضرات حسنین علیہما السلام کی اولاد کو واپس کر دیا' علویوں کے جس قدر اوقاف تھے سب واگزار کر دیئے اور شیعان علی سے تعرض کرنے کی ممانعت کر دی۔ (مروج الذہب جلد ۷ ص ۳۰۳)

آل ابی طالب کا وطن مدینہ تھا' یہاں کے حکام خلیفہ وقت کی مرضی کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرتے تھے اور عموماً ان سے بد سلوکی کرنے کے عادی چلے آتے تھے منتصر نے جب مدینہ کے سابق حاکم صالح بن علی کو معزول کر کے علی بن حسن کو مدینہ بھیجا تو رخصت کرتے وقت کہا' علی میں تم کو اپنے گوشت و خون کی طرف بھیج رہا ہوں' دیکھوں ان کے ساتھ تمہارا کیسا برتاؤ رہتا ہے اور تم ان کے لیے کیسے ثابت ہوتے ہو' انہوں نے جواب دیا انشاء اللہ میں امیر المومنین کے فرمان کی پوری تعمیل کروں گا وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ خدا کی قسم اہل باطل کبھی ذلت سے نہیں بچ سکتے' خواہ ان کی پیشانی سے مہتاب ہی کیوں نہ طلوع ہو' اور اہل حق کبھی ذلیل نہیں ہو سکتے' خواہ تمام عالم ان کی ذلت پر کیوں نہ متفق ہو جائے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۳۷)

**وزارت** منتصر کل چھ مہینے خلیفہ رہا' اس مدت میں صرف احمد بن خصیب کی وزارت رہی اس میں کوئی وصف نہ تھا' وزارت کے فرائض کو بھی پوری طرح انجام نہ دے سکتا تھا' مزاج میں سختی اور درشتی غالب تھی۔

# احمد بن محمد بن معتصم الملقب بہ مستعین باللہ

## ۲۴۸ھ تا ۲۵۱ھ مطابق ۸۶۲ء تا ۸۶۵ء

منتصر کے بعد معتصم کا پوتا احمد المستعین خلیفہ ہوا' یہ ایک صقلی لونڈی مخارق کے بطن سے تھا۔ معتز اور موید دونوں ولی عہدی سے خارج ہو چکے تھے اور منتصر نے کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا' اس لیے اس کے بعد جانشینی کے مسئلہ میں بڑی کشمکش پیدا ہوئی' معتز اور موید موجود تھے' لیکن ان کی خلافت ترکوں کے مصالح کے خلاف تھی ان کی خلافت کے معنی ترکوں کا زوال تھا اس لیے ان کو وہ کسی طرح پسند نہ کر سکتے تھے' ان کے آقائے ولی نعمت معتصم کی اولاد میں اس کا پوتا احمد المستعین موجود تھا' چنانچہ بغا کبیر' اتامش اور احمد بن خصیب نے ترکوں کے مشورہ سے اس کو خلیفہ بنایا' اور ربیع الثانی ۲۴۸ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

بیعت کے دوسرے دن مستعین شاہی لباس پہن کر ترکوں کے جلوس میں دربار میں آیا' معتز کی موجودگی میں مستعین کا انتخاب بہتوں کو ناپسند تھا' چنانچہ ایک گروہ نے جس میں کچھ فوجی افسر' لونڈی زادے اور زیادہ تر عوام تھے' مخالفت میں مظاہرہ کیا اور معتز کے نام کا نعرہ لگاتے ہوئے ترکوں پر حملہ کر دیا' میسفہ اور شاکریہ (میسفہ اور شاکریہ خدم شاہی کی ایک قسم تھی) میں بھی شورش پیدا ہو گئی اور یہ ہنگامہ اتنا بڑھا کہ مخالفوں نے اسلحہ خانہ کے ہتھیار لوٹ لیے' بغا نے بڑی مشکلوں سے اس ہنگامہ کو فرو کیا اور بغداد میں مستعین کی عام بیعت ہو گئی۔ (دیکھو ابن اثیر و ابن خلدون اور یعقوبی حالات بیعت)

**حکام کا تقرر** مستعین نے تخت نشین ہونے کے بعد از سر نو حکام اور عہدہ داران سلطنت کے نظام میں تغیر و تبدل کیا' اتامش کو مصر و مغرب کی حکومت اور وزارت عظمیٰ کا منصب ملا احمد بن خصیب کو کتابت کا عہدہ تفویض ہوا۔ اور شاہک خادم کو محل شاہی حرم سلطانی' شاہی جاگیر اور ذاتی امور کا منتظم مقرر کیا گیا۔ اسی زمانہ میں دولت عباسیہ کا مشہور امیر طاہر بن عبداللہ والی خراسان اور امیر الامراء بغا کبیر مر گئے' مستعین نے طاہر کی جگہ

اس کے لڑکے محمد کو خراسان کی ولایت پر سرفراز کیا' اور محمد بن عبداللہ بن طاہر کو عراق کی حکومت ملی' حرمین کی ولایت اور پولیس کا محکمہ بھی اس کے متعلق ہوا' اور بغا ترکی کے بجائے اس کے لڑکے موسیٰ کا تقرر ہوا' اور خبر رسانی کا محکمہ بھی اس کے متعلق کیا گیا اور بغا شرابی کو حلوان' ماسبذان اور مہرجان وغیرہ کی حکومت ملی۔

**معتز اور موید کی نظر بندی اور احمد بن خصیب کی جلاوطنی** ترکوں نے معتز اور موید کو ان کے حق سے محروم کیا تھا' اس لیے ہر واقعہ میں ان کو دونوں کی جانب سے بدگمانی پیدا ہوتی تھی' چنانچہ مستعین کے خلاف مظاہرہ کے ہنگامے میں بھی ترکوں کو معتز اور موید کا ہاتھ نظر آیا اور انہوں نے ان کو قتل کر دینا چاہا' لیکن احمد بن خصیب نے ان کی طرف سے صفائی پیش کی' اس لیے قتل سے بچ گئے' لیکن ان کی کل منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد' اثاث البیت اور فرش و فروش وغیرہ برائے نام قیمت پر لے لیے اور بیعنامہ پر فقہاء اور قضاۃ کے دستخط کرا کے گزارہ کے لیے بہت معمولی جاگیر جس میں دونوں شہزادے بمشکل زندگی بسر کر سکتے تھے' چھوڑ دی اور دونوں کو محل کے ایک حجرہ میں نظر بند کر دیا گیا' اسی زمانہ میں احمد بن خصیب جو ترکوں کے لیے اپنے اولیائے نعمت سے غداری میں نیک نام تھا' خود ترک موالی کے عتاب کا نشانہ بنا اور اس کا اور اس کی اولاد کا کل مال و متاع ضبط کر کے ان سب کو جزیرہ کریٹ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۵۰۷' ۱۵۰۸)

**بغداد میں شورش** اہل بغداد ترکوں کے غلبہ' ان کی خود سری اور متوکل کے قتل کی وجہ سے ان کے سخت خلاف ہو گئے تھے۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۵۱۰) اتفاق سے اسی زمانہ میں دو نامور سپہ سالار عمر بن عبید اللہ اور علی بن یحییٰ ارمنی جو سرحد کے سب سے بڑے محافظ تھے۔ قریب قریب زمانہ میں قتل ہو گئے جس سے سرحدیں مخدوش ہو گئیں' اس واقعہ سے اہل بغداد میں بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ خود جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے' خدم شاہی میں ابناء اور شاکریہ بھی جنہیں عرصہ سے تنخواہ نہیں ملی تھی' اہل بغداد کے ساتھ ہو گئے' لیکن عوام کی شرکت کی وجہ سے مفید جوش فتنہ و فساد میں بدل گیا اور بغداد میں عام بد امنی پیدا ہو گئی' شورش پسند عوام نے قید خانے توڑ کر قیدی نکال لیے' بغداد کا پل توڑ کر اس میں آگ لگا دی اور عہدہ داران حکومت میں سے محمد بن عبداللہ کے کاتب بشر اور ابراہیم کا گھر لوٹ لیا' لیکن جن لوگوں نے جہاد کی تحریک اٹھائی تھی وہ اپنے مقصد پر

قائم رہے۔ اور بہت سا روپیہ مجاہدین سرحد میں تقسیم کیا اور فارس اہواز اور کوہستانی علاقہ کے بکثرت مجاہدین جمع ہو گئے' ابتداء میں حکومت نے ان لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا' لیکن اسی درمیان میں خاص مستقر خلافت سامرا میں بعض شورش پسندوں نے قید خانے توڑ ڈالے' اس لیے مستعین نے ترکوں کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا' مگر سامرا والے بھی باغیوں کے ساتھ ہو گئے تھے' دونوں نے مل کر ترکوں کو شکست دے دی' آخر میں مشہور ترکی سپہ سالار بغا اتامش اور وصیف نے باغیوں کو قتل کر کے شورش فرو کی۔

(ابن اثیر جلد ۷ ص ۳۸'۳۹)

## اتامش کا قتل

ترکوں کی خود سری کا ایک مفید نتیجہ یہ نکلا کہ حصول انتفاع اور اقتدار کے لیے خود ان میں باہم پھوٹ پڑ گئی اور اس کے نتیجہ میں امیر اتامش مارا گیا' اس کا سبب یہ ہوا کہ مستعین نے خزانہ اپنی ماں' شاہک خادم اور امیر اتامش کے قبضہ میں دے دیا تھا یہ تینوں جس طرح چاہتے تھے صرف کرتے تھے' ان کے تصرف سے جو بچتا تھا' وہ مستعین کے لڑکے عباس کے خرچ کے لیے اس کے اتالیق کے تصرف میں چلا جاتا' اسی طرح خراج کی کل آمدنی انہی لوگوں میں صرف ہو جاتی تھی اور امیر بغا اور وصیف کو اس میں سے کچھ نہ ملتا تھا' ان دونوں کے علاوہ ترک اور فرغانیوں کو بھی تنگی اخراجات کی شکایت رہتی تھی' اس لیے بغا اور وصیف نے ترکوں اور فرغانیوں کو اتامش اور شاہک خادم کے خلاف بھڑکا دیا' ان لوگوں نے اتامش کو جوسق میں گھیر لیا' اس نے نکل کر بھاگ جانا چاہا' مگر کامیاب نہ ہوا' اور حملہ آوروں نے اس کو اور اس کے کاتب شجاع بن قاسم کو قتل کر کے ان کا کل مال و متاع لوٹ لیا' اتامش کے قتل کے بعد مستعین نے ابو صالح عبداللہ بن محمد کو وزیر بنا لیا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۸۴)

## ابوالحسین یحییٰ بن عمرو کا خروج اور قتل

۲۵۰ھ میں ابوالحسین یحییٰ بن عمرو بن یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب مستعین کے خلاف اٹھے' اس کا سبب یہ ہوا کہ یحییٰ اس زمانہ میں مالی پریشانیوں میں مبتلا تھا' قرض کی نوبت آ گئی تھی اس کی ادائیگی کی فکر میں دو طالبیوں کے متولی (آل ابی طالب یعنی حضرت علیؓ' عقیل اور جعفر کی اولاد طالبین کے نام سے موسوم تھی' بغداد میں حکومت کی سرپرستی میں خود ان کا اپنا نظام تھا' ان میں سے بعضوں کو حکومت کی جانب سے وظیفے بھی ملتے تھے) عمرو بن فرج کے پاس اپنے وظیفہ کے

اجراء کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے گئے۔ عمرو نے ان سے بدکلامی کی' اور انہیں قید کر دیا' پھر کچھ دنوں کے بعد اپنے گھر والوں کی ضمانت پر چھوڑ دیئے گئے' قید سے چھوٹ کر وہ بغداد پہنچے اور یہاں عرصہ تک پریشانی کے عالم میں مقیم رہے پھر یہاں سے سامرا چلے گئے اور وصیف سے وظیفہ کے اجراء کی درخواست کی' اس نے خشک جواب دیا کہ تمہارے جیسے لوگوں کے لیے کس صلہ میں وظیفہ مقرر کیا جائے' یہاں سے مایوس ہو کر انہوں نے خروج کی ٹھانی اور اس کے لیے اعراب کی بہت بڑی جماعت جمع کی' کوفہ کے کچھ شیعان علی بھی آ کر مل گئے۔ یحییٰ ان سب کو ساتھ لے کر نکلے' نامہ نگار نے محمد بن عبداللہ بن طاہر والی عراق کو اس کی اطلاع دی' انہوں نے عبداللہ بن محمود سرخسی والی سواد کو ان کے مقابلہ کی تیاری کا حکم دیا' اس درمیان میں یحییٰ کوفہ پہنچ گئے اور دو ہزار دینار اور ستر ہزار درہم لوٹ لیے اور قید خانہ توڑ کر قیدی نکال لیے گئے عبداللہ بن محمود نے بڑھ کر مقابلہ کیا' یحییٰ نے شکست دے کر ان کا کل مال و متاع لوٹ لیا اور آگے بڑھے۔

(طبری جلد ۲ ص ۱۲)

عبداللہ کو شکست دینے کے بعد زید بھی یحییٰ کے ساتھ ہو گئے اور ان کی قوت اور زیادہ بڑھ گئی اس لیے وہ پھر کوفہ کی طرف پلٹے' اور عبدالرحمٰن خطاب کا مقابلہ کر کے اس کو شکست دی' آخر میں حسین بن اسماعیل ان کے مقابلہ پر مامور ہوا' اس نے اور عبدالرحمٰن نے مل کر ان کو شکست دی۔ اور ان کے اعوان و انصار کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی' خود یحییٰ بھی مارے گئے اور ان کا سر محمد بن عبداللہ بن طاہر کے پاس خراسان بھیجا گیا' اس نے مستعین کے پاس بھجوا دیا۔

**طبرستان میں دولت علویہ کا آغاز** اسی سنہ میں طبرستان میں حسن بن زید محمد بن اسماعیل بن زید بن حسن بن حسین بن علی بن ابی طالب بانی دولت علویہ طبرستان کا ظہور ہوا۔[1] ان کا آغاز اس طرح ہوا کہ مستعین نے یحییٰ بن عمرو کے قتل کے صلہ میں

---

۱- حسن بن زید علوی دولت علویہ طبرستان کے بانی تھے یہ حکومت ۲۵۰ھ مطابق ۸۶۸ء میں طبرستان میں قائم ہوئی اور ۳۱۶ مطابق ۹۲۸ء میں اس کا خاتمہ ہوا' اس میں چار حکمران گزرے حسن بن زیدی علوی' محمد بن زید علوی' حسن بن علی المعقلب بہ اطروش اور حسن بن قاسم۔

محمد بن عبداللہ بن طاہر کو طبرستان میں چند جاگیریں عطا کیں' ان سے دو جاگیریں کلار اور شالوس دیلم کی سرحد پر تھیں' اسی کے پاس کی ایک اراضی سے یہاں کے باشندے فائدہ اٹھاتے تھے' اپنے مویشی چراتے تھے' لکڑیاں توڑ کر کام میں لاتے تھے' محمد بن طاہر نے اپنی جاگیر کے انتظام اور اس کی نگرانی کے لیے جابر بن ہارون نصرانی کو بھیجا' محمد بن عبداللہ بن طاہر کی جانب سے اس کا بھائی سلیمان طبرستان کا حاکم تھا' اس پر محمد بن اوس بلخی کا بڑا اثر تھا' اس لیے اس نے اپنے لڑکوں کو طبرستان کے مختلف حصوں پر حکمران بنا دیا' یہ سب نوجوان اور امور جہانبانی سے ناواقف تھے' اس لیے رعایا کو ان سے بہت تکلیفیں پہنچیں اور اس نے ان کی زیادتیوں کی شکایت کی۔

اسی زمانہ میں محمد بن اوس دیلم آیا اور یہاں کے آدمیوں کو قتل اور گرفتار کر لیا' دیالمہ اور اہل طبرستان میں دوستانہ تعلقات تھے' اس لیے طبرستان والوں پر اس کا بڑا اثر پڑا' اس واقعہ کے بعد محمد بن عبداللہ کے علاقہ کا منیجر جابر بن ہارون انتظام کے لیے آیا' اس نے انتظام کے سلسلہ میں اس زمین پر جس سے یہاں کے عوام فائدہ اٹھاتے تھے' قبضہ کر لیا' ان واقعات سے یہاں کے باشندے طاہری حکومت سے برگشتہ ہو گئے' چنانچہ یہاں کے دو ممتاز آدمیوں محمد اور جعفر نے جن کا اس نواح میں بڑا اثر تھا' جابر بن ہارون کے قبضہ کی مخالفت کی' چونکہ یہ معاملہ عوام کے فائدہ کا تھا' اس لیے وہ سب ان کے ساتھ ہو گئے اور جابر کے قبضہ میں مزاحم ہوئے' اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے وہ سلیمان بن عبداللہ کے پاس طبرستان بھاگ گیا' اس کے فرار کے بعد محمد اور جعفر کو والی طبرستان کی برہمی کا خوف ہوا' انہوں نے اپنے ہمسایہ دیلمیوں سے مدد مانگی' دیلمی خود محمد بن اوس کی وجہ سے طاہریوں سے ناخوش تھے' اس کے علاوہ ان میں باہم امداد و اعانت کا معاہدہ بھی تھا' اس لیے وہ ان کی مدد کے لیے تیار ہو گئے' اس وقت علوی ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور جو گروہ حکومت کے خلاف اٹھنا چاہتا تھا' عموماً وہ انہی کو سہارا بناتا تھا' چنانچہ محمد اور جعفر نے بھی طبرستان کے ایک علوی محمد بن ابراہیم کی طرف رجوع کیا اور ان سے بیعت کی درخواست کی' انہوں نے اپنے بجائے حسن بن زید کا نام پیش کیا اور کہا وہ اس کام کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہیں' حسن اس وقت رے میں تھے' ان کو محمد بن ابراہیم کے ذریعہ طبرستان آنے کی دعوت دی گئی اس دعوت پر وہ طبرستان آئے اور یہاں کے تمام باشندوں

نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور یہاں عمال کو نکال دیا' اس سلسلہ میں ان میں اور حکومت کی فوجوں میں مدتوں معرکے ہوتے رہے' لیکن آخر میں طبرستان اور جریان پر حسن بن زید کا قبضہ ہو گیا اور وہ اپنی زندگی بھر ۲۷۰ھ تک اس پر قابض رہے' ۲۷۰ھ میں ان کا انتقال ہو گیا' ان کے بعد ان کے بھائی محمد بن زید ان کے جانشین ہوئے۔

(ابن اثیر و مسعودی جلد ۷ ص ۳۰۳)

**علویوں کا عام ظہور** حسن بن زید کی دعوت کے سلسلہ میں اس زمانہ میں یکے بعد دیگرے بہت سے علوی اٹھے' ان میں اور حکومت میں بڑے بڑے معرکے ہوئے' ان کے مختصر حالات یہ ہیں سب سے اول ۲۵۰ھ میں محمد بن جعفر بن حسن نے رے میں حسن بن زید کی دعوت شروع کی' ان میں اور خراسانی فوج "مسودہ" (عباسی فوج کی وردی سیاہ تھی) کے درمیان کئی معرکے ہوئے اور محمد بن جعفر گرفتار کر کے محمد بن عبداللہ بن طاہر کے پاس نیشاپور بھیجے گئے۔ اس نے قید کر دیا اور محمد نے قید ہی میں انتقال کیا' ان کے بعد احمد بن عیسیٰ بن علی بن حسن بن حسین بن علی بن ابی طالب نے رے میں رضا آل محمد کی دعوت شروع کی ان میں محمد بن عبداللہ بن طاہر میں بڑی خون ریز لڑائیاں ہوئیں' لیکن آخر میں احمد بن عیسیٰ کو بھی شکست ہوئی' ان کے بعد حسن بن اسماعیل بن محمد بن عبداللہ بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب الخاطب بہ کرکی قزوین میں اٹھے' ان کا اور موسیٰ ابن بغا کا مقابلہ ہوا' پھر حسن دیلم چلے گئے اور حسن بن زید کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ ۲۵۰ھ میں حسین بن محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نے کوفہ میں خروج کیا' محمد ابن عبداللہ نے ان کے مقابلہ کے لیے بغداد سے ابن خاقان کی زیر قیادت ایک زبردست فوج روانہ کی' اس کی فوج کی آمد سن کر حسین بن محمد کے ساتھیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ کہیں روپوش ہو گئے۔ (مروج الذہب مسعودی جلد ۷ ص ۳۴۴ تا ۳۴۶)

**اردن میں شورش** مستعین کے دور میں حکومت کا نظام بگڑ گیا تھا' اور اس کی قوت کمزور پڑ گئی تھی' اس لیے ترکوں کی سرکشی اور علویوں کے خروج کے علاوہ ملک کے ہر حصہ میں کچھ نہ کچھ شورشیں ہوئیں' خصوصاً یکے بعد دیگرے کئی سرداروں نے علم بغاوت بلند کیا' سب سے اول اردن میں ایک لخمی امیر اٹھا' لیکن پھر حاکم اردن کے خوف سے بھاگ گیا' اس کے بعد اس کے عامل قطامی نے اردن کا خراج وصول کر لیا۔ اس کی قوت

اتنی بڑھ گئی کہ حاکم فلسطین کی فوجوں کو پیہم شکستیں دیں مزاحم بن خاقان ترکی نے بڑی مشکل سے اس کی قوت توڑ کر اس کو نکالا۔

**حمص کی بغاوت** اردن کے بعد حمص کے باشندوں نے جن میں زیادہ تر عرب تھے یہاں کے حاکم کیدر بن عبدالملک کے خلاف شورش برپا کی' کیدر نے ان کا مقابلہ کیا' لیکن شکست کھائی' اہل حمص نے اس کی فوج کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا' کیدر کے مغلوب ہو جانے کے بعد مستعین نے عبدالرحمٰن بن حبیب ازدی کو حمص کا والی بنا کر بھیجا' لیکن حمص پہنچنے سے پہلے ہی اس کا پیام اجل آ پہنچا اور اس کی جگہ فضل بن قارون طبری کا تقرر ہوا' اہل حمص نے اس کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا' لیکن تھوڑے دنوں کے بعد اسے خبر ملی کہ وہ اس کی مخالفت پر بھی آمادہ ہیں' اس لیے چند فتنہ پرستوں کو پکڑ کے ان کے سر قلم کر دیئے' اس سے اس وقت تو مخالفت دب گئی' لیکن ۲۵۹ھ میں اس زور و شور سے رونما ہوئی کہ فضل بن قارون کو قصر خالد بن یزید میں قلعہ بند ہونا پڑا۔ اہل حمص نے یہاں بھی نہ چھوڑا اور قصر سے نکال کر بے دردی کے ساتھ ذبح کر کے لاش سولی پر لٹکا دی' نوشری بنؒ طاجیل والی دمشق کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے ایک جرار لشکر باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا' انہوں نے اس کو بھی شکست دی' مستعین کو یہ خبریں پہنچیں تو اس نے موسیٰ بن بغا کو موالی کی فوج کے ساتھ روانہ کیا ایک باغی سرغنہ دابر العقار بنی کلب کو لے کر مقابلہ میں آیا' لیکن موسیٰ بن بغا نے اس کو پسپا کر دیا اور حمص میں داخل ہو کر تین دن تک خوب لٹوایا اور باغیوں کے گھروں میں آگ لگوا دی اور حمص کی شورش فرو ہوئی۔

**یوسف القصیص کی بغاوت** اسی سنہ میں معرہ بن یوسف بن ابراہیم المعروف بہ قصیص تنوخی قبیلہ تنوخ کو جمع کر کے قنسرین میں قلعہ بند ہو گیا مستعین کے غلام محمد المولد نے اس کے ایک ساتھی غلیف بن نعمہ کو پکڑ کے قتل کر دیا' اس کے قتل کے بعد قصیص جبل اسود کی طرف بھاگ گیا وہاں پہنچ کر پھر بنو کلب کو جمع کیا' محمد المولد نے جبل اسود جا کر اس کا مقابلہ کیا' لیکن بڑی فاش شکست کھائی' اور اس کی فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا اور قصیص پھر قنسرین لوٹ آیا' مولد کی شکست کے بعد اس کی جگہ ابوالساج اشروسنی کا تقرر ہوا' اس نے جنگ کے بجائے قصیص کو امان دے کر مطیع بنا لیا اور لاذقیہ وغیرہ کا عامل

بنا دیا۔

**فارس کی بغاوت** فارس کی فوج کو عرصہ سے تنخواہ نہیں ملی تھی' اس لیے اس نے یہاں کے والی حسین بن خالد پر یورش کر کے نقدی لوٹ کر اپنی تنخواہیں لے لیں' فارس کا علاقہ محمد بن عبداللہ بن طاہر والی خراسان کے ماتحت تھا' اسے خبر ہوئی تو اس نے عبداللہ بن اسحاق کو بھیجا' اس کے آنے پر فوج مطیع ہو گئی' لیکن عبداللہ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا' اس کے سرغنہ علی بن حسین کو خوارج کے مقابلہ کے لیے فارس اور کرمان کی سرحد پر بھیج دیا' یہ عبداللہ کی بد سلوکی کا شاکی تھا لیکن اسے ظاہر نہیں کیا۔ اور خاموشی کے ساتھ چلا گیا۔ اصطخر پہنچ کر فوج سے خط و کتابت کر کے پھر عبداللہ کے مقابلہ میں آ گیا اور اس کا گھر لوٹ کر اس کو نکال دیا' وہ بغداد لوٹ گیا' اس کے بعد محمد بن عبداللہ بن نصر مقابلہ کے لیے بھیجا گیا' اس نے علی بن حسین کو نرمی سے مطیع بنانا چاہا' مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔ (یہ تمام واقعات یعقوبی سے ماخوذ ہیں' دیکھو کتاب مذکور جلد ۲ ص ۶۰۵ تا ۶۰۹)

**بغا اور باغر میں اختلاف** ۲۵۱ھ میں مشہور ترکی جنرل باغر کو خود اس کے ہم قوم بغا اور وصیف نے قتل کر دیا' گو یہ دونوں ترک تھے' لیکن حصول جاہ و اقتدار کے لیے ان میں رشک و رقابت ہو گئی' اتامش کا قتل بھی اسی کشمکش کا نتیجہ تھا' مستعین کے عہد میں بغا اور وصیف کا اقتدار بڑھا' باغر کی خدمات بھی ان سے کم نہ تھیں' لیکن اسے بغا اور وصیف کے برابر رسوخ نہ حاصل تھا' اس لیے ان دونوں کا عروج باغر کی نظر میں بہت کھٹکتا تھا' لیکن اس کو ان کے خلاف کوئی موقع نہیں ملتا تھا' ایک واقعہ نے اس کا سامان پیدا کر دیا۔

سواد کوفہ میں باغر کی جاگیر تھی' اس کی نگرانی کے لیے اس کا وکیل یہاں رہتا تھا' اس کو یہاں کے ایک باشندہ ابن مارویہ نے پکڑ لیا' اس کی سزا میں ابن مارویہ قید کر دیا گیا' کچھ دنوں کے بعد وہ چھوٹ کر اپنے ایک دوست دلیل بن یعقوب نصرانی کے پاس پہنچا' دلیل بغا کا کاتب اور اس کا نفس ناطقہ تھا اور باغر بغا کے ماتحت تھا' اس لیے اس نے اس کو ابن مارویہ پر زیادتی کرنے سے روکا' اس پر باغر بگڑ گیا اور دلیل نصرانی کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ باغر کی بہادری سے بغا بھی خائف رہتا تھا' اس نے یہ کہہ کر اس کو ٹھنڈا کیا کہ اگر تم میرے لڑکے فارس کو بھی قتل کرنا چاہتے تو میں تم کو نہ روکتا' لیکن میرے اور بارگاہ خلافت کے جملہ کاموں کا مدار دلیل کے اوپر ہے اس لیے اتنا توقف کرو کہ میں اس کی جگہ

کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لوں' باغر کو ٹھنڈا کرنے کے بعد دلیل کو اس واقعہ کی اطلاع دے کر اسے اپنے یہاں آنے سے منع کر دیا اور باغر کو دکھانے کے لیے دلیل کی جگہ ایک دوسرے شخص محمد بن یحییٰ کو کاتب بنا دیا اس سے باغر کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا' لیکن اس کا دل دلیل کی جانب سے صاف نہ ہوا' اور وہ اپنا ارادہ پورا کرنے اور اپنا رسوخ بڑھانے کے لیے مستعین کے پاس زیادہ رہنے لگا۔ مستعین کو اس کی قربت پسند نہ تھی' اس لیے اس کو اپنے پاس سے ہٹانے کے لیے وصیف سے پوچھ کر مقتول امیر ایتاخ کے متعلق جو خدمتیں تھیں' ان کو باغر کی طرف منتقل کر دیا' دلیل کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے بغا سے جا کر کہا' آپ یہاں بیٹھے ہیں اور وہاں آپ کو ہٹانے کی فکریں ہو رہی ہیں' یاد رکھیے کہ معزولی کے بعد آپ قتل سے نہیں بچ سکتے۔

**باغر کا قتل** بغا یہ حالات سن کر قصر خلافت پہنچا اور وصیف سے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ مجھے میرے مرتبہ سے گرا کر باغر کو میری جگہ لاؤ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ باغر میرا غلام اور میرا ساتھی ہے وصیف نے لاعلمی ظاہر کی وصیف بغا کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا' چنانچہ دونوں نے طے کیا کہ باغر کو کسی طرح دربار سے ہٹا دیا جائے' باغر اور اس کی جماعت نے اسے محسوس کر لیا' متوکل کے قتل سے ان کا حوصلہ بڑھ چکا تھا' اس لیے انہوں نے طے کیا کہ مستعین بغا اور وصیف تینوں کا قصہ تمام کر کے معتصم یا واثق کی اولاد کو خلیفہ بنایا جائے۔ مستعین کو اس کی خبر ہو گئی' اس نے بغا اور وصیف کو بلا کر ان سے کہا کہ مجھے خود خلافت کی خواہش نہ تھی' تمہی دونوں نے مجھے خلیفہ بنایا اور اب قتل کرنا چاہتے ہو' ان دونوں نے قسم کھا کر لاعلمی ظاہر کی' اس وقت مستعین نے ان سے پورا واقعہ بیان کیا' اسے سن کر بغا وصیف اور احمد بن صالح نے طے کیا کہ باغر کو پکڑ کر قید کر دیا جائے' چنانچہ اسے حیلہ سے بلا کر قید کر دیا گیا۔ ترکوں کو خبر ہوئی تو وہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے' اور شاہی اصطبل لوٹ کر قصر سلطانی کو گھیر لیا' بغا اور وصیف نے یہ شورش دیکھی تو اس دن شام کو باغر کا کام تمام کرا دیا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۵۳۵ تا ۵۳۸)

**سامرا سے مستعین کا فرار** حملہ آور باغر کے قتل میں مستعین کو بھی شریک سمجھتے تھے' اس لیے وہ قصر خلافت کو گھیرے رہے' یہ صورت دیکھ کر مستعین' بغا' وصیف اور دوسرے عمائد سلطنت کو لے کر خفیہ سامرا سے بغداد چلا گیا' حملہ آوروں کو

اس کا علم ہوا تو انہوں نے ناکامی کے غصہ میں دلیل اور اس کے ہمسائوں کا گھر لوٹ لیا' اور بغداد کا رستہ بند کر دیا' ایک ملاح کو جو ایک کشتی کرایہ پر بغداد لیے جا رہا تھا' سولی دے دی' اس سے باقی ملاح خوفزدہ ہو گئے اور علانیہ بغداد جانا بند ہو گیا مستعین کے بغداد چلے جانے کے بعد' افسران فوج' کتاب' عمال' حکومت' بنی ہاشم اور بغا اور وصیف کے سب ساتھی کسی نہ کسی طرح پہنچ گئے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۴۴)

**ترکوں کی معذرت اور مستعین کا واپسی سے انکار** مستعین کے سامرا چھوڑنے کے بعد ترک' فراغنہ اور موالی کو اپنی گستاخی پر ندامت ہوئی اور انہوں نے عفو و تقصیر کے لیے اس کے پاس ایک وفد بھیجا' اس نے مستعین سے ترکوں کی گستاخی اور ان کی غلطیوں کی معافی چاہی اور آئندہ اپنی وفاداری کا یقین دلا کر بڑی عاجزی اور منت سے سامرا واپس چلنے کی درخواست کی' لیکن مستعین نے اسے قبول نہ کیا اور وفد کام سامرا واپس گیا۔

**معتز کی بیعت** معتز اور موید دونوں ابھی تک قصر سلطانی میں قید تھے' مستعین کی واپسی سے مایوسی کے بعد ترکوں نے طے کیا کہ معتز کو خلیفہ بنا کر مستعین کا مقابلہ کیا جائے' چنانچہ ۱۲ محرم ۲۵۱ھ میں معتز کو قید سے نکال کر اس کی بیعت کی' معتز نے بیعت خلافت کے بعد ہی اپنے بھائی موید کو خلعت فاخرہ سے سرفراز کر کے ولی عہد نامزد کیا اور ترکوں نے اس کی بیعت کا تمام ممالک محروسہ میں تحریری اعلان کرا دیا۔ (مروج الذہب مسعودی جلد ۷ ص ۳۶۴' ۳۶۵)

**مستعین اور معتز کی لڑائیاں** معتز کی بیعت کے بعد اس میں اور مستعین میں بڑی خون ریز معرکہ آرائیاں ہوئیں' طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے اس کی بڑی لمبی تفصیل لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

مستعین بغداد میں تھا' اہل بغداد اس کے ساتھ تھے' اس لیے جب تک ان سے معتز کی خلافت نہ منوائی جاتی اس وقت تک وہ قائم نہیں رہ سکتی تھی' چنانچہ معتز کی بیعت کے بعد اس کا بھائی امیر ابو احمد اہل بغداد کے مقابلہ کے لیے بغداد پہنچا' یہاں کے امیر الامراء محمد بن عبداللہ بن طاہر نے مدافعت کے انتظامات کیے اور دونوں میں مہینوں خون ریز لڑائیوں کا سلسلہ رہا' اس ہنگامہ سے بغداد میں بڑی بدامنی اور شورش پھیل گئی' اور اہل بغداد

سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور ان کی قوت کمزور پڑ گئی' یہ صورت دیکھ کر امیر محمد بن عبداللہ بھی معتز کی طرف مائل ہو گیا' اور اس کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ اگر وہ اس کی خطا معاف کر کے صلح کرے تو وہ اس کی بیعت کرنے کے لیے تیار ہے اہل بغداد کو اس کی خبر ہو گئی' مستعین محمد ہی کے محل میں تھا' اس لیے بغدادیوں کو خطرہ پیدا ہوا وہ اسے معتز کے حوالہ نہ کر دے اس لیے انہوں نے محل پر ہجوم کر دیا' ان کا جوش و خروش دیکھ کر محمد نے محل کے اوپر سے انہیں مستعین کو دکھایا' اسے دیکھ کر ان کو اطمینان ہوا' اس کے بعد محمد بن عبداللہ نے مستعین کو اپنے محل سے رصافہ میں منتقل کر دیا۔ (مروج الذہب جلد ۷ ص ۳۶۶ تا ۳۶۷)

امیر محمد بن عبداللہ کو اس کا اندازہ ہو گیا تھا کہ مستعین کو معتز کے مقابلہ میں کامیابی نہیں ہو سکتی اور اس کوشش میں کشت و خون کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا' اس لیے اس نے اور امیر ابو احمد نے مل کر باہمی مشورہ سے اس کو معزول کر دیا' خطیب کا بیان ہے کہ محمد بن عبداللہ نے خود مستعین کو سمجھا بجھا کر دست برداری پر راضی کر لیا تھا' چونکہ وہ طبعاً" کمزور تھا اور کوئی مددگار بھی نہ رہ گیا تھا' اس لیے دست برداری پر آمادہ ہو گیا' محمد بن عبداللہ نے معتز سے یہ وعدہ لے لیا تھا کہ مستعین کے اہل و عیال اور مال و متاع کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے گا' معزولی کے بعد وہ مکہ میں قیام کرے گا اور اگر معتز اس وعدہ پر قائم نہ رہے گا تو اس کی بیعت توڑ دی جائے گی' اس معاہدہ کے بعد وہ محرم ۲۵۲ھ میں دست بردار ہو گیا۔

**نظربندی** معتز نے جان و مال کی حفاظت کا وعدہ تو پورا کیا' لیکن مکہ کے قیام کے بجائے پہلے بغداد ہی میں حسن بن وہب کے یہاں رکھا' پھر کچھ دنوں کے بعد احمد بن طولون کی نگرانی میں واسط بھیج دیا گیا اور مستعین زندگی کے آخری لمحوں تک وہیں مقیم رہا۔

مستعین کی تخت نشینی سے لے کر اس کی دست برداری تک کل مدت خلافت ۳ سال ہے۔ اگر اس کی خلافت کا زمانہ معتز کی پہلی بیعت تک شمار کیا جائے تو یہ مدت بقدر ایک سال کے گھٹ جائے گی کیونکہ معتز کی پہلی بیعت مستعین کے سامرا چھوڑنے کے بعد محرم ۲۵۱ھ میں ہوئی تھی اور دوسری متفقہ بیعت اس کی دست برداری کے بعد محرم ۲۵۲ھ میں

ہوئی۔

**وزارت** مستعین کا پہلا وزیر احمد بن خصیب تھا' اس کے حالات منتصر کے حال میں گزر چکے ہیں' احمد بن خصیب نے مستعین کے زمانہ میں کل دو مہینے وزارت کی' اس کے بعد اس کی جگہ ابی صالح محمد بن یزداد کا تقرر ہوا' یہ بڑا فاضل اور ادیب تھا اس کے جوابات اور اس کی توقیعات مشہور تھیں' لیکن خود سر اور خائن امراء کی وجہ سے وہ زیادہ دنوں تک اس عہدہ پر نہ رہ سکا' ابو صالح متدین آدمی تھا' اس نے دوسرے شعبوں کی طرح مالیات کی نگرانی اور اس کی تنظیم بھی شروع کی اس کی یہ نگرانی خائن اور خود سر امراء پر گراں گزری' انہوں نے اس کو قتل کی دھمکی دی' ان کی روش دیکھ کر ابو صالح وزارت چھوڑ کر الگ ہو گیا' اس کے بعد محمد بن فضل جرا جری اور شجاع بن القسم کتابت کے فرائض انجام دیتے تھے' لیکن ان میں سے کوئی وزارت کے لقب سے ملقب نہ ہوا۔ (الفخری ص ۲۲۰)

**صفات** علمی اعتبار سے مستعین فاضل ادیب فصیح و بلیغ تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۶۷) لیکن امور جہانبانی میں بالکل کورا تھا' ابن طقطقی کا بیان ہے کہ مستعین عقل' رائے اور تدبیر سب میں نہایت کمزور تھا اور اس کا پورا زمانہ دور فتن اور عہد اضطراب تھا' اس میں جود و کرم کے علاوہ اور کوئی اچھی خصلت نہ تھی۔ (الفخری ص ۲۱۹)

اس کا زمانہ بہت مختصر تھا اور وہ بھی پورا شور و فتن میں گزرا' اس کے دور سے خلفاء برائے نام رہ گئے تھے' حکومت کی ساری قوت ترکوں کے ہاتھوں میں آ گئی تھی' وہ جسے چاہتے خلیفہ رہنے دیتے' جسے چاہتے معزول کر دیتے۔

# ابو عبداللہ محمد بن جعفر الملقب بہ معتزباللہ

## ۲۵۱ھ تا ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۵ء تا ۸۶۹ء

معتز باللہ کی پہلی بیعت کا حال اوپر مستعین کی معزولی کے حالات میں گزر چکا ہے دوسری عام بیعت مستعین کی دست برداری کے بعد محرم ۲۵۲ھ میں ہوئی اور چند ملکوں کے سوا جن کا ذکر آئندہ آئے گا باقی تمام ممالک محروسہ نے اسے خلیفہ مان لیا۔

لیکن اس کی جو حیثیت تھی وہ اوپر کے واقعات سے ظاہر ہے' ابن طقطقی نے اس کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ایک لطیفہ نقل کیا ہے' جو لطیفہ سے زیادہ ایک عبرت آموز واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے' اس کی تخت نشینی کے وقت بعض امرائے دولت نے منجموں کو بلا کر ان سے پوچھا کہ وہ زائچہ دیکھ کر بتائیں کہ امیر المومنین کی زندگی اور خلافت کی مدت کتنی ہے؟ حاضرین میں سے کسی حقیقت شناس ظریف نے کہا میں اس کو ان سے زیادہ صحیح بتا سکتا ہوں' لوگوں نے کہا تم ہی بتاؤ' اس نے کہا جب تک ترک چاہیں' اسے سن کر سب بے اختیار ہنس پڑے۔ (الفخری ص ۲۲۱)

**بغا اور وصیف سے ناراضی اور صفائی** اگرچہ معتز کو ترکوں ہی کی حمایت و امداد سے خلافت ملی تھی' لیکن پہلے ترکوں ہی نے جن میں وصیف اور بغا زیادہ پیش پیش تھے' منتصر کو مجبور کر کے معتز کو ولی عہدی سے خارج کرایا تھا' پھر منتصر کے بعد انہیں نے معتز کو محروم کر کے مستعین کو خلیفہ بنایا تھا' اس لیے معتز کا دل ان کی طرف سے صاف نہ تھا اور وہ اسے خوب سمجھتا تھا کہ ترکوں نے اس کی خیر خواہی میں نہیں بلکہ اپنی اغراض کے لیے اس کو خلیفہ بنایا ہے' اور اگر وہ ان کے اقتدار میں ذرا ہارج ہوا تو اس کا انجام بھی اس کے پیشروؤں جیسا ہو گا' اس لیے اس نے تخت نشینی کے بعد بغا وصیف اور اس کی پوری جماعت کا نام دفتر سے خارج کر کے ایک فوجی افسر محمد بن ابی عون کو ان کا قصہ پاک کرنے پر متعین کیا اور اس کے صلہ میں اسے یمامہ' بحرین اور بصرہ کی حکومت عطا کی' بغا اور وصیف کے آدمیوں کو اس کا علم ہو گیا' انہوں نے ان دونوں کو اس کی خبر کر دی' وہ دونوں

بگڑ گئے اور امیر محمد بن عبداللہ کے پاس جا کر اعلان کر دیا کہ ہمیں دھوکہ دیا جاتا ہے' لیکن ہم کو کوئی قتل نہیں کر سکتا' جس میں ہمت ہو وہ سامنے آئے اور یہ اعلان کر کے معتز سے لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں' لیکن پھر کسی مصلحت سے وصیف نے اپنی بہن سعاد کے وسیلہ سے جو معتز کی کھلائی تھی سفارش کرا کے معتز کو راضی کر لیا اور موید کے بھائی ابواحمد نے سفارش کر کے بغا سے بھی صفائی کرا دی اور معتز نے دونوں کو خلعت دے کر ان کے عہدوں پر بحال کر دیا' اور بغا کے لڑکے کو خبر رسانی کے شعبہ پر مامور کیا۔

(ابن اثیر جلد ۷ ص ۵۵)

**موید کی قید اور موت** ترکوں کی جانب سے اطمینان حاصل ہوا تھا کہ معلوم ہوا موید نے موالی سے ساز باز کر کے ان کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے' اس لیے معتز نے موید اور اس کے بھائی ابو احمد کو قید کر کے ان سے ولی عہدی سے دستبرداری کا اقرار کرایا اور موید قید ہی میں نامعلوم سبب سے مر گیا' چونکہ موت مشتبہ تھی' اس لیے معتز نے اپنی صفائی کے لیے فقہاء کے رو برو اس کی لاش نکلوائی' لیکن جسم پر ظاہری کوئی نشان ایسا نہ تھا' جس کے صدمہ سے موت کا شبہ کیا جا سکے' مگر قیاس یہی ہے کہ موت غیر طبعی تھی۔

**مستعین کا قتل** اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مستعین کی دستبرداری کے وقت امیر محمد بن عبداللہ نے معتز سے اس کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ لے لیا تھا' لیکن خلیفہ ہونے کے بعد اس نے وعدہ کو طاق نسیان کے حوالہ کر دیا' اور شوال ۲۵۲ھ میں مستعین کو مروا ڈالا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو طبری جلد ۱۲ ص ۱۶۷۰' ۱۶۷۱)

**مصر اور شام کے والیوں کی بیعت** جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے' حماط' فلسطین' دمشق' مصر اور اصفہان کے والیوں ابن مجاہد' عیسیٰ بن شیخ' یزید بن عبداللہ اور عمران بن مہران نے معتز کی بیعت نہیں کی تھی' اس لیے اس نے نوشری بن تجیل ترکی کو والی دمشق اور عیسیٰ بن شیخ والی فلسطین کے مقابلہ پر مامور کیا' اردن میں دونوں کا مقابلہ ہوا' اس مقابلہ میں نوشری کا لڑکا کام آیا۔ لیکن عیسیٰ نے شکست کھائی اور فلسطین ہوتا ہوا مصر چلا گیا۔

عیسیٰ کی شکست کے بعد معتز نے ایک ترک امیر کو مصر روانہ کیا' یہاں کے والی یزید

بن عبداللہ نے پہلے اسے عریش میں روکا' لیکن پھر معتز کی بیعت کرلی' اسے دیکھ کر عیسیٰ بن شیخ نے جو مصر میں موجود تھا' بیعت کرلی' حمص پر غلیف کلبی قابض ہوگیا تھا' اسے محمد بن مولد نے مطیع بنایا' لیکن پھر بد عہدی کر کے اس کو قتل کردیا' اس لیے غلیف کا قبیلہ برہم ہوگیا اور محمد پر حملہ کر کے اسے فلسطین واپس کردیا' اس کی پسپائی کے بعد امیر نوشری جو فلسطین کی حفاظت کے لیے رکا ہوا تھا' عراق واپس چلا گیا' اس کی واپسی کے بعد فلسطین کا سابق والی عیسیٰ بن شیخ فلسطین پر قبضہ کے خیال سے مصر سے فلسطین پہنچا لیکن پھر رک گیا اور وہ اور امیر محمد بن مولد دونوں عراق چلے گئے۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۶۱۱)

اوپر گذر چکا ہے کہ عیسیٰ بن شیخ کے مقابلہ میں امیر نوشری کا بیٹا کام آیا تھا' اس لیے عیسیٰ بن شیخ کے عراق آنے کے بعد ترکوں نے اس کے انتقام میں عیسیٰ کو قتل کردینا چاہا' مگر وہ چھپ کر فلسطین نکل گیا اور قبیلہ ربیعہ کو ساتھ لے کر رملہ کے قریب ایک قلعہ تیار کیا' (یعقوبی جلد ۲ ص ۶۱۵) چند دنوں میں اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے فلسطین اور دمشق کے علاقہ پر قبضہ کرلیا اور خراج بھیجنا بند کردیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۵۷)

**بغدادی فوج کی بغاوت** بغداد کے سیاسی انقلاب کی وجہ سے شاہی خزانہ کی حالت اتنی بگڑ گئی تھی کہ فوجوں کی تنخواہوں اور وظیفہ یابوں کے وظائف کی تقسیم میں دشواری پیش آتی تھی اور دو دو تین تین مہینے کی تنخواہیں چڑھ جاتی تھیں' اس لیے بغدادی فوج نے معتز کے متولی حکومت امیر محمد بن عبداللہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور خطیب کو خطبہ میں معتز کا نام لینے سے روک دیا' ہنگامہ میں عوام نے پولیس کی چوکی لوٹ لی' باغی فوج پل توڑنے کے لیے بڑھی' امیر محمد کی فوج نے روکنے کی کوشش کی' مگر کامیاب نہ ہوئی' یہ صورت دیکھ کر امیر نے پل کے پاس کی دوکانوں میں آگ لگوادی اور باغیوں کا رستہ رک گیا' اس درمیان میں اتفاق سے فوج کے دو آدمی مل گئے اور امیر محمد کو باغیوں کا پتہ دیا' اس نے اسی وقت دو آدمیوں کو بھیج کر ایک سرغنہ ابن حنبل کو قتل کرادیا۔ دوسرا ابوالقاسم چھپ گیا' لیکن آخر میں وہ بھی پکڑ کے قید کردیا گیا' ان دونوں کے بعد باغی منتشر ہوگئے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۵۷)

**ترک اور مغاربہ کا اختلاف** اس زمانہ میں ترکوں کے علاوہ ایک دوسری قوت مغاربہ کی ابھر رہی تھی' اور حکومت میں ان کو بھی دخل ہوگیا تھا' اس لیے ان میں اور

ترکوں میں حصول اقتدار کی کشمکش رہا کرتی تھی' رجب ۲۵۲ھ میں ترکوں کی زیادتی پر انہیں جوسق سلطانی سے نکال دیا' اس مخالفت میں شاکریہ اور عوام نے مغربیوں کا ساتھ دیا۔ اس لیے ترک مقابلہ نہ کر سکے اور ایک شخص نے درمیان میں پڑ کر دونوں میں صلح کرا دی' اس وقت ترک مصلحۃ" خاموش ہو گئے تھے' لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد موقع پا کر انہوں نے مغربیوں کے سردار محمد بن راشد اور نصر بن سعد کو جنہوں نے ان کو جوسق سے نکالا تھا قتل کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۵۶' ۵۷)

**مساور خارجی کی شورش** خوارج ادھر عرصہ سے خاموش تھے۔ ۲۵۲ھ میں ان کا ایک سردار مساور حدیثہ ضلع موصل کے پولیس افسر حسین بن بکیر سے بگڑ گیا اور کرد اور اعراب کو جمع کر کے عباسی عمال بندار اور مظفر بن مشبک نے روکنا چاہا' مساور نے انہیں شکست دی اور ان کی جماعت کا بڑا حصہ تہ تیغ کر دیا۔ مظفر شکست کھا کر بغداد بھاگ گیا۔ اس کے فرار کے بعد خارجی جلولاء میں جمع ہوئے' یہاں کے باشندوں نے مقابلہ کیا' فریقین کے بہت سے آدمی کام آئے۔ اسی دوران میں امیر خطرمش فوجیں لے کر پہنچ گیا' مساور نے اسے بھی شکست دی' اور موصل کے بڑے حصہ پر چھا گیا' خطرمش کی شکست کے بعد ایوب بن احمد تغلبی موصل کی حکومت پر مامور ہوا' اس نے اپنے لڑکے حسن کو مساور کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ مساور ہٹ گیا' آگے چل کر ایک مقام پر دونوں کا مقابلہ ہو گیا' حسن کو بڑی فاش شکست ہوئی اور وہ اربل کی طرف نکل گیا' اس کامیابی سے مساور کا زور اور بڑھ گیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۵۳)

**علوی** طبرستان پر زیدیوں کے قبضہ کی وجہ سے علویوں کو بڑی تقویت حاصل ہو گئی تھی اور ان کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا' چنانچہ مستعین کے زمانہ سے لے کر معتز کے عہد تک وہ بڑے زور و قوت کے ساتھ اٹھے' طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے حالات لکھے ہیں ان کا مختصر حال یہ ہے سب سے اول مستعین اور معتز کی جنگ کے زمانہ میں اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم بن عبداللہ ابن حسن بن علی بن ابی طالب نے مکہ میں خروج کیا' یہاں کا عباسی عامل جعفر مکہ چھوڑ کر بشاشات چلا گیا' اسماعیل نے اس کا گھر اور عباسی حکام کے مکانات لوٹ لیے' مکہ کی فوج اور اہل مکہ کو بے دریغ قتل کیا۔ خانہ کعبہ کے تمام نقرئی سامانوں اور دوسری قیمتی اشیاء پر قبضہ کر لیا اور اہل مکہ سے دو لاکھ دینار

وصول کر کے مدینہ پہنچے' یہاں کے والی میں بھی مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے اس نے بھی مدینہ چھوڑ دیا' مدینہ پر قبضہ کے بعد اسماعیل مکہ لوٹ گئے' اور اس کا اتنا سخت محاصرہ کر لیا کہ شہر میں قحط پڑ گیا' پانی تک سونے کے بھاؤ بکنے لگا اور مکہ والے بھوک پیاس سے مرنے لگے۔

مکہ کے بعد جدہ پہنچے اور اس کی ناکہ بندی کر کے اہل جدہ کا کھانا پینا بھی بند کر دیا' اور تاجروں کا مال لوٹ کر عرفہ واپس ہوئے' یہ حالات سن کر معتز نے محمد بن احمد اور عیسیٰ بن محمد کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا' عرفہ میں دونوں کا سامنا ہوا' اسماعیل نے سولہ سو حاجیوں کو قتل کر کے تمام حجاج کا مال لوٹ لیا' ان کے خوف سے حجاج عرفہ میں قیام کیے بغیر لوٹ گئے۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۶۸۲)

ایک اور علوی ابو احمد بن محمد جعفر کوفہ میں اٹھے' لیکن مزاحم بن خاقان نے انہیں شکست دے کر قابو میں کر لیا' اور معتز نے معاف کر کے ان کو کوفہ کا حاکم بنا دیا' لیکن اس عفو پر بھی وہ باز نہ آئے اور اہل کوفہ کے مال اور ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا' اس لیے پھر گرفتار کر کے بغداد بھیج دیے گئے۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۶۸۶)

اسی زمانہ میں دو اور علوی احمد بن عیسیٰ اور حسن بن احمد بھی حکومت کی مخالفت میں دیلم کے غیر مسلم فرمانروا ابن جستان سے مل گئے اور رے پر حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو قتل اور گرفتار کر لیا' یہاں کے حاکم عبداللہ بن عزیز نے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر راہ فرار اختیار کی' اور رے والوں نے بیس لاکھ درہم دے کر جان بچائی' ابن جستان اس رقم پر قبضہ کر کے الگ ہو گیا' اس کی علیحدگی سے احمد بن عیسیٰ کی قوت بالکل کمزور ہو گئی اور عبداللہ بن عزیز نے لوٹ کر ان کو گرفتار کر لیا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۶۸۶)

ان کے علاوہ متعدد طالبی اٹھے ان کے خروج سے اتنی بد امنی پھیلی اور اہل حجاز پر اتنے مصائب نازل ہوئے کہ خود ان کے اہل خاندان گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے' شیعی مورخ مسعودی لکھتا ہے' کہ خاندان ابو طالب کے ۷۶ آدمی جن میں حضرت علیؓ' عقیلؓ ور جعفرؓ تینوں بھائیوں کی اولادیں شامل تھیں حجاز کے مصائب سے گھبرا کر مصر چلے گئے۔ یہاں کے والی عیسیٰ بن شیخ نے ان کو معتز کے پاس سامرا پہنچا دیا' اس نے ان کو ٹھہرایا اور ان کی کفالت کا بار اپنے ذمے لیا۔ (مروج الذہب مسعودی جلد ۷ ص ۳۹۹)

**سجستان میں صفاریوں کی نئی طاقت کا ظہور** اسی زمانہ میں دولت عباسیہ پر موالی کے غلبہ و اقتدار کے خلاف ایک نئی قوت صفاریوں کی اٹھی' یہ معلوم ہے کہ دولت عباسیہ کے آغاز ہی سے اس پر موالی یعنی (اہل عجم سے ہماری مراد مشرق کی تمام غیر عرب قومیں ہیں) اہل عجم کا غلبہ تھا' پھر مامون اور معتصم کے زمانہ سے عرب بالکل خارج ہو گئے تھے اور حکومت میں ان کا کوئی حصہ نہ رہ گیا تھا' تاہم جب تک خلفاء صاحب اقتدار تھے اس وقت تک ترک و ایرانی ان کے تابع فرمان رہے اور ان سے حکومت کے مفاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا' اور وہ حکومت کے لیے ہمیشہ سینہ سپر رہے' لیکن تیسری صدی میں جب ان کا اقتدار اتنا بڑھا کہ خلفاء ان کے مقابلہ میں بے بس ہو گئے۔ اس وقت وہ قابو سے باہر ہو گئے اور ان کی خود غرضی سے نہ صرف حکومت بلکہ اسلامی مفاد کو بھی نقصان پہنچنے لگا۔

اس صورت حال کے خلاف صفاری اٹھے' دولت عباسیہ میں کوئی دم باقی نہ تھا' ترک خود غرضی میں مبتلا تھے' اس لیے صفاریوں کی قوت برابر بڑھتی رہی اور انہوں نے سیستان اور اس کے بعد ایران کے بڑے حصہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔[1]

---

ا۔ یہ حکومت ۲۵۳ھ میں قائم ہوئی' اس میں پانچ فرمانروا ہوئے۔ یعقوب لیث' عمرو بن لیث' طاہر بن محمد بن عمرو' لیث بن علی بن لیث' معدل بن علی بن لیث' ۲۹۸ھ میں سامانیہ ماوراء النہر کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ صفاریوں کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ عجمی تھے' لیکن قیاس کے علاوہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ مورخین نے یعقوب بن لیث الصفار کی اوپر کی پشتوں کا نسب نامہ نہیں لکھا ہے ورنہ ان کے نسب میں ابہام نہ باقی رہتا' کسی مورخ نے ان کو عجمی النسل نہیں لکھا ہے ان کے نسب کی تصریح سے سب خاموش ہیں۔ محض اس قیاس پر ان کو عجمی سمجھا جاتا ہے اس خاندان کے بانی یعقوب بن لیث الصفار سجستان کا باشندہ تھا اور سر زمین عجم میں صفاری حکومت قائم ہوئی اور صفاریوں کی زبان فارسی تھی۔ فارسی شاعری کی تاریخ اور تذکروں میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ایک دن یعقوب کا چھوٹا بچہ اخروٹوں سے کھیل رہا تھا' ایک اخروٹ لڑھکتے لڑھکتے ایک گڑھے میں چلا گیا۔ بچہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا "غلطاں غلطاں ہمیں رود تالب گو" یعقوب موجود تھا' بچہ کی زبان سے اس کو یہ کلام بہت پسند آیا' لیکن چونکہ اس بحر میں اشعار نہیں پائے جاتے تھے' اس لیے شعراء کو بلا کر اس نے پوچھا کہ یہ کونسی بحر ہے' انہوں نے کہا ہزج ہے' پھر تین مصرعے اور لگا کر پوری رباعی کر دی اور دو بیتی نام رکھا' پھر دو بیتی کے بجائے رباعی کہنے لگے۔ (تذکرہ دولت شاہ سمرقند) لیکن

ان واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی صفاریوں کے عجمی ہونے کا ثبوت نہیں ہے' اس زمانہ میں سارے عجم میں عرب پھیلے ہوئے تھے' عجم کا تو وطن نسل در نسل عربی ہونے کا ثبوت نہیں' خلفائے عباسیہ کی حکومت بھی عجم میں قائم ہوئی اور ان کا سارا کلچر مذہب کے علاوہ تمام تر عجمی ہو گیا تھا' لیکن تھے وہ عربی النسل۔

اگر فارسی تذکروں کی روایت صحیح بھی مان لی جائے تو اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ صفاریوں کی زبان فارسی تھی' لیکن یہ بھی ان کے عجمی ہونے کا ثبوت نہیں' ظاہر ہے کہ جب کسی مقام پر کسی بیرونی متوطن کی کئی پشتیں گزر جائیں گی تو اس کی زبان بھی وہیں کی ہو جائے گی' حکومت کے اثر سے ہزاروں عجمیوں کی زبان عربی ہو گئی تھی' لیکن تھے بہر حال وہ عجمی۔

ان قیاسات کے مقابلہ میں یعقوب بن لیث کی زندگی کے بیشتر واقعات اس کے عرب ہونے کے شاہد ہیں۔ اس کی اسپرٹ شروع سے آخر تک خالص عربی تھی جو ایک عجمی میں ممکن نہیں ہے۔

ان کے عربی النسل ہونے کا سب سے کھلا ہوا ثبوت خود ان کے ناموں کی عربیت ہے اس خاندان میں پانچ فرمانروا ہوئے' ان میں سے تین کے نام خالص عربی ہیں' عمرو بن لیث' لیث بن علی اور معدل بن علی' یعقوب کے باپ کا نام بھی لیث تھا' یہ نام خالص عربی ہیں' انفرادی طور پر ایک دو عربی نام تو عجمیوں کے بھی ہو سکتے ہیں' لیکن چار پشتوں اور چھ ناموں میں عربی نام غیر عرب میں مشکل سے مل سکتے ہیں۔ اسلامی نام تو عرب اور غیر عرب مسلمانوں میں مشترکہ ہوتے ہیں لیکن خالص عربی نام عموماً عربوں ہی کے ہوتے ہیں۔ دوسرا بڑا ثبوت صفاریوں کا مذہبی جذبہ' دین کی نصرت و حمایت اور موالیوں (اہل عجم سے ان کی نفرت ہے۔ انہوں نے ابتداء ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا۔

اور ان کی بنیاد ہی موالی کی مخالفت اور دین کی نصرت و حمایت کے لیے پڑی' خلیفہ معتمد علی اللہ کے ساتھ ان کی جنگ کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب موالی کی مخالفت اور دین کی نصرت و حمایت کے لیے پڑی' خلیفہ معتمد علی اللہ کے ساتھ ان کی جنگ کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب موالی کی مخالفت اور ان کے ہاتھوں دین کی بے حرمتی تھی۔ مورخ مسعودی لکھتا ہے۔ **وانه خرج منكر اعلى المعتمد ومن معه من الموالى و اضاعتهم الدين**

اس سلسلہ میں اس کے یہ دو شعر بھی قابل لحاظ ہیں۔
(ابن اثیر جلد ۷ ص ۶' مروج الذہب جلد ۷ ص ۴۵)

**خراسان احويها و اعمال فارس　　وما انا من ملك العراق بايس**

خراسان اور فارس کے علاقے میرے قبضہ میں آ گئے' اور میں ملک عراق پر قبضہ سے بھی مایوس نہیں۔

اذا اما امور الدین ضاعت و اهملت ورثت فصارت کالرسوم الدوارس

جس کے دینی امور اس طرح ضائع و بے کار ہو گئے کہ اب وہ مٹی ہوئی نشانی رہ گئے ہیں۔

دین کی نصرت و حمایت کے لیے جان کی بازی لگا دینا اور حکومت کے مقابلہ میں آ جانا ایک عرب ہی کر سکتا ہے محض اسلام کی حمایت میں ایک عجمی کا اپنی قوم کی مخالفت کرنا قیاس میں نہیں آتا' یعقوب بن لیث نے معتمد سے جنگ کرنے سے پیشتر یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس کو خراسان' فارس' طبرستان' جرجان' رے' آذربائیجان' اور قزوین' کی ولایت اور بغداد اور سر من رائی کی شحنگی عطا کی جائے۔ معتمد نے اسے منظور کر لیا' اس منظوری سے سب سے زیادہ اضطراب موالی میں پیدا ہوا۔ "اضطربت الموالی بسر من رائی" اور جب یعقوب نے اس پر بھی بس نہ کیا اور بغداد پر فوج کشی کر دی تو موالی کو یہ شبہ ہوا کہ معتمد کے متولی حکومت موفق کی خط و کتابت سے اس کو یہ حوصلہ ہوا ہے' اور جب خود معتمد یعقوب کے مقابلہ کے لیے نکلا اس وقت سب سے زیادہ مسرت موالی کو ہوئی' "فطابت النفس الموالی" اور اس جنگ میں معتمد کی جانب سے سب سے زیادہ پیش پیش اور انتقامی جذبہ سے لبریز ایک عجمی افسر خشنج تھا۔

(ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۱۶' ۳۱۷)

یہ واقعات اس کا ثبوت ہیں کہ حکومت کے مقابلہ میں یعقوب کے اٹھنے کا سبب موالی کی مخالفت تھی' جس کا ان کو پورا اندازہ تھا' جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ سے ظاہر ہے' جب اس نے فارس پر فوج کشی کی تو یہاں کے والی علی بن حسین کے متعلق احمد بن حاکم سے پوچھا کہ علی بن حسین مسلمان بھی ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں مسلمان ہے' یعقوب نے کہا کیا کوئی مسلمان کافر کردوں کو مسلمانوں کے ملک پر اس لیے بھیج سکتا ہے کہ وہ انہیں قتل کریں' ان کی عورتوں کو قیدی بنائیں' ان کے مال پر قبضہ کریں' احمد بن لیث کردی نے کرمان میں سات سو آدمی قتل کیے اور دو سو شریف گھرانوں کی عورتوں کو بے عزت کیا۔

(ابن اثیر جلد ۷ ص ۳۱۴)

یہ واقعہ بھی یعقوب کی عربی اسپرٹ کا ثبوت ہے' معلوم نہیں اس میں احمد بن لیث کردی کی کس فوج کشی کی طرف اشارہ ہے' لیکن یہ چیز قابل غور ہے کہ اس نے احمد بن لیث کردی کو کافر سے تعبیر کیا' جو محض اس کی عربیت کا نتیجہ ہے' ورنہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے' احمد بن لیث کردی مسلمان تھا اور کسی مسلمان عجمی کو کوئی عجمی کافر نہیں کہہ سکتا۔ رنج کی حکومت بڑی وسیع اور طاقتور تھی' اس کا فرمانروا الوہیت کا مدعی اور اسلام اور مسلمانوں کا دشمن تھا' اپنے یہاں پہاڑ پر ایک گھر بنا رکھا تھا' جس کا

نام مکہ رکھا تھا' یعقوب نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا اور رخج کے تمام باشندے اس کے ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۰۷) اس کے مخالفین بھی اس کے دینی جذبہ کے معترف تھے' چنانچہ جب اس نے شیراز پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو یہاں کے عمائد نے اس کو اس عزم سے باز رکھنے کے لیے اس کے پاس جو خط لکھا اس میں اس کی دین داری ہی کو سفارشی بنایا تھا' اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے تم کو تطوع' دین داری اور خوارج سے جنگ اور ان کے استیصال کی جو توفیق عطا فرمائی ہے' اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کی خون ریزی میں احتیاط برتو"۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۳۱۴)

یہ اور اس قبیل کے اور واقعات یعقوب کی دینداری کا ثبوت ہیں۔

تیسرا ثبوت علویوں سے اس کی مخالفت ہے جو کسی عجمی کی جانب سے تصور میں نہیں آ سکتی' طبرستان کے علویوں سے اس کے بڑے بڑے معرکے ہوئے اور حسن بن زید علوی کو اس نے بڑی فاش شکست دی ا۔ دولت عباسیہ کے عجمی حکام تو علویوں کے مقابلہ پر مجبور تھے' لیکن کبھی کسی آزاد عجمی نے اس کی جرات نہیں کی' اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یعقوب نے گو خارجیوں سے بڑے پر زور مقابلے کیے' لیکن ابتداء میں وہ خود بھی اس جماعت سے تعلق رکھتا تھا' یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عقیدۃً" خارجی تھا' لیکن خارجیوں کی جماعت میں شامل ضرور تھا' چنانچہ ابن خلکان نے تو اس کے نام کے ساتھ خارجی لکھا ہے۔ ۲۔ اور کسی عجمی کا خارجی ہونا مشکل سے خیال میں آ سکتا ہے۔ چوتھا خود صفاری حکومت کے قیام کی نوعیت ہے' عباسیوں کے زمانہ میں ان سے آزاد ہو کر جتنی حکومتیں قائم ہوئیں ان کی دو ہی قسمیں ہیں' ایک وہ جو ابتداء میں عباسی حکومت کے ماتحت امارتیں تھیں پھر جتنا عباسیوں پر زوال آتا گیا' یہ امارتیں آزاد ہوتی گئیں' عجم کی تمام حکومتیں اسی طرح وجود میں آئیں لیکن اس کے خلاف ابتداء سے ان میں آزادی کی کوئی مثال نہیں ملتی' دوسری جو ابتدا ہی سے حریفانہ قائم ہوئیں لیکن اس قسم کی حکومتیں صرف علویوں کی تھیں اور صفاری حکومت ان دونوں سے مختلف ہے' صفاریوں کو نہ ابتداء میں دولت عباسیہ سے علاقہ رہا ہے اور نہ ایک عرصہ تک انہوں نے عباسیوں کی مخالفت کی' بلکہ یعقوب ہمیشہ اپنے کو خلیفہ کا مطیع ظاہر کرتا رہا' گو بعد میں چل کر جب عباسی عمال اس کے مقاصد میں حائل ہوئے تو یعقوب کو حکومت کا مقابلہ کرنا پڑا' لیکن ابتداء میں عرصہ تک وہ خلیفہ کا مطیع رہا۔)

(ا۔ مروج الذہب مسعودی جلد ۷ ص ۵۱) (۲۔ ابن خلکان جلد اول ص ۳۱۲)

اس حکومت کا بانی یعقوب بن لیث اور اس کا بھائی عمرو بجستان کے باشندے اور ٹھٹھیرے کا پیشہ کرتے تھے' یعقوب زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا' گو یہ معمولی طبقہ سے تعلق رکھتا تھا مگر آدمی بڑا بہادر' حوصلہ مند اور عالی دماغ تھا' اس زمانہ میں سجستان میں خارجیوں کا بڑا زور تھا' ان کے مقابلہ میں ایک عرب زاہد صالح بن نضر کنانی نے بڑا نام پیدا کیا تھا' یعقوب اور اس کا بھائی دونوں حصول مقصد کے لیے اس کے ساتھ ہو گئے' اور یعقوب نے اپنی کارگزاری اور قابلیت سے صالح کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل کر لیا تھا' چند دنوں کے بعد صالح کا انتقال ہو گیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ یعقوب کی صلاحیتوں کو دیکھ کر صالح اپنی زندگی ہی میں اس کو اپنا جانشین بنا گیا تھا' اس لیے اس کے بعد یعقوب نے اس کی جگہ لی' دوسری روایت یہ ہے کہ صالح کے بعد درہم بن حسین اس کا جانشین ہوا' لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبداللہ بن طاہر والی خراسان نے اسے پکڑ کے بغداد بھیج دیا' اس کے بعد یعقوب نے جگہ لی۔

یعقوب بڑا عالی دماغ تھا اور اس میں بڑی انتظامی قابلیت تھی' چنانچہ صالح کے بعد اس نے اپنے حسن انتظام اور حسن عمل سے اپنی جماعت میں بڑا اثر پیدا کر لیا' اور چند دنوں میں اس کی مدد سے اس نے سجستان سے خارجیوں کو ختم کر کے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی' اس کا اصل مقصد اہل عجم کی قوت اور ان کے غلبہ و اقتدار کو توڑنا تھا' اس لیے سجستان پر قبضہ کے بعد وہ اپنے کو خلیفہ کا مطیع ظاہر کرتا رہا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت شروع کر دی اور سب سے پہلے خراسان کی طرف جو طاہریوں کے ماتحت تھا' قدم بڑھایا' اور ہرات کا رخ کیا' یہاں کے طاہری حاکم محمد بن ادریس نے مقابلہ کیا' یعقوب نے اسے شکست دے کر ہرات اور بوشنج پر قبضہ کر لیا اور اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ خود امیر خراسان اور آس پاس کے دوسرے امراء اس سے ڈرنے لگے۔

**کرمان پر قبضہ** ہرات پر قبضہ کے تھوڑے دنوں بعد یعقوب نے ۲۵۵ھ میں کرمان پر بھی قبضہ کر لیا' کرمان طاہری حکومت کے ماتحت تھا' ہرات اور بوشنج پر یعقوب کے قبضہ کے بعد فارس کے حاکم علی بن حسین بن شبل نے معتز سے درخواست کی کہ طاہریہ کی قوت کمزور پڑ چکی ہے وہ خراسان کے علاقہ کو بھی نہیں سنبھال سکتے' سجستان پر یعقوب

قابض ہو چکا ہے' اس لیے کرمان میرے متعلق کر دیا جائے علی بن حسین گو بظاہر بارگاہ خلافت کا مطیع تھا' لیکن وہ بھی فارس پر غاصبانہ قابض ہوا تھا' یعقوب کے اظہار اطاعت پر بھی معتز کو اعتماد نہ تھا' اس لیے ان دونوں کو آپس میں ٹکرانے کے لیے اس نے ایک طرف علی بن حسین کی درخواست قبول کر لی دوسری طرف یعقوب کو علیحدہ کرمان کی حکومت کا پروانہ دے دیا۔

چنانچہ علی بن حسین نے اپنی جانب سے طوق بن مسلم کو کرمان بھیجا' یعقوب خود روانہ ہو گیا' اور کرمان سے باہر تھوڑی مسافت پر ٹھہر گیا اور چند دنوں کے بعد طوق کو دھوکے میں مبتلاء کرنے کے لیے لوٹ گیا' طوق کو اس کی واپسی کی خبر ہوئی تو وہ مطمئن ہو کر عیش و طرب میں مشغول ہو گیا' یعقوب برابر اس کی خبر لیتا رہا' اسے غافل پا کر فوراً کرمان واپس گیا' طوق کی فوج بھی یعقوب کی آمد سے غافل تھی' اس لیے وہ مقابلہ نہ کر سکی اور طوق کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئی' اور یعقوب نے اس کو گرفتار کر کے کرمان پر قبضہ کر لیا۔

**فارس پر قبضہ** یعقوب تمام عباسی عمال کے خلاف اٹھا تھا اور علی بن حسین والی فارس سے اس کو خاص طور سے پرخاش تھی اور کرمان کے بعد فارس ہی کا نمبر تھا' اس لیے علی بن حسین کو یقین تھا کہ یعقوب کرمان کے بعد اس کی جانب رخ کرے گا' چنانچہ اس نے پہلے ہی شیراز کے باہر ایک درہ کے دہانہ پر جس کے ایک جانب پہاڑ اور دوسری جانب نہر تھی اور درمیان میں صرف ایک آدمی کے گذرنے بھر کا راستہ تھا' اپنی فوج لا کر ٹھہرا دی' تاکہ یعقوب کسی سمت سے اس پر حملہ آور نہ ہو سکے۔

علی بن حسین کا خیال صحیح نکلا' یعقوب کرمان سے سیدھا شیراز پہنچا اور درہ سے ایک میل کے فاصلہ پر مقیم ہوا' اور علی بن حسین کی فروگاہ کے نقشہ اور اس کی حالت پر غور کر کے فوج نہر میں اتار دی اور دلیری کے ساتھ اس کو عبور کر کے پار پہنچ گیا' اس کی یہ دلیرانہ جرات دیکھ کر علی اور اس کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ شیراز کی طرف بھاگی' لیکن راستہ بہت تنگ تھا' دوسری طرف یعقوب کی فوج تھی' اس لیے بھاگنے میں بڑی کشمکش ہوئی' اس کشمکش میں علی گھوڑے سے گر پڑا' اور یعقوب کی فوج نے اسے بڑھ کر گرفتار کر لیا اور اس کی فوج کا کل سامان یعقوب کے قبضہ میں آ گیا' اور اس نے بڑھ کر شیراز پر قبضہ

کر لیا' بعض روایتوں میں اس واقعہ کی یہ صورت بھی ہے کہ علی بن حسین نے شکست کھائی اور زخمی ہو کر گرفتار ہوا' پایہ تخت شیراز پر قبضہ کے بعد پورا فارس زیر نگین ہو گیا علی بن حسین نے رعایا کو لوٹ لوٹ کر دولت جمع کی تھی' یعقوب نے اسے تکلیفیں دے کر یہ ساری دولت نکلوائی' فارس پر قبضہ کے بعد یعقوب نے خلیفہ کے پاس تحریری اطاعت نامہ اور بہت سے قیمتی ہدیے بھیجے' اس کے بعد یعقوب سجستان لوٹ گیا' اور معتز نے فارس میں پھر اپنے عمال مقرر کر دیئے۔

**احمد بن طولون** ۲۵۴ھ میں مصر میں دولت طولونیہ کی بنیاد پڑی' اس کا بانی احمد بن طولون[1] ان غلاموں کی ایک روشن مثال ہے' جنہیں خلفائے عباسیہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت نے غلامی سے تخت فرمانروائی تک پہنچا دیا' احمد کا باپ طولون ایک ترکی غلام تھا۔ ۲۰۰ھ میں بخارا کے ایک عامل نوح بن اسد سامانی نے اسے مامون کی خدمت میں ہدیتہ" بھیجا تھا۔

۲۲۰ھ میں سامرا میں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے احمد رکھا' ایک روایت یہ بھی ہے کہ احمد طولون کا صلبی لڑکا نہ تھا' بلکہ اس نے اس کو متبنیٰ کیا تھا۔ (ابن خلکان جلد ا ص ۵۵)

احمد کی تعلیم و تربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی تھی' علم حدیث سے اس کو بڑا شغف تھا' طرطوس کے محدثین سے سماع حدیث کے لیے کئی مرتبہ وہاں کا سفر کیا وہ فطرۃ" صالح و سعید بھی تھا۔ صلحاء و اخیار کی صحبت بہت مرغوب تھی' ان کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہوا' اور اپنے فضائل و کمالات کی وجہ سے بڑی شہرت و ناموری حاصل کی' ترکوں کی

---

ا۔ احمد بن طولون ترکی غلام زادہ تھا ۲۵۴ھ مطابق ۸۶۸ء میں اس حکومت کی بنیاد پڑی' اور ۲۹۲ھ مطابق ۹۰۴ء میں اس کا خاتمہ ہوا' اور اس کا رقبہ حکومت پھر بدستور دولت عباسیہ کا ماتحت علاقہ ہو گیا' اس حکومت کی عمر کل ۳۹ سال تھی' لیکن اس قلیل مدت میں اس نے مصر میں بڑے کارنامے کیے' اور اپنی حکومت کے پائیدار نقش چھوڑے' اس کی یادگار جامع طولونیہ آج تک قائم ہے اس میں کل پانچ فرمانروا ہوئے' احمد بن طولون' خمارویہ بن احمد' جیش بن خمارویہ' ہارون بن خمارویہ' اور شیبان بن احمد بن طولون۔

جماعت میں اس سے زیادہ معزز و ممتاز دوسرا امیر نہ تھا' اس کو بارگاہ خلافت میں اتنا اعتماد اور رسوخ حاصل تھا کہ پوشیدہ امور بھی اس سے نہ چھپائے جاتے تھے۔

(خطط مقریزی جلد ۲ ص ۱۰۴)

اس میں دینی اور دنیاوی تمام اوصاف جمع تھے' ابن خلکان کا بیان ہے کہ احمد میں عدل پروری' فیاضی' شجاعت و بہادری' حسن سیرت' فراست تمام اوصاف جمع تھے وہ جملہ فرائض بذات خود انجام دیتا تھا' رعایا کے حالات معلوم کرتا تھا' شہروں کو بساتا تھا۔ اہل علم کو بہت دوست رکھتا تھا' اس کا دستر خوان عوام و خواص ہر شخص کے لیے وسیع تھا ایک ہزار دینار روزانہ خیرات کرتا تھا۔ (خطط مقریزی جلد ۲ ص ۱۰۴'۱۰۵)

جب احمد سنہ رشد کو پہنچا' تو عباسی وزیر عبیداللہ بن یحیٰی سے درخواست کر کے اپنا تبادلہ طرطوس کرا لیا' چند دنوں کے بعد اپنی ماں سے ملنے کے لیے سر من رائی واپس ہوا' قافلہ میں ایک شاہی خادم مستعین کی چند فرمائشیں جنہیں اس نے روم سے بنوا کر منگوایا تھا' دارالخلافہ لیے جا رہا تھا' اتفاق سے راستہ میں اعراب نے قافلہ والوں کا سامان لوٹ لیا' احمد بن طولون تنہا ان پر ٹوٹ پڑا اور لوٹا ہوا کل مال چھین لیا' اس میں مستعین کی فرمائشیں بھی تھیں' اس کے اس کارنامہ کا تمام قافلہ خصوصاً شاہی خادم پر بڑا اثر پڑا' اس نے سر من رای پہنچ کر فرمائشیں مستعین کے حضور میں پیش کیں' مستعین نے اسے بہت پسند کیا' خادم نے ڈاکہ زنی اور احمد کی بہادری کی پوری تفصیل سنائی مستعین سن کر بہت خوش ہوا' اور احمد کو ایک ہزار دینار عطا کیے اور حکم دیا کہ جب وہ آئے تو میرے سامنے پیش کیا جائے' اس تقریب سے مستعین سے اس کا تعارف ہوا' چند دنوں میں احمد نے اپنی صلاحیت اور کارگذاری سے مستعین کو اتنا متاثر کیا کہ اس پر انعام و اکرام کی بارش ہونے لگی۔ اور احمد کے عروج کا آغاز ہوا' اور اہم خدمات اس کے سپرد ہونے لگیں' معزولی کے بعد جب مستعین واسط بھیجا گیا تو ترکوں نے اس کی نگرانی اور رفاقت کے لیے ابن طولون کو ساتھ کر دیا۔ اس نے مستعین کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا' اس کو کسی قسم کی شکایت نہ پیدا ہونے دی سیر و شکار کی بھی اجازت دی اور اپنی نگرانی کے زمانہ میں اس نے مستعین کے ساتھ اس کے رتبہ کے خلاف کوئی بات نہیں کی' معتز کی ماں قبیحہ نے ایک مرتبہ ابن طولون کو لکھا کہ اگر وہ مستعین کو قتل کر دے تو اس کے صلہ میں واسط کی حکومت عطا کی جائے گی'

لیکن اس نے انکار کر دیا' اور ترکوں کو لکھا کہ جس خلیفہ کی اطاعت و بیعت کا طوق میری گردن میں ایک مرتبہ پڑ چکا ہے۔ اس کو میں قتل نہیں کر سکتا' ان حالات کی وجہ سے اس نے مستعین کے پاس رہنا مناسب نہ سمجھا اور اپنی جگہ احمد بن محمد کو مقرر کر دیا۔ (کتاب الولاۃ کندی ص ۲۱۱- ۲۱۲)

**مصر میں دولت طولونیہ کا قیام** مستعین کے قتل کے بعد جب معتز کے ہاتھ میں زمام حکومت آئی تو احمد بن طولون مصر کا حاکم مقرر ہوا' اس کی تفصیلات میں البتہ کسی قدر اختلاف ہے۔ کندی کا بیان ہے کہ ابن طولون سے پہلے مصر کا والی ازجور ترکی تھا اور پولیس کا محکمہ بولغیا کے متعلق تھا' ۲۵۴ھ میں جب ازجور حج کو چلا گیا' تو معتز نے ابن طولون کو مصر میں امامت کے منصب پر مامور کیا۔ (تشریح)

لیکن کندی کے علاوہ ابن اثیر' ابن خلدون اور مقریزی وغیرہ کا بیان ہے کہ معتز کے عہد میں باکباک یا بابکیال (ابن اثیر جلد ۷ ص ۶۱ و مقریزی جلد ۲ ص ۱۰۵) ترکی کو مصر کی حکومت ملی' مگر وہ دارالخلافہ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا' اس لیے ابن طولون کو نائب بنا کر بھیج دیا' فوج بھی اس کے ساتھ کر دی اور رمضان ۲۵۴ھ میں ابن طولون مصر میں داخل ہوا' اس وقت یہاں کے حاکم خراج ابن مدبر کا مصر میں سکہ جما ہوا تھا' ابن طولون نے مصر پہنچ کر اس کا رنگ اکھاڑ دیا' مہتدی کے زمانہ میں اسکندریہ کی حکومت بھی اس کے متعلق ہو گئی' اس کی قوت و عظمت اور دبدبہ اور شکوہ میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اس کے مزید حالات آئندہ آئیں گے۔

**وصیف کا قتل** جیسا کہ اوپر بھی ذکر ہو چکا ہے' دولت عباسیہ کے سیاسی انقلاب کی وجہ سے اس کی مالی حالت بہت ابتر ہو گئی تھی' خزانہ بالکل خالی تھا' ملازمین کو کئی کئی مہینوں کی تنخواہیں نہ مل سکی تھیں' چنانچہ ۲۵۲ھ میں فوج کی چار مہینہ کی تنخواہ چڑھ گئی تھی' ترکوں' فرغانیوں اور اشروسینوں نے روپیہ کا مطالبہ کیا' لیکن خزانہ خالی تھا' بغا' وصیف اور سیما ترکی نے ان سے اس بارہ میں گفتگو کی' وصیف نے کہا ہمارے پاس کچھ نہیں ہے' اس جواب پر فوج بگڑ گئی' لیکن بغا نے وقتی طور پر یہ کہہ کر سنبھال لیا کہ اس بارہ میں امیر المومنین سے گفتگو کروں گا اور وہ معتز سے استصواب کے لیے سامرا چلا گیا' وصیف کے جواب سے فوج بگڑی ہوئی تھی' بغا کے سامرا جانے کے بعد اس نے وصیف کو قتل کر دیا

اور وصیف کے قتل کے بعد اس کا عہدہ بغا کی طرف منتقل ہو گیا۔

(یعقوبی جلد ۲ ص ۳۱۴ و طبری جلد ۱۲ ص ۱۶۸۷، ۱۶۸۸)

**معتز اور بغا میں کشیدگی اور بغا کا قتل** بغا اور معتز کے تعلقات پہلے سے کشیدہ تھے۔ وصیف کے قتل سے یہ کشیدگی اور بڑھ گئی اور بغا کی جانب سے اس کو اپنے متعلق خطرہ پیدا ہو گیا اس لیے اس نے بغا کی قوت توڑنے اور اس کے مقابلہ میں تقویت حاصل کرنے کے لیے اس کے حریف ترکی امیر باکباک کو بڑھانا شروع کیا' (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۹۳) یہ چیز بغا کو کھٹکی' لیکن بغا اس وقت مستقر خلافت سر من رائی میں تھا جہاں وہ معتز کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا' اس لیے معتز کو بغداد لے جانے کے لیے زور ڈالا' مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔

اتفاق سے اسی دوران میں بغا اپنی لڑکی کی شادی میں مصروف ہو گیا اور معتز موقعہ پا کر باکباک کے پاس کرخ سامرا چلا گیا' پھر یہاں سے جوسق میں منتقل ہو کر بغا کی گرفت سے آزاد ہو گیا' اس کو اس کی خبر ہوئی تو بہت پیچ و تاب کھایا اور معتز پر حملہ کرنے کے منصوبے کرنے لگا' مگر اس میں بھی ناکامی ہوئی' اس لیے وہ خود خفیہ بغداد نکل گیا' رات کے وقت وہاں پہنچا' پل کے پہرہ داروں کو شبہ ہوا' انہوں نے گرفتار کر لیا' بغا نے انہیں بہت لالچ دیا مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور معتز کو اطلاع کر دی' اس نے قتل کرا دیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۶۰' ۶۱)

**وزارت** معتز کا پہلا وزیر ابوالفضل جعفر بن محمود اسکافی تھا' یہ علم و ادب سے بیگانہ تھا' لیکن جود و کرم سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر رکھا تھا' ترکوں کی ایک جماعت اس کے موافق تھی اور ایک مخالف' ایک فساد کے سلسلہ میں معزول کیا گیا' دوسرا وزیر ابو عیسیٰ بن فرغان شاہ تھا' اس میں بھی کوئی خاص وصف نہ تھا' لیکن فیاضی اور سیر چشمی اس میں بھی تھی۔

تیسرا وزیر ابو جعفر ابو احمد بن اسرائیل انباری تھا۔ یہ بڑا ذہین اور بڑا ماہر کاتب تھا' اس کی قوت حافظہ اتنی زبردست تھی کہ دولت عباسیہ کے مداخل و مخارج کا پورا حساب اپنے دماغ میں محفوظ رکھتا تھا' ایک مرتبہ دفتر سے حساب کا ایک کاغذ ضائع ہو گیا' اس نے اپنی یادداشت سے مکمل کر دیا' اتفاق سے پھر گم شدہ کاغذ مل گیا تو اس میں اور اس کی زبانی

یادداشت میں سرمو فرق نہ نکلا' ترکوں کی اس سے مخالفت ہو گئی' انہوں نے اسے پکڑ کر مارا' اور اس کا مال ضبط کر لیا' معتز اور اس کی ماں نے صالح بن وصیف ترکی سے اس کی بہت سفارش کی' مگر ترکوں نے نہ سنی اور اس کو قید کر دیا اور مہتدی کے زمانہ میں قید ہی میں مار ڈالا گیا۔ (الفخری ص ۲۲۱' ۲۲۲) احمد بن اسرائیل کے بعد پھر دوبارہ جعفر بن محمود اسکافی وزیر ہوا اور آخر تک رہا۔

**ترکوں کی بغاوت اور معتز کی معزولی** ۲۵۵ھ میں تنخواہ کے لیے پھر فوج میں شورش پیدا ہوئی' ابن وصیف نے معتز سے کہا کہ خزانہ کا کل روپیہ وزراء اور کتاب لے گئے اب خزانہ بالکل خالی ہے' وزیر احمد بن اسرائیل نے اس کا نہایت سخت جواب دیا' اس پر دونوں میں جنگ ہو گئی' صالح نے احمد بن اسرائیل اور اس کے ساتھ حسن بن مخلد اور نوح بن ابراہیم کو جن کا تعلق شعبہ مال سے تھا' گرفتار کر کے قید کر دیا' معتز نے احمد بن اسرائیل کی رہائی کے لیے سفارش کی۔ لیکن صالح نے شنوائی نہ کی۔

(ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۹۶' ۲۹۷)

ترکوں نے جب دیکھا کہ پوری تنخواہ نہیں مل سکتی تو انہوں نے کہا اگر اس وقت ان کو پچاس ہزار دینار بھی دے دیئے جائیں تو وہ اس پر قناعت کر لیں گے' لیکن معتز کے پاس ایک حبہ نہ تھا اس لیے وہ اتنا مطالبہ بھی پورا نہ کر سکا' فوج بغا کے قتل سے پہلے سے برہم تھی اس لیے تنخواہ سے مایوس ہو کر قصر سلطانی پر حملہ کر دیا اور معتز کو محل سے باہر بلا بھیجا' اس نے کہلا دیا کہ اس وقت میں نے دوا پی ہے اس لیے باہر نہیں آ سکتا' اگر کوئی ضروری کام ہو تو تم میں سے کوئی آدمی خود اندر چلا آئے' یہ سن کر سب کے سب محل میں گھس گئے اور معتز کو پکڑ کے اس کو پیٹتے ہوئے باہر گھسیٹ لائے اور اتنا مارا کہ اس کی قمیص کے پرزے اڑ گئے اور تپتی ہوئی زمین پر ننگے پاؤں کھڑا کر دیا' وہ تپش سے ایک پاؤں رکھتا تھا' اور وحشی ترک برابر طمانچے مارے جاتے تھے' خلیفہ وقت کو اس طرح ذلیل و رسوا کرنے کے بعد قاضی ابو الشوارب اور گواہوں کے رو برو اسے معزول کر کے ایک سنگ دل ترک کے حوالہ کر دیا' اس نے سزا کا سلسلہ جاری رکھا اور کھانا پانی بند کر دیا۔

(ابو الفداء جلد ۲ ص ۴۲)

معتز کی ماں قبیحہ بڑی دولت مند تھی' اس کے پاس بے شمار دولت تھی اگر وہ چاہتی تو

روپیہ دے کر معتز کی جان بچا سکتی تھی لیکن وہ دولت کی بڑی حریص تھی' اس لیے معتز کی گرفتاری کے وقت وہ روپوش ہو گئی' اس کے انجام کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

**دست برداری** معتز کو معزول کرنے کے بعد باغی ترک محمد بن واثق کو جسے معتز نے بغداد میں نظر بند کر رکھا تھا' نکال کر سامرا لائے' اس کے آنے کے بعد معتز جان و مال کی امان لے کر رجب ۲۵۵ھ میں باقاعدہ دست بردار ہو گیا اور ترکوں نے محمد بن واثق کو خلیفہ بنایا' معتز کی مدت خلافت ۴ سال ۸ مہینے چند دن تھی۔

**صفات معتز** معتز نہایت فصیح و بلیغ اور زبان آور خطیب تھا' ابن اثیر نے اس کی ایک تقریر نقل کی ہے' جو فصاحت و بلاغت اور زور بیان کا اچھا نمونہ ہے' مزاج میں امارت اور نفاست کی شان زیادہ تھی' پہلے خلفاء کے ساز میں چاندی کا تھوڑا سا کام ہوتا تھا' لیکن معتز کی سواری کا ساز خالص طلائی ہوتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۶۷)

بیعت خلافت کی تاریخ سے لے کر دست برداری تک ایک دن بھی اسے ترکوں کی ذات سے چین و سکون میسر نہ ہوا' جب تک بغا زندہ رہا' معتز کا خواب و خور حرام تھا' بغا کے خوف سے وہ نہ میٹھی نیند سوتا تھا اور نہ شبانہ روز میں کسی وقت ہتھیار اتارتا تھا اور کہتا تھا کہ جب تک میرا یا بغا کا سر نہ چلا جائے اس وقت تک اسی حالت میں رہوں گا' اس پر بغا کا خوف اتنا غالب تھا کہ کہتا تھا کہ مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ بغا مجھ پر آسمان سے نازل نہ ہو جائے' یا زمین پھاڑ کر میرے سامنے نہ نکل آئے۔ (مسعودی جلد ۷ ص ۳۹۷) اس کا پورا زمانہ شورش اور انقلابات میں گزرا اور حکومت کی طرف توجہ کرنے کی مطلق فرصت نہ ملی۔

**حلیہ** صورۃً نہایت حسین و جمیل تھا۔

# ابو عبداللہ بن محمد بن واثق الملقب بہ مہتدی باللہ

## ۲۵۵ھ تا ۲۵۶ھ مطابق ۸۶۹ء تا ۸۷۰ء

معتز کو معزول کرنے کے بعد ترکوں نے واثق کے لڑکے مہتدی کے سامنے تاج و تخت پیش کیا' اس نے کہا جب تک وہ معتز سے مل کر اس سے گفتگو نہ کر لے گا' اس وقت تک خلافت نہ قبول کرے گا' اس لیے ترکوں نے معتز کو لا کر حاضر کیا' اس وقت اس کے بدن پر ایک میلا کرتا اور سر پر ایک رومال تھا' اس حال میں دیکھ کر مہتدی دوڑ کر اس کے گلے سے لپٹ گیا اور پوچھا بھائی کیا حال ہے؟ معتز نے جواب دیا کہ اب مجھ میں یہ بار اٹھانے کی طاقت اور اس کی اہلیت نہیں ہے۔ مہتدی نے اس کے اور ترکوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی لیکن معتز نے انکار کر دیا اور کہا کہ نہ مجھ کو اس کی ضرورت ہے اور نہ ترک اس پر آمادہ ہوں گے۔ مہتدی نے کہا پھر مجھے اپنی بیعت فسخ کرنے کی اجازت دیجئے۔ معتز نے اجازت دے دی' اجازت لینے کے بعد مہتدی نے خلافت قبول کر لی اور رجب ۲۵۵ھ میں تخت نشین ہوا اور معتز پھر قید خانہ میں واپس کر دیا گیا۔

(مروج الذہب جلد ۷ ص ۳۹۹)

ترکوں کو معتز سے اتنی شدید عداوت تھی کہ تین دن کے بعد اس کو ایک تہہ خانہ میں چنوا دیا اور وہ غریب اسی میں گھٹ کر مر گیا۔

**بغداد میں مخالفت** سامرا میں بیعت کے بعد مہتدی نے بغداد کے پولیس افسر سلیمان بن عبداللہ کے پاس اہل بغداد سے اپنی بیعت لیے جانے کا حکم بھیجا' اس نے سب سے پہلے شاہی خاندان کے ایک رکن امیر ابو احمد کو جن کی طرف سے مخالفت کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ بلا کر اپنے پاس روک لیا۔

سامرا میں اتنا بڑا انقلاب ہو گیا تھا' لیکن اہل بغداد کو اب تک اس کی خبر نہ تھی' مگر اس سے پہلے شورش و ہنگاموں سے وہ واقف تھے' اس لیے ابو احمد کی طلبی پر انہیں شبہ ہوا' اور انہوں نے سلیمان کے مکان پر ہجوم کر دیا' اس نے یہ کہہ کر انہیں اطمینان دلایا کہ

سامرا کی کوئی خبر یہاں نہیں آئی ہے۔ جس سے معتز کے حالات معلوم ہو سکیں، اس لیے بغدادی لوٹ گئے، اس کے دوسرے دن جمعہ کو پھر جمع ہوئے، لیکن خطبہ میں معتز کا نام سن کر پھر لوٹ گئے، مگر ان کے دل میں شبہ تھا، اس لیے تیسرے دن پھر سلیمان کے گھر پر حملہ کر دیا اور اس سے ابو احمد کے دکھانے کا مطالبہ کیا اس نے دکھا دیا اور اس کی حفاظت کا پورا اطمینان دلا کر واپس کر دیا۔

بغدادی فوج بھی روپیہ کی خواہاں تھی اس لیے امیر یار جوخ مہتدی کی جانب سے بیس ہزار اشرفیاں لے کر اسے دینے کے لیے آیا، اہل بغداد کو اس کی خبر ملی تو وہ اس پر حملہ کرنے کے لیے نکلے لیکن یار جوخ بردان چلا گیا اور دارالحکومت سے مزید روپیہ منگا کر بغدادیوں میں بھی تقسیم کیا، اس سے یہ لوگ ٹھنڈے پڑ گئے اور شعبان ۲۵۵ھ میں بغداد میں بھی مہتدی کی بیعت ہو گئی اس ہنگامہ میں سلیمان کے گھر کی مدافعت میں کچھ لوگ مارے گئے، کچھ دجلہ میں ڈوبے اور کچھ زخمی ہوئے، مگر زیادہ کشت و خون کی نوبت نہ آئی اور ایک اٹھتا ہوا فتنہ روپیہ کے زور سے دب گیا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۷۱۴، ۱۷۱۵)

**قبیحہ کی جلاوطنی** اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ معتز کی گرفتاری کے بعد اس کی ماں قبیحہ اپنی دولت کو بچانے کے لیے روپوش ہو گئی تھی، اس کی دولت و ثروت کا عام شہرہ تھا، اس لیے معتز کے قتل کے بعد اس کی تلاش شروع ہوئی، لیکن پتہ نہ چل سکا، مگر زیادہ دنوں تک وہ چھپی نہیں رہ سکتی تھی، اگر وہ تلاش کر کے نکالی جاتی تو اس کے ساتھ اور برا سلوک کیا جاتا، اس لیے وہ خود نکل آئی اور کل دولت صالح بن وصیف کے حوالہ کر دی، ابن اثیر کا بیان ہے کہ پہلے پانچ لاکھ دینار سرخ بھیجے اس کے بعد اصل خزانہ کا جس میں ۱۸ لاکھ اشرفیاں تھیں پتہ چلا، نقد کے علاوہ بہت سے بیش قیمت جواہرات تھے، ان میں ایک زمرد اتنا بڑا تھا کہ اس زمانہ میں اس قد کا دوسرا زمرد نہ تھا، ایک صندوقچے میں بڑے بڑے موتی تھے، اس کے علاوہ یاقوت اور دوسرے مختلف جواہرات تھے جس وقت صالح کے پاس یہ دولت پہنچی تو اس نے کہا "اس بڑھیا کے پاس اتنی دولت موجود تھی اور صرف پچاس ہزار دینار کے لیے اس نے اپنے لڑکے کی جان لی"۔ اور کل دولت پر قبضہ کر کے اس کو جلاوطن کر دیا۔ (ابن اثیر جلد ۷، ص ۶۵)

**مہتدی کے مبارک ارادے** مہتدی بڑا عاقل، مدبر، عاقبت اندیش، عدل پرور، اور

عابد و زاہد خلیفہ تھا' اس نے چاہا کہ ترکوں کے اقتدار اور گزشتہ انقلابات کی وجہ سے حکومت کے نظام میں جو ابتری پیدا ہو گئی تھی' اسے دور کر کے دوبارہ اس کی شان و شوکت قائم کر دے' لیکن حکومت میں خود غرض امراء کا مجمع تھا' انہیں ذاتی مفاد کے سوا حکومت کی فلاح و بہبود سے کوئی ہمدردی نہ تھی- اس لیے اس کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور اس کو سلطنت اور جان دونوں سے ہاتھ دھونے پڑے-

**مساور خارجی** معتز کے حالات میں مساور خارجی کی کامیابی اور اس کی بڑھتی ہوئی قوت کا حال گذر چکا ہے- معتز کے دور کے انقلابات کی وجہ سے حکومت کو اس کی جانب توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا' اس لیے اس کی قوت اور بڑھ گئی اور ۲۵۵ھ میں وہ موصل کی طرف بڑھا' یہاں کے عامل عبداللہ بن سلیمان میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اور اہل موصل بھی عبداللہ کے خلاف تھے' اس لیے وہ روپوش ہو گیا اور مساور بغیر جنگ و جدال کے موصل میں داخل ہو گیا' نہ اہل موصل نے کوئی مزاحمت کی نہ اس نے ان کو چھیڑا' البتہ عبداللہ بن سلیمان کا گھر لوٹ کر جلا دیا' موصل پر قبضہ کرنے کے بعد وہ حدیثہ چلا گیا' اسی زمانہ میں مساور اور اس کی جماعت کے ایک ممتاز آدمی عبیدہ کے درمیان ایک مذہبی مسئلہ میں اختلاف ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ عبیدہ اپنی جماعت الگ بنا کر مساور کے مقابلہ میں آ گیا لیکن مارا گیا' موصل پر قبضہ کے بعد مساور نے عراق کی آمدنی دارالخلافہ جانے سے روک دی تھی اور حکومت کو فوج کی تنخواہ دینے میں دشواری پیش آ رہی تھی' اس لیے ترکوں کو مساور کی طرف متوجہ ہونا پڑا' چنانچہ موسیٰ بن بغا' بابکیال اور دوسرے فوجی افسر اس کے مقابلہ کے لیے نکلے' لیکن پھر لوٹ گئے- (ابن اثیر جلد ۷ ص ۶۴ سے ۶۷' ابن اثیر نے عبیدہ اور مساور کی جنگ ۲۵۷ھ میں لکھی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے-)

**صاحب الزنج کا خروج** مہتدی کے زمانہ میں سب سے بڑی اور انقلاب انگیز شورش زنگیوں نے کی جس سے سارے عراق میں ایک قیامت برپا ہو گئی' ایک شخص علی بن عبدالرحیم حبشی غلاموں کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور مسلمانوں پر اتنے مظالم ڈھائے کہ ساری دنیائے اسلام چیخ اٹھی' یہ قبیلہ بنی عبدقیس کا معمولی آدمی تھا' اور ابتداء میں منتصر کے درباریوں کی مصاحبت کیا کرتا تھا' دولت عباسیہ کی کمزوری اور اندرونی انقلابات کو دیکھ کر اسے قسمت آزمائی کا حوصلہ پیدا ہوا' اس زمانہ میں سب سے چلتا ہوا جادو علوی دعوت کا

تھا۔ بحرین شیعان علی کا مرکز تھا' اس لیے علی بن عبدالرحیم بحرین پہنچا اور اپنے کو علوی مشہور کر کے علی بن محمد بن احمد بن عیسیٰ بن زید بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب کے لباس میں ظاہر کیا۔ (ابوالفداء جلد ۲ ص ۴۶) لطف یہ ہے کہ دعویٰ تو علویت کا تھا اور عقائد خارجیوں کے تھے۔ (مسعودی جلد ۸ ص ۳۱) کبھی عباسیت کا بھی مدعی بن جاتا تھا' اس زمانہ میں غلام زیادہ تر حبشی ہوا کرتے تھے اور ان کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں تھی' علی نے انہیں اپنے ساتھ ملانے کے لیے اعلان کر دیا کہ جو غلام اپنے آقا کو چھوڑ کر اس کے پاس چلا آئے گا وہ آزاد ہے' اس تدبیر سے ہزاروں حبشی غلام اس کے ساتھ ہو گئے' ان کی نسبت سے وہ "صاحب الزنج" کہلانے لگا۔

اس کی قوت دیکھ کر بہت سے شورش پسند عوام بھی اس کے ساتھ ہو گئے اور وہ عباسی حکومت کے مقابلہ میں اٹھ کھڑا ہوا' اور عراق بھر میں تاخت و تاراج شروع کر دی' خصوصاً بحرین' بصرہ' ابلہ اور کربلا میں حبشیوں نے آفت بپا کر دی' بصرہ پر ان کا عارضی قبضہ بھی ہو گیا تھا' صاحب الزنج جس طرف رخ کر دیتا تھا کسی کو اس کے مقابلہ میں ٹکنے کی ہمت نہ ہوتی تھی' چنانچہ وہ ہمیشہ حکومت کی فوجوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوا' شاذ و نادر ہی شکست کھائی' اس کے مقابلہ کے لیے فوجوں پر فوجیں جاتی تھیں مگر ناکام رہتی تھیں' اس لیے کامل ۱۴'۱۵ سال تک صاحب الزنج آفت بپا کیے رہا' معتمد کے عہد ۲۷۰ھ میں بڑی دشواریوں کے بعد قتل کیا گیا اور اس کی شورش کا خاتمہ ہوا' اس کی تفصیل معتمد کے عہد کے حالات میں آئے گی۔

**طبرستان سے موسیٰ کی واپسی** معتز کے آخری زمانہ میں امیر بغا کا لڑکا موسیٰ رے میں تھا اور معتز کے حکم سے امیر مفلح' حسن بن زید علوی کے مقابلہ میں مشغول تھا' جب دارالخلافہ میں انقلاب کے آثار نمودار ہوئے تو معتز کی ماں نے موسیٰ کو بلا بھیجا' لیکن اس کی واپسی سے پہلے ہی معتز کی معزولی اور مہتدی کی خلافت کے تمام مراحل ختم ہو گئے تھے اور موسیٰ کی فوج کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ امیر صالح ابن وصیف نے کاتبوں سے بہت بڑی رقم وصول کی ہے' اس لیے انہیں حسد ہوا اور انہوں نے موسیٰ کو جلد سامرا پہنچنے پر مجبور کیا' چنانچہ وہ طبرستان سے سامرا روانہ ہو گیا' صالح کو اس کی خبر ہوئی تو اسے اپنی جان کا خطرہ پیدا ہوا۔

اس نے مہتدی کو یقین دلایا' کہ موسیٰ کی واپسی میں بڑے خطرات ہیں' اس لیے مہتدی نے موسیٰ کو راستہ ہی سے اس کے مستقر پر واپس جانے کا حکم دیا' لیکن موالی کے اصرار کی وجہ سے وہ نہ رکا' مہتدی نے دوبارہ ہاشمیوں کو بھیجا' انہوں نے جاکر موسیٰ کو سمجھایا کہ دارالخلافہ میں مزید فوج کا خرچ اٹھانے کی طاقت نہیں ہے' اس کے علاوہ تمہارے طبرستان چھوڑنے سے وہاں علویوں کے قبضہ کا اندیشہ ہے' اس لیے لوٹ جاؤ' اس کے سمجھانے پر موالی اس پر ٹوٹ پڑے' ان کی ضد دیکھ کر موسیٰ نے سفر جاری رکھا اور مہتدی کو معذرت لکھ بھیجی کہ موالی کسی طرح واپسی پر رضامند نہیں ہیں' اگر میں اپنے مستقر پر واپس جانے کا ارادہ کروں تو وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے' خود آپ کے آدمی ان کی حالت اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے ہیں۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۶۷)

## جوسق سامرا میں موسیٰ کا داخلہ اور مہتدی کا اخراج

محرم ۲۵۶ھ میں موسیٰ مع فوج کے سامرا میں داخل ہوا یہ دن داد رسی کا تھا' مہتدی جوسق میں رعایا کی شکائتیں سن رہا تھا' یہیں اس کو موسیٰ کی آمد کی اطلاع ملی' اس نے اس کو محل ہی میں بلا لیا' موسیٰ مع خدم و حشم کے جوسق میں داخل ہوا' اور واپسی کے مسئلہ پر دونوں میں گفتگو ہوتی رہی' موالی کو یہ خیال ہوا کہ مہتدی عمداً" گفتگو کو اس لیے طول دے رہا ہے کہ اس درمیان میں وصیف فوج لے کر آ جائے' اور ہم لوگ مجبور ہو جائیں' اس لیے انہوں نے مہتدی کو جوسق سے امیر یاجور کے گھر میں منتقل کر دیا اور جوسق کا سامان لوٹ لیا گیا' موالی کی شورش دیکھ کر مہتدی نے موسیٰ سے کہا کہ تم لوگوں کی یہ جسارت' خدا کا خوف کرو' اس نے اطمینان دلایا کہ آپ مطمئن رہیے ہم جو کچھ کر رہے ہیں سب آپ کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں' ہماری جانب سے آپ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اس سے وعدہ لیا کہ وہ صالح کو ان لوگوں پر دست درازی کا موقع نہ دے گا اور ان کے ساتھ ظاہر و باطن یکساں رکھے گا' اس عہد و پیماں کے بعد سب نے تجدید بیعت کی اور مہتدی نے ملک کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے کر معتز کے خون بے گناہی کا انتقام لینے کے لیے صالح کو طلب کیا' وہ موالی کے خوف سے روپوش ہو گیا تھا۔

(تفصیل کے لیے دیکھو طبری جلد ۱۲ ص ۱۷۸۸' ۱۷۸۹)

## ایک مشکوک خط اور مہتدی کے عزل کا مشورہ

اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں

بعد امیر سیما شرابی نے ایک خط مہتدی کے حضور میں پیش کیا' اور کہا اسے ایک عورت دے کر غائب ہو گئی اور پھر اس کا پتہ نہ چلا' اس کی شان خط اور مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح کا خط ہے مضمون یہ تھا کہ "اتنا مال مجھے ملا' اور میں اپنی جان کے خوف سے اور فتنہ کو دبانے کے لیے روپوش ہو گیا ہوں"۔ خط دیکھنے کے بعد مہتدی نے ترک موالی اور صالح میں مصالحت کرانے کی کوشش کی' اس پر ان کو شک ہوا کہ مہتدی صالح کی حمایت کرنا چاہتا ہے اور اسے اس کا پتہ معلوم ہے' اس سے ان کو مہتدی سے بد گمانی پیدا ہو گئی اور دوسرے دن ترکوں نے جوسق میں جمع ہو کر مہتدی کو تخت سے اتارنے کا فیصلہ کیا' امیر بابکیال نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اگر تم لوگوں نے اس قسم کا کوئی ارادہ کیا تو میں تمہارا ساتھ چھوڑ کر خراسان چلا جاؤں گا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۹۸)

**مہتدی کی دلیرانہ تقریر** مہتدی کو اس فیصلہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے صاف کپڑے پہنے خوشبو لگائی اور تلوار گلے میں ڈال کر نکلا' اور ترکوں کو مخاطب کر کے یہ پر جوش تقریر کی۔ "مجھے مستعین اور معتز نہ سمجھنا' میں موت کے لیے تیار ہو کر آیا ہوں' جب تک میری تلوار کا قبضہ میرے ہاتھ میں ہے' اس وقت تک وہ تمہارے سروں پر چمکتی رہے گی' یاد رکھو اگر میرا ایک بال بھی گرا تو اس کے بدلہ میں تمہارا پورا گروہ برباد کر دیا جائے گا۔ کیا مذہب' حیا' اور خوف دنیا میں باقی نہیں رہ گیا' خلفاء اور خدا کے ساتھ تمہاری یہ مخالفت' تمہارا یہ اقدام اور تمہاری یہ جسارت کب تک قائم رہے گی' خلیفہ خواہ تمہارا خیر خواہ ہو یا بد خواہ' تمہاری جسارت دونوں کے ساتھ یکساں رہتی ہے' اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ تمہاری ذات سے مجھ کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچتا ہے تو مجھے بتاؤ کہ تمہاری دنیا سے مجھے کیا ملا' بابکیال! تمہیں معلوم ہو گا کہ تمہارے متوسلین میرے بھائیوں اور میری اولاد سے زیادہ دولت مند اور فارغ البال ہیں' اگر تم اس کا ثبوت چاہتے ہو تو جاؤ تم ان کے گھروں کا جائزہ لو' دیکھو تم کو وہاں فرش فروش' لونڈی غلام' خدم و حشم' جاگیر اور آمدنی میں سے کوئی چیز بھی تمہارے برابر نظر آتی ہے؟ اس کے باوجود بھی تم سمجھتے ہو کہ میں صالح کو جانتا ہوں اور نہیں بتاتا' صالح میں کوئی خصوصیت نہیں ہے' وہ بھی تم لوگوں کی طرح میرا ادنیٰ غلام ہے۔ جب اس کے متعلق تمہاری رائے خراب ہے تو میں اس کے ساتھ کس طرح رہ سکتا ہوں' لیکن میں صلح کی رائے ضرور دوں گا' کیونکہ صلح تمہاری قوم کے لیے زیادہ مفید

ہے' لیکن اگر اس کے بعد بھی تمہیں اپنے مطالبہ پر اصرار ہے تو تم اپنی رائے میں آزاد ہو خوشی سے اس کو تلاش کرو' اور اپنی تشفی کے لیے اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کرو البتہ اس کا میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے صالح کا کوئی علم نہیں ہے' ترکوں نے قسم لینی چاہی' مہتدی نے کہا کہ مجھے قسم کھانے سے انکار نہیں ہے' لیکن کل جمعہ میں بنو ہاشم' قضاۃ' حکام اور عہدیداران حکومت کے سامنے قسم کھاؤں گا اس کے بعد اس نے بابکیال اور محمد بن بغا سے کہا کہ صالح نے کاتبوں اور معتز کی ماں کی جو دولت بھی لی ہے وہ تمہاری موجودگی میں لی ہے اور اگر اس نے لی ہے تو تم بھی اس سے بری نہیں ہو' اس گفتگو کے بعد ترک لوٹ گئے' لیکن بابکیال اور محمد بن بغا کے دل میں بھی مہتدی کے ساتھ کدورت پیدا ہو گئی اور ان سب نے مل کر اس کو معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

(طبری جلد ۱۲ ص ۱۷۹۳'۱۷۹۵)

**مہتدی کے عزل کا فیصلہ' عوام کا جوش اور اصلاحات کا مطالبہ** لیکن اس کو عمل میں لانے کے لیے مختلف مشکلات تھیں سب سے بڑھ کر روپے کی قلت حائل تھی' اس لیے چند دنوں تک وہ لوگ خاموش رہے' اتفاق سے اسی دوران میں فارس کے خراج کی کئی لاکھ کی رقم آگئی' اس لیے ترکوں کو اپنا ارادہ پورا کرنے کا موقع مل گیا' عام رعایا کو اس کی خبر ہوئی تو ان میں بڑا جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے مہتدی کی حمایت و امداد کے لیے اشتہارات تقسیم کیے' دور اور کرخ کے موالی مہتدی کی معزولی کے مسئلہ میں ترکی امراء کے مخالف تھے۔ انہوں نے اس کے بھائی عبداللہ کو بلا کر اپنی اطاعت کا یقین دلایا اور کہا کہ ہم امیر المومنین کے لیے اپنا خون بہا دیں گے' لیکن ہماری بھی یہ شکایت ہے کہ فوجی مصارف کی جاگیریں اور زیادات و رسوم کی تمام آمدنیاں فوجی افسروں کے تصرف میں ہیں اور ہماری تنخواہیں تک دیر میں ملتی ہیں اور اس کو لکھ کر عبداللہ کے ذریعہ مہتدی کے پاس بھیج دیا۔

**مطالبات کی منظوری** مہتدی نے اپنے دست و قلم سے یہ جواب لکھا کہ "مجھ کو تمہاری تحریر ملی تمہاری اطاعت شعاری سے مجھ کو مسرت ہوئی' خدا تم کو اس کی جزا دے تم نے اپنی جو شکائتیں پیش کی ہیں' ان سے مجھ کو پوری ہمدردی ہے' خدا کی قسم میں یہاں تک آمادہ ہوں کہ مجھ کو اور میری اولاد کو کھانے کے لیے صرف قوت لایموت اور پہننے کے

لیے بقدر ستر پوشی کپڑا مل جایا کرے' لیکن تم لوگ مطمئن رہو' میرے پاس جتنا مال آتا ہے' وہ تم لوگوں کو معلوم ہے' جاگیروں کے معاملہ میں غور کروں گا اور ان کو تمہارے مصرف میں لانے کی کوشش کروں گا"۔

یہ تحریر پڑھ کر ان کو اطمینان ہو گیا اور انہوں نے اس کے جواب میں حسب ذیل عرضداشت بھیجی کہ "جملہ امور مملکت امیرالمومنین کے سامنے پیش کیے جایا کریں اور اس میں کوئی شخص مزاحم نہ ہو اور فوج کے رسوم مستعین کے زمانہ کے مطابق کر دیے جائیں اور وہ امیرالمومنین کی خدمت میں حاضری کا ارادہ رکھتے ہیں' جو شخص اس بارہ میں امیرالمومنین سے کوئی مزاحمت کرے گا' اس کا سر قلم کر دیا جائے گا اور اگر امیرالمومنین کے سر سے ایک بال بھی گرا تو بابکیال' موسیٰ بن بغا اور یاجور سارے امراء قتل کر دیے جائیں گے"۔

مہتدی کا بھائی عبداللہ یہ تحریر لے کر ایسے وقت پہنچا' جب مہتدی عدالت کر رہا تھا' اور تمام ارکان دولت موجود تھے' جن میں موسیٰ بن بغا بھی موجود تھا' ان کے سامنے عبداللہ نے تحریر پڑھ کر سنا دی' مہتدی نے یہ تمام مطالبات منظور کر لیے اور اس کی تحریری منظوری لکھ کر عبداللہ کے حوالہ کر دی' اس نے بابکیال' موسیٰ بن بغا اور محمد بن بغا سے کہا کہ "تم لوگ فوج سے معذرت کے لیے اپنے نمائندے میرے ساتھ کر دو" اس وقت فوج ان سب سے برہم اور مہتدی کی حمایت میں تھی' اس لیے انہیں چار و ناچار اپنے نمائندے ساتھ کرنے پڑے' عبداللہ نے مہتدی کی منظوری کا پروانہ لے جا کر فوج کے حوالے کر دیا اور اس سے کہا کہ فوجی افسروں کے قاصد تم سے معذرت کے لیے میرے ساتھ آئے ہیں ان کی جانب سے تم کو جو شکایت ہو اس کی یہ لوگ معذرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے ہم قوم اور ہمارے بھائی ہو"۔

اس کے بعد فوج نے چند مطالبے اور پیش کیے جن میں سے زیادہ اہم یہ تھے کہ فوجی جاگیریں فوجی افسروں کے ہاتھوں سے نکال کر فوجی مصارف میں صرف کی جائیں' فوج کا شعبہ مہتدی کے بھائی یا کسی اور ایسے شخص کے ماتحت کر دیا جائے' جو موالی میں سے نہ ہو' صالح بن وصیف اور موسیٰ بن بغا کی دولت کا محاسبہ کیا جائے اور فوجی رسوم مستعین کے عہد کے مطابق کر دیے جائیں' مہتدی کے پاس دولت بھیجنے کے ساتھ ہی ترکی افسروں کو

بھی اس کی اطلاع دے دی اور انہیں فہمائش کر دی کہ اگر انہوں نے ان مطالبات کی منظوری میں کوئی رکاوٹ پیدا کی تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا اور اگر امیرالمومنین کو کانٹا بھی چبھا تو تمام افسروں کے سر قلم کر دیئے جائیں گے اور جب تک صالح بر آمد نہ کیا جائے گا۔ اور اس کے اور موسیٰ بن بغا کے مال کی تلاشی نہ لی جائے گی' اس وقت تک ان کو اطمینان نہ ہو گا۔

مہتدی نے ان مطالبات کی بھی منظوری لکھ کر اپنے بھائی کے ہاتھ بھجوا دی' موقع کی نزاکت کی وجہ سے موسیٰ بن بغا کو بھی تائید کرنی پڑی' اس نے وعدہ کیا کہ صالح بر آمد کیا جائے گا اور اس کی جانب سے ان لوگوں کے خلاف منشا کسی بات کا ظہور نہ ہو گا' ان دونوں تحریروں کے پڑھنے کے بعد فوج نے آخری جواب دوسرے دن دینے کا وعدہ کیا۔

(ابن اثیر جلد ۷ ص ۷۳'۷۴)

**فوج میں اختلاف** ان کے وعدے کے مطابق دوسرے دن مہتدی کا بھائی جواب لینے کے لیے گیا' لیکن کوئی متفقہ جواب نہ ملا' ہر شخص اپنی جیسی کہتا تھا' یہ صورت دیکھ کر عبداللہ لوٹ گیا' اس کے دوسرے دن مہتدی نے پھر عبداللہ اور موسیٰ بن بغا کو بھیجا' انہوں نے جا کر دوبارہ مطالبات کی منظوری کی توثیق کی' لیکن اب فوج کا رنگ بالکل بدل گیا تھا کہاں وہ ترکی افسروں خصوصاً صالح کے خلاف ہو رہے تھے' کہاں خود انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ موسیٰ کو بغا کبیر کی جگہ مقرر کیا جائے اور صالح کو اس کے باپ کی جگہ دی جائے اور فوج کا شعبہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے بدستور رہنے دیا جائے' ان کی تنخواہیں دی جائیں' البتہ وصیف کے بر آمد کرنے کا مطالبہ قائم رہا' لیکن ان مطالبات پر بھی سب متفق نہ تھے اور آپس میں اختلاف تھا غرض کوئی بات طے نہ ہو سکی اور سب نے اپنا اپنا راستہ لیا۔ (طبری جلد ۱۲ ص ۱۸۰۵'۱۸۰۶)

اگرچہ تاریخوں میں اس تبدیلی کے اسباب کی تصریح نہیں ہے' لیکن مختلف حالات کو پیش نظر رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقفہ میں ترکی افسروں کو ترکی فوج کے ہموار کرنے کا موقع مل گیا' فوج ان کے خلاف ہو گئی تھی' لیکن بہرحال ان کی ہم قوم تھی' مہتدی بھی ترکی افسروں کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا' اس بناء پر افسروں کے لیے فوج کو نشیب و فراز سمجھا کر ہموار کر لینا دشوار نہ تھا' جس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے نئے

مطالبات میں ترکی افسروں کی حمایت کی تھی بہر حال اس ہنگامے کے بعد صالح کی تلاش برابر جاری رہی ایک شخص کو پتہ چل گیا اور وہ گرفتار کر کے جوسق میں لایا گیا' امیر مفلح نے اس کا سر قلم کر دیا۔

**مہتدی کے اصلاحی مساعی اور اس کا انجام** ۲۵۶ھ میں مہتدی بھی ترکوں کے استبداد کا شکار ہوا' اور تخت سے اتار کر بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا' اس کا قتل خالص اس کے اصلاحی مساعی کا نتیجہ تھا۔

دولت عباسیہ کے سیاسی زوال کے ساتھ اس کی اخلاقی اور دینی حالت بھی روز بروز گرتی جاتی تھی۔ اس حکومت کی بنیاد عجمیوں کے ہاتھوں پڑی تھی' اس لیے ابتداء ہی سے اس میں عجمی عقائد و خیالات کی آمیزش شروع ہو گئی تھی اور مسلمانوں میں طرح طرح کے عقائد اور فرقے پیدا ہو گئے تھے' لیکن عجمی ایرانیوں کی قوم ایک تاریخی اور متمدن قوم تھی' اپنا مذہب و اخلاق رکھتی تھی' اس لیے اخلاقی حدود و قوانین کی پابند تھی اور چونکہ شاہ پرستی ان کے خمیر میں داخل تھی' اس لیے اپنے عہد عروج میں بھی اس نے خلفاء کے ظاہر احترام میں فرق نہ آنے دیا عباسی حکومت میں برامکہ کو جو عروج حاصل تھا' اس سے ہر تاریخ دان واقف تھا' لیکن اس عروج و اقتدار کے زمانہ میں بھی خلفاء کے ساتھ اس کا طرز عمل خادمانہ تھا اور ہارون نے جب اس خاندان کو مٹایا تو کسی عجمی کے کان پر جوں تک نہ رینگی' ان کے زمانہ میں کم از کم تمدنی حیثیت سے عباسی حکومت کو بڑے فوائد حاصل ہوئے۔

ایرانیوں کے بعد ترکوں کا عروج ہوا' اور ایرانیوں کے برعکس نہ ان کا کوئی مذہب تھا اور نہ نظام اخلاق' تہذیب و تمدن سے وہ نا آشنا تھے' وہ صرف تلوار کے دھنی تھے' ذاتی منفعت ان کا مذہب' سفاکی اور خون ریزی ان کا اخلاق اور وحشت و بربریت ان کا تمدن تھا' اس لیے فوجی قوت کے علاوہ دولت عباسیہ کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا' اور وہ بھی ان کے ابتدائی دور میں' بعد میں یہی قوت عباسی خلفاء کے لیے وبال جان بن گئی۔ ترک کسی ضابطہ نظام اور قانون کے پابند نہ تھے۔ وہ صرف اپنی زبان اور اپنی خواہش کو قانون سمجھتے تھے۔ جس کی خلاف ورزی کی پاداش میں خلیفہ کو بھی تخت سے دست بردار ہونا پڑتا تھا' واثق کے بعد ان کی حیثیت "کنگ میکر" کی ہو گئی تھی' کوئی خیر خواہ دولت ان کے خلاف

مزاج کوئی قدم نہ اٹھا سکتا تھا' ورنہ اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے' خلفاء محض تخت کی زینت تھے' اصل فرمانروائی ترکوں کے ہاتھوں میں تھی' ان کی اس مطلق العنانی کی وجہ سے دولت عباسیہ میں ضعف سلطنت کے علاوہ ظلم و ستم' حق تلفی و ناانصافی طرح طرح کے مفاسد پیدا ہو گئے تھے۔

مہتدی بڑا مدبر' بیدار مغز' عاقبت اندیش اور اس کے ساتھ دیندار خلیفہ تھا' ترکوں کا استبداد اور ان کی خودسری و بے دینی اس کی نگاہوں میں تھی' وہ دیکھ رہا تھا کہ ترکوں نے عباسی حکومت کی سیاسی اہمیت کا بالکل خاتمہ کر دیا ہے' اگر یہی لیل و نہار رہے تو وہ چند دن کی مہمان ہے اس سیاسی ضعف کے ساتھ امتداد زمانہ اور غیر قوموں کی آمیزش اور ترکوں کی وحشت سے اس کی مذہبی اور اخلاقی روح بھی روز بروز مردہ ہوتی جاتی ہے' اس لیے مہتدی چاہتا تھا کہ وہ ان تمام مفاسد کو دور کر کے عظمت و شان میں ہارونی عہد اور عدل پروری اور دینی روح میں عمر بن عبدالعزیز کی یاد تازہ کر دے' چنانچہ سب سے پہلے اس نے مذہبی اور اخلاقی اصلاح کی طرف توجہ کی اور "قبتہ المظالم" کے نام سے ایک عمارت بنوائی' اس میں وہ روزانہ رعایا کی دادرسی کے لیے بیٹھتا تھا' عوام و خواص سب بلاامتیاز آتے تھے اور مہتدی ان سب کی دادرسی کرتا تھا' شراب نوشی اور زنان بازی کو حکما" روک دیا تھا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اشاعت کراتا تھا' نماز پنجگانہ کے لیے جامع مسجد جاتا تھا' خود ہی امامت کرتا اور نماز کے بعد خطبہ (مروج الذہب جلد ۸ ص ۲) دیتا تھا' عمال کے جور و تعدی کا پورا انسداد کیا' خطیب کا بیان ہے کہ عمال حکومت کے ظلم و تعدی کو سختی کے ساتھ روک دیا تھا' اس سلسلہ میں بہت سے روؤساء کو سزائیں دیں' دفاتر کی نگرانی اور جانچ خود کرتا۔ ہفتہ میں دو دن اتوار اور پنجشنبہ حساب اور دفتر کی جانچ کے لیے مخصوص تھے' کاتبوں سے اپنے حساب کراتا تھا اور سب کی جانچ کرتا تھا۔ (تاریخ خطیب جلد ۳ ص ۳۵۰)

**عوام کی مخالفت** لیکن جو لوگ مدتوں سے آزادانہ زندگی کے خوگر چلے تھے' ان پر یہ احتساب سخت گراں گزرا' مسعودی لکھتا ہے کہ جب مہتدی نے لوگوں کو سیدھے راستہ پر چلانا چاہا' تو عوام اور خواص سب پر یہ گراں گزرا' اور وہ اس کے عہد خلافت سے تھک کر اس سے گھبرانے لگے اور انہوں نے اس کے خلاف حیلہ جوئیاں شروع کر دیں اور اسے قتل کر کے چھوڑا۔ (مروج الذہب جلد ۸ ص ۳)

اگر ترکوں کی بجائے عرب ہوتے تو وہ آسانی کے ساتھ ان مذہبی اصلاحات کو قبول کر سکتے تھے۔ بلکہ دوسروں سے ان کو بزور منواتے' لیکن عباسیوں کی عجم نواز پالیسی نے اس زندہ قوم کو عملی حیثیت سے بالکل مردہ کر دیا تھا' اور جو قوم آڑے وقت میں ان کے کام آنے والی تھی' بیشتر ترکوں' اشروسینوں اور فرغانیوں کا کوئی مذہب نہ تھا' نو مسلم ترک محض نام کے مسلمان تھے' ترکی امراء کسی ایسی اصلاح کو گوارا نہیں کر سکتے تھے' جن سے ان کے اقتدار کو صدمہ پہنچتا ہو' گو انہوں نے علانیہ اس کی مخالفت نہیں کی' لیکن اندرونی طور پر سب کے سب خلاف تھے' جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

مہتدی نے جب دیکھا کہ ان کی موجودگی میں اصلاحات کا کامیاب ہونا مشکل ہے تو اس نے ان کا جتھا توڑنے کا عزم کر لیا' اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض ایسے واقعات پیش آ گئے جس سے اس کو اس کا موقع مل گیا' چنانچہ اس نے پہلے محمد بن بغا اور اس کے بھائی میسون اور امیر مفلح کو گرفتار کر کے قید کیا' پھر محمد بن بغا کو قتل کرا دیا' اس کا بھائی موسیٰ مساور خارجی کے مقابلہ میں تھا' اس کی بغاوت کو روکنے کے لیے اس نے لکھ بھیجا کہ فوراً فوج کی کمان امیر بابکیال کے حوالہ کر دے اور بابکیال کو تحریر بھیجی کہ وہ فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر مفلح اور موسیٰ کو قتل کر دے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۷۵)

مسعودی کا بیان ہے کہ موسیٰ اور امیر بابکیال دونوں کو خفیہ ایک دوسرے کے قتل کا حکم دیا۔ (مروج الذہب جلد ۸ ص ۹'۸) ترک مہتدی سے کھٹک چکے تھے' اس لیے جس وقت بابکیال کو اس کا حکم ملا وہ اس کو لے کر محمد بن موسیٰ کے پاس پہنچا اور کہا کہ اس عہدہ سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی' یہ تدبیر ہماری پوری قوم کے خلاف کی گئی ہے' ایسی حالت میں تمہارا کیا مشورہ ہے' اس نے کہا میری رائے میں تم سیدھے سامرا جاؤ اور پہلے مہتدی کو اپنی اطاعت کا یقین دلاؤ کہ میرے اور مفلح کے معاملہ میں اس کے حکم کی تعمیل کرو گے' اس کے بعد اس کے قتل کی تدبیر کی جائے' اس مشورہ کے مطابق بابکیال سامرا پہنچا امیر یار کوج' سار تکین اور سیما طویل بھی اس کے ساتھ تھے' مہتدی ترکوں سے پوری طرح واقف ہو چکا تھا' اس لیے بابکیال کے فریب میں نہ آیا اور اسے گرفتار کرا لیا' اس کی گرفتاری پر ترک بگڑ گئے اور انہوں نے مہتدی سے جواب طلب کیا کہ ہمارا قائد کس الزام میں گرفتار کیا گیا اور محمد بن بغا کو کس جرم میں قتل کیا گیا۔

ترکوں کی برہمی دیکھ کر مہتدی نے صالح بن علی بن یعقوب بن منصور سے مشورہ کیا' اس نے کہا کہ خراسانی ابو مسلم کو جتنا مانتے تھے اور اس کو ان میں جو عظمت و شان حاصل تھی' اتنا ترک بابکیال کو نہیں مانتے' خراسانی ابو مسلم کی پرستش کرتے تھے' لیکن جب اس کا سر قلم کیا گیا تو سب کی زبان پر مہر لگ گئی' اور امیر المومنین اپنے اسلاف سے کہیں زیادہ شجاع ہیں' اس لیے اگر بابکیال کو قتل کر دیا جائے تو سب ترک خاموش ہو جائیں گے۔

مہتدی نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور بابکیال کو قتل کرا دیا' لیکن اس نے اس فیصلہ میں عجلت سے کام لیا۔ وحشی ترک ایرانیوں سے مختلف تھے' اس لیے وہ بپھر کر مہتدی کے مقابلہ میں آ گئے' گو اس نے پہلے سے چند ہزار سپاہ کا انتظام کر لیا تھا' لیکن اس میں بھی اس نے یہ غلطی کی تھی کہ جو ترک بابکیال کے جتھے کے نہ تھے' ان کو غلط اعتماد پر اپنے ساتھ رکھا تھا' جنہوں نے قومی عصبیت میں عین موقعہ پر ساتھ چھوڑ دیا' مہتدی نے اپنی مختصر جماعت کے ساتھ بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا' لیکن اس مختصر جماعت کا آزمودہ کار ترکوں کے مقابلہ میں کامیاب ہونا مشکل تھا' آخر میں اس کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور اس نے میدان چھوڑ دیا' مہتدی ہر چند آواز دیتا رہا کہ مسلمانو! اپنے امیر المومنین کی جانب سے مدافعت کرو' لیکن کسی نے نہ سنا اور مہتدی کو مجبور ہو کر پولیس افسر کے گھر میں پناہ لینی پڑی' لیکن ترک اسے وہاں سے بھی نکال لائے اور جوسق میں احمد بن خاقان کے پاس قید کر کے خلافت سے دستبرداری پر زور ڈالنا شروع کیا' لیکن اس نے جان دے دی مگر دستبرداری پر آمادہ نہ ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۷۵'۷۶)

مسعودی کا بیان ہے کہ مہتدی کو گرفتار کرنے کے بعد ترکوں نے اس سے سوال کیا کہ تم لوگوں کو ایسے اخلاق اور ایسے راستہ پر چلانا چاہتے ہو' جس سے وہ ناواقف ہیں' مہتدی نے کہا میں ان کو رسول اللہ ﷺ' اہل بیت نبویؑ اور خلفائے راشدینؓ کے طریقے پر چلانا چاہتا ہوں اس کا یہ جواب ملا کہ رسول اللہ ﷺ کا سابقہ ایسے لوگوں سے تھا جو دنیا سے کنارہ کش اور آخرت کی طرف مائل تھے اور تمہارے ساتھی ترک' خزر' فرغانی' مغربی وغیرہ عجم کی ایسی قومیں ہیں جو اخروی فرائض سے ناواقف ہیں' اور ان کا مقصود اور ان کی غرض و غائت دنیاوی منفعت کے سوا اور کچھ نہیں ہے' ایسی حالت میں تم ان کو کیونکر اس راستہ پر چلا سکتے ہو۔ اس سلسلہ میں دونوں میں بحث و گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ معاملات

سدھر جائیں، کہ ایک بد باطن سلیمان بن وہب نے کہا کہ تم غلطی کر رہے ہو، گو وہ (مہتدی) اس وقت تم سے زبانی اقرار کیے لیتا ہے لیکن اس کی نیت اس سے بالکل مختلف ہے، اس اقرار کے بعد تم سب کا شیرازہ بکھیر دے گا، اس آواز نے بجلی کا کام کیا ترک دیوانہ وار خنجر لے کر مہتدی پر جھپٹ پڑے، بابکیال کے چچا زاد بھائی نے جو شراب کے نشہ میں چور تھا وار کر کے گردن کی رگ کاٹ دی، خون کا فوارہ پھوٹ نکلا، وحشی ترک نے زخم میں منہ لگا کر خون پیا اور پی کر بولا، آج جس طرح میں نے شراب سیر ہو کر پی تھی ویسے ہی خون سے خوب آسودہ (مسعودی جلد ۸ ص ۹ تا ۱۱) ہوا۔ یہ واقعہ رجب ۲۵۶ھ کا ہے، اس کے سوا قتل کی نوعیت کے متعلق اور روائتیں بھی ہیں۔

غرض مہتدی نے جس مبارک اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا، اسی کی راہ میں شہادت حاصل کی، اس کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ اس کار خیر میں اسے کوئی مددگار نہ ملا، اگر وہ اپنی اصلاح میں کامیاب ہو جاتا تو یہ اس کا نہایت عظیم الشان کارنامہ ہوتا قتل کے وقت کل ۳۸ سال کی عمر تھی مدت خلافت ساڑھے گیارہ مہینے۔

**حلیہ** مہتدی پستہ قامت، فربہ اندام اور گندم گوں تھا، ڈاڑھی بہت لمبی تھی۔

**(صفات) علماء کی قدردانی** مہتدی کی علمی استعداد معمولی تھی، لیکن علماء اور اہل کمال کا بڑا قدردان تھا، خصوصاً جس کام کا اس نے بیڑا اٹھایا تھا، اس کے لیے علماء کی امداد کی بڑی ضرورت تھی، اس لیے اس نے دربار میں علماء کا گروہ جمع کیا، فقہاء کے رتبے بڑھائے اور ان کے ساتھ ہر قسم کی مراعات کیں۔ (تاریخ خطیب جلد ۳ ص ۳۴۹)

**قیام عدل** مہتدی کی سیرت کا نمایاں رخ اس کا عدل و انصاف، زہد و تقویٰ اور اوامر و نواہی کا قیام ہے، اوپر گذر چکا ہے کہ قیام عدل کے لیے اس نے ایک خاص عمارت بنوائی تھی، جس کا نام۔ "قبۃ المظالم" تھا اور اس میں وہ روزانہ بیٹھ کر عوام و خواص کی داد رسی کرتا تھا، کرسی عدالت پر بیٹھنے کے بعد اپنے اور بیگانے سب اس کی نظر میں ایک ہو جاتے تھے۔ اگر اس کا لڑکا بھی ماخوذ ہوتا تو اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کرتا تھا، ایک مرتبہ کسی شخص نے اس کے لڑکے پر دعویٰ کیا مہتدی نے اس کو عدالت میں طلب کیا، اور مدعی کے پہلو میں کھڑا کر کے دعویٰ کے متعلق پوچھا، لڑکے نے اقرار کر لیا، مہتدی نے اس

وقت اس کا حق واپس دلایا' یہ انصاف دیکھ کر ایک شخص عبداللہ بن ابراہیم اسکافی نے کہا' امیرالمومنین کی ذات گرامی ان اشعار کی مصداق ہے۔

**حکمتموہ فقضی بینکم ابلج مثل القمر الزاہر**

**لا یقبل الرشوۃ فی حکمہ ولا یبالی غبن الحناسر**

مہتدی نے کہا کہ میں قرآن پاک کی اس آیت **و نضع الموازین القسط لیوم القیامۃ الخ** کو پڑھ کر اس مقام پر بیٹھا ہوں اور یہ کہہ کر بے اختیار رو دیا۔

(تاریخ خطیب جلد ۳ ص ۳۴۹)

صالح بن علی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن مہتدی کی عدالت کا منظر دیکھا' داد خواہ نہایت آسانی کے ساتھ اس کے پاس پہنچتے تھے' ملک کے مختلف حصوں سے اس کے پاس جو استغاثے آتے تھے' ان کی داد رسی کے احکام جاری کرتا تھا' یہ منظر مجھے بہت پسند آیا۔

(مروج الذہب جلد ۸ ص ۲۱)

عمال کے مظالم کی جس شدت سے اس نے روک تھام کی تھی' اس کے حالات اوپر گذر چکے ہیں فخری کا بیان ہے کہ اس نے اپنے تمام متعلقین کو ظلم و تعدی سے روک دیا تھا۔ (الفخری ص ۲۲۳)

**زہد و ورع** خلفائے عباسیہ کی عیش پرستیاں تاریخ کی رنگین اور دل آویز داستانیں ہیں' جس کی ناتمام تصویر الف لیلیٰ میں نظر آتی ہے۔ مہتدی نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس بساط عیش کو الٹ کر بوریائے فقر بچھا دیا' اور وہ ایوان عیش جو اپنی دل آویزیوں کے اعتبار سے نگار خانہ چین پر چشمک زن تھا' عزلت نشین راہب کی خانقاہ کے قالب میں آ گیا' اس کی زندگی سادگی اور زہد کا نمونہ تھی' اپنے خاندان والوں سے کہا کرتا تھا کہ مجھے عمر بن عبدالعزیز کے راستہ پر چلنے دو کہ میں بنو امیہ کی طرح بنو عباس میں بھی عمر بن عبدالعزیز کی مثال پیدا کر دوں' اس اسوہ حسنہ کو اس نے عملاً کر دکھایا' کھانے' پینے' لباس' ساز و سامان اور فرش و فروش سب میں اس نے عمرو بن عبدالعزیز کی تقلید کی' سارے نقرئی و طلائی ظروف گلوا کر اس کے سکے ڈھلوا دیئے' ایوان عیش کے تمام موقعے مٹا دیئے مینڈھوں اور مرغوں کا غول جو خلفائے عباسیہ کی تفریح طبع کے لیے جمع کیے گئے تھے' ذبح کروا دیئے۔ جانور خانہ میں جس قدر درندے پرورش پاتے تھے' سب مروا ڈالے' دیبا اور

اس قبیل کے جملہ فرش فروش جن کا استعمال شرعاً" ممنوع تھا' اٹھوا دیئے' خلفائے عباسیہ کے دستر خوان کا خرچ دس ہزار درہم روزانہ تھا' مہتدی نے گھٹا کر سو درہم کر دیا اور اس سے بھی وہ بہت کم فائدہ اٹھاتا تھا' کیونکہ ہمیشہ روزے رکھتا تھا اور افطار کا سامان جو ہوتا تھا وہ اس بیان سے ظاہر ہو گا۔ (مروج الذہب مسعودی جلد ۸ ص ۱۹)

ابوالعباس بن ہاشم ہاشمی کا بیان ہے کہ میں رمضان کی ایک شام کو امیرالمومنین مہتدی کے پاس تھا' افطار کے قریب اٹھنے کا ارادہ کیا' اس نے بٹھالیا' اتنے میں مغرب کا وقت آ گیا' ہم سب نے ساتھ نماز پڑھی' نماز کے بعد کھانا آیا تو اس میں دو روٹیاں' ایک برتن میں نمک ایک میں سرکہ اور ایک میں روغن زیتون تھا' مہتدی نے مجھے کھانے پر بلایا' میں بیٹھ گیا اور اس خیال سے کہ یہ محض افطار ہے' اصل کھانا بعد میں آئے گا' بہت کم کھایا۔ مہتدی نے کہا کیوں' کھاتے کیوں نہیں' کیا روزہ نہیں تھا میں نے کہا روزہ تو تھا' پھر پوچھا کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں نے کہا رمضان کا مہینہ ہے روزہ کیوں نہ رکھوں گا' کہا بھرپور کھانا کھالو' کیونکہ جو سامان تمہارے سامنے موجود ہے یہاں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے ابوہاشم کہتے ہیں کہ یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی' میں نے کہا امیرالمومنین خدا نے آپ کو ہر طرح کی نعمتیں عطا کی ہیں' رزق کا دائرہ وسیع کیا ہے پھر اس کے علاوہ کچھ کیوں نہیں ہے اس نے جواب دیا جو کچھ تم نے کہا وہ سچ ہے اور اس پر خدا کا شکر ہے۔ مگر میں نے سوچا کہ بنی امیہ میں تو عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوں اور بنی ہاشم میں ان کی مثال ناپید رہے اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے یہ زندگی اختیار کی۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۶۱۷)

لباس نہایت سادہ ہوتا تھا' خلفائے عباسیہ کی نفاست پسندی اور خوش لباسی پر ایک لباس ایک دن بھی پہننا بار تھا' لیکن مہتدی ایک کپڑا مدتوں پہنے رہتا تھا۔ (تاریخ خطیب جلد ۳ ص ۳۵۰) عبادت کے اوقات میں نہایت سادہ لباس استعمال کرتا تھا اور اس کے لیے صوف کا جبہ' چادر اور کلاہ مخصوص تھی۔ انہی کو پہن کر وہ نماز پڑھتا تھا۔ (تاریخ خطیب جلد ۳ ص ۳۵۰) اس کے قتل کے بعد اس کا ایک بکس لوگوں کے ہاتھ آیا' وہ سمجھے اس میں کچھ نقدی اور قیمتی جواہرات ہوں گے' لیکن جب کھولا گیا اور صرف صوف کا ایک جبہ اور ایک معمولی بنڈی نکلی' اس کے خادم سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ مہتدی رات گئے اسے پہن کر صبح تک رکوع و سجود میں مشغول رہتا تھا' رات کے ابتدائی حصہ میں تھوڑا سا سو کر اٹھ

بیٹھتا تھا اور بقیہ رات عبادت کرتا تھا۔ (مروج الذہب جلد ۸ ص ۲۰)

صلحاء و اخیار کے سبق آموز مواعظ کا ورد رکھتا تھا' حضرت علیؓ کا ایک نہایت پر موعظت خطبہ محمد بن علی ربعی سے پوچھ کر قلم بند کر لیا تھا اور روزانہ رات کو ایک تنہا مکان میں رو رو کر دہراتا تھا۔ مسعودی نے یہ پورا خطبہ نقل کیا ہے۔

# ابو العباس احمد بن متوکل الملقب بہ معتمد علی اللہ

## ۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ مطابق ۸۶۹ء تا ۸۹۲ء

معتمد علی اللہ بن متوکل ایک کوفی لونڈی فتیان کے بطن سے تھا' مہتدی کی معزولی کے وقت قید میں تھا' اس کے قتل کے بعد ترکوں نے معتمد کو قید سے نکال کر خلیفہ بنایا' عباسی افواج کے سپہ سالار موسیٰ بن بغا نے بھی بیعت کر لی' اس کی بیعت کے بعد کسی کی مخالفت کا خطرہ باقی نہ رہا اور رجب ۲۵۶ھ میں معتمد تخت خلافت پر متمکن ہوا اور عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان کو منصب وزارت تفویض کیا' اس وقت معتمد کی عمر ۲۵ سال تھی۔

مدت کے لحاظ سے معتمد کامل ۲۳ سال تک تخت خلافت پر رہا' لیکن اس طویل مدت میں ایک دن کے لیے بھی اس کو حقیقی حکومت نصیب نہ ہوئی اور نہ اندرونی شورشوں اور ہنگاموں سے سکون میسر ہوا۔ ایک اہم تغیر یہ البتہ ہوا کہ اب تک ترک حکومت پر حاوی تھے اور معتمد کے زمانہ میں اس کے بھائی موفق باللہ کے ہاتھوں میں حکومت آ گئی' معتمد محض نام کا خلیفہ تھا' چھوٹے بڑے کسی معاملہ میں بھی معتمد کا کوئی حکم نہ چلتا تھا' خراج وغیرہ بھی موفق ہی کے پاس آتا تھا' معتمد اس کے استبداد سے بہت نالاں تھا' آخر میں عاجز آ کر اس نے ابن طولون کے دامن میں پناہ لینا چاہی تھی' مگر اس میں بھی ناکامی ہوئی' اس کی تفصیلات اپنے موقع پر آئیں گی۔ (ابن اثیر جلد ۲۰ ص ۱۳۱)

**ملک کی حالت** معتمد کے زمانہ میں ملک کی حالت اور بھی ابتر ہو گئی' اس کے گوشہ گوشہ میں شورش اور ہنگامہ اور چپہ چپہ میں طوائف الملوکی تھی' بجستان' کرمان اور فارس پر صفاریہ قابض تھے' خراسان بھی انہوں نے طاہریہ سے چھین لیا تھا' طبرستان اور جرجان وغیرہ میں علویوں کی حکومت تھی' مصر و شام میں طولونیہ کا اقتدار بڑھ رہا تھا' ماوراء النہر میں سامانیہ جن کا ذکر آئندہ آئے گا' اپنی حکومت کی داغ بیل ڈال رہے تھے' افریقہ پر اغالبہ کا تسلط تھا' بصرہ' ابلہ اور کور دجلہ وغیرہ میں صاحب الزنج آفت بپا کیے ہوئے تھا' غرض مغرب سے لے کر مشرق تک کوئی چپہ طوائف الملوکی سے خالی نہ تھا۔

(ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۳۹)

ان میں سے علوی دولت عباسیہ کے حریف اور مد مقابل اور دوسرے برائے نام ماتحت تھے، وہ مقامات بھی جو خالص دولت عباسیہ کے قبضہ میں تھے، حوادث و فتن سے محفوظ نہ تھے ان میں آئے دن شورش رہتی تھی، اس لیے معتمد کے عہد میں دولت عباسیہ نہایت کمزور پڑ گئی موفق نے تا بمقدور ان شورشوں کے دبانے کی کوشش کی، اور بعضوں میں اسے کامیابی ہوئی، لیکن بوسیدہ عمارت عارضی ستونوں پر نہیں قائم رہ سکتی، اس لیے اس کا اثر دیرپا نہ ثابت ہوا، ان شورشوں کی تفصیل بے کار اور لاحاصل ہے، اس لیے ان کے حالات صرف اسی حد تک لکھے جائیں گے۔ جس سے اس عہد کی سیاسی کیفیت اور دولت عباسیہ کی گرتی ہوئی حالت کا اندازہ ہو جائے۔

**عیسیٰ بن شیخ والی شام کی بغاوت** عیسیٰ بن شیخ والی شام کی بغاوت کا حال اوپر معتز کے زمانہ میں گزر چکا ہے، معتدی کو اپنے زمانہ میں اس کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی تھی، اس لیے عیسیٰ بن شیخ اب تک معاندانہ روش پر قائم تھا اور دارالخلافہ خراج بھیجنا بند کر دیا تھا، بلکہ ایک مرتبہ مصر کے خراج کی رقم جو شام سے ہو کر بغداد جا رہی تھی چھین لی تھی، چنانچہ اس نے معتمد کی بھی بیعت نہیں کی، معتمد نے سختی کے بجائے نرمی سے اسے رام کرنے کی کوشش کی اور شام کے ساتھ آرمینیہ کی حکومت بھی اس کے متعلق کر دی، اس تدبیر سے وہ مطیع ہو گیا۔ اور معتمد کی بیعت کر لی۔ (مقریزی جلد ۲ ص ۱۰۶) اس کی بیعت کے بعد معتمد نے اماجور ترکی کو دمشق والی مقرر کیا، عیسیٰ نے اپنے لڑکے منصور کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا، اماجور نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ لڑکے کے قتل سے عیسیٰ کا حوصلہ پست ہو گیا، اور وہ شام چھوڑ کر آرمینیہ نکل گیا۔

(ابن اثیر جلد ۷ ص ۸۷ او ابو الفداء جلد ۲ ص ۴۸)

**صاحب الزنج کی قیامت خیز شورش** صاحب الزنج کی شورش کے ابتدائی حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ معتمد کے زمانہ میں اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ چند برسوں کے اندر اس نے بصرہ، ابلہ، ابادان، اہواز، واسط، رامہرمز وغیرہ عراق کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا اور کل چودہ پندرہ سال تک مسلسل حکومت کی فوجوں سے بڑا پر زور مقابلہ کرتا رہا، اور مسلمانوں پر ایسے سفاکانہ اور وحشیانہ مظالم ڈھائے کہ دنیائے اسلام میں اضطراب پیدا ہو

گیا۔

سیوطی کا بیان ہے کہ بصرہ پر قبضہ کر کے اس کو بالکل تباہ و برباد کر ڈالا' اس کے کل باشندوں کو قتل کر دیا۔ اور آس پاس کی تمام بستیاں پھونک دیں' ۲۵۶ھ سے ۲۷۰ھ تک زنگیوں اور عباسی فوجوں میں بڑے خون ریز معرکے ہوئے۔ زنگیوں نے اس قدر قتل عام کیا کہ مردوں کا دفن کرنا مشکل ہو گیا' اور لاشوں کے تعفن سے سخت وبا پھیل گئی اور بے شمار آدمی لقمہ اجل ہو گئے ۲۷۰ھ میں زنگیوں کا ایک سرغنہ بہبوذ مارا گیا' اس کا دعویٰ تھا کہ وہ دنیا میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے اور اسے غیب کی باتوں کا علم ہے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۳۷۳'۳۷۴)

اس کا دوسرا مقرب ساتھی مہلبی تھا' اس نے محلہ مقبرہ بنی یشکر میں ایک منبر نصب کیا تھا' جمعہ کے دن صاحب الزنج کے نام کا خطبہ پڑھتا تھا اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر رحمت بھیجا کرتا تھا' لیکن حضرت عثمانؓ اور علیؓ کا نام نہ لیتا تھا' سیوطی کے بیان کے مطابق وہ حضرت عثمانؓ' علیؓ' معاویہؓ' طلحہؓ' زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کو نعوذباللہ گالیاں دیتا تھا' حضرت ابوبکرؓ' عمرؓ پر رحمت بھیجنے کے بعد وہ جابرہ بنو عباس' حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ' عمرو بن العاصؓ' معاویہؓ بن ابی سفیان پر لعنت بھیجتا تھا' اس نے اہل بصرہ پر بڑے سخت مظالم ڈھائے' ان سے تنگ آکر وہ ایک دن جان پر کھیل کر اس کے مقابلہ کے لیے نکل آئے' مہلبی نے بڑی بیدردی سے ان کا قتل عام کیا' کچھ لوگ ڈوب کر مرے اور کچھ بچ کر نکل گئے' اس قتل عام سے اہل بصرہ کے دلوں پر مہلبی کی اتنی دہشت چھا گئی کہ وہ گھروں اور کنوؤں میں روپوش ہو گئے ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ رہ گیا تھا' لیکن دن کو مہلبی کے خوف سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔ رات کو نکلتے تھے اور چوہا' بلی' کتا جو بھی مل جاتا پکڑ کر کھا جاتے' آخر میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ زندہ انسان مردہ انسانوں کا گوشت کھانے لگے لوگ ایک دوسرے کی موت کے منتظر رہتے تھے بلکہ جس کسی کا کسی پر قابو چل جاتا' اسے قتل کر کے کھا جاتا' مسعودی نے اس سلسلہ میں بعض نہایت دردانگیز واقعات نقل کیے ہیں' جان کے ساتھ عزت و آبرو بھی محفوظ نہ تھی' سادات بنی ہاشم اور عرب کی عورتیں پکڑ کر دو دو تین تین درہم میں نیلام کی جاتی تھیں اور زنگی عورتیں ان سے لونڈیوں کی طرح خدمت لیتی تھیں' چودہ پندرہ سال تک مسلسل یہ مظالم قائم رہے'

مقتولین کی صحیح تعداد کا اندازہ کوئی مورخ نہ کر سکا' ان کا بیان ہے کہ اس شورش میں اتنے آدمی مارے گئے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا' اس کا سرسری اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صاحب الزنج کے اور آدمیوں کو چھوڑ کر صرف مہلبی نے پندرہ لاکھ آدمی قتل کیے' تنہا بصرہ میں ایک دن پانچ لاکھ آدمی مقتول ہوئے' بالآخر بڑی خون ریز لڑائیوں کے بعد موفق نے ۲۷۰ھ میں صاحب الزنج کا خاتمہ کر کے خلق اللہ کو اس کے مظالم سے نجات دلائی اس کے قتل سے ساری دنیائے اسلام کو مسرت ہوئی' جس وقت اس کا سر نیزہ پر آویزاں کر کے بغداد لایا گیا تو یہاں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی' بغدادیوں نے مکانات آراستہ کر کے چراغاں کیا اور ہر شخص کے دل سے موفق کے لیے دعا نکلنے لگی۔ (طبری اور ابن اثیر وغیرہ نے ان واقعات کو بہت مفصل لکھا ہے ہم نے طوالت کے خیال سے مسعودی اور سیوطی کا مختصر بیان نقل کیا ہے۔ دیکھو مسعودی جلد ۸ ص ۵۶ تا ۶۱ و تاریخ الخلفاء ص ۳۷۳' ۳۷۴)

**صفاریہ** فارس پر یعقوب صفار کے قبضہ اور سجستان کی واپسی تک کے حالات اوپر معتز باللہ کے دور میں گزر چکے ہیں' یعقوب کی واپسی کے بعد معتز نے فارس کا علاقہ حارث بن سیما کے متعلق کر دیا تھا۔ ۲۵۶ھ میں ایک شخص محمد بن واصل عراقی اور احمد بن لیث کردی نے حارث کو قتل کر کے غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۷۹) ابن خلدون کا بیان ہے کہ ۲۵۷ھ میں معتمد نے اپنے دور میں حسن فیاض کو وہاں کا حاکم بنایا۔

(ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۷۴)

اس درمیان میں یعقوب زیادہ تر نواح سجستان کے غیر مسلم فرمانرواؤں سے لڑتا رہا۔ ۲۵۷ھ میں پھر اس نے فارس کا رخ کیا' معتمد نے اسے بلخ' طخارستان اور سندھ کی حکومت دے دی اس لیے فارس چھوڑ کر کابل پہنچا اور یہاں کے فرمانروا برتیل کو قتل کر کے کابل پر قبضہ کر لیا اور یہاں کے بیش قیمت نوادر جن میں چند بت بھی تھے' معتمد کی خدمت میں ہدیہ بھیجے' کابل کے بعد بست اور کروخ پر قبضہ کر کے بوشنج میں علی بن حسین بن طاہر کو گرفتار کیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۸۲) کابل کا علاقہ گو بنی امیہ ہی کے ابتدائی زمانہ میں' بلکہ خلافت راشدہ ہی کے دور سے اسلامی حکومت کا باجگزار بن گیا تھا' لیکن وہ ایران و عراق وغیرہ کی طرح اسلامی ملک نہ تھا۔ صفاریوں نے اس کو اسلامی قلمرو میں شامل کر کے اسلامی ملک بنا دیا۔

**طاہریہ کا خاتمہ** اس کے بعد یعقوب نے طاہری حکومت کا خاتمہ کیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کا ایک حریف عبداللہ السجزی اس کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس پاکر طاہری حکومت میں حصہ لگانے کے لیے نیشاپور پہنچا اور محمد بن طاہر کا محاصرہ کر لیا' یہاں کے علماء نے درمیان میں پڑ کر دونوں میں صلح کرادی اور محمد بن طاہر نے اس کو طبسین اور قہستان کا حاکم بنا دیا' یعقوب صفار کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے محمد بن طاہر کو لکھا کہ عبداللہ کو اس کے حوالے کر دے' محمد نے انکار کیا' اس کے انکار پر یعقوب خود نیشاپور پہنچا' اس وقت طاہریہ میں کوئی دم باقی نہ رہ گیا تھا' اس لیے یعقوب نے محمد بن طاہر اور اس کے پورے خاندان کو گرفتار کر کے طاہری حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

طاہریہ بنو عباس کے ساختہ پرداختہ اور ان کے معتمد علیہ تھے اس لیے ان کو ختم کرنے کے بعد یعقوب نے معتمد کو معذرت میں لکھا کہ محمد بن طاہر اپنے فرائض کی انجام دہی سے قاصر تھا' اس کی کوتاہی کی وجہ سے علویوں نے طبرستان پر قبضہ کر لیا' اس لیے خود خراسانیوں نے مجھے فوج کشی کی دعوت دی تھی' لیکن معتمد نے اس عذر کو قبول نہ کیا' اس کا نہایت سخت جواب دیا اور اس کی روش سے بیزاری ظاہر کی' اور ہدایت کی کہ وہ آئندہ صرف ان مقاموں کی حکومت پر قناعت کرے' جن کی اس کو باقاعدہ اجازت دی گئی ہے' لیکن یعقوب نے اس حکم کی کوئی پرواہ نہ کی۔

**حسن بن زید علوی کی شکست اور عبداللہ السجزی کا قتل** آل طاہر کی گرفتاری کے بعد عبداللہ السجزی نیشاپور سے حسن بن زید علوی کے پاس طبرستان بھاگ گیا تھا' اس لیے صفار ۲۶۰ھ میں طبرستان پہنچا اور حسن بن زید کو شکست دے کر ساریہ اور آمل پر قبضہ کر لیا حسن دیلم بھاگ گئے' صفار نے کچھ دور تک تعاقب کیا' لیکن پھر راستہ کی دشواریوں سے پریشان ہو کر لوٹ آیا' علوی دولت عباسیہ کے حریف تھے' اس لیے صفار نے معتمد کو اپنی اصل کارگزاری کی اطلاع دی حسن بن زید کی شکست کے بعد عبداللہ السجزی رے چلا گیا تھا' اس لیے یعقوب صفار نے یہاں کے عامل کو لکھا کہ یا عبداللہ کو ہمارے حوالہ کرو یا جنگ کے لیے آمادہ ہو جاؤ' وہ آل طاہر اور علویوں کا حشر دیکھ چکا تھا' اس لیے خاموشی سے عبداللہ کو حوالہ کر دیا اور صفار اسے قتل کر کے سجستان واپس ہوا۔

(ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۰۹'۳۱۰)

**فارس پر موسیٰ کا تقرر اور استعفیٰ** اوپر گذر چکا ہے کہ محمد بن واصل عراقی نے دولت عباسیہ کے عامل حارث ابن سیما کو قتل کر کے فارس پر قبضہ کر لیا تھا' گو وہ زبان سے اپنے کو خلیفہ کا اطاعت گزار ظاہر کرتا تھا' لیکن درپردہ اس کے خلاف تھا' اس لیے حارث کے قتل کے بعد معتمد نے فارس کا علاقہ موسیٰ بن بغا کے متعلق کر دیا۔ اس نے اپنی جانب سے عبدالرحمٰن بن مفلح کو اہواز اور فارس کا حاکم بنایا اور طاشتمر ترکی کو بطور مددگار اس کے ساتھ کر دیا۔ ابن واصل نے مقابلہ کیا' طاشتمر جنگ میں مارا گیا' اور عبدالرحمٰن گرفتار ہوا' معتمد نے ابن واصل کے پاس عبدالرحمٰن کی رہائی کے لیے کہلا بھیجا' لیکن اس نے قتل کر کے مشہور کر دیا کہ عبدالرحمٰن مر گیا اور موسیٰ بن بغا کی طرف بڑھا' اس طوائف الملوکی کی وجہ سے فارس کا انتظام سنبھالنا موسیٰ کے لیے دشوار ہو گیا' اس لیے اس نے اس عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔

**فارس پر یعقوب کا قبضہ** یعقوب صفار فارس ہی کی فکر میں تھا کہ دولت عباسیہ سے ابن واصل کی مخالفت پر اس کو موقع مل گیا' چنانچہ وہ سیدھا فارس پہنچا' ابن واصل نے اسے دھوکا دینا چاہا اور ایک طرف اس کے پاس اطاعت کا پیام بھیجا' دوسری طرف ایک غیر معروف راستہ سے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا' لیکن راستہ کی خرابی کی وجہ سے اس کی پیدل سپاہ اور باربرداری کے جانوروں کو بڑا نقصان پہنچا' یعقوب کو برابر اس کی نقل و حرکت کی اطلاع مل رہی تھی اس لیے وہ کوچ کر کے دفعۃً اس کے سر پر پہنچ گیا' ابن واصل کی فوج بہت خستہ ہو رہی تھی اس لیے یعقوب نے آسانی کے ساتھ اس کو شکست دے کر فارس پر قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۹۰'۹۱)

**صفار اور معتمد کی جنگ اور صفار کی شکست** اوپر لکھا جا چکا ہے کہ صفار کو ابتداء میں عباسی حکومت سے کوئی پرخاش نہ تھی اور وہ اس کے عجمی عمال کے خلاف اٹھا تھا اور اپنے کو برابر خلفاء کا مطیع ظاہر کرتا رہا اور انہی کا نام لے کر لڑتا تھا لیکن عمال سے جنگ کے سلسلہ میں چونکہ وہ خلیفہ کے احکام کی پابندی نہیں کرتا تھا اس لیے بالآخر براہ راست عباسی حکومت سے اس کے تصادم کی نوبت آ گئی اور معتمد نے خود اس سے جنگ کا عزم کر لیا اور عبیداللہ ابن عبداللہ بن طاہر کے ذریعہ سے خراسان و جرجان و طبرستان

تمام مشرقی علاقوں میں اعلان کرا دیا کہ اس نے صفار کو نہ کہیں کا حاکم بنایا ہے اور نہ اس کے اعمال کا ذمہ دار ہے' صفار نے جو کچھ کیا ہے اپنی خود سری سے کیا ہے اور اس فرمان کی نقلیں مختلف مقامات پر بھجوا دی گئیں اور خراسان کے مختلف حصے یہاں کے ممتاز اور صاحب اقتدار اشخاص کے متعلق کر دیئے گئے۔

ان واقعات کی اطلاع صفار کو ملی تو اس نے معتمد کی خدمت میں ایک عرض داشت بھیجی جس میں حسب ذیل مطالبات تھے۔

اس کو طاہر بن حسین کے رقبہ حکومت کا والی بنایا جائے' طبرستان' جرجان' رے' آذربائیجان' کرمان' سجستان' سندھ' تمام مشرقی ممالک کی ولایت عطا کی جائے' اور بغداد و سرمن رائی کا محکمہ پولیس اس کے متعلق کیا جائے' اور جن لوگوں نے معتمد کا پہلا فرمان سنا ہے' انہیں جمع کر کے اس کی منسوخی کا فرمان سنایا جائے' یہ درخواست بھیجنے کے بعد اس نے بغداد کا قصد کیا' معتمد صفار سے سخت برہم اور اس سے جنگ کے لیے آمادہ تھا' لیکن اختیارات تمام تر موفق کے ہاتھوں میں تھے۔ معتمد مجبور محض تھا' موفق نے یعقوب کو بغداد کے قصد سے روکنے کے لیے اس کے تمام مطالبات منظور کر لیے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ صفاریوں کا ایک بڑا مقصد ترکوں کا زور توڑنا تھا اس لیے یعقوب کے مطالبات کی منظوری سے موالی میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی اور وہ یعقوب سے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے۔ (ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۱۶)

لیکن ان مطالبات کی منظوری کے بعد بھی یعقوب نے بغداد کا قصد ملتوی نہ کیا اور اپنا سفر جاری رکھا اس سے ترک موفق سے بدگمان ہو گئے' خود معتمد کو یہ خیال ہو گیا کہ موفق ہی کے طرز عمل سے یعقوب کو بغداد آنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ وہ پہلے سے یعقوب سے برہم تھا' اس کے بغداد آنے کی خبر سن کر جوش غضب سے لبریز اور خود اس کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا' اس سے موالی کو اطمینان ہوا' اور معتمد بڑے اہتمام سے یعقوب کے مقابلہ میں نکلا۔

(ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۱۷)

اپنے بھائی موفق کو آگے روانہ کیا اور خود اس کے عقب میں چلا' یعقوب بغداد کے قریب پہنچ چکا تھا' آگے بڑھ کر دونوں کا سامنا ہوا' ترکوں میں بڑا جوش تھا' امیر خلیج ترکی نے

فوجوں کو ابھارنے کے لیے بڑی پر جوش تقریر کی' ترک اسے اپنی قومی جنگ سمجھتے تھے' یعقوب کی شجاعت بھی مسلم تھی' اس لیے فریقین میں بڑی خونریز جنگ ہوئی' دونوں طرف کے بہت سے ممتاز آدمی مارے گئے' یعقوب بھی زخمی ہوا لیکن خود خلیفہ بہ نفس نفیس میدان جنگ میں موجود تھا' اس سے ترکوں کا حوصلہ بڑھا ہوا تھا' اس کے مقابلہ میں خلیفہ کی موجودگی کی وجہ سے یعقوب کی فوج کا ایک حصہ لڑنا پسند نہ کرتا تھا' اس لیے اس کو شکست ہوئی' لیکن خود وہ ایک جماعت کے ساتھ آخر تک اپنی جگہ قائم رہا مگر جب اس کی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی تو وہ بھی خوزستان ہوتا ہوا جندیسا پور کی طرف نکل گیا' موفق نے کچھ دور تک تعاقب کیا لیکن راستہ میں بیمار پڑ گیا' اس لیے لوٹ آیا اور فارس کو اس کے قبضہ میں چھڑانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۹۶)

**خراسان پر احمد بن عبداللہ نجستانی کا قبضہ** اسی سال خراسان کا بڑا حصہ یعقوب کے ہاتھوں سے نکل گیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ نجستان کا ایک باشندہ احمد بن عبداللہ طاہریہ کے متوسلین میں تھا' اس کے خاتمہ کے بعد اس نے یعقوب کے بھائی علی کے مزاج میں رسوخ پیدا کر کے اس کی سفارش سے خراسان کی حکومت کا پروانہ حاصل کر لیا اور قومس پر غاصبانہ قبضہ کر کے طاہریہ کی دعوت شروع کر دی اور چند دنوں میں نیشاپور اور ہرات وغیرہ خراسان کے بڑے حصہ پر قبضہ کر کے یہاں سے صفاریوں کا اثر بالکل زائل کر دیا۔ (ابن اثیر وغیرہ نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے لکھا ہے)

**صفار کی موت** یعقوب کی شجاعت اور اپنے مصالح کی بنا پر معتمد اس کو مستقل مخالف بنانا نہیں چاہتا تھا' اس لیے اس کو خاموش کرنے کے لیے ۲۶۵ھ میں اس نے اس کو فارس کی حکومت کا فرمان بھیجا' صفار اس وقت مرض الموت میں مبتلا تھا۔ جس وقت شاہی قاصد پہنچا صفار بستر سے اٹھ بیٹھا اور تلوار' خشک روٹی اور پیاز منگا کر اس سے کہا کہ میری طرف سے معتمد سے کہنا کہ "اگر اس بیماری میں میں مر گیا تو ہم دونوں کو ایک دوسرے سے نجات مل جائے گی اور اگر زندہ بچ گیا تو یہ تلوار میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کرے گی' اور یا میں اس سے اپنا انتقام لے کر چھوڑوں گا یا وہ میری قوت توڑ کر مجھ کو نان خشک اور پیاز کھانے کی نوبت تک پہنچا دے گا" لیکن اس بیماری سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد ۲۶۵ھ میں مر گیا۔

صفار اپنی شجاعت و شہامت' تدبر و سیاست اور انتظامی قابلیت کے لحاظ سے بے نظیر تھا' وہ کہا کرتا تھا کہ جس شخص کو میں چالیس دن ساتھ رہنے کے بعد نہ پہچان سکوں اس کو دوسرا شخص چالیس سال میں نہیں پہچان سکتا۔ حسن بن زید علوی اس کی شجاعت و استقلال کی وجہ سے اس کو "سندان" کہتے تھے' اس کی تدبیر و سیاست کے بہت سے واقعات مورخین نے نقل کیے ہیں۔(ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۲۰)

**عمرو بن لیث الصفار** یعقوب کے بعد اس کا بھائی عمرو اس کا جانشین ہوا' اس نے خلافت بغداد سے اپنے تعلقات ہموار کر لیے اور موفق نے اس کو خراسان' اصفہان' سجستان اور نجستان کی ولایت اور بغداد و سر من رائے کی شحنگی کے عہدہ پر ممتاز کیا۔

(ابن خلکان جلد ۳ ص ۳۱۸)

خراسان کی ولایت کا پروانہ ملنے کے بعد عمرو بن لیث نے خراسان کو احمد بن عبداللہ کے ہاتھوں سے چھڑانے کی کوشش کی اور ہرات واپس لے لیا' لیکن نیشاپور واپس لینے میں ناکام رہا۔ پانچ چھ سال تک عمرو بن لیث اور معتمد کے تعلقات خوشگوار رہے اور وہ اطمینان سے متعلقہ ملکوں پر حکومت کرتا رہا۔ ۲۷۱ھ میں اس پر معتمد کا عتاب نازل ہوا' اور اس نے خراسان کی حکومت اس سے لے کر طاہری خاندان کی یادگار محمد بن طاہر کو دے دی' اس نے رافع بن ہرثمہ کو اپنا نائب مقرر کیا' اس لیے خلافت بغداد اور صفاریہ میں پھر مخالفت شروع ہو گئی' اور معتمد نے احمد بن عبدالعزیز کو عمرو کے مقابلہ کا حکم دیا' اس نے اسے شکست دے کر اس کے تین ہزار آدمی گرفتار کر لیے۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۳۸ تا ۱۳۹)

اس واقعہ نے دونوں کے تعلقات پھر خراب کر دیئے اور ۲۷۴ھ میں موفق خود اس کے مقابلہ کے لیے فارس گیا۔ عمرو بھی خود اس کے مقابلہ کے لیے نکلا' لیکن اس کے بعض آدمیوں نے موفق سے مل جانا چاہا۔ اس لیے وہ مقابلہ کا ارادہ ترک کر کے کرمان اور سجستان ہوتا ہوا نکل گیا' موفق دور تک اس کی تلاش میں گیا' لیکن پا نہ سکا۔ ۲۷۶ھ میں پھر معتمد اس سے راضی ہو گیا اور اس کو بغداد کی شحنگی کا عہدہ عطا کیا اور ڈھالوں پر اس کا نام لکھوایا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۴۵)

**احمد بن طولون** احمد بن طولون کی ولایت مصر تک کے حالات معتز کے دور میں گذر چکے ہیں معتمد کے زمانہ میں اس کو بڑا عروج حاصل ہوا' اور اس کا آفتاب اقبال نصف

النہار تک پہنچ گیا' کندی کا بیان ہے کہ عیسیٰ بن شیخ والی شام کی بغاوت فرو ہونے کے بعد شام کی ولایت بھی ابن طولون کے متعلق کر دی گئی' اس سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی' لیکن مصر کا شعبہ خراج ابن مدبر کے ہاتھوں میں رہا' ایک مرتبہ معتمد نے مصر کا خراج جلد بھیجنے کے متعلق ابن طولون کو تاکید کی' اس نے جواب دیا کہ خراج کا شعبہ دوسرے شخص کے ہاتھوں میں ہے اس لیے میں اس حکم کی تعمیل سے قاصر ہوں' اس جواب پر معتمد نے مصر کا شعبہ خراج اور اس کے ساتھ شامی سرحدوں کی حفاظت بھی اس سے متعلق کر دی۔ اور وہ مصر' اسکندریہ اور شام کی وسیع ولایت کا حاکم ہو گیا۔

(کتاب الولاۃ کندی ص ۲۱۴ تا ۲۱۷)

مقریزی کا بیان ہے کہ ابن مدبر بڑا بد دماغ اور بد طینت شخص تھا' اپنے اثر کو قائم رکھنے کے لیے اس نے ہدایا و تحائف کے ذریعہ ابن طولون کو ملانے کی کوشش کی' لیکن ابن طولون اس سے بھی زیادہ عالی دماغ تھا' اس نے واپس کر دیا' اس سے ابن مدبر' ابن طولون سے بدگمان ہو گیا اور شقیر خادم اور مصر کے عباسی نامہ نگار کو ملا کر بغداد میں اس کے خلاف سازش شروع کر دی' ابن مدبر کی شان و شوکت غوری غلاموں سے قائم تھی' ابن طولون نے انہیں حسن تدبیر سے اپنے ہاں بلا لیا' ان کے ہٹتے ہی ابن مدبر کی ساری ہیبت جاتی رہی' اس وقت اس نے ابن طولون کو مصر سے ہٹانے کی خفیہ کوشش شروع کر دی' ابن طولون کو اس کا علم ہو گیا' لیکن اس نے ابن مدبر پر اس کو ظاہر نہ ہونے دیا' یہ معتز کی خلافت کا آخری زمانہ تھا' اس کے بعد مہتدی خلیفہ ہوا اس نے مصر کے ساتھ اسکندریہ بھی اس کے ساتھ کر دیا۔ ابن طولون نے یہاں کے عامل اسحاق بن دینار کو اپنے ماتحت کی حیثیت سے اس کے عہدہ پر برقرار رکھا' اسکندریہ کی ولایت کے بعد ابن طولون کا وقار اور زیادہ بڑھ گیا' ابن مدبر کو اس کا یہ اعزاز بہت شاق گذرا' لیکن سوائے خاموشی کے کچھ نہ کر سکتا تھا' چنانچہ آخر میں اس کو ابن طولون کے سامنے جھکنا پڑا۔

(مقریزی جلد ۲ ص ۱۰۵ تا ۱۰۶)

**ابن طولون کے کارنامے اور اس کا عروج** مصر اور اسکندریہ کی ولایت کے بعد ابن طولون نے حکومت کے ہر شعبہ کو بڑی ترقی دی اور اس کثرت سے غلام' عام سپاہی اور آلات و اسلحہ جمع کیے کہ دارالامارت کی وسعت ان کے لیے ناکافی ثابت ہوئی' اس لیے

اس نے ایک نیا خوبصورت شہر بسایا جس کا ایک سرا فسطاط سے ملتا تھا' اس میں ہر قوم' ہر مذہب' ہر فرقہ اور ہر طبقہ کے محلے الگ الگ اور عطار' بزاز' بقال اور جملہ اہل حرفہ اور پیشہ وروں کے بازار جدا جدا تھے' شہر میں متعدد وسیع سڑکیں اور ستھری گلیاں تھیں' جابجا خوبصورت مسجدیں اور حمام تھے' رفاہ عام کے لیے ایک عمدہ شفاخانہ تھا' ایک عظیم الشان جامع مسجد تھی' ابن طولون کا محل خصوصیت کے ساتھ نہایت وسیع اور خوبصورت تھا' شہر سے متعلق ایک نزہت گاہ تھی' مقریزی نے اس شہر اور قصور کی آرائش و زیبائش کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ (مقریزی نے یہ حالات بہت شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں' ہم نے محض خاص خاص واقعات اور وہ بھی جستہ جستہ نقل کیے ہیں' تفصیل کے لیے دیکھو مقریزی جلد ۲ ص ۱۰۵ تا ۱۰۷)

## ابن طولون کے خلاف سازش اور اس میں ناکامی

ان تعمیری ترقیوں کے ساتھ ابن طولون نے حکومت کے ہر شعبہ کو ترقی دے کر دولت طولونیہ کو اس عہد کی مہذب ترین حکومتوں کے پہلو بہ پہلو کر دیا' اس کے ان کارناموں پر دوسرے امراء کو حسد پیدا ہوا' چنانچہ اس کا ایک عزیز قریب ماجور ترکی اس کا مخالف ہو گیا اور ابن مدبر' ماجور اور شقیر غلام تینوں نے مل کر پوشیدہ طور پر خط و کتابت کر کے خلیفہ کو اس سے بدظن کرنے کی کوشش کی' جاسوسوں نے ابن طولون کو اس سازش کی اطلاع دی' ابن طولون بالکل خاموش رہا' اور ان لوگوں کے تمام شکایت نامے بغداد سے منگوا لیے' اس میں لکھا تھا کہ "ابن طولون مصر میں استقلال کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے" اس وقت اس کو معتمد کی جانب سے خراج کے اختیارات بھی مل گئے تھے' اس لیے اس نے ابن مدبر کو پکڑ کر قید کر دیا اور اب وہ مصر' اسکندریہ اور شامی سرحدوں کا حاکم مطلق ہو گیا۔

## ابن طولون سے موفق کی مخالفت اور ناکامی

ابن طولون کا یہ عروج دولت عباسیہ کے مختار کل موفق کی نظروں میں بھی کھٹکتا تھا' اس لیے اس نے اسے گرانے کی تدبیریں شروع کر دیں اور موسیٰ بن بغا کو اس کام کے لیے کھڑا کیا' اور ۲۶۳ھ میں اس کے ذریعہ ابن طولون کو مصر سے ہٹا کر اس کی جگہ ماجور والی دمشق کو جو ابن طولون کے مخالفین میں تھا' بھیجنے کا حکم دیا' لیکن ماجور کو ابن طولون کے مقابلہ میں جانے کی ہمت نہ ہوئی' اس لیے موسیٰ خود مصر کی طرف بڑھا' ابن طولون نے اس کے مقابلہ کے لیے جزیرہ میں قلعہ

بنوایا اور جنگی کشتیاں سمندر میں گشت کرائیں' اس درمیان میں موسیٰ ابن بغا پہنچ گیا' اور رقہ میں مقیم ہوا' اور دس مہینہ تک یہاں ٹھہرا رہا' مگر ابن طولون کے مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی' اس طویل بے کاری سے اس کی فوج گھبرا گئی اور موسیٰ کو جنگ کرنے کے یا واپسی پر مجبور کرنا شروع کر دیا' اس شش و پنج میں موسیٰ کو پیام اجل آ گیا اور ۲۶۴ھ میں وہ چل بسا۔

**شام پر قبضہ** اسی زمانہ میں ماجور والی دمشق مر گیا' ان دونوں کی موت سے ابن طولون کو دمشق کو مصر کی حکومت سے ملحق کر لینے کا موقعہ مل گیا' چنانچہ اس نے ماجور کے لڑکے علی کو لکھا کہ میں دمشق آتا ہوں تم میری میزبانی کے لیے تیار رہو' علی نے اس کا نہایت مناسب جواب دیا' اور ابن طولون ۲۶۴ھ میں اپنے لڑکے عباس کو اپنا نائب اور احمد بن محمد واسطی کو اس کا وزیر بنا کر دمشق روانہ ہو گیا۔ ماجور کے نائب محمد بن رافع اور لڑکے علی دونوں نے اس کی بڑی مدارات کی اور خود رملہ اور دمشق اس کے حوالہ کر دیا' ابن طولون نے رملہ میں محمد بن رافع کو قائم رکھا' اور دمشق میں احمد و غیاش کو اپنا قائم مقام بنا کر حمص بھیجا' یہاں کے عامل نے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی' البتہ انطاکیہ کے حاکم سیما طویل نے اس کی سیادت سے انکار کیا' ابن طولون نے ۲۶۵ھ میں اس کو قتل کر کے اس کا کل مال ضبط کر لیا' پھر طرطوس والوں نے بھی مقابلہ کیا۔ ابن طولون یہاں طخش بن بلیرد کو اپنا قائم مقام بنا کر لوٹ گیا۔

**عباس کی بغاوت** شامی سرحد پر رومی اکثر تاخت کیا کرتے تھے' اس لیے ابن طولون چاہتا تھا کہ شام میں چند دن ٹھہر کے یہاں کے سرحد کی طرف سے اطمینان کر لے' لیکن اسی درمیان میں لوگوں نے اس کے لڑکے عباس کو اس سے باغی کرا دیا۔ احمد بن محمد واسطی نے ابن طولون کو اس کی خبر دی' اس لیے ابن طولون شام میں قیام نہ کر سکا اور مصر روانہ ہو گیا۔ دوسری سمت عباس احمد بن واسطی کو مخبری کے جرم میں قید کر کے اسکندریہ ہوتا ہوا فسطاط پہنچا' رمضان ۲۶۵ھ میں ابن طولون بھی فسطاط پہنچ گیا' اور عباس کو اس کی خطا معاف کر کے بلا بھیجا' وہ اپنی حرکت پر خود نادم تھا' اس لیے آنے پر آمادہ ہو گیا' مگر جن لوگوں نے اس کو بغاوت پر ابھارا تھا' انہوں نے اپنے انجام کے خوف سے اس کو بھڑکا کر پھر روک دیا اور عباس فسطاط سے اغالبہ کے پاس افریقہ چلا گیا۔ راستہ میں لبدہ کے باشندوں

نے اس کا خیر مقدم کیا' لیکن عباس نے ان کی شکر گزاری کے بجائے لبدہ کو لٹوا دیا' اس کی ناپسندیدہ حرکت پر اباضیہ اور اغالبہ نے اس کو شکست دے کر بھگا دیا اور عباس باحال تباہ برقہ لوٹ گیا۔

**عباس کی گرفتاری اور سزا** عباس کے برقہ جانے کے بعد احمد بن طولون خود اس کی تنبیہہ کے لیے بڑھا' اس دوران میں احمد بن محمد واسطی نے ابن طولون کو اطلاع کی کہ عباس نے اپنی روش بدل دی ہے' اب آپ کو اس کے مقابلہ کی ضرورت نہیں ہے' اس لیے ابن طولون خود رک گیا اور صرف طبار کو تھوڑی فوج کے ساتھ بھیج دیا' اس نے برقہ میں عباس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور شوال ۲۶۸ھ میں وہ ابن طولون کے رو برو پیش کیا گیا' اس نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔

**ابن طولون کے غلام لولو اور اہل طرطوس کی بغاوت** عباس کی بغاوت فرو ہونے کے بعد ابن طولون نے اپنے غلام لولو کو ایک فوج کے ساتھ شام بھیجا' موفق نے اسے ملا لیا اور وہ ابن طولون کا ساتھ چھوڑ کر موفق کے پاس چلا گیا' ابن طولون کو اس کی خبر ہوئی تو وہ خود اس کے تعاقب میں نکلا' اور دمشق پہنچ کر اس نے حاکم طرطوس کے نائب خلف کو لکھا کہ وہ مازیار خادم کو پکڑ کے بھیج دے' لیکن اہل طرطوس نے مازیار کو خلف سے چھین لیا اور اس کو نکال کے مازیار کو اس کی جگہ عامل بنا دیا' ابن طولون کو اس کی اطلاع ہوئی تو اہل طرطوس کی تنبیہہ کے لیے بڑھا مگر اس درمیان میں اس کو معتمد کا ضروری خط مل گیا' اس لیے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

(یہ تمام واقعات کتاب الولاۃ کندی ص ۲۱۷ تا ۲۲۵ سے ماخوذ ہیں)

**معتمد کا موفق کے خلاف ابن طولون کے دامن میں پناہ لینا** معتمد نام کے لیے ۲۳ سال تک تخت حکومت پر رہا' لیکن واقعہ کے لحاظ سے ایک دن کے لیے بھی اس کو حکومت نصیب نہ ہوئی۔ ممالک محروسہ کا کل نظم و نسق اسی کے بھائی موفق کے ہاتھ میں تھا' جملہ احکام وہی جاری کرتا تھا معتمد چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی دخل دینے کا مجاز نہ تھا۔ دولت عباسیہ کے ماتحت والیوں کے بارہ میں موفق کی پالیسی معتمد سے بالکل مختلف تھی' صفار سے معتمد کو دلی نفرت تھی' لیکن موفق نے اس کے علی الرغم صفار کے

مطالبات منظور کر لیے تھے' معتمد ابن طولون کو مانتا تھا۔ لیکن موفق ہمیشہ اسے گرانے کی فکر میں رہتا تھا' اس اختلاف کی بنا پر معتمد کسی امیر کے دامن میں پناہ لینے پر آمادہ ہو گیا' امراء میں اس وقت ابن طولون کے علاوہ کوئی اس درجہ کا نہ تھا جو موفق کے مقابلہ میں معتمد کی حمایت کر سکتا' ابن طولون پر اس کے احسانات بھی تھے' اس لیے معتمد نے اس کو لکھ بھیجا کہ میں تمہارے پاس آتا ہوں' اس وقت ابن طولون طرطوس کا ارادہ کر رہا تھا۔ معتمد کا خط ملنے کے بعد اس نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔

معتمد علانیہ اپنا ارادہ پورا نہیں کر سکتا تھا' اس لیے شکار کے بہانہ سے مصر روانہ ہو گیا' اس کے جانے کے بعد موفق کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ بہت گھبرایا اور فوراً اسحاق بن کنداج کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر لکھا کہ جس طرح ممکن ہو معتمد کو راستہ سے واپس کر دو اور ابن طولون سے نہ ملنے دو' چنانچہ جب معتمد حدیثیہ پہنچا تو اسحاق نے عزت و تکریم کے ساتھ اس کے سامنے ہدایا پیش کیے' اور اس کے ساتھیوں کو حیلہ سے گرفتار کر لیا اور معتمد کو سمجھا بجھا کر سامرا واپس کر دیا موفق نے اس کے صلہ میں اسحاق کو مصر کی حکومت عطا کی۔

**ابن طولون کا موفق کے خلاف اعلان جہاد اور وفات** ابن طولون اور موفق میں پرانا اختلاف تھا' اس واقعہ سے ابن طولون اس کے بالکل خلاف ہو گیا اور دمشق جا کر یہاں کے فقہاء و قضاۃ اور اشراف کو جمع کر کے اہل مصر کے نام خط لکھا کہ "موفق نے معتمد کی بیعت توڑ دی ہے اور اس کے ساتھ ایسا برا سلوک کیا ہے کہ اس کا ذکر بھی نہیں کیا جا سکتا' معتمد اس کے سلوک سے تنگ آ کر رو دیا ہے۔

مصر میں اس خط کی پوری تشہیر کی گئی' اسے سن کر اہل مصر موفق کے خلاف ہو گئے اور ایک گروہ دمشق پہنچا' دمشق کے سرحدی علاقے کے آدمی بھی جمع ہو گئے' ابن طولون نے ان سب سے اعلان جہاد پر دستخط لیے' اس کے بعد مازیار خادم کو جس نے طرطوس میں ابن طولون کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا تھا' ملانے کی کوشش کی' لیکن وہ مخالفت پر قائم رہا' اس لیے ابن طولون کو اس کے مقابلہ کے لیے طرطوس جانا پڑا' مازیار نے اس کو روکنے کے لیے نہر بردان کا بند کھول دیا جس سے ابن طولون کی پوری فوج پانی میں پھنس گئی اور ابن طولون کو مصیصہ لوٹ آنا پڑا' یہاں آ کر بیمار پڑ گیا اور چند دن علیل رہ کر ذیقعدہ

۲۷۰ھ میں انتقال کر گیا۔

**خمارویہ بن احمد بن طولون** ابن طولون کے بعد اس کا لڑکا ابوالجیش خمارویہ باپ کا جانشین ہوا اس کو موفق کی شام پر فوج کشی کا خطرہ تھا' اس لیے احمد واسطی اور سعد الایسر کو فوجیں دے کر شام روانہ کیا اور ساحل کی حفاظت کے انتظامات بھی کیے' لیکن احمد واسطی خمارویہ کی جانب سے خوف باقی تھا' اس لیے اس نے موفق کو خط لکھ بھیجا کہ خمارویہ کی قوت بہت کمزور ہے اس وقت وہ آسانی کے ساتھ شام پر قبضہ کر سکتا ہے۔

(کتاب الولاۃ کندی ۲۲۶ تا ۲۳۵ ملخصاً")

دوسری طرف ابن طولون کی موت سے اسحاق بن کنداجیق والی موصل و جزیرہ اور ابن ابی الساج کو شام کی طمع دامنگیر ہوئی' انہوں نے بھی موفق کو خمارویہ کے خلاف ورغلایا اور اس سے مقابلہ کے لیے مدد مانگی' اس نے فوراً دونوں کو پیش قدمی کا حکم دیا اور خود بھی ان کی مدد کے لیے پہنچا اور دونوں کے ساتھ رقہ آیا' قنسرین اور عواصم کے باشندوں نے دونوں مقام بغیر مزاحمت کے حوالہ کر دیئے۔ دمشق میں البتہ مقابلہ ہوا' لیکن موفق شکست دے کر شہر میں داخل ہو گیا' خمارویہ اس وقت مصر میں تھا' اس کو یہ خبریں ملیں تو وہ صفر ۲۷۱ھ میں شام پہنچا' فلسطین میں لب نہر دونوں کا مقابلہ ہوا' اس نے بھی نہایت فاش شکست کھائی اور فسطاط لوٹ گیا' اس کی واپسی کے بعد سعد الایسر' خمارویہ کی محفوظ فوج لے کر پہنچ گیا اور موفق کو شکست دے کر دمشق واپس لے لیا' اور یہاں خمارویہ کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ (ابن اثیر جلد ۷' ص ۱۳۷ تا ۱۳۸)

اس کے بعد خمارویہ ذیقعدہ ۲۷۲ھ میں شام آیا اور ایک جرم میں سعد کو قتل کر کے محرم ۲۷۳ھ میں دمشق داخل ہوا' اور اسحاق بن کنداجیق کو باجروان میں شکست دے کر سر من رائے تک اس کا تعاقب کرتا چلا گیا' لیکن پھر فوجی افسروں نے دونوں میں صلح کرا دی اور اسحاق نے اپنے حدود حکومت میں خمارویہ کے نام کا خطبہ جاری کر دیا' اس کے بعد خمارویہ اور موفق میں بھی صلح ہو گئی' اور موفق نے تیس سال کے لیے خمارویہ اور اس کی اولاد کے نام مصر و شام کی حکومت کا قبالہ لکھ دیا اور خمارویہ نے اس کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الولاۃ کندی ص ۲۳۳ تا ۲۳۸ و مقریزی جلد ۲ ص ۱۱۶)

**دولت سامانیہ ماوراء النہر** اسی زمانہ میں ماوراء النہر میں سامانی حکومت قائم ہوئی اس

کا بانی اسد بن سامان بہرام چوبیں کی نسل سے تھا' اسد کے چار لڑکے تھے' نوح' احمد' یحییٰ' اور الیاس' مامون کی ولایت خراسان کے زمانہ میں یہ چاروں بھائی خراسان میں تھے اور چاروں جوہر قابل تھے مامون ہونہار لوگوں کا قدردان تھا' اس لیے ان بھائیوں کو بھی اسی نے آگے بڑھایا' اور امین کو شکست دینے کے بعد جب وہ خراسان سے عراق واپس آیا تو اس کے خراسانی نائب غسان بن ثابت نے احمد کو فرغانہ' یحییٰ کو اشروسنہ اور شاس' الیاس کو ہراۃ نوح کو سمرقند کا حاکم بنایا۔ غسان کے بعد آل طاہر نے بھی ان کی قدر دانی قائم رکھی' اس طرح اسد بن سامان کی اولاد نسل در نسل اعزاز چلا' احمد کے سات لڑکے تھے' نصر' اسماعیل' یعقوب' یحییٰ' اسد' اسحاق' حمید' احمد کے انتقال کے بعد ۲۶۱ھ میں اس کا لڑکا نصر باپ کے قائم مقام ہوا' اور اس کو ماوراء النہر کی حکومت ملی' اس طرح یہاں سامانی حکومت کی بنیاد پڑی۔ (۱)

**قرامطہ کا ظہور** ۲۷۸ھ میں فرقہ قرامطہ کا ظہور ہوا' یہ فرقہ باطنیہ کی ایک شاخ ہے' اور باطنیت ایران کے ثنوی مذہب سے نکلی تھی' اس مذہب میں دو طاقتیں کارفرما مانی جاتی ہیں' نور اور ظلمت' نور سے خیر کا اور ظلمت سے شر کا ظہور ہوتا ہے' یہی دونوں طاقتیں یزدان اور اہرمن کے نام سے موسوم ہیں' اس کے عقائد میں بہت سے فلسفیانہ خیالات کی آمیزش ہے عبدالقادر بغدادی نے کتاب الفرق بین الفرق میں اس کی تفصیل کی ہے۔ (کتاب الفرق بین الفرق ص ۲۶۹)

مسلمانوں نے ایران کی حکومت تو فتح کرلی تھی' لیکن ان کے دل و دماغ کو تسخیر نہ کرسکے تھے اس لیے نومسلم عوام کے دماغ سے ان کے پرانے عقائد و خیالات نہ دور ہو سکے' لیکن وہ علانیہ ان کو ظاہر نہیں کرسکتے تھے' اس لیے مختلف شکلوں اور تحریکوں کی صورت میں ان کا ظہور ہوتا رہا' اس کا آغاز مامون ہی کے زمانہ سے ہوگیا تھا' بابک خرمی کی تحریک بھی جس کا حال اوپر گذر چکا ہے۔ اسی کی ایک شکل تھی' ان کے علاوہ اور بہت سے

---

۱- ۲۶۱ھ مطابق ۸۷۴ء میں سامانی حکومت کی بنیاد پڑی اور ۳۹۵ھ مطابق ۱۰۰۰ء میں اس کا خاتمہ ہوا' اس مدت میں اس میں گیارہ فرمانروا ہوئے' نصر بن احمد' احمد بن اسماعیل' نصر بن احمد ثانی' نوح بن نصر' عبدالملک بن نوح' منصور بن نوح' نوح بن منصور' عبدالملک بن نوح ثانی' اسماعیل بن نوح۔

مذاہب ظاہر ہوئے۔

کسی ایسی تحریک کا جو اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہو' اسلامی حکومت میں فروغ پانا مشکل تھا' اس لیے ذہین اور طباع اہل عجم نے اس پر باطنیت کی نقاب ڈال کر اپنے عقائد و خیالات کی اشاعت اور اس کی روشنی میں کلام اللہ اور حدیث نبویؐ کی تاویل شروع کی' قرملی تحریک بھی باطنیت ہی کی ایک شاخ ہے' لیکن اس میں کچھ اور عقائد بھی شامل ہو گئے تھے' یہ تاریخ اسلام کا ایک افسوس ناک واقعہ ہے کہ اس قسم کی اکثر گمراہ کن تحریکیں اہل بیت نبویؐ کی دعوت کے نام پر جو دین اصلی کے حامل اور محافظ تھے' شروع ہوتی تھیں اور اسی لیے اہل عجم نے ان سے رشتہ جوڑا تھا' چنانچہ قرملی تحریک بھی انہی کے نام سے شروع ہوئی' اس کا پہلا داعی حمدان[1] قرمط سواد کوفہ کے ایک مقام نہرین میں زاہدانہ لباس میں ظاہر ہوا' وہ شبانہ روز نماز میں مشغول رہتا تھا اور اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا تھا' جو لوگ اس کے پاس آتے تھے' ان سے مذہبی باتیں کرتا' زہد کی تعلیم دیتا اور رات دن میں پچاس وقتوں کی نماز کی تلقین کرتا' اس کے ذریعہ جب وہ روشناس ہو گیا تو امام منتظر کی دعوت شروع کی' ایک جماعت اس کی دعوت میں شامل ہو گئی' لیکن اس نے اپنی زندگی میں کوئی فرق نہ آنے دیا' ایک شخص کے کھجوروں کے باغ کی نوکری کر لی تھی اور عبادت و ریاضت اور ظاہری زہد و تقویٰ میں زندگی بسر کرتا تھا' اس کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں بڑا اثر پیدا کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۴۸) اسی زمانہ میں قرمط بیمار پڑ گیا' کرمینہ[2] نامی ایک شخص نے اس کی تیمار داری کی جب وہ اچھا ہو گیا تو اپنے تیمار دار کا نام اختیار کر لیا اور پہلے کرمینہ اور پھر قرمط کہلانے لگا اور علاقہ سواد کے کم عقل دہقانوں میں

---

۱۔ عبدالقادر بغدادی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حمدان اور قرمط دونوں ایک ہی شخص ہیں' لیکن دوسرے بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ حمدان قرمط کا پیرو تھا۔

۲۔ کرمینہ کی ایک وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس شخص کی آنکھیں سرخ تھیں اور نبطی زبان میں سرخی کو کرمینہ کہتے ہیں اس لیے یہ شخص کرمینہ کہلانے لگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ قدم بہت چھوٹے چھوٹے اٹھاتا تھا' یا اس کا خط بہت باریک تھا' ان دونوں کو عربی میں قرمط کہتے ہیں' اس لیے یہ شخص قرمط کہلانے لگا۔

اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی' بہت سے سادہ لوح دہقانی اس کے دام میں آ گئے۔

اس نے ایک آسمانی کتاب کا دعویٰ کیا' جس کی ایک تعلیم یہ تھی کہ قریہ نصرانہ کا ایک باشندہ فرج بن عثمان داعی مسیح ہے' مسیح ہے' کلمہ ہے' مہدی ہے' احمد بن محمد بن حنیفہ ہے' جبریل ہے' اور مسیح نے انسانی پیکر میں آ کر اس سے کہا کہ تم داعی ہو' حجتہ ہو' ناقہ ہو' دابہ ہو' یحییٰ بن زکریا ہو' روح القدس ہو' اور چار رکعت نماز کی تعلیم دی۔ دو طلوع آفتاب سے قبل اور دو غروب آفتاب سے پہلے' ہر نماز کے لیے اذان ضروری قرار دی' جس میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کی شہادت کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام' نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ علیہم السلام اور احمد بن محمد بن حنفیہ کی رسالت کی شہادت بھی تھی' نماز میں کلام اللہ کی آیات کے بجائے "استفتاح" (ابن اثیر اور ابوالفداء نے اس کی آیات نقل کی ہیں) کی تلاوت کی جو اس کے گمان میں احمد بن محمد بن حنفیہ کے اوپر نازل ہوئی تھی' تعلیم دی اور کعبہ کے بجائے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا' جمعہ اور اتوار دو دن کام کی ممانعت کی' مہرجان اور نوروز کے دن سال میں دو روزے مقرر کیے' نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال قرار دیا' جنابت میں غسل کے بجائے وضو اور غیر محارب پر جزیہ مقرر کیا۔

(ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۴۸ تا ۱۴۹)

جب قرملی تحریک دہقانوں میں پھیلنے لگی تو قرمط نے مختلف مقاموں پر اس کی تبلیغ کے لیے بارہ نقیب مقرر کیے' جو شخص اس دعوت میں شریک ہوتا تھا اس سے امام کے نام پر ایک دینار وصول کرتا تھا' اس کے پیرو زیادہ تر کاشتکار تھے' اس لیے اس کی اشاعت سے زراعت پر بڑا اثر پڑا' سواد کوفہ میں امیر ہیثم کا علاقہ تھا' اس کی آمدنی گھٹ گئی اس نے تحقیقات کی تو قرمط کا حال معلوم ہوا' اس نے اس کو پکڑ کر بند کر دیا' اس کی ایک لونڈی کو رحم آ گیا اس نے ہیثم سے چھپا کر اسے نکال دیا۔ ہیثم نے جب دروازہ کھولا تو قرمط کا کہیں پتہ نہ تھا' عوام میں مشہور ہو گیا کہ قرمط اپنی کرامت سے غائب ہو گیا ہے۔ قرمط نے بھی چھوٹنے کے بعد عوام میں مشہور کر دیا کہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا' اس سے عوام میں بڑی گمراہی پھیل گئی' لیکن اب اس کا معاملہ کھل چکا تھا' اور عراق کے قیام میں اس کے لیے خطرہ تھا' اس لیے شام چلا گیا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۴۸) باقی حالات آئندہ آئیں گے۔

**بیرونی مہمات** خلافت عباسیہ کے اندرونی انقلابات کی وجہ سے بیرونی مہمات کا جو سلسلہ رک گیا تھا' معتمد کے زمانہ میں پھر شروع ہوا' ۲۵۹ھ میں رومیوں نے کردستان اور ایشیائے کوچک کے سرحدی شہر سمیساط اور لمطیہ پر حملہ کیا' لیکن یہاں کے باشندوں نے ان کو پسپا کر دیا' اس کے بعد ۲۶۳ھ میں شام کی سرحد طرطوس کے ایک اہم قلعہ کرکرہ پر حملہ آور ہوئے ان کی شورش دیکھ کر ابن طولون والی مصر نے معتمد سے طرطوس کی ولایت کی درخواست کی' یہ رومیوں کے مقابلہ کے لیے نہایت موزوں شخص تھا' لیکن موفق اس کے خلاف تھا' اس لیے اس نے اس کی درخواست قبول نہ کی اور محمد بن ہرون کو طرطوس بھیجا' اسے خارجیوں نے پکڑ کر مار ڈالا' اس کے بعد ماجور ترکی بھیجا گیا' یہ بالکل نا اہل تھا' اہل کرکرہ کی امداد و اعانت کرنے کے بجائے الٹے ان کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آیا' اور ان کا راشن بند کر دیا' انہوں نے طرطوس کے باشندوں سے مدد مانگی' انہوں نے پندرہ ہزار جمع کیے اماجور نے اس پر بھی قبضہ کر لیا' اس لیے اہل کرکرہ رومیوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور انہوں نے قلعہ ان کے حوالے کر دیا' یہ بڑا اہم قلعہ تھا' اس پر قبضہ کے بعد رومیوں کے لیے شام کا راستہ کھل گیا۔ معتمد کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے ابن طولون کی درخواست منظور کر لی' اس نے فوراً طوطوس پہنچ کر اس کی حفاظت کا پورا انتظام کیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے بھی جارحانہ حملے شروع کر دیئے اور ۲۶۴ھ میں عبداللہ ابن رشید نے ارض روم پر حملہ کیا اور سالم و غانم واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں سکوقیہ' قرہ کوکب اور خرشنہ کے بطریق نے گھیر لیا' مسلمانوں نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا' لیکن اکثر مارے گئے' عبداللہ گرفتار ہوا' اور باقی ماندہ مسلمان کسی طرح اسلامی حدود میں واپس آ گئے۔

۲۶۵ھ میں چند بطریقوں نے اونہ پر حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو قتل و گرفتار کیا' اور یہاں کے والی کو پکڑ کر لے گئے' اسی سنہ میں قیصر روم نے عبداللہ بن رشید کو رہا کر دیا اور چند مصاحف ابن طولون کے پاس ہدیہ بھیجے۔

۲۶۶ھ میں سسلی کے مسلمانوں اور رومیوں میں بحری معرکہ ہوا' اس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور وہ سسلی لوٹ گئے اور رومیوں نے دیار ربیعہ پر تاخت کی لیکن یہاں کے باشندوں نے انہیں واپس کر دیا۔ اسی سنہ میں ابن طولون کے سرحدی حاکم نے رومی

حدود میں فوج کشی کر کے بہت سے رومیوں کو قتل کر دیا۔

۲۷۰ھ میں رومی ایک لاکھ فوج کے ساتھ طرطوس پر حملہ آور ہوئے' ابن طولون کے غلام مازیار نے بڑی شجاعت سے ان کو روکا' دونوں میں نہایت خونریز جنگ ہوئی' رومیوں نے بڑی فاش شکست کھائی' ایک لاکھ میں سے ستر ہزار رومی مارے گئے ان کا رئیس البطارقہ مقتول ہوا اور بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جس میں سات طلائی اور نقرئی ملیبیں تھیں' سب سے بڑی صلیب جواہرات سے مرصع تھی ۴۰ سونے کی اور دو چاندی کی کرسیاں اور بہت سے ظروف تھے اور دوسری چیزیں تھیں۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۳۳۷ تا ۳۳۸ ناموں کی تصحیح ابن اثیر سے کی گئی ہے)

## موفق کی وفات اور ولی عہدی کا مسئلہ

۲۷۸ھ میں معتمد کے بھائی اور ولی عہد موفق کا انتقال ہو گیا' اس کے بعد معتمد کے لڑکے جعفر مفوض الی اللہ کا نام تھا' موفق کی وفات کے بعد فوج نے اس کی جگہ اس کے لڑکے ابوالعباس معتضد بن موفق کو نامزد کیا' لیکن اس کا نام مفوض الی اللہ کے بعد رکھا' ۲۷۹ھ میں معتمد نے خود مفوض کا نام خارج کر کے معتضد کو ولی عہد بنایا۔

## وزارت

معتمد کے دور کے انقلابات کی وجہ سے اس کے زمانہ میں بہت سی وزارتیں بدلیں' اس کا پہلا وزیر عبداللہ بن یحییٰ تھا' اس کے حالات متوکل کے زمانہ میں گزر چکے ہیں' اس کی وفات کے بعد حسن بن مخلد کو منصب وزارت تفویض ہوا۔ وزارت سے پہلے وہ موفق کا کاتب تھا یہ اپنے عہد کے مشہور کاتبوں میں تھا' دفتری کاغذات اور رجسٹروں کے علاوہ اپنی ایک علیحدہ یادداشت رکھتا' جس میں سلطنت کے تمام مداخل تاریخ وار درج تھے جو حسن بن مخلد کو زبانی یاد تھے' اس کی یادداشت کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ موفق ایک لباس پہنے ہوئے تھا جو اسے پسند تھا۔ ابن مخلد سے اس نے پوچھا' توشہ خانہ میں اس کپڑے کی تعداد کتنی ہو گی؟ اس نے اسی وقت اپنی نوٹ بک دیکھ کر بتایا کہ "سات ہزار۔"

حسن کی معزولی کے بعد سلیمان بن وہب کو قلم دان وزارت سپرد ہوا' اس کا آبائی مذہب عیسوی تھا' اس کا مورث اعلیٰ قبال امیر معاویہؓ کا کاتب تھا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں یہ عہدہ نسل در نسل قبال کے خاندان میں رہا۔ عباسی دور میں وہب کے لڑکوں نے بڑا عروج

حاصل کیا' یہ سب کے سب ہونہار اور صاحب کمال تھے' سلیمان فضل و کمال' عقل و دانش اور دفتری امور کی مہارت میں دنیا کے ممتاز ترین کاتبوں میں تھا' اس کی ترقی بھی مامون کی جوہر شناس نگاہ کی ممنون کرم ہے' شروع میں وہ مامونی وزیر محمد بن یزداد کے ساتھ رہتا تھا' وزیر مذکور جب گھر جانے لگتا تو اتفاقی ضرورتوں کے لیے اپنے زیر تعلیم نوجوانوں میں سے کسی نہ کسی کو قصر سلطانی میں چھوڑ جاتا تھا' ایک شب کو سلیمان کی باری تھی' اتفاق سے مامون کو ایک ضرورت پیش آگئی' اس نے سلیمان کو بلا کر حکم دیا کہ فلاں مضمون کا ایک مسودہ لکھ لاؤ' اصلاح کے لیے بین السطور چھوڑ دینا' سلیمان نے مسودہ کیے بغیر بیضہ لکھ کر پیش کر دیا' مامون کو تعجب ہوا' اور اسے پڑھ کر اور بھی حیرت ہوئی' کہا' میاں صاحبزادے ماشاء اللہ تم نے خوب لکھا اور دو سطروں کے متعلق ہدایت دی کہ ان کو مقدم و موخر کر دو۔ سلیمان نے بیضہ لے لیا اور اسی میں سطروں کو مٹا کر اس خوبی سے ترمیم کر دی کہ مامون یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ وہی بیضہ ہے یا دوسرا' اس پر اسے اور بھی حیرت ہوئی اور اس نے کہا تمہاری کس کس چیز کی تعریف کی جائے؟ مٹانے کی خوبی کی' زود فہمی کی' حسن کی' حسن خط کی' کام کی تیزی کی' خداوند تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ اس قدر دانی پر سلیمان نے دست بوسی کی۔

یہ واقعہ سلیمان کی ترقی کا زینہ بن گیا' اس کے بعد مامون کو جب کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو سلیمان کی طلبی ہوتی' اس وقت اس کی عمر کل چودہ سال کی تھی' گویا چودہ ہی سال کی عمر میں اسے مامونی کتابت کا منصب مل گیا' اس کے بعد امیر ایتاخ و اشناس کا کاتب رہا' اور ترقی کرتے کرتے مہتدی کے زمانہ میں وزارت عظمیٰ تک پہنچا' معتمد نے بھی اسے وزیر بنا لیا۔ (الفخری ص ۲۲۳ تا ۲۲۴ و ابن خلکان جلد اول ۲۱۶)

چوتھا وزیر اسماعیل بن بلبل تھا۔ یہ بڑا کریم النفس' فیاض' سیر چشم اور تجمل پسند تھا' اس نے بڑی شان و شکوہ کی وزارت کی' سیف و قلم دونوں کا مالک تھا' فوج کی وزارت بھی اسی سے متعلق تھی۔ فضل بن سہل کے بعد یہ دوسرا وزیر ہے جسے یہ امتیاز حاصل ہوا۔ لیکن آخر میں اس پر عتاب نازل ہوا' اور معتمد نے اسے قید کر کے اس کا کل اثاثہ ضبط کر لیا اور قید ہی میں قتل کر دیا گیا۔

پانچواں وزیر احمد بن صالح بن شیراز و قطربلی تھا یہ بڑا منشی' ادیب' انشاء پرداز' فصیح

اور بلیغ تھا' نظم و نثر دونوں میں یکساں کمال رکھتا تھا' ایک منشیہ خاتون کی خطاطی اور انشاء کی تعریف میں لکھتا ہے' اس کا خط اس کے حسن دلکش کا' اس کی سیاہی اس کے سواد زلف کا' اس کا کاغذ اس کے بیاض رخسار کا' اس کا قلم اس کی نازک انگلیوں کا' اس کی تقریر اس کے افسون نگاہ کا' اس کا چاقو اس کی نگاہ ناز کا' اس کا خط اس کے دل عاشق کا نمونہ ہے' اس نے صرف ایک مہینہ وزارت کی تھی کہ وقت آخر آ گیا۔

چھٹا وزیر عبیداللہ بن سلیمان بن وہب اپنے عہد کا بڑا نامور وزیر' ممتاز کاتب اور اپنے فن کا ماہر اور صاحب کمال تھا' عقل و دانش میں بھی یگانہ تھا' یہ معتمد کے آخر عہد تک وزیر رہا۔ اور معتمد کی وفات کے کئی سال بعد ۲۸۸ھ میں وفات پائی۔ (وزراء کے تمام حالات الفخری ص ۲۲۸ تا ۲۳۱ سے ماخوذ ہیں)

**وفات** رجب ۲۷۹ھ میں بغیر کسی بیماری کے معتمد کا دفعتہ" انتقال ہو گیا' بعض روایتوں میں ہے کہ اس کو زہر دیا گیا' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' ایک شب کو اس نے نبیذ زیادہ پی لی' اس کے بعد کھانا کھایا' اس سے سوئے ہضم ہو گیا اور صبح ہونے کے قبل ہی مر گیا' چونکہ موت ناگہانی تھی' اس لیے معتضد نے قضاۃ اور اعیان سلطنت کو بلا کر لاش دکھائی' ان کے ملاحظہ کے بعد سامرا لے جا کر دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت پچاس سال چھ مہینے کی عمر تھی' مدت خلافت ساڑھے ۲۳ سال۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۵۱)

معتمد کی خلافت کا زمانہ گو مدت کے اعتبار سے بہت طویل ہے' لیکن وہ محض نام کا خلیفہ تھا' صرف خطبہ اور سکہ اس کے نام کا تھا' باقی جملہ امور سلطنت' احکام کا اجراء' فوجوں کی قیادت' صلح و جنگ' سرحدوں کی حفاظت' وزارت کی ترتیب' جملہ امور اس کے بھائی موفق کے ہاتھوں میں تھے' معتمد اس بے بسی کا غم غلط کرنے کے لیے' عیش پرستی میں مشغول رہتا تھا۔ (الفخری ص ۲۲۷)

اسے نبیذ اور شعر و موسیقی سے کام تھا' اس کی بزم عیش میں ہر وقت ادب و شعر' رقص و سرود اور اسی قبیل کے مشاغل کا چرچا رہتا تھا' مسعودی نے ان مجالس طرب کے بہت دلچسپ حالات لکھے ہیں۔ (مسعودی جلد ۸ ص ۱۰۲ و مابعد)

موفق پر یہ بڑا الزام ہے کہ اس نے معتمد کو بالکل بے بس کر رکھا تھا' لیکن اس سے عباسی حکومت کو بڑا فائدہ پہنچا' معتمد میں کوئی عملی صلاحیت نہ تھی' اس کے مقابلہ میں

موفق جملہ اوصاف جہانبانی کا حامل تھا' فضل و کمال' تدبر و سیاست' اخلاق عدل و انصاف وغیرہ تمام محاسن موجود تھے' رعایا کی داد رسی کے لیے قضاۃ کے ساتھ بیٹھتا تھا اور مقدمات کی سماعت کرتا تھا اور منصفانہ فیصلے دیتا تھا۔ (ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۴۷)

شجاع و بہادر تھا' خود فوجوں کی قیادت کرتا تھا' صاحب الزنج کے انقلاب انگیز شورش میں اس نے بڑے کارہائے نمایاں کیے' اور اپنے زمانہ میں اس نے ترکوں کو ان کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔

# ابو العباس احمد بن موفق الملقب بہ معتضد باللہ

## ۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ مطابق ۸۹۲ء تا ۹۰۲ء

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ معتمد اپنے بعد اپنے بھتیجے معتضد باللہ کو ولی عہد نامزد کر گیا تھا۔ چنانچہ اس کی وفات کے بعد ربیع الاول ۲۷۹ھ میں معتضد تخت نشین ہوا اور اپنے غلام بدر کو بغداد کی شحنگی اور عبیداللہ بن سلیمان کو منصب وزارت پر سرفراز کیا' اس وقت معتضد کی عمر چھتیس سینتیس سال سے زیادہ نہ تھی' لیکن عقل و دانش' تدبیر و سیاست اور جاہ و جلال میں وہ اپنے پیش روؤں پر فوقیت رکھتا تھا' اس لیے وہ ترکوں کا کھلونا نہیں بنا بلکہ تمام سرکش امراء کو زیر اور مخالف قوتوں کا قلع قمع کر کے عباسی حکومت میں از سر نو جان ڈالی اور اس کو مختلف حیثیتوں سے ترقی دی۔

**رافع بن ہرثمہ کی بغاوت اور قتل** دولت عباسیہ کی تباہی کا سب سے بڑا سبب سرکش اور خود سر امراء تھے' معتضد نے ان کی قوت توڑنے کے لیے انہی کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا' اس سلسلہ میں سب سے اول رافع بن ہرثمہ کا خاتمہ ہوا محمد بن طاہر نے اسے ۲۷۱ھ میں خراسان میں اپنا نائب مقرر کیا تھا' یہاں شاہی جاگیر کے علاقے بھی تھے' رافع نے انہیں بھی اپنے قبضہ میں لے لیا' معتضد نے لکھا کہ ان کو وہ چھوڑ دے' لیکن ہرثمہ نے نہ سنا' اس لیے معتضد نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ عمرو بن لیث صفاری کو' جو عرصہ سے خراسان کی فکر میں تھا' خراسان کا حاکم بنا دیا اور ہرثمہ کو خراسان سے نکالنے کی خدمت احمد بن عبدالعزیز کے سپرد کی' اس نے شکست دے کر اس کو نکال دیا' چند دنوں کے بعد احمد بن عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔ اور ہرثمہ پھر آ پہنچ گیا' اس مرتبہ احمد بن عبدالعزیز کے بھائی نے نکالنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوا' اس دوران میں خود عمرو بن لیث خراسان پہنچ گیا' خراسان کی سرحد پر متعدد طاقتیں تھیں جو سب ایک دوسرے کے خلاف تھیں' چنانچہ رافع ابن ہرثمہ علویہ طبرستان اور عمرو بن لیث میں پرانا اختلاف چلا آتا تھا' رافع نے عمرو بن لیث سے مقابلہ کے لیے محمد بن زید علوی

والی طبرستان سے صلح کر لی اور محمد بن زید نے اس کی مدد کا وعدہ کیا' عمرو کو معلوم ہوا تو اس نے محمد بن زید کو لکھا کہ رافع نے محض اپنی غرض کے لیے صلح کی ہے' کام نکل جانے کے بعد وہ دھوکہ دے جائے گا' محمد بن زید کو چونکہ اس کا تجربہ ہو چکا تھا' اس لیے انہوں نے رافع کی مدد سے ہاتھ روک لیا اور اس کو تنہا عمرو کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس لیے رافع کو شکست ہوئی اور وہ نیشاپور چھوڑ کر بیورو چلا گیا' لیکن عمرو نے درمیان میں راستہ روک دیا تھا۔ اس لیے رافع پھر لوٹ کر نیشاپور آ گیا' عمرو نے محاصرہ کر لیا چند دنوں کے بعد رافع خوارزم بھاگ گیا' خوارزم شاہ نے اپنے آدمی ابو سعید فرغانی کو استقبال کے لیے بھیجا' اس نے عمرو بن لیث سے سرخروئی حاصل کرنے کے لیے دھوکہ دے کر رافع کو قتل کر دیا اور اس کا سر عمرو کے پاس بھجوا دیا۔ (ابن اثیر ج ۷ ص ۱۵۱' ۱۵۲)

**خوارج کا استیصال** موصل اور جزیرہ کے علاقہ میں معتمد کے زمانہ سے خوارج کی شورش بپا تھی' ان کا ایک سردار ہارون خارجی موصل کے نواح پر قابض ہو گیا تھا' معتضد کے زمانہ میں اس کے موروثی والی محمد بن اسحاق بن کنداج نے ایک ترک شیبانی غلام ہارون بن سیما کو موصل کا حاکم بنا کر بھیجا' اہل موصل اور خوارج مزاحم ہوئے' ہارون ابن سیما قبیلہ شیبان کا غلام تھا' اس لیے یہ قبیلہ اس کی مدد کے لیے آمادہ ہو گیا' لیکن ہارون خارجی کو اپنی جماعت کے علاوہ اہل موصل کی بھی امداد و حمایت حاصل تھی اس لیے اس نے بنی شیبان کو بڑی فاش شکست دی اور ان کا تعاقب کر کے ان کی آبادیوں کو خوب لوٹا' بنی شیبان نے جب دیکھا کہ فرار سے بھی ان کی بچت نہیں ہوتی تو پلٹ پڑے' خوارج لوٹ میں مصروف تھے' اس لیے بنی شیبان نے انہیں پسپا کر دیا۔

لیکن چونکہ اہل موصل بھی ہارون بن سیما کے خلاف تھے اور وہاں اس کا قیام ناممکن تھا اس لیے اس نے محمد بن سیما کو لکھ بھیجا کہ اگر آپ خود مدد کے لیے نہیں آتے تو شہر ہاتھوں سے نکل جائے گا اس تحریر پر وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ موصل روانہ ہو گیا' اہل موصل میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اور اس کی حکومت پر بھی وہ راضی نہ تھے' اس لیے ان کا ایک وفد اس غرض سے بغداد روانہ ہو گیا کہ موصل کا علاقہ ابن کنداج کے علاوہ کسی اور شخص کے ماتحت کر دیا جائے۔

معتضد اس کے پہنچنے کے پیشتر ہی محمد بن یحییٰ کو موصل کی ولایت پر مامور کر چکا تھا'

چنانچہ وہ وفد مذکور کو حدیثہ میں ملا' اس لیے اہل موصل اس کے ساتھ ہی لوٹ گئے' محمد ابن یحییٰ کا تقرر ابن کنداج پر بہت گراں گذرا' اس نے یہ تدبیر کی کہ خمارویہ بن احمد بن طولون کو' جس کے ماتحت ایک زمانہ میں موصل کا علاقہ رہ چکا تھا' ہدایا و تحائف دے کر آمادہ کیا کہ وہ دوبارہ معتضد سے موصل کی ولایت کے لیے درخواست کرے' لیکن معتضد نے اس کی درخواست یہ کہہ کر مسترد کردی کہ اہل موصل اسے پسند نہیں کرتے' پھر چند دنوں کے بعد انتظامی سلسلہ میں محمد بن یحییٰ کو ہٹا کر علی بن داؤد کو اس کی جگہ بھیجا۔

(ابن اثیر ج ۷ ص ۱۵۰)

خوارج اور اعراب کردستان پر اتنے چھا گئے تھے کہ ان کا تدارک والیوں کے بس سے باہر ہو گیا تھا' ۲۸۰ھ میں خود ان میں باہر خانہ جنگی شروع ہو گئی' اور ایک اور خارجی محمد بن عبادہ ہارون کا حریف پیدا ہو گیا' یہ ابتداء میں نہایت معمولی آدمی تھا' موصل کی شورش کے زمانہ میں اس نے اپنا جتھہ الگ بنا لیا' اعراب کی ایک جماعت اس کے ساتھ ہو گئی' اس سے اس کو اتنی قوت حاصل ہو گئی کہ وہ موصل کے غلہ کا عشر اور زکوٰۃ وصول کرنے لگا' معلثایا کا خراج وصول کر لیا اور سنجار میں ایک قلعہ تعمیر کیا' اس کی بڑھتی ہوئی قوت ہارون کے لیے سخت مضر تھی اس نے سنجار کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا' محمد بن عبادہ اس وقت قیراثا میں تھا' اس لیے ہارون نے اس کے لڑکے ابو ہلال کو قتل کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا' محمد بن عبادہ شکست کھا کر آمد چلا گیا' اس کا جتھہ منتشر ہو چکا تھا' اس لیے آمد کے حاکم احمد بن عیسیٰ نے اسے گرفتار کر کے معتضد کے پاس بھجوا دیا۔

اب تک جتنے حکام موصل بھیجے گئے تھے وہ سب خوارج اور اعراب کے مقابلہ میں ناکام رہے تھے اس لیے ۲۸۰ھ میں خود معتضد ان کے استیصال کے لیے نکلا اور ان کے اعراب کو شکست دیتا اور قتل کرتا ہوا بنی شیبان کے مقابلہ کے لیے موصل پہنچا' ان میں معتضد کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ اس لیے اطاعت قبول کر لی اور آئندہ کے اطمینان کے لیے ضمانت میں یرغمال دیئے۔

اس کے ایک ہی سال بعد معتضد کو اطلاع ہوئی کہ ایک عرب سردار حمدان بن حمدون تغلبی ہارون خارجی کے ساتھ ہو گیا ہے' اس لیے پھر اس نے موصل پر فوج کشی کی' اس مرتبہ اعراب اور کرد مل کر اس کے مقابلہ میں آئے' معتضد نے عام سپاہیوں کے دوش

بدوش ان کا مقابلہ کیا اور تنہا ان کی صفوں میں گھس کر بے دریغ قتل کیا اور انہیں بڑی شکست فاش دی۔

حمدان بن حمدون تغلبی ماردین کے قلعہ میں تھا' اس مہم سے فراغت کے بعد معتضد ماردین پہنچا' بڑے بڑے سرداروں کو اس کے مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اس لیے حمدان اپنے لڑکے کو قلعہ میں چھوڑ کر خود نکل گیا۔ معتضد نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اس کے پھاٹک پر چڑھ کر حمدان کے لڑکے کو حکم دیا کہ پھاٹک کھول دے اس پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ بے چون و چرا اس کی تعمیل کر دی' معتضد نے قلعہ کا کل سامان نکلوا کر قلعہ مسمار کرا دیا اور حمدان کی تلاش میں آدمی بھیج کر خود بغداد گیا' راستہ میں شداد نامی ایک کرد دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ قلعہ بند تھا' معتضد نے اسے بھی زیر کر کے قلعہ مسمار کرا دیا۔

حمدان ابھی قابو میں نہ آیا تھا' اور ایک اور شخص اسحاق بن ایوب بھی سرکش ہو گیا تھا۔ اس لیے معتضد ۲۸۲ھ میں پھر موصل گیا اور دونوں کو بلا بھیجا' اسحاق تو حاضر ہو گیا' لیکن حمدان قلعہ بند ہو گیا معتضد نے امیر وصیف موشکیر ترکی اور نصر قشوری کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا' حمدان باسورین میں اور اس کا دوسرا لڑکا حسین موصل کے قریب ہی ایک قلعہ میں تھا' اس نے خود اطاعت قبول کر کے قلعہ حوالہ کر دیا۔ اور حمدان کو امیر وصیف نے باسورین جا کر شکست دی' وہ دجلہ عبور کر کے دیار ربیعہ کی طرف نکل گیا' لیکن امیر وصیف کی فوجوں نے اسے کہیں نہ نکلنے دیا۔ بالآخر تنگ آ کر وہ موصل لوٹ گیا۔ اور اسحاق بن یوسف کے دامن میں پناہ لی اس نے اس کو معتضد کے پاس حاضر کر دیا۔ حمدان کی شکست اور اطاعت کے بعد اعراب اور کردوں کا حوصلہ پست ہو گیا اور انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ حمدان کو زیر کرنے کے بعد معتضد نصر قشوری کو موصل کے انتظام کے لیے چھوڑ کر خود بغداد لوٹ گیا' اس کی واپسی کے بعد پھر خارجیوں نے سر اٹھایا اور نصر کے آدمیوں پر حملہ کر دیا' اس میں ہارون خارجی کا ایک ممتاز ساتھی جعفر مارا گیا۔ اس لیے پھر خوارج میں عام شورش پیدا ہو گئی' نصر نے ہارون کو دھمکایا' اس نے اس کا نہایت سخت جواب دیا۔ نصر نے اس کا جواب معتضد کے پاس بھجوایا' اسے پڑھ کر معتضد نے خوارج کی قرار واقعی سرکوبی کا تہیہ کر لیا اور حسن بن علی کو موصل کی ولایت پر مامور کر کے اس نواح

کے تمام حکام کو حکم دیا کہ وہ خوارج کے استیصال میں حسن کی پوری مدد کریں' حسن نے بڑے اہتمام سے مقابلہ کیا' خوارج بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ مقابلہ میں آئے دونوں میں خون ریز جنگ ہوئی' خارجیوں نے سترہ حملے کیے' حسن نے ان سب کو بڑی شجاعت و پامردی سے روکا اور ان کی ہمت و استقلال سے خارجیوں کو بڑی فاش شکست ہوئی' ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی' بقیہ السیف بھاگ نکلے' آخر میں انہوں نے بھی مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی اور ہارون سرگردان پھرتا رہا' اس شکست نے گو خارجیوں کا شیرازہ بکھیر دیا تھا' لیکن ان کا سرغنہ ہارون باقی تھا' اس لیے ۲۸۳ھ میں پھر معتضد نے موصل کا سفر کیا اور حسین بن حمدان تغلبی کو ہارون کی گرفتاری پر مامور کیا اور وصیف بن موشکیر کو اس کی مدد پر متعین کیا' ہارون دجلہ کی ترائی میں روپوش تھا' حسین بن حمدان نے اس کی کمین گاہ پر چھاپہ مارا۔ وہ یہاں سے نکل کر بھاگا' حسین نے تعاقب کیا اور چند دنوں کے بعد اسے لڑ کر گرفتار کر لیا اور معتضد کی خدمت میں لے جا کر پیش کیا' معتضد اسے بغداد ساتھ لے گیا' اور حسین کی کارگذاری کے صلہ میں اس کے باپ حمدان کو رہا کر دیا اور خلعت سے نوازا اور باغیوں کی عبرت کے لیے ہارون کی تشہیر کر کے اسے سولی پر آویزاں کیا' ہارون کے قتل کے بعد موصل میں کامل امن و سکون ہو گیا۔ (یہ تمام حالات ملخصاً" ابن اثیر سے ماخوذ ہیں ج ۷ ص ۱۵۴ تا ۱۸۷)

**قرامطہ** قرملی تحریک کے ابتدائی حالات معتمد کے عہد میں گذر چکے ہیں اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا بانی قرمط عراق چھوڑ کر شام چلا گیا تھا' مگر یہ تحریک برابر اندر ہی اندر اپنا کام کرتی رہی اور مخفی طور سے لوگ اس میں شامل ہوتے رہے'۔ بحرین اور اس کے نواح میں اس کی زیادہ اشاعت ہوئی ۲۸۱ھ میں ایک قرملی داعی یحییٰ بن مہدی نے قطیف میں دعویٰ کیا کہ وہ مہدی موعود کا داعی ہے'۔ جن کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے اور مہدی کی جانب سے ایک صداقت نامہ پیش کیا' قطیف اور بحرین کے شیعان علی نے اس کی دعوت قبول کی اور اس کی امداد و اعانت کا پورا وعدہ کیا' ان میں سب سے اہم شخصیت ابو سعید جنابی کی تھی'۔ بحرین میں کام کرنے کے بعد یحییٰ یہاں سے چلا گیا۔ اور چند دنوں کے بعد دعوت قبول کرنے والوں کے نام مہدی موعود کی جانب سے شکریہ کا خط لایا' جس میں مہدی کے نام پر خمس دینے کا حکم تھا' سب نے اس حکم کی تعمیل کی' اس کے بعد یحییٰ نے

قبیلہ قیس میں تبلیغ شروع کی اور ان کے نام بھی اس قسم کے خطوط پیش کیے۔

بحرین کے والی کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے یحیٰی کو پکڑ کر سزا دی' اس کا معاون ابو سعید جنابی بھاگ گیا' یحیٰی چھوٹنے کے بعد پھر سرگرمی کے ساتھ اپنے کام میں لگ گیا' اور بنی کلاب' بنی عقیل اور حریش میں دورہ کر کے ان کی بڑی تعداد قرملی تحریک میں داخل کرلی اور ان کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ ۲۸۷ھ میں انہوں نے ہجر کے نواح میں تاخت و تاراج شروع کر دی اور ابو سعید جنابی نے بصرہ پر حملہ کا ارادہ کیا' یہاں کے والی احمد الوا ثقی میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے اس نے معتضد کو اس کی اطلاع دی' اس نے بصرہ کی حفاظت کے لیے شہر پناہ کی تعمیر کا حکم دیا اور بحرین کا حاکم بنا کر قرامطہ کے مقابلہ کا حکم دیا' اس نے بصرہ پہنچ کر ابو سعید کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر گرفتار ہو گیا اور اس کی فوج کا کل سامان اور بہت سے آدمی اس کے قبضہ میں آئے' ابو سعید نے عباس کے علاوہ باقی تمام قیدیوں کو آگ میں جلوا دیا' اور ہجر پر قبضہ کر لیا۔

یہ خبر بصرہ پہنچی تو یہاں سے فوراً شکست خوردہ فوجوں کے خورد و نوش کا سامان روانہ کیا گیا۔ لیکن راستہ میں بنی اسد نے حملہ کر کے چھین لیا' اور ابو سعید کی تلوار سے جو لوگ زندہ بچے تھے انہیں بھی قتل کر دیا۔ اس سے بصرہ میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی' احمد الواثقی نے انہیں کسی طرح روکا' اس درمیان میں ابو سعید نے عباس کو رہا کر دیا اور اس سے کہا کہ تم نے جو حالات دیکھے ہیں انہیں جا کر معتضد سے بیان کر دینا' یہ ابلہ ہوتا ہوا بغداد پہنچا' معتضد نے اس کی دلدہی کے لیے خلعت عطا کیا۔ (ابن اثیر ج ۷ ص ۱۶۲ تا ۱۶۴)

اس کامیابی کے بعد قرامطہ کا حوصلہ بڑھ گیا اور انہوں نے نواح کوفہ میں بڑی شورش کی' ان کی شورش دیکھ کر ایک طالبی غلام بدر' ان کے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے بہت سے روساء کو موت کے گھاٹ اتار دیا' معتضد نے علیحدہ علیحدہ فوجوں پر فوجیں بھیجنا شروع کر دیں۔ انہوں نے قرامطہ کو بے دریغ قتل کیا' ہزاروں قرملی مارے گئے' ان کی یہ تباہی دیکھ کر ان کے ایک داعی ذکرویہ بن مہرویہ نے اسد اور طے کے قبائل کو بھڑکانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ البتہ بنی تلیس اس کے دام میں آ گئے' اور ذکرویہ نے معتضد کے ایک غلام شبل کو قتل کر کے رصافہ کی مسجد جلا ڈالی اور شام کی سرحد تک بستیوں کو ویران کرتا چلا گیا' طولونی عہدہ دار طغج بن خف نے روکا لیکن ذکرویہ نے اسے

بھی شکست دی۔ (ابن اثیرج ۷، ص ۱۶۸)

**اسماعیل سامانی اور عمرو بن لیث کی جنگ اور عمرو کی گرفتاری** اوپر گذر چکا ہے کہ عمرو بن لیث صفاری نے باغی امیر رافع بن ہرثمہ کا سر معتضد کے حضور پیش کیا تھا اس کے صلہ میں وہ معتضد سے ماوراء النہر کی حکومت کا طالب ہوا' یہ علاقہ مدتوں سے سامانی خاندان کی موروثی حکومت میں چلا آتا تھا' اور اس کے فرمانروا دوسرے خود سر موروثی والیوں کے مقابلہ میں زیادہ مطیع و منقاد تھے' اس کے برعکس عمرو پر اس کو پورا اعتماد نہ تھا' اس لیے اس نے عمرو کو اسماعیل سے لڑا کر عمرو کی قوت توڑنے کے لیے اس کی درخواست قبول کر لی اور اس کو ماوراء النہر کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا' عمرو نے اپنے ایک معتمد علیہ امری محمد علیہ امیر محمد بن بشیر کو ماوراء النہر پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا' آمد میں لب جیحون' اس کا اور اسماعیل کا مقابلہ ہوا' محمد بن بشیر مارا گیا اور اس کی فوج شکست کھا کر نیشا پور چلی گئی' اس شکست کے بعد عمرو نے خود فوج کشی کی' اسماعیل نے اس کو لکھ بھیجا کہ خدا نے تم کو ایک بڑی وسیع حکومت عطا فرمائی ہے اور میرے پاس صرف ماوراء النہر کا ایک سرحدی گوشہ ہے اس لیے تمہارے پاس جو کچھ ہے اس پر قناعت کرو اور یہ گوشہ میرے لیے چھوڑ دو' عمرو نے کوئی توجہ نہ کی اس لیے اسماعیل کو اس کے مقابلہ میں آنا پڑا اور جیحون کے پار خیمہ زن ہوا' عمرو نے بلخ میں مورچہ قائم کیا' اسماعیل نے ہر طرف سے اس کو گھیر لیا اور عمرو پہلے ہی معرکہ میں معمولی جنگ کے بعد بھاگ نکلا' راستہ میں اس کا گھوڑا دلدل میں پھنس گیا' اسماعیل کے آدمیوں نے اسے گرفتار کر لیا' اور اسماعیل کے پاس لے گئے' اس نے اس کو اختیار دیا کہ اس کا دل چاہے' اس کے پاس ماوراء النہر میں رہے اور دل چاہے معتضد کے پاس بغداد چلا جائے' عمرو نے بغداد جانا پسند کیا' چنانچہ اسماعیل نے اس کو بغداد بھجوا دیا' معتضد نے اسے قید کر دیا اور اسماعیل کو اس کے تمام مقبوضات کا حاکم بنا دیا۔

**اسماعیل اور محمد بن زید کی جنگ اور محمد بن زید کا قتل** خراسان پر ہمیشہ سے طبرستان کے علویوں کی نظر تھی اور اس کے لیے ان میں اور صفاریوں میں جنگ بھی ہو چکی تھی' عمرو بن لیث کی گرفتاری کے بعد ان کی یہ دیرینہ آرزو پھر ابھر آئی' چنانچہ محمد ابن زید علوی نے فوج کشی کر دی' اسماعیل کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے لکھ بھیجا کہ میں نے جرجان

تمہارے لیے چھوڑ دیا ہے اس لیے اب تم خراسان کا قصد نہ کرو' لیکن محمد بن زید نے اس کی پرواہ نہ کی اور اسماعیل کو ناچار مقابلہ کرنا پڑا' اس نے محمد بن ہارون کو ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا' باب جرجان میں نہایت خون ریز جنگ ہوئی' محمد بن زید نے بڑی شکست فاش کھائی' وہ سخت زخمی ہوئے اور ان کا لڑکا زید گرفتار ہوا تھوڑے ہی دنوں کے بعد محمد بن زید زخموں کے صدمہ سے انتقال کر گئے' اسماعیل نے زید بن حسن کو نہایت عزت و احترام اور آرائش و آسائش کے ساتھ رکھا' محمد بن زید بڑے فاضل ادیب و شاعر تھے۔

**وصیف خادم کی گرفتاری** امیر محمد بن ابی الساج ایک خود سر اور خود غرض لیکن حوصلہ مند اور بہادر امیر تھا' اس لیے خلفاء اس کی دل جوئی کیا کرتے تھے' چنانچہ معتمد کے زمانہ میں اس کو آذربائیجان کا حاکم بنا دیا تھا' معتضد کے زمانہ میں اس کا رویہ مخالفانہ ہو چلا تھا' اس نے اس کو زور و قوت سے دبانے کے بجائے آرمینیہ کی حکومت اور خلعت دے کر رام کرنے کی کوشش کی ابن ابی الساج نے بھی اظہار شکر گزاری میں قیمتی ہدایا پیش کیے اور ضمانت کے یرغمال دیئے' ۲۸۷ھ میں اس کا خادم وصیف اس کا ساتھ چھوڑ کر ملطیہ چلا آیا۔ اور معتضد کی خدمت میں سرحد کی ولایت کی درخواست بھیجی' اس کے قاصدوں پر شبہ ہوا' تحقیقات سے پتہ چلا کہ خود ابن ابی الساج نے وصیف کو آمادہ کیا ہے کہ وہ سرحد کی ولایت کی درخواست کرے' اس کے مل جانے کے بعد دونوں مل کر دیار مضر پر قبضہ کر لیں' یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اہل طرطوس بھی اس سازش میں شریک ہیں۔ معتضد کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ خود وصیف کی تادیب کے لیے نکلا جاسوسوں نے اس کو اطلاع دی کہ وصیف عین زربہ کا قصد کر رہا ہے' معتضد نے فوراً ایک دستہ اس کی تلاش میں آگے روانہ کر دیا' اس کا اور وصیف کا سامنا ہو گیا اور وہ گرفتار کر کے معتضد کے سامنے پیش کیا گیا' معتضد نے اس کی فوج کو امان دے دی' اس سازش میں اہل طرطوس بھی شریک تھے' اس لیے معتضد نے ان کے عمائد کو گرفتار کر لیا اور طرطوس کے بحری بیڑے کو جو پچاس جہازوں پر مشتمل تھا نذر آتش کر دیا' یہ بیڑا بڑا قیمتی اور مدتوں کی محنت کا سرمایہ تھا' اس کی بربادی سے بڑا نقصان پہنچا اور رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی بحری قوت کمزور پڑ گئی۔ (یہ حالات ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں)

**طولونیہ مصر اور معتضد کے تعلقات** مصر کے طولونی خاندان اور خلافت بغداد

کے اختلاف کا خاتمہ معتمد ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا' معتضد کے زمانہ میں دونوں کے روابط میں اور زیادہ ترقی ہوئی' خمارویہ بن طولون نے معتضد کی تخت نشینی کی تبریک میں بیش قیمت ہدایا پیش کیے تھے' معتضد نے اس کے صلہ میں مصر کے خراج کی باقی ماندہ رقم میں سے کل دو لاکھ دینار سالانہ کے حساب سے لے کر مزید تین لاکھ سالانہ پر فرات سے برقہ تک کی حکومت کا سی سالہ قبالہ خمارویہ اور اس کے لڑکے کا نام لکھ دیا' اور ۲۸۰ھ میں بارہ پارچے کا خلعت' تلوار' تاج اور مالائے مروارید عطا کیا' ۲۸۲ھ میں خمارویہ کی لڑکی "قطرۃ الندی" قطرہ شبنم سے شادی کر کے طولونی خاندان کی عزت افزائی کی۔

۲۸۲ھ میں خمارویہ کو اس کے غلاموں نے قتل کر دیا اور اس کا لڑکا جیش تخت نشین ہوا لیکن چھ ہی مہینے کے بعد اس کے اور اس کے فوجی افسروں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا' انہوں نے اس کو معزول کر کے اس کے بھائی ہارون کو تخت نشین کیا۔ (کتاب الولاۃ کندی ص ۲۴۰ تا ۲۴۲ و مقریزی ج ۲ ص ۱۱۷)

**رومیوں سے معرکہ آرائیاں** معتضد زیادہ تر اندرونی اصلاح و تنظیم میں مشغول رہا' اس لیے بیرونی مہمات اس کے زمانہ میں بہت کم پیش آئیں۔ ۲۸۵ھ میں موفق کے غلام راغب نے طرطوس سے بحری حملہ کیا اور رومیوں کے تیس جہاز گرفتار کر کے جلا دیئے' اور تین ہزار رومی قتل ہوئے' ۲۸۷ھ میں رومی طرطوس پر چڑھ آئے' یہاں کے حاکم ابو ثابت نے انہیں پسپا کر دیا اور دور تک تعاقب کرتا چلا گیا' لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے خود ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا۔ ۲۸۸ھ میں حسن بن علی کورہ نے کئی رومی قلعے فتح اور بہت سے رومی گرفتار کیے' اس کے انتقام میں رومیوں نے کیسوم پر بری اور بحری دو سمتوں سے حملہ کر کے پندرہ ہزار مسلمان گرفتار کر لیے۔

(ابن اثیر ج ۷ ص ۱۵۴)

دولت عباسیہ کی ماتحت ریاستوں نے البتہ بعض فتوحات حاصل کیں' ۲۸۰ھ میں اسماعیل سامانی نے ترکستان کی ایک حکومت پر قبضہ کر کے اس کے فرمانروا کو گرفتار کیا۔

(ابن اثیر ج ۷ ص ۱۵۴)

**وزارت** معتضد کا پہلا وزیر عبیداللہ بن سلیمان تھا' اس کے حالات معتمد کے عہد میں گزر چکے ہیں عبیداللہ کے بعد اس کا لڑکا قسم باپ کا جانشین ہوا' یہ بڑا فاضل' مدبر اور

عظمت و شان کا وزیر تھا' معتضد کے آخر زمانہ تک اپنے عہدہ پر رہا۔

**وفات** ربیع الاول ۲۸۹ھ میں معتضد مرض الموت میں مبتلا ہوا' فوجی افسروں نے اس کے لڑکے اور ولی عہد مکتفی باللہ کی بیعت کی تجدید کی' خاندان شاہی میں موفق کے لڑکے عبدالواحد کی جانب سے مخالفت کا خطرہ تھا' اس لیے اس سے بیعت لے کر اس کو نگرانی میں لے لیا' آخر ربیع الاول میں معتضد نے وفات پائی' چار لڑکے اور گیارہ لڑکیاں یادگار چھوڑیں' مدت خلافت ۷ برس ۹ مہینے۔

**حکومت پر تبصرہ** معتضد بڑے جاہ و جلال کا خلیفہ تھا' مدتوں کے بعد اس دل و دماغ اور حوصلہ و ہمت کا خلیفہ' عباسی تخت پر بیٹھا تھا' تدبیر و سیاست کے ساتھ وہ اخلاق سے بھی آراستہ تھا' اپنی ہشت سالہ مدت حکومت میں اس نے عباسی حکومت کے مردہ قالب میں جان ڈال دی اور ہر حیثیت سے اس کے عہد عروج کی یاد تازہ کر دی' مسعودی کا بیان ہے کہ معتضد کے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی فتنہ و فساد میں سکون پیدا ہو گیا' ملک کی حالت درست ہو گئی' لڑائیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا' چیزوں کا نرخ ارزاں ہو گیا' شورش و ہیجان میں سکون ہو گیا' مخالفین نے صلح کر لی' وہ مظفر و منصور تھا' تمام امور اس کے قابو میں آ گئے' مشرقی و مغربی علاقے اس کے زیر نگیں ہو گئے' مخالفین مغلوب ہو گئے' اور ہارون شاری پر اس نے فتح پائی۔ (مروج الذہب ج ۷ ص ۱۱۳' ۱۱۴)

ابن طقطقی لکھتا ہے کہ معتضد عاقل' فہیم' فاضل اور خصائل حمیدہ سے آراستہ تھا' اس کی تخت نشینی کے وقت سلطنت ویران ہو رہی تھی' سرحدیں بیکار ہو چکی تھیں' اس نے بڑی خوبی سے اس کی اصلاح کی' اس کے حسن انتظام سے اس کی سلطنت پھر آباد ہو گئی' آمدنی میں اضافہ ہو گیا سرحدیں مضبوط ہو گئیں' وہ سیاست میں نہایت مضبوط اور فتنہ پرستوں کے لیے نہایت سخت تھا' رعایا کے مال و متاع میں فوجوں کی دست درازی اور ایذا رسانی کا خاتمہ کر دیا' اپنے ابن عم آل ابی طالب کا محسن تھا' اس کے زمانہ میں شورشیں اور بغاوتیں بھی ہوئیں' عمرو بن لیث الصفار نے بڑی عظمت و قوت حاصل کر لی تھی اور عجم کے بڑے حصہ پر چھا گیا تھا' اس کا دعویٰ تھا کہ اگر میں چاہوں تو دریائے بلخ پر سونے کا پل بنا دوں' اس کا باورچی خانہ چھ سو اونٹوں پر چلتا تھا' لیکن معتضد کے اقبال سے بڑی ذلت و خواری کے ساتھ قید ہوا' اور معتضد نے دولت عباسیہ کے منتشر شیرازہ کو پھر متحد کر دیا اور

رعایا میں عدل و انصاف قائم کیا اور مرتے وقت بڑی دولت چھوڑ گیا۔

(الفخری ص ۲۳۱'۲۳۲)

سیوطی لکھتے ہیں کہ معتضد بڑا زیرک اور شجاع و بہادر تھا' لڑائیوں میں اس کے کارنامے مشہور ہیں' اس نے خلافت کا نہایت بہترین انتظام کیا' لوگوں کے دلوں میں اس کا بڑا رعب تھا اس کی ہیبت کی وجہ سے سارے فتنے دب گئے' اس کے زمانہ میں امن و رفاہیت اور ارزانی کا دور تھا' اس نے بہت سے ٹیکس بند کر دیئے' وہ خلافت عباسیہ کی تجدید کی وجہ سے سفاح ثانی کہلاتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷۹)

دولت عباسیہ کی تباہی کا سب سے بڑا سبب ترکی امراء اور افسران فوج تھے' عباسی حکومت اس طرح ان کے پنجہ اقتدار میں آگئی تھی' کہ خلفاء تک کو ان کی مرضی کا پابند رہنا پڑا تھا' ورنہ حکومت بلکہ جان تک سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ ان کے ہاتھوں رعایا کی جان اور مال محفوظ نہ تھا' معتضد کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ترکوں کا زور توڑ کر سلطنت اور رعایا دونوں کو ان کے پنجہ ظلم سے آزاد کر دیا' ان کی قوت توڑنے کے لیے اس نے نہایت سخت پالیسی اختیار کی' فوجی افسروں کو سر تابی پر زندہ دفن کرا دیتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۷۸) گو یہ سزا بظاہر سخت معلوم ہوتی ہے' لیکن ترکوں کی خیر سری جس حد کو پہنچ چکی تھی اس کی اصلاح بغیر اس کے ناممکن تھی۔

رعایا کے ساتھ عمال کے ظلم و زیادتی کو نہایت سختی سے روکا اور ان میں عدل و انصاف کے قیام کی طرف پوری توجہ کی۔ (الفخری ص ۱۳۱'۱۳۲) اس سختی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس کے مقربین خاص تک اس کے خوف سے ظلم و زیادتی کی جرات نہ کرتے تھے۔

(ابن اثیر ج ۷ ص ۱۷)

عدل و انصاف میں اس کی توجہ اور انہماک کی وجہ سے عدالتیں بھی آزاد ہو گئیں اور ایوان عدالت میں امراء و عمائد بلکہ خلیفہ تک کے سارے امتیازات اٹھ گئے' اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہونے لگا۔ عدالتوں کی آزادی کا ایک دلچسپ واقعہ کتابوں میں مذکور ہے ایک امیر نے مختلف آدمیوں سے قرض لے رکھا تھا' انہوں نے قاضی ابو حازم کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا' معتضد کا بھی کچھ قرض اس کے ذمہ تھا' اس نے قاضی ابو حازم کے پاس کہلا بھیجا کہ اس شخص کے ذمہ میرا قرض بھی ہے' امید ہے کہ دوسرے قرض

خواہوں کے ساتھ میرا قرض بھی عدالت سے دلایا جائے گا' قاضی ابو حازم نے جواب میں کہلایا کہ امیرالمومنین اپنا وہ قول یاد کریں جو منصب قضا سپرد کرتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ "میں نے قضاء کا عہدہ اپنی گردن سے نکال کر تمہاری گردن میں ڈال دیا ہے۔"

اس لیے اب مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ محض دعویٰ پر بغیر کسی شہادت کے کوئی فیصلہ دوں' معتضد نے جواب میں کہلایا کہ فلاں فلاں دو ذی عزت آدمی میرے شاہد ہیں' ابو حازم نے پھر جواب میں کہلایا کہ شاہدوں کو عدالت میں آ کر شہادت دینی چاہیے' میں جرح کروں گا' اگر شہادت بچی ثابت ہوئی' تو قبول کی جائے گی' ورنہ جو ثابت ہو گا اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا' لیکن قاضی ابوحازم کی جرح کے خوف سے دونوں شاہدوں میں سے کسی نے شہادت نہ دی اس لیے معتضد کا دعویٰ مسموع نہ ہوا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۸۱)

دور انحطاط کے سیاسی انقلابات اور طوائف الملوکی کی وجہ سے حکومت کی آمدنی اتنی گھٹ گئی تھی کہ تنخواہوں کی تقسیم میں دشواری پیش آتی تھی' معتضد کے حسن انتظام سے اس میں بھی معقول اضافہ ہوا' (الفخری ص ۳۲۱) اور اس کے زمانہ میں عباسی حکومت کا میزانیہ اتنا بہتر ہو گیا کہ حکومت کے مصارف کے بعد خزانہ میں ایک بڑی رقم سالانہ بچ رہتی تھی' چنانچہ اپنی وفات کے بعد خزانہ میں بڑی دولت چھوڑ گیا۔ (مروج الذہب ج ۷ ص ۱۱۴) بعض روایتوں کے مطابق اس کی تعداد نوے کروڑ اشرفی تھی' اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ملک کی مالی حالت کی اصلاح میں کوئی ٹیکس نہیں لگایا گیا بلکہ بعض پرانے ٹیکس بھی کم کر دیے گئے۔ اس سے رعایا کی آسودہ حالی بہت بڑھ گئی' ضروریات زندگی ارزاں ہو گئیں اور ہر شخص نہایت مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرنے لگا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۷۹) صابی کا بیان ہے کہ معتضد کی نرمی کے باوجود عراق کے خراج میں اتنا اضافہ ہوا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کے علاوہ اور کسی زمانہ میں اتنا خراج وصول نہیں ہوتا تھا۔ (تاریخ الوزراء صابی)

**مذہبی خدمات** اوصاف جہانبانی کے ساتھ معتضد مذہبی حیثیت سے بھی دیندار تھا' فسق و فجور سے اس کا دامن کبھی آلودہ نہیں ہوا۔ (ابن اثیر ج ۷ ص ۱۷۰) عباسی عہد میں کم علموں کے عقاید و خیالات پر فلسفہ یونان کا بڑا برا اثر پڑا تھا' معتضد خود ایک راسخ العقیدہ خلیفہ تھا اس لیے اس نے اس کا پورا تدارک کیا اور کتب فروشوں کو فلسفہ کی کتابوں کی اشاعت کی

ممانعت کردی' (تاریخ الخلفاء ص ۳۷۹) اوہام و خرافات کے جتنے وسائل تھے' سب کو مٹا دیا' چنانچہ منجموں اور قصہ خوانوں کو شوارع عام پر بیٹھنے کی ممانعت کردی' (تاریخ الخلفاء ص ۳۷۹) مجوسیوں کے اثر سے مسلمانوں میں آتش پرستوں کی بعض رسمیں رائج ہو گئی تھیں' چنانچہ نوروز کے دن وہ بھی آگ جلاتے تھے۔ معتضد نے اس مشرکانہ رسم کو حکماً بند کردیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۷۹)

عیش پرستوں نے اپنے تعیش کے جواز کے عجیب عجیب پہلو پیدا کر لیے تھے' مثلاً گانے' متعہ اور نبیذ کے جواز میں اختلاف ہے' کسی زندہ دل نے اس قسم کی ان تمام چیزوں کو جو کسی امام یا کسی اسلامی فرقہ کے نزدیک جائز ہیں' بغیر ان کے اختلاف کو ظاہر کیے ہوئے ایک کتاب میں جمع کر دیا تھا' اس کی ایک کاپی معتضد کے پاس بھی پہنچی' اس نے قاضی اسماعیل کو دکھایا' انہوں نے کہا اس کتاب کا مصنف زندیق ہے' اس نے پوچھا کیا اس نے یہ مسائل دل سے گھڑے ہیں قاضی نے کہا گھڑے تو نہیں ہیں لیکن اس میں ہر مسئلہ کا ایک ہی پہلو دکھایا گیا ہے اور اس کی پوری تفصیل نہیں بیان کی گئی ہے' مثلاً جس کے نزدیک نشہ آور چیز جائز ہے' اس کے نزدیک متعہ اور گانا جائز نہیں ہے' ہر عالم کی کچھ نہ کچھ لغزشیں ہوتی ہیں' اگر ان پر عمل کیا جائے تو دین ہی برباد ہو جائے' یہ سن کر معتضد نے اس کتاب کو جلوا دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۷۹)

ذوی الارحام کی میراث کا مسئلہ مختلف فیہ ہے' امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک میراث میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہیں ہے' ذوی الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں میراث بیت المال میں داخل کر دی جائے گی' لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عصبات کے بعد ذوی الارحام وارث ہیں۔ اس مسئلہ میں معتضد پہلے امام مالک و شافعی کے مسلک پر عمل کرتا تھا' پھر امام ابو حنیفہؒ کا مسلک اختیار کر لیا اور ذوی الارحام کو حصہ ملنے لگا اور بیت المال سے میراث کا دفتر توڑ دیا گیا' اس سے رعایا پر بہت اچھا اثر پڑا اور ہر شخص کی زبان سے اس کے لیے دعا نکلنے لگی۔ (کتاب الوزراء صابی)

عباسی حکومت کے دور زوال میں خلفاء کے مصارف حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے معتضد نے اسراف کی تمام مدیں بند کر دیں' بعض مورخ اسے بخیل لکھتے ہیں' لیکن یہ صحیح نہیں' صابی کی کتاب الوزراء میں اس کے اخراجات کا پورا گوشوارہ موجود ہے' اس سے اس

کے بخل کی پوری تردید ہوتی ہے' اس نے کسی ضروری خرچ میں کوئی کمی نہ کی تھی' سات ہزار اشرفی روزانہ خرچ تھا۔ (کتاب الوزراء صابی ص ۱۱ تا ۲۲) جو کسی طرح ایک بخیل فرمانروا کا خرچ نہیں ہو سکتا' اسی طرح اس نے ایک قصر کی تعمیر میں چار لاکھ اشرفیاں صرف کیں۔ (مروج الذہب ج ۷ ص ۱۱۶) البتہ اس نے عیش و عشرت میں بیکار روپیہ ضائع نہیں کیا' اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی موت کے وقت خزانہ دولت سے معمور تھا۔

عموماً مورخین نے اس کی سخت گیری کی شکایت کی ہے جو ایک حد تک صحیح ہے' لیکن عباسی حکومت جس نوبت تک پہنچ چکی تھی اور اس پر امراء اور افسروں کا جتنا غلبہ و اقتدار ہو چکا تھا اور اس سے عباسی حکومت کو جتنا نقصان پہنچ رہا تھا' اس کی اصلاح بغیر سخت گیری کے ممکن نہ تھی' اسی سخت گیری کا نتیجہ تھا' کہ اس کے زمانہ میں ترکوں کو' جو خلفاء کو معزول کر کے اور ان کا خون بہا بہا کر شیر ہو گئے تھے' سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی' لیکن علی العموم اس کی جانب سخت گیری کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے' وہ صرف ان سرکشوں کے بارہ میں سخت گیر تھا' جو نرمی سے قابو میں آنے والے تھے' ورنہ عام طور سے وہ حالات کی اصلاح میں سیاست سے کام لیتا تھا' ابن کثیر نے اس کی سیاست کا ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔

ایک مرتبہ معتضد کسی سفر میں جا رہا تھا' راستہ میں ایک گاؤں پڑا جس میں ککڑی کے کھیت تھے معتضد کے سپاہیوں نے ککڑیاں توڑ لیں' کھیت کے مالک نے شور مچایا' معتضد کو خبر ہوئی تو اس نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم ککڑیاں توڑنے والوں کو پہچانتے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ معتضد نے کہا ان کو پہچان کر بتاؤ' اس نے تین آدمیوں کو بتایا' معتضد نے ان کو قید کرا دیا' صبح لوگوں نے تین لاشیں پھانسی پر آویزاں دیکھیں' اس پر بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں کہ ایک معمولی جرم میں پھانسی پر لٹکا دینا بڑی زیادتی ہے ایک شخص نے دبی زبان سے ڈرتے ڈرتے معتضد سے کہا' اس نے کہا کہ ککڑی کے چوروں کو پھانسی نہیں دی گئی ہے وہ قید ہیں' تین قاتل جن پر قصاص واجب تھا' قید تھے' میں نے راتوں رات آدمی بھیج کر ان کو قید خانہ سے منگوا کر پھانسی دلوائی ہے اور فوجی سپاہیوں کو ڈرانے کے لیے مشہور کر دیا کہ چوروں کو پھانسی دی گئی' تاکہ ان کو رعایا کے مال پر دست درازی اور ان پر زیادتی کرنے کی جرات نہ ہو' اور ان تینوں آدمیوں کو جنہوں نے ککڑیاں چرائی تھیں' قید

سے نکلوا کر دکھایا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۸۶)

اس سخت گیری کے ساتھ اس کی نرمی کے واقعات بھی ملتے ہیں' ایک مرتبہ چند آوارہ بدمعاش اس کے سامنے پیش کیے گئے' جو فسق و فجور میں منہمک رہتے تھے' وزیر نے ان کو سولی پر لٹکانے اور آگ میں زندہ جلانے کا مشورہ دیا' معتضد نے کہا تم نے اس سنگدلانہ مشورہ سے میرا غصہ ٹھنڈا کر دیا' رعایا حاکم کے پاس خدا کی امانت ہے اس کی اس سے بازپرس ہو گی اور سزا کے بارہ میں وزیر کے مشورہ پر عمل نہیں کیا۔

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک خادم پشت پر کھڑا مگس رانی کر رہا تھا' اتفاق سے مرجھل معتضد کے سر پر زور سے لگ گیا اور اس کی ٹوپی گر گئی' لوگ ڈر گئے کہ خادم کو معلوم نہیں کیا سزا ملے گی' معتضد نے ٹوپی اٹھا کر سر پر رکھ لی اور ایک دوسرے خادم سے کہا' یہ آدمی اونگھ گیا ہے اس کو آرام کرنے کے لیے بھیج دو اور کوئی دوسرا آدمی بلا لو' اور حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا' مگس ران اونگھ گیا تھا' بھول چوک سے غلطی کرنے والے پر عتاب و مواخذہ نہیں ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۹۱)

**ذاتی صفات** وہ بڑا نڈر' بے باک اور بہادر تھا' بہ نفس نفیس لڑائیوں میں نکلتا تھا اور عام فوج کے دوش بدوش لڑتا تھا' وصیف خادم کی بغاوت کا حال اوپر گذر چکا ہے۔ معتضد کو جس وقت اس کی بغاوت کی خبر ہوئی' اسی وقت وہ مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا' اس وقت اس کے جسم پر زرد عبا تھی' وصیف کو زیر کرنے کے بعد جب وہ انطاکیہ پہنچا تو لوگوں نے اس کو عباسی حکومت کے سرکاری سیاہ رنگ کے بجائے زرد لباس میں دیکھ کر تعجب کیا' اس کے ایک ہمراہی نے کہا کہ وہ اسی لباس میں بغداد سے نکلا تھا' مشغولیت کی وجہ سے بدل نہ سکا۔ (ابن اثیر ج ۷ ص ۱۸۳)

علمی استعداد معمولی تھی' لیکن شعر و ادب کا مذاق رکھتا تھا' خود بھی شعر کہتا تھا' سیوطی نے اس کے اشعار نقل کیے ہیں۔

# ابو محمد علی بن معتضد الملقب بہ مکتفی باللہ

## ۲۸۹ھ تا ۲۹۵ھ مطابق ۹۰۲ء تا ۹۰۸ء

معتضد کی وفات کے بعد اس کا لڑکا مکتفی باللہ خلیفہ ہوا' یہ ایک ترکی خاتون جیجک کے بطن سے تھا' معتضد کی وفات کے وقت مکتفی رقہ میں تھا' معتضد کے وزیر قاسم بن عبداللہ نے بغداد میں اس کی بیعت لی اور مکتفی باپ کی وفات کے چودہ پندرہ دن بعد دارالخلافہ واپس آ کر جمادی الاول ۲۸۹ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا' اس وقت ۲۶'۲۵ سال کی عمر تھی۔

**بدر معتضدی کا قتل** معتضد کا نامور غلام ابو النجم بدر حامی معتضدی دور کا بڑا جلیل القدر امیر اور تمام امرائے شاہی میں نہایت ممتاز درجہ رکھتا تھا' مختلف اوقات میں متعدد بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہا ایک زمانہ میں بغداد کا شحنہ تھا' فوج کے تمام اختیارات اسی کے ہاتھوں میں تھے' معتضد کی وفات کے وقت فارس کا والی تھا' لیکن اس عروج کے باوجود اس میں ترکی امراء جیسی خود سری نہ تھی اور وہ ہمیشہ اپنے کو معتضد کا ادنیٰ غلام تصور کرتا رہا اور اس کی یہ خیر خواہی اس کے قتل کا سبب بنی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ معتضد کی زندگی میں وزیر قاسم بن عبداللہ نے اس کی نسل سے خلافت نکالنے کی کوشش کی تھی بدر نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ میں اپنے آقائے ولی نعمت کے ساتھ نمک حرامی نہیں کر سکتا' فوجی اختیارات بدر کے ہاتھ میں تھے' اس لیے وزیر مذکور مجبور ہو گیا' معتضد کی وفات کے بعد قاسم کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر بدر نے اس راز کو فاش کر دیا تو اس کی خیر نہیں' اس لیے معتضد کے مرتے ہی اس نے مکتفی پر اپنی خیر خواہی کا سکہ جمانا شروع کر دیا' بدر اس وقت فارس میں تھا' قاسم نے دارالخلافہ میں مکتفی کی بیعت لی اور اس کی رقہ سے واپسی کے بعد اس کو بدر کی جانب سے بھڑکانا شروع کر دیا' قاسم کی خوش قسمتی سے مکتفی بدر سے خوش نہ تھا' اس لیے قاسم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا' اور مکتفی نے بدر کے ساتھ فارس میں جو امراء تھے' انہیں بلا

کر قید کر دیا۔ اور بدر کو لکھا کہ وہ فارس کے علاوہ اور جس مقام کی حکومت پسند کرے اس کو دی جاتی ہے اور وہ فارس چھوڑ کر وہاں چلا جائے' بدر نے کہلا بھیجا کہ در دولت پر اس کی حاضری ضروری ہے اور فارس سے بغداد روانہ ہو گیا' قاسم کو معلوم تھا کہ بدر کو اس کی سازش کا علم ہے اس لیے اسے بڑا خطرہ پیدا ہوا' اس نے ایک طرف قاضی ابو عمرو کو بدر کے منانے کے لیے بھیجا اور دوسری طرف اس کے قتل پر آدمی مامور کر دیئے' جنہوں نے راستہ ہی میں رمضان ۲۸۹ھ میں بدر کا خاتمہ کر دیا' اس کی وصیت کے مطابق اس کی لاش مکہ معظمہ لے جا کر دفن کی گئی۔ (یہ حالات طبری ج ۱۳ ص ۲۲۰۹ تا ۲۲۱۲ سے "ملخصاً" ماخوذ ہیں)

**شام پر قرامطہ کے مظالم** معتضد کے زمانہ میں شام پر قرامطہ کی یورش کا حال گذر چکا ہے' مکتفی کے زمانہ میں اس کا زور اور بڑھ گیا' شام کے طولونی حاکم طغج بن جف نے ایک نو عمر افسر بشیر کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا' قرامطہ نے شکست دے کر قتل کر دیا اور دمشق کا اتنا سخت محاصرہ کر لیا کہ یہاں کے باشندے مدافعت سے عاجز آ گئے' اس کی خبر بغداد پہنچی تو اہل بغداد نے مکتفی کو اس کی اطلاع دی' اس نے مدد بھیجنے کا وعدہ کیا' مصریوں نے علیحدہ امداد بھیجی ان سب نے مل کر ایک قرملی سردار شیخ یحیٰی اور اس کی جماعت کو قتل کیا۔

شیخ یحیٰی کے قتل کے بعد انہوں نے اس کے بھائی ابو العباس حسین کو اس کا جانشین بنایا۔ اس کے چہرہ پر ایک داغ تھا' جسے وہ خدا کی جانب سے نشانی بتاتا تھا' اور صاحب الشامہ یعنی نشانی والا کہلاتا تھا' اس نے اعراب کی ایک جماعت کو اپنی دعوت میں شامل کر کے پھر دمشق کا رخ کیا' اہل دمشق کے پاس مدافعت کا کوئی سامان نہ تھا اور ایک مرتبہ ان کو قرامطہ کا تجربہ ہو چکا تھا اس مرتبہ انہوں نے خراج دے کر صلح کر لی' دمشق کے بعد صاحب الشامہ حمص پہنچا' اہل حمص نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی اور یہاں حسین کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا' اور امیر المومنین کا لقب اختیار کیا اور اپنے چچیرے بھائی عبدالرحمٰن بن احمد کو ولی عہد بنا کر مدثر کا لقب دیا' حمص کے بعد معرۃ النعمان اور بعلبک پہنچا اور یہاں کی پوری آبادی کو جس میں بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں' بے دریغ قتل کر دیا' ایک آدمی بھی زندہ نہ چھوڑا' اس کے بعد سلیمہ کا رخ کیا' یہاں کے باشندوں نے پہلے مزاحمت کی

لیکن پھر اطاعت قبول کرلی' قرامطہ نے امان دینے کے بعد سلیمہ کی بھی پوری آبادی قتل کر دی' یہاں تک کہ جانوروں تک کو باقی نہ چھوڑا۔

ان مظالم سے ساری دنیائے اسلام میں اضطراب پیدا ہو گیا' شام اور مصر کے باشندوں نے بغداد جا کر مکتفی سے فریاد کی' وہ بھی بہت متاثر ہوا' اور ۲۹۰ھ میں خود قرامطہ کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گیا' اور امیر ابوالاغر کو دس ہزار فوج کے ساتھ آگے روانہ کر دیا' یہ حلب کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوا' صاحب الشامہ برابر خبریں لے رہا تھا' چنانچہ وہ دفعۃً پہنچ گیا اور شبخون مار کر ابوالاغر کی فوج کا بڑا حصہ برباد کر دیا' اس لیے وہ حلب روانہ ہو گیا' صاحب الشامہ نے تعاقب کیا' باب حلب پر دونوں کا مقابلہ ہوا' لیکن صاحب الشامہ پھر لوٹ آیا۔

اس دوران میں مکتفی رقہ پہنچ گیا' یہاں پہنچ کر اس نے محمد بن سلیمان کاتب کو قرامطہ کے مقابلہ پر مامور کیا' لیکن اس کی روانگی سے پیشتر امیر بدر نے جسے طولونی حکومت نے قرامطہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا' پہنچ کر صاحب الشامہ کو بڑی فاش شکست دی' ہزاروں قرملی مارے گئے جو زندہ بچے انہوں نے بادیہ کی راہ لی' دوسری طرف ان کے اصلی مرکز بحرین میں یہاں کے والی ابن بانو نے ان کے ایک قلعہ پر حملہ کر کے بہت سے قرملی گرفتار کیے اور قطیف میں ابو سعید جنابی قرملی کے ولی عہد کو قتل کر کے قطیف پر قبضہ کر لیا۔

۲۹۱ھ میں صاحب الشامہ اور سلیمان بن کاتب میں' جسے مکتفی نے اس کے مقابلہ پر مامور کیا تھا' معرکہ آرائی ہوئی' سلیمان نے صاحب الشامہ کو بڑی شکست فاش دی اور ہزاروں قرملی قتل و گرفتار کیے' صاحب الشامہ نے اپنے ولی عہد اور غلام مطوق کو لے کر کوفہ نکل جانا چاہا' مگر راستہ میں گرفتار کر لیا گیا اور مکتفی کے پاس رقہ بھیج دیا گیا' وہ اسے ساتھ لے کر بغداد واپس گیا اور بڑی دردانگیز سزائیں دے کر قتل کر دیا اور لوگوں کی عبرت کے لیے اس کی لاش بغداد کے پل پر آویزاں کرا دی۔

ایک قرملی سردار اسماعیل بن نعمان بچ کر نکل گیا تھا' مکتفی نے اسے امان دے دی اور وہ اپنی مختصر جماعت کے ساتھ بغداد حاضر ہو گیا' مکتفی نے اس کی بڑی مدارات کی اور اسماعیل نے اپنی جماعت کے ساتھ رحبہ مالک بن طوف میں سکونت اختیار کر لی'

تھوڑے دنوں تک تو یہ لوگ خاموش رہے' پھر عید الفطر کے قریب انہوں نے سازش کی کہ جب لوگ عید کی نماز میں مشغول ہوں تو رحبہ کو لوٹ لیا جائے' یہاں کے حاکم قاسم بن سیما کو خبر ہو گئی' اس نے ان سب کو پکڑ کر قتل کر دیا' باقی ماندہ مطیع ہو گئے۔

۲۹۳ھ میں قرامطہ نے پھر سر اٹھایا' اور ایک قرمطی عبداللہ بن سعید الملقب بہ نصر نے بنی زیاد کے ایک رئیس مقدام بن کیال کے ذریعہ بنی کلب اور بنی ملیس کے معمولی آدمیوں کو اپنی دعوت میں شامل کر کے شام کا رخ کیا' اس وقت یہاں کا حاکم احمد بن کیغلغ ایک مہم میں مصر گیا ہوا تھا' اس لیے میدان خالی پا کر نصر نے بصریٰ' اذرعات اور ثبتہ پر حملہ کر دیا اور یہاں کی پوری آبادی کو قتل و گرفتار کر کے اس کے کل سامان پر قبضہ کر لیا اس کے بعد دمشق کی طرف بڑھا' احمد بن کیغلغ کے نائب صالح نے ان کو روکنے کی کوشش کی' قرامطہ نے اسے شکست دے کر اس کی فوج کا بڑا حصہ ضائع کر دیا' جو لوگ بچ گئے انہیں امان دے کر قتل کر دیا۔ صالح بھی مارا گیا اور قرامطہ نے دمشق میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن اہل دمشق نے نہ گھسنے دیا' یہاں سے ناکام ہو کر نصر طبریہ پہنچا' طبریہ کے حاکم یوسف بن ابراہیم نے روکنے کی کوشش کی قرامطہ نے اسے بھی شکست دی اور امان دے کر قتل کر دیا اور طبریہ لوٹ کر یہاں کی پوری آبادی تہ تیغ کر ڈالی اور ان کی عورتوں کو پکڑ کر لے گئے۔

اس کی خبر بغداد پہنچی تو مکتفی نے حسین بن حمدان تغلبی کو فوج دے کر اہل شام کی مدد کے لیے بھیجا اس کی آمد کی خبر سن کر قرامطہ سماوہ چلے گئے' ابن حمدان نے کچھ دور تک ان کا تعاقب کیا' لیکن پھر راستہ کی مشکلات کی وجہ سے رحبہ لوٹ آیا' اس کی واپسی کے بعد قرامطہ نے ہیت پر حملہ کر کے بہت سے آدمیوں کو قتل اور گرفتار کیا اور جو مال و متاع ہاتھ لگا اس کو لوٹا' مکتفی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے امیر محمد بن اسحاق کو روانہ کیا' اس کے آنے کے بعد پھر قرمطی لوٹ گئے۔

ان کا مرکز بنی کلب کی آبادی میں تھا' اس لیے محمد بن اسحاق اور حسین بن حمدان دونوں بنی کلب کی طرف بڑھے' بنی کلب نے دیکھا کہ قرامطہ کی وجہ سے وہ خواہ مخواہ تباہ ہوں گے اس لیے ایک کلبی ذیب بن قاسم نے خود نصر کا سر قلم کر کے لے جا کر مکتفی کے حضور پیش کر دیا اس کے صلہ میں مکتفی نے اس کو انعام و اکرام سے نوازا' نصر کے

قتل کے بعد اس کی جماعت میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ آپس ہی میں لڑ گئے ایک جماعت نے قرملی عقاید سے توبہ کر کے مکتفی کے حضور میں معذرت کی' مکتفی نے اس کی معذرت قبول کرلی اور باقی قرامطہ کے استیصال کا تاکیدی حکم بھیجا۔

نصر کا قتل اور اس کی جماعت کی تفریق قرامطہ کے داعی اعظم ذکرویہ پر بہت گراں گزری' چنانچہ وہ اس کے خون کا انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور نصر کی بقیہ السیف جماعت کے پاس کہلا بھیجا کہ میں عیدالاضحیٰ ۲۹۳ھ کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ کوفہ پر حملہ کروں گا' تم سب اس دن کوفہ پہنچ جاؤ' چنانچہ ٹھیک عیدالاضحیٰ کے دن جب مسلمان نماز پڑھ کر واپس ہو رہے تھے' کہ ذکروہ نے حملہ کر دیا۔ لیکن اہل کوفہ اور یہاں کے والی اسحاق بن عمران نے مل کر اس کو نکال دیا اور وہ ناکام قادسیہ لوٹ گیا۔

اسحاق بن عمران نے دارالخلافہ میں اس واقعہ کی اطلاع دے کر مدد مانگ بھیجی' مکتفی نے چند بہادروں کو منتخب کر کے فوج کے ساتھ روانہ کیا' قادسیہ میں ان کا اور قرامطہ کا مقابلہ ہوا بغدادی فوجوں نے ان کو پسپا کر دیا تھا' لیکن عین اس وقت ایک قرملی دستہ نے کمین گاہ سے نکل کر دفعتہ" حملہ کر دیا' بغدادی فوج اس کو نہ سنبھال سکی اور قرملیوں نے پوری فوج ختم کر دی اس میں سے بہت کم آدمی زندہ بچ سکے' اس تباہی کا مکتفی اور عام مسلمانوں کو بڑا صدمہ ہوا۔

۲۹۴ھ میں موسم حج کے اختتام کے بعد ذکرویہ حجاج کے قافلوں کی تلاش میں نکلا اور کئی قافلے جو حج سے فراغت کے بعد واپس جا رہے تھے' پورے کے پورے تہ تیغ کر دیئے' عورتوں تک کو زندہ نہ چھوڑا' ان کی عورتیں دم توڑنے والوں کو پانی پلانے کے بہانہ سے کشتوں کے انبار میں گھومتی تھیں' جس میں ذرا جان نظر آتی تھی اس کو مار ڈالتی تھیں' مکہ کے راستے کے تمام کنویں اور پانی کے حوض اور تالاب پاٹ دیئے' مقتول حجاج کی بے شمار دولت ان کے ہاتھ آئی۔

ان قافلوں کی اس دردناک بربادی سے مکتفی اور عام مسلمان بہت متاثر ہوئے اور مکتفی نے امیر وصیف اور بہت سے ممتاز فوجی افسروں کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ذکرویہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا' انہوں نے ایک خونریز جنگ کے بعد قرامطہ کو بڑی فاش شکست دی ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی' ذکرویہ خود زخمی ہو کر گرفتار ہوا اور وہ تمام مسلمان قیدی جو

ان کے ہاتھوں میں اسیر تھے' رہا ہوئے' حجاج کا لوٹا ہوا مال واپس ملا' ذکرویہ زخموں کے صدمہ سے مر گیا' اس کی لاش مکتفی کے ملاحظہ کے لیے بغداد بھیجی گئی' کچھ قرملی بچ کر شام نکل گئے تھے' حسین بن حمدان نے ان کا تعاقب کر کے خاتمہ کیا اور جہاں تک ہو سکا عراق سے ان کا استیصال کیا گیا۔ (یہ تمام حالات ابن اثیر ج ۷ ص ۱۷۲ '۱۷۴ '۱۷۷ سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

**طولونی حکومت کا خاتمہ** احمد بن طولون والی مصر حکومت عباسیہ کا بڑا وفادار امیر تھا' اس کے لڑکے خمارویہ نے معتضد کے ساتھ اپنی لڑکی بیاہ کر اس تعلق کو اور زیادہ استوار کر لیا تھا' لیکن خمارویہ کا لڑکا ہارون بڑا نااہل تھا' اس کی نا اہلی کی وجہ سے نہ صرف عباسی حکومت سے اس کے تعلقات خراب ہو گئے' بلکہ خود اس کے امراء اور اعزہ تک اس کے خلاف ہو گئے' چنانچہ بدر الحمامی اور امیر فائق طولونی نے' جو طولونی حکومت کی جانب سے شام کے حاکم تھے ہارون سے بد دل ہو کر عباسی امیر محمد بن سلیمان کو مصر پر فوج کشی کی دعوت دی اور اس پر قبضہ کرانے میں مدد دینے کا وعدہ کیا۔ (ابن اثیر ج ۷ ص ۱۷۶)

مکتفی ہارون سے خوش نہ تھا' وہ فوراً آمادہ ہو گیا اور ۲۹۱ھ میں محمد بن سلیمان نے بری اور امیر دمیانہ والی سرحد نے بحری سمتوں سے مصر پر فوج کشی کر دی اور طولونی امراء کو خلیفہ کی اطاعت کی دعوت دی اس دعوت پر بدر الحمامی' امیر وصیف بن صوار تگین اور امیر صافی وغیرہ بہت سے امراء ہارون کا ساتھ چھوڑ کر محمد بن سلیمان سے مل گئے اس لیے ہارون کو بھی مقابلہ کے لیے آمادہ ہونا پڑا' اور اس نے امیر وصیف' قطر منیر اور خصیب بربری وغیرہ کو دمیانہ کو روکنے کے لیے روانہ کیا۔ تینس میں دونوں کا مقابلہ ہوا' قطر منیر اور خصیب کو شکست ہوئی یہ شکست کھا کر دمیاط چلے گئے اور تینس پر دمیانہ کا قبضہ ہو گیا' اس کے بعد وہ دمیاط کی طرف بڑھا اور دوبارہ امراء کو مکتفی کی اطاعت کی دعوت دی' انہوں نے انکار کیا' اس لیے دمیانہ نے دمیاط پر حملہ کر دیا' خصیب اور قطر منیر شکست کھا کر گرفتار ہوئے اور ان کا بحری بیڑا دمیانہ کے قبضہ میں آ گیا۔

ہارون بن خمارویہ اب تک فسطاط میں تھا' دمیانہ کی پیہم کامیابیوں کو دیکھ کر اسے نکلنا پڑا چنانچہ وہ فسطاط سے عباسیہ آیا' لیکن امراء نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ اپنی ناکامی کا غم غلط کرنے کے لیے لہو ولعب میں مشغول ہو گیا۔

ہارون کی اس زبوں حالی کو دیکھ کر اس کے چچا شیبان اور عدی کو جو عرصہ سے اس کے خلاف تھے موقع مل گیا' انہوں نے ایک دن جب ہارون شراب کے نشہ میں چور تھا اس کو قتل کر دیا' یہ واقعہ صفر ۲۹۲ھ میں پیش آیا۔

ہارون کے قتل کے بعد شیبان نے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا' گو ہارون کی زندگی میں اکثر طولونی امراء اس کے خلاف تھے' لیکن اس کے قتل کو انہوں نے پسند نہیں کیا' اور اس کے بغض ہوا خواہ شیبان کے خلاف ہو گئے' چنانچہ امیر ملغ بن جف' امیر فائق' اور بعض دوسرے ممتاز امراء محمد بن سلیمان سے مل گئے' اور ان کو ساتھ لے کر فسطاط کی طرف بڑھا' دوسری طرف سے دمیانہ فسطاط کے ساحل پر لنگر انداز ہوا' شیبان ان کے مقابلہ کے لیے نکلا' اس وقت ان امراء نے بھی جو اس کے ساتھ رہ گئے تھے' اس کو چھوڑ دیا۔ اس لیے شیبان کو مجبور ہو کر محمد بن سلیمان کی اطاعت قبول کر لینی پڑی اور ربیع الاول ۲۹۲ھ میں فسطاط پر قبضہ ہو گیا اور یہاں مکتفی کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا' فسطاط پر قبضہ کے بعد محمد بن سلیمان نے طولونی خاندان کے تمام ارکان اور ان کے وابستگان دولت کو یہاں سے ہٹا کر نیا نظام قائم کیا اور مصر و شام سے طولونی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ (یہ حالات کتاب الولاۃ کندی ۲۴۴ تا ۲۴۸ سے ماخوذ ہیں)

**طاہر صفاری کا فارس پر قبضہ** اوپر معتضد کے حالات میں گذر چکا ہے کہ اسماعیل سامانی نے عمرو بن لیث الصفاری والی بجستان کو گرفتار کر کے معتضد کے حوالے کر دیا تھا۔ اور معتضد نے اس کا علاقہ اسماعیل کے متعلق کر دیا تھا' ۲۸۸ھ میں عمرو کے پوتے طاہر بن محمد عمرو بن لیث نے فارس سے طاہری حاکم نکال کر پھر فارس پر قبضہ کر لیا تھا' اور جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے معتضد نے اپنے غلام بدر کو فارس کا حاکم مقرر کر کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا' اس نے یہاں سے صفاری عمال کو نکال دیا تھا' مکتفی کے ابتدائی زمانہ میں بدر کے قتل کے بعد' جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' طاہر نے پھر مکتفی سے فارس کا ٹھیکہ لے لیا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۳۵۳)

**موصل میں آل حمدان کی حکومت کا آغاز** موصل کے کرد اور خارجی بڑے شورش پسند تھے' آئے دن یہاں بد امنی بپا رہتی تھی' یہاں آل حمدان تغلبی کا عرب خانوادہ بڑا با اثر تھا' اس لیے مکتفی نے موصل میں قیام امن کے لیے ۲۹۳ھ میں

ابوالہیجا' عبداللہ بن حمدان تغلبی کو پورے علاقہ موصل کا حاکم بنا دیا' اس وقت سے یہاں ہمدانی حکومت کی بنیاد پڑی۔

اس کے تقرر کے بعد ہی کردوں نے نینوی میں پھر تاخت و تاراج شروع کر دی' ابن حمدان نے خازر میں ان کا مقابلہ کیا' اس مقابلہ میں ایک حمدانی سردار مارا گیا' ابن حمدان کی قوت کمزور تھی۔ اس لیے وہ لوٹ گیا اور دربار خلافت سے امدادی فوجیں منگا کر ۲۹۴ھ میں دوبارہ مقابلہ کے لیے نکلا' کردوں کے کئی ہزار خانوادے جمع تھے' ابن حمدان کو دیکھ کر جبل سلق کی ایک گھاٹی میں چلے گئے' ابن حمدان ان کے تعاقب میں جبل سلق کی طرف بڑھا' ایک کرد سردار محمد بن بلال نے کہلا بھیجا کہ میں نے اطاعت قبول کر لی ہے اور عنقریب یرغمال میں اپنے لڑکوں کو حاضر کروں گا' یہ پیغام کہلا کر ایک جرگہ آذربائیجان روانہ کر دیا' ابن حملان کو شبہ ہوا' اس نے تعاقب کر کے چند آدمیوں کو قتل کیا باقی پورا جرگہ قلعہ کوہ پر چڑھ گیا اور ابن حمدان کو واپس آنا پڑا۔

آذربائیجان پہنچ کر کردوں نے جبل سلق میں اجتماع کیا تھا' اس لیے ابن حمدان نے بغداد سے امدادی فوجیں منگا کر پھر فوج کشی کی اور دشوار گذار کوہستانی سلسلہ کو منقطع کر کے جبل سلق پہنچا یہاں برف باری کی کثرت سے جانوروں کے لیے چارہ تک باقی نہ رہ گیا تھا' لیکن ابن حمدان ہمت نہ ہارا' کردوں میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے محمد بن بلال لوٹ گیا اور اس کا کل سامان ابن حمدان کے قبضہ میں آیا اور چند دنوں کے بعد اس نے اطاعت قبول کر لی' ابن حمدان نے ایک کرد کے علاوہ' جس نے پہلے مقابلہ میں ایک ہمدانی سردار کو قتل کیا تھا' باقی پورے جرگہ کو امان دے دی اور ابن حمدان کامیاب موصل واپس آیا' اس کی واپسی کے بعد کردی قبائل کی اطاعت کا سلسلہ برابر قائم رہا اور چند دنوں میں کامل امن و امان قائم ہو گیا۔ (ابن اثیر ج ۷ ص ۱۷۸ اور ابن خلدون ج ۳ ص ۳۵۶)

**فتوحات** مکتفی کے زمانہ میں ان اندرونی شورشوں کے استیصال کے ساتھ ساتھ بیرونی مہمات کا بھی سلسلہ قائم رہا' ۲۹۲ھ میں مکتفی کے غلام زرافہ نے اناطولیہ کے شہر انطاکیہ (ابن اثیر و ابن خلدون نے انطاکیہ لکھا ہے جو غالباً طباعت کی غلطی ہے اس لیے کہ انطاکیہ شام کا شہر ہے' جو خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں فتح ہو چکا تھا اور اس پر برابر قبضہ قائم رہا' انطاکیہ اناطولیہ کا ساحلی شہر ہے) پر حملہ کیا اور رومیوں سے بڑا سخت بحری معرکہ ہوا لیکن ان کو فاش

شکست ہوئی اور رومی بیڑا جو ساٹھ جہازوں پر مشتمل تھا' مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور ا نطاکیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا' اس مہم میں اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا کہ ایک ایک مسلمان سپاہی کو ایک ایک ہزار دینار ملا۔ (طبری ج ۳ ص ۲۲۵ و ابن اثیر ج ۷ ص ۱۷۶)

۲۹۳ھ میں اندورقس رومی نے مرعش پر حملہ کیا' اہل طرطوس اور مصیصہ کی ایک جماعت مدافعت میں کام آئی' مکتفی نے حاکم سرحد ابوالعشائر کو معزول کر کے رستم بن بردو کو اس کی جگہ مقرر کیا' اس نے بارہ سو مسلمانوں کو فدیہ دے کر رومیوں کی قید سے چھڑایا' اس سنہ میں رومیوں نے حلب کے ایک مقام قورس پر حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو قتل اور گرفتار کیا اور قورس کی جامع مسجد جلا ڈالی۔

(طبری ج ۳ ص ۲۲۵۰ و ابن اثیر ج ۷ ص ۱۷۷)

۲۹۴ھ میں ابن کیغلغ نے ایشیائے کوچک پر فوج کشی کر کے چار ہزار رومی گرفتار کئے ایک پادری نے اسلام قبول کیا' اسی سال ابن کیغلغ نے شکند فتح کیا اور لیس تک بڑھتا چلا گیا اور پچاس ہزار رومی گرفتار اور بہت سے قتل کیے' رومی سرحد کا محافظ اندورقس مسلمانوں سے مل گیا اور دو سو مسلمان قیدیوں کو لے کر اسلامی علاقہ میں نکل جانا چاہا' ایک رومی دستہ نے جو اس کی گرفتاری کے لیے آیا تھا' راستہ میں روکا' لیکن مسلمان قیدیوں نے ان سب کو قتل کر دیا' یہ دیکھ کر آس پاس کے رومی مقابلہ کے لیے جمع ہو گئے' مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی مدد کے لیے پہنچ گئے لیکن رومی لوٹ گئے' اور مسلمان اندورقس کو اپنی حفاظت میں لے کر آئے۔

(طبری ج ۳ ص ۲۲۵۰ و ابن اثیر ج ۷ ص ۱۸۲ و ابن خلدون ج ۲ ص ۳۵۷)

**وزارت** مکتفی کا پہلا وزیر قاسم بن عبید اللہ تھا' اس کے حالات معتضد کے زمانہ میں گزر چکے ہیں مکتفی کے زمانہ میں اس کو بڑا عروج حاصل ہوا' اس کی وفات کے بعد عباس بن حسن وزیر ہوا' آداب سلطانی کی واقفیت کے علاوہ اس میں اور کوئی خوبی نہ تھی' اسے امور مملکت سے کوئی سروکار نہ تھا شب و روز عیش و عشرت میں منہمک رہتا تھا' احکام کا نفاذ بھی اس پر بار تھا' سادے کاغذوں پر دستخط کر کے اپنے ماتحتوں کو دے دیتا تھا کہ ضرورت کے وقت اس کو کام میں لائیں اور اسے معمولی زحمت بھی نہ اٹھانا پڑے' اس لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے اس کا دور نہایت ناکام رہا' مقتدر کے زمانہ میں حسین بن

حمدان والی موصل نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ (الفخری ص ۲۳۴)

**وفات** ذیقعدہ ۲۹۵ھ میں مکتفی کا انتقال ہوا' امیر محمد بن طاہر کے محل میں اپنے باپ کے پہلو میں دفن کیا گیا' وفات کے وقت کل ۳۳ سال کی عمر تھی' مدت خلافت ۶ سال ۶ مہینے' مرض الموت میں اپنے چھوٹے بھائی جعفر الملقب بہ مقتدر باللہ کو ولی عہد نامزد کیا۔

**اوصاف** مکتفی طبعاً" نہایت نرم اور متحمل مزاج تھا' سختی و درشتی مطلق نہ تھی' عفوو درگذر کا مادہ اتنا غالب تھا کہ مجرموں سے بھی چشم پوشی کر جاتا تھا' اس نے معتضدی دور کی سخت گیری کے تمام آثار کو مٹا دیا تھا' معتضد نے مجرموں اور معتوب لوگوں کو سزا دینے کے لیے جس قدر تہہ خانے بنوائے تھے' مکتفی نے انہیں تڑوا کر مسجدیں بنوا دیں اور معتضدی دور کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا' معتضد نے اپنے محل ثریا کی تعمیر کے سلسلہ میں جن لوگوں کے باغات اور دکانوں کو لے لیا تھا' مکتفی نے انہیں واپس کر دیا' اور اس کی تلافی کے لیے نقد روپیہ علیحدہ دیا' اس نرمی اور لطف و کرم کی وجہ سے رعایا میں بہت زیادہ محبوب تھا اور ہر زبان سے اس کے لیے دعا نکلتی تھی۔

(مروج الذہب ج ۷ ص ۲۲۵ و تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۸۵)

ان ذاتی فضائل اخلاق کے علاوہ اس کو اوصاف جہانبانی سے کم حصہ ملا تھا' اس کے زمانہ میں معتضد کا قائم کیا ہوا وقار گھٹ گیا' لیکن معتضد نظام حکومت کو اس قدر مضبوط کر گیا تھا کہ مکتفی کے زمانہ میں اس میں کوئی نمایاں تغیر نہیں ہوا۔

# ابوالفضل جعفر بن معتضد الملقب بہ مقتدر باللہ

## ۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ مطابق ۹۰۸ء تا ۹۳۲ء

مکتفی باللہ اپنے چھوٹے بھائی جعفر بن معتضد کو ولی عہد نامزد کر گیا تھا' لیکن اس کی عمر کل ۱۳ سال کی تھی' اس لیے اکثر ارکان دولت اس کی بیعت کے خلاف تھے' مگر وزیر دولت عباس بن حسن خود غرضی کی بنا پر اس کی حمایت میں تھا' مکتفی کی وصیت موجود تھی اس لیے تمام عباسی امراء کے علی الرغم اس نے مقتدر کی بیعت کی رسم ادا کر دی اور ذیقعدہ ۲۹۵ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا عباس کو اس بیعت کا پہلا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اس نے حق بیعت کے نام سے بیت المال سے ایک بڑی رقم لے لی' یہ حق عباسی تاریخ میں پہلی مثال تھی۔

**مقتدر کی مخالفت اور عبداللہ بن معتز کی بیعت** لیکن مقتدر کی بیعت کے بعد بھی عباسی خاندان کے معمر اور تجربہ کار افراد اور اکثر افراد سلطنت اس کی مخالفت پر قائم رہے' ان کی کثرت و قوت کو دیکھ کر عباس کو بھی ان کی مخالفت کی جرات نہ ہوئی اور زبان سے اس کو ان کی ہم نوائی کرنی پڑی' اور امیر محمد بن داؤد' حسین بن حمدان والی موصل' قاضی احمد بن یعقوب' بدر العجمی' امیر وصیف' بن صوارتگین کاتب وغیرہ امراء نے مل کر مقتدر کو معزول کر کے عبداللہ بن معتز کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کر لیا' اس سے منصب خلافت قبول کرنے کی درخواست کی اس نے کہا بغیر کشت و خون کے لوگ مجھے خلیفہ مان لیں تو مجھے اس کے قبول کرنے میں عذر نہ ہو گا' امرائے سلطنت نے یقین دلایا کہ خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرے گا۔

عباس نے جب دیکھا کہ امراء درحقیقت مقتدر کو ہٹانے پر تلے ہیں تو پھر وہ ان کے خلاف ہو گیا امراء کو اس کی خبر ہو گئی اور قبل اس کے کہ عباس کی جانب سے کسی عملی مخالفت کا ظہور ہو' امیر حسین بن حمدان نے پہلے اس کو قتل کر دیا' اس کے بعد مقتدر کا قصہ چکانے کے لیے اس کی طرف بڑھا اس نے پھاٹک بند کرا لیے تھے اس لیے ابن حمدان

کو لوٹ آنا پڑا اور دوسرے دن اس نے عبداللہ بن معتز کو خلیفہ بنا دیا' مقتدر کے خواص کے علاوہ باقی تمام امراء اور ارکان سلطنت نے اس کی بیعت کرلی اور مرتضیٰ باللہ لقب دیا' اس نے محمد بن داؤد کو وزارت اور دوسرے امراء کو مختلف عہدوں پر ممتاز کیا۔

**ابن معتز کی شکست اور مقتدر کی بحالی** عبداللہ بن معتز کو خلیفہ بنانے کے بعد حسین بن حمدان نے مقتدر کو قصر خلافت خالی کرنے کا حکم دیا' اس نے ایک دن کی مہلت مانگی لیکن اتنی جلد خالی نہ کرسکا' دوسرے دن ابن حمدان پھر قصر خلافت پہنچا' یہاں مقتدر کا پورا عملہ اور محافظ موجود تھے' ان سے جنگ ہو گئی' لیکن پھر ابن حمدان کسی نامعلوم سبب سے بغداد چھوڑ کر موصل چلا گیا۔ سب سے زیادہ با اقتدار امیر یہی تھا' اس لیے اس کے الگ ہو جانے سے مقتدر کے حامیوں کا حوصلہ بڑھ گیا اور انہوں نے عبداللہ بن معتز کی فرودگاہ پر حملہ کر دیا اب عبداللہ کے حامیوں کی قوت کمزور پڑ چکی تھی اس لیے وہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ نکلے اور ابن معتز کو عبداللہ جصاص کے گھر میں پناہ لینی پڑی۔

اس انقلاب سے بغداد میں عام شورش بپا ہو گئی' لوگوں نے بغداد کے شحنہ ابن عمرویہ کو جو ابن معتز کا حامی تھا' نکال دیا اور اس کی جگہ مونس خازن شحنہ مقرر ہوا اور مقتدر تخت خلافت پر بحال ہو گیا' اس نے ان امراء کو جنہوں نے ابن معتز کی بیعت و حمایت کی تھی' گرفتار کر کے قید اور بعض کو قتل کرا دیا۔ اور علی بن محمد المعروف بہ ابن فرات کو منصب وزارت پر سرفراز کیا' اس درمیان میں ابن جصاص کے ایک خادم نے جس کے آقا کے یہاں ابن معتز روپوش تھا جاسوسی کر کے اس کو گرفتار کرا دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔

یہ انقلاب بھی عباسی تاریخ کے حیرت انگیز انقلابوں میں سے ہے' دولت عباسیہ کے اکثر ارکان مقتدر کے خلاف اور ابن معتز کے حمایت میں تھے' لیکن بغیر کسی ظاہری سبب کے یہ نقشہ بالکل الٹ گیا' اور آج تک اس کے اسباب ظاہر نہ ہو سکے۔ (یہ حالات تجارب الامم ابن مسکویہ ج اول ق آخر ص ۲ تا ۸ اور ابن اثیر ج ۸ ص ۳ تا ۵ سے "ملخصاً" ماخوذ ہیں)

مقتدر کی کمسنی اور نااہل امراء کی خود غرضی اور امور مملکت میں عورتوں کی مداخلت اور ان کے اقتدار کی وجہ سے اس کے زمانہ میں عباسی خلافت کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا اور اس کی حالت نہایت ابتر ہو گئی' اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔

**حسین بن حمدان کی گرفتاری اور قتل** مقتدر کی مخالفت میں' جن امراء نے حصہ

لیا تھا' ان میں سے اکثر قتل یا قید کر دیئے گئے تھے' لیکن حسین بن حمدان جو اس مخالفت میں سب سے زیادہ پیش پیش تھا' اب تک بچا ہوا تھا' اس لیے مقتدر نے اس کی گرفتاری کے لیے فوجیں بھیجیں اور اس کے بھائی ابوالہیجا والی موصل کو اس کی گرفتاری کا حکم دیا' دونوں میں جنگ ہوئی' مگر حسین گرفتار نہ ہو سکا' لیکن وہ زیادہ دنوں تک بچ نہ سکتا تھا اس لیے وزیر ابن فرات کے ذریعہ خطا معاف کرا کے مقتدر کے حضور میں حاضر ہوا' حسین نامور امیر تھا اس لیے مقتدر نے اس کی عزت افزائی کی اور اس کو قم و قاشان کا والی بنا دیا۔ (ابن اثیر جلد ۸ ص ۵) کچھ دنوں بعد دیار ربیعہ کا علاقہ بھی اس کے متعلق کر دیا گیا اور وہ ۳۰۳ھ تک ان مقامات کا حکمران رہا' ابن فرات بڑا ہوش مند وزیر تھا اس نے حسن تدبیر سے مقتدر کے مخالفوں کو بھی اس کا ہوا خواہ بنا دیا۔

چند برسوں کے بعد دوسرے وزیر علی بن عیسیٰ اور حسین بن حمدان میں پھر اختلاف پیدا ہو گیا اور ۳۰۳ھ میں وزیر مذکور نے حسین کو حکم دیا کہ وہ موصل اور اس کے متعلقہ علاقے عباسی عمال کے سپرد کر دے اس نے انکار کیا اس پر مقتدر نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں' حسین شکست کھا کر مع اہل و عیال کے گرفتار کر کے بغداد حاضر کیا گیا' اس کی گرفتاری کے بعد مقتدر نے اس کے بھائی ابوالہیجاء حمدانی اور دوسرے بھائیوں کو بھی گرفتار کر کے قید کر دیا' دو سال بعد ۳۰۵ھ میں ابوالہیجاء کو رہا اور حسین کو قتل کر دیا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۳۶۸ علی بن سعلوک ابتداء میں رے پر غاصبانہ قابض ہو گیا تھا لیکن پھر خلافت بغداد سے اس کا ٹھیکہ لے لیا تھا' علی بن سعلوک کے بعد یہ ٹھیکہ اس کے لڑکے محمد کی طرف منتقل ہو گیا تھا)

**امیر ابن ابی الساج کی بغاوت اور گرفتاری** ۳۰۴ھ میں امیر یوسف بن ابی الساج والی آرمینیہ و آذربائیجان کے دل میں توسیع حکومت کا جذبہ پیدا ہوا' اس نے یہ مشہور کر کے کہ مقتدر نے اس کو رے کی حکومت بھی دے دی ہے' یہاں کے سامانی والی محمد بن سعلوک کو نکال کر رے' قزوین' زنجان اور ابہر پر قبضہ کر لیا اور وزیر ابن فرا کو لکھ بھیجا کہ سابق وزیر علی بن عیسیٰ نے مجھے ان مقامات کی حکومت کا پروانہ دے دیا تھا اور میں نے بڑی مشکلوں سے اس کو غاصبوں کے قبضہ سے نکالا ہے۔

مقتدر نے یوسف کی اس جسارت کو پسند نہ کیا اور علی بن عیسیٰ سے پوچھا' اس نے

انکار کیا اس لیے ابن فرات نے یوسف کو لکھ بھیجا کہ تمہارا بیان بالکل جھوٹ ہے اور تمہارا یہ قبضہ بالکل غاصبانہ ہے اور اس کو نکالنے کے لیے فوجیں روانہ کیں' یوسف نے ان کو شکست دی دوبارہ پھر مقتدر نے امیر مونس کو روانہ کیا' یوسف میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے اس نے مقتدر کو رضا مند کرنے کی کوشش کی اور اس سے درخواست کی کہ رے کا علاقہ اس کے پاس رہنے دیا جائے' اس کے معاوضہ میں وہ فوجی اخراجات کے علاوہ سات لاکھ دینار سالانہ پیش کیا کرے گا لیکن مقتدر نے ان کو منظور نہ کیا اور مونس نے رے کا خراج وصول کر لیا اور مقتدر نے امیر وصیف بکتمر کو یہاں کا حاکم بنا دیا' یوسف نے جب دیکھا کہ اس کے پرانے علاقے بھی خطرہ میں پڑ جاتے ہیں تو اس نے پھر استدعا کی کہ کم از کم آرمینیہ اور آذربائیجان کو اس کے پاس رہنے دیا جائے وزیر ابن فرات نے بھی سفارش کی' مقتدر نے اس کی درخواست کی منظوری کے لیے بغداد میں اس کی حاضری ضروری قرار دی' اس وقت یوسف جان پر کھیل کر عباسی فوج کے مقابلہ میں آ گیا اور اسے شکست دے کر بہت سے افسر قتل و گرفتار کر لیے' مونس نے دوبارہ زنجان میں جنگی تیاری کی' یوسف نے جب دیکھا کہ مونس باز آنے والا نہیں ہے تو اس نے پھر مقتدر سے صلح کی درخواست کی اس نے پھر مسترد کر دی' اور مونس نے ۳۰۷ھ میں یوسف کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔

**رے میں بد نظمی اور نصر بن نعمہ سامانی کا قبضہ** مونس رے کا علاقہ دھوزان اور اصفہان و قم اور قاشان وغیرہ احمد بن معلوک کے متعلق کر کے بغداد لوٹ گیا' اس کی واپسی کے بعد یوسف کے غلام سبک نے آذربائیجان پر قبضہ کر لیا' مونس نے محمد بن فاروقی کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ سبک نے اسے شکست دے کر واپس کر دیا اور مقتدر سے دو لاکھ بیس ہزار دینار سالانہ پر آذربائیجان کا ٹھیکہ لے لیا' لیکن اس معاہدہ پر قائم نہ رہا۔

اس درمیان میں علی بن دھوزان کے چچیرے بھائی احمد بن مسافر والی رے کو قتل کر دیا' اس کی جگہ محمد بن سلیمان کا تقرر ہوا' احمد بن علی نے اسے بھی قتل کر کے رے پر قبضہ کر لیا۔ اور نصر حاجب کی سفارش سے مقتدر کو راضی کر کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار دینار سالانہ پر رے کا ٹھیکہ لے لیا۔ (یہ واقعات ابن اثیر ج ۸ ص ۳۱ و ۳۲ سے ملخصاً ماخوذ ہیں) لیکن

پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ دولت عباسیہ کے ایک مخالف ماکان ابن کاکی دیلمی سے مل گیا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۳۷۲)

اس بد نظمی کو دیکھ کر مقتدر نے یوسف بن ابی الساج کی خطاؤں سے درگذر کر کے ۳۱۰ھ میں اس کو آذربائیجان اور رے کا ٹھیکہ دے دیا۔ اس نے پہلے آذربائیجان پر قبضہ کیا' اس کے بعد احمد بن معلوک کو قتل کر کے رے کو اس کے قبضہ سے نکالا' چند دنوں کے بعد اہل رے نے اس کی غیر حاضری میں اس کے غلام مفلح کو رے سے نکال دیا' لیکن پھر یوسف نے اس پر قبضہ کر لیا' جب اس کی طاقت زیادہ بڑھی تو مقتدر نے اس کو توڑنے کے لیے ۳۱۴ھ میں کل مشرقی ممالک کا والی بنا کر اس کو ہجر میں ابو طاہر قرملی کے مقابلہ کا حکم دیا' دوسری طرف خفیہ نصر بن سامانی کو رے کی حکومت کا پروانہ بھیج دیا۔ جیسے ہی یوسف قرامطہ کے مقابلہ کے لیے ہٹا نصر بن احمد نے اس کے مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔
(اصل مسودہ پر حاشیہ نہیں ہے)

**صفاریہ کا خاتمہ** اوپر گذر چکا ہے کہ عمر بن لیس صفاری کے پوتے طاہر نے فارس پر قبضہ کر کے مکتفی سے اس کا ٹھیکہ لے لیا تھا' ۲۹۳ھ میں وہ سیر و تفریح کی غرض سے سجستان گیا' فارس کا میدان خالی پا کر اس کے چچا لیث نے اپنے غلام سبکری کے ذریعہ اس پر قبضہ کرا لیا' لیکن چند دنوں کے بعد وہ لیث سے قطع تعلق کر کے خود فارس کا حاکم بن بیٹھا' ۲۹۶ھ میں طاہر نے اس کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کی' سبکری نے اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا اور اسے اور اس کے بھائی یعقوب کو مقتدر کے حوالہ کر کے اس سے فارس کا باقاعدہ ٹھیکہ لے لیا' لیکن ایک ہی سال بعد ۲۹۷ھ میں لیث بن علی نے اس کو فارس سے نکال دیا۔

سبکری نے مقتدر سے باقاعدہ ٹھیکہ لے لیا تھا' اس لیے اس نے مونس کو سبکری کی مدد کے لیے بھیجا' اس نے شکست دے کر لیث بن علی کو گرفتار کر کے فارس سبکری کے حوالہ کر دیا۔ تھوڑے دنوں بعد اس نے بھی خراج دینا بند کر دیا' اس لیے پھر مونس اس کے مقابلہ پر مامور ہوا۔ اس نے سبکری اور مقتدر میں صلح کرانے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی' وزیر ابن فرات کو سبکری کے ساتھ مونس کی ہمدردی کا علم ہوا' تو اس نے اس کو واپس بلا کر محمد بن جعفر کو بھیجا' اس نے شکست دے کر سبکری کو فارس سے

نکال دیا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۳۶۵)

لیث بن علی کی گرفتاری کے بعد اس کا بھائی معدل بن لیث سجستان میں اس کا جانشین ہوا تھا لیکن اب صفاری حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی اس لیے ۲۹۸ھ میں اسماعیل سامانی نے فوج کشی کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۱۹)

**قرامطہ** مکتفی نے اپنے زمانہ میں قرامطہ کا زور توڑ دیا تھا' مقتدر کے زمانہ میں پھر عراق و شام میں بڑے زور شور سے اٹھے اور ۳۱۱ھ میں ابو طاہر قرملی نے بصرہ پر حملہ کر کے یہاں کے حاکم کو قتل کر دیا اور کامل سترہ دن تک شہر لوٹتا اور قتل عام کرتا رہا' ۳۱۲ھ میں حجاج کے ایک قافلہ کو لوٹ لیا۔ اور اکثر حجاج بھوک اور پیاس کی شدت سے مر گئے' اسی سنہ میں کوفہ پر حملہ کیا اور چھ دن تک اس کو لوٹتا اور قتل عام کرتا رہا' ۳۱۵ھ میں عراق میں ان کی شورش بہت بڑھ گئی' مقتدر نے یوسف بن ابی الساج کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا' ابو طاہر نے اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اور اس کا اثر بڑھتے بڑھتے بغداد تک پہنچ گیا' اس سے یہاں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی اور اہل شہر بغداد چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے' مقتدر نے فوراً امیر مونس مظفر کو کوفہ روانہ کیا' بحری فوج الگ بھیجی' لیکن یہ فوجیں بھی ناکام رہیں اور ابو طاہر ان کو شکست دے کر بغداد کی طرف بڑھا' یہ صورت دیکھ کر مونس خادم اور حمدانی امراء اس کو روکنے کے لیے نکلے۔ عباسی فوجوں پر قرامطہ کی ہیبت اتنی چھائی ہوئی تھی کہ انہوں نے بغیر لڑے میدان چھوڑ دیا' لیکن درمیان میں دریا حائل تھا اس لیے قرملی آگے نہ بڑھ سکے اور ابو طاہر انبار لوٹ آیا' مونس خادم نے چند ہزار فوج اس کے تعاقب میں بھیجی' ابو طاہر اسے بھی شکست دے کر ہتبہ پہنچا' یہاں سعید بن حمدان کا' جسے مقتدر نے بھیجا تھا سامنا ہوا۔ اس نے شکست دے کر ابو طاہر کو واپس کر دیا۔

۳۱۶ھ میں انہوں نے شام پر یورش کی اور دالہ اور حبہ پر قبضہ کر کے یہاں کی آبادی کو قتل کیا۔ مقتدر نے فوراً مونس مظفر کو رقہ بھیجا' اس وقت ابوطاہر خود رقہ پہنچ چکا تھا' لیکن یہاں کے باشندوں نے اسے پسپا کر دیا اور وہ سنجار پہنچا' یہاں کے باشندوں میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے انہوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور ابوطاہر پھر ہیت واپس ہوا' مگر یہاں کے باشندوں نے اسے واپس کر دیا۔ اور وہ کوفہ لوٹ گیا' مقتدر نے پھر ایک

فوج روانہ کی، لیکن معمولی جنگ کے بعد دونوں لوٹ گئے۔

سواد کے علاقہ میں ایک جماعت قرمطیوں کی ہم عقیدہ تھی، جو حکومت کے خوف سے اپنے عقیدہ کا اعلان نہ کرتی تھی، جب عراق میں قرامطہ کا زور بڑھا تو یہ جماعت حریث بن مسعود اور عیسیٰ بن موسیٰ کو سردار بنا کر میدان میں آ گئی، اور کوفہ کے سرکاری عمال کو نکال کر خراج وصول کر لیا اور موفقی علاقہ لوٹ کر یہاں کے باشندوں کو قتل و گرفتار کیا، مقتدر نے ہارون بن غریب اور صافی بصریٰ کو بھیجا، انہوں نے حریث اور عیسیٰ کو شکست دے کر سواد میں قرامطہ کا زور توڑ دیا۔

۳۱۷ھ میں ابو طاہر موسم حج میں مکہ پہنچا اور عین ترویہ کے دن حجاج پر حملہ کر کے ان کو قتل کیا اور ان کا مال لوٹا اور حجر اسود کو ہجر بھیج دیا خانہ کعبہ کا دروازہ اور اس کا میزاب اکھاڑنے کی کوشش کی، غلاف کعبہ اتار لیا اور مکہ کی پوری آبادی کو تاخت و تاراج کیا۔

قرملی اپنے کو اہل بیت نبویؐ کا داعی کہتے تھے اس لیے عبید اللہ المہدی فاطمی والی مغرب (فاطمیہ مصر) کو جب ان کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی بے حرمتی کی خبر ملی تو انہوں نے بڑی برہمی ظاہر کی اور ابو طاہر کو لکھ بھیجا کہ ہمارے شیعوں اور دعاۃ پر کفر و الحاد کا جو الزام لگایا جاتا ہے اس کو تم لوگوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا، اگر تم حجاج اور اہل مکہ کا مال ان کو واپس نہ کرو گے اور حجر اسود لا کر اس کی جگہ نصب نہ کرو گے اور غلاف کعبہ واپس نہ کرو گے تو میں دنیا و آخرت دونوں میں تم سے بری الذمہ ہوں، عبید اللہ کی مخالفت سے قرملی تحریک کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا اس لیے ان کا خط پانے کے بعد ابو طاہر نے حجر اسود منگا کر دوبارہ اسے نصب کر دیا اور جہاں تک ہو سکا لوٹا ہوا مال بھی واپس کیا لیکن غلاف کعبہ کے ٹکڑے تقسیم ہو چکے تھے اس لیے وہ واپس نہ ہو سکا۔

(یہ تمام حالات ابن اثیر ج ۸ ص ۶۵ سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

**دولت فاطمیہ کا قیام** اس وقت تک عباسی قلمرو میں طاہری، سامانی، صفاری، طولونی وغیرہ جتنی حکومتیں قائم ہوئی تھیں وہ سب خلافت بغداد کے ماتحت تھیں اور اس کی دینی مرکزیت اور سیادت کو مانتی تھیں، یا کم از کم سیاسی مصالح کی بنا پر ماننے پر مجبور تھیں، کیونکہ خلافت بغداد کی تصدیق کے بغیر کوئی حکومت باقاعدہ تسلیم نہیں کی جاتی تھی، مقتدر کے زمانہ میں مصر کی فاطمی حکومت کی بنیاد پڑی، جو نہ صرف خلافت بغداد کی سیادت سے

آزاد تھی' بلکہ اپنے نسب و خاندان میں اس کی حریف مقابل اور ایک فرقہ کی مذہبی مقتدا تھی اور آگے چل کر تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی ترقی میں بھی وہ عباسی حکومت کی مقابل بن گئی۔

اہل بیت نبویؐ کے ساتھ فاطمیہ کے انتساب کی صحت میں مورخین کا اختلاف ہے' اکثر مورخین اس نسبت کو صحیح سمجھتے ہیں صرف بعض اس کے منکر ہیں اور ان کو نصرانی یا یہودی النسل بتاتے ہیں۔ لیکن اکثریت کا فیصلہ صحت نسب کے حق میں ہے' ابن خلکان کا بیان ہے کہ اہل علم و محققین انساب ان کو صحیح النسب فاطمی سمجھتے ہیں۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۲۷۲) ابن خلدون بھی ان کی صحت نسب کا معترف ہے' لیکن ان کے نسب نامے جتنے ہیں وہ سب آپس میں مختلف ہیں اور ابو محمد عبیداللہ المهدی بانی دولت فاطمیہ سے لے کر حضرت علیؓ تک درمیانی پشتوں کے ناموں میں بڑا اختلاف ہے۔

ابن خلدون نے یہ نسب نامہ لکھا ہے' ابو محمد عبیداللہ المهدی بن محمد الجیب بن جعفر مصدق بن محمد مکتوم بن اسماعیل' بن جعفر صادق' (ابن خلدون ج ۳ ص ۳۶۰) شیعی مورخ ابن طقطقی کے نزدیک یہ سلسلہ نسب ہے' ابو محمد عبیداللہ المهدی بن احمد بن اسماعیل ثالث بن احمد بن اسماعیل ثانی بن محمد بن اسماعیل اعرج اول بن جعفر صادق' (الفخری ص ۲۸) لیکن زیادہ مشہور و متعارف نسب نامہ یہ ہے' ابو محمد عبیدالمهدی ابن محمد بن عبداللہ بن میمون بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق' جو مورخین صحت نسب کے منکر ہیں ان کے نزدیک نسب نامہ یہ ہے' سعید (عبیداللہ) بن حسین بن محمد بن احمد بن عبداللہ القداح وہ عبیداللہ المهدی کا نام سعید قرار دیتے ہیں اور سعید کو حسین کا صلبی لڑکا نہیں بلکہ و منکرا مانتے ہیں' یعنی حسین نے ایک یہودن بیوہ سے شادی کرلی تھی' جس کے پہلے شوہر سے ایک لڑکا تھا' حسین خود لاولد تھے' انہوں نے اس یہودی زادہ کو متبنٰی بنالیا تھا اور مرتے وقت اس کو اپنا جانشین بنا گئے' لیکن یہ روایت بہت ضعیف ہے' جمہور مورخین فاطمیہ کو صحیح النسب مانتے ہیں۔

بنی فاطمہ کی دعوت کوئی نئی دعوت نہ تھی' خلفائے راشدین کے زمانہ سے لے کر برابر ہوتی چلی آرہی تھی اور اہل بیت نبویؐ میں مختلف ائمہ کو ماننے والے بہت سے شیعی فرقے پیدا ہوگئے تھے جو اپنے اپنے سلسلہ امامت کی دعوت میں مصروف تھے' انہی میں

سے باطنیہ اسماعیلی تھے جو امام جعفر صادق کے بعد ان کے صاحبزادے اسماعیل کی امامت کے قائل تھے' اسی سے عبیدی فرقہ پیدا ہوا' جو عبیداللہ المہدی بن محمد بن جعفر مصدق بن محمد مکتوم بن جعفر صادق کی امامت کا قائل تھا' اس کے مبلغین مدتوں سے یمن' حجاز' بحرین' خراسان اور عراق وغیرہ میں دعوت میں مشغول تھے' اور ان مقاموں میں ان کی دعوت کافی پھیل چکی تھی' لیکن مغرب میں اس کا ظہور محمد الجیب کے زمانہ سے ہوا اور اس کی تکمیل عبیداللہ کے زمانہ میں ہوئی' اس دعوت کی تاریخ بہت طویل ہے اس کا مختصر حال پیش کیا جاتا ہے۔

فاطمی حکومت کے بانی عبیداللہ المہدی کے باپ محمد الجیب حمص کے ایک مقام سلیمہ میں رہتے تھے' ان کے سلسلہ کے جو لوگ شام کے مقدس مقامات کی زیارت کے لیے آتے وہ محمد الجیب کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے' وہ اس گوشہ عافیت میں بیٹھ کر مشرق و مغرب میں اپنی دعوت کرتے رہے' یمن اور مغرب میں ان کو زیادہ کامیابی ہوئی' ان کے ایک داعی رستم بن حسین بن حوشب نے سارے یمن میں ان کی دعوت پھیلا دی اور یمنی شیعوں کے ذریعہ یمن کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

یمن کے ساتھ ہی محمد الجیب نے مغرب میں ابوسفیان اور حلوانی دو داعی بھیجے تھے انہوں نے بربری قبیلہ کتامہ کو اس دعوت سے روشناس کیا' چند دنوں کے بعد ان دونوں کا انتقال ہو گیا' ان کے انتقال کے بعد یمن کے داعی' رستم بن حسین نے ایک یمنی داعی ابوعبداللہ حسن بن محمد المعروف بہ محتسب کو جو اس کام کے لیے نہایت موزوں شخص تھا' مغرب کا داعی مقرر کیا' حج کے سلسلہ میں مغربی قبائل مکہ آیا کرتے تھے' اس لیے حسن مکہ آگیا اور قبیلہ کتامہ کے معززین سے مل کر ان کے خیالات کا پتہ چلایا اور چند ہی دنوں میں حسن تدبیر سے ان کو اپنا گرویدہ بنا لیا' حج کے بعد جب ان کی واپسی کا وقت آیا تو انہوں نے حسن سے پوچھا کہ وہ کہاں کا ارادہ رکھتا ہے' اس نے مصر کا ارادہ ظاہر کیا' دونوں کا راستہ ایک تھا' اس لیے بنی کتامہ نے مصر تک اپنے ساتھ چلنے کی خواہش کی' حسن ساتھ ہو گیا' مصر پہنچ کر انہوں نے اس کو اپنے وطن چلنے کی دعوت دی اس کا اصل مدعا یہی تھا' اس لیے ساتھ ہو گیا اور راستہ میں مغرب کے قبائل کے حالات سے پوری واقفیت حاصل کر لی' ۲۸۰ھ میں وہ مغرب پہنچا' وہ قبیلہ کتامہ کو اتنا گرویدہ بنا چکا تھا کہ مغرب پہنچنے کے بعد ان

میں سے ہر شخص نے اس کو اپنا مہمان بنانا چاہا اور اس کے لیے بڑی کشمکش پیدا ہو گئی' حسن نے اس کو کسی طرح رفع کیا۔ (کتاب المونس ص ۱۵)

ابن العذاری کا بیان ہے کہ مغرب پہنچنے کے بعد حسن بنی کتامہ کے سردار کا مہمان ہوا' وہ اس سے بہت متاثر تھا' اپنے لڑکے کی تعلیم اور مسجد کی امامت اس کے سپرد کر دی' اس نے بڑی دلسوزی سے تعلیم دی' سردار مذکور نے اس کے صلہ میں اس کو چالیس دینار دیئے اور رقم کی کمی پر معذرت ظاہر کی' اس وقت حسن نے اس سے کہا کہ میں معلم نہیں ہوں اور خود اس کو پانچ سو دینار کی تھیلی دے کر اصل مدعا ظاہر کیا اور اس کے سامنے فاطمی دعوت پیش کی' سردار مذکور اسے قبول کر کے خود اس کا مبلغ بن گیا' اس کی کوشش سے بہت سے مغربی اس دعوت میں شامل ہو گئے' چند دنوں کے بعد شیخ کا وقت آخر ہو گیا اور وہ اپنے اہل خاندان کو حسن کی امداد و اعانت کی وصیت کرتا گیا۔ (ابن العذاری نے یہ واقعات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں ہم نے صرف ان کا خلاصہ نقل کیا ہے' دیکھو کتاب مذکور ص ۱۷۲ تا ۱۷۵)

شیخ کے بعد حسن نے اپنا کام بدستور جاری رکھا' اس سلسلہ میں اس کی مخالفت بھی ہوئی خود قبیلہ کتامہ کے کچھ افراد اس کے قتل پر آمادہ ہو گئے' لیکن وہ اپنے کام میں سرگرمی کے ساتھ مصروف رہا' اسی زمانہ میں اس کو ایک اور مددگار حسن بن ہارون مل گیا' یہ اس کو اپنے ساتھ جبل ایکجان لے گیا اور حسن نے تازروت کو اپنا مرکز بنایا اور چند دنوں میں اپنے مخالفین کو مغلوب کر کے اپنی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۳۶۲)

یہ ابراہیم بن احمد اغلبی والی مغرب کا زمانہ تھا' حسن کا حال سن کر اس نے اس کی تحقیقات کرائی معلوم ہوا کہ وہ نیکی و عبادت کی تلقین کرتا ہے' اس لیے ابراہیم نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور حسن کی قوت چند دنوں میں اتنی بڑھ گئی کہ ابراہیم کے آخر زمانہ میں اس نے شہر میلہ پر قبضہ کر لیا' اس وقت ابراہیم کو اس کی جانب متوجہ ہونا پڑا اس نے اپنے بھائی احول کو حسن کے مقابلہ کے لیے بھیجا' اس نے حسن کو شکست دے کر میلہ اور تازروت میں آگ لگا دی اور حسن جبل ایک جان چلا گیا اور یہاں ایک بستی آباد کر کے اس کا نام دار الہجرت رکھا۔

۲۸۹ھ میں ابراہیم اغلبی کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا عبداللہ جانشین ہوا' چند ہی دنوں کے بعد اس کے لڑکے زیادۃ اللہ نے سازش کر کے باپ کو قتل کرا دیا' اور خود اس کی

جگہ حاصل کرلی' یہ بالکل نا اہل تھا' رات دن لہو و لعب اور عیش و عشرت میں منہمک رہتا تھا اس لیے حسن کو آزادی کے ساتھ فاطمی تحریک پھیلانے کا موقع مل گیا۔

اسی زمانہ میں محمد الحبیب کا انتقال ہو گیا اور ان کے لڑکے عبیداللہ المہدی ان کے جانشین ہوئے' یہ اب تک شام ہی میں تھے' اس وقت مغرب کے بڑے حصہ میں فاطمی دعوت پھیل چکی تھی' اس لیے حسن نے عبیداللہ کو مغرب بلا بھیجا' اس دوران میں مشرق میں بھی فاطمی تحریک کا شہرہ پہنچ چکا تھا' گو اس کا مرکز مغرب تھا' لیکن درحقیقت یہ تحریک خلافت بغداد کے مقابلہ میں تھی' اس لیے مکتفی باللہ (یہ مکتفی کا زمانہ تھا) نے عبیداللہ کی گرفتاری کا فرمان جاری کر دیا۔ مغرب سے ان کے پاس دعوت آ چکی تھی اس لیے وہ حسن کے بھائی ابوالعباس کے ساتھ شام سے مغرب روانہ ہو گئے' عیسیٰ نوشری والی مصر کے نام بھی مکتفی کا فرمان پہنچ چکا تھا' وہ عبیداللہ کی تلاش میں تھا' اس لیے مصر پہنچتے ہی وہ گرفتار کر لیے گئے' لیکن پھر نوشری نے ان کو رہا کر دیا۔ اور وہ تاجروں کے بھیس میں مغرب کی طرف چل کھڑے ہوئے' یہاں زیادۃ اللہ مغرب کے تمام حکام کے نام ان کی گرفتاری کا حکم بھیج چکا تھا' وہ سب بھی اس کی تلاش میں تھے' اس لیے مغرب کے حدود میں داخل ہوتے ہی عبیداللہ کا ساتھی ابوالعباس گرفتار ہو گیا' لیکن وہ خود بچ گئے' اور سلجماسہ کے حاکم سیع بن مدرار کے پاس آ کر اس کے یہاں پناہ لی' جاسوسوں نے زیادۃ اللہ کو اس کی اطلاع دی' اس نے فوراً سیع کے نام فرمان لکھا' اس لیے اسے عبیداللہ کو قید کر دینا پڑا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۳۶۲ و ۳۶۳)

زیادۃ اللہ اگرچہ عیش و طرب میں غرق تھا' لیکن مغرب میں فاطمی تحریک کی روز افزوں ترقی اور حسن کی قوت کو دیکھ کر اسے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا اور اس نے اس کے مقابلہ کے لیے یکے بعد دیگرے کئی فوجیں بھیجیں' آخر میں خود بھی نکلا لیکن حسن کی قوت اب اتنی بڑھ چکی تھی کہ اس نے اغلبی فوجوں کو پیہم شکستیں دے کر بلزمہ' طنبہ' باغایہ' مراجنہ' تسطیلیہ وغیرہ کو فتح کر کے شمالی افریقہ کے بڑے حصہ کو زیر نگیں کر لیا اور یہاں کے بڑے بڑے بربری قبیلے اس کے تابع فرمان ہو گئے۔

۲۹۶ھ میں اس میں اور اغلبیوں میں آخری معرکہ ہوا' اس میں بھی مغربی فوجوں کو شکست ہوئی اور حسن نے اربس پر قبضہ کر کے کئی دن تک قتل عام کیا' صرف اربس کی

جامع مسجد میں تیس ہزار آدمی قتل ہوئے' زیادۃ اللہ اس وقت اپنے پایہ تخت رقادہ میں تھا' اس معرکہ کے بعد اس کی ہمت بالکل چھوٹ گئی' اور وہ مایوس ہو کر مغرب سے مصر چلا گیا' (ابن العذاری اور ابن خلدون نے ان لڑائیوں کی بڑی تفصیل لکھی ہے' ہم نے صرف اس کا خلاصہ نقل کیا ہے)

اربس کی شکست کے بعد اغلبی فوج کے سپہ سالار ابراہیم نے قیروان جا کر یہاں کے باشندوں کو حسن کے مقابلہ کے لیے ابھارا' لیکن ان کے دلوں پر اس کی اتنی ہیبت چھا گئی تھی' کہ وہ آمادہ نہ ہوئے اور ابراہیم کو یہاں سے نکال دیا۔ اسی دوران میں حسن کئی لاکھ فوج لے کر قیروان پہنچ گیا' اہل قیروان پہلے سے اس کے استقبال کے لیے تیار تھے' یہاں کے عمائد نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا' حسن نے ان کی اطاعت کیشی کے صلہ میں سب کو امان دے دی اور اہل قیروان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا۔

قیروان پر قبضہ کے بعد حسن رقادہ پہنچا' زیادۃ اللہ مصر جا چکا تھا' اہل رقادہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور حسن رجب ۲۹۶ھ میں رقادہ میں داخل ہو گیا' اور اغالبہ کے حبشی موالی کے علاوہ سب کو امان دے دی اور اغلبی خاندان کی کل دولت اور سازو سامان جسے زیادۃ اللہ ساتھ نہ لے جا سکا تھا۔ حسن کے قبضہ میں آیا۔

رقادہ پر قبضہ کے بعد حسن نے یہاں شیعی رسوم و شعار جاری کیے' فجر کی اذان میں **الصلوۃ خیر من النوم** کے بجائے **حی علی خیر العمل**" داخل کیا' خطبوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ پنجتن پر صلوۃ و سلام بھیجنے اور حضرت علیؓ کے مخالفین اور صحابہ کرام سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ تراویح کو بند کر دیا اور قبیلہ کتامہ کے اکابر کو شیعیت کی تبلیغ اور دوسرے اسلامی فرقوں سے تبری پر مامور کیا' ان کوششوں سے مغرب میں بڑی سرعت سے شیعیت پھیل گئی۔ (البیان المغرب ص ۲۰۵ تا ۲۰۹ ملخصاً")

عبیداللہ اس وقت تک سلجماسہ میں قید تھے' رقادہ پر قبضہ کے بعد حسن کئی لاکھ فوج کے ساتھ سلجماسہ روانہ ہوا' اس کی شوکت و عظمت دیکھ کر مخالف قبائل گھبرا گئے' اور انہوں نے بغیر کسی مزاحمت کے اس کی اطاعت قبول کر لی' لیکن یسع بن مدرار نے مقابلہ کیا' مگر اتنی بڑی قوت کا مقابلہ اس کے بس سے باہر تھا' اس لیے بڑی فاش شکست کھائی اور حسن نے سلجماسہ میں داخل ہو کر عبیداللہ اور ان کے لڑکے ابوالقاسم کو قید سے نکالا'

ان میں اور حسن میں یہ پہلی ملاقات تھی' عبید اللہ کو دیکھ کر حسن کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور وہ انہیں جلوس کے ساتھ خیمہ تک لایا' عبید اللہ سواری پر اور چپ و راست شیعی عمائد پاپیادہ جلوس میں تھے۔ حسن با آواز بلند آواز کرتا جاتا تھا' کہ ہمارے آقا یہی ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے بارہ میں اپنا وعدہ پورا کیا اور ان کو ان کا حق او . غلبہ عطا فرمایا۔

(البیان المغرب ص ۲۱۰ و کتاب المونس ص ۵۲)

سلجماسہ میں چالیس دن قیام کے بعد عبید اللہ ربیع الاول ۲۹۷ھ میں دو لاکھ کی فوج کے ساتھ رقادہ آئے' یہاں ان کی عام بیعت ہوئی اور افریقہ کے تمام منبروں پر ان کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور انہوں نے امیر المومنین مہدی لقب اختیار کیا' اس وقت تک خلفاء کے علاوہ اور کسی حکمران نے امیر المومنین کا لقب اختیار نہیں کیا تھا' یہ گویا اس امر کا اعلان تھا کہ یہ نئی حکومت دینی حیثیت میں بھی خلافت عباسیہ کی حریف ہے' اس طرح خلافت بغداد سے آزاد ایک شیعی دینی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔

فاطمی حکومت کے قیام کے بعد مہدی نے کوشش کی کہ مراکش سے ادریسی حکومت کو ختم اور مصر کو عباسی حکومت سے آزاد کر کے سسلی سے لے کر مصر تک پورے مغرب میں فاطمی حکومت پھیلا دی جائے چنانچہ ۳۰۱ھ میں ان کے لڑکے ابو القاسم نے مصر پر حملہ کر کے برقہ' اسکندریہ اور فیوم پر قبضہ کر لیا' لیکن مشہور عباسی امیر مونس نے بہت جلد ان کو واپس لے لیا' ۳۰۲ھ میں پھر مہدی نے قبضہ کر لیا۔ لیکن پھر مونس نے واپس لے لیا' ۳۰۶ھ میں ابو القاسم نے تیسری مرتبہ فوج کشی کر کے صعید مصر کے چند مقامات پر قبضہ کر لیا' لیکن مصری اور عباسی فوجوں نے ان کے قدم نہ جمنے دیئے اور انہیں ناکام واپس جانا پڑا اور مقتدر کی زندگی میں مہدی کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔

**زیاری حکومت کا قیام** مقتدر کے زمانہ میں فاطمیہ کے علاوہ مشرق میں جرجان میں زیاری حکومت قائم ہوئی' اس کے مختصر حالات یہ ہیں۔

معتضد کے عہد میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ احمد بن اسماعیل سامانی نے محمد بن زید علوی والی طبرستان کو ختم کر کے طبرستان پر قبضہ کر لیا تھا محمد بن زید علوی کے قتل کے بعد اس خاندان کے ایک رکن حسن بن علی الملقب بہ اطروش کو طبرستان واپس لینے کی فکر ہوئی' اس مقصد کے حصول کے لیے دیلم جا کر یہاں تیرہ سال وہ اسلام کی اشاعت کرتے رہے'

ہزاروں دیلمی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ان کے ذریعہ انہوں نے سامانیہ کا مقابلہ کرنا چاہا لیکن طبرستان کے سامانی حاکم عبداللہ محمد کا طرز عمل دیالمہ کے ساتھ دوستانہ اور شریفانہ تھا' دیلم کے علوی بھی اس کے احسانات سے گراں بار تھے اس لیے اطروش کو کامیابی نہ ہوئی۔

ان کی خوش قسمتی سے اسماعیل سامانی نے ۳۰۱ھ میں عبداللہ بن محمد کو معزول کر کے سلام سامانی کو مقرر کیا' یہ دیالمہ کے ساتھ سیاست نہ برت سکا' انہوں نے اس کو طبرستان سے نکال دیا' اس لیے پھر عبداللہ بھیجا گیا' اس نے حالت سنبھالی' لیکن اس کا انتقال ہو گیا' اس کے انتقال کے بعد محمد بن ابراہیم کا تقرر ہوا' یہ سلام سے بھی زیادہ نا اہل تھا' اس نے اپنے طرز عمل سے دیالمہ کو مخالف بنالیا' اس وقت اطروش کو موقع مل گیا' انہوں نے دیالمہ کو محمد بن ابراہیم کے خلاف کھڑا کر دیا اور ان کی مدد سے اس کو شکست دی اور ۳۰۱ھ میں محمد بن ابراہیم کو نکال کر طبرستان پر قبضہ کر لیا' چار سال کے بعد ۳۰۴ھ میں سامانیوں نے اطروش کو قتل کر دیا۔

اطروش کے بعد ان کے داماد حسن بن قاسم المعروف بہ داعی ان کے جانشین ہوئے۔ انہوں نے دیلمی افسروں کی مدد سے سامانی حکومت کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ لیکن سامانیہ نے بہت جلد واپس لے لیے' حسن کا ایک دیلمی افسر اسفار بن شیرویہ سعید بن نصر سامانی سے مل گیا اس نے اس کو جرجان کا حاکم بنا دیا' جرجان کی حکومت ملنے کے بعد اسفار نے ایک دوسرے دیلمی سردار مرداویج بن زیار کے ذریعہ طبرستان کے بعض حصوں پر قبضہ کر لیا' حسن بن قاسم اس کو چھڑانے کے لیے آئے۔

حسن بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے' دیالمہ کو بھی وہ شریعت کا پابند بنانا چاہتے تھے' لیکن یہ آزادی کے خوگر تھے' جن کا احتساب ان کے لیے سخت گراں تھا' چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے ان کو ہٹا کر ان کے لڑکے کو تخت نشین کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور حسن نے سازش کرنے والوں کو قتل کرا دیا اس لیے بہت سے دیلمی سردار ان کے خلاف ہو گئے تھے اور انتقام کے لیے موقع کے منتظر تھے' حسن جب اسفار کے مقابلہ کے لیے نکلے تو دیلمیوں کو موقع مل گیا' انہوں نے عین میدان جنگ میں ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ قتل ہو گئے' اور ان کے مقبوضات پر اسفار کا قبضہ ہو گیا' حسن کے بعد

ان کے ایک افسر ہارون بن بہرام نے ان کے لڑکے ابو جعفر کو جانشین بنانا چاہا' لیکن اسفار نے ان دونوں کو گرفتار کر کے طبرستان سے علوی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

اس کامیابی کے بعد اسفار کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور اسے اپنی حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا' چنانچہ سب سے اول اس نے سامانیہ کا خطبہ بند کر دیا' لیکن نصر بن احمد سامانی نے اس پر فوج کشی کر دی اسفار نے "معلقہ" خراج دے کر اس وقت صلح کر لی اور مرداویج کو سمران الطرم کے فرمانروا سالار کی حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا' یہ سالار سے مل گیا' اسفار کے اکثر ساتھی اس کی سختی کے شاکی تھے' وہ بھی مرداویج کے ساتھ ہو گئے اور اسفار کی قوت بالکل ٹوٹ گئی' اور وہ بیہق بھاگ گیا' لیکن مرداویج کے آدمیوں نے تعاقب کر کے گرفتار کر لیا اور وہ قتل کر دیا گیا' اسفار کے قتل کے بعد مرداویج اس کے تمام مقبوضات کا مالک بن گیا اور اس کی قوت بہت بڑھ گئی اور اس نے چند دنوں میں ہمدان' دینور' قم' کاشان اور اصفہان وغیرہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔

اسفار کے برخلاف مرداویج کا طرز عمل دیالمہ کے ساتھ بڑا شریفانہ تھا' وہ ان کی دل جوئی کے لیے بڑی داد و دہش کرتا تھا' اس لیے ان کی بڑی تعداد مرداویج کے پاس جمع ہو گئی اور اس نے آس پاس کے علاقوں کی طرف قدم بڑھایا اور اپنے بھانجے کو ہمدان پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا لیکن عباسی فوج نے اسے فاش شکست دی اور وہ مارا گیا' مرداویج کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ خود ہمدان کی طرف بڑھا' اسے دیکھ کر عباسی فوج ہٹ گئی' ہمدانیوں نے تنہا مدافعت کی۔ لیکن مرداویج نے انہیں شکست دے کر ہمدان پر قبضہ کر لیا اور بڑی بے دردی سے یہاں کی آبادی کو قتل کیا' مقتدر کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے ہارون ابن غریب کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا' مرداویج نے اسے بھی شکست دی اور ہمدان کے پورے کوہستانی علاقے پر قبضہ کر لیا اور اس کی فوجیں دینور پر قبضہ کرتی ہوئی حلوان تک بڑھتی چلی گئیں اور چند دنوں میں اس نے اصفہان اور خوزستان پر بھی قبضہ کر لیا اور مقتدر سے دو لاکھ سالانہ پر باقاعدہ مفتوحہ علاقہ کا ٹھیکہ لے لیا' ۳۱۹ھ میں مقتدر نے اس کو اس کا والی بنا دیا اور جرجان میں باقاعدہ زیاری حکومت قائم ہو گئی۔ (یہ حالات ابن اثیر ج ۸ ص ۷۱ و ۷۲ سے "ملخصاً" ماخوذ ہیں' یہ حکومت ۳۱۹ھ میں قائم ہوئی اور ۴۳۰ھ میں مسعود غزنوی نے اس کا خاتمہ کیا' اس میں چھ فرمانروا ہوئے' مرداویج بن زیار' وشمگیر' بن زیار' بستون ابن وشمگیر'

قابوس بن وشمگیر، منوچہر بن قابوس، انوشرواں بن منوچہر)

**بیرونی مہمات** مقتدر کے زمانہ میں اندرونی انقلابات کے ساتھ ساتھ بیرونی مہمات اور رومیوں سے معرکہ آرائی کا بھی وسیع سلسلہ جاری رہا' ۲۹۶ھ میں مونس مظفر نے اناطولیہ پر فوج کشی کر کے رومیوں کی ایک جماعت گرفتار کی' ۲۹۹ھ میں حاکم سرحد رستم نے ارمنی علاقہ پر فوج کشی کی اور بلج ارمنی کا ایک قلعہ فتح کر کے اس کو جلا دیا' ۳۰۳ھ میں رومیوں نے جزیرہ کی سرحد پر حملہ کر کے حصن منصور کو لوٹ لیا اور طرطوس اور فراتی علاقہ پر تاخت کی اور بلج ارمنی نے نواح مرعش کو تاراج کیا' اس کے انتقام میں مونس نے بڑے اہتمام سے ملطیہ پر فوج کشی کر کے بہت سے قلعے فتح کیے اور مال غنیمت کی بڑی تعداد حاصل کی مقتدر نے اس کے صلہ میں اس کو خلعت سے نوازا۔

ان لڑائیوں کے سلسلہ میں طرفین کے بہت سے قیدی ایک دوسرے کے ہاتھ میں اسیر ہوئے تھے ۳۰۵ھ میں قیصر روم نے ان کی رہائی اور صلح کے لیے اپنے سفیر بغداد بھیجے' مقتدر نے خاص دربار منعقد کر کے انہیں شرف باریابی بخشا' مصالحت تو نہ ہو سکی لیکن قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ طے ہو گیا اور مقتدر نے مونس خادم کو ڈیڑھ لاکھ دینار فدیہ دے کر بڑے اہتمام سے مسلمان قیدیوں کی رہائی کے لیے بھیجا' لیکن طرفین میں معرکہ آرائی کا سلسلہ بدستور جاری رہا ۳۱۰ھ میں مونس نے کئی رومی قلعے فتح کیے' ۳۱۱ھ میں امیر البحر ثمالی نے بحری حملہ کیا' ۳۱۲ھ میں قیصر روم نے مقتدر کے پاس قیمتی ہدیے بھیج کر پھر صلح اور قیدیوں کی رہائی کی خواہش کی اس مرتبہ اس نے منظور کر لیا' لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد رومیوں نے مسلمانوں کی گرمائی فوجوں پر حملہ کر کے صلح توڑ دی اور ۳۱۴ھ میں دمستق اور ملیح کے ساتھ مل کر ملیطہ کا محاصرہ کر لیا' اہل شہر نے پوری قوت سے مدافعت کی اور ان کو شہر میں نہ داخل ہونے دیا' اس ناکامی کے غصہ میں رومیوں نے آس پاس کی آبادیوں کو ویران کر ڈالا اور مسلمانوں کی قبریں کھود کر لاشیں نکال لیں' ملیطہ کے باشندوں میں زیادہ مقابلہ کی طاقت نہ تھی وہ محض اپنی ہمت سے رومیوں کو روکے ہوئے تھے' ان کا جوش و خروش دیکھ کر انہوں نے دارالخلافہ سے مدد طلب کی' لیکن یہاں سے کوئی امداد نہ ملی' مگر رومی خود لوٹ گئے' ۳۱۵ھ میں پھر انہوں نے حملہ کیا اور شہر میں گھس کر اس کو لوٹا' جامع مسجد میں عین نماز کے وقت ناقوس بجایا' لیکن پھر مسلمانوں نے انہیں نکال دیا اور لوٹا

ہوا مال بھی واپس لے لیا' مقتدر کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے مونس خادم کو ملیطہ جانے کا حکم دیا' لیکن عین اس وقت جب روانگی کے انتظامات مکمل ہو چکے' مونس اور مقتدر میں کشیدگی پیدا ہو گئی' اور یہ مہم روانہ نہ ہو سکی اسی سنہ میں دمستق ایک بڑی فوج کے ساتھ دبیل پر چڑھ آیا' یہاں کے حاکم نصرابسکی نے ہرچند مدافعت کی' لیکن رومیوں کی آتشباری کی وجہ سے بس نہ چل سکا اور وہ شہرپناہ تک پہنچ گئے اور دیوار توڑ کر شہر میں داخل ہو گئے' لیکن مسلمانوں نے ان کو ٹکنے نہ دیا اور ایک خونریز جنگ کے بعد انہیں شکست دے کر واپس کر دیا۔

اس شکست کے غصہ میں دمستق نے رومیوں کا مذہبی جوش بھڑکا دیا اور انہوں نے ۳۱۶ھ میں بڑی تیاری کے ساتھ آرمینیہ پر فوج کشی کر کے خلاط کا محاصرہ کر لیا' یہاں کے باشندوں میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے انہوں نے صلح کر لی اور دمستق نے جامع خلاط کے منبر پر صلیب نصب کی' بدلیس میں بھی اس نے اسی مذہبی جنون کا ثبوت دیا' ان کی یورش دیکھ کر ارزن کے باشندوں نے بغداد جا کر مقتدر سے فریاد کی' لیکن یہاں کے حالات ایسے تھے' کہ کوئی مدد نہ ملی اور سرحدی علاقوں پر رومیوں کی یورش برابر بڑھتی گئی' یہاں کے باشندوں میں تنہا ان کو روکنے کی قوت نہ تھی اس لیے ۳۱۷ھ میں انہوں نے پھر مقتدر سے درخواست کی کہ ان کی مدد کی جائے ورنہ وہ رومیوں کی اطاعت قبول کر لینے پر مجبور ہو جائیں گے' لیکن مقتدر خود اپنی مصیبت میں مبتلا تھا اس لیے مدد نہ کر سکا اور ملیطہ' میافارقین' آمد اور ارزن وغیرہ کے باشندوں نے مجبور ہو کر رومیوں کی اطاعت قبول کر لی اور مذکورہ مقامات ان کے حوالہ کر دیئے' تاریخ اسلام میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں نے مدافعت سے مجبور ہو کر اسلامی علاقہ خود رومیوں کے حوالہ کر دیا۔

۳۱۹ھ میں طرطوس کے والی ثمالی اور رومیوں میں جنگ ہوئی اور رومی شکست کھا کر عموریہ میں جمع ہوئے' ثمالی بھی ان کے تعاقب میں عموریہ پہنچا' لیکن رومی منتشر ہو گئے' اور ثمالی انگورہ تک بڑھتا چلا گیا' اسی زمانہ میں ارمنوں اور رومیوں نے مل کر اسلامی ارمنستان پر فوج کشی کر کے خلاط اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو تاخت و تاراج کیا' اس کے انتقام میں امیر مفلح والی آذربائیجان نے ارمنی علاقے کو لوٹا اور بہت سے ارمنی قتل کیے اور رومیوں نے سمیساط کا محاصرہ کر لیا' لیکن سعید بن حمدان والی موصل مدد کے

لے پہنچ گیا اس لیے رومی لوٹ گئے' اس کے بعد سعید نے مقتدر کے حکم سے ملطیہ کو رومیوں کے قبضہ سے چھڑایا۔ (یہ حالات ابن خلدون ج ۳ ص ۳۸۴ تا ۳۸۶ اور ابن اثیر کے مختلف سنین سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

**مقتدر اور امیر الامراء مونس میں اختلاف** مقتدر کی خلافت کا آغاز اس کی مخالفت سے ہوا تھا' لیکن اس وقت خلاف امید حالات اس کے موافق ہو گئے تھے' اس لیے وہ تخت خلافت پر قائم رہ گیا' لیکن ترکی غلاموں کے غیر معمولی عروج اور ان کے بارہ میں مقتدر کی سیاست' نظام حکومت میں عورتوں کی مداخلت' حرم شاہی کے غیر معمولی مصارف' وزراء کی بد دیانتی اور امراء کی رشک و رقابت نے بالآخر انقلاب کے سامان پیدا کر دیئے اور مقتدر کو تخت خلافت سے اترنا اور آخر میں جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

مونس مقتدر کا ایک معمولی غلام تھا' اس نے اس کو بڑھاتے بڑھاتے امیر الامراء کے درجہ تک پہنچا دیا اور وہ تمام امور مملکت پر حاوی ہو گیا' پھر دونوں میں بد گمانی اور کشیدگی شروع ہو گئی' اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ ۳۱۵ھ میں مقتدر کے ایک خادم نے مونس کو اطلاع دی کہ وہ اس کو قتل کرانے کی فکر میں ہے' مقتدر کو اس کی خبر ہو گئی' اس نے مونس سے اس کی تردید کی' مونس نے اس کو یقین دلایا کہ اس کا اس نے کوئی اثر نہیں لیا اور وہ بدستور امیر المومنین کا ادنیٰ غلام ہے اور محض آقا و خادم میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے یہ شکایت کی گئی ہے۔

اس کے بعد ۳۱۹ھ میں مقتدر کے ماموں زاد بھائی ہارون بن غریب اور بغداد کے شحنہ نازوک کے درمیان ایک معمولی واقعہ پر اختلاف ہو گیا' نازوک نے مقتدر سے اس کی شکایت کی اس نے درمیان میں پڑنا مناسب نہ سمجھا' اس لیے ان دونوں نے خود ہی مقابلہ کر کے باہم فیصلہ کر لینا چاہا۔ مقتدر نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی' ہارون مقتدر کا عزیز تھا' اس لیے نازوک مقتدر سے بدگمان ہو گیا اور چونکہ وہ بغداد کا شحنہ تھا اس لیے ہارون کو بغداد چھوڑ کر ہٹ جانا پڑا۔

ہارون کے بغداد چھوڑنے کے بعد یہ افواہ اڑ گئی کہ مقتدر اس کو امیر الامراء بنانا چاہتا ہے۔ امیر الامراء اس وقت رقہ میں تھا' یہ افواہ سن کر فوراً بغداد واپس آیا' ایک مرتبہ دونوں میں بدگمانی کے اسباب پیدا ہو چکے تھے' اور ہارون مقتدر کا عزیز قریب تھا' اس لیے

مونس کو اس افواہ کے ماننے میں تامل نہ ہوا' چنانچہ بغداد واپس آنے کے بعد اس مرتبہ معمول کے مطابق وہ مقتدر کے پاس نہیں آیا اس لیے مقتدر کو بھی اس سے بدگمانی ہو گئی' اتفاق سے اسی زمانہ میں مقتدر نے ہارون کو واپس بلا کر قصر خلافت میں ٹھہرایا' اس سے مونس کا شبہ یقین کے درجہ تک پہنچ گیا اور دونوں میں علانیہ کشیدگی پیدا ہو گئی' امیر ابو الہیجا بن حمدان والی جبل اور دوسرے امراء کو جو مقتدر کے خلاف تھے اس کی اطلاع ہوئی تو وہ مونس کے ساتھ ہو گئے' اور ۳۱۷ھ میں مونس نے مقتدر کو لکھا کہ شاہی خدم و حشم اور حرم سلطانی کے بیجا مصارف' جاگیروں پر ان کے قبضہ و تصرف اور امور سلطنت میں ان کی مداخلت سے فوج میں برہمی ہے اس کا مطالبہ ہے کہ جاگیریں ان کے قبضہ سے نکال لی جائیں' خدم و حشم کو الگ کر دیا جائے اور ہارون بن غریب کو قصر خلافت سے نکال دیا جائے' مقتدر نے اس کا مفصل جواب دیا اور وعدہ کیا کہ جہاں تک ممکن ہو گا یہ مطالبات پورے کیے جائیں گے اور مونس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہارون بن غریب کو شام و جزیرہ کی سرحد کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔

**مقتدر کی معزولی اور دوبارہ حصول خلافت** لیکن اس سے بھی مخالفین کی تشفی نہ ہوئی اور محرم ۳۱۷ھ میں مونس نازوک' ابو الہیجا اور دوسرے امراء نے مقتدر اور اس کے اہل و عیال کو قصر خلافت سے گرفتار کر کے مونس کے محل میں قید کر دیا اور اس کے سوتیلے بھائی محمد کو خلیفہ بنا کر قاہر باللہ کا لقب دیا اور قاضی ابو عمرو مالکی کے سامنے مقتدر سے باقاعدہ خلافت سے دستبرداری لکھوا لی اور نازوک نے قصر خلافت کی شاہی فوج مصافیہ کو قصر چھوڑ دینے کا حکم دیا' اس سے مصافیہ میں بے چینی پیدا ہو گئی' اس نے نئے خلیفہ قاہر سے حق بیعت اور ایک سال کی تنخواہ کا مطالبہ کیا اور اس کی فرودگاہ پر حملہ کر دیا' قاہر نے نازوک کو سمجھانے کے لیے بھیجا' مصافیہ نے اس کو قتل کر دیا اور مقتدر کے نام کا نعرہ لگایا' اس ہجوم اور شورش کو دیکھ کر قاہری امراء بھاگ گئے' اور انہوں نے قصر خلافت کو چھوڑ دیا' ابو الہیجاء نے بھی نکل جانا چاہا' قاہر نے اس کا دامن تھام لیا کہ میں تمہارے سہارے پر ہوں اور تم مجھے دشمنوں کے حوالہ کیے دیتے ہو' ابو الہیجاء نے اس کو اطمینان دلایا کہ میں ساتھ نہ چھوڑوں گا' آپ بھی میرے ساتھ چلے چلئے میں اپنے قبیلہ کو لے کر آپ کی حمایت میں لڑوں گا' اور قاہر کو بھی ساتھ لے جانا چاہا' لیکن باہر مخالفوں کا ہجوم تھا' اس لیے

نہ جا سکا' اس دوران میں امیر مفلح نے جو مقتدر کا حامی تھا' حجریہ کو بھڑکا دیا کہ امیرالمومنین کے دشمنوں سے بدلہ لینے کا یہی موقعہ ہے' پھر ایسا موقعہ نہ ملے گا ابوالہیجاء کے پاس کوئی قوت نہ تھی اس لیے حجریہ نے پھاٹک توڑ کر اس کو قتل کر دیا۔

دوسری طرف مصافی فوج نے مونس کے محل پر حملہ کر کے مقتدر کو نکال لیا اور کندھوں پر بٹھا کر قصر خلافت میں واپس لے آئی اور قاہر کو پکڑ کے اس کے سامنے پیش کیا' اس کا خود کوئی قصور نہ تھا امراء نے زبردستی اس کو خلیفہ بنایا تھا' اس لیے مقتدر نے اس سے کوئی بازپرس نہیں کی اور اسے گلے لگا کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے' تم کو مجبور کیا گیا اس لیے میری طرف سے تم بالکل اطمینان رکھو' مجھ سے تم کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا اور اس کو اپنی ماں کے مکان میں نظر بند کر دیا' اس نے اس کو بڑی محبت سے رکھا اور اس کی راحت و آسائش کے تمام سامان مہیا کر دیئے۔ مقتدر کی واپسی کے بعد نازوک اور ابوالہیجا کے سروں کی تشہیر کی گئی' مقتدر نے تجدید بیعت کا فرمان جاری کیا' فوج کی تنخواہ تقسیم کی' خزانہ میں روپیہ کم تھا' اس لیے شاہی ساز و سامان بیچ کر فوج کو عطایا و انعامات دیئے اور امیر مونس بدستور اپنے عہدہ پر قائم رہا۔ (ابن مسکویہ اور ابن اثیر نے یہ واقعات بہت طویل لکھے ہیں' ان کا ضروری خلاصہ نقل کیا گیا ہے دیکھو تجارب الامم ج اق آخر ص ۱۸۹ و ابن اثیر ج ۸ ص ۶۲ تا ۶۵)

**امیر الامراء مونس اور حاجب یاقوت کا اختلاف** اس وقت تو مقتدر کو دوبارہ خلافت مل گئی۔ لیکن امیر مونس کی جاہ پسندی اور امراء و ارکان سلطنت کی خود غرضی اور رشک و رقابت کی وجہ سے دو ہی سال کے بعد پھر اختلافات شروع ہو گئے' عباسی امراء میں دو پارٹیاں تھیں اور دونوں ایک دوسرے کا زور توڑنے کی فکر میں رہتی تھیں' امیرالامراء مونس اور عباسی وزیر سلیمان ایک پارٹی کے سرغنہ تھے اور حاجب دولت یاقوت اور اس کا لڑکا محمد شحنہ بغداد دوسری پارٹی کے ۳۱۹ھ میں مقتدر نے احتساب کا عہدہ بھی محمد بن یاقوت کے متعلق کر دیا۔ اس سے اس کا درجہ بڑھ گیا' مونس پر یہ گراں گزرا' اس نے کہا احتساب کا عہدہ قاضی یا عدول سے متعلق ہونا چاہیے ابن یاقوت اس کا اہل نہیں ہے' مقتدر بے بس تھا' اسے مونس کے کہنے پر عمل کرنا پڑا لیکن اس پر بھی فتنہ نہ دبا اور فریقین اپنی اپنی جماعت لے کر نکل آئے اور مونس نے مقتدر کو مجبور کیا کہ وہ یاقوت اور محمد کو

ان کے کل عہدوں سے الگ کر کے بغداد سے دور ہٹا دے' اسے بھی مقتدر کو ماننا پڑا اور اس نے یاقوت کو کرمان و فارس اور محمد کو سجستان اور دوسرے لڑکے مظفر کو اصفہان کا والی بنا کر بھیج دیا اور اس کی جگہ ابراہیم رائق کو حاجب اور اس کے بھائی محمد کو بغداد کا شحنہ مقرر کیا۔

## مونس اور وزیر حسین قاسم اختلاف اور مونس کا فرار

مقتدر کے مصارف کی کثرت حرم سلطانی کے اسراف اور محاصل کی قلت کی وجہ سے حکومت کا مالی نظام بالکل بگڑ گیا تھا اس کی آمدنی مصارف کے لیے کافی نہ ہوتی تھی' تنخواہوں اور وظیفوں تک کی تقسیم میں دشواری پیش آتی تھی' اس لیے ۳۱۹ھ میں وزیر سلیمان بن وہب کو الگ کر کے اس کی جگہ ابوالقاسم کلو اذانی کا تقرر ہوا' لیکن یہ بھی حکومت کا میزانیہ نہ سنبھال سکا' تو حسین بن قاسم کو منصب وزارت تفویض ہوا' مونس کو اطلاع ملی کہ حسین بن قاسم اس کے مخالف فوجی افسروں سے مل کر اس کے خلاف سازش کرتا ہے' اس لیے اس کے درپے ہو گیا اور حسین کو اس کے شر سے بچنے کے لیے دارالخلافہ میں پناہ لینا پڑی' اس سے مونس کا غصہ اور تیز ہو گیا اور اس نے مقتدر پر زور ڈال کر حسین کو الگ کر دیا۔

حسین عالی دماغ شخص تھا' وہ ہمت نہ ہارا اور مونس کے مقابلہ میں آ گیا اور مقتدر کو یقین دلایا کہ مونس اس کے لڑکے ابوالعباس کو شام لے جا کر خلیفہ بنانا چاہتا ہے اور مونس کے مخالف امراء محمد بن یاقوت اور ہارون بن غریب اور غلمان حجریہ کو اپنے ساتھ ملا کر مونس کے خلاف ایسی فضا پیدا کر دی کہ اسے بغداد چھوڑ کر موصل جانا پڑا' راستہ سے اس نے اپنے غلام بشری کے ہاتھ مقتدر کے پاس ایک تحریر بھیجی اور تاکید کر دی کہ مقتدر کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ میں نہ پڑنے پائے' لیکن حسین کو معلوم ہو گیا' اس نے زبردستی خط چھنوا لیا اور غلام کو پٹوا کر قید کر دیا اور اس سے تین لاکھ اشرفی وصول کر کے اس کا گھر لٹوا دیا اور مونس اور جو امراء اس کے ساتھ گئے تھے' ان سب کی املاک اور جاگیریں ضبط کرا لیں' اس سے شاہی خزانہ میں بڑی دولت جمع ہو گئی' اس کارگذاری پر مقتدر نے حسین کو عمادالدولہ کے لقب سے نوازا اور سکوں پر اس کا نام نقش کروایا اور حسین نے ان تمام امراء کو جو مونس کے ساتھ تھے حکم دیا کہ وہ بغداد لوٹ آئیں اس حکم پر بہت سے امراء واپس آ گئے۔

**موصل پر مونس کا قبضہ** مونس اس غلط فہمی میں تھا کہ حسب معمول مقتدر اسے منا کر بلا لے گا۔ جب اس کو یہ حالات معلوم ہوئے تو وہ مایوس ہو کر موصل چلا گیا' حسین نے آل حمدان کو خط لکھ بھیجا کہ وہ اس کو اپنے حدود میں نہ داخل ہونے دیں' انہیں مقتدر کے ساتھ ابوالہیجا اور حسین بن حمدان کی بدسلوکی کی تلافی کا ایک موقع ہاتھ آ گیا اس لیے وہ تیس ہزار فوج لے کر مونس کے روکنے کے لیے بڑھے' اس نے کل آٹھ سو کی مختصر جماعت سے ان کو نہایت فاش شکست دی اور موصل پر قبضہ کر لیا۔

**بغداد پر فوج کشی** خود بینی اور جاہ پسندی کے ساتھ مونس میں یہ ایک بڑی خوبی تھی کہ وہ بڑا فیاض اور محسن تھا' اپنے زمانہ عروج میں اس نے لوگوں کے ساتھ بڑے احسانات کیے تھے' اس لیے موصل پر اس کے قبضہ کی خبر سن کر بغداد' شام اور مصر تک کے آدمی اس کے پاس پہنچ گئے' بغداد کی وہ فوجیں بھی جنہیں عرصہ سے تنخواہ نہ ملی تھی موصل چلی گئیں' مونس ان سب کو لے کر ۳۲۰ھ میں بغداد کی طرف بڑھا' مقتدر نے ابوالعلاء سعید بن حمدان اور صافی بصری کو مونس کے روکنے کے لیے سر من رائی اور محمد بن یاقوت کو معشوق روانہ کیا' اس دوران میں مونس تکفریت پہنچ گیا اور محمد بن یاقوت کی سپاہ اس کا ساتھ چھوڑ کر بغداد بھاگ گئی' اس لیے اس کو بھی لوٹ جانا پڑا' اور مونس بغداد پہنچ کر باب شماسیہ کے قریب ٹھہرا' اس کے آتے ہی بغداد میں بے چینی پیدا ہو گئی' عمال نے روپیہ بھیجنا بند کر دیا۔ مقتدر نے ہارون بن غریب کو مونس کے مقابلہ کا حکم دیا' اس نے عذر کیا کہ میری فوج میں زیادہ تر مونس ہی کے آدمی ہیں' کچھ دیلمی ہیں' جن پر مجھ کو مطلق اعتماد نہیں' وزیر دولت نے مجبور کر کے اس کو آمادہ کیا لیکن سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ خزانہ بالکل خالی تھا اور فوج بغیر روپیہ کے لڑنے کے لیے آمادہ نہ تھی' اس لیے مقتدر نے جنگ کی تیاری کے لیے واسط چلے جانے کا ارادہ کیا' محمد بن یاقوت نے روکا اور کہا کہ آپ خود مقابلہ کے لیے نکلیں' آپ کو دیکھنے کے بعد مونس کی فوجیں کبھی آپ سے لڑنے کی جرات نہ کریں گی اور اس کو چھوڑ کر آپ سے مل جائیں گی' وزیر نے بھی اس مشورہ کی تائید کی۔

**مقتدر اور مونس کا مقابلہ مقتدر کی شکست اور قتل** اس لیے بادل ناخواستہ

مقتدر کو آمادہ ہونا پڑا اور شوال ۳۲۰ھ میں وہ بڑے اہتمام سے مونس کے مقابلہ کے لیے نکلا' ردائے نبوی دوش پر تھی' جلو میں قراء و فقہاء کلام مجید کی تلاوت کرتے جاتے تھے' چاروں طرف فوجیں تھیں' پیچھے افسران فوج اور عمال حکومت کی قطار تھی' اس شان سے وہ رزم گاہ تک آیا' میدان جنگ کے قریب اس کو ایک بلند مقام پر کھڑا کر دیا گیا' مونس کی فوجیں پہلے سے تیار تھیں' دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی' مونس کی فوجوں کو متاثر کرنے کے لیے عباسی امراء نے تھوڑی دیر کے لیے مقتدر کو میدان جنگ میں لے جانا چاہا' لیکن اس پر اتنا خوف طاری تھا کہ اس کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا' بڑے اصرار کے بعد آمادہ بھی ہوا تو اس وقت جب کہ اس کا وقت گزر چکا تھا۔

محمد بن یاقوت نے بڑی شجاعت کے ساتھ مونس کا مقابلہ کیا اور اس کے بہت سے افسروں کو گرفتار کر لیا' لیکن تنہا اس کی شجاعت کام نہ آسکی اور مونس نے عباسی فوجوں کو پسپا کر دیا۔ اس وقت مقتدر میدان جنگ میں دکھائی دیا' لیکن اب اس کا آنا لاحاصل تھا' تاہم مونس کی فوج پر یہ اثر ہوا کہ اس کا ایک سردار علی بن بلیق مقتدر کو دیکھ کر فوراً اس کے پاس پہنچا اور زمین بوس ہو کر عرض کی کہ آپ کہاں جاتے ہیں فوراً واپس جائیے' جن لوگوں نے اس نازک وقت میں آپ کو نکلنے کا مشورہ دیا ہے' ان پر خدا کی لعنت ہو' مقتدر واپس جانا چاہتا تھا کہ مونس کی فوج کے آدمی پہنچ گئے' اور تلواریں لے کر مقتدر پر ٹوٹ پڑے وہ ہر چند چلاتا رہا کہ میں خلیفہ ہوں لیکن ان وحشیوں نے کوئی شنوائی نہ کی اور جواب دیا کہ ہاں ہم تم کو پہچانتے ہیں' تمہاری ہی تلاش تھی' تم ابلیس کے خلیفہ ہو اور زخمی کر کے زمین پر پٹک کر قتل کر دیا' سر جدا کر کے لکڑی پر آویزاں کیا' بدن کے کپڑے اتار کر عریاں لاش چھوڑ گئے' کسی نے دفن کرنے کی بھی ہمت نہ کی۔ ایک راہ گیر نے گڑھا کھود کر لاش زمین میں دبا دی اور ایک نااہل خلیفہ کا یہ عبرتناک انجام ہوا۔

مونس خود راشدیہ میں مقیم تھا' یہیں لے جا کر اس کے سامنے مقتدر کا سر پیش کیا گیا اس نے دیکھ کر ظاہرداری سے اپنا سر پیٹ لیا اور کہا مفسدو! اس کا تم کو کس نے حکم دیا تھا. اگر تمہارا یہ عذر نہ ہوتا کہ تم نے لاعلمی میں قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں تم سب کو قتل کرا دیتا اور اسی وقت قصر خلافت پر پہرہ بٹھا دیا کہ کوئی شخص اس کو ہاتھ نہ لگانے پائے' قتل کے وقت مقتدر کی عمر ۳۸ سال تھی' مدت خلافت ۲۵ سال۔

(یہ تمام واقعات طبری اور تجارب الامم سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

مقتدر سے پہلے متوکل بھی قتل کیا گیا تھا' لیکن اس کی نوعیت مقتدر کے قتل سے جداگانہ تھی' متوکل کے قتل میں خود اس کا لڑکا منتصر شریک تھا' براہ راست ترکوں کی جسارت کی یہ پہلی مثال تھی' اس کا اثر بہت برا ہوا' خلفاء کی عظمت بالکل جاتی رہی اور لوگوں میں ان کے مقابلہ میں اٹھنے کا حوصلہ بڑھ گیا۔

**وزارت** مقتدر کے زمانہ میں نظام خلافت بالکل برہم ہو گیا تھا' آئے دن انقلابات بپا ہوتے رہتے تھے' بار بار وزارتیں بدلتی تھیں' ایک ایک سال میں دو دو وزراء کی نوبت آ جاتی تھی۔

مقتدر کی تخت نشینی کے وقت مکتفی کا وزیر عباس بن حسن منصب وزارت پر تھا' اس کے قتل کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے اس کے بعد مقتدر نے ابوالحسن علی بن محمد بن موسیٰ بن فرات کو وزیر بنایا' اس کا خاندان علاقہ وجیل کا تھا' برمکی خاندان کی طرح اس خاندان نے بھی عباسیوں کے زیر سایہ بڑی ترقی کی اور فضل و کمال' خلق و شرافت اور فیاضی میں بڑی ناموری حاصل کی' ابوالحسن بھی ان موروثی اوصاف کا حامل اور تدبیر و سیاست میں ممتاز تھا' یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اکثر ارکان سلطنت مقتدر کے خلاف تھے' ابوالحسن نے حسن تدبیر سے رفتہ رفتہ ان کی مخالفت ختم کر دی' اس کے حسن سیاست کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے' کہ مقتدر نے دوبارہ تخت خلافت پر بحال ہونے کے بعد جب ابن فرات کو وزیر بنایا اور اس کے سامنے عباسی امراء کی وہ تحریریں جو انہوں نے مقتدر کی معزولی کے سلسلہ میں لکھی تھیں پیش کی گئیں تو اس نے انہیں بغیر پڑھے ہوئے جلوا دیا اور کہا اگر میں ان کو پڑھ لیتا تو دونوں کی نیتوں میں فتور آ جاتا اس صورت میں اگر میں ان امراء کو سزا دیتا تو سلطنت کے بہت سے ارکان ضائع ہو جاتے اور اگر چھوڑ دیتا تو بھی ان کے دل صاف نہ ہوتے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقتدر کے مخالفین بھی اس کے موافق ہو گئے' ابن فرات مختلف اوقات میں تین مرتبہ وزیر ہوا اور معزول کیا گیا۔ (الفخری ص ۲۳۹' ۲۴۰) آخری مرتبہ قرامطہ کی حمایت کے الزام میں اہل بغداد کے مطالبہ پر قتل کیا گیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۴۸)

ابن فرات کے بعد ابو علی محمد بن عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان کو منصب وزارت ملا' یہ اس عہدہ کے اوصاف سے بالکل معریٰ اور نہایت بدکردار اور راشی شخص تھا' عہدوں کی

تجارت کرتا تھا' اس کی رشوت کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک مرتبہ اس نے ایک دن میں انیس آدمیوں سے رشوت لے کر انہیں ایک ہی عہدہ پر مقرر کیا' جب یہ لوگ ایک دوسرے سے ملے تو یہ راز کھلا اور یہ فیصلہ ہوا کہ جس کا تقرر سب سے آخر میں ہوا ہو اس کو صحیح سمجھا جائے' باقی اٹھارہ آدمی اس کے پاس پہنچے' ابو علی ان سب سے رشوت لے چکا تھا اس لیے انہیں کسی نہ کسی کام میں لگانا پڑا۔ (الفخری ص ۲۴۱)

اپنی نا اہلی کی وجہ سے ۳۰۰ھ میں معزول کیا گیا اور اس کی جگہ علی بن عیسیٰ کا تقرر ہوا' یہ ذی علم اور بڑا دیندار وزیر تھا' عباسی تاریخ میں اس سے زیادہ متقی اور دیندار وزیر نہ گذرا تھا' حافظ قرآن تھا' حدیث میں بھی درک رکھتا تھا' حساب کا ماہر اور اہل علم کا قدردان تھا' صدقات و خیرات میں ہزاروں روپے صرف کرتا تھا' اس کی آمدنی اسی ہزار دینار سالانہ سے اوپر تھی' اس کا نصف حصہ اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر صرف کرتا تھا' اور نصف فقراء و مساکین پر' حکومت کی جانب سے بھی اس نے کار خیر کے لیے اوقاف کیے اور "دیوان البر" کے نام سے ان کا ایک خاص شعبہ قائم کیا' رعایا کی داد رسی کے لیے روزانہ صبح سے عصر تک اجلاس کرتا تھا' امور مملکت میں بھی تجربہ کار تھا' اس لیے انتظامی حیثیت سے بھی اس کا دور وزارت کامیاب رہا۔ (تاریخ خطیب ج ۲ ص ۱۴'۱۵ و الفخری ص ۲۴۲)

لیکن ابن فرات کی جماعت نے علی بن عیسیٰ کی جگہ پھر ابن فرات کو لانے کے لیے علی کو اتنا ستایا کہ اس نے کئی مرتبہ استعفاء پیش کیا' لیکن مقتدر منظور نہ کرتا تھا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۳۱) مگر خود مقتدر حرم سلطانی کے اثر میں تھا' خصوصاً اس کی ماں قہرمانہ ام موسیٰ حرم سے لے کر دربار تک حاوی تھی' وہ کسی بات پر علی سے برہم ہو گئی اور اس کی شکائتیں کر کے مقتدر اور اس کی ماں کو علی کے خلاف اتنا ورغلایا کہ اس نے ۳۰۴ھ میں اس کو معزول کر دیا۔ (الفخری ص ۲۲۴)

ابن اثیر اور ابن مسکویہ کا بیان ہے کہ علی بن عیسیٰ کی معزولی کے بعد ابن فرات وزیر بنایا گیا' لیکن الفخری کا بیان ہے کہ حامد بن عباس وزیر ہوا' اس میں کوئی اہلیت نہ تھی شکوہ و تجمل کا دلدادہ تھا' مزاج میں سختی اور غیظ و غضب غالب تھا' بڑی سنگدلی سے روپیہ وصول کرتا تھا' اس لیے چند دنوں کے بعد الگ کر دیا گیا اور محمد بن عبید اللہ کا دوبارہ تقرر ہوا لیکن چند ہی دنوں کے بعد اسے بھی علیحدہ کر دیا گیا اور ابو العباس' احمد بن عبد اللہ بن احمد

بن خصیب کا تقرر ہوا۔ اس کے بارہ میں مورخین کے بیانات بالکل متضاد ہیں' ابن طقطقی کا بیان ہے کہ وہ بڑا عاقل متدین اور ذی علم تھا' اخبار عرب کا خاص ذوق رکھتا تھا' فصیح و بلیغ اور خطاط تھا' سلطنت اور رعایا دونوں کے مال میں محتاط تھا' مقتدر کی ماں اس سے منحرف ہو گئی تھی اس لیے ۳۱۴ھ میں معزول کر دیا گیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۵۱) لیکن ابن مسکویہ اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ شرابی تھا' رات دن بدمست رہتا تھا' حکومت کا سارا کام اپنے نائبوں پر چھوڑ رکھتا تھا' مدتیں گذر جاتیں کاغذات پر نظر نہ ڈالتا' اس سے نظام حکومت میں ابتری پیدا ہو گئی اور وہ معزول کر دیا گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو کتاب مذکور ص ۹۰ و مابعد)

ابن خصیب کے بعد ابو علی محمد بن علی بن مقلہ وزیر ہوا۔ یہ بڑا فاضل ادیب اور اپنے عہد کا بڑا باکمال خطاط تھا' اس کے زمانہ میں اس فن میں کوئی اس کا مقابل نہ تھا' اس نے خط کوفی میں ترمیم کر کے ایک نیا خط ایجاد کیا اور اس کے حروف کے قواعد بنائے جو مخفف کہلاتا تھا' یہی خط ترقی کر کے خط نسخ کہلانے لگا کہ اس کی خوبصورتی اور پاکیزگی نے گذشتہ خطوں کو منسوخ کر دیا تھا' حاجی مرزا عبدالمحمد خان ایرانی مدیر چہرہ نے اپنی کتاب پیدائش خط و خطاطان میں ابن مقلہ کی خطاطی کے کمالات کی پوری تفصیل لکھی ہے۔

ابن مقلہ ابتداء میں کسی دفتر میں معمولی کلرک تھا لیکن آدمی ہونہار تھا ابن فرات کی وزارت کے زمانہ میں اس کے دامن سے وابستہ ہو گیا' ابن فرات کی قدر شناس نگاہ نے اس کو پیش کار بنالیا' پیشکاری کے زمانہ میں ابن مقلہ نے بڑی دولت کمائی اور بڑی شہرت و ناموری حاصل کی۔ اسی وقت سے اس کی نگاہ وزارت کے لیے اٹھنے لگی اور اس کے حصول کے لیے اس نے لاکھوں روپے صرف کیے' بالآخر ۳۱۶ھ میں اس کی یہ آرزو پوری ہوئی' لیکن اسے کل دو سال وزارت کا موقع ملا' ۳۱۸ھ میں معزول کر کے فارس جلاوطن کر دیا گیا' قاہر اور راضی کے زمانہ میں پھر اس کے دن پھرے اور دونوں خلفاء کے زمانہ میں اسے وزارت کا موقعہ ملا' لیکن اس کا انجام اچھا نہ ہوا۔ (الفخری ص ۳۴۲)

ابن مقلہ کے بعد ابوالقاسم سلیمان بن حسن مخلد وزیر ہوا' اس میں کوئی وصف نہ تھا' محض اتفاق وقت اور علی بن عیسیٰ کی سفارش سے اس کو یہ عہدہ مل گیا تھا۔ (ابن خلکان جلد ۲ ص ۶۱) اسی لیے وہ اس کو نہ سنبھال سکا اور اس کے زمانہ میں حکومت کی آمدنی بہت

گھٹ گئی، اخراجات پورے نہ ہوتے تھے، اور ہر طرف سے روپے کی مانگ تھی، یہ صورت حال دیکھ کر جن لوگوں کو محض اعزاز کے لیے وزارت کی تمنا تھی انہوں نے اخراجات کی ذمہ داری لے کر وزارت کی خواہش کی، چنانچہ ابوالقاسم کے بجائے عبیداللہ بن محمد کلواذانی کو یہ منصب ملا، لیکن یہ بھی مالیات کو نہ سنبھال سکا اور دولت مندوں سے استحصال زر کرنا پڑا، روپیہ کی قلت کی وجہ سے فوج بھی اس سے بگڑ گئی اس لیے وہ خود وزارت سے مستعفی ہو گیا۔ (الفخری ص ۲۴۹ و ابن اثیر ج ۸ ص ۷)

اس کے بعد حسین بن قاسم بن عبداللہ بن سلیمان وزیر مقرر ہوا، تو اس کے گھر میں چار پشتوں سے وزارت چلی آتی تھی، لیکن خود اس میں اس کی کوئی اہلیت نہ تھی، اس لیے وہ بھی ناکام رہا۔ اور ۳۱۹ھ میں معزول کیا گیا اس کی مدت وزارت کل سات مہینے تھی۔ (الفخری ص ۲۴۷)

حسین بن قاسم کے بعد ابوالفضل جعفر بن فرات کو قلم دان وزارت سپرد ہوا، یہ بھی اپنے پیش رو کی طرح اوصاف وزارت سے معریٰ تھا، اس کی وزارت کے زمانہ میں مقتدر کا وقت آخر ہو گیا۔

مقتدر نے اگرچہ ۲۵ سال کی طویل مدت تک حکومت کی لیکن اس کا سارا زمانہ شورش و انقلاب میں گذرا، دو مرتبہ تخت سے اتارا گیا، دوسری مرتبہ جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔

وہ عقل و دانش و تدبیر و سیاست سے عاری نہ تھا، لیکن عیش پرستی نے بالکل ناکارہ کر دیا تھا۔ (تاریخ خطیب ج ۷ ص ۲۱۸) اس کو امور مملکت سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ہر وقت عورتوں کی صحبت اور نبیذ نوشی میں غرق رہتا تھا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۸۶) عورتیں اس پر حاوی ہو گئی تھیں، اس کی ماں اور اس کی قہرمانہ ام موسیٰ حکمرانی کرتی تھیں، ان کے سامنے وزراء تک کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، علی بن عیسیٰ جیسے وزیر کو ایک ادنیٰ قہرمانہ کے معزول کرا دینے کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے۔

اس کی اس غفلت کی وجہ سے امراء اور ارکان سلطنت میں جاہ و اقتدار کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا، مونس کے مقابلہ میں اس کی بے بسی کے حالات اوپر گذر چکے ہیں۔

دوسری خرابی اس کا اسراف بے جا تھا اس نے ظاہری طمطراق اتنا بڑھا دیا تھا کہ

حکومت اس کے اخراجات کی متحمل نہ رہ گئی تھی' اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محل شاہی میں محض ۱۱ ہزار خواجہ سرا تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۹۴)

لونڈیوں اور محلات شاہی پر بے دریغ روپیہ لٹاتا تھا' خزانہ کے تمام قیمتی جواہرات ان میں تقسیم کر دیئے تھے' اس کی تخت نشینی کے وقت خزانہ قیمتی جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں بعض بعض جواہرات نادرہ روزگار تھے' تین مثقال وزن کا ایک در یتیم لونڈی کو دے دیا' بیش قیمت جواہرات کی ایک نادر تسبیح قہرمانہ کو دے دی' ہارون رشید کا خریدا ہوا تین لاکھ اشرفی کا ایک یاقوت بھی اسی طرح ضائع کر دیا اور تھوڑی مدت میں خزانہ جواہرات سے خالی ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۹۴ والفخری ص ۲۳۴)

ایک ایک دربار کی شان و شوکت میں لاکھوں روپیہ صرف ہو جاتا تھا' ۳۰۵ھ میں روم کے سفراء کی باریابی کی تقریب میں ایک خاص دربار منعقد کیا تھا' اس کی شان و شوکت پر لاکھوں روپیہ صرف کیا' خطیب نے اس دربار کی پوری تفصیل لکھی ہے جس سے عباسی تمدن کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

اس کی اس بیجا نمائش اور اسراف کی وجہ سے مصارف بہت بڑھ گئے تھے' حکومت کے مصارف کے علاوہ مقتدر نے اپنے تعیش میں جو دولت اڑائی اس کا تخمینہ مورخین نے سات کروڑ اشرفی لگایا ہے۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۷۶) فضول خرچی نے خزانہ بالکل خالی کر دیا تھا' اکثر ملازموں کی تنخواہ کی تقسیم میں دشواری پیش آتی تھی' فوج کی کئی کئی مہینے تنخواہ چڑھ جاتی تھی' بعض مرتبہ تنخواہ کی تقسیم کے لیے شاہی سامان فروخت کرنے کی نوبت آ جاتی تھی۔

**رفاہ عام کے کام** مقتدر کی ماں بڑی دولت مند تھی' اس نے اپنی آمدنی سے بعض مفید کام کیے سرحدوں کی حفاظت اور مکہ مدینہ اور غرباء و مساکین کے لیے بہت بڑا وقف کیا تھا' جس پر مقتدر کے بعد قاہر نے زبردستی قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۷۷) اس نے اپنے ذاتی صرف سے ایک شفاخانہ بھی قائم کیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۹۰)

# محمد بن معتضد الملقب بہ قاہر باللہ

## ۳۲۱ھ تا ۳۲۲ھ مطابق ۹۳۳ء تا ۹۳۴ء

مقتدر کے بعد قاہر باللہ تخت نشین ہوا' مقتدر کے قتل کے بعد جب انتخاب خلیفہ کا مسئلہ پیش ہوا تو مونس نے اس کے قتل کی تلافی کے لیے اس کے لڑکے احمد کا نام پیش کیا۔ اور کہا وہ میری تربیت میں رہ چکا ہے' عاقل و فرزانہ' پابند مذہب' شریف الطبع' فیاض اور وعدہ کا پابند ہے' اس سے اس کی بھی توقع ہے کہ اپنی دادی' بھائیوں اور ماں کے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے گا' لیکن امیر ابو یعقوب' اسحاق بن اسماعیل نوبختی نے اس سے اختلاف کیا اور کہا ہم کو بڑی دشواری کے بعد ایسے خلیفہ سے نجات ملی ہے' جو اپنی ماں' خادمہ اور خدام کے اشاروں پر چلتا ہو' اب دوبارہ ہم اس مشکل میں نہ پڑیں گے' خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہیے' جو مردانہ اوصاف رکھتا ہو اور اپنی ذات اور ہم سب کو سنبھال سکے نوبختی اس اختلاف پر سختی سے قائم رہا کہ مونس کو اپنی تجویز واپس لینا پڑی' نوبختی نے اپنی جانب سے معتضد کے لڑکے محمد کا نام پیش کیا اسے مونس ناپسند کرتا تھا' لیکن نوبختی کے اصرار کی وجہ سے مجبوراً اسے ماننا پڑا اور آخر شوال ۳۲۱ھ میں محمد ابن معتضد تخت نشین ہوا اور قاہر باللہ لقب اختیار کیا۔

قاہر بڑا بہادر اور بڑے سطوت و جبروت کا خلیفہ تھا' اس نے امراء کی سرکشی کو دور کرنے اور خلافت کے وقار کو قائم کرنے کی پوری کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

تخت نشینی کے بعد قاہر نے مقتدر کی ماں کو گرفتار کر کے' جس کی دولت مندی کے بڑے افسانے مشہور تھے' اس پر سختی شروع کی' اس نے انکار کیا اور کہا اگر میرے پاس دولت ہوتی تو میں روپے کے لیے اپنے لڑکے کی جان کیوں گنواتی' اس کے انکار پر قاہر نے کوشش کی کہ وہ اوقاف ہی سے دست بردار ہو جائے اور قاہر کو ان کے بیچنے کا اختیار دے دے لیکن اس نے اس سے بھی انکار کیا اور کہا کہ میں نے ان کو کار خیر کے لیے وقف کیا ہے' اب نہ اس کو توڑ سکتی ہوں اور نہ ان کے فروخت کرنے کا اختیار دے سکتی ہوں' آخر

میں قاہر نے قضاۃ کے سامنے اس سے زبردستی دستبرداری لکھوا کر ان کو گواہ بنایا اور اوقاف کو فوج کے اخراجات کے بدلہ میں دے دیا' اوقاف پر قبضہ کے بعد قاہر نے مقتدر کے بھائیوں اور اس کے دوسرے متعلقین کو گرفتار کیا اور ان سے روپیہ حاصل کر کے انہیں حسن بن ہارون کے سپرد کر دیا' اس نے ان کے ساتھ شریفانہ سلوک کیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۷۷) ابن خلدون کا بیان ہے کہ ابن مقلہ اور امیر بریدی وغیرہ کی دولت پر بھی قبضہ کر لیا۔

## عبدالواحد بن مقتدر کی اطاعت

مقتدر کے قتل کے بعد اس کا لڑکا عبدالواحد اور اس کے بہت سے متعلقین مدائن بھاگ گئے تھے' ان کی جانب سے قاہر کو مخالفت کا خطرہ تھا' ان میں سے امیر ہارون بن غریب نے تین لاکھ نذر پیش کر کے جان بخشی کرالی' اس لیے قاہر نے اس کی جائیداد جو اس کے فرار کے بعد ضبط کر لی گئی تھی' واپس کر دی اور اس کو ماء الکوفہ' ماسبذان اور مہرجانقذف کا حاکم بنا دیا' ہارون کی علیحدگی کے بعد عبدالواحد اور اس کے ساتھ کے امراء نے سوس اور اہواز کے عمال کو ہٹا کر یہاں کا خراج وصول کر لیا اور اہواز میں مقیم ہو گئے' امیر عبداللہ بریدی نے مونس کو توجہ دلائی کہ عبدالواحد کو اس طرح آزاد چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے اور اس کے مقابلہ کے لیے اس شرط پر پچاس ہزار پیش کیے کہ اسے اہواز کا والی بنا دیا جائے' مونس نے منظور کر لیا اور امیر بلیق کو عبدالواحد کے مقابلہ کے لیے بھیجا' ادھر اہواز میں عبدالواحد کے ساتھ جو فوج تھی وہ محمد بن یاقوت کے ناپسندیدہ طرز عمل کی وجہ سے بددل ہو رہی تھی' اس لیے جب بلیق واسط کے قریب پہنچا تو عبدالواحد کی فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کے بعض فوجی افسر امیر بلیق سے مل گئے' اس لیے امیر عبدالواحد اور اس کے ہمراہیوں نے بھی مجبور ہو کر مونس سے جان بخشی کرا کے اطاعت قبول کر لی اور بغداد لوٹ آئے' مقتدر نے عبدالواحد کی ضبط شدہ جائیداد اور اس کی ماں کا کل روپیہ واپس کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۷۷)

## مونس اور قاہر میں اختلاف اور مونس اور اس کی جماعت کا قتل

امیر مونس شروع سے قاہر کو ناپسند کرتا تھا اور اس کو خلیفہ بنانے کے خلاف تھا' قاہر کو بھی مونس پر اعتماد نہ تھا' اس لیے امیر محمد بن یاقوت کے بغداد واپس آنے کے بعد قاہر نے اس کو بڑھانا شروع کیا۔ اس کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا۔ ابن یاقوت اور وزیر ابن

مقلہ میں پرانی مخالفت تھی۔ اس لیے دربار میں ابن یاقوت کا عروج و اقتدار ابن مقلہ پر بہت گراں گزرا، اور اس نے اس کا زور توڑنے کے لیے مونس کو بھڑکایا کہ ابن یاقوت عیسیٰ طبیب کے ذریعہ تمہارے خلاف قاہر سے ساز باز کر رہا ہے، اس کو قاہر کے ساتھ بدگمانی تھی ہی، اس لیے یقین ہو گیا اور قاہر کی نقل و حرکت کی خفیہ نگرانی شروع کرا دی، اس کی اطلاع کے بغیر کوئی شخص اور کوئی چیز قصر سلطانی میں نہ جانے پاتی تھی، محل میں آ جانے والی عورتوں اور کھانے کے خوانوں تک کی تلاشی لی جاتی تھی کہ اس کے ذریعہ سے کوئی تحریر باہر سے اندر نہ جانے پائے۔ (طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں ان واقعات کی بڑی طویل تفصیل ہے ہم نے اس کا خلاصہ لکھا ہے)

قاہر کو اس کی خبر ہو گئی، اس نے بلیق اور مونس کی گرفتاری کا خفیہ حکم دے دیا، ان کو اس کی اطلاع ہوئی تو مونس، بلیق اور ابن مقلہ تینوں نے مل کر قاہر کو معزول کر کے مکتفی باللہ کے لڑکے ابواحمد کو خلیفہ بنانے کی تدبیر شروع کر دی، قاہر کو اس کی بھی خبر ہو گئی اس نے ان تینوں کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا، اس دوران میں بلیق کا لڑکا قرامطہ کے خوف کے بہانہ سے تھوڑی سی فوج لے کر قصر خلافت پہنچ گیا، یہاں پہلے ہی اس کی گرفتاری کا سامان ہو چکا تھا، اس لیے اپنا ارادہ پورا نہ کر سکا اور قصر خلافت میں داخل ہوتے ہی گرفتار کر لیا گیا بلیق کو اس کی گرفتاری کی خبر ہوئی تو وہ افتاں و خیزاں پہنچا، یہ بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی گرفتاری کے بعد قاہر نے مونس کو بلا بھیجا اس نے آنے سے انکار کیا، قاہر نے اس کو یقین دلایا کہ وہ کسی بری نیت سے نہیں بلاتا ہے، علی اور بلیق کو اس لیے گرفتار کیا گیا ہے کہ ان کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ وہ اس کو معزول کرنا چاہتے ہیں، اگر یہ خبر غلط ہو گئی تو انہیں رہا کر دیا جائے گا، مونس دھوکہ میں آ گیا اور علی اور بلیق کی صفائی دینے کے لیے قصر خلافت چلا گیا اور پہنچتے ہی گرفتار کر لیا گیا، اس سازش میں وزیر ابن مقلہ بھی شریک تھا اس لیے مونس کی گرفتاری کے بعد قاہر نے اس کو وزارت سے الگ کر کے ابوجعفر محمد بن قاسم کو وزیر بنایا اور امیر ابو احمد بن مکتفی کو جسے یہ لوگ خلیفہ بنانا چاہتے تھے، گرفتار کر کے دیوار میں چنوا دیا۔

مونس بڑے درجے کا امیر تھا، فوج کے ایک حصہ پر اس کا بڑا اثر تھا، اس لیے اس کی گرفتاری سے فوج میں برہمی پیدا ہو گئی، اس نے اس کی رہائی کا مطالبہ کیا مگر قاہر نے کوئی

توجہ نہ کی اور علی' بلیق اور مونس تینوں کے سر قلم کرا دیئے اس طرح عارضی طور سے قاہر کے دشمنوں کا خاتمہ ہو گیا۔

**دیلمی حکومت کا قیام** قاہر کے عہد کا ایک اہم واقعہ فارس میں بنی بویہ یا دیلمی حکومت کا قیام ہے جو آگے چل کر خلافت بغداد کی متولی بنی' اس خاندان کا مورث اعلیٰ ابو شجاع بویہ بن فناخسرو سلاطین فارس کی اولاد سے تھا' ابن ماکولا اس کو بہرام چور کی اولاد سے بتاتا ہے اور ابن مسکویہ نے فارس کے آخری تاجدار یزدگرد کی نسل سے قرار دیا ہے' ابن ماکولا امام الانساب ہے اس لیے اس کی رائے قابل ترجیح ہے۔

یہ خاندان گو سلاطین ایران کی اولاد سے تھا' لیکن حکومت و سلطنت کا مدتوں سے خاتمہ ہو چکا تھا اور اس کے افراد زیادہ تر غربت و افلاس میں مبتلا تھے' بویہ ماہی گیری کے ذریعہ بسر اوقات کرتا تھا لیکن اس کے لڑکے علی' حسن اور احمد بیدار بخت تھے انہوں نے اپنی کوششوں سے حکومت حاصل کی' بعد میں یہی تینوں عماد الدولہ' رکن الدولہ' معز الدولہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔[1] ان کی ابتدائی تاریخ یہ ہے کہ سامانیہ اور ماوراء النہر اور علویہ طبرستان کی فوج میں بہت سے دیلمی تھے' ان میں سامانی فوج کا افسر اسفار بن شیرویہ دیلمی اور علوی فوج کا افسر ماکان بن کاکی دیلمی بہت ممتاز تھے' علی' حسن اور احمد تینوں بھائی بھی معمولی سپاہی کی حیثیت سے ماکان کے ساتھ آئے تھے' اسفار بن شیرویہ نے جب خود طاقت حاصل کر لی تو سامانیوں کو چھوڑ کر علویوں کے ساتھ ہو گیا' پھر ابو علی اطروش علوی کے بعد ان کی حکومت پر قبضہ کر لیا لیکن ماکان دیلمی نے اسے طبرستان سے نکال دیا

---

۱- بنی بویہ کا زمانہ گو ۳۵'۳۶ سال سے زیادہ نہیں لیکن ان کے کارناموں اور عظمت و شان کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اس خاندان کو خاص اہمیت حاصل ہے اس حکومت کا بانی عماد الدولہ تین بھائی تھے' عماد الدولہ' رکن الدولہ' اور معز الدولہ اور تینوں نے ایران و عراق میں علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کیں' عماد الدولہ کے سلسلہ میں عضد الدولہ' صمصام الدولہ' اشرف الدولہ' بہاؤ الدولہ' سلطان الدولہ' جلال الدولہ اور ملک الرحیم فرمانروا ہوئے' رکن الدولہ کے سلسلے میں فخر الدولہ' مجد الدولہ' علاء الدولہ' ظہیر الدولہ اور معز الدولہ کے سلسلہ میں صرف عز الدولہ ہوا یہ حکومت ۳۲۲ھ میں قائم ہوئی اور ۳۶۸ھ میں سلجوقیوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

اور وہ جرجان چلا گیا' اس وقت امیر سعید نصر بن احمد سامانی نے اسے جرجان کا حاکم بنا دیا' لیکن یہ آدمی حوصلہ مند تھا اور اس کے دماغ میں اپنی حکومت کا سودا تھا اس لیے چند دنوں کے بعد ایک دیلمی افسر مرداویج ابن و شگمیر کی مدد سے دوبارہ طبرستان پر قبضہ کر کے پھر سامانیہ کے خلاف ہو گیا اور اپنی قوت کے گھمنڈ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بدسلوکی کی اور رعایا پر مظالم شروع کر دیئے' اس لیے وہ سب اس کے خلاف ہو گئے' اس کا وزیر مطرف بن محمد اور مرداویج وغیرہ بھی ان کے دشمن ہو گئے' اور اس کو طبرستان سے نکال دینے کا ارادہ کیا' اس نے جب دیکھا کہ سارا ملک اس کے خلاف ہے تو وہ خراسان بھاگ گیا' علی' حسن اور احمد تینوں بھائی اس کے ساتھ تھے اور اپنے کارناموں سے نام پیدا کر چکے تھے' انہوں نے اس سے کہا کہ اس وقت تمہاری حالت خود زبوں ہے' ہمارے اخراجات اور زیادہ بار ہوں گے' اس لیے بہتر ہے کہ اس وقت ہم لوگ چلے جائیں جب تمہاری حالت درست ہو جائے تو پھر واپس آ جائیں گے' ماکان نے ان کو اجازت دے دی اور یہ تینوں بھائی اس کو چھوڑ کر مرداویج کے پاس چلے گئے' ان کے کارناموں کا کافی شہرہ ہو چکا تھا' اس لیے مرداویج نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی مدد سے ماکان کا خاتمہ کر کے اس کے مقبوضات طبرستان اور جرجان وغیرہ پر قبضہ کر لیا' اور علی کو کرج اور اس کے دوسرے بھائیوں کو مختلف مقامات کا حاکم بنا دیا۔ (ابن اثیر جلد ۸ ص ۸۴)

علی تینوں بھائیوں میں عقل و فرزانگی اور شجاعت و شہامت میں ممتاز تھا' اپنے طرز عمل سے اس نے رعایا کو اپنا گرویدہ بنا لیا' اس کے احسان اور حسن سلوک سے مرداویج کے بہت سے افسر اس کے ہوا خواہ ہو گئے' اس کے حسن قبول سے مرداویج بہت گھبرایا اور علی اور اس کے ساتھیوں کو اپنے پاس سے علیحدہ کرنے پر اس کو بڑی ندامت ہوئی اس نے انہیں واپس بلانا چاہا' علی نے بہانہ کر دیا۔ اور دوسرے افسروں کو بھی مرداویج کی سخت گیری اور اس کی فریب کاری کا یقین دلا کر روک دیا اس سے دونوں میں اندرونی مخالفت شروع ہو گئی' اتفاق سے اسی زمانہ میں ایک دیلمی افسر شیرزاد اپنی مختصر جماعت کے ساتھ علی کے ساتھ ہو گیا' اس سے اس کو بڑی تقویت حاصل ہو گئی اور اسے قسمت آزمائی کا حوصلہ پیدا ہوا' چنانچہ وہ کرج سے اصفہان پہنچا' اس زمانہ میں خلیفہ قاہر کی جانب سے امیر مظفر بن یاقوت یہاں کا حاکم اور ابو علی بن رستم حاکم خراج تھا' اصفہان کے قریب پہنچ کر

علی نے ابن یاقوت کو لکھا کہ میں خلیفہ کا مطیع بن کر تمہارے پاس آیا ہوں' ابن یاقوت نے اس تحریر پر کوئی توجہ نہ دی اور علی کے مقابلہ کے لیے نکلا' اس کی فوج میں دیلمیوں کی کافی تعداد تھی' علی دیلمی تھا' اس کی فیاضی اور شرافت کے افسانے مشہور ہو چکے تھے' اس لیے چھ سو دیلمی ابن یاقوت کا ساتھ چھوڑ کر علی سے مل گئے اور ابن یاقوت نے پہلے ہی مقابلہ میں شکست کھائی اور اصفہان پر علی کا قبضہ ہو گیا' ابن یاقوت کی شکست سے علی کی بہادری کا شہرہ دور دور پھیل گیا اور ہر طرف اس کی دھاک بیٹھ گئی۔

(تجارب الامم ص ۲۷۷ تا ص ۲۸۹ ملخصاً")

علی اور مرداویج میں مخالفت شروع ہو چکی تھی' اس لیے اصفہان پر علی کے قبضہ کے بعد مرداویج کو اس کی جانب سے بڑے خطرات پیدا ہو گئے' لیکن اب علی اس کے قابو سے باہر ہو چکا تھا' اس لیے مرداویج نے اس کو دھوکے سے زیر کرنے کی کوشش کی اور ایک طرف اس کو لکھ کر مطمئن کرنا چاہا کہ اگر تم میری اطاعت قبول کر لو تو حکومت کی توسیع میں تمہاری مدد کروں گا اور دوسری طرف اس پر حملہ کے لیے ایک زبردست فوج تیار کی' علی کو اس فریب کا علم ہو گیا' اس وقت تک اس میں مرداویج کے مقابلہ کی قوت پیدا نہ ہوئی تھی اس لیے اصفہان چھوڑ کر ارجان چلا گیا یہاں کے حاکم نے اسے دیکھ کر ارجان خالی کر دیا اور علی نے اس پر قبضہ کر لیا' یہاں اس کو بڑی دولت ہاتھ آئی' اس سے اس کو بڑی تقویت حاصل ہو گئی۔

شیراز کا حاکم یاقوت بڑا ظالم اور اسی کے ساتھ کمزور بھی تھا اور شیراز کے باشندے اس کے مظالم سے نالاں تھے' چنانچہ یہاں کے ایک ممتاز شخص زید بن علی نوبند جانی نے علی کو یہاں کے حالات لکھ کر اسے شیراز پر حملہ کی دعوت دی لیکن اس کی ہمت نہ ہوئی' اس درمیان میں مرداویج نے علی کے خلاف یاقوت سے صلح کی کوشش کی' نوبند جانی نے علی کو لکھ بھیجا کہ اگر یہ صلح مکمل ہو گئی تو پھر دونوں کا مقابلہ تمہارے بس سے باہر ہو گا' یہ صورت حال دیکھ کر علی کو تیار ہونا پڑا اور ۳۲۱ھ میں وہ اپنے بھائی حسن کے ہمراہ نوبند جان پہنچا' فریقین میں مقابلہ ہوا' حسن نے ابن یاقوت کو فاش شکست دے کر نوبند جان پر قبضہ کر لیا۔

علی کی بڑھتی ہوئی قوت دیکھ کر یاقوت اور مرداویج اس کے مقابلہ میں متحد ہو گئے' دو

متحدہ قوتوں کا مقابلہ علی کے بس میں نہ تھا' اس لیے اس نے نوبند جان کو چھوڑ دیا' یاقوت نے اس کا تعاقب کیا' کرمان کے راستہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا' علی کی فوج کا ایک حصہ مرداویج سے مل گیا' علی کی خوش قسمتی سے مرداویج نے یہ غلطی کی کہ الٹے ان کے سر قلم کرا دیئے' اس کا نتیجہ علی کے حق میں بہت اچھا نکلا اور اس کی باقی فوج نے پوری قوت سے مرداویج کا مقابلہ کر کے اس کو بڑی فاش شکست دی' علی نے قیدیوں کے ساتھ بہت شریفانہ سلوک کیا' انہیں اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہیں تو مرداویج کے پاس جا سکتے ہیں' لیکن اس حسن سلوک سے انہوں نے علی ہی کے پاس رہنا پسند کیا' علی نے شیراز جا کر جان و مال کی امان کی عام منادی کرا دی اور اپنے آدمیوں کو ظلم و زیادتی سے روکنے کے لیے خاص اہتمام کیا' اس کا یہاں کے باشندوں پر بہت اچھا اثر پڑا۔

(ابن اثیر ج ۸ ص ۸۴'۸۵ ملخصاً)

شیراز پر قبضہ کے بعد فوج نے علی سے روپیہ کا مطالبہ کیا' اس کے ہاتھ بالکل خالی تھے اس لیے وہ بہت متردد ہوا' ایک روز وہ دارالامارت میں بیٹھا ہوا اسی فکر و تردد میں تھا کہ ایک سانپ چھت سے نکل کر ایک سوراخ میں گھس گیا' علی نے فراشوں کو سوراخ کھودنے کا حکم دیا' اسے کھودا گیا تو ایک کھڑکی پر نظر پڑی' اس میں سے پانچ لاکھ اشرفی کی قیمت کا سامان نکلا' اس غیبی امداد سے علی کا بگڑا ہوا کام بن گیا' اسی طرح ایک اور اتفاقی دولت ہاتھ آ گئی' اور اس کو روپیہ کی جانب سے پورا اطمینان ہو گیا۔

(ابن خلکان ج ۱ ص ۳۶۴)

**وزارت** قاہر کا زمانہ بہت مختصر تھا' لیکن اس مختصر زمانہ میں بھی دو وزارتیں بدلیں' پہلا وزیر ابن مقلہ تھا' اس کے حالات مقتدر کے زمانہ میں لکھے جا چکے ہیں' دوسرا وزیر محمد بن قاسم ابن عبیداللہ تھا' اس کی وزارت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی اور معزول کر کے گرفتار کیا گیا اور چند ہی دنوں میں مر گیا۔

**قاہر باللہ کی معزولی** قاہر بڑا جری' سخت گیر اور دبدبہ و شکوہ کا خلیفہ تھا اس نے اپنے ڈیڑھ سالہ عہد حکومت میں ان سرکش اور خیرہ سر امراء کا زور توڑنے کی پوری کوشش کی جو خلفاء پر حکومت کرنے کے خوگر ہو گئے تھے' چنانچہ مونس' بلیق اور علی بن یاقوت کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا۔ اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ دلوں پر اس کی ہیبت بیٹھ گئی'

لیکن جن پر اس کو قابو نہ حاصل ہو سکا وہ اس کے درپے ہو گئے' چنانچہ اس کے پہلے وزیر ابن مقلہ نے جو معزولی کے بعد سے روپوش تھا اس کے خلاف سازش کا دام بچھا دیا' ساجیہ اور حجریہ کو یہ کہہ کے بھڑکایا کہ قاہر بڑا بے اعتبار ہے' اس نے مونس' علی اور بلیق کو دھوکے سے قتل کرا دیا' اپنے ہوا خواہ طریف تک کو قید میں ڈلوا دیا' ایک نہ ایک دن تم پر بھی ہاتھ صاف کرے گا۔ ساجیہ کے سپہ سالار سیما ترکی کے معبر خواب اور منجم کو رشوت دے کر آمادہ کیا کہ وہ خواب کی تعبیر اور زائچہ میں سیما کو قاہر کے عتاب اور اس کے قتل کا خوف دلائیں' اس تدبیر سے وہم پرست سیما قاہر سے بدگمان ہو گیا' اتفاق سے اسی درمیان میں قاہر نے چند تہ خانے بنوائے' ابن مقلہ نے ترکی افسروں کو یقین دلایا کہ یہ تہ خانے ان کو قید کرنے کے لیے بنوائے گئے ہیں' اس تدبیر سے فوج اور ترکی افسر دونوں قاہر کے خلاف ہو گئے۔ اور سیما نے حجریہ کو بھی اپنا ہم خیال بنا کر قاہر کے خلاف تدبیریں شروع کر دیں' وزیر دولت کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے پوچھا بلا وجہ یہ تیاریاں کیوں ہو رہی ہیں' ان لوگوں نے صاف صاف ظاہر کر دیا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ قاہر سیما کو گرفتار کرنا چاہتا ہے اور ہمارے افسروں کو قید کرنے کے لیے اس نے تہ خانے بنوائے ہیں اور پھر جمادی الثانی ۳۲۲ھ میں دونوں فوجوں نے مل کر قصر خلافت پر حملہ کر دیا' وزیر نے فوراً قاہر کو اطلاع کرائی وہ اس وقت مخمور ہو رہا تھا اس لیے باغی فوجیں قصر خلافت میں گھس گئیں' ان کا شور سن کر قاہر کو ہوش آیا اس نے محل سے باہر نکل جانا چاہا لیکن پھاٹک پر فوج متعین تھی اس لیے نہ نکل سکا' ایک حمام کی چھت پر چڑھ گیا ایک فوجی اس کی خوابگاہ میں داخل ہوا' لیکن وہ خالی تھی' ایک ملازم کے ذریعے پتہ چل گیا چنانچہ یہ لوگ حمام کی چھت پر چڑھ گئے' قاہر ننگی تلوار لیے کھڑا تھا اس لیے کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور انہوں نے دھوکہ دینا چاہا کہ ہم حضور کے غلام ہیں' صرف اپنی حفاظت کا پیمان لینے کے لیے آئے ہیں' لیکن قاہر فریب میں نہ آیا اور ڈانٹ کر کہا جس نے پاس آنے کا ارادہ کیا اس کا سر قلم کر دوں گا' ایک شخص نے تیر کمان میں جوڑ کر دھمکایا کہ اگر تم نے ذرا اپنے کو حوالہ کرنے میں دیر کی تو یہ تیر سینہ میں پیوست ہو جائے گا' اس دھمکی پر قاہر مجبور ہو کر نیچے اتر آیا اور باغی اسے پکڑ کر طریف کے قید خانہ میں لے گئے' اور اسے نکال کر قاہر کو قید کر کے اس کی دونوں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دیں اور خیرہ سر ترکوں کے ہاتھ یہ

باجبروت خلیفہ اس عبرتناک انجام کو پہنچا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۸۸'۸۹) مدت خلافت کل ڈیڑھ سال تھی۔

**اوصاف** جیسا کہ اوپر کے واقعات سے ظاہر ہے' قاہر بڑا بہادر اور دبدبہ و شکوہ کا خلیفہ تھا' لیکن مزاج میں تلون تھا کسی ایک حال پر قرار نہ رہتا تھا' اس لیے کامیاب نہ ہوا' مسعودی کا بیان ہے کہ قاہر کے تلون اور غیر مستقل مزاجی کی وجہ سے اس کی سیرت کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جری بہادر اور سخت گیر تھا' چند دنوں کے اندر اس نے مونس' بلیق اور علی جیسے عمائد سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت بیٹھ گئی' اس کی سخت گیری نے خلفاء کے مقابلہ میں امراء کی گستاخانہ جسارت ختم کر دی' مگر چونکہ اس کے کسی کام میں ثبات و استقلال نہ تھا اور وہ لوگوں کو دھمکاتا زیادہ تھا' اس لیے انجام اچھا نہ ہوا۔ (مروج الذہب مسعودی ج ٦ ص ٢٨٧'٢٨٨)

جو تلون اور تضاد اس کی سیاست میں تھا' یہی اس کی پوری زندگی میں تھا' چنانچہ ایک طرف تو اس نے بہت سی مذہبی اصلاحات کیں' ناچنے گانے والی عورتوں کا پیشہ اور شراب نوشی کو قانوناً" بند کر دیا' گویوں کو قید اور ہیجڑوں کو جلا وطن کر دیا' موسیقی اور لہو و لعب کے تمام آلات ضائع کر دیے' گانے والی لونڈیوں کو فروخت کر ڈالا' لیکن خود ہر وقت شراب کے نشہ میں مخمور رہتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ٣٩٦) اس کی شبستان عیش میں ساقی گری کے لیے ایک قدو قامت کی حسین و جمیل لونڈیوں کا پورا پرا تھا' جو زرق برق مردانہ لباس میں ملبوس رہتی تھیں۔ (مسعودی ج ٦ ص ٣٠٠) عیش پرستی کے لیے اس نے ایک باغ لگوایا تھا' اور اس میں ایک عالیشان محل تعمیر کرایا تھا' باغ کی زینت اور محل کی آرائش کے لیے مختلف ملکوں سے درخت اور سامان آرائش منگائے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ٣٩٩)

# ابو العباس احمد بن مقتدر الملقب بہ راضی باللہ

## ۳۲۲ھ تا ۳۲۹ھ مطابق ۹۳۴ء تا ۹۴۰ء

قاہر کے بعد مقتدر کا لڑکا احمد الملقب بہ راضی باللہ خلیفہ ہوا' قاہر نے اپنے زمانہ میں مقتدر کے لڑکوں کو قید کر دیا تھا۔ چنانچہ راضی بھی قید میں تھا' قاہر کی معزولی کے بعد امراء نے ان کو نکال کر بالاتفاق خلیفہ بنایا' اور جمادی الثانی ۳۲۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا۔

تخت نشینی کے بعد اس نے علی بن عیسیٰ کو وزیر بنانا چاہا' لیکن اس نے ضعف پیری کا عذر کر کے ابن مقلہ کا نام پیش کیا' وہ اب تک روپوش تھا' راضی نے اسے طلب کر کے قلمدان وزارت سپرد کیا' اس نئے دور وزارت میں اس نے اپنی روش بالکل بدل دی' لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا طریقہ اختیار کیا' قاہر کے زمانہ میں جن لوگوں نے اس کی مخالفت میں حصہ لیا یا جن سے اس کو کوئی تکلیف پہنچی تھی' ان کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آیا' قاہر کے دور کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا' راضی نے امیر بدر الحسنی کو بغداد کی شحنگی اور محمد بن یاقوت کو حجابت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

راضی کو ترکوں نے خلیفہ بنایا تھا' اس لیے وہ اس پر حاوی رہے' سیما ترکی نے اس کو مجبور کر کے قاہر کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں۔ (تجارب الامم ج ا ص ۳۹۲)

ابن اثیر نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ قاہر راضی کی بیعت کے بعد بھی خلافت سے دستبردار نہ ہوتا تھا' اس کی تخت نشینی کے بعد جب قاہر پر دستبرداری کے لیے زور ڈالا گیا' تو وہ رضامند نہ ہوا۔ اس کے انکار پر اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں' اس واقعہ کا سبب جو بھی ہو' ابن مسکویہ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک قابل نفرت فعل ترکوں ہی کے اشارہ سے عمل میں آیا۔

قاہر نے اپنے زمانہ میں معتوب امراء سے بڑی دولت حاصل کی تھی' راضی نے یہ سب وصول کر لی۔ (تجارب الامم ج ا ص ۲۹۳)

**ہارون بن غریب کی بغاوت اور اس کا قتل** مقتدر کا ماموں زاد بھائی' ہارون بن

غریب قاہر کے زمانہ سے دینور و ماسبذان وغیرہ کا حاکم تھا اس کی معزولی کے بعد اس کو خیال پیدا ہوا کہ وہ مقتدر کا عزیز ہے اس لیے دوسرے امراء کے مقابلہ میں اس کو حکومت کے انصرام و انتظام کا زیادہ حق ہے' چنانچہ بغدادی فوج سے خط و کتابت کرنے کے بعد بغداد روانہ ہو گیا' راضی کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اس کو روکنے کی کوشش کی اور اس کے علاقہ میں توسیع کرنے کی طمع دلائی' لیکن وہ باز نہ آیا' حاجب محمد یاقوت اس کے مقابلہ پر مامور ہوا' ہارون نے اسے بھی ملانا چاہا اس نے جواب دیا کہ میں تم کو قید کر کے بغداد حاضر کیے بغیر نہ چھوڑوں گا' دونوں میں مقابلہ ہوا' ہارون نے ابن یاقوت کو فاش شکست دی' اور ایک مختصر جماعت کے ساتھ اس کے تعاقب میں گھوڑا ڈال دیا' لیکن بد قسمتی سے راستہ میں گر پڑا اس کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی' پیچھے سے اس کا غلام یمن پہنچ گیا' آقا کو مجبور دیکھ کر اسے حصول انعام کی طمع دامنگیر ہوئی' اس نے اس کا سر قلم کر دیا' اس کے قتل کے بعد اس کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ بھاگ نکلی۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۹۱' ۹۲)

## راضی کی جانب سے علی بن بویہ الملقب بہ عماد الدولہ کی حکومت کی تصدیق

گو دولت عباسیہ پر زوال طاری ہو چکا تھا اور آئے دن خود سر امراء اور حوصلہ مند اشخاص اپنی حکومتیں قائم کرتے چلے جاتے تھے' لیکن اب تک یہ رسم قائم تھی کہ جب تک عباسی خلافت کی جانب سے ان کی تصدیق نہ ہو جاتی تھی' اس وقت تک ان کی حیثیت باغی کی رہتی تھی یا کم از کم ان کی قانونی حیثیت نہ مانی جاتی تھی' اس لیے شیراز پر قبضہ کے بعد عماد الدولہ نے ابن مقلہ سے مفتوحہ علاقوں کی حکومت کی سند کی درخواست کی اور خلافت بغداد کی اطاعت کے ثبوت کے لیے ایک معمولی رقم سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا' ابن مقلہ نے منظور کر لیا اور راضی کی جانب سے اس کو خلعت اور لوائے حکومت بھجوا دیا' اس سے اس کی عظمت و شان بہت بڑھ گئی' اس کے حریف مرداویج پر اس کا یہ اعزاز بہت گراں گزرا' اس نے اس پر فوج کشی کر دی' مرداویج اس سے صرف اپنی اطاعت کا خواہش مند تھا' عماد الدولہ کے پیش نظر ابھی اور مقاصد تھے' اس لیے اس نے مرداویج سے الجھنا مناسب نہ سمجھا اور اس کی اطاعت اور خطبہ میں اس کا نام لینے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۹۳' ۹۴)

**مرداویج کا قتل** اس مصالحت کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد مرداویج کو اس کی فوج

کے ترکوں نے قتل کر دیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ آخر عمر میں مرداویج کا مزاج بدل گیا' بات بات میں عمائد سلطنت سے بگڑ جاتا تھا' خصوصاً ترکوں کے ساتھ اس کا برتاؤ نہایت توہین آمیز تھا' عید سدہ (عید سدہ پارسیوں کی ایک عید تھی' یہ دس بہمن کو منائی جاتی تھی' اس میں بڑا جشن مناتے تھے' تمام کوہ و صحرا اور دشت و جبل میں آگ روشن کرتے تھے) کے موقع پر اس نے آتش افروزی کی رسم کے لیے انتظام کا حکم دیا اور خود اس کے معائنہ کے لیے گیا' یہ انتظام اس کو پسند نہ آیا اور ترکوں اور عمائد سلطنت پر اس کا غصہ اتارا' دوسرے دن اصفہان میں داخل ہونے والا تھا' اس لیے فوجوں کے اجتماع کی وجہ سے صبح ہی سے ہنگامہ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی' مرداویج بہت برہم ہوا' پوچھا خیمہ کے پاس کس کے گھوڑے ہیں؟ معلوم ہوا ترکوں کے' یہ سن کر اور برا فروختہ ہو گیا اور حکم دیا کہ گھوڑوں کی زینیں ان کے سواروں کی پیٹھ پر باندھ دی جائیں اور اسی طریقہ سے ان کو اصفہان میں داخل کیا جائے' اس حکم کی تعمیل ہوئی' ترک اور دیلمی اس توہین سے بگڑ گئے' اصفہان میں داخلہ کے بعد مرداویج تنہا حمام کے لیے گیا' ترکوں کو موقع مل گیا' انہوں نے گھس کر قتل کر دیا' اس کا بھائی وشمگیر اس کا جانشین ہوا۔

**عمادالدولہ کی حکومت کا آغاز** عباسی قلمرو میں عراق اور خوزستان کا علاقہ نہایت سیر حاصل اور عباسی خلفاء کی ذاتی جاگیر تھا' اس لیے اس کی حکومت کے حصول کے لیے امراء میں بڑی کشمکش رہتی تھی' امیر یاقوت عمادالدولہ' مرداویج' ابو عبداللہ بریدی سب اس کے لیے دست و گریبان رہتے تھے' راضی کے زمانہ میں یہ کشمکش اور بڑھ گئی تھی۔ مرداویج کے قتل کے بعد عمادالدولہ نے یاقوت کو شکست دے کر صلح کرنے پر مجبور کر دیا اور عراق اور خوزستان میں اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ راضی نے اس کو فارس' عراق اور خوزستان کے مفتوحہ علاقوں پر باقاعدہ مقرر کر دیا اور عمادالدولہ نے شیراز کو مستقر بنایا۔

(ابن اثیر ج ۸ ص ۹۸ ملخصاً)

**یاقوت کے لڑکوں مظفر اور محمد کی گرفتاری** راضی کا حاجب محمد بن یاقوت اس پر بہت حاوی تھا' حکومت کے جملہ اختیارات اس کے ہاتھوں میں تھے' وزیر دولت ابن مقلہ محض عضو معطل تھا' یہ بڑا سازشی تھا' ابن یاقوت کا اقتدار اس کو گوارہ نہ ہوا اور اس کا دشمن ہو گیا اور راضی سے خفیہ اس کی شکائتیں کر کے اس کو ابن یاقوت سے برگشتہ کر دیا'

اس نے محمد بن یاقوت اور اس کے بھائی مظفر کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔

**حنابلہ کی اصلاح کا ہنگامہ** ۳۲۳ھ میں حنابلہ کی وجہ سے بغداد میں بڑا ہنگامہ بپا ہو گیا' اس کا سبب یہ ہوا کہ ترکوں اور دوسری عجمی اقوام کے اثر سے بغداد کی اخلاقی حالت عرصہ سے بگڑ گئی تھی' ۳۲۳ھ میں حنابلہ نے اس کی اصلاح کے لیے احتساب شروع کر دیا' فوجی افسروں اور عام لوگوں کے گھروں میں چھاپے مارتے' جہاں نبیذ نظر آتی اسے بہا دیتے۔ گانے والی عورتوں کو مارتے' آلات موسیقی کو توڑ ڈالتے' مردوں کو عورتوں کے ساتھ چلنے سے روکتے۔ ان کے احتساب سے بغداد میں بڑا ہنگامہ بپا ہو گیا' اور بغداد کے کوتوال کو ان کے خلاف کاروائی کرنی پڑی' اس نے شارع عام پر ایک ساتھ دو حنبلیوں کے اجتماع کی ممانعت کر دی اور مذہبی مناظروں کو بالکل روک دیا' اس سے حنابلہ کا جوش اور بڑھ گیا' انہوں نے مار پیٹ شروع کر دی' جو شافعی نظر آتا اسے پٹوا دیتے' اس سے بہت سے شوافع کی جانیں ضائع ہوئیں' یہ صورت دیکھ کر راضی نے نہایت سخت احکام جاری کیے کہ اگر حنابلہ ان مذہبی سخت گیریوں سے باز نہ آئیں گے تو ان کو پوری سزا دی جائے گی' اور بے دریغ ان کا استیصال کیا جائے گا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۹۸ ملخصاً")

**ناصر الدولہ ہمدانی والی موصل کی مخالفت اور اطاعت** راضی کی جانب سے امیر ابو حسن بن عبداللہ بن حمدان الملقب بہ ناصر الدولہ موصل و دیار ربیعہ کا والی تھا' اس کی روش بارگاہ خلافت کے ساتھ مخالفانہ تھی' اس لیے اس کے چچا ابو العلاء بن حمدان نے راضی سے خفیہ اس کے مقبوضات کا ٹھیکہ لے لیا اور موصل پہنچا' ناصر الدولہ کو اس کی خبر ہو گئی اور وہ اس کے استقبال کے بہانہ سے یہاں سے نکل گیا اور ایک مقام پر رک گیا' ابو العلاء موصل پہنچا تو معلوم ہوا کہ ناصر الدولہ دوسرے راستہ سے اس کے استقبال کو گیا ہے' ابو العلاء اس کے مکان پر ٹھہر گیا' ناصر الدولہ برابر خبریں لے رہا تھا' ابو العلاء کے موصل پہنچتے ہی فوراً واپس آ گیا' اس کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا' ابو العلاء راضی کا فرستادہ تھا' اس پر اس کا قتل گراں گزرا اور اس نے ابن مقلہ کو اس کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا' ناصر الدولہ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے اس نے موصل چھوڑ دیا' ابن مقلہ نے چند دنوں ٹھہر کر موصل کا انتظام درست کیا اس کے بعد علی بن طباب اور ماکرد دیلمی کو اس کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر بغداد لوٹ گیا' اس کی واپسی کے بعد ناصر الدولہ نے ان

دونوں کو نکال دیا' اور راضی سے عفو تقصیر کرا کے دوبارہ موصل کی حکومت کا پروانہ حاصل کیا۔

**ابن مقلہ کی معزولی** ۳۲۴ھ میں بغداد کی فوجیں ابن مقلہ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں' اور اس کے مکان پر حملہ کر دیا' اسے اور اس کے بیٹوں کو گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑا' ساجیہ نے باغیوں کو کسی طرح سمجھا بجھا کر واپس کیا۔

محمد بن یاقوت اور ابن مقلہ میں مخالفت تھی' ابن یاقوت کو اسی نے قید کرایا تھا اس لیے ابن مقلہ کو یقین ہو گیا کہ یہ کام محمد بن یاقوت کی جماعت کا ہے چنانچہ اس نے اس کو خارج البلد کر دیا' اس سے پھر فوجوں میں برہمی پیدا ہو گئی' ابن مقلہ کے غلاموں نے بڑی مشکل سے روکا ابن مقلہ نے دیکھا کہ یہ ساری ہنگامہ آرائی محمد بن یاقوت اور اس کے بھائی مظفر کی قید کی بنا پر ہے' اس لیے مجبور ہو کر مظفر کو رہا کر دینا پڑا' رہائی کے بعد مظفر نے حجریہ کو ملا کر ابن مقلہ کو گرفتار کر لیا اور بغدادی فوجوں نے ابن مقلہ کی جگہ دوسرے وزیر کے تقرر کا مطالبہ کیا' راضی نے وزیر کا انتخاب انہی کی رائے پر چھوڑ دیا' انہوں نے عبدالرحمٰن بن عیسیٰ کو وزیر بنا لیا اور ابن مقلہ کو اس کے حوالہ کر دیا۔ اس نے اس سے بڑی دولت وصول کی' لیکن عبدالرحمٰن بالکل نا اہل تھا اس لیے چند ہی دنوں کے بعد اس کو وزارت سے مستعفی ہونا پڑا' اس کے پاس ابن مقلہ سے حاصل کی ہوئی بڑی دولت تھی اس لیے اس کو اور اس کے بھائی کو گرفتار کر کے ان سے ایک لاکھ ستر ہزار اشرفیاں وصول کی گئیں۔

**امیر یاقوت کا قتل** اسی سنہ میں امیر یاقوت کے قتل کا واقعہ پیش آیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ یاقوت کا کاتب ابو عبداللہ بریدی بڑا خود غرض اور چالاک تھا' یاقوت نے اپنی جانب سے اہواز کا علاقہ اس کے ٹھیکہ میں دے دیا تھا اور وہ اس پر مستقل قبضہ جمانے کے لیے یاقوت کے ساتھ فریب کرنے کی فکر میں تھا' عمادالدولہ کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد جب یاقوت باحال تباہ عسکر مکرم واپس آیا تو ابو عبداللہ نے اس کے پاس اس کی سلامتی پر مبارکباد کہلا بھیجی اور یہ مشورہ دیا کہ وہ عسکر مکرم میں قیام کرے اور چونکہ اس شکست کی وجہ سے اس کی مالی حالت خراب ہو گئی ہے اور وہ فوجوں کے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا' اس لیے وہ بغدادی فوجوں کو اس کے پاس بھجوا دے اور پچاس ہزار اشرفیاں امداد

کے طور پر بھیجیں' امیر یاقوت شریف النفس اور سادہ دل تھا' اس فریب میں آ گیا لیکن پھر ابو عبداللہ نے مدد سے ہاتھ روک لیا اور یاقوت بڑی دشواری میں مبتلا ہو گیا' ادھر فوج نے روپے کا مطالبہ کیا اور بعض مخالفین نے تنگ کرنا شروع کر دیا' یاقوت نے ابو عبداللہ کو اس کی اطلاع دی اس نے لکھ بھیجا کہ آپ فوجوں کو میرے پاس بھیج دیجئے' اس نے سادہ لوحی سے بھیج دیا' ابو عبداللہ نے فوج کے منتخب حصہ کو اہواز میں روک لیا' بقیہ کو واپس کر دیا' اس سے یاقوت کو اور زیادہ مالی پریشانی ہوئی اور اسے مجبور ہو کر اہواز جانا پڑا' ابو عبداللہ پاپیادہ اس کے استقبال کے لیے نکلا' دست بوس ہوا اور بڑی عزت و تکریم سے لے جا کر ٹھہرایا' ایک طرف تو یہ ظاہر داری برتی دوسری طرف فوج کو بھڑکا دیا' وہ یاقوت کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئی' ابو عبداللہ نے اسے چپکے سے نکل جانے کا مشورہ دیا' چنانچہ وہ خفیہ عسکر مکرم لوٹ گیا' اس کے بعد ابو عبداللہ نے لکھ بھیجا کہ عسکر مکرم میں بھی قیام مناسب نہیں ہے یہاں فوجوں کے تعاقب کا خطرہ ہے' اس لیے وہ تستر کے قلعہ میں چلا جائے اور عامل تستر کو لکھ کر اس کو پچاس ہزار دینار دلوا دیئے۔

یاقوت کا وفادار خادم مونس ابو عبداللہ کی بد نیتی کو سمجھ گیا' اس نے یاقوت کو اس کی فریب کاری سے باخبر کر کے مشورہ دیا کہ آپ بغداد چلے چلئے یا فوراً ابو عبداللہ کو اہواز سے نکالنے کی کوشش کیجئے' لیکن اس کو ابو عبداللہ پر اتنا اعتماد تھا کہ مونس کے بیان کو غلط تصور کیا' اور اس کی کمزوری دیکھ کر جو لوگ اس کے ساتھ باقی رہ گئے وہ بھی اس سے الگ ہو گئے' اور اس کے پاس صرف ایک مختصر جماعت رہ گئی' اس دوران میں اس کا لڑکا مظفر آ گیا' اس نے بھی مشورہ دیا کہ آپ بغداد چل کر حصول مقصد کی کوشش کیجئے' اگر اس میں کامیابی نہ ہو گی تو پھر موصل اور دیار ربیعہ پر قبضہ کی کوشش کی جائے گی' لیکن یاقوت نے اس کا کہنا بھی نہ سنا اور مظفر اس سے مایوس ہو کر اہواز چلا گیا ابو عبداللہ نے اس کی ظاہری پذیرائی میں کوئی فرق نہیں کیا' لیکن اس کی نگرانی کے لیے آدمی مقرر کر دیئے۔

اہواز میں ابو عبداللہ کی حیثیت محض یاقوت کے نائب کی تھی اس لیے اس کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر یاقوت اس کے قریب موجود رہا تو جو لوگ اس کا ساتھ چھوڑ کر اس کے پاس اہواز چلے آئے ہیں ممکن ہے وہ کسی وقت پھر یاقوت کے ساتھ ہو جائیں اس لیے اس نے یاقوت کو لکھ بھیجا کہ بارگاہ خلافت سے مجھ کو حکم ملا ہے کہ میں آپ کو یا بغداد بھیج دوں یا

علاقہ جبل روانہ کردوں' وہاں آپ کو کوئی علاقہ مل جائے گا' اس حکم کو رد کرنا میرے امکان میں نہیں ہے' یاقوت کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کر دیں' اس وقت یاقوت کی آنکھیں کھلیں اور اسے چار و ناچار مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا لیکن یاقوت کی قوت بہت کمزور ہو چکی تھی اس کو شکست ہوئی اور ابو عبداللہ کے آدمیوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا' اس کا لڑکا مظفر اہواز ہی میں تھا' ابو عبداللہ نے اسے گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا۔ اور یاقوت کے علاقہ کا حکمران بن گیا۔ (یہ تمام حالات ابن اثیر سے ماخوذ ہیں)

## امیر الامرائی کا قیام اور ابن رائق کا تقرر

عباسی حکومت کا اقتدار عرصہ سے زوال پذیر ہو رہا تھا اور اس کے زوال کے ساتھ ساتھ امراء خود مختار ہوتے جاتے تھے' حکومت کی آمدنی برابر گھٹتی جاتی تھی' راضی کے دور میں یہ تنزل آخری حدود کو پہنچ گیا' فارس پر ابن بویہ قابض تھے' واسط اور بصرہ ابن رائق کے تصرف میں تھا' یاقوت کی ہزیمت کے بعد ابو عبداللہ نے اہواز کا خراج دینا بند کر دیا تھا' اس لیے حکومت کی مالی حالت بہت بگڑ گئی اور منتظم سے منتظم وزیر بھی اس کے سدھارنے میں ناکام رہے۔

ابن رائق عرصہ سے وزارت کا خواہش مند تھا اور ایک مرتبہ اس نے درخواست کی تھی کہ اگر اس کو وزیر بنا دیا جائے تو وہ حکومت کے جملہ مصارف کا ذمہ دار ہو جائے گا لیکن راضی نے نا منظور کر دی تھی' مگر جب حکومت کی مالی حالت سنبھلنے کی اور کوئی صورت نہ نکلی تو راضی کو مجبور ہو کر ابن رائق کی درخواست منظور کرنا پڑی اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کو بغداد طلب کیا' اس کے لیے خلعت روانہ کیا اور تمام عباسی فوجوں کی سپہ سالاری' شعبہ خراج اور جملہ دفاتر کی افسری کا فرمان جاری کر کے اسے امیر الامراء کے جلیل القدر منصب پر سرفراز کیا اور عباسی قلمرو میں اس کا نام بھی خطبہ میں داخل کرا دیا اور ابن رائق بڑے تزک و احتشام سے بغداد آیا۔

## عباسی خلافت اور اس کے اثرات

عباسی حکومت میں امیر الامرائی کا عہدہ بالکل نیا تھا اس سے پیشتر گو برائے نام سہی تاہم خلافت کے نظام میں خلیفہ کے کچھ نہ کچھ اختیارات تھے' امیر الامرائی نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا' ابن رائق نے بغداد آنے کے بعد سب سے اول ساجیہ کا' جن کی جانب سے ہمیشہ شورش کا احتمال رہتا تھا شیرازہ منتشر کر دیا' وزارت کا عہدہ قائم رکھا لیکن اس کے تمام اختیارات سلب کر لیے' جملہ امور مملکت خود

ہی انجام دیتا تھا۔ حکومت کے تمام سیاہ و سپید کا وہ مختار کل تھا' خراج اور محاصل کی آمدنیاں اسی کے پاس آتی تھیں' وہ اسے جس طرح چاہتا تھا صرف کرتا تھا' خود راضی اپنے اخراجات کے لیے اس کا محتاج تھا' ابن رائق کی امیرالامرائی سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ وہ حکومت کے اخراجات کا ذمہ دار بن گیا۔ لیکن دولت عباسیہ کی بگڑی ہوئی حالت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا' جو خودسر امراء جن جن علاقوں پر قابض تھے وہ بدستور ان پر متصرف رہے اور خلافت بغداد کی آمدنی اور اس کے رقبہ میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔

## ابوعبداللہ بریدی کی بغاوت اور عراق و خوزستان کے لیے امراء کی کشمکش

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یاقوت کے قتل کے بعد ابوعبداللہ بریدی نے اہواز کا خراج بھیجنا بند کر دیا تھا' دارالخلافہ کے مصارف کا دارومدار بڑی حد تک خوزستان کی آمدنی پر تھا اس لیے' ۳۲۵ھ میں ابن رائق اس ارادہ سے راضی کو لے کر واسط روانہ ہوا کہ اگر ابوعبداللہ افہام و تفہیم سے اطاعت قبول کرے گا تو فبہاء ورنہ بزور اس سے خوزستان چھڑایا جائے گا' حجریہ کو اس کے ساتھ جانے میں تامل ہوا' اس نے کہا کہ ابن رائق اس بہانہ سے ساجیہ کی طرح ہمارا شیرازہ بھی منتشر کرنا چاہتا ہے' لیکن خود خلیفہ اس مہم میں نکلا تھا' اس لیے حجریہ کو بھی چاروناچار جانا پڑا واسط پہنچ کر ابن رائق نے ان کا ایک حصہ چھانٹ دیا اس پر وہ لڑنے کے لیے آمادہ ہو گئے' ابن رائق نے انہیں پسپا کر دیا اور وہ بغداد لوٹ گئے' یہاں بغداد کے کوتوال لولو نے ان کے قدم نہ جمنے دیئے اور ان کی جائیدادیں ضبط کر کے ان کے گھروں میں آگ لگوا دی' ان کے بہت سے ممتاز آدمیوں کو ابن رائق ختم کر چکا تھا' اس لیے ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ (ابن اثیر جلد ۸ ص ۱۰۵'۱۰۶)

حجریہ کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد ابن رائق نے ابوعبداللہ بریدی کے پاس کہلا بھیجا کہ تم نے خراج دینا بند کر دیا ہے اور فوجوں کو حکومت کے خلاف بھڑکایا ہے' اگر خراج کی واجب الاداء رقم بھیج دو اور جن فوجوں کو بھڑکایا ہے انہیں واپس کر دو تو تم کو تمہارے منصب پر بحال رکھا جائے گا' ورنہ جس سزا کے مستحق ہو گے دی جائے گی' خود راضی ساتھ تھا' ابوعبداللہ کے لیے اس کا مقابلہ آسان نہ تھا اس لیے وہ بالاقساط خراج کی رقم ادا کرنے پر آمادہ ہو گیا' لیکن فوجوں کی فوری واپسی کے متعلق یہ عذر کیا کہ وہ ابھی بغداد واپس جانے پر آمادہ نہیں ہیں' ابن بویہ کے مقابلہ میں جو مہم بھیجی جائے گی اس کے ساتھ

ان کو روانہ کر دیا جائے گا' راضی نے امراء کے مشورہ سے اس کو منظور کر لیا اور بغداد لوٹ گیا اور یہاں سے جعفر بن ورقہ کو ابن بویہ کے مقابلہ کے لیے فوجیں لینے کے لیے اہواز بھیجا لیکن ابو عبداللہ وعدہ سے پھر گیا اور خراج کا ایک حبہ ادا نہیں کیا اور اہواز کی فوجوں کو بھڑکا دیا کہ وہ سب جعفر سے روپیہ طلب کریں' چنانچہ جب وہ اہواز پہنچا تو فوجوں نے اس سے روپیہ طلب کیا' اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا اس لیے فوجیں بگڑ گئیں اور اسے قتل کی دھمکی دی اور جعفر کو جان بچا کر بغداد واپس جانا پڑا۔

درباری امراء میں نو بختی وزیر ابن بریدی کے خلاف تھا' لیکن امیر ابوبکر ابن مقاتل اس کا ہوا خواہ اس میں اور خلافت بغداد میں مصالحت کا خواہش مند تھا' اس لیے اس نے نو بختی کو ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اتفاق سے اسی زمانہ میں نو بختی بیمار پڑ گیا اور اس نے احمد بن علی کو اپنا نائب بنایا۔ اس میں اور ابن مقاتل میں بڑے تعلقات تھے' ابن رائق بھی اس کو مانتا تھا اس لیے عباسی دربار میں ان دونوں کا بڑا اثر ہو گیا اور ان کی کوشش سے ابن بریدی کے تعلقات بھی عارضی طور سے درست ہو گئے' لیکن یہ بڑا خود غرض تھا' ابن مقاتل اور احمد بن علی کے اثرات سے فائدہ اٹھا کر اس نے اپنے بھائی کے لیے بصرہ کے ٹھیکہ کی کوشش کی بصرہ ابن رائق کے زیر حکومت تھا اسے منظور کرنے میں تامل ہوا' لیکن احمد بن علی نے دھوکہ فریب سے دلوا دیا۔

محمد بن یزداد کا طرز عمل جو ابن رائق کی جانب سے بصرہ میں اس کی نیابت کرتا تھا' اہل بصرہ کے ساتھ اچھا نہ تھا اور وہ اس کی زیادتیوں سے سخت شاکی تھے' اس لیے حکومت کی تبدیلی سے ان کو قدرۃ" مسرت ہوئی اور عمائد بصرہ نے اہواز جا کر ابن بریدی کی خدمت میں تہنیت پیش کی اس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے بڑی بڑی توقعات دلائیں اور بصرہ کو ابن یزداد کے ہاتھوں سے نکالنے کے لیے اپنے غلام کو فوج دے کر روانہ کیا اور بعض پرانے ٹیکسوں کی موقوفی کا' جو ابن رائق ان سے لیتا تھا' اعلان کر دیا' اہل بصرہ پر اس کا بہت اچھا اثر پڑا اور ان کی مدد سے اس نے بصرہ کے علاقے پر قبضہ کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔

ابن رائق نے حجریہ کی قوت توڑنے کے لیے بہت سے حجری سپاہی نکال دیئے تھے' یہ لوگ بغداد سے نکل کر اہواز پہنچے' ابن بریدی نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور انہیں ملانے

کے لیے ابن رائق کی بڑی مذمت کی، دوسری طرف ابن رائق کو راضی کرنے کے لیے لکھ بھیجا کہ حجری سپاہیوں سے مجھ کو خطرہ تھا، اپنے بچاؤ کے لیے میں نے ان کی مدارات کی ہے، میں خراج کی رقم بھی بھیجنا چاہتا تھا انہی لوگوں نے روک دیا، ابن رائق نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ جن حجری سپاہیوں کو تم نے پناہ دی ہے ان کو نکال دو، ابن بریدی نے اس کی تعمیل سے معذوری ظاہر کی اس لیے ابن رائق اور زیادہ برگشتہ ہو گیا اور احمد بن علی سے ابن بریدی کی ان حرکتوں پر بیزاری ظاہر کرائی اور لکھوا بھیجا کہ وہ حسن مہدی سے اپنی فوجیں ہٹالے، ابن بریدی نے یہ عذر کیا کہ اہل بصرہ قرامطہ سے خوفزدہ تھے، ابن یزداد ان کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا، اس لیے انہوں نے خود میری فوجوں کو روک لیا ہے۔

گو یہ عذر غلط تھا، لیکن یہ صحیح تھا کہ بصرہ کے اطراف میں قرامطہ کی یورش تھی اس لیے ابن رائق خود ان کے مقابلہ کے لیے نکلا، اس وقت ابن بریدی کھل کر اس کے مقابلہ میں آ گیا اور اس کی فوجوں نے جو حسن مہدی میں تھیں، بڑھ کر ابن یزداد کو بصرہ سے نکال کر قبضہ کر لیا، ابن رائق نے امیر بجکم ترکی اور بغداد کے کوتوال بدر خرشنی کو اس کے مقابلہ میں بھیجا انہوں نے ابن بریدی کی فوجوں کو پیہم شکستیں دیں، ترکی افواج کا مقابلہ اس کے بس میں نہ تھا، اس لیے اس نے عمائد بصرہ کے ذریعہ ابن رائق سے صفائی کی کوشش کی مگر وہ آمادہ نہ ہوا اس کے انکار پر اہل بصرہ نے خود مصالحت کی کوشش کی اور ابن رائق سے درخواست کی کہ اگر ان کو آئندہ کے لیے حسن سلوک کا یقین دلایا جائے تو وہ ابن بریدی کا ساتھ چھوڑنے کے لیے تیار ہیں، لیکن ابن رائق ان سے سخت برہم تھا، اس لیے اس کی درخواست بھی مسترد کر دی اور بحری و بری دو سمتوں سے بصرہ پر حملہ کر دیا بری فوج کو شکست ہوئی لیکن بحری فوجوں نے کلاء پر قبضہ کر لیا، ابن بریدی کے لیے تنہا مقابلہ کرنا مشکل تھا، اس لیے وہ اپنے بھائی ابوالحسین کو بصرہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر خود حصول امداد کے لیے جزیرہ اوال چلا گیا، اس کے جانے کے بعد بصرہ والوں نے ابن بریدی کی فوجوں کو کلاء سے نکال دیا، ابن رائق کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بجکم کو لے کر خود بصرہ کی طرف بڑھا لیکن بصری اس کے خلاف تھے اس لیے کامیابی نہ ہوئی اور اسے اپنی فرودگاہ پر واپس آنا پڑا۔

ابن بریدی بصرہ سے نکل کر عمادالدولہ کے پاس فارس پہنچا اور ابن رائق کی زبوں حالی

سنا کر اسے عراق پر قبضہ کے لیے ابھارا' یہ اپنی حکومت کے فکر ہی میں تھا' اس لیے اپنے بھائی معزالدولہ کو فوجیں دے کر ابن بریدی کے ساتھ کر دیا انہوں نے اہواز کا رخ کیا' بجکم نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا' مگر اس کو شکست ہوئی' دوسری طرف فخرالدولہ نے بڑھ کر اس کی دوسری فوج کو شکست دی اور عسکر مکرم پر قبضہ کر لیا' عسکر مکرم پر قبضہ کے بعد جب خوزستان میں فخرالدولہ کی قوت بڑھ گئی' تو دیالمہ ابن بریدی کو چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہو گئے اور فخرالدولہ کا رویہ بھی اس کے ساتھ بدل گیا' اس کو اندازہ ہوا کہ فخرالدولہ اسے اہواز سے بے دخل کرنا چاہتا ہے اس لیے دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے' بجکم کو اس کی خبر ملی تو اس نے اس اختلاف سے فائدہ اٹھا کر سوس اور جندیسابور پر قبضہ کر لیا اور خوزستان میں فخرالدولہ کی قوت کمزور پڑ گئی' لیکن اس نے اہواز پر قبضہ کر کے اس کی تلافی کر لی اور ابن بریدی کو اہواز سے دست بردار ہو کر اپنے مرکز بصرہ واپس جانا پڑا۔

**ابن رائق کے خلاف ابن مقلہ کی سازش اور اس میں ناکامی** اس زمانہ میں عباسی وزارت مصر و شام کے والی خراج ابوالفتح فضل بن جعفر کے ہاتھوں میں تھی' اس نے حکومت کی حالت دگرگوں دیکھی تو ابن رائق کو مصر و شام کی حکومت کے حصول کے لیے ابھارا اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر اس کو اس کے سابق عہدہ پر واپس کر دیا جائے تو وہ مصر و شام پر قبضہ کرانے میں اس کی پوری مدد کرے گا' بغداد کی امیر الامرائی گو بہت بڑا منصب تھا اور ایک طرح عباسی حکومت کی فرمانروائی تھی' لیکن نظام حکومت کی ابتری کی وجہ سے اس کے ساتھ سینکڑوں قسم کی زحمتیں پیدا ہو گئی تھیں اس لیے ابن رائق آمادہ ہو گیا۔ اور ابوالفتح کو مصر و شام کے خراج کے عہدہ پر واپس کر دیا' اس کے بعد راضی نے سابق وزیر ابن مقلہ کو وزیر بنایا' اس کی وزارت محض برائے نام تھی' اختیارات تمام ابن رائق کے ہاتھوں میں تھے' ابن رائق نے اس کی اور اس کے لڑکوں کی تمام املاک ضبط کر لیں ابن مقلہ نے اس کی واپسی کی بڑی کوشش کی' لیکن ناکام رہا' اس لیے ابن مقلہ ابن رائق کے خلاف ہو گیا اور بجکم سے جو اس وقت خوزستان میں تھا' خط و کتابت کر کے اس کو امیر الامرائی کا منصب حاصل کرنے کے لیے ابھارا اور راضی سے کہا کہ اگر ابن رائق اور اس کی جماعت کو گرفتار کر کے بجکم کو امیر الامراء بنا دیا جائے تو میں اس سے اکتالیس لاکھ اشرفیاں وصول کر دوں گا' راضی اس پر خوش دلی سے آمادہ نہ تھا' لیکن اس پر اس نے انکار

بھی نہیں کیا' ابن مقلہ نے بجکم کو لکھ دیا کہ راضی تم کو امیر الامراء بنانے پر آمادہ ہے اور خود اس کام کی تکمیل تک راضی کے پاس رہنے کے لیے قصر خلافت چلا آیا راضی دل سے اس سازش کو پسند نہ کرتا تھا' اس لیے اس نے ابن مقلہ کو ایک حجرہ میں بند کر کے دوسرے دن صبح کو ابن رائق کو اس کے سارے منصوبوں سے آگاہ کر دیا' اس نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا' لیکن وزارت کے منصب پر قائم رکھا۔

**بغداد پر بجکم کا قبضہ اور اس کی امیر الامرائی** بجکم کے پاس ابن مقلہ کا پیام پہنچ چکا تھا' عراق اور خوزستان میں اس کی قوت بھی کافی بڑھ چکی تھی' امیر الامرائی کا منصب اتنا جلیل القدر تھا کہ ہر امیر اس کا خواہش مند تھا' اس لیے ابن مقلہ کے پیام کے بعد بجکم اس کے حصول کی تدبیر میں مصروف ہو گیا ابن رائق اس سے بے خبر نہ تھا اس کے توڑ کے لیے اس نے ابن بریدی کو لکھا کہ اگر اس وقت تم بجکم کے مقابلہ میں میری مدد کرو تو میں واسط کو اس کے قبضہ سے نکالنے کے بعد تمہارے ٹھیکہ میں دے دوں گا" بجکم کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بغداد کا ارادہ ملتوی کر کے ابن بریدی سے نمٹنے کے لیے بصرہ کی طرف بڑھا' ابن بریدی نے محمد الجمال کو دس ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا بجکم نے اسے شکست دے کر واپس کر دیا' اس وقت اس کو بغداد کی امیر الامرائی کی دھن لگی ہوئی تھی اور تاخیر کی صورت میں طرح طرح کے خطرات تھے' اس لیے اس نے ابن بریدی سے مصالحت کی کوشش کی اور اس کو لکھا کہ اگر مجھ کو بغداد کی حکومت کے حصول میں کامیابی ہو گئی تو تم کو واسط کا حاکم بنا دوں گا اور تم سے رشتہ بھی قائم کر لوں گا' ابن بریدی پیہم لڑائیوں سے گھبرا گیا تھا اس لیے اس پیام مصالحت کو قبول کر لیا اور دونوں میں صلح ہو گئی۔

ابن بریدی کی جانب سے اطمینان حاصل ہونے کے بعد بجکم ذی الحجہ ۳۲۶ھ میں بغداد کی طرف بڑھا۔ ابن رائق برابر اس کے حالات کی خبر رکھتا تھا' چنانچہ وہ اس کے مقابلہ کے انتظام میں بھی مشغول رہا اور بجکم کے نام راضی کا امتناعی حکم بھی بھجوا دیا کہ وہ بغداد کا قصد نہ کرے اور واسط لوٹ جائے' اس نے اس کو پڑھ کر پھینک دیا اور پیش قدمی جاری رکھی اور نہر دیالی کے مشرقی جانب فوجیں اتاریں' ابن رائق کی فوجیں بھی اس کے مغربی سمت پہنچ چکی تھیں' درمیان میں دریا حائل تھا' بجکم نے دریا میں فوجیں اتار دیں' اس کی

ہمت دیکھ کر ابن رائق کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور اس نے بغیر لڑے میدان خالی کر دیا اور بجکم نہر کو پار کر کے بغداد کے حدود میں داخل ہو گیا ابن رائق بغداد چھوڑ کر نکل گیا اور بجکم بغیر کسی جنگ کے آسانی کے ساتھ بغداد میں داخل ہو گیا' اس زمانہ میں خود خلفاء میں کوئی دم خم نہ تھا اور وہ ہر غالب قوت کے ساتھ ہو جاتے تھے اس لیے راضی نے بجکم کی کوئی مخالفت نہیں کی بلکہ دوسرے دن اس کو بلا کر خلعت عطا کیا اور ابن رائق کی جگہ امیر الامرائی کے منصب پر سرفراز کیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۱۱۲)

**بغداد پر ابن رائق کا دوبارہ قبضہ** موصل میں آل حمدان عباسی حکومت کے زیر سیادت حکومت کرتے تھے اور اس کو سالانہ خراج ادا کرتے تھے' راضی کے زمانہ میں ناصر الدولہ والی موصل نے خراج روک دیا تھا' اس لیے بجکم کی امیر الامرائی کے بعد ۳۲۷ھ میں راضی اور بجکم نے موصل پر فوج کشی کی' راضی تکریت میں ٹھہر گیا اور بجکم نے آگے بڑھ کر کحیل میں ناصر الدولہ کو شکست دی' وہ شکست کھا کر آمد چلا گیا اور بجکم نصیبین میں ٹھہر گیا' ابن رائق اس وقت بغداد میں روپوش تھا' یہاں کا میدان خالی پا کر اس نے قرامطہ کی مدد سے بغداد پر قبضہ کر لیا اس لیے بجکم کو ناصر الدولہ کی مہم ناتمام چھوڑ کر لوٹ جانا پڑا' اس کے ہٹتے ہی ناصر الدولہ نے نصیبین اور دیار ربیعہ پر قبضہ کر لیا' اس کو اب تک بغداد پر ابن رائق کے قبضہ کی خبر نہ تھی اس لیے نصیبین پر قبضہ کے بعد پانچ لاکھ درہم ادا کر کے راضی سے صلح کر لی۔

**بجکم کی واپسی اور شام کی حکومت پر ابن رائق کا قبضہ** ابن رائق کے پاس کوئی قوت نہ تھی اس نے محض راضی اور بجکم کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر بغداد پر قبضہ کر لیا تھا' جو مستقل قائم نہ رہ سکتا تھا اس سے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس کے ذریعہ وہ مصر و شام کی حکومت جس کی طمع اسے وزیر ابو الفتح نے دلائی تھی حاصل کرے چنانچہ راضی اور بجکم کی واپسی کے قبل ہی اس نے راضی سے صلح کر لی اور راضی نے اس کی خواہش کے مطابق اس کو دیار مضر' حران' رہا' قنسرین کی چھاؤنی اور عواصم وغیرہ کا والی بنا دیا حکومت کا پروانہ ملنے کے بعد اس نے بغداد چھوڑ دیا اور ربیع الاول ۳۲۷ھ میں راضی اور بجکم دونوں بغداد واپس آ گئے۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۱۱۴)

**بالیا کی بغاوت اور گرفتاری** بجکم کو ناصر الدولہ اور ابن رائق کی جانب سے اطمینان

حاصل ہوا تھا کہ ایک ترکی افسر بالیا باغی ہو گیا' یہ انبار میں بجکم کی جانب سے نیابت کرتا تھا' اس نے اس سے درخواست کی کہ پورا فراتی علاقہ اس کی حکومت میں دے دیا جائے تاکہ وہ ابن رائق والی شام سے اس کی حفاظت کر سکے بجکم نے اسے منظور کر لیا' لیکن حکومت کا پروانہ ملنے کے بعد وہ ابن رائق سے مل گیا اور راضی اور بجکم کے مقابلہ میں اس کا حامی و مددگار بن گیا' ان دونوں کے اتحاد سے بجکم کو خطرہ پیدا ہو گیا' اس نے فوراً اس کے مقابلہ کے لیے ایک فوج روانہ کی یہ خفیہ نقل و حرکت کرتی ہوئی رحبہ پہنچ گئی اور بالیا کو دفعۃً گرفتار کر لیا اور وہ بغداد لا کر قید کر دیا گیا۔

## ابن بریدی کی فتنہ انگیزی اور ناکامی

بجکم ابن بریدی میں ظاہری صلح تو ہو گئی تھی لیکن اندرونی تعلقات خراب رہے' ۳۲۶ھ میں بجکم کے وزیر ابو جعفر محمد بن یحییٰ نے تعلقات استوار کرانے کی کوشش کی بجکم خود تو اس سے صاف ہو گیا اور چھ لاکھ سالانہ پر ابن بریدی کو واسط کا ٹھیکہ دے دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عباسی وزیر ابوالفتح فضل بن جعفر کی موت کے بعد ابن بریدی کو راضی کا وزیر بنوا دیا' وہ خود تو خوزستان میں رہتا تھا' بغداد میں اس کی جانب سے عبداللہ بن علی نیابت کرتا تھا' بجکم نے اس کی لڑکی سے شادی بھی کر لی تھی' لیکن ابن بریدی بڑا خود غرض اور کینہ پرور تھا' احسانات اور تعلقات کے بعد بھی صاف نہ ہوا اور برابر اس کو زیر کرنے کی تدبیر میں مشغول رہا۔

عراق' فارس اور خوزستان کے لیے بنی بویہ' وشمگیر اور ابن بریدی تین طاقتوں میں کش مکش جاری تھی' ابن بریدی نے بجکم کو بغداد سے ہٹانے کے لیے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ تم عراق پر فوج کشی کر دو بنی بویہ تمہاری مدافعت میں لگ جائیں گے اور میں اہواز پر قبضہ کر لوں گا' بجکم اس کے فریب میں آ گیا اور بنی بویہ کے مقابلہ کے لیے حلوان کی طرف بڑھا اور ابو زکریا سوری کو فوج دے کر ابن بریدی کی مدد کے لیے بھیجا' اس نے اس کو بنی بویہ کے مقابلہ کے لیے بہت ابھارا' لیکن ابن بریدی اس کا منتظر تھا کہ جیسے ہی بجکم بنی بویہ سے الجھے وہ بغداد پہنچ کر قبضہ کر لے' اس لیے برابر ٹالتا رہا ابو زکریا کو اس کا اندازہ ہو گیا' اس نے بجکم کو خبر دی اس لیے وہ راستہ ہی سے بغداد لوٹ گیا اور فوجیں جمع کر کے بری اور بحری دونوں سمتوں سے واسط پر فوج کشی کر دی اور ابن بریدی کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ واسطہ چھوڑ کر بصرہ چلا گیا اور بجکم نے آسانی کے ساتھ اس پر قبضہ کر لیا۔

## شام پر ابن بریدی کا قبضہ اور اخشیدی حکومت سے صلح

اوپر گذر چکا ہے کہ راضی نے ابن رائق کو دیار مضر اور رہا اور حران کا والی بنا دیا تھا' اس زمانہ میں شام و مصر کا علاقہ اخشیدی حکومت کے ماتحت تھا' صرف شام کے چند سرکاری مقامات براہ راست عباسی حکومت کے قبضہ میں تھے۔ ابن رائق نے شام کی سرحد پر اخشیدی مقبوضات پر حملہ کر کے حمص' دمشق اور رملہ سے اخشیدی عمال نکال دیئے اور مصر کی طرف بڑھا' عریش میں محمد بن طغج اخشیدی نے روکا' ابن رائق نے اسے شکست دی اور اس کی فوجیں لوٹ میں مشغول ہو گئیں' اخشیدی فوجوں کا حصہ کمین گاہ میں چھپا تھا اس نے نکل کر حملہ کر دیا۔ ابن رائق کی فوجیں غافل تھیں اس لیے ان کو فاش شکست ہوئی اور ابن رائق کو ناکام واپس جانا پڑا۔ اس کی واپسی کے بعد محمد بن طغج نے اپنے بھائی ابونصر کو ایک بڑی فوج کے ساتھ دمشق روانہ کیا' لجون میں دونوں کا مقابلہ ہوا' اور ابونصر شکست کھا کر مقتول ہوا' ابن رائق نے اس کی لاش طغج کے پاس اپنے لڑکے مزاحم کے ہمراہ بحفاظت مصر بھجوا دی اور اس کو لکھا کہ میرا ارادہ قتل کرنے کا نہ تھا' یہ واقعہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آ گیا' جس کا مجھ کو افسوس ہے میں اپنے لڑکے کو فدیہ میں بھیجتا ہوں' اگر آپ چاہیں تو اس کو اپنے بھائی کے بدلہ میں قتل کر سکتے ہیں' محمد بن طغج اس تحریر سے متاثر ہوا اور مزاحم کو عزت و تکریم کے ساتھ ٹھہرایا اور خلعت دے کر واپس کیا اور دونوں میں اس تقسیم پر مصالحت ہو گئی کہ رملہ اس پار مصر تک اخشیدی حکومت کا رقبہ ہے اس میں ابن رائق آئندہ مداخلت نہ کرے گا' باقی شام کا پورا علاقہ ابن رائق کی حکومت میں رہے گا اور وہ ایک لاکھ چالیس ہزار دینار سالانہ اخشیدی حکومت کو ادا کیا کرے گا۔

اوپر کے واقعات سے یہ ظاہر ہے کہ راضی کا پورا دور حوادث و فتن کا آماجگاہ رہا' امراء و عمال کی خود سری' جنگ و جدال اور بدامنی کی وجہ سے خراج کی آمدنی اتنی گھٹ گئی تھی کہ حکومت کے اخراجات بھی پورے نہ ہوتے تھے اور آئے دن وزارتیں بدلتی تھیں' لیکن اس صورت حال کی اصلاح کی کوئی شکل نہ نکلتی تھی' امیر الامرائی کے عہدہ کے قیام سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ ان پر شور حالات کی وجہ سے اس کے زمانہ میں کئی وزارتیں بدلیں۔

**وزارتیں** راضی کا پہلا وزیر ابو علی بن مقلہ تھا' اسکے حالات مقتدر کے عہد میں لکھے جا

چکے ہیں کئی سال وزارت کرنے کے بعد اسے فوج کی بغاوت کی بناپر وزارت کے عہدہ سے ہٹنا پڑا' اس کے بعد عبدالرحمن بن عیسیٰ کو یہ منصب ملا' لیکن اس میں بگڑے ہوئے نظام کو سنبھالنے کی مطلق صلاحیت نہ تھی' اس لیے چند ہی دنوں کے بعد خود مستعفی ہو گیا' اس کے بعد ابو جعفر محمد بن کرخی وزیر بنایا گیا اس میں بھی کوئی اہلیت نہ تھی' یہ اتنا پستہ قد تھا کہ جب خلیفہ کی پیشی میں کھڑا ہوتا تھا تو اس کا سر تخت خلافت تک نہ پہنچتا تھا' اس کے لیے تخت کو نیچا کرنا پڑا' لوگوں نے اس کو بدشگونی پر محمول کیا' کم از کم اس کے حق میں یہ بدشگونی صحیح ثابت ہوئی اور چند ہی دنوں کے بعد حالات نے ایسی پیچیدہ شکل اختیار کر لی کہ اسے وزارت چھوڑ کر روپوش ہو جانا پڑا اس کے بعد سلیمان بن وہب بن مخلد کو یہ عہدہ ملا لیکن یہ بھی ناکام رہا' جب وزراء سے ملک کی حالت اور حکومت کا میزانیہ نہ سنبھل سکا تو ابن رائق نے اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیا اور ذمہ داری لی کہ اگر تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں' تو جس طرح ممکن ہو گا وہ حکومت کے اخراجات پورے کرے گا' راضی کو چاروناچار منظور کرنا پڑا اور امیرالامراء کا عہدہ قائم کر کے ابن رائق کو اس منصب پر سرفراز کیا اور حکومت کے جملہ اختیارات اسے تفویض کر دیئے' امیرالامرائی کے قیام کے بعد وزارت کا عہدہ تو برائے نام قائم رہا مگر اس کے اختیارات سب سلب ہو گئے' امور مملکت کا ذمہ دار اور اس کے سیاہ و سپید کا مالک امیر الامراء ہوتا تھا' وزیر کی حیثیت اس کے ماتحت کاتب سے زیادہ نہ تھی' ابن رائق نے سلطنت کے اخراجات پورے کرنے کی ذمہ داری تو لے لی تھی لیکن اسے پورا کرنا مشکل تھا' اسلئے اسکو کسی ایسے وزیر کی تلاش تھی جو اخراجات کے لیے روپیہ فراہم کر سکے' ابوالفتح فضل ابن جعفر دولت عباسی کی جانب سے مصر و شام کے خراج کا والی تھا' ان دونوں مقاموں پر نیم آزاد حکومتیں قائم تھیں' ان سے خراج وصول کرنے کی خدمت ابن جعفر کے سپرد تھی' اس لیے ابن رائق نے اسے بلا کر منصب وزارت تفویض کیا کہ اس کے ذریعہ مصر و شام کے محاصل مل جایا کریں گے' راضی نے اسے خلعت سے نوازا لیکن چند ہی دنوں کے بعد ابن رائق نے اپنی غرض سے جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اسکو خراج کے عہدہ پر واپس کر دیا' اسکے بعد سابق وزیر ابن مقلہ کو دوبارہ منصب وزارت ملا' اس کے اور ابن رائق کے درمیان جو واقعات پیش آئے اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' ابن مقلہ کے بعد سلیمان بن حسن اس خدمت

پر مامور ہوا۔ اور اسی پر راضی کے دور کا خاتمہ ہو گیا۔ (یہ تمام حالات الفخری ص ۲۵۳ تا ۲۵۵ سے ماخوذ ہیں کہیں کہیں پر ابن اثیر سے بھی مدد لی گئی ہے)

**وفات** ربیع الاول ۳۲۹ھ میں راضی مرض استسقاء میں مبتلا ہوا اور اسی مہینہ میں انتقال کر گیا' انتقال کے وقت کل ۳۲ سال کی عمر تھی' مدت خلافت چھ سال دس مہینے۔

**راضی کے زمانہ میں عباسی خلافت کی زبوں حالی** گو راضی میں بہت سے اوصاف تھے اور اس نے خلافت کا ظاہری ٹھاٹھ اور وقار قائم رکھا لیکن اس کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی تھیں اس لیے اس کو نہ سنبھال سکا اور اس کے زمانہ میں دولت عباسیہ کے پرزے اڑ گئے' مغرب یعنی شمال افریقہ کا علاقہ عرصہ سے عباسیوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا' اور یہاں علویوں کی آزاد حکومت قائم تھی' مصر اور شام کے ایک حصہ میں محمد بن طغج کی نیم آزاد حکومت قائم تھی' وہ صرف عباسی حکومت کو خراج ادا کرتا تھا مشرقی صوبوں میں بھی جو عباسی حکومت کا خاص علاقہ تھا' خود سر امراء نے آزاد اور نیم آزاد حکومتیں قائم کر لی تھیں' ماوراء النہر میں سامانی حکمران تھے' موصل' دیار ربیعہ اور دیار مضر میں آل حمدان کی حکومت تھی' طبرستان اور جرجان میں دیلمی حکومت قائم ہو چکی تھی' فارس کا علاقہ اور خوزستان کا ایک حصہ عماد الدولہ کے قبضے میں تھا' اور اس کے بڑے حصہ پر ابو عبداللہ بریدی مسلط تھا' عراق' عجم کے لیے رکن الدولہ اور وشمگیر میں رسہ کشی ہو رہی تھی' کرمان ابو علی محمد بن الیاس کے تصرف میں تھا' بحرین اور یمامہ پر قرامطہ مسلط تھے' بصرہ اور واسط ابن رائق کے پاس تھے' غرض عراق سے لے کر سندھ تک دولت عباسیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھی خلیفہ کے قبضہ میں صرف بغداد اور اس کے نواح کا حصہ رہ گیا تھا' ابن رائق کی امیر الامرائی کے بعد بھی اس کو راضی پر اختیار نہ رہ گیا اور محض زرنگار تخت پر بیٹھ کر اس ادبار کا تماشا دیکھتا رہا۔

لیکن اس زوال و انحطاط کے زمانہ میں بھی اس نے عباسی دربار کی تمام پرانی روایات اور خصوصیات کو قائم رکھا اس کا عہد اس بہار کا آخری منظر تھا' دربار کے تمام پرانے آداب و رسوم اسی طرح قائم تھے۔ اہل علم اور ندیموں کا مجمع رہتا تھا' شاہی خدم و حشم' حاجب و چاؤش' عطایا و انعامات اور مصارف مطبخ کسی چیز میں کمی نہیں آنے دی۔ (الفخری ص ۲۵۲ و ابن اثیر ج ۸ ۱۹۸) لیکن اس کے بعد ہی اس بہار پر خزاں آ گئی۔

**اوصاف** علمی اوصاف کے اعتبار سے راضی نہایت لائق خلیفہ تھا' تاریخ ادب اور شاعری سے خاص ذوق رکھتا تھا' خود بھی خوشگوار اور قادر الکلام شاعر تھا' سلاطین و فرمانرواؤں کی طرح محض تبرکاً اس کی شاعری نہ تھی بلکہ صاحب دیوان تھا' تاریخ کی کتابوں میں اس کے متفرق اشعار ملتے ہیں دو شعر نمونتہ" یہ ہیں۔

(الفخری ص ۲۵۵ و تاریخ الخلفاء ص ۴۰۲)

یصفر وجھی اذا تاملته　طرفی ویحمر وجھه خجلا

حتی کان الذی بوجنته　من دم جسمی الیه نقلا

ترجمہ:- جب میں اس کی جانب نگاہ کرتا ہوں تو میرا چہرہ زرد اور اس کے رخسارے شرم سے سرخ ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے جسم کا خون اس کے رخساروں میں منتقل ہو گیا ہے اس لیے میرا جسم تو زرد ہو جاتا ہے اور اس کا چہرہ سرخ۔

تاریخ میں اس کے معلومات نہایت وسیع تھے اور تاریخی مذاکروں سے اسے بڑی دلچسپی تھی' علماء اور اہل کمال کا بڑا قدر دان تھا اس کے دربار میں بڑے بڑے ارباب کمال جمع اور اس کی فیاضی سے مستفیض ہوتے تھے۔ (مروج الذہب ج ۸ ص ۳۸۹)

فیاضی اور سیر چشمی میں بھی اپنے اسلاف کی یادگار تھا اس کے ندیم اور حاشیہ نشین اس کی فیاضیوں سے مالا مال تھے وہ روزانہ انہیں کوئی نہ کوئی انعام عطا کرتا تھا' جو لوگ چند دن بھی اس کے دربار میں رہ جاتے وہ اتنے مالا مال ہو جاتے کہ پھر انہیں کوئی احتیاج باقی نہ رہ جاتی تھی' اگر اس کی غلط بخشیوں پر کوئی ٹوکتا تو جواب دیتا کہ میں اس میں امیرالمومنین سفاح کا پیرو ہوں' ان کا طریقہ تھا کہ جب کوئی ندیم یا مفتی آتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے اور کہتے کہ مجھے اس شخص پر تعجب آتا ہے کہ ایک شخص اس کو خوش کرتا ہے تو خوشی تو وہ نقد حاصل کر لیتا ہے اور اس کا معاوضہ ادھار پر ٹال دیتا ہے۔

(مروج الذہب ج ۸ ص ۳۳۹)

# ابو اسحاق ابراہیم بن مقتدر الملقب بہ متقی باللہ

## ۳۲۹ھ تا ۳۳۳ھ مطابق ۹۴۱ء تا ۹۴۴ء

راضی کے بعد ارکان دولت نے راضی کے بھائی ابراہیم کو خلیفہ منتخب کیا اور ربیع الاول ۳۲۹ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور متقی باللہ لقب اختیار کیا' اس وقت اس کا چونتیسواں سال تھا۔

امیر الامراء بجکم اس وقت واسط میں تھا' متقی نے اس کے پاس خلعت اور لوائے خلافت بھیجا' سلامہ طولونی کو حجابت کا منصب عطا کیا اور وزارت پر سلیمان بن وہب بدستور قائم رہا۔ لیکن اس کی وزارت برائے نام تھی' اختیارات تمام تر امیر الامراء کے ہاتھوں میں تھے' فارس' عراق اور خوزستان میں امراء کی کشمکش برابر جاری رہی بلکہ اس کا سلسلہ اور زیادہ وسیع ہو گیا لیکن اس کو دولت عباسیہ سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے' اس لیے ان کے صرف وہی حالات لکھے جائیں گے جن کو براہ راست دولت عباسیہ سے کوئی تعلق ہو گا۔

**بجکم کی موت** اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ راضی کے آخری دور میں بجکم نے ابن بریدی کو واسط سے نکال دیا تھا' اسی سفر میں اس نے دولت کی طمع میں کردوں کے ایک جرگہ پر حملہ کر دیا لیکن وہ خود ہی ایک کرد کے نیزہ کا نشان بن گیا' اس کی موت کی خبر بغداد پہنچی تو متقی نے اس کا گھر ضبط کر کے اس کی بے شمار دولت پر قبضہ کر لیا۔

(ابو الفداء ج ۲ ص ۲۸)

ابن بریدی کا سب سے بڑا حریف بجکم تھا' اس کی موت سے اس کا راستہ صاف ہو گیا بجکم کی دیلمی سپاہ بھی اس کے پاس چلی گئی' یہ سب روپے کے بھوکے تھے اور واسط دولت کا خزانہ تھا' اس لیے روپیہ کی طمع میں واسط کی طرف بڑھے' متقی کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے روکنے کی کوشش کی' انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو روپے کی ضرورت ہے اگر یہ روپیہ ہمیں مل جائے تو ہم لوٹ جائیں گے متقی نے ڈیڑھ لاکھ دینار بھجوا دیئے' روپے ملنے

کے بعد انہوں نے پھر کہلا بھیجا کہ ہم حکومت کی جانب سے ابن بریدی کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے ہم کو مزید روپیہ دیا جائے اور مقابلہ کے لیے کوئی افسر مقرر کیا جائے متقی نے اسے بھی منظور کر لیا اور چار لاکھ دینار دیلمی سپاہ اور بغدادی فوج میں تقسیم کیے اور سلامہ حاجب کو ان کا افسر مقرر کیا اور یہ سب ابن بریدی کے مقابلہ کے لیے نہر دیالی پر جمع ہوئے۔

**بغداد پر ابن بریدی کا قبضہ' ناکام واپسی اور کورتکین کی امیر الامرائی** ابن بریدی عرصہ سے امیر الامرائی کا خواہش مند تھا اس لیے بجکم کی موت کے بعد وہ بغداد کی طرف بڑھا' دیالمہ جو سلامہ حاجب کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے تھے اس کو روکنے کے بجائے کچھ اس سے مل گئے' اور کچھ بنی حمدان کے پاس موصل چلے گئے' اس لیے سلامہ طولونی اور دوسرے امراء کو روپوش ہو جانا پڑا اور ابن بریدی بغداد کے دروازے پر پہنچ گیا' یہاں کوئی روکنے والا نہ تھا' یہ صورت دیکھ کر امرائے بغداد نے اپنا کل سامان بغداد سے منتقل کر دیا اور رمضان ۳۲۹ھ میں ابن بریدی بغداد میں داخل ہو گیا لیکن اپنے تمرد اور سرکشی سے متقی سے نہیں ملا' مگر وہ اتنا مجبور و بے بس تھا کہ ابن بریدی کی پذیرائی کرنے پر مجبور ہو گیا اور بغداد کے داخلہ پر خود اس کے پاس پیام تہنیت کہلا بھیجا اور اس کے لیے مطبخ شاہی سے خاصہ بھجواتا رہا' لیکن اس کے باوجود اس کی رعونت میں فرق نہ آیا اور بزور وزیر دولت کو معزول کر کے بصرہ کی جیل میں بھجوا دیا اور متقی سے فوجی اخراجات کے پانچ لاکھ دینار طلب کیے اور دھمکی دی کہ اگر دینے میں ذرا تامل ہوا تو معتز' مستعین اور مہتدی کی طرح اس کا بھی حشر ہو گا' متقی بے بس تھا' اس لیے اس کو چار و ناچار یہ رقم حوالہ کرنا پڑی' ابن بریدی نے یہ کل رقم خود لے لی اور فوج کو ایک حبہ نہ دیا اس لیے ترکی اور دیلمی دونوں اس سے بگڑ گئے' ترکوں کا سردار کورتکین بھی ساتھ ہو گیا اور دونوں نے اس سے کل سامان چھین لیا' بغداد کے عوام نے بھی دیالمہ کا ساتھ دیا' اس لیے ابن بریدی مقابلہ نہ کر سکا اور اسے بغداد چھوڑ کر واسط بھاگ جانا پڑا' متقی میں خود کوئی دم نہ تھا اس لیے بریدی کی طرح اس کو کورتکین کی پذیرائی کرنی پڑی اور اس کو بادل ناخواستہ امیر الامراء بنا دیا۔

اوپر گذر چکا ہے کہ دیلمی فوج کا ایک حصہ بنی حمدان کے پاس موصل چلا گیا تھا' یہ

بھی روپیہ کے طالب تھے لیکن بنی حمدان سے انہیں کچھ حاصل نہ ہوا' اس وقت عباسی امراء میں سب سے بڑی شخصیت ابن رائق والی شام کی تھی اس لیے یہ لوگ موصل سے شام پہنچے اور ابن رائق کو بغداد چلنے پر آمادہ کیا' اسی دوران میں اس کی طلبی میں متقی کا خط آ گیا' یہ خود بھی بغداد کی امیرائی کا خواہش مند تھا' اس لیے فوراً بغداد روانہ ہو گیا ابن بریدی کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے موقع پا کر واسط پر قبضہ کر لیا' اس درمیان میں ابن رائق بغداد کے قریب پہنچ گیا عکبرا میں اس کا اور کورتکین کا مقابلہ ہوا اور معمولی جھڑپ کے بعد ابن رائق مغربی سمت سے بغداد میں داخل ہو گیا' دوسری جانب سے کورتکین اپنی پوری قوت کے ساتھ مشرقی سمت سے پہنچ گیا' اس کے داخلہ کے بعد ابن رائق مایوس ہو گیا' لیکن اتفاق سے اہل بغداد اس کے ساتھ ہو گئے اور دونوں نے مل کر کورتکین کو شکست دے دی' کورتکین کی شکست کے بعد متقی نے ابن رائق کو امیر الامرائی کا منصب عطا کیا۔

**بغداد پر ابن بریدی کا قبضہ اور ابن رائق اور متقی کا فرار** لیکن وہ مالی دشواریوں کی وجہ سے زیادہ دنوں تک اس منصب پر نہ رہ سکا' فوجوں نے اس سے روپے کا مطالبہ شروع کیا' ابو عبداللہ بن بریدی نے واسط پر قبضہ کر کے خراج روک دیا تھا اس لیے ابن رائق فوج کا مطالبہ پورا نہ کر سکا اور وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر ابن بریدی کے پاس چلی گئی' اس نے فوراً اپنے بھائی ابوالحسین کو فوج کے ساتھ بغداد روانہ کر دیا۔ ابن رائق اور اہل بغداد دونوں نے مل کر اس کا مقابلہ کیا' لیکن ابوالحسین نے دونوں کو شکست دی اور متقی کو بغداد چھوڑ کر موصل جانا پڑا۔ بغداد پر قبضہ کے بعد ابوالحسین اور اس کی فوج نے شہر کو خوب لوٹا اور اہل شہر پر بڑے مظالم ڈھائے' تمام عمائد سلطنت شہر چھوڑ کر نکل گئے اور ابن بریدی کی فوج نے بغداد لوٹ کر بالکل ویران کر دیا۔

**ابن رائق کا قتل اور بغداد پر متقی کا دوبارہ قبضہ اور ناصر الدولہ کی امیر الامرائی** متقی بغداد سے نکلنے کے بعد موصل چلا گیا حدود موصل میں پہنچنے کے بعد اپنے لڑکے ابو منصور کو ابن رائق کے ساتھ ناصر الدولہ ہمدانی والی مصر کے پاس مدد مانگنے کے لیے بھیجا' ناصر الدولہ نے شہزادہ شایان شان اس کا اعزاز کیا' لیکن ابن رائق کو جس کے ساتھ اسے پہلے سے دشمنی تھی قتل کرا دیا اور خود متقی کی خدمت میں حاضر ہو گیا' اس کو

اس وقت ناصرالدولہ کی مدد کی ضرورت تھی اس لیے ابن رائق کے قتل کے واقعہ پر چشم پوشی سے کام لیا اور ناصرالدولہ کو امیرالامراء بنایا اور اس کے بھائی ابوالحسین علی کو سیف الدولہ کا خطاب عطا کیا' اور ناصرالدولہ ابن بریدی کو نکالنے کے لیے متقی کے ساتھ بغداد آیا' ابن بریدی میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے وہ خود بغداد چھوڑ کر واسط چلا گیا اور اہل بغداد کو اس کے مظالم سے نجات ملی' ابن رائق کے قتل سے یہ نقصان ہوا کہ دمشق پر ابن طغج والی مصر نے قبضہ کر لیا۔ (ابوالفداء ج ۲ ص ۸۹)

## ترکوں کی بغاوت اور ناصرالدولہ کی امیرالامرائی کا خاتمہ

بغداد میں ابن بریدی کے پاس ناصرالدولہ کے مقابلہ کی قوت نہ تھی اس لیے وہ بغداد چھوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا' لیکن چند دنوں میں واسط میں تیاری کر کے پھر وہ ناصرالدولہ کے مقابلہ کے لیے نکلا' ناصرالدولہ کے بھائی سیف الدولہ نے اسے شکست دے کر واسط واپس کر دیا اور ۳۳۱ھ میں واسط پر فوج کشی کر کے یہاں سے بھی ابن بریدی کو نکال دیا۔ اور اس کے اصلی مرکز بصرہ پر حملہ کا قصد کر رہا تھا کہ اس کی فوج کے دو سرکش ترکی افسروں جخیج اور تورون نے روپیہ کے لیے علم بغاوت بلند کر دیا' اور سیف الدولہ کے لشکر گاہ پر حملہ کر کے بغداد بھاگنے پر مجبور کر دیا' ناصرالدولہ اس وقت یہیں تھا' اس لیے وہ موصل کو بچانے کے لیے روانہ ہو گیا' اس کے جاتے ہی دیالمہ اور ترکوں نے اس کے بغدادی قیام گاہ کو لوٹ لیا اور چند مہینوں کے اندر ناصرالدولہ کی امیرالامرائی کا خاتمہ ہو گیا۔

## بغداد پر تورون ترکی کا قبضہ اور اس کی امرالامرائی

دوسری طرف واسط کی حکومت کے بارہ میں جخیج اور تورون میں جھگڑا ہو گیا' پھر اس پر فیصلہ ہوا کہ حکومت تورون کے ہاتھ میں رہے گی اور فوج کی سپہ سالاری کا عہدہ خخیج کے پاس رہے گا' ابن بریدی کو اس کے اختلاف کی خبر ہوئی تو اس نے واسط پر قبضہ کر لینے کا ارادہ کیا۔ تورون نے جخیج کو اس کے مقابلہ پر مامور کیا' ابن بریدی نے تورون کو دھوکا دینا چاہا اور اس سے کہلا بھیجا کہ میں واسط کو ٹھیکہ پر لینا چاہتا ہوں' تورون اس کے فریب میں نہ آیا اور قاصد کو خوش اسلوبی کے ساتھ واپس کر دیا اس کو جخیج پر اعتماد نہ تھا اس نے اس کے پیچھے جاسوس لگا دیا۔ جاسوس نے آکر خبر دی کہ وہ ابن بریدی سے مل جانا چاہتا ہے' یہ خبر سن کر تورون نے دفعۃً جخیج کے لشکر گاہ پر پہنچ کر اس کو گرفتار کر لیا اور اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں

پھیر دیں اس دوران میں سیف الدولہ برابر تورون کے مقابلہ کی تیاری کرتا رہا' تورون کو اس کی خبر ہوئی تو وہ فوراً بغداد کی طرف بڑھا' ابھی سیف الدولہ پورے طور سے تیار نہ ہوا تھا' اس لیے اسے بغداد چھوڑ کر موصل جانا پڑا' اور رمضان ۳۳۱ھ میں تورون بغداد میں داخل ہو گیا' متقی نے حسب معمول اسے بھی امیر الامراء بنا دیا۔

## متقی اور تورون میں بدگمانی

ادھر ابن بریدی نے میدان خالی پا کر واسط پر قبضہ کر لیا اس لیے تورون کو اسے چھڑانے کے لیے نکلنا پڑا ابن بریدی کا ایک افسر ابو جعفر بن شیرزاد تورون سے مل گیا' اس نے اس کے مزاج میں اتنا رسوخ پیدا کر لیا کہ عباسی امراء تورون سے بدظن ہو گئے' اور ابن مقلہ اور تورون کے بغدادی نائب محمد بن بنال نے متقی کو اس کے خلاف بھڑکا دیا کہ تورون ابن بریدی سے مل گیا ہے اور دونوں نے آپس میں طے کیا ہے کہ آپ کے پاس بجکم کی جو دولت ہے اس پر قبضہ کر کے آپس میں بانٹ لیں اور ابن بریدی کا فوجی افسر ابن شیرزاد اس غرض سے بھیجا گیا ہے کہ وہ آپ کو پکڑ کر ابن بریدی کے حوالہ کر دے' یہ خطرہ سن کر متقی موصل جانے کے لیے آمادہ ہو گیا' اور بنی حمدان کو لکھا کہ وہ اس کو لے جانے کے لیے فوجیں روانہ کر دیں۔

## تورون کے خوف سے متقی کی موصل روانگی اور دونوں میں مصالحت

ابھی متقی موصل جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ ابو جعفر بن شیرزاد نے بغداد پہنچ کر حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی اور متقی کو بالکل نظر انداز کر دیا' اس سے اس کو خطرہ کا یقین ہو گیا' اس دوران میں ناصر الدولہ کی فوجیں متقی کو لینے کے لیے بغداد پہنچ گئیں اور وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر موصل روانہ ہو گیا' اس کے جانے کے بعد ابن شیرزاد نے اہل بغداد پر بڑے مظالم ڈھائے' اور ابن بریدی کو متقی کے موصل چلے جانے کی اطلاع دی' یہ اطلاع پاتے ہی تورون کو بغداد واپس آنا پڑا۔

متقی کے حدود موصل میں داخلہ کے ساتھ ہی ناصر الدولہ اور سیف الدولہ دونوں اس کی مدد کو پہنچ گئے تھے' اس لیے بغداد واپس آنے کے بعد تورون فوراً ان کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گیا اور ناصر الدولہ اور سیف الدولہ دونوں کو شکست فاش دے کر موصل سے بھی نکال دیا' متقی نے جب دیکھا کہ ناصر الدولہ اس کی مدد کرنے سے قاصر ہے تو وہ رقہ چلا گیا اور تورون سے کہلا بھیجا کہ تمہاری اور ابن بریدی کی مصالحت سے مجھے خطرہ پیدا ہو گیا

تھا' اس لیے میں بنی حمدان کے پاس چلا آیا تھا' میری دلی خواہش ہے کہ تم میں اور بنی حمدان میں صلح ہو جائے' اس تحریک پر توروں نے ناصر الدولہ سے صلح کرلی۔ صلح کے بعد توروں بغداد لوٹ گیا' لیکن متقی کو توروں کی جانب سے اطمینان نہ تھا' اس لیے وہ بنی حمدان ہی کے پاس رقہ میں مقیم ہو گیا۔ (یہ تمام حالات ابن خلدون ج ۴ ص ۴۱۰ و ۴۲۶ سے ماخوذ ہیں)

اس درمیان میں بنی حمدان کے ساتھ توروں کی مشغولیت سے فائدہ اٹھا کر معز الدولہ دیلمی نے واسط پر فوج کشی کر دی تھی' بغداد واپس آنے کے بعد توروں نے اسے شکست دے کر واپس کیا۔

**ابو عبداللہ بن بریدی کی موت** مسلسل لڑائیوں نے ابو عبداللہ بن بریدی کی مالی حالت بہت خراب کر دی تھی' اس کا بھائی ابو یوسف دولت مند تھا' ابو عبداللہ ایک عرصہ تک اس سے قرض لیتا رہا لیکن وہ کب تک اس کے بار کا متحمل ہوتا' نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے' ابن بریدی کی ناداری اور ابو یوسف کے تمول کی وجہ سے ابن بریدی کی فوج بھی ابو یوسف کی طرف مائل ہو گئی تھی' ابو یوسف اس سے ابن بریدی کے اسراف اور بے تدبیری کی شکایت کیا کرتا تھا' ابن بریدی کو اس کی خبریں برابر ملتی رہیں یہ بھی اس کو معلوم ہوا کہ ابو یوسف اسے ہٹا کر اس کی جگہ لینا چاہتا ہے' اس سلسلہ میں بعض اور ایسے واقعات پیش آئے کہ ابن بریدی ابو یوسف کا جانی دشمن بن گیا اور دھوکے سے اسے قتل کرا دیا' اس واقعہ کے آٹھ مہینے بعد شوال ۳۳۲ھ میں ابن بریدی کا بھی وقت آخر ہو گیا' اس کے بعد اس کا بھائی ابو الحسین اس کا جانشین ہوا لیکن اس میں کوئی اہلیت نہ تھی اس لیے فوج نے اسے ہٹا کر اس کے بھتیجے ابو القاسم کو حاکم بنا دیا۔

**بیرونی مہمات** دولت عباسیہ کی زبوں حالی کی وجہ سے بیرونی مہمات کا سلسلہ عرصہ سے رک گیا تھا جس سے رومیوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے' چنانچہ ۳۳۰ھ میں وہ شام کی سرحد میں گھس آئے اور نواح حلب کو تاخت و تاراج کر کے پانچ ہزار آدمی گرفتار کر کے لے گئے' خلافت بغداد میں مقابلہ کی سکت باقی نہ تھی' خود شام کے مسلمانوں نے اس کا انتقام لیا اور رومی حدود میں تاخت کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا اور کئی بطریق گرفتار کیے۔

اسی زمانہ میں مسیحیوں کو یہ خبر ملی کہ رہا کہ کنیسہ میں ایک رومال ہے جس سے حضرت مسیح علیہ السلام نے منہ صاف کیا تھا' اور اس پر آپ کے چہرہ کی شبیہ آگئی تھی اس

لیے ۳۳۲ھ میں قیصر روم نے متقی کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر یہ مقدس رومال اس کے پاس بھجوا دیا جائے تو اس کے بدلہ میں ان تمام قیدیوں کو جو اس کے یہاں اسیر ہیں' رہا کر دے گا۔

متقی نے قضاۃ اور فقہاء سے مشورہ کیا' بعضوں نے رائے دی کہ رومال بھیج کر قیدیوں کو چھڑا لینا چاہیے' لیکن بعض اشخاص نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ رومال عرصہ دراز سے مسلمانوں کی ملک میں چلا آ رہا ہے' آج تک کسی رومی فرمانروا نے اس کا مطالبہ نہیں کیا' اس کے دینے میں مسلمانوں کی مخالفت کا اندیشہ ہے لیکن بالاخر یہ رائے قرار پائی کہ رومال بھیج کر قیدیوں کو چھڑا لینا زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ اس کے معاوضہ میں بہت سے مسلمانوں کی جانیں بچ گئیں۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۱۳۱' ۱۳۲)

۳۳۲ھ میں روسیوں نے بحر اسود کی راہ سے آذربائیجان پر حملہ کر دیا اور بڑھتے ہوئے بروعہ تک پہنچ گئے' مسلمانوں نے مقابلہ کیا' لیکن انہیں شکست ہوئی اور روسی بروعہ میں داخل ہو گئے' مگر آبادی سے کوئی تعرض نہیں کیا' لیکن مسلمانوں نے روسیوں پر سنگباری شروع کر دی روسیوں نے پہلے انہیں روکنے کی کوشش کی' مگر جب وہ باز نہ آئے تو روسیوں نے جوش غضب میں ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر ڈالا' اس سے مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش پیدا ہو گیا' انہوں نے جہاد کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان پر ہر طرف سے مسلمان ٹوٹ پڑے اور روسیوں کو شکست دے کر نکال دیا۔

**وزارت** دولت عباسیہ میں وزارت کا عہدہ بڑا جلیل القدر تھا' وزیر ہی نظام مملکت کا ذمہ دار ہوتا تھا' اس لیے لائق ترین اشخاص کا انتخاب کیا جاتا تھا' لیکن خلافت پر زوال کے ساتھ ساتھ وزارت کی اہمیت بھی گھٹتی گئی' اور امیر الامراء کے عہدہ کے قیام کے بعد تو اس کی وقعت بالکل ہی جاتی رہی اور حکومت کے تمام اختیارات امیر الامراء کے ہاتھ میں آ گئے تھے' وزارت کا محض نام رہ گیا تھا' اور اس کے لیے کسی قابلیت کی بھی شرط نہیں رہ گئی تھی' امیر الامراء جسے اپنے مفید مطلب سمجھتا اسے وزیر بناتا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کس و ناکس وزیر ہونے لگا' اور وزارت کا عہدہ تماشا بن کے رہ گیا' متقی کے زمانہ میں کوچہ و بازار میں اس کا مضحکہ اڑایا جانے لگا' قاضی تنوخ لکھتے ہیں کہ بنی عباس کے سیاسی نظام میں سب سے پہلے عہدۂ قضا پر زوال آیا اور بے علم قضاۃ مقرر ہونے لگے' پھر وزارت پر زوال

طاری ہوا' اور متقی کے عہد میں اس کی شان و شوکت کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور گلی کوچوں میں اس کا مذاق اڑایا جانے لگا' ابوالحسین بن عباس کا بیان ہے کہ میں نے شارع خلد میں دیکھا کہ ایک جگہ بندر کا تماشا ہو رہا ہے' مداری بندر سے پوچھتا ہے کہ تم بزاز بننا چاہتے ہو۔ وہ سر کے اشارے سے ہاں کہتا ہے' پھر پوچھتا ہے عطار بننا چاہتے ہو اس پر بھی وہ اثبات میں جواب دیتا جاتا ہے' آخر میں سوال کرتا ہے' وزیر بننا چاہتے ہو اس پر وہ سر ہلا کر انکار کرتا ہے اور اس سے سارا مجمع لطف اندوز ہوتا ہے۔ (جامع التواریخ قاضی تنوخی ص ۱۱۴)

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ متقی کے دور میں وزارت کس درجہ تک پہنچ گئی تھی' امیرالامرائی کے قیام کے بعد وزراء کا عزل و نصب امیرالامراء کے ہاتھوں میں آ گیا تھا' اور خود اس عہدہ کو بھی قرار نہ تھا' جو امیر غالب ہوتا تھا' وہ امیرالامرائی کے منصب پر قابض ہو جاتا تھا' اس لیے وزارتیں بھی آئے دن بدلتی رہتی تھیں' چنانچہ متقی کے مختصر دور حکومت میں کئی وزارتیں بدلیں۔ کوئی وزیر تین چار مہینوں سے زیادہ اپنے عہدہ پر نہ رہنے پاتا تھا۔ اس کا پہلا وزیر سلیمان بن وہب بن مخلد تھا' چار مہینے کے بعد ابوالخیر احمد بن محمد بن میمون کو قلمدان وزارت سپرد ہوا' یہ محض برائے نام وزیر تھا' چھ مہینے کے بعد یہ بھی ہٹایا گیا اور ابن بریدی اس منصب کے لیے نامزد ہوا' لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد بغدادی فوج کی بغاوت کی وجہ سے اسے بھی بھاگنا پڑا' اس کے بعد وزارت کا کام عبدالرحمٰن بن عیسیٰ کے سپرد ہوا اصل وزیر ابو اسحاق محمد بن احمد اسکافی تھا' لیکن یہ کوئی کام نہ کرتا تھا' اس کی مدت وزارت کل چالیس دن تھی' اس کے بعد محمد بن قاسم کرخی وزیر مقرر ہوا' چند دنوں کے بعد پھر ابن بریدی وزیر ہوا' لیکن کل ایک مہینہ کے اندر اس کی دوسری وزارت بھی ختم ہو گئی اور احمد بن عبیداللہ اصفہانی کو یہ منصب سپرد ہوا' اس میں مطلق کوئی صلاحیت نہ تھی اس کے بعد ابن مقلہ وزیر بنایا گیا' اسی کے دور وزارت میں متقی کا زمانہ آخر ہو گیا۔

(یہ حالات ابن اثیر عہد متقی اور الفخری ص ۹۵۹ سے ماخوذ ہیں)

**متقی کی معزولی** اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امیرالامراء تورون کی وجہ سے متقی بغداد چھوڑ کر بنی حمدان کے پاس مقیم ہو گیا تھا' لیکن چند دنوں کے بعد ان کا رویہ بھی بدل گیا اور وہ اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آنے لگے' اس وقت اس کے لیے دو ہی صورتیں تھیں یا وہ تورون کو راضی کر کے بغداد واپس چلا جاتا یا کسی دوسرے امیر کے دامن میں پناہ

لیتا' اس نے بیک وقت دونوں صورتیں اختیار کیں' ایک طرف بغداد واپس جانے کے لیے توروں سے صفائی کی کوشش کی' دوسری طرف محمد بن طغج اخشیدی والی مصر کو اپنی حالت زار سے آگاہ کر کے اسے مدد کے لیے بلا بھیجا' توروں نے اس کے پیام صلح کو خوشی سے منظور کر لیا اور قضاۃ بنی ہاشم کے ارکان اور دوسرے عمائد سلطنت کے رو برو متقی کے ساتھ وفاداری کا حلف نامہ لکھ کر ان کو گواہ بنایا' ان لوگوں نے متقی کو اطمینان دلا کر بلا بھیجا' لیکن ابھی متقی رقہ سے بغداد روانہ ہوا تھا کہ محمد بن طغج بھی اس کی مدد کے لیے پہنچ گیا اور متقی کے حضور میں اظہار اطاعت و خدمت کا کوئی دقیقہ نہیں رکھا' اس کی اور اس کے تمام وابستگان دولت کی خدمت میں بیش قیمت ہدایا پیش کر کے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ مصر و شام تشریف لے چلئے' وہاں کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا' لیکن متقی اس پر آمادہ نہ ہوا' ابن طغج نے کہا کہ اگر میرے ساتھ نہیں چلتے تو خدا کے لیے بغداد نہ جائیے' توروں کا کوئی اعتبار نہیں' لیکن متقی نے یہ مشورہ بھی قبول نہ کیا اور توروں کے حلف نامے اور عمائد بغداد کی تصدیق پر اعتماد کر کے بغداد روانہ ہو گیا۔

فریب کار توروں خود سندیہ تک اس کے استقبال کے لیے آیا اور متقی کے سامنے زمین بوس ہو کر ایفائے عہد اور اطاعت کا یقین دلایا اور متقی کو اطمینان دلانے کے بعد ہی اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں' جب وہ درد کی تکلیف سے چیخا اور اس کے ساتھ خدم شاہی اور حرم سلطانی کی آوازوں کا شور بلند ہوا تو اس نمک حرام نے سب کو پٹوا کر خاموش کیا' متقی کو اندھا کرنے کے بعد اسے بغداد واپس لا کر تخت خلافت سے معزول کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۱۳۶' ۱۳۷) اس کی مدت خلافت تین سال پانچ مہینے چند دن تھی۔

**اوصاف** متقی میں امور جہانبانی کی کوئی صلاحیت نہ تھی اس لیے وہ بگڑے ہوئے نظام کو نہ سنبھال سکا اور اس کے زمانہ میں عباسی حکومت کے ظاہری ٹھاٹھ کا بھی خاتمہ ہو گیا اور خلفاء کی کوئی حیثیت نہ رہ گئی۔

ابن طقطقی کا بیان ہے کہ متقی میں جہانبانی کا کوئی وصف نہ تھا' اس کے زمانہ میں نظام حکومت درہم برہم ہو گیا' اس کے پورے دور میں جنگ و جدال اور فتنہ و فساد کا بازار گرم رہا' بغداد پر حملہ ہوا دار الخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا گیا' توروں کا اقتدار اتنا بڑھا کہ اس نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور متقی کو بغداد چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور توروں کے ہاتھوں اس کے برے

دن دیکھنے پڑے' (الفخری ص ۲۵۶) مسلسل سیاسی انقلابات نے عراق کو بالکل تباہ کر دیا تھا' بغداد میں اتنا شدید قحط پڑا جس کی مثال گذشتہ عباسی تاریخ میں نہیں ملتی' غلہ سونے کے بھاؤ بکنے لگا' عوام قحط کی شدت سے مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۰۴)

البتہ متقی میں مذہبی اور اخلاقی خوبیاں تھیں اور اس حیثیت سے وہ اپنے پیش رووٴں کے مقابلہ میں گویا زاہد تھا' خطیب کا بیان ہے کہ وہ اپنے پیشرو خلفاء کے بہت سے افعال و اعمال سے محترز رہا' نبیذ کو جو خلفاء کی گھٹی میں پڑی تھی کبھی منہ نہیں لگایا' رات دن اس کو روزہ نماز سے کام تھا' (تاریخ الخلفاء ص ۴۰۴) ہر وقت قرآن شریف کی تلاوت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے قرآن کے علاوہ اور کسی ندیم کی ضرورت نہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۰۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تاریخ اسلام

## حصہ چہارم

## ابوالقاسم عبداللہ بن مکتفی باللہ الملقب بہ مستکفی باللہ

### ۳۳۳ھ تا ۳۳۴ھ مطابق ۹۴۴ء تا ۹۴۵ء

گذشتہ خلفاء کے ساتھ بدسلوکی کی بنا پر ترک اور دیالمہ کو ان کی اولادوں پر اعتماد نہ رہ گیا تھا' اس لیے ایک خلیفہ کی معزولی کے بعد دوسرے خلیفہ کے انتخاب کے وقت دشواری پیش آتی تھی' اس لیے متقی کی معزولی سے قبل ہی تورون نے مکتفی باللہ کے ایک لڑکے ابوالقاسم عبداللہ کو جوان کے نزدیک مقصد کے مطابق تھا' ڈھونڈھ نکالا تھا اور اپنے ساتھ سندیہ لیتا گیا تھا' چنانچہ متقی کی عزولی کے بعد سندیہ ہی میں اس کے ہاتھوں پر بیعت کی اور نابینا متقی سے بھی اس کی بیعت لی۔ اور صفر ۳۳۳ھ میں وہ تخت نشین ہوا' اس وقت اس کا اکتالیسواں سال تھا' نابینا متقی کو قید میں ڈال دیا گیا' اٹھارہ سال قید میں بسر کرنے کے بعد ۳۵۰ھ میں اس نے وفات پائی۔

ایک اور نابینا خلیفہ قاہر باللہ بغداد میں تھا اس کو متقی کے اندھا کیے جانے کی اطلاع ملی تو اس نے ظریفانہ مگر سبق آموز فقرہ کہا "اب ہم دو اندھوں کے لیے ایک تیسرے رفیق کی ضرورت ہے۔" یہ ظرافت مستکفی کی معزولی کے وقت واقعہ ثابت ہوئی۔

(تاریخ الخلفاء ص ۴۰۷)

**واسط پر معزالدولہ کا قبضہ اور اس کا اخراج** تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد فریب خوردہ مستکفی نے تورون کو خلعت اور تاج پہنایا اور ابوالفرج محمد بن علی سامری کو وزیر بنایا'

لیکن وہ محض نام کا وزیر تھا' حکومت کے جملہ کام تورون کا کاتب ابن شیرزاد انجام دیتا تھا' مستکفی کو خلیفہ بنانے میں حرم شاہی کی ایک قہرمانہ علم کا مشورہ بھی شریک تھا' اس لیے مستکفی کے دور میں وہ بھی خلافت پر بہت حاوی ہو گئی۔

اوپر یہ معلوم ہو گیا ہے کہ معزالدولہ دیلمی عرصے سے خوزستان پر قبضہ کی کوشش کر رہا تھا چنانچہ رجب ۳۳۳ھ میں وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گیا' تورون خود مستکفی کو لے کر اس کے مقابلہ کے لیے نکلا اسے دیکھ کر معزالدولہ نے واسط چھوڑ دیا اور تورون اس کو ابوالقاسم برید کے ٹھیکہ میں دیکر بغداد لوٹ گیا۔

**ناصرالدولہ کی بغاوت اور مصالحت** ناصرالدولہ حمدانی والی موصل نے اس طرف پھر خراج بھیجنا بند کر دیا تھا' اس لیے واسط کو چھڑانے کے بعد تورون مستکفی کو لے کر موصل گیا لیکن تورون کے کاتب ابن شیرزاد نے دونوں میں صلح کرا دی' جنگ کی نوبت نہیں آئی اور ناصرالدولہ نے خراج ادا کر دیا۔

**ابوالحسین بریدی کا قتل** اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عبداللہ بن بریدی کے بعد اس کا بھائی ابوالحسین جانشین ہوا تھا مگر فوج نے اسے ہٹا کر اس کے بھتیجے ابوالقاسم کو حاکم بنایا تھا' ابوالحسین نے قرمطہ کی مدد سے اپنی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن جب اس میں بھی اس کو کامیابی نہ ہوئی تو براہ راست بارگاہ خلافت سے کوشش کرنے کے لیے بغداد گیا اور تورون نے درخواست کی کہ اگر وہ اسے بصرہ کی حکومت دلوا دے تو اس کے معاوضے میں ایک بڑی رقم پیش کرے گا' تورون سے اسے مستکفی سے ملا کر سفارش کر دی اور اس نے منظور کر لیا' لیکن عین وقت پر القاسم کو خبر ہو گئی' اس نے چند با اثر اشخاص کے ذریعہ ابوالحسین کی رقم سب سے بڑی پیش کش تورون کے پاس بھجوا دی۔ اور ابوالحسین ناکام رہا' اس ناکامی میں ابن شیرزاد کا بھی ہاتھ تھا' اس لیے ابوالحسین نے اسے اس کے منصب سے گرانے کی سازش کی' لیکن یہ راز قبل از وقت فاش ہو گیا اور ابن شیرزاد نے اسے تورون کے ذریعہ گرفتار کر لیا' اتفاق سے ایک معاملہ میں علماء اس کے قتل کا فیصلہ دے چکے تھے' ابن شیرزاد نے اسے مستکفی کے سامنے پیش کر کے قتل کرا دیا۔

(تجارب الامم ج ۶ ص ۷۹ و ۸۰ ملخصاً")

**تورون کی موت اور ابن شیرزاد کی امیرالامرائی** ۳۳۴ھ میں امیرالامراء تورون

کا انتقال ہو گیا اس وقت اس کا نائب شیرزاد ہیئت میں تھا' یہیں اس کو تورون کی موت کی خبر ملی' عراق میں سب سے بڑا امیر ناصرالدولہ والی موصل تھا' اس لیے تورون کی جگہ پر کرنے کے لیے ابن قاسم کی نگاہ ناصرالدولہ کی طرف اٹھی' لیکن فوج نے اس کی مخالفت کی اور خود ابن شیرزاد کو اپنا سپہ سالار بنا کر ترکی اور دیلمی امراء اور مستکفی سے اس کی تصدیق کرائی' اس نے ابن شیرزاد کو امیرالامرائی کا منصب عطا کر دیا۔

شیرزاد نے فوج کی اس خدمت کے صلہ میں ان کی تنخواہوں اور مناصب میں اضافہ کر دیا' لیکن بغداد کا خزانہ بالکل خالی تھا' ابن شیرزاد نے مختلف ذریعوں سے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ ناصرالدولہ سے ایک بڑی رقم اور سامان رسد منگایا' عمال حکومت' کاتبوں اور تاجروں سے روپیہ وصول کیا جب ان ذرائع سے بھی کمی پوری نہ ہو سکی تو رعایا کی جیبوں کی طرف ہاتھ بڑھایا' ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا' اس سے بغداد میں بڑی شورش اور دن دہاڑے لوٹ مار شروع ہو گئی' تاجروں نے بغداد چھوڑ دیا۔ اور سارے شہر میں ایک عام بدامنی پھیل گئی۔

معزالدولہ دیلمی والی فارس کی قوت اس وقت بہت بڑھ چکی تھی' اس کی نگاہ عرصہ سے بغداد کی حکومت کے لیے اٹھ رہی تھی' بغداد کے ہنگاموں نے اس کے لیے موقع پیدا کر دیا' اس کی خوش قسمتی سے ابن شیرزاد ایک ممتاز عہدہ دار نیال کوشہ والی واسطہ سے مل گیا اور اس کو بغداد پر فوج کشی کی دعوت دی' یہ فخرالدولہ کی دیرینہ آرزو تھی اس لیے وہ فوراً آمادہ ہو گیا' ابن شیرزاد پہلے سے بغداد کے انقلاب کو روکنے سے عاجز آ چکا تھا' اس پر مستزادیہ ہوا کہ ترکی اور دیلمی فوجیں بھی ہنگامہ میں شریک تھیں اور بغداد میں معزالدولہ کو کوئی طاقت روکنے والی باقی نہ رہی' اس لیے اس کا معتمد علیہ امیر عبداللہ ہاشمی مع دیلمی فوجوں کے آسانی کے ساتھ بغداد میں داخل ہو گیا اور ابن شیرزاد کو مع مستکفی کے روپوش ہو جانا پڑا۔

## معزالدولہ دیلمی کا بغداد میں داخلہ اور دیالمہ کا آغاز

مستکفی بالکل بے بس اور ہر غالب امیر کی پذیرائی کے لیے مجبور تھا اس لیے بنی بویہ کا بھی اس نے خیر مقدم کیا اور ابو عبداللہ ہاشمی سے اپنی روپوشی کی صفائی میں کہا' میں معزالدولہ کے لیے چھپا تھا تاکہ ترکی فوجیں منتشر ہو جائیں اور معزالدولہ کو بھی بغداد کے داخلہ میں دشواری نہ پیش آئے اس

کے بعد جمادی الاول ۳۳۴ھ میں معزالدولہ بھی بغداد پہنچ گیا اور مستکفی کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی بیعت کی اور عمائد و ارکان سلطنت کے رو برو دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان کیا' مستکفی نے ابوالحسین (معزالدولہ) اور اس کے دونوں بھائیوں' ابوالحسن اور ابو علی کو معزالدولہ' عمادالدولہ اور رکن الدولہ کے لقب سے نوازا (تینوں بھائیوں کو یہ خطابات خلافت بغداد کی تولیت کے بعد ملے) اور سکوں پر ان کے نقش کرنے کا حکم دیا' معزالدولہ نے مستکفی سے ابن شیر زاد کی خطا معاف کرا کے اپنا کاتب بنایا۔

بنی بویہ شیعہ تھے ان کو نہ بنی عباس سے کوئی ہمدردی تھی' اور نہ ان کے دلوں میں خلفاء کا احترام تھا۔ ان کے پیشرو بھی اگرچہ مستبد تھے لیکن انہوں نے کسی نہ کسی حد تک خلفاء کا احترام قائم رکھا تھا۔ اس لیے دیالمہ کی تولیت خلافت کے بعد خلفاء کی رہی سہی وقعت بھی جاتی رہی اور معزالدولہ نے مستکفی کے حقوق و اختیارات سلب کر کے اس کے گذارہ کے لیے پانچ ہزار ماہانہ اور تھوڑی سی جاگیر مقرر کر دی اور اس کو حکومت کے نظم و نسق سے بالکل الگ کر دیا صرف خطبہ میں خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا' یا بعض احکام و فرامین اس کے نام سے رسما" جاری ہوتے تھے۔(ابن اثیر ج ۸ ص ۱۴۰۶)

**مستکفی کی معزولی** دیالمہ کے اس اقتدار اور استبداد کے نتائج چند ہی دنوں میں نکلنے لگے اور مستکفی کو تاج و تخت سے ہاتھ دھونا پڑا' اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حرم سلطانی کی قہرمانہ علم تورون کے زمانہ سے حکومت میں دخیل ہو گئی تھی' اس نے ترک اور دیلمی افسروں کی دعوت کی معزالدولہ کو یہ شبہ ہوا کہ اس دعوت کا مقصد یہ ہے کہ ان افسروں سے مستکفی کی بیعت لے کر ان کے ذریعہ اس کو بغداد سے نکال دیا جائے گا' اس شبہ پر وہ مستکفی سے بدگمان اور اس کی معزولی کے درپے ہو گیا اور ایک دن جب کہ ایک قاصد مستکفی کے حضور باریاب ہو رہا تھا' دو دیلمیوں نے جنہیں معزالدولہ نے پہلے سے مقرر کر دیا تھا مستکفی کے ہاتھوں کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ سمجھا کہ دست بوسی کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہاتھ بڑھایا انہوں نے کھینچ کر تخت کے نیچے گرا دیا اور گھسیٹتے ہوئے معزالدولہ کے فرودگاہ پر لا کر قید کر دیا اور علم قہرمانہ کو گرفتار کر کے اس کی زبان کاٹ ڈالی اور دارالخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا' اس افسوس ناک طریقہ سے کل ایک سال چار مہینہ کی حکومت کے بعد مستکفی کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔

ان واقعات کے بعد مستکفی کے دور تنزل و انحطاط کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں بنی بویہ خلافت عباسیہ کے حاکم مطلق تھے' اور مستکفی کی حیثیت ایک وظیفہ خوار سے زیادہ نہ تھی' معزالدولہ دربار میں اس کے پہلو بہ پہلو بیٹھتا تھا' جس کی جرات اب تک کسی نے نہ کی تھی۔

# ابو القاسم فضل بن مقتدر الملقب بہ مطیع للہ

## ۳۳۴ھ تا ۳۶۳ھ مطابق ۹۴۵ء تا ۹۷۴ء

ابھی یہ لکھا جا چکا ہے کہ بنی بویہ شیعہ تھے' وہ بنی عباس کو غاصب اور اہل بیت نبویؐ کو خلافت کا اصلی مستحق سمجھتے تھے اس لیے مستکفی کو معزول کرنے کے بعد معزالدولہ نے علوی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کیا' اور اس بارہ میں اپنے مشیروں سے رائے لی' یہ سب شیعہ تھے اس لیے قریب کل مشیروں نے تائید کی' لیکن بعض عاقبت اندیش اشخاص نے جن کے سامنے عقیدت سے زیادہ سیاسی مصالح تھے' مخالفت کی اور کہا کہ بنی فاطمہ کو خلیفہ بنانے کے بعد خلافت آپ کے اثر سے نکل جائے گی' بنی عباس کو آپ کی جماعت غاصب سمجھتی ہے اور ان کے ساتھ ان کو کسی قسم کی مذہبی عقیدت نہیں ہے' اس لیے آپ جب اور جس وقت چاہیں' عباسی خلفاء کو ان کی مدد سے معزول اور قتل کر سکتے ہیں' ان کے مقابلے میں علویوں کے ساتھ ان کو مذہبی عقیدت ہے' اس لیے کسی علوی کو خلیفہ بنانے کے بعد پھر اس کے خلاف کسی حالت میں کوئی کاروائی نہ ہو سکے گی' معزالدولہ گو شیعہ تھا' لیکن عقیدت کی بارگاہ میں حکومت اور جاہ و منصب کی نذر پیش کرنے کے لیے تیار نہ تھا' اس نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور علوی حکومت قائم کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۱۳۹)

عباسی خاندان میں خلیفہ مقتدر کا لڑکا فضل عرصہ سے خلافت کا متمنی تھا' اور متقی کے بعد مستکفی کے مقابلہ میں ایک مرتبہ اس کے حصول کی کوشش بھی کر چکا لیکن کامیاب نہ ہوا تھا' اس لیے مستکفی کے زمانہ بھر وہ اس کے خوف سے روپوش رہا' اس کی معزولی کے بعد معزالدولہ نے اسے تلاش کر کے خلیفہ بنایا اور جمادی الثانی ۳۳۴ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور مطیع للہ لقب اختیار کیا' یہ ایک کنیز مشغلہ کے بطن سے تھا' تخت نشینی کے وقت ۳۴ سال کی عمر تھی۔

مطیع کی بیعت کے وقت مظلوم مستکفی سے باقاعدہ خلافت سے دست برداری کرا کے

اس سے مطیع کی بیعت لی گئی اور اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر اس کو اندھا کیا گیا اور قاہر کی یہ پیش گوئی پوری ہو گئی کہ ہم دو اندھوں (قاہر اور متقی) کے لیے ایک تیسرے رفیق کی ضرورت ہے۔ ان حالات سے ظاہر ہے کہ مطیع صرف نام کے لیے خلیفہ تھا' اسے حکومت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ دیالمہ نے اس کا وظیفہ پانچ ہزار ماہوار سے گھٹا کر کل ایک سو دینار یومیہ یعنی تین ہزار کر دیا۔

**جاگیروں پر فوجوں کا قبضہ اور محکمہ اخراج کا تعطل** حکومت کا خزانہ عرصہ سے خالی چلا آ رہا تھا' بنی بویہ کے زمانہ میں بھی یہ صورت قائم رہی' دوسری طرف روپے کے لیے فوجوں کا مطالبہ برابر جاری رہا' اس لیے' معزالدولہ نے پہلے عام رعایا کے مال پر ہاتھ ڈالا' جب اس سے بھی فوجوں کا مطالبہ پورا نہ ہو سکا تو خالصہ شاہی اور امراء کی جاگیریں فوجی افسروں کے حوالے کر دیں۔ اور محکمہ خراج بند ہو گیا۔

بغداد کے مسلسل انقلابات اور شورش کی وجہ سے ان جاگیروں کی حالت نہایت ابتر تھی' زراعت تباہ ہو گئی تھی' پیداوار گھٹ گئی تھی' مواضعات اجڑ گئے تھے' ان میں سے جن کی حالت نسبتاً" کچھ بہتر تھی' انہیں افسروں نے اپنے لیے چن لیا تھا' ان کی توجہ سے ان کی حالت کسی قدر سنبھل گئی اور ان کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو گیا' لیکن اب ان کو فوجی افسروں سے واپس لینا معزالدولہ کے بس سے باہر ہو گیا۔

اچھے اور زرخیز علاقے بڑے افسروں نے اپنے لیے چن لیے تھے اور خراب علاقے معمولی سپاہیوں کے حصے میں آئے تھے' جن کی حالت یوں ہی ابتر تھی' فوجی ان کی دیکھ بھال بھی نہ کر سکتے تھے اس لیے وہ اور زیادہ ویران ہو گئے' اور ان کی پیداوار بہت گھٹ گئی' اس کے باوجود فوجی سپاہی کسانوں سے بڑی سختی سے محاصل وصول کرتے تھے' اس سے کسانوں کی حالت بہت خراب ہو گئی' فوجی علیحدہ خسارہ دکھاتے تھے' یہ صورت دیکھ کر معزالدولہ نے نگرانی کے لیے اپنے خاص آدمی مقرر کیے' لیکن یہ لوگ خود بھی طمع میں پھنس گئے' اور فوجی بھی انہیں پورا انتظام نہ کرنے دیتے تھے' جو شخص اس صورت حال کی اصلاح کرنا چاہتا اس کے وہ دشمن ہو جاتے اس لیے کوئی اصلاح نہ ہو سکی اور محاصل کی آمدنی بالکل گھٹ گئی' معزالدولہ نے یہ جاگیریں زیادہ تر ترکی فوج کو دی تھیں' اس لیے دیلمی الگ برہم ہو گئے اور ایک عام بدنظمی پیدا ہو گئی۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۱۸۰)

**بنی بویہ اور آل حمدان کی لڑائیاں اور مصالحت** بنی بویہ کے تسلط کے بعد بھی گو عباسی خلافت کئی صدیوں تک قائم رہی' لیکن اس کی اصل تاریخ بنی بویہ کے زمانہ سے ختم ہو جاتی ہے اور بنی بویہ کی تاریخ کا دور شروع ہوتا ہے' جن کی خود عظیم الشان تمدنی اور سیاسی تاریخ ہے' لیکن اس کو براہ راست عباسی حکومت سے کوئی علاقہ نہیں ہے اس لیے ہم اس کی تفصیل میں نہ پڑیں گے' اور صرف انہی حالات پر اکتفا کریں گے جن کا دولت عباسیہ سے تعلق ہو گا۔

خلافت بغداد پر بنی بویہ کے تسلط کے وقت عراق میں دو بڑی طاقتیں تھیں' ایک موصل کا حمدانی عرب خاندان' دوسری بصرہ کی بریدی حکومت' معزالدولہ کے زمانہ میں دو نئی طاقتیں اور ابھریں' بطیحہ میں شاہینی ریاست کی بنیاد پڑی اور عمان میں یہاں کے والی یوسف بن وجیہ نے طاقت پکڑی معزالدولہ کو انہی چاروں سے نمٹنا پڑا اور اس سلسلے میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے' ان میں سے صرف وہی واقعات لیے جائیں گے جن کا تعلق خلافت بغداد سے ہو گا۔

**بنی بویہ اور بنی حمدان کی کشمکش** بنی بویہ کے سب سے بڑے حریف بنی حمدان تھے' ان دونوں میں پرانی چشمک چلی آتی تھی' حمدانی نسلاً" عرب اور مذہباً" سنی تھے' اور بنی بویہ عجمی اور شیعہ اس لیے خلافت بغداد پر ان کے قبضے کے بعد ان کے ساتھ بنی حمدان کی مخالفت اور زیادہ تیز ہو گئی' اور مستکفی کے ساتھ بنی بویہ کی بدسلوکی سے ان میں بڑا جوش پیدا ہو گیا' ناصرالدولہ نے اس کا انتقام لینے کے لیے بغداد پر فوج کشی کر دی' معزالدولہ اس کو روکنے کے لیے ایک جانب سے خود بڑھا اور دوسری سمت فوجیں روانہ کیں' لیکن ناصر الدولہ' معزالدولہ کی بھیجی ہوئی فوجوں کو پسپا کر کے بغداد پہنچ گیا' اور اس کے مشرقی حصہ میں اترا' معزالدولہ اس وقت تکریت تک پہنچا تھا' ناصرالدولہ کے بغداد پہنچنے کی خبر سن کر فوراً واپس آیا' مغربی حصے میں خیمہ زن ہوا' ناصرالدولہ نے ناکہ بندی کر کے اس کا سامان رسد رکوا دیا اور مطیع کا نام خطبہ سے خارج کر کے اپنے حدود میں اس کا سکہ منسوخ کر دیا۔ سامان رسد کے رک جانے کی وجہ سے معزالدولہ کی فوج میں سخت قحط پڑ گیا اور اس کو ایسی دشواری کا سامنا ہوا کہ اس کی ہمت چھوٹ گئی اور اس نے بھاگ جانا چاہا' لیکن قسمت یاور تھی ایک جنگی تدبیر کارگر ہو گئی' جس سے ناصرالدولہ شکست کھا گیا' اس کا کل سامان

دیالمہ نے لوٹ لیا اور محرم ۳۳۵ھ میں بغداد پر دوبارہ معزالدولہ کا قبضہ ہو گیا' پھر اسی سنہ میں دونوں میں صلح ہو گئی' لیکن یہ صلح عارضی تھی اور دونوں کے درمیان مدتوں جنگ و صلح اور فتح و شکست کا سلسلہ قائم رہا' معزالدولہ نے کئی مرتبہ موصل پر قبضہ کر لیا' ایک مرتبہ ۳۴۵ھ میں ناصرالدولہ بغداد پر چڑھ آیا' لیکن فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے کو زیر نہ کر سکا اور کئی سال کی مسلسل خونریز لڑائیوں کے بعد ۳۵۴ھ دونوں میں پھر صلح ہو گئی۔ (ان لڑائیوں کی تفصیل بہت طویل ہے' ہم نے صرف آخری نتیجہ لکھا ہے)

## ابوالقاسم بریدی کی بغاوت اور اس کا خاتمہ

دیالمہ کا دوسرا مخالف ابوالقاسم بن بریدی والی بصرہ تھا' ۳۳۵ھ میں اس نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا' معزالدولہ نے پہلے فوجیں بھیج کر اسے شکست دی اور اس کے بہت سے ممتاز آدمی گرفتار ہوئے پھر اس کے کامل استیصال کے لیے مطیع کو ساتھ لے کر ۳۳۶ھ میں ابوالقاسم کے دارالحکومت بصرہ پر فوج کشی کی' مطیع کو دیکھ کر ابوالقاسم کی فوجیں معزالدولہ سے مل گئیں اور اس نے آسانی کے ساتھ بصرہ پر قبضہ کر لیا' بصرہ پر قبضہ سے ابن بریدی کی قوت ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گئی۔

## بطیحہ میں شاہینی حکومت کا قیام

۳۳۸ھ میں ایک شخص عمران بن شاہین نے بطیحہ میں ایک ریاست قائم کر لی (۳۳۸ھ میں ریاست کی بنیاد پڑی اور ۴۰۵ھ میں اس کا خاتمہ ہوا' اس میں سات فرمانروا ہوئے' عمران بن شاہین' حسین بن عمران' ابوالفرج محمد ابن عمران' ابوالمعالی بن حسن' مظفر ابن علی' ابوالحسن علی بن نصر الملقب مہذب الدولہ محمد بن نسئی) یہ جامدہ کا ایک معمولی ماہی گیر تھا' لیکن آدمی جری اور حوصلہ مند تھا' ایک مرتبہ جامدہ کے علاقہ کے سرکاری محاصل وصول کر لیے اور گرفتاری کے خوف سے بطیحہ بھاگ گیا' یہاں آ کر اس نے ڈاکہ زنی شروع کر دی' بہت سے ڈاکو اور لٹیرے اس کے ساتھ ہو گئے اور چند دنوں میں اس کا خاصا جتھا بن گیا' لیکن اس کے دل میں برابر حکومت کی جانب سے خطرہ لگا ہوا تھا' اس لیے معزالدولہ کے مخالف ابوالقاسم بریدی سے مل گیا' (یہ واقعہ ابن بریدی کے خاتمہ سے پہلے کا ہے) اور چند دنوں میں اپنی قوت بڑھا کر بطیحہ کے علاقہ پر قابض ہو گیا اس وقت معزالدولہ کو اس کی جانب توجہ کرنی پڑی' اس نے کئی مہمیں اس کے مقابلے میں بھیجیں بعض معرکوں میں عمران کو شکست بھی ہوئی' لیکن اس پر قابو نہ حاصل ہو سکا اور وہ

برابر مقابلہ کرتا رہا' معزالدولہ کی فوجوں کو شکست دیتا رہا آخر میں معزالدولہ کو مجبور ہو کر عمران سے صلح کر کے اسے بطائح کا حاکم بنا دینا پڑا۔ لیکن اس کے بعد بھی وہ مخالفت سے باز نہ آیا' اور ایک مرتبہ اہواز کا خراج جو دارالخلافہ جا رہا تھا چھین لیا' اس لیے معزالدولہ نے پھر اس پر فوج کشی کی' لیکن وقت پر بیمار پڑ گیا اور یہ مہم ناتمام رہی اس کے بعد پھر اس کو اپنی زندگی میں موقع نہ مل سکا اور بطیحہ میں عمران بن شاہین کی باقاعدہ ریاست قائم ہو گئی۔

**روز بہان دیلمی کی بغاوت اور اس کا خاتمہ** ۳۴۵ھ میں معزالدولہ کے ایک معتمد علیہ دیلمی افسر روز بہان اور اس کے بھائی بلکا نے علی الترتیب اہواز اور شیراز میں علم بغاوت بلند کر دیا' معزالدولہ کی فوج کے اکثر دیلمی دل سے اس کے خلاف تھے اس لیے روز بہان کا سہارا پا کر اہواز کی دیلمی سپاہ اس سے مل گئی' اور روز بہان نے اہواز پر قبضہ کر لیا' معزالدولہ نے اس کے مقابلے کے لیے بغداد سے فوجیں روانہ کیں اس میں بھی سب دیلمی تھے وہ بھی روز بہان سے مل گئے' اس لیے خود معزالدولہ کو اس کے مقابلہ کے لیے نکلنا پڑا اور اس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور اس کی تشہیر کر کے غرق کر دیا' شیراز میں بلکا کی بغاوت کا خاتمہ بھی ناکامی پر ہوا' یہ بغاوت بھی دیلمیوں نے کی تھی' اس لیے ان کے فرو ہونے کے بعد معزالدولہ نے دیالمہ سے پورا انتقام لیا اور تمام بڑے بڑے دیلمی افسروں کو گرفتار کر کے ترکوں کے ذریعہ ان کا شیرازہ منتشر کر دیا' اور ان کے بجائے ترکوں کو بڑھانا شروع کیا' انہیں بڑی بڑی جاگیریں دی اور فوج میں دیالمہ کی جگہ ترک چھا گئے' لیکن یہ بھی دیالمہ سے کچھ کم نہ نکلے' انہوں نے عروج پانے کے بعد ظلم و جور کا بازار گرم کر دیا۔

**یوسف بن وجیہہ والی عمان کی مخالفت اور اس کا خاتمہ** تیسری مخالف قوت بحرین و عمان کے قرامطی اور یہاں کے عام باشندے تھے' یہاں کے والی یوسف بن وجیہہ نے قرامطہ کی مدد سے بصرہ پر حملہ کر دیا لیکن معزالدولہ کی فوجوں نے اسے شکست فاش دی' یوسف کے انتقال کے بعد اس کا غلام نافع جانشین ہوا' معزالدولہ نے ۳۵۴ھ میں فوج کشی کر کے اس کو مغلوب کر لیا اور نافع نے اس کی اطاعت قبول کر کے خطبہ اور سکہ میں معزالدولہ کا نام داخل کر دیا' لیکن عمان کی پوری آبادی معزالدولہ کے خلاف تھی' اس لیے

نافع کو نکال کر عمان کو ہجر کے قرامطہ کے حوالہ کر دیا وہ یہاں کا انتظام نہ سنبھال سکے اور عمان کی حکومت کے لیے خود یہاں کے عمائد میں کش مکش شروع ہو گئی یکے بعد دیگرے کئی اشخاص نے حکومت حاصل کی' لیکن باہمی اختلاف کی وجہ سے کسی کی حکومت قائم نہ رہ سکی' یہ بد نظمی دیکھ کر ۳۵۵ھ میں معزالدولہ نے حملہ کر کے عمان پر قبضہ کر لیا اور یہاں کی آبادی کو بے دریغ قتل کر کے اس کی قوت توڑ دی۔

**شیعیت کا فتنہ** بنی بویہ نہایت متعصب شیعہ تھے چند دنوں تک وہ خاموش رہے' پھر ان کا تعصب ظاہر ہونے لگا' دولت عباسیہ کے بہت سے وزراء اور متوسل عجمی اور شیعہ تھے' لیکن ان میں سے کسی نے علانیہ شیعیت کی ترویج و اشاعت کی جرات نہ کی تھی' معزالدولہ نے خلفاء کی قوت ختم کرنے کے ساتھ ہی بغداد میں شیعیت کی تبلیغ شروع کر دی اور ۳۵۱ھ میں بغداد میں جامع اعظم کے پھاٹک پر لکھوایا' معاویہ بن ابی سفیان' غاصبین فدک امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضہ نبویؐ میں دفن کرنے سے روکنے والوں' حضرت ابوذرؓ کو جلاوطن کرنے والوں' عباسؓ کو شوریٰ سے خارج کرنے والوں پر لعنت ہو' (ابن اثیر ج ۸ ص ۱۷۹) خلیفہ میں اس بدعت کو روکنے کی طاقت نہ تھی کسی سنی نے رات کو یہ عبارت مٹا دی' معزالدولہ نے پھر لکھوانے کا ارادہ کیا' لیکن اس کے وزیر مہلبی نے مشورہ دیا کہ صرف معاویہؓ کے نام کی تصریح کی جائے اور ان کے نام کے بعد "**والظالمین لال محمد**" یعنی آل محمدؐ پر ظلم کرنے والوں کا فقرہ بڑھا دیا جائے' معزالدولہ نے یہ مشورہ قبول کر لیا' غالباً تبرا کی اس منافقانہ شکل کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔

معزالدولہ نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ بغداد میں شیعوں کے تمام مراسم جاری کر دیے عید غدیر کے دن عام عید اور جشن مسرت منانے کا حکم دیا' محرم کے لیے حکم جاری کر دیا کہ عاشورہ کے دن تمام دکانیں بند اور کاروبار بند رکھے جائیں کل سامان خاص قسم کی ٹوپیاں پہن کر نوحہ و ماتم کریں' عورتیں چہرہ پر بھبھوت مل کر پریشان ہو کر گریبان چاک سینہ کوبی کرتی ہوئی شہر میں ماتمی جلوس نکالیں' سنیوں پر یہ احکام بہت شاق گذرے' لیکن شیعوں کی قوت اور حکومت کے مقابلہ میں بے بس تھے' اس لیے ان احکام کو منسوخ تو نہ کرا سکے' لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محرم ۳۵۳ھ میں شیعوں اور سنیوں میں سخت فساد ہوا اور بغداد میں بڑی بد امنی پھیل گئی۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۱۸۴)

**معزالدولہ کا انتقال** ۳۵۶ میں معزالدولہ عمران بن شاہین کے مقابلے کے لیے نکلا' راستہ میں بیمار پڑ گیا اس لیے واسطہ لوٹ آیا' یہاں آ کر مرض اور زیادہ بڑھ گیا' معدہ میں کوئی چیز ٹھہرتی نہ تھی' جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو بغداد لوٹ آیا اور اپنے لڑکے بختیار الملقب بہ عزالدولہ کو ولی عہد نامزد کر دیا۔ اور فقہا کو بلا کر ان کے رو برو اپنے گذشتہ اعمال سے توبہ کی اور اپنی دولت کا بڑا حصہ خیرات کیا اور اپنے کل غلام آزاد کیے' جن جن لوگوں کا مال ظلم و زیادتی سے لیا تھا' سب کو واپس کر دیا۔ اور ان امور سے فراغت کے بعد ربیع الاول ۳۵۶ھ میں انتقال کیا۔

خاندان بنی بویہ کا اصل بانی علی بن بویہ الملقب بہ عمادالدولہ والی فارس تھا' معزالدولہ اس کا چھوٹا بھائی تھا' اس کے حصہ میں کرمان کا علاقہ آیا تھا' لیکن خلافت بغداد کی تولیت کا جلیل القدر منصب اس کی قسمت میں تھا' ۳۳۴ھ میں اس کو یہ منصب ملا اور ۳۵۶ھ میں اس کا انتقال ہوا' اس حساب سے اس نے گویا ۲۲ سال تک خلافت بغداد کی فرمانروائی کی۔

**عزالدولہ بختیار کی تخت نشینی اور اس کی نا اہلی** معزالدولہ کے بعد اس کا لڑکا بختیار الملقب عزالدولہ جانشین ہوا' یہ بڑا نا اہل تھا' معزالدولہ اس سے وصیت کر گیا تھا کہ اپنے چچا رکن الدولہ اور اس کے لڑکے عضدالدولہ کی ہمیشہ فرمانبرداری کرنا' ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام نہ دینا' ابوالفضل عباس حسین اور ابوالفرج محمد بن عباس کاتب کو جو خیر خواہ دولت ہیں' ان کے عہدوں پر قائم رکھنا' سبکتگین حاجب اور ترکی اور دیلمی امراء کا خیال رکھنا' لیکن بختیار نے ان میں سے کسی وصیت کا لحاظ نہ کیا' صرف عباس بن حسین کو وزیر بنا لیا' اسے مملکت سے کوئی دلچسپی نہ تھی' سارا وقت لہو و لعب اور عورتوں' بھانڈوں اور گویوں کی صحبت میں گزرتا تھا۔

اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جاگیریں دیلمی امراء کے قبضہ میں تھیں' بختیار نے ان جاگیروں کی طمع میں امراء کو نکال دیا سبکتگین حاجب کے ساتھ ایسا نامناسب طریقہ اختیار کیا کہ اس نے اس کے پاس آنا ہی چھوڑ دیا' اس کی یہ روش دیکھ کر باقی دیالمہ بھی اس کے خلاف ہو گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ جس قدر دیلمی نکالے گئے ہیں سب کو ان کی جگہ بحال کیا جائے' سبکتگین ترک تھا اس کے ساتھ بدسلوکی کے سبب سے ترک بھی بختیار سے بدگمان ہو گئے تھے' اور ان کے پاس کوئی قوت نہ رہ گئی تھی اس لیے وہ دیالمہ کے مطالبہ

پورا کرنے پر مجبور ہو گیا اور اپنی نااہلی سے معزالدولہ کی قائم کی ہوئی ساری عزت خاک میں ملا دی، جس کا نتیجہ اس کو بہت جلد بھگتنا پڑا۔ (ابن اثیر ج ۸ ۱۹۰)

**رعایا کے مال پر دست درازی اور بغداد میں ہنگامہ** معزالدولہ کے زمانہ میں بھی روپیہ کی قلت تھی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح کام چلاتا رہا، بختیار کے زمانہ میں بھی روپیہ کی کمی پڑ گئی، اس کے وزیر ابوالفضل عباس بن حسین نے رعایا کی دولت پر ہاتھ ڈالا اور بغداد کے تاجروں، عمائد شہر، ذمیوں اور مذہبی طبقہ تک اس ظالمانہ طریقہ سے روپیہ وصول کیا جس سے ہر مذہب و ملت کے لوگ اس کے خلاف ہو گئے، اور مسجدوں، آتش کدوں اور کنیسوں میں اس کے لیے بد دعا ہونے لگی اور اس کے خلاف بغداد میں عام شورش پیدا ہو گئی، لٹیروں اور فتنہ پرستوں نے موقع پا کر لوٹ مار شروع کر دی اور بغداد میں عام بد امنی پھیل گئی، شہر کی کل دکانیں بند ہو گئیں اور سارا کاروبار معطل ہو گیا، لوگوں کے لیے گھر سے باہر قدم نکالنا دشوار ہو گیا، ابوالفضل نے فوجی قوت کے ذریعہ اس شورش اور بدامنی کو دبانے کی کوشش کی، بغداد کا ایک حصہ جلوا دیا، بڑی مشکلوں سے شورش رکی اور عارضی طور سے سکون ہو گیا، لیکن حکومت کا بگڑا ہوا نظام قائم نہ ہو سکا اور لوگوں کے دلوں میں سے حکومت کی ہیبت جاتی رہی۔ (تجارب الامم ج ۶ ص ۳۰۸)

۳۶۲ھ میں بختیار نے ابوالعباس کو معزول کر کے اس کا مال و متاع ضبط کر لیا اور محمد ابن بقیہ کو وزیر بنایا، یہ ابتداء میں مطبخ شاہی میں ملازم تھا، بختیار کی توجہ سے وزارت کے درجہ تک پہنچا۔ ابن بقیہ کچھ دنوں تک ابوالعباس کی ضبط شدہ دولت سے کام چلاتا رہا، لیکن جب وہ ختم ہو گئی تو اسے بھی ابوالعباس کا طریقہ اختیار کرنا پڑا اور پھر بغداد میں ظلم و جور کا بازار گرم ہو گیا اور وہی بد امنی پیدا ہو گئی، سبکتگین کی طرف سے بڑی مشکلوں سے حالات اصلاح پذیر ہوئے۔

**ترکوں پر بختیار کی زیادتی اور اس کی مخالفت** اس کے ایک ہی سال بعد ۳۶۳ھ میں ترکی اور دیلمی فوجوں میں روپے کے لیے شورش بپا ہوئی، بغداد کا خزانہ خالی تھا اس لیے یہ لوگ روپے کے حصول کے لیے ناصر الدولہ کے پاس موصل پہنچے، مگر جب یہاں بھی کچھ نہ ملا تو بختیار کو ساتھ لے کر اہواز کا رخ کیا، یہاں کے والی امیر بختگین نے بختیار کی پوری مدارات کی اور ایک بڑی رقم مہیا کر دی، جس سے فی الجملہ فوجوں کا مطالبہ

پورا کرنے کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی اس دوران میں ایک ترک اور ایک دیلمی غلام میں ایک معمولی سی بات پر جھگڑا ہو گیا' دونوں جماعتیں اپنے اپنے غلام کی حمایت میں لڑ گئیں اور بہت سے ترک اور دیلمی مارے گئے' بختیار نے ہر چند روکنے کی کوشش کی' مگر فریقین میں سے کسی نے نہ سنا اور بختیار نے دیالمہ کے مشورہ سے بہت سے ترکی سرداروں کو گرفتار کر کے قید کر دیا' دیالمہ نے ان کا مال و متاع لوٹ کر ان کی بڑی تعداد تہ تیغ کر دی' بختیار نے سبکتگین کی جاگیر ضبط کر لی' اس سے ترک اور دیالمہ میں مستقل مخالفت پیدا ہو گئی۔

**بغداد پر ترکوں کا قبضہ** ترکوں کا سردار اس وقت بغداد میں تھا' بغیر اس کی گرفتاری کے ترکوں کا شیرازہ منتشر نہیں ہو سکتا تھا اس لیے بختیار نے اہواز ہی سے اس کی گرفتاری کی تدبیر کی تھی' لیکن سبکتگین کو اس کی اطلاع ہو گئی' اس نے فوراً ترکوں کو جمع کر کے بختیار کے بھائی ابو اسحاق کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے آقاؤں کی جانب سے میرے ساتھ خواہ کیسی ہی برائی کا ظہور ہو' میں ان کی اطاعت سے منہ نہیں موڑ سکتا' اس لیے آپ حکومت قبول فرمائیے' ابو اسحاق نے اپنی ماں سے مشورہ کیا' اس نے روک دیا' اس کے انکار پر سبکتگین نے بختیار کے محل کا محاصرہ کر کے اس میں آگ لگا دی اور ابو اسحاق کے بھائی ابو طاہر اور اس کی ماں کو گرفتار کر لیا' انہوں نے کہا ہمیں چھوڑ دو' ہم لوگ واسطہ چلے جائیں گے' سبکتگین نے انہیں رہا کر دیا' ان لوگوں نے خلیفہ مطیع کو بھی ساتھ لے جانا چاہا' لیکن سبکتگین نے اسے جانے نہ دیا' باقی اشخاص بغداد چھوڑ کر چلے گئے' ان کے جانے کے بعد سبکتگین نے بختیار کی کل املاک پر قبضہ کر کے دیالمہ سے ترکوں کے ساتھ زیادتی کا پورا انتقام لیا' بغداد کے سنی عرصے سے شیعوں کی زیادتی سہتے چلے آ رہے تھے بغداد پر ان کے قبضہ کے بعد ان کو شیعوں کی زیادتیوں سے نجات ملی اس لیے انہوں نے ترکوں کا پورا ساتھ دیا' سبکتگین نے انہیں بڑے بڑے مناصب عطا کیے' ترکوں کی حمایت کا سہارا پا کر سنیوں نے شیعوں سے ان کے گذشتہ مظالم کا بدلہ لینا شروع کیا اور دونوں میں بڑا کشت و خون ہوا لیکن بغداد میں ترکوں کی حکومت تھی اس لیے سنی غالب رہے۔

**سرحدی علاقوں میں رومیوں کی عام یورش اور ان کی تباہی** رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان کم و بیش ہر زمانہ میں جنگ کا سلسلہ جاری رہا جس میں مسلمان عموماً

غالب رہے اس لیے دولت عباسیہ کے زوال کے زمانہ میں بھی جب تک خلفاء کا کچھ بھی وقار قائم رہا اور عالم اسلام میں ان کی آواز موثر رہی رومیوں نے اسلامی ملکوں پر قبضہ کا خواب بھی نہیں دیکھا' حتیٰ کہ ترکوں کے اقتدار کے زمانے میں بھی' جب خلفاء بے بس ہو چکے تھے' رومیوں نے اسلامی علاقوں پر فاتحانہ یورش کی ہمت نہ کی' ترک گو خلفاء کے مقابلہ میں جری اور بے باک تھے' لیکن بیرونی اقوام کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہے اس لیے کسی قوم کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غلبہ کا تصور بھی نہ پیدا ہو سکا' لیکن بنی بویہ نے اولاً خلفاء کی حیثیت بالکل ختم کر دی تھی' دوسرے خود ان میں جوش و ولولہ نہ تھا' اور معزالدولہ کے بعد خود ان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی' اس لیے انہیں اپنی ہی حکومت سنبھالنے سے فرصت نہ ملتی تھی اس سے رومیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے' اور انہوں نے جزیرہ' شام' آرمینیہ' آذربائیجان' وغیرہ تمام سرحدی ملکوں پر عام یورش کر دی اور اس کا سلسلہ برسوں قائم رہا' رومیوں نے بہت سے سرحدی شہروں کو بالکل ویران کر دیا' بعض پر ان کا قبضہ بھی ہو گیا' یہ علاقے زیادہ تر سیف الدولہ والی حلب کی حکومت کی سرحد پر تھے' اس وقت یہی ایک فرمانروا مسلمان حکمرانوں میں بہادر اور باہمت تھا اس لیے تنہا وہی رومیوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوا اور برسوں ان کا مقابلہ کرتا رہا' عباسی حکومت میں کوئی دم نہ تھا' اس لیے اس کی تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے' لیکن اس عہد کے عالم اسلام کا ایک بڑا واقعہ ہے' اس لیے مختصر حالات لکھے جاتے' قیصر ارمانوس کا سپہ سالار تقفور (نیکوفورس) مسلمانوں کا سخت دشمن تھا' اس نے بلقان کی تمام ریاستوں کو متحد کر کے شام اور جزیرے کی سرحد پر عام یورش کر دی اور ۳۳۶ھ سے لے کر ۳۶۳ھ تک مسلسل پچیس سال خونریز لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا ان میں لاکھوں مسلمان قتل اور گرفتار ہوئے' رومیوں نے سروج' عین' زربہ' آذبہ' مصیصہ' طرطوس بہت سے سرحدی شہروں' فوجی چھاؤنیوں اور قلعوں پر قبضہ کر کے ان کو بالکل ویران کر ڈالا' ان کی پوری مسلمان آبادی تہ تیغ کر دی ہزاروں مسلمانوں کو قید کر کے لونڈی غلام بنا ڈالا۔ مسلمانوں کو مسمار اور بہت سے مسلمانوں کو جبراً" عیسائی بنا ڈالا' ان نازک اور پر آشوب حالات میں تنہا سیف الدولہ ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوا اور گو وہ رومیوں کی یورش کو پوری طرح نہ روک سکا لیکن جب تک زندہ رہا بڑی شجاعت اور بہادری سے مقابلہ کرتا رہا' اور جہاں تک ہو سکا رومیوں

سے ان کے ظلم و سفاکی کا انتقام بھی لیا۔ ۳۵۶ھ میں سیف الدولہ کا انتقال ہو گیا اس کی موت سے بڑا نقصان پہنچا اس کے غلام قرویہ نے اس کے پایہ تخت حلب پر مخالفانہ قبضہ کر لیا اور اس میں اور سیف الدولہ کے لڑکے ابو المعالی شریف میں جنگ شروع ہو گئی' جس سے مسلمانوں کا رہا سہا سہارا بھی جاتا رہا اور رومیوں کا حوصلہ اتنا بڑھ گیا' کہ انہوں نے جزیرہ' طرابلس الشام اور حمص و انطاکیہ وغیرہ شام کے بہت سے ساحلی شہروں پر قبضہ کر کے انہیں بالکل ویران کر دیا' ہزاروں گاؤں تباہ کر ڈالے اور بے شمار مسلمان قتل و گرفتار ہوئے' ۳۵۹ھ میں تقفور نے سیف الدولہ کے پایہ تخت حلب پر فوج کشی کر کے قرویہ سے خراج وصول کیا اور اپنی سیادت منوا کر قرویہ کو مجبور کیا کہ وہ اسلامی ملکوں پر فوج کشی میں رومیوں کی امداد کرے گا۔

شام کو ویران کرنے کے بعد آرمینیہ اور آذربائیجان کا رخ کیا اور ملاذکرو پر قبضہ کر لیا' کوئی قوت ان کو روکنے والی نہ تھی' اور وہ جدھر رخ کر دیتے تھے ان کو تباہ و برباد کر ڈالتے تھے' اس سے مسلمانوں میں عام خوف و ہراس پھیل گیا' ملاذکرو پر قبضہ کرنے کے بعد رومی دیار بکر کے علاقہ پر حملہ کا ارادہ کر رہے تھے کہ تقفور کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ تقفور کو قسطنطنیہ کے شاہی خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا' محض اس کے تدبر اور شجاعت نے اسے رومی حکومت کی سپہ سالاری کے منصب' پھر تخت شاہی پر پہنچا دیا تھا' عربی مورخین کا بیان ہے کہ اس کے اجداد مسلمان اور طرطوس کے باشندے تھے۔ اس کے باپ ابن القفاس نے عیسوی مذہب اختیار کر لیا اور تقفور رومی حکومت سے متوسل ہو گیا اور اپنی بہادری' عالی دماغی اور کارناموں کے بدولت سپہ سالار اعظم کے منصب تک پہنچ گیا' جس زمانہ میں وہ سیف الدولہ سے برسرپیکار تھا' اسی زمانہ میں قیصر ارمانوس کا انتقال ہو گیا اس نے ایک بیوہ اور دو صغیر السن بچے چھوڑے اس وقت قسطنطنیہ کی حکومت کا کوئی سنبھالنے والا نہ تھا اس لیے فوج نے تقفور کو مجبور کر کے حکومت کا نگران بنا دیا اور وہ نابالغ شاہزادوں کی نیابت کرنے لگا' چند دنوں کے بعد اس نے ارمانوس کی بیوہ سے شادی کر لی' اس وقت اس کے دل میں خود مختاری کا خیال پیدا ہوا اور اس نے ملکہ پر زیادتی شروع کر دی' اس کی نیت میں فتور دیکھ کر ملکہ نے ایک افسر کو بلا کر اس کو قتل کرا دیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۲۳۳)

لیکن انگریز مورخین کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے ان کے بیان کے مطابق تقفور ایشیائے کوچک کا ایک بڑا ممتاز رئیس تھا' ارمانوس کے زمانہ میں اس نے بڑا شہرہ حاصل کیا' اس کی موت کے بعد' جیسا کہ عرب مورخین کا بیان ہے' اس نے ارمانوس کی بیوہ سے شادی کرلی چند دنوں کے بعد اس میں اور تقفور کے بھتیجے میں ناجائز تعلقات ہو گئے' اور دونوں نے اس کو راستہ سے ہٹانے کے لیے قتل کر دیا۔

(ہسٹری آف دی نیشنز جلد ۳۰ ص ۲۲۹' ۲۳۰)

لیکن تقفور کے قتل کے بعد بھی رومیوں کا سیلاب نہ رکا اور ۳۶۱ھ میں انہوں نے دیار بکر پر حملہ کر کے اسے برباد کر دیا۔ اس کے فرمانروا ابو تغلب بن حمدان والی موصل میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے روپیہ دے کر صلح کر لی' یہاں کے باشندوں نے جب دیکھا کہ انہیں رومیوں کے ظلم و ستم سے کوئی بچانے والا نہیں تو وہ بغداد پہنچے اور یہاں کی مساجد اور عام مجمعوں میں جا کر رومیوں کے مظالم اور اپنے مصائب بیان کر کے فریاد کی' اس کا اہل بغداد پر بڑا اثر پڑا انہوں نے اس کے تدارک کے لیے قصر خلافت پر ہجوم کیا' مگر اس کے پھاٹک بند کر لیے گئے' اور انہیں اندر نہیں جانے دیا گیا' لیکن اہل بغداد میں بڑا جوش تھا وہ جہاد کے لیے جوق در جوق جمع ہونے لگے' بغداد کے شورش پسند عوام نے جو ہنگامہ کے منتظر رہا کرتے تھے اس میں شریک ہو کر لوٹ مار اور قتل و غارت شروع کر دی' مکانوں میں آگ لگا دی' کرخ کا پورا بازار جلا ڈالا' اس بدامنی اور شورش کی وجہ سے وزیر دولت اور نقیب بغداد میں اختلاف ہو گیا' لیکن سنجیدہ طبقہ نے اپنی کوشش جاری رکھی۔

اس وقت بختیار سیر و شکار میں مشغول تھا' عمائد بغداد نے اس کے پاس جا کر کہا کہ یہ وقت سیر و شکار کا نہیں ہے' رومیوں نے مسلمانوں پر قیامت ڈھا رکھی ہے اس کا کوئی تدارک ہونا چاہیے ان کا جوش دیکھ کر بختیار کو آمادہ ہونا پڑا اور اس نے سبکتگین حاجب کو فوج کی تیاری کا حکم دیا۔ اور مسلمانوں کو اس میں شرکت کی ترغیب دی' اس کی آمادگی اور توجہ سے ہزاروں مسلمان جہاد کے لیے جمع ہو گئے' اور بختیار نے ابو تغلب کو لکھ بھیجا کہ میں تیاری کر رہا ہوں' تم سامان رسد اور مویشیوں کے چارہ کا انتظام کرو' اور مطیع سے فوجی مصارف کے لیے روپیہ طلب کیا اس نے جواب دیا کہ ''جہاد اور اس کے قبیل کے

دوسرے فرائض اور اس کے مصارف کی ذمہ داری اس وقت مجھ پر تھی جب حکومت کی آمدنی میرے پاس آتی تھی' لیکن اس بے بسی اور مجبوری کی حالت میں یہ فرض مجھ پر عائد نہیں ہوتا اس کی ذمہ داری حکومت کے مختار کل پر ہے۔" اس کا یہ جواب بالکل صحیح تھا' لیکن بختیار نے دھمکی دے کر اس سے بجبر روپیہ حاصل کیا' مطیع کے پاس نقد ایک حبہ نہ تھا' بختیار کی دھمکی سے ڈر کر گھر کا سارا اثاثہ اور توشہ خانہ کے کپڑے بیچ کر چار لاکھ بختیار کے حوالے کیے' روپیہ ملنے کے بعد اس نے بالکل رخ بدل دیا اور جہاد کے بجائے اس کو اپنی ذات پر اڑا دیا اور جہاد کا خواب پریشان ہو گیا۔

دیار بکر پر رومیوں کی یورش برابر قائم تھی' آخر میں ہمدانی ہی خاندان پھر مقابلہ میں آیا۔ اور ناصرالدولہ کے لڑکے ہبتہ اللہ نے رومیوں کو شکست دے کر ان کے سپہ سالار اعظم کو زندہ گرفتار کر لیا' اس کی گرفتاری کے بعد رومیوں کی یورش کا زور گھٹ گیا۔ (ان لڑائیوں کی تفصیلات بہت طویل ہیں اور ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ میں مفصل مذکور ہیں ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے۔)

**مطیع کی دست برداری** ترک اور دیالمہ کے اختلاف سے پہلے مطیع پر فالج کا حملہ ہوا تھا جس نے اس کو بالکل بیکار کر دیا تھا' لیکن وہ عرصہ تک اپنی حالت کو چھپائے رہا' آخر میں سبکتگین کو اس کا علم ہو گیا' اس نے اس پر زور ڈال کر ۳۶۳ھ میں اس کے لڑکے عبدالکریم طائع کے حق میں خلافت سے دست بردار کرا دیا' دست برداری کے بعد وہ بغداد چھوڑ کر واسط چلا گیا اور یہیں انتقال کیا مدت خلافت ۲۹ سال تھی۔

**عام حالات** مدت کے اعتبار سے مطیع کا عہد خاصہ طویل ہے لیکن اس پوری مدت میں سیاسی انقلابات اور شورو فتن کے سوا کوئی بھی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے اور ان ہنگاموں کو بھی مطیع اور خلافت بغداد سے کوئی علاقہ نہیں' مطیع سو دینار روزانہ وظیفہ پاتا تھا' اس کو انتظام حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا' اور خلافت کا وقار پستی کے انتہائی حدود کو پہنچ گیا تھا۔

ملک کی حالت خلیفہ سے بھی زیادہ ابتر ہو گئی تھی' بغداد میں آئے دن ہنگامے اور انقلابات برپا ہوتے رہتے تھے' عراق و ایران میں امراء کی خانہ جنگی علی حالہ قائم تھی' شیعہ سنی جنگ علیحدہ چھڑ گئی تھی' (دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۱۶۳) ان ہنگاموں نے امن و امان مفقود اور ملک کی معاشی حالت نہایت ابتر کر دی تھی' غلہ کا اتنا سخت قحط ہو گیا تھا کہ لوگ

مردار کھانے پر مجبور اور ہزاروں آدمی بھوک کا شکار ہو گئے تھے' گلی کوچوں میں فاقہ زدہ مردے پڑے رہتے تھے اور کوئی اٹھانے والا تک نہ تھا' بڑی بڑی جائیدادیں دو دو روٹیوں کے بدلہ میں بک گئیں' ایک مرتبہ مطیع کے لیے ایک کرتہ بیس ہزار درہم میں خرید اگیا۔
(تاریخ الخلفاء ص ۴۰۸)

غرض بختیار کے زمانہ میں بغداد بالکل تباہ ہو گیا۔

# ابوالفضل عبدالکریم بن مطیع الملقب بہ طائع للہ

## ۳۶۳ھ تا ۳۸۱ھ مطابق ۹۷۴ء تا ۹۹۱ء

مطیع کی دست برداری کے بعد ابوالفضل عبدالکریم ذیقعدہ ۳۶۳ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا اور طائع للہ لقب اختیار کیا۔

مطیع کی طرح طائع بھی بالکل بے دست وپا اور بنی بویہ کا دست نگر تھا' اس کے دور میں بھی خاص عباسی حکومت کی کوئی تاریخ نہیں ہے' بغداد کے حالات بھی تمامتر بنی بویہ سے متعلق ہیں' اس عہد میں ایک اہم تغیر یہ البتہ ہوا کہ عزالدولہ بختیار کے چچیرے بھائی عضدالدولہ بن رکن الدولہ نے بغداد پر قبضہ کر لیا گو اس سے خلیفہ کی بے بسی میں کوئی فرق نہیں آیا لیکن عضدالدولہ بڑا جامع اوصاف اور بڑے دبدبہ و شکوہ کا فرمانروا تھا' اس نے بغداد کی ابتری کو دور کر کے مختلف حیثیتوں سے اس کو ترقی دی۔

**بغداد پر عضدالدولہ کا قبضہ** بنی بویہ کی فوجی قوت کا مدار ترک اور دیالمہ دونوں پر تھا' اس لیے ترکوں کے ساتھ دیالمہ کی عام مخالفت کے باوجود بعض ناعاقبت اندیش دیلمی افسروں نے بختیار کو ان کے ساتھ بدسلوکی پر ملامت کی اور اس کو اپنا رویہ بدلنا پڑا اور اس نے آزاد رویہ ترکی کو فوج کا افسر مقرر کر کے جس قدر ترکی قید تھے سب کو رہا کر دیا اور سبکتگین کو بغداد سے نکالنے کے لیے اپنے چچا رکن الدولہ' چچیرے بھائی عضدالدولہ' ابوتغلب ہمدانی والی موصل اور عمران بن شاہین والی بطیحہ سے مدد مانگ بھیجی' آخرالذکر دونوں سے خراج کی باقی رقم معاف کر دینے کا وعدہ کیا' اور عمران بن شاہین کو رشتہ قائم کرنے کی طمع دلائی' لیکن اس نے اس اعزاز کو مسترد اور مدد دینے سے انکار کر دیا۔ ابوتغلب کے دل میں عرصہ سے بغداد پر قبضہ کرنے کا خیال تھا' وہ اس کو غنیمت سمجھ کر آمادہ ہو گیا رکن الدولہ نے اپنے وزیر ابوالفتح بن عمید کو فوجیں دے کر بھیجا اور عضدالدولہ کو اس سے مل جانے کا حکم دیا' عضدالدولہ کے دل میں بھی بغداد کی حکومت کی خواہش تھی اس لیے وہ بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا اور اپنے بھائی

ابو عبداللہ حسین کو فوجیں دے کر روانہ کر دیا' لیکن یہ دونوں بغداد نہیں گئے' ابو عبداللہ تکریت پہنچ کر ٹھہر گیا اور عضد الدولہ نے ابوالفتح کو اہواز میں روکے رکھا' یہ دونوں اس انتظار میں تھے کہ جیسے ہی سبکتگین بختیار کے مقابلہ کے لیے بغداد سے نکلے یہ پہنچ کر قبضہ کر لیں۔

سبکتگین کو ان تیاریوں کی خبر ہوئی تو وہ طائع کو لے کر بختیار کے مقابلے کے لیے نکلا' ابو عبداللہ قریب ہی تکریت میں موقع کا منتظر تھا' فوراً بغداد پہنچ گیا' اس وقت بغداد بالکل خالی تھا' اس لیے ابو عبداللہ آسانی کے ساتھ قابض ہو گیا اور یہاں کی شورش اور بدامنی کو فرو کر کے امن و سکون قائم کیا۔

مطیع عرصہ سے فالج میں مبتلا تھا' واسطہ پہنچ کر انتقال کر گیا اس کے بعد ہی سبکتگین کا انتقال ہو گیا' اس وقت بختیار کو کسی قدر اطمینان ہوا اور اس کو امید بندھی کہ اب ترکوں کا شیرازہ بکھر جائے گا' لیکن سبکتگین کی موت کے بعد انہوں نے امیر خستگین کو اپنا سردار بنا لیا اور بختیار کو شکست دے کر واسطہ میں اس کا محاصرہ کر لیا' عضد الدولہ ابھی تک اہواز میں ٹھہرا ہوا تھا' بختیار نے اس کو لکھ کر بھیجا اگر تمہارے پہنچنے میں اب ذرا بھی تاخیر ہوئی تو میرا خاتمہ ہے' وہ اس نازک وقت کا منتظر ہی تھا ابوالفتح کو لے کر فوراً واسطہ روانہ ہو گیا' اس کی آمد کی خبر سن کر ترکوں نے محاصرہ اٹھا لیا اور آگے بڑھ کر دیالی میں مورچہ قائم کیا' اس درمیان میں عضد الدولہ واسطہ پہنچ گیا اور بختیار کو لے کر بغداد روانہ ہو گیا' اس وقت ابو تغلب یہاں موجود تھا' لیکن اس کی فوج میں خود باہم مخالفت ہو گئی تھی' اس لیے وہ عضد الدولہ کا رخ بغداد کی طرف دیکھ کر موصل چلا گیا' اس کے بغداد چھوڑنے کے بعد ترک پہنچ گئے' عضد الدولہ نے پہلے سے ان کے سامان رسد کی بندش کا انتظام کر دیا تھا' ابو تغلب نے علیحدہ ناکامی کے غصے میں ناکہ بندی کر دی' اس لیے باہر سے کوئی چیز بغداد نہ پہنچ سکی تھی اور یہاں سخت گرانی پیدا ہو گئی' حسب معمول بغداد کے شورش پسندوں نے لوٹ مار شروع کر دی اور ایک عام بدامنی پھیل گئی' عین اس حالت میں عضد الدولہ قریب آ گیا' دیالی اور مدائن کے قریب ترکوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن ان کو بڑی فاش شکست ہوئی اور وہ تکریت چلے گئے اور عضد الدولہ بغداد میں داخل ہو گیا۔

اگرچہ عضد الدولہ بغداد پر قبضہ کی نیت سے آیا تھا' لیکن اس کا باپ رکن الدولہ

اپنے بھتیجوں کو بہت عزیز رکھتا تھا' کہ بختیار کے پاس روپیہ نہیں ہے اس لیے اس نے فوج کو بھڑکا دیا' اس نے سختی کے ساتھ کامیابی کا انعام طلب کیا' بختیار نے کسی نہ کسی صورت سے کچھ روپیہ مہیا کیا' اس وقت عضد الدولہ نے اسے روکا اور اس سے کہا کہ ان کے مطالبات کا مطلق لحاظ نہ کرو' یہ لوگ سختی کے عادی ہیں ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا چاہیے' تم انہیں یقین دلا دو کہ تم کو حکومت کی کوئی خواہش نہیں ہے' یہ سن کر سب ٹھنڈے پڑ جائیں گے سادہ لوح بختیار اس کے فریب میں آ گیا اور حکومت سے استعفٰی دے کر گھر بیٹھ گیا اور تمام لوازم شاہی موقوف کر دیئے' عضد الدولہ نے بختیار کو اس پر بھی آمادہ کر لیا کہ عضد الدولہ اس سے افسروں کی سفارش کرے گا اور بختیار اسے مسترد کر دے گا۔ اس کے بعد افسروں کی سفارش کی' بختیار نے اس کی ہدایت کے مطابق جواب دیا کہ میں نہ تم لوگوں کا حاکم ہوں اور نہ تم سے میرا کوئی واسطہ ہے اس لیے اب میں بالکل بری الذمہ ہوں' اس جواب سے فوج میں اور زیادہ برہمی پیدا ہو گئی۔

سادہ لوح بختیار اب تک اس دھوکے میں تھا کہ عضد الدولہ اس کے معاملات درست کرا دے گا چنانچہ آخر میں اس نے عضد الدولہ سے مداخلت کی خواہش کی' لیکن اب وہ اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ اس نے بختیار کے بھائیوں کو بہانہ سے بلا کر گرفتار کر لیا اور لوگوں کو جمع کر کے حکومت سے بختیار کا استعفٰی سنا دیا۔ طائع بھی بختیار سے شاکی تھا' اس کو اس کے استعفٰی سے بڑی مسرت ہوئی اور وہ عضد الدولہ کے پاس چلا آیا اس نے اس کی بڑی عزت و تکریم کی اور ایک بڑی رقم نذر میں اور بہت سا سامان ہدیہ میں پیش کیا' قصر خلافت کو از سر نو آراستہ کیا' شاہی جاگیر کی حفاظت کا انتظام کیا' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خلافت کا کھویا ہوا وقار پھر قائم ہو جائے۔

**رکن الدولہ کی برہمی** بختیار کے لڑکے مرزبان نے' جو بصرہ میں تھا' عضد الدولہ کے باپ رکن الدولہ کو یہ حالات لکھ بھیجے' اس کو اپنے بھائی بھتیجوں سے بڑی محبت تھی بختیار کے ساتھ عضد الدولہ کے فریب کا حال سن کر شدت غم میں تخت شاہی سے نیچے گر پڑا' اور کھانا پینا چھوڑ دیا۔

بختیار میں خود کوئی صلاحیت نہ تھی' اس کا وزیر ابن بقیہ' عمران بن شاہین والی بطیحہ اور سہیل بن بشر والی اہواز کو ملا کر عضد الدولہ کے مقابلہ کے لیے اٹھا' اس نے بھی مقابلہ

کے لیے فوج بھیج دی ابن بقیہ نے اسے شکست دے کر رکن الدولہ کو تمام حالات لکھ بھیجے اس کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی' وہ عضد الدولہ سے اتنا برہم تھا کہ ابن بقیہ کو لکھ بھیجا کہ تم لوگ عضد الدولہ کے مقابلہ میں استقلال سے کام لو' میں خود اس کو بغداد سے نکالنے کے لیے آتا ہوں' رکن الدولہ کے ارادہ کا شہرہ ہوا تو عضد الدولہ کی ہوا بالکل اکھڑ گئی' بہتوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کی عام مخالفت شروع ہو گئی' والی فارس نے خراج روک دیا اور عضد الدولہ کے پاس صرف بغداد رہ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر وہ بہت گھبرایا اور باپ کو راضی کرنے کے لیے وزیر ابوالفتح ابن العمید کے ہمراہ ایک قاصد کی زبانی یہ پیام کہلا بھیجا کہ میں نے بختیار کی نا اہلی کی وجہ سے بغداد پر قبضہ کیا ہے' اس میں ملک کی حفاظت کی مطلق صلاحیت نہیں ہے' اگر اس کو عراق کی حکومت پر بحال کیا گیا تو حکومت اور خلافت کی تولیت ہمارے خاندان سے نکل جائے گی' میں اس کے لیے کافی دولت صرف کر چکا ہوں اس لیے بختیار کی مدد کا خیال ترک فرما دیجئے' اگر یہ منظور نہیں تو میں عراق کی حکومت کے معاوضہ میں تین کروڑ سالانہ پیش کرنے کے لیے تیار ہوں اور بختیار اور اس کے بھائی کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا' اگر وہ آپ کے پاس قیام کرنا پسند کریں گے تو آپ کے پاس رہیں گے اور اگر ان کو حکومت کی خواہش ہو گی تو فارس کا کوئی حصہ ان کو دے دیا جائے گا' آپ پسند فرمائیں تو خود تشریف لا کر بغداد کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لیجئے' بختیار کو رے بھیج دیجئے' میں فارس لوٹ جاؤں گا' اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو آپ میرے والد ہیں' آپ کے تمام احکام میرے سر آنکھوں پر' لیکن بختیار اور اس کے بھائیوں کی دشمنی مول لینے کے بعد انہیں چھوڑ دینا میرے امکان میں نہیں ہے' ورنہ پوری قوت کے ساتھ میرے مقابلہ میں آ جائیں گے اور خاندان کا شیرازہ بکھر جائے گا' میں نے جو صورتیں پیش کی ہیں' ان میں سے جو صورت آپ پسند فرمائیں' میں تابع فرمان رہوں گا' اور اگر کوئی صورت بھی پسند خاطر نہیں ہے اور میری واپسی پر ہی اصرار ہے تو میں بختیار' اس کے بھائیوں اور اس کے حامیوں کو قتل کر کے عراق چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤں گا' جس کا دل چاہے گا یہاں کی حکومت سنبھالے گا۔

جب قاصد نے رکن الدولہ کو یہ مطالبات سنائے تو وہ جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور قاصد کو قتل کرنے کے لیے جھپٹا' وہ بھاگ گیا' غصہ فرو ہونے کے بعد قاصد کو بلا کر

اس سے کہا کہ جا کر اس ناشدنی سے کہہ دو کہ تو میرے بھتیجے کی مدد کے لیے نکلا بھی تو اس کے ملک پر قبضہ کرنے کے لیے تجھ کو معلوم نہیں کہ میں نے اپنی جان اور حکومت کو خطرہ میں ڈال کر ایک اجنبی شخص حسن بن فیرزان کی بار بار مدد کی اور کامیابی کے بعد اس کی حکومت اس کے معاوضہ میں سپرد کر دی اور اس کے معاوضہ میں درہم کی چیز بھی قبول نہ کی' اپنی فوجیں اپنا وزیر بھیج کر ابراہیم بن مرزبان والی آذربائیجان کا ملک اسے واپس کر دیا۔ اس سے بھی ایک حبہ نہیں لیا' میں نے اپنی شرافت' نیک نامی اور شجاعت کی بقا و شہرت کے لیے یہ کیا اور تو ایسا ننگ خاندان نکلا کہ مجھ پر اور میرے بھتیجے پر دو درہم کا احسان رکھتا ہے اور ان غریبوں کی حکومت غصب کرنا چاہتا ہے اور مجھے ان کے قتل کی دھمکی دیتا ہے' افسوس تیرے باپ نے تو غیروں کے ساتھ احسان کیے اور تو اپنوں کا حق غصب کرتا ہے۔

## عضد الدولہ کی بغداد سے واپسی اور بختیار کی بحالی

قاصد کو واپس کرنے کے بعد رکن الدولہ نے وزیر ابن العمید سے کہا کہ تم دونوں (ابن العمید اور بختیار) آزاد ہو' تمہارے بس میں جو کچھ ہو کر گزرو میں بھی پوری قوت کے ساتھ تمہارا مقابلہ کروں گا' میں ہر رات معزالدولہ کو خواب میں دیکھتا ہوں وہ دانتوں میں انگلی دبا کر مجھ سے کہتے ہیں کہ "بھائی آپ نے ذمہ داری لی تھی کہ میرے لڑکوں کے معاملات میں میری نیابت کریں گے"۔

رکن الدین عرصہ تک اس جرم میں ابن العمید سے برہم رہا کہ اس نے بھی عضد الدولہ کی سفارت کا فرض انجام دیا تھا' آخر میں اس نے رکن الدولہ سے معافی چاہی اور وعدہ کیا کہ وہ عضد الدولہ کو فارس لے آئے گا اور بختیار کو عراق واپس دلا دے گا' چنانچہ بغداد واپس جا کر عضد الدولہ کو چار و ناچار عراق چھوڑنا پڑا اور اس نے بختیار کو رہا کر کے اس شرط پر بغداد کی حکومت پر بحال کر دیا کہ اس کی حیثیت عضد الدولہ کے نائب کی رہے گی اور وہ خطبہ میں اس کا نام لیا کرے گا اور فوج کی سپہ سالاری بختیار کے بھائی ابواسحاق کے متعلق کر کے فارس لوٹ گیا۔

بختیار میں خود کوئی اہلیت نہ تھی اس لیے حکومت پر اس کا وزیر ابن بقیہ حاوی ہو گیا۔ یہ بڑا خود غرض اور جاہ پسند تھا' اپنی بد دماغی اور ناپسندیدہ روش سے پھر بغداد میں شورش پیدا کر دی۔ اور عضد الدولہ کی واپسی کے بعد ہی اس کا قائم کیا ہوا نظام درہم برہم

ہو گیا' ابن بقیہ کو بختیار پر غصہ بھی تھا' اس نے اس کو قابو میں رکھنے کے لیے اپنی لڑکی شاہناز اس کے ساتھ بیاہ دی تھی اور فوج کو ملا کر حکومت کے محاصل اپنے قبضہ میں کر لیے تھے اور جب فوج اس سے روپیہ کا مطالبہ کرتی تو وہ بختیار کو ملزم بنا کر فوج کو اس کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتا لیکن یہ تدبیر کامیاب نہ ہو سکی اور چند دنوں میں فوج اس کے خلاف ہو گئی اور اس سلسلہ میں اس کے اور بختیار کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ (یہ تمام حالات ملخصاً" تجارب الامم سے ماخوذ ہیں)

**رکن الدولہ کی وفات** ۳۶۵ھ میں رکن الدولہ مرض الموت میں مبتلا ہوا' عضد الدولہ اس وقت فارس میں تھا' اس کو خبر ہوئی تو وزیر ابن العمید کے ذریعہ اپنی خطا معاف کرائی اور رکن الدولہ نے جمادی الاول ۳۶۵ھ میں اس کو ولی عہد نامزد کر کے' اس کے بھائیوں ابو الحسن فخر الدولہ اور موید الدولہ کو ہمدان اور اصفہان کی حکومت عطا کی اور ان کو آپس میں متحد و متفق رہنے کی وصیت کر کے محرم ۳۶۶ھ میں انتقال کر گیا' اس وقت ستر سال کی عمر تھی۔

رکن الدولہ بڑا جامع اوصاف فرمانروا تھا' اس میں تدبیر و سیاست اور محاسن اخلاق کی تمام خوبیاں جمع تھیں' عدل و انصاف میں بڑا اہتمام تھا' اس کے دور میں کسی فرد پر ظلم نہ ہونے پاتا تھا' اس لیے رعایا میں بہت مقبول و محبوب تھا' حتی الامکان خونریزی سے بچتا تھا' صرف مجبوری کی حالت میں تلوار اٹھاتا تھا' بڑا مخیر و فیاض اور فقراء و مساکین کا ملجاء و ماوی تھا' مزاج میں نرمی اور حلم غالب تھا' اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی کا برتاؤ کرتا تھا۔ اس کی غیر معتدل نرمی پر اس کے ہوا خواہوں نے توجہ دلائی اور مرداویج کی سخت گیری کی مثال پیش کی' اس نے جواب دیا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا' اس کی درشتی کی وجہ سے اس کے خاص آدمی تک اس کے خلاف ہو گئے' اور میرے حلم و نرمی کی وجہ سے مجھ کو کتنی مقبولیت حاصل ہے اور کیسا پھلا پھولا۔ (ابن ج ۸ ص ۲۲۱' ۲۲۲)

**بغداد پر عضد الدولہ کا دوبارہ قبضہ** عضد الدولہ نے محض باپ کے خوف سے بغداد چھوڑا تھا' اس کی موت کے بعد پھر اس میں اور بختیار میں مخالفت شروع ہو گئی اور بختیار حسنویہ کردی' امیر ابو تغلب حرانی اور عمران بن شاہین وغیرہ امراء کی مدد کے وعدہ پر عضد الدولہ کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہو گیا' اس سے عضد الدولہ کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا'

چنانچہ وہ بختیار کے مقابلہ میں آ گیا۔ حسنویہ کردی اور ابو تغلب نے بختیار کی مدد کا وعدہ پورا نہیں کیا' اس لیے اس کی قوت کمزور تھی' چنانچہ ایک ہی معرکہ کے بعد وہ شکست کھا گیا اور اس کا کل سامان عضد الدولہ کے قبضہ میں آیا اس نے بصرہ پر قبضہ کر لیا' بختیار واسطہ چلا گیا' اس کے اور ابن بقیہ کے اندرونی تعلقات سخت کشیدہ تھے' عضد الدولہ بھی ابن بقیہ کو ناپسند کرتا تھا' اس لیے واسطہ جانے کے بعد بختیار نے عضد الدولہ کو خوش کرنے کے لیے ابن بقیہ کو گرفتار اور اس کا مال ضبط کر کے عضد الدولہ کو صلح کا پیغام دیا' وہ بھی صلح کے لیے آمادہ ہو گیا' لیکن ابھی دونوں میں صلح کی گفتگو ہو رہی تھی کہ حسنویہ کردی کے لڑکے تھوڑی سی فوج لے کر بختیار کی مدد کو پہنچ گئے' اتنا سہارا پا کر اس نے صلح کی گفتگو ختم کر دی اور پھر جنگ کے لیے آمادہ ہو گیا' عضد الدولہ کو اس کی اطلاع ہو گئی' اور بختیار واسطہ سے بغداد چلا گیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۲۲۲' ۲۲۳)

اس کے بغداد جانے کے بعد عضد الدولہ نے بغداد پر فوج کشی کر دی اور بختیار کو لکھ بھیجا' کہ تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ میری اطاعت قبول کر لو اور ابو تغلب کی حکومت کے علاوہ اور جس مقام پر قیام پسند کرو' عراق چھوڑ کر چلے جاؤ' میں تمہاری جملہ ضروریات کی کفالت کروں گا' بختیار اس کی مخالفت پر آمادہ تو ہو گیا تھا' لیکن اس میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی' اس لیے چاروناچار اسے ماننا پڑا اور اس نے اپنے قیام کے لیے شام کو پسند کیا عضد الدولہ نے اس صلہ میں اسے خلعت عطا کیا اور ابن بقیہ کو جو اب تک بختیار کے پاس تھا' مانگ بھیجا' بختیار نے اس کی آنکھیں نکلوا کر عضد الدولہ کے پاس بھجوا دیا اور عراق چھوڑ کر شام روانہ ہو گیا' عضد الدولہ نے ابن بقیہ کو قتل کر کے اس کی لاش سولی پر آویزاں کرائی۔

**بختیار کا قتل اور بغداد پر عضد الدولہ کا قبضہ** ابو تغلب والی موصل اور اس کے بھائی حمدان میں مخالفت تھی حمدان ان کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا' بختیار جب بغداد سے شام روانہ ہوا' تو حمدان کے پاس پہنچا اور موصل کی زرخیزی اور ثروت کی طمع دلا کر اسے شام کے بجائے موصل چلنے کا مشورہ دیا' وہ پھر طمع میں آ گیا اور معاہدہ کے خلاف موصل جانے کے لیے آمادہ ہو گیا' ابو تغلب کو اس کی اطلاع ہو گئی' اس نے حمدان کے توڑ میں بختیار کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ حمدان کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیں تو میں

آپ کو بغداد کی حکومت واپس دلا دوں گا' یہ رشوت حمدان کی رشوت سے زیادہ قیمتی تھی' اس لیے بختیار نے حمدان کو گرفتار کر کے اس کو ابو تغلب کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا' ابو تغلب نے وعدہ پورا کیا اور بیس ہزار فوج کے ساتھ بغداد پر فوج کشی کی' لیکن عضدالدولہ نے آگے بڑھ کر تکریت کے قریب ابو تغلب کو فاش شکست دی' بختیار زندہ گرفتار ہوا۔ عضدالدولہ نے اسے قتل کرا دیا اس وقت اس کی عمر ۳۳ سال کی تھی بختیار کے قتل کے بعد عضدالدولہ خلافت بغداد کا متولی ہو گیا اور یہاں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ بغداد کے اندر خلیفہ کے علاوہ کسی دوسرے خطبے کی یہ پہلی مثال تھی۔

(ابن اثیر ج ۸ ص ۳۳۹)

**ابو تغلب حمدانی والی موصل کا قتل اور حمدانی حکومت کا خاتمہ** عراق کے اطراف میں متعدد چھوٹی ریاستیں تھیں' جن سے ہر وقت مخالفت کا خطرہ لگا رہتا تھا' اس لیے بغداد پر قبضہ کے بعد عضدالدولہ ان کی طرف متوجہ ہوا' لیکن ان واقعات کو خلافت بغداد سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے' اس لیے ان کے صرف مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

ان ریاستوں میں سب سے زیادہ طاقت ور اور سب سے زیادہ دیالمہ کی مخالف موصل کی حمدانی حکومت تھی' اس لیے عضدالدولہ نے سب سے اول موصل پر فوج کشی کی' کردستان کا علاقہ پہاڑی پر پیچ ہے اس لیے حمدانی اپنے دشمنوں کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کے بجائے' ان کو چکر دے کر تھکا ڈالتے تھے' یہی تدبیر ابو تغلب نے عضدالدولہ کے مقابلہ میں بھی اختیار کی لیکن اس نے پہلے سے اس کا انتظام کر لیا تھا' اس لیے ابو تغلب کو اس میں کامیابی نہ ہوئی اور عضدالدولہ نے موصل پر قبضہ کر لیا اور ابو تغلب کی تلاش میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں' وہ عرصہ تک ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتا رہا' لیکن دیلمی فوجوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا' اور ابو تغلب کو مجبور ہو کر رومی علاقے میں نکل جانا پڑا اور وہ ورد رومی سے (یہ ایک رومی بطریق اور فوجی افسر تھا' قیصر ارمانوس کے نابالغ بچے کی حکومت کے زمانہ میں اس نے قسطنطنیہ کی حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن کامیاب نہ ہوا' ابو تغلب نے جس وقت اس سے امداد مانگی ہے اس وقت ورد انہی مشکلات میں مبتلا تھا) مدد مانگنے پر مجبور ہو گیا' لیکن وہ خود اپنی ذاتی مشکلات میں مبتلا تھا' اس لیے مدد نہ کر

سکا اور ابو تغلب ناکام واپس آیا' اس درمیان عضد الدولہ نے میا فارقین اور دیار بکر وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا' اس لیے ابو تغلب نے واپس ہو کر پھر عضد الدولہ سے صلح کی کوشش کی' اس نے جواب دیا کہ بغیر اس کے خود حاضر ہوئے صلح نہیں ہو سکتی اس پر ابو تغلب آمادہ نہ ہوا اور مایوس ہو کر شام چلا گیا' اس زمانہ میں ایک شخص بسام نے فاطمیہ مصر کے خلاف دمشق پر قبضہ کر لیا تھا' ابو تغلب نے فاطمی فوج کی مدد سے اس کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کی مگر اس میں بھی اس کو ناکامی ہوئی' اس دوران میں دیار مضر پر بھی عضد الدولہ کا قبضہ ہو گیا اور یہاں سے حمدانی حکومت ختم ہو گئی' اور عضد الدولہ ۳۶۸ھ میں ابوالوفا کو اس کی نگرانی کے لیے چھوڑ کر بغداد لوٹ گیا۔

شام میں رملہ کے قریب عرب قبیلہ بنی عقیل کی آبادی تھی اس کو ایک عرب سردار دغفل' جو رقہ پر قابض ہو گیا تھا' یہاں سے ہٹانا چاہتا تھا' بنی عقیل' ابو تغلب سے مدد کے طالب ہوئے اس نے اس شرط پر دونوں میں صلح کرا دی کہ عزیز باللہ فاطمی والی مصر جو فیصلہ کر دے گا اس کو دونوں فریق مان لیں گے اس کے بعد وہ عقیل کے یہاں چلا گیا' دغفل اور اس کے دوسرے ساتھی فضل کو شبہ ہوا کہ ابو تغلب بنی عقیل نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا' ابو تغلب نے بھاگ جانا چاہا لیکن دغفل کے آدمیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور فضل نے اس کو قتل کرا دیا۔ اس کے قتل کے بعد حمدانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا' مشرق میں تنہا یہی عرب حکومت تھی' جو عربوں کے نام کو قائم کیے ہوئے تھے' اس لیے وہ ہمیشہ سے عجمیوں کی نگاہ میں کھٹکتی تھی اور بالکل آخر میں دیالمہ کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔

**دولت حسینیہ کردستان کی اطاعت** آل حمدان کے خاتمہ کے بعد عضد الدولہ کردستان کی حسینی حکومت کی طرف متوجہ ہوا' یہ حکومت ۳۵۰ھ میں قائم ہوئی تھی' اس میں اور بنی بویہ میں پہلے سے کشمکش تھی' اس کا فرمانروا بدر بن حسنویہ کئی بھائی تھے جو مختلف قلعوں پر قابض تھے' ان چاروں میں باہم پھوٹ پڑ گئی' عضد الدولہ نے اس سے فائدہ اٹھا کر ۳۹۶ھ میں سب کے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور بدر کو جو سب سے زیادہ عاقل تھا' اپنی جانب سے قلعوں کا حاکم بنا دیا' اس وقت سے یہ حکومت عضد الدولہ کے ماتحت ہو گئی' لیکن چند ہی دنوں کے بعد بدر کے بھائیوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی عضد الدولہ نے انہیں شکست دے کر بدر کے سوا حسنویہ کی کل اولادوں کو قتل کرا دیا۔

**ہمدان اور رے پر قبضہ** عضد الدولہ کے بھائی فخر الدولہ والی ہمدان کا رویہ اس کے ساتھ مخالفانہ تھا' اور بختیار کی جنگ میں فخر الدولہ کی ہمدردی بختیار کے ساتھ تھی' اس لیے آل حمدان اور حسنیہ کردستان کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد عضد الدولہ نے پہلے فخر الدولہ کو ایک تادیبی خط لکھا' اس نے اس کا نا مناسب جواب دیا' اس لیے عضد الدولہ نے اس پر فوج کشی کر دی فخر الدولہ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' وہ شمس المعالی قابوس ابن وشمگیر والی جرجان کے پاس بھاگ گیا' اور عضد الدولہ نے ہمدان پر قبضہ کر لیا' شمس المعالی نے فخر الدولہ کی بڑی پذیرائی کی اور اپنی حکومت کا ایک حصہ اس کو دے دیا' عضد الدولہ نے رے وغیرہ پر قبضہ کر کے اپنے تیسرے بھائی معز الدولہ کو ہمدان اور رے پر اپنا نائب مقرر کیا' اس کے انتظام سے فراغت کے بعد شمس المعالی کو لکھ بھیجا کہ وہ فخر الدولہ کو اس کے حوالہ کر دے اور اس کے صلہ میں بعض علاقے اور نقد دینے کا وعدہ کیا شمس المعالی نے انکار کیا اس لیے ۳۷۱ھ میں عضد الدولہ نے اپنے بھائی موید الدولہ کو اس کے مقابلہ میں بھیجا' اس نے شمس المعالی کو شکست دی اور وہ اپنا مال و متاع لے کر جرجان نیشاپور چلا گیا' موید الدولہ بھی اس کے تعاقب میں پہنچا' نیشاپور کے سامانی حاکم حسام الدولہ نے امیر نوح ابن منصور سامانی کو اطلاع دی کہ وہ فخر الدولہ اور شمس المعالی عضد الدولہ سے شکست کھا کر حصول امداد کیلئے آئے ہیں' اس نے اعزاز و اکرام کے ساتھ دونوں کی میزبانی اور ان کی امداد کا حکم دیا اور اپنے وزیر ابو الحسین عتبی کو بھی ان کی مدد پر مامور کیا' حسام الدولہ نے جرجان پر فوج کشی کر کے موید الدولہ کا محاصرہ کر لیا کامل دو مہینے جنگ جاری رہی محاصرہ کی شدت سے جرجان میں سخت قحط پڑ گیا اور موید الدولہ کی فوج بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئی' مگر اس نے باہر نکل کر بڑی پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کیا اس درمیان میں موید الدولہ نے سامانی فوج کے بعض امیروں کو ملا لیا' انہوں نے عین موقع پر دھوکہ دیا' اسلئے حسام الدولہ اور فخر الدولہ کو شکست ہوئی اور وہ نیشاپور لوٹ گئے' امیر نوح سامانی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے دوبارہ فوج کشی کیلئے اپنی تمام فوجوں کو نیشاپور میں جمع ہونے کا حکم دیا اس پر ہر طرف سے فوجوں کا سیلاب امنڈ آیا' لیکن فخر الدولہ کی بدقسمتی سے عین اس موقع پر امیر نوح کے وزیر ابو الحسین کے قتل کا واقعہ پیش آیا اور خود بخارا میں بد نظمی پھیل گئی' اسلئے امیر نوح نے حسام الدولہ کو وہاں کا نظام قائم کرنے کیلئے

واپس بلالیا اور یہ مہم ناتمام رہ گئی۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۲۳۳ تا ۲۳۵)

**عضد الدولہ کا انتقال** عضد الدولہ عرصہ سے صرع کے مرض میں مبتلا تھا' شوال ۳۷۲ھ میں انتقال کر گیا' لاش بغداد سے نجف لے جا کر حضرت علیؓ کے جوار میں سپرد خاک کی گئی' وفات کے وقت کل ۴۷ سال کی عمر تھی۔

**اوصاف و کارنامے** عضد الدولہ دیلمی خاندان کا گل سرسبد اور بڑا جامع اوصاف فرمانروا تھا' عقل و دانش' تدبیر و سیاست' شجاعت و شہامت' فضل و کمال' علم نوازی اور علماء پروری جملہ اوصاف جہانبانی میں یگانہ تھا' اس نے اپنے دور میں دیلمی حکومت اور خلافت بغداد دونوں کو علمی و تمدنی حیثیت سے بڑی ترقی دی۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ عاقل' فاضل' مدبر' باہیبت' عالی ہمت' صائب الرائے' فضائل دوست' فضلاء نواز' بخشش کے موقع پر فیاض اور احتیاط کے موقع پر محتاط اور عاقبت اندیش فرمانروا تھا' (ابن اثیر ج ۹ ص ۷) ابن خلکان کا بیان ہے کہ ملک کی وسعت' سلاطین اور حکومتوں پر غلبہ اور جاہ و جلالی اور عظمت و شان میں وہ پورے دیلمی خاندان میں ممتاز تھا' اس نے بہت سے ملک زیر نگین اور بہت سے فرمانروا مغلوب کیے' تاریخ اسلام میں وہ پہلا فرمانروا ہے جو شہنشاہ کے لقب سے ملقب ہوا' اور بغداد کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا' وہ فاضل اور علماء نواز تھا' بہت سے علوم میں اس کو دستگاہ حاصل تھی' علماء نے اس کے لیے کتابیں اور شعراء نے اس کی شان میں مدحیہ قصائد لکھے' وہ ایک ماہر ادیب اور خوشگو شاعر تھا' ثعالبی نے یتیمۃ الدہر میں اس کے اشعار نقل کیے ہیں۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۴۱۶)

اپنے باپ اور چچا اور دوسرے حکمرانوں کی متعدد چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو ملا کر ایک متحدہ حکومت قائم کر دی' خلافت پر زوال کے ساتھ بغداد اجڑ گیا تھا' اس کی علمی مجلس برہم ہو گئی تھی' عضد الدولہ نے اس کو دوبارہ زندہ کیا' اس کی علم نوازی کی بدولت مختلف ملکوں کے علماء کھنچ کر بغداد میں جمع ہو گئے اور اس کے نام پر کتابیں لکھیں' چنانچہ نحو میں کتاب الایضاح والتکملۃ' قرائت سبعہ میں حجتہ طب اور تاریخ میں تاجی لکھی گئیں۔

(ابن اثیر ج ۹ ص ۸)

رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دیئے' بغداد مسلسل شورشوں اور سیاسی انقلابات سے اجڑ گیا تھا' اس کو دوبارہ آباد کیا' مدینہ طیبہ کے گرد شہر پناہ تعمیر کرائی' حضرت علیؓ کی قبر کا پتہ

چلا کر اس پر عمارت بنوائی' ممالک محروسہ میں شفا خانے' پل اور دوسری رفاہ عام کی عمارتیں بنوائیں۔ (ابن اثیر ج ۹ ص ۹)

بغداد کا شفا خانہ جو بیمارستان عضدی کے نام سے موسوم تھا' بڑا عظیم الشان تھا' اس کے اخراجات کے لیے خطیر رقم وقف کی۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس سرو سامان اور حسن انتظام کا کوئی دوسرا شفا خانہ دنیا میں نہ تھا' اس کے لیے جو آلات اور سازو سامان فراہم کیے گئے تھے' ان کے اوصاف کے بیان سے قلم قاصر ہے۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۴۱۴)

ہر سال کے آغاز میں صدقہ کیلئے ایک خطیر رقم نکالتا تھا اور اسکو معتبر علماء اور قضاۃ کے ذریعہ سارے ممالک محروسہ کے مستحقین میں تقسیم کراتا تھا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۸)

ان خوبیوں کے ساتھ اس میں بعض عیوب بھی تھے' خون ریزی میں بڑا بے باک تھا اور حصول دولت کے لیے متعدد نئے ٹیکس قائم کیے۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۱۷۹)

**بارگاہ خلافت سے تعلقات** اگرچہ طائع عملاً عضدالدولہ کے ماتحت تھا اور خلافت کا سارا نظام اس کے ہاتھوں میں تھا' لیکن عضدالدولہ نے اس کا ظاہری احترام پوری طرح قائم رکھا تھا' مگر طائع اس قدر کمزور اور نااہل تھا کہ اس نے خود تمام اختیارات عضدالدولہ کے حوالے کر دیئے تھے' اور اس کو اتنا اعزاز بخشا کہ اس سے پہلے کسی متولی خلافت کو نصیب نہ ہوا تھا' ۳۶۷ھ میں بغداد کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ (ابن اثیر ج ۸ ص ۲۲۹) اور طائع نے اس کو خلعت فاخرہ' جواہر نگار' تاج' طلائی طوق اور کنگن اور شمشیر سے سرفراز کیا اور نشان امامت کے عام نقرئی علم کے علاوہ جو ہر امیر کو ملتا تھا' خاص طلائی علم جو ولی عہد کے لیے مخصوص تھا' مرحمت کیا' دستور تھا کہ حکومت کا جو عہد نامہ خلیفہ کی جانب سے امراء کو ملتا تھا' اس کو خود امراء خلیفہ کے رو برو پڑھ کر اس کی پابندی کا اقرار کرتے تھے' لیکن عضدالدولہ کا عہد نامہ طائع نے اس کی بجائے دوسرے سے پڑھوایا' اس کے پھاٹک پر نوبت نوازی کا امتیاز بخشا جو ولی عہد کو بھی حاصل نہ تھا' ۳۶۹ھ میں ملک العزیز والی مصر کی سفارت کی باریابی کے موقع پر عضدالدولہ کو اپنے سامنے کرسی پر بٹھایا' ۳۷۰ھ میں جب وہ ہمدان سے بغداد آیا تو خلفاء کے دستور کے خلاف طائع خود اس سے ملنے کے لیے گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۱۸' ۴۱۹)

عضد الدولہ نے خلفاء میں اپنی نسل کو شامل کرنے کے لیے اپنی لڑکی بھی طائع کو بیاہ دی تھی۔

**صمصام الدولہ** عضد الدولہ کی وفات کے بعد دیلمی امراء نے اس کے لڑکے ابو کالیجار مرزبان کو اس کا جانشین بنایا اور صمصام الدولہ کا لقب دیا' طائع نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور اپنی جانب سے شمس الدولہ کا لقب' سات پارچے کا خلعت اور دو علوم عطا کیے۔

صمصام الدولہ کے کئی بھائی تھے' ابوالحسین احمد' ابو طاہر احمد شاہ' شرف الدولہ' بہاؤالدولہ وغیرہ' اولذکر دونوں صمصام الدولہ کے حامی تھے' البتہ شرف الدولہ کی جانب سے ان کو سخت مخالفت کا خطرہ تھا اس لیے تخت نشینی کے بعد صمصام الدولہ نے ابوالحسین احمد اور ابو طاہر کو فارس کا حاکم بنایا' لیکن ان کے پہنچنے کے پیشتر شرف الدولہ نے اس پر قبضہ کر لیا اور صمصام الدولہ کا خطبہ بند کر کے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا' اور تاج الملتہ کا لقب اختیار کیا' صمصام الدولہ نے ابوالحسن حاجب کو فوجیں دے کر اس کے مقابلے کے لیے بھیجا' شرف الدولہ نے امیر دبیس کو اس مہم پر مامور کیا' اس نے ابوالحسن کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔

**موصل پر باز کرد کا قبضہ** ۳۷۳ھ میں ایک حوصلہ مند بہادر کرد ابو عبداللہ حسین المعروف بہ باز نے جو بنی حمدان کے ننہالی رشتہ داروں میں تھا' ایک جمعیت فراہم کر کے دیار بکر پر قبضہ کر لیا اور پورے موصل پر اس کے قابض ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا' صمصام الدولہ نے اس کے مقابلہ میں کئی فوجیں بھیجیں' مگر باز نے انہیں شکست دی' ایک جنگ میں باز زخمی ہو گیا مگر اس کی قوت مضبوط تھی' اس لیے صمصام الدولہ کو اسے دیار بکر کا علاقہ دے کر اس سے صلح کرنی پڑی اس وقت موصل چھوڑا۔

**اسفار کی بغاوت** ۳۷۵ھ میں ایک دیلمی سردار اسفار بن کردویہ صمصام الدولہ کے خلاف شرف الدولہ سے مل گیا اور صمصام الدولہ کی فوج کے ایک حصے کو ساتھ ملا کر اس کی جگہ شرف الدولہ کی جانب سے بہاؤالدولہ کو بغداد میں نائب بنانے کی کوشش کی' صمصام الدولہ نے ایک دیلمی سردار فولاد زماندار کو ملا کر اسفار کو شکست دی اور بہاؤالدولہ گرفتار ہوا' لیکن خود اس کا کوئی قصور نہ تھا اس لیے صمصام الدولہ نے احترام کے ساتھ اس کو نظر

بند کر دیا۔

**صمصام الدولہ کی قید** ۳۷۵ھ میں شرف الدولہ اہواز اور ۳۷۶ھ میں واسطہ پر قبضہ کر کے عراق کی سرحد تک پہنچ گیا' اسی دوران میں صمصام الدولہ کی فوج میں بھی بغاوت ہو گئی اس لیے وہ شرف الدولہ کی اطاعتِ قبول کرنے پر مجبور ہو گیا' شرف الدولہ نے اسے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ اور رمضان ۳۷۶ھ میں خلافت بغداد کی تولیت شرف الدولہ کے ہاتھوں میں آ گئی۔

عضد الدولہ نے حکومت کی جو عظمت و شان قائم کر دی' اس کو صمصام الدولہ نہ سنبھال سکا گو خلافت بغداد کے ساتھ بھی اس کے دستوری تعلقات قائم رہے لیکن کوئی نمایاں امتیاز حاصل نہ کر سکا۔

**شرف الدولہ** صمصام الدولہ کی گرفتاری کے بعد طائع نے شرف الدولہ کی حکومت اور بغداد کی تصدیق کر دی اور معمول کے مطابق خلعت اور تاج سے سرفراز کیا۔

**ترک اور دیالمہ کی جنگ** شرف الدولہ کی تولیت کے بعد ہی ترکوں اور دیالمہ میں جنگ ہو گئی مگر آخر میں ترکوں نے دیلمیوں کو مغلوب کر لیا' اس دوران میں شرف الدولہ بغداد آ گیا' طائع نے خود نکل کر اس کا استقبال کیا اور بغداد کے داخلہ پر مبارکباد دی اور اس کے جواب میں شرف الدولہ طائع کے سامنے زمین بوس ہوا۔

بغداد میں داخلہ کے بعد شرف الدولہ نے ترک اور دیلم میں صلح کرا دی اور بغداد کی حکومت کا بگڑا ہوا نظام از سر نو درست کیا' جن جن لوگوں کی جائیدادیں ضبط ہوئی تھیں ان کو واگذار کیا' حکومت کے عہدیداروں کا از سر نو عزل و نصب کیا اور ابو منصور کو خلافت بغداد کی وزارت تفویض کی۔

ابھی شرف الدولہ کی حکومت کو صرف دو سال چند مہینے گزرے تھے کہ جمادی الاول ۳۷۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا' اس کی لاش نجف لے جا کر دفن کی گئی' اس کی عمر کل ۲۸ سال اور مدت امارت ۲ سال آٹھ مہینے تھی۔

عضد الدولہ کی اولاد میں گو کوئی باپ کے درجہ کو نہ پہنچ سکا' لیکن شرف الدولہ میں دوسرے بھائیوں کے مقابلہ میں کسی نہ کسی حد تک حکومت کی اہلیت اور اوصاف جہانبانی

تھے۔ اس نے اپنے زمانہ میں بعض مفید کام انجام دیئے بغداد میں مظالم کا انسداد کیا' بعض مغصوبہ جائیدادیں واپس کیں' علمی ذوق بھی رکھتا تھا' بغداد میں ایک عظیم الشان رصد گاہ تعمیر کرائی۔ (دول الاسلام ذہبی ج ا ص ۱۸)

**بہاؤالدولہ** شرف الدولہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابونصر الملقب بہ بہاؤالدولہ اس کا جانشین ہوا' طائع نے اس کو سات پارچے کی خلعت' سیاہ عمامہ اور کنگن عطا کیے اور بہاؤالدولہ اور ضیاء الدولہ' کے القاب سے ملقب کیا' اس کے زمانہ میں اس کے بھائی بھتیجوں علی بن شرف الدولہ' فخرالدولہ اور صمصام الدولہ وغیرہ میں خانہ جنگیاں ہوئیں مگر ان کو خلافت بغداد سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے اس کی تفصیل قلم انداز کی جاتی ہے۔

۳۸۹ھ میں بہاؤالدولہ اور صمصام الدولہ میں بھی جنگ ہوئی' مگر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ عراق و خوزستان' بہاؤالدولہ کے قبضہ میں رہیں گے اور فارس اور ارجان صمصام الدولہ کے قبضہ میں۔

**موصل پر آل حمدان کا دوبارہ قبضہ** اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عضدالدولہ نے موصل کی حمدانی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا' ناصر الدولہ حمدانی کے لڑکے ابو طاہر ابراہیم اور ابو عبداللہ حسین شرف الدولہ کے پاس بغداد میں رہتے تھے' بہاؤالدولہ کے زمانے میں اس سے اجازت لے کر دونوں موصل چلے گئے' ان کی واپسی کے بعد فوجی افسروں کو اس غلطی کا احساس ہوا' چنانچہ بہاؤالدولہ نے خواشاذہ والی موصل کو لکھ بھیجا کہ ان دونوں کو موصل میں داخل نہ ہونے دیا جائے خواشاذہ نے ان کو روکنے کی کوشش کی' مگر اہل موصل ان کے ساتھ ہو گئے تھے' انہوں نے موصل کے ترک اور دیلم کو شکست دی اور خواشاذہ کو موصل چھوڑ کر بغداد چلا آنا پڑا' اور موصل پر دوبارہ آل حمدان کا قبضہ ہو گیا۔

**موصل پر باز کی فوج کشی اور اس کا قتل** ان کے قبضہ کے بعد باز کردی والی دیار بکر کو پھر اس کی طمع دامن گیر ہوئی' اس نے موصل کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ ملا کر فوج کشی کر دی' آل حمدان نے اس کا مقابلہ کیا' باز نے میدان جنگ میں گھوڑا بدلنا چاہا۔ اتفاق سے گر پڑا اور ہنسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی' اس کا بھانجا ابو علی ساتھ تھا' اس نے گھوڑے پر چڑھانے کی کوشش کی لیکن باز اتنا زخمی تھا کہ نہ چڑھ سکا اور اس کی فوج اس کو مقتولوں

کے انبار میں چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں چلی گئی' اتفاق سے ایک عرب کی نظر باز پر پڑ گئی' اس نے اسے قتل کر دیا۔

باز کے قتل کے بعد اس کے بھانجے ابو علی بن مروان نے اس کے مقبوضات پر قبضہ کر لیا اس وقت سے دیار بکر میں مروانی حکومت کا آغاز ہوا۔

**آل حمدان کی شکست اور موصل میں عقیلی حکومت کا قیام** باز کے قتل کے بعد ابو طاہر اور ابو عبداللہ حمدانی نے دیار بکر پر فوج کشی کر دی' ابو علی نے ان کو شکست دے کر گرفتار کر لیا' پھر والی مصر کی فرمائش پر چھوڑ دیا اور ابو عبداللہ مصر چلا گیا' اس کو والی مصر نے حلب کا حاکم بنایا' جہاں وہ آخر عمر تک رہا' دوسرا بھائی ابو طاہر شکست کھانے کے بعد نصیبین چلا گیا یہاں کے والی محمد بن مسیب عقیلی نے اس کو اور اس کے لڑکے علی کو پکڑ کر قتل کر دیا اور بہاؤالدولہ نے اس کی درخواست پر موصل کے انتظام کے لیے اپنا آدمی بھیج دیا' لیکن یہ برائے نام حاکم تھا۔ اصل حکومت محمد بن مسیب کے ہاتھوں میں تھی جو اس کے بعد موروثی بن گئی اور موصل میں عقیلی حکومت قائم ہو گئی یہ حکومت بھی عرب تھی۔

**دولت غزنویہ افغانستان کا قیام** طائع کے عہد کا اہم واقعہ افغانستان کی غزنوی حکومت کا قیام ہے۔ یہ حکومت ماورالنہر کی سامانی حکومت سے پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ وسط ایشیا سے لے کر ہندوستان تک پھیل گئی۔

اس کا بانی امیر سبکتگین ماورالنہر کی سامانی حکومت کے خراسانی صوبہ دار التپگین کا غلام تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ساسانیوں کی نسل سے تھا' سبکتگین جو ہر قابل تھا' بچپن ہی سے اس میں اقبال مندی کے آثار نمایاں تھے' اس لیے آقا کی نظر توجہ کا مرکز بن گیا اور اس کے مزاج میں اتنا رسوخ و اعتماد پیدا کر لیا کہ اس نے اس کو غزنین کی افواج کا سپہ سالار بنا دیا۔

عبدالملک سامانی کی وفات کے بعد جب اس کی جانشینی کا مسئلہ پیش ہوا تو امیر الپتگین نے اس کے لڑکے منصور کی نو عمری کی وجہ سے اس کی مخالفت کی' لیکن ارکان دولت نے اسی کو تخت نشین کیا' تخت نشینی کے بعد امیر منصور نے الپتگین کو طلب کیا' چونکہ وہ اس کی مخالفت کر چکا تھا' اس لیے خوف سے اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور ۳۵۱ھ میں علم بغاوت

بلند کر کے غزنین میں اپنی حکومت قائم کر لی' اس کے خراسان چھوڑنے کے بعد امیر منصور نے ابوالحسن محمد بن ابراہیم کو یہاں کا حاکم مقرر کیا' اس نے دو مرتبہ الپتگین پر فوج کشی کی لیکن دونوں مرتبہ ناکام رہا۔

۳۶۵ھ میں امیر الپتگین کا انتقال ہو گیا امیر منصور نے اس کی جگہ اس کے لڑکے ابواسحاق کو غزنین کا حاکم بنایا اور وہ سبکتگین کی صلاح و مشورہ سے حکومت کرتا رہا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد ابواسحاق کا انتقال ہو گیا' اہل غزنین کو سبکتگین کے اوصاف جہانبانی کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لیے ابو اسحاق کے بعد ۳۶۶ھ میں انہوں نے اس کو غزنین کے تخت پر بٹھایا' اس وقت سے غزنوی حکومت کی بنیاد پڑی' محمود غزنوی اسی باپ کا نامور فرزند تھا' اس حکومت کی تاریخ ہمارے موضوع سے بالکل خارج ہے' دولت عباسیہ کے ساتھ اس کے جو واقعات و حالات پیش آئے وہ اپنے موقع پر آتے رہیں گے۔ (یہ فارسی مورخین کے بیان کا خلاصہ ہے' ابن اثیر کی تصریحات اس سے کسی قدر مختلف ہیں یہ حکومت ۳۶۶ھ میں قائم ہوئی اور ۵۷۹ھ میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا' اس مدت میں پندرہ فرمانروا ہوئے' امیر سبکتگین' اسماعیل بن سبکتگین' محمود بن سبکتگین' محمد بن محمود' مسعود بن محمود' مودود بن مسعود' علی بن مسعود' عبدالرشید بن محمود' فرخزاد بن مسعود' ابراہیم بن مسعود' مسعود بن ابراہیم' ارسلان شاہ بن مسعود' بہرام شاہ ابن مسعود شاہ' خسرو شاہ بن بہرام' ملک شاہ بن خسرو شاہ)

**طائع کی گرفتاری** بہاؤالدولہ کے زمانہ میں دیلمی حکومت کا خزانہ خالی ہو گیا تھا' فوج کو تنخواہ وقت سے نہیں ملتی تھی' اس لیے ۳۸۱ھ میں فوج میں روپے کے لیے شورش پیدا ہو گئی۔ امیر ابوالحسن بن معلم نے جس کا بہاؤالدولہ پر بڑا اثر تھا' اس کو مشورہ دیا کہ طائع کے پاس کافی دولت ہے' اگر اس کو گرفتار کر لیا جائے تو کل دولت ہاتھ آ جائے گی' بہاؤالدولہ اس پر آمادہ ہو گیا۔ اور تجدید عہد کے بہانہ طائع سے باریابی کی اجازت لے کر چند دیلمیوں کے ساتھ دربار خلافت پہنچا اور طائع کے سامنے زمین بوس ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دیلمی بھی دست بوسی کے بہانے آگے بڑھے اور طائع کو تخت کے نیچے اتار لیا' وہ ہر چند فریاد کرتا رہا' لیکن کسی نے نہ سنی' دارالخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا اور طائع کو بہاؤالدولہ کے محل میں لا کر اور خلافت سے معزول کر کے قاہر باللہ کے گھر میں نظر بند کر دیا' نظر بندی کے بعد اس کی راحت و آرام کا پورا لحاظ رکھا' کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں

دی گئی، یہیں ۳۹۳ھ میں اس کا انتقال ہو گیا' اس کی مدت خلافت سترہ سال آٹھ مہینے اور عمر ۶۴ سال تھی۔

طائع جسمانی حیثیت سے بڑا قوی اور بہادر تھا' لیکن جہانبانی کی اہلیت نہ تھی' اس کی قوت اور بہادری کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس کے قصرِبستان میں ایک پہاڑی مینڈھا مست ہو گیا کوئی شخص اس کے پاس جانے کی ہمت نہ کرتا تھا' وہ خود اس کو پکڑنے کے لیے گیا مینڈھے نے اس پر حملہ کر دیا' طائع نے بڑھ کر اس کی دونوں سینگیں پکڑلیں اور بڑھئی بلا کر آری سے کٹوا دیں۔ (الفخری ص ۲۵۹' ۲۶۰)

لیکن دماغی قوت اور اوصاف جہانبانی سے محروم تھا۔ اس کا جو نتیجہ نکلا وہ اس کی معزولی کی نوعیت سے ظاہر ہی ہے' اس کے زمانہ میں دیالمہ کا اقتدار و استبداد بہت بڑھ گیا اور خلافت کی قوت محض برائے نام رہ گئی۔

فاطمیہ مصر گو خلافت کے مدعی تھے' لیکن حرمین میں خلفائے عباسیہ ہی کا خطبہ پڑھا جاتا تھا طائع کی کمزوری' ضعف سلطنت اور دیالمہ کی شیعیت سے فائدہ اٹھا کر معزالدین اللہ فاطمی نے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۱۶)

# ابو العباس احمد بن مقتدر الملقب بہ قادر باللہ

## ۳۸۱ھ تا ۴۲۲ھ --- مطابق --- ۹۹۱ء تا ۱۰۳۱ء

طائع کے بعد مقتدر باللہ کا لڑکا احمد خلیفہ ہوا' یہ ایک لونڈی ومنہ کے بطن سے تھا۔ طائع کی وفات سے کچھ دنوں پیشتر اس کے خوف سے احمد مہذب الدولہ کے پاس بطیحہ بھاگ گیا تھا' اور اس وقت وہیں مقیم تھا' طائع کی معزولی کے بعد بہاؤالدولہ اور دوسرے ارکان سلطنت نے احمد کو بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس لا کر خلیفہ بنایا اور رمضان ۳۸۱ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا' اس وقت اس کا چالیسواں سال تھا۔

قادر بڑا مدبر اور بڑے جاہ و جلال کا خلیفہ تھا' اس نے اپنے زمانہ میں عباسی خلافت کا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ قائم کر دیا۔

اس کے دور حکومت میں بھی دیالمہ کی خانہ جنگی' دوسری حکومتوں کے ساتھ ان کی لڑائیوں اور غزنوی حکومت کے عروج و ترقی کے واقعات کے سوا خاص عباسی حکومت کے واقعات بہت کم ہیں۔

### صمصام الدولہ کا قتل اور فارس پر بہاؤالدولہ کا قبضہ

۳۸۸ھ میں صمصام الدولہ قتل کر دیا گیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے دیالمہ کی ایک جماعت کو فوج سے نکال دیا تھا' جس کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا' اتفاق سے اسی زمانہ میں عزالدولہ بختیار کے لڑکے ابو نصر اور ابوالقاسم جن کو صمصام الدولہ نے فارس میں قید کر رکھا تھا' قید سے نکل گئے اور صمصام الدولہ سے جنگ کی تیاری کرنے لگے' اس کے نکالے ہوئے دیلمی ان دونوں کے ساتھ ہو گئے اور ابو نصر و ابو قاسم صمصام الدولہ کے مقابلہ کے لیے ارجان پہنچے' صمصام الدولہ کے پاس اس وقت کوئی قوت نہ تھی' اس نے شیراز کے قلعہ میں پناہ لینی چاہی' یہاں کے قلعہ دار نے گھسنے نہ دیا اور صمصام الدولہ نے کردوں کے ہمراہ اپنا ساز و سامان لے کر نکل جانا چاہا' کردوں نے بھی دھوکہ دیا اور راستہ میں اس کا سامان چھین لیا اور صمصام الدولہ نے جان بچا کر دودمان نکل جانا چاہا اور یہاں بھی پناہ نہ ملی' دودمان کے والی طاہر نے اسے

گرفتار کر کے ابو نصر کے حوالہ کر دیا' اس نے قتل کر کے فارس پر قبضہ کر لیا' اس وقت صمصام الدولہ کی عمر کل ۳۵ سال اور فارس پر اس کی حکومت کی مدت دس سال کے قریب تھی طبعا" بڑا شریف اور متحمل مزاج تھا۔

صمصام الدولہ کے قتل کے وقت ابو علی بن استاد ہرمز اس کی جانب سے خوزستان کا حاکم تھا' یہ بڑا بہادر تھا' خوزستان پر قبضہ کے لیے بہاؤالدولہ اور ابو نصر و ابوالقاسم دونوں نے اس کو ملانے کی کوشش کی' صمصام الدولہ کے زمانہ میں ابو علی ہی نے دونوں بھائیوں کو قید کیا تھا' اس لیے اس کو ان پر اعتماد نہ تھا' چنانچہ بہاؤالدولہ' صمصام الدولہ کے خون کے انتقام کے نام سے ابو علی کو ملانے میں کامیاب ہو گئے اور خوزستان اس کے قبضہ میں آگیا' خوزستان کے بعد اس کے وزیر موفق نے ابو نصر اور ابوالقاسم کو شکست دے کر فارس پر بھی قبضہ کر لیا اور صمصام الدولہ کے قتل کے انتقام میں دودمان کو لٹوا کر یہاں قتل عام کرایا اور صمصام الدولہ کی لاش یہاں سے لے جا کر اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کی۔

**عمید العراق کے عہدہ کا قیام** بغداد میں دیالمہ کے قیام کی وجہ سے ان کے اصلی مرکز فارس کا انتظام قائم نہیں رہتا تھا اس لیے خلافت بغداد کے انتظامات کے لیے ۳۸۹ھ میں بہاؤالدولہ نے عمید العراق کا عہدہ قائم کیا اور اس پر امیر ابو جعفر حجاج کو مقرر کر کے خوزستان کا اپنا مستقر بنایا۔

**ابوطاہر کا قتل** ۳۹۰ھ میں پھر ابو طاہر نے بہاؤالدولہ کے مقابلہ میں فوج کشی کی' اس مرتبہ بھی وہ ناکام رہا' موفق نے اسے شکست دی اور ابو طاہر کے آدمیوں نے اس کا سر قلم کر کے موفق کے سامنے پیش کیا' بہاؤالدولہ نے موفق کی اس کارگذاری کے صلہ میں اس کی بڑی عزت افزائی کی۔

**بنی عقیل اور دیالمہ کے معرکے** موصل میں دوبارہ عقیلی خاندان کی عرب حکومت کے قیام کا حال اوپر گذر چکا ہے' یہ برائے نام دیالمہ کے مطیع تھے اور ان کا اختلاف برابر ان کے ساتھ قائم رہا' محمد بن مسیب عقیلی والی موصل کے انتقال کے بعد ۳۸۶ھ میں اس کی جانشینی کے مسئلہ میں اس کے بھائیوں مقلد اور عقیل میں مخالفت ہو گئی' اس سلسلہ میں ان میں اور بہاؤالدولہ میں لڑائیاں بھی ہوئیں' مقلد زیادہ طاقتور تھا اس لیے آخر میں

بہاؤالدولہ نے دس ہزار سالانہ پر اس کی حکومت تسلیم کرلی اور حسام الدولہ کا لقب دیا'
۳۹۱ھ میں مقلد کے ترک غلاموں نے اسے قتل کر دیا اور اس کا لڑکا قرواش جانشین ہوا'
۳۹۲ھ میں اس نے مدائن پر حملہ کر دیا' عمید عراق' ابو جعفر حجاج نے اس کو یہاں سے ہٹا دیا' لیکن بنی عقیل' بنی مزید اور بنی اسد نے مل کر ترک و دیالمہ کو شکست دی اور ان کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا' ابو جعفر حجاج نے بڑی مشکلوں سے ان کو شکست دے کر منتشر کیا'
۴۰۱ھ میں بنی عقیل نے دیالمہ کی مخالفت میں قادر باللہ کا خطبہ بند کر کے قائم بامراللہ فاطمی کا خطبہ جاری کر دیا' بہاؤالدولہ نے عمیدالجیوش کو اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا' لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی اور قرواش نے معذرت کر کے خطبہ جاری کر دیا۔

**ابوالعباس کی مخالفت اور قتل** ۳۹۴ھ میں ابوالعباس بن واصل کا ہنگامہ بپا ہوا' یہ ابتداء میں ایک معمولی شخص تھا' مختلف امراء کے درباروں میں ہوتا ہوا مہذب الدولہ والی بطیحہ کے یہاں پہنچا اور اس کے مزاج میں اتنا رسوخ و اعتماد حاصل کر لیا کہ وہ بڑی بڑی مہمیں اس کے سپرد کرنے لگا' جب اس کی قوت بڑھ گئی تو اس نے خود مہذب الدولہ کو بطیحہ سے نکال دیا اور بصرہ پر قابض ہو گیا' یہ نئی قوت دیالمہ کے لیے خطرہ سے خالی نہ تھی اس لیے بہاؤالدولہ نے عمیدالجیوش کو اس کے پاس بھیجا' اس نے ابوالعباس کو شکست دے کر اس کے خزانہ پر قبضہ کیا۔

اہل بطیحہ ابوالعباس کے خلاف تھے' اس کی غیر حاضری میں انہوں نے اس کے نائب کو بطیحہ سے نکال دیا' اور مہذب الدولہ کو بطیحہ واپس مل گیا۔

ابوالعباس اس وقت خوزستان پر فوج کشی کی تیاری میں مشغول تھا اس لیے بطیحہ کی جانب اس نے توجہ نہ کی اور خوزستان پر حملہ کر کے اہواز پر قبضہ کر لیا' لیکن بہت جلد بہاؤالدولہ نے اس کو یہاں سے نکال دیا اور اپنے وزیر ابوغالب کو بھیج کر اس کے مرکز بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ ابو العباس نے اپنے معاون بدر بن جنویہ کے پاس کردستان نکل جانا چاہا' ایک دیلمی افسر ابوالفتح نے راستہ میں گرفتار کر کے عمیدالجیوش کے پاس بھجوا دیا' اس نے قتل کرا دیا' اس طرح اس نئی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔

**بہاؤالدولہ کا انتقال** ۴۰۳ھ میں ارجان میں بہاؤالدولہ کا انتقال ہو گیا' لاش مشہد لے جا کر اس کے باپ کے پہلو میں دفن کی گئی' وفات کے وقت کل بیالیس سال کی عمر تھی'

مدت خلافت چوبیس سال' اس میں کوئی قابل ذکر خصوصیت نہ تھی۔

**سلطان الدولہ** بہاؤالدولہ کے بعد اس کا لڑکا ابو شجاع سلطان الدولہ تخت نشین ہوا اور اپنے ایک بھائی ابو طاہر جلال الدولہ کو بصرہ کا اور دوسرے بھائی ابوالفوارس کو کرمان کا حاکم بنایا اور ابو محمد حسن بن سہلان کو نائب السلطنت کے عہدہ پر مامور کیا۔

**ابوالفوارس کی بغاوت اور اطاعت** چند ہی دنوں کے بعد دیالمہ نے ابوالفوارس کو سلطان الدولہ کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اور اس نے شیراز پر قبضہ کر لیا۔ لیکن سلطان الدولہ نے بہت جلد اس کو نکال دیا اور ابوالفوارس کرمان چلا گیا' سلطان الدولہ نے یہاں بھی اسے ٹکنے نہ دیا اور ابوالفوارس نے بست جا کر سلطان محمود غزنوی کے دامن میں پناہ لی' اس نے عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور امیر ابو سعید طائی کو فوجیں دے کر اس کی امداد کے لیے بھیجا' اس وقت سلطان الدولہ کرمان سے واپس جا چکا تھا' اس لیے ابوالفوارس نے کرمان اور اس کے بعد شیراز پر قبضہ کر لیا' سلطان الدولہ کرمان واپس آیا اور ابوالفوارس کو شکست دے کر دوبارہ شیراز سے نکالا اور ۴۰۸ھ میں وہ بحال تباہ کرمان لوٹ گیا' سلطان الدولہ نے کرمان پر قبضہ کر لیا' ابوالفوراس کا رویہ ابو سعید غزنوی کے ساتھ نامناسب رہا تھا' اس لیے دوبارہ اس کو محمود غزنوی کے پاس جانے کی جرات نہ ہوئی اور مہذب الدولہ کے پاس بطیحہ چلا گیا' اس نے عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا چند دنوں کے بعد سلطان الدولہ نے اس کی خطا معاف کر کے کرمان کا حاکم بنا دیا۔

**عراق پر مشرف الدولہ کا قبضہ** ۴۱۱ھ میں بغدادی فوج سلطان الدولہ کے خلاف ہو گئی وہ در پردہ اس کے بھائی مشرف الدولہ کی حامی تھی' اسی زمانہ میں سلطان الدولہ نے واسطہ جانے کا ارادہ کیا' فوج نے اس شرط پر جانے کی اجازت دی کہ وہ اپنے بھائی یا لڑکے کو بغداد میں چھوڑ جائے' اس لیے مجبوراً اسے مشرف الدولہ کو چھوڑنا پڑا' لیکن بغداد سے نکلتے ہی اس نے ابو محمد حسن بن سہلان کو مشرف الدولہ کے نکالنے کے لیے بھیجا' مشرف الدولہ نے اس کو شکست دے کر واسطہ پر قبضہ کر لیا' یہاں کے دیلمی بھی اس سے مل گئے' اس نے اس کی عظمت و شان بڑھ گئی۔ سلطان الدولہ اس وقت اہواز میں تھا' اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے وہ اہواز چھوڑ کر ارجان چلا گیا' اور عراق و خوزستان

میں مشرف الدولہ کی حکومت قائم ہو گئی' ۴۱۳ھ میں دونوں میں مصالحت ہو گئی۔ اس کی رو سے عراق کا علاقہ اور بغداد کی تولیت مشرف الدولہ کے ہاتھوں میں آئی اور فارس و کرمان کی موروثی حکومت سلطان الدولہ کے حصہ میں رہی۔

شوال ۴۱۵ھ میں سلطان الدولہ کا اور ربیع الاول ۴۱۶ھ میں مشرف الدولہ کا انتقال ہو گیا عراق میں مشرف الدولہ کی مدت حکومت کل ۵ سال تھی' وہ بڑا نیک سیرت' عادل اور خوبیوں کا مالک فرمانروا تھا۔

**جلال الدولہ** سلطان الدولہ کی وفات کے بعد فارس میں اس کا لڑکا ابو کالیجار تخت نشین ہوا' اور عراق میں مشرف الدولہ کے بعد اس کے دوسرے بھائی جلال الدولہ نے اس کی جگہ لے لی۔ ۴۱۹ھ میں ترکوں نے جلال الدولہ کے خلاف سخت بغاوت کی' اس کا اور اس کے تمام وابستگان دولت کے گھر اور ٹکسال لوٹ لی اور جلال الدولہ کا محاصرہ کر کے اس کا دانہ پانی بند کر دیا' اس نے بغداد چھوڑ کر نکل جانا چاہا' ترک اس میں بھی حائل ہوئے' لیکن پھر عوام کی دست اندازی سے رک گئے۔ اور قادر نے دونوں میں صلح کرا دی' لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر ترکوں نے تنخواہ کے لیے شورش کر دی' جلال الدولہ کے پاس روپیہ نہ تھا اس نے گھر کا اثاثہ اور سازوسامان بیچ کر مطالبہ پورا کیا۔

اسی سنہ میں بصرہ کے ترک اور دیالمہ میں تصادم ہو گیا' جلال الدولہ کے لڑکے ابو منصور عزیز والی بصرہ نے دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کی اس پر ترک اور بگڑ گئے' ابو کالیجار کی حمایت پر آمادہ ہو گئے' ابو کالیجار نے ان کی مدد سے ابو منصور کو بصرہ سے نکال دیا اس پر قبضہ کر لیا' ابو منصور واسط چلا گیا جلال الدولہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے اہواز پر فوج کشی کر دی اس وقت ابو کالیجار واسطہ میں تھا۔ اس لیے جلال الدین نے اہواز کو لوٹ کر ابو کالیجار کی بیوی بچوں کو گرفتار کر لیا' یہ خبر سن کر وہ اہواز پہنچا' جلال الدولہ نے اسے بھی شکست دی اور واسط پر قبضہ کرتا ہوا بغداد لوٹ گیا۔

واسط پر قبضہ کے بعد جلال الدولہ نے اپنے وزیر ابو علی کو بطیحہ اور بصرہ روانہ کیا اس نے بطیحہ پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا' لیکن بصرہ کی مہم میں شکست کھائی اور گرفتار کر کے ابو کالیجار کے سامنے لے جایا گیا' اس نے معاف کر دیا' لیکن خود ابو علی کے غلام نے اس کا خاتمہ کر دیا' ابو علی کے قتل کے بعد جلال الدولہ نے بصرہ پر قبضہ کر لیا۔

قادری دور کے واقعات میں ماوراء النہر کی سامانی حکومت کا خاتمہ اور افغانستان کی غزنوی حکومت کا عروج دو اہم اور قابل ذکر واقعے ہیں' ان کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اجمالی حالات یہ ہیں۔

**امیر سبکتگین غزنوی کی فتوحات** غزنوی حکومت کے قیام کا حال اوپر گذر چکا ہے' امیر سبکتگین کی شجاعت اور ناموری کا شہرہ اتنا پھیل چکا تھا کہ آس پاس کے چھوٹے حکمران اپنی مشکلات میں اس کی جانب رجوع کرنے لگے تھے' اسی زمانہ میں بست کے حکمران طغان کی حکومت پر ایک شخص ابو ثور نے قبضہ کر لیا تھا' اس نے امیر سبکتگین سے مدد کی درخواست کی' سبکتگین نے ابو ثور کو نکال کر بست' طغان کو واپس دلا دیا اور طغان اس کی ماتحتی میں آ گئی۔

غزنین کے قریب قصد کا قلعہ نہایت سنگین اور یہاں کا قلعہ دار نہایت سرکش تھا' امیر سبکتگین نے اسے مغلوب کر کے خراج وصول کیا اور اس سے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔

**ہندوستان پر سبکتگین کا حملہ** اس وقت تک مسلمانوں کے قدم سندھ سے آگے نہ بڑھے تھے ۳۶۷ھ میں امیر سبکتگین نے خیبر کی سمت سے ہندوستان پر حملہ کیا اور چند قلعے فتح کر کے غزنین لوٹ گیا' پنجاب اور کشمیر کے راجہ جیپال نے مقابلہ کی تیاری کی' اس کی تیاری کی خبر سن کر امیر سبکتگین دوبارہ ہندوستان پہنچا اور کابل و پشاور کے درمیان لمغان کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا' یہ سردی کا موسم تھا' بڑی شدت سے برفباری ہوئی' ہندوستانی اس کے عادی نہ تھے' ہزاروں آدمی اور جانور لقمہ اجل ہو گئے' اس لیے جیپال کو مجبور ہو کر صلح کی درخواست کرنی پڑی اور خراج و ہدایا و تحائف کے وعدہ پر مصالحت ہو گئی' لیکن لاہور واپس جانے کے بعد جیپال میں تنہا اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس نے اس جنگ کو ہندوستان کی حفاظت کا سوال بنا کر کالنجر' اجمیر اور قنوج کے راجاؤں سے مدد مانگی' ان سب نے اپنی اپنی فوجیں بھیجیں اور جے پال نے متحدہ طاقت سے سبکتگین کا مقابلہ کیا' لیکن کثرت تعداد کے باوجود شکست کھائی اور سبکتگین نے دریائے اٹک تک اس کی مملکت پر قبضہ کر لیا اور پشاور میں فوجی چھاؤنی قائم کر کے غزنین لوٹ گیا۔

(تاریخ فرشتہ ص ۱۹ ملخصا")

سامانیہ ماوراء النہر کے دور زوال میں اس کے امراء میں خود سری پیدا ہو گئی تھی' اور

حصول اقتدار کے لیے ان میں باہم رشک و رقابت کا بازار گرم رہتا تھا' چنانچہ امیر نوح سامانی کے زمانہ میں اس کے ایک عہدہ دار عماد الدولہ ابو علی نے جیجون کے اس پار کے تمام سامانی مقبوضات پر قبضہ کر کے خالصہ شاہی پر بھی دست درازی شروع کر دی' ایک دوسرا امیر فائق الخاصہ بھی مخالفت پر آمادہ ہو گیا' یہ حالت دیکھ کر سامانیوں کے پرانے حریف ایلک خان فرمانروائے ترکستان نے سامانیہ کے پایہ تخت بخارا پر قبضہ کر لیا اور نوح کو یہاں سے بھاگنا پڑا' لیکن اس کی خوش قسمتی سے چند ہی دنوں کے بعد ایلک خان بیمار ہو کر لوٹ گیا اور امیر نوح پھر بخارا واپس آ گیا۔

ابو علی برابر مخالفت پر قائم رہا' امیر نوح نے ہر چند اسے سمجھانے کی کوشش کی' مگر وہ باز نہ آیا' آخر میں امیر نوح نے اپنے قدیم نمک خوار امیر سبکتگین والی غزنہ کی جانب رجوع کیا' اس نے ۳۸۴ھ میں ابو علی پر فوج کشی کر کے اسے فاش شکست دی' امیر نوح نے اس کارگزاری کے صلہ میں سبکتگین کو ناصرالدولہ اور اس کے لڑکے محمود کو سیف الدولہ کا لقب عطا کیا۔

ابو علی کو شکست دینے کے بعد سبکتگین اپنے لڑکے محمود کو خراسان کے انتظام کے لیے چھوڑ کر خود غزنہ لوٹ گیا' اس کی واپسی کے بعد ابو علی نے امیر فائق کو ساتھ لے کر خراسان پر فوج کشی کر دی لیکن محمود نے اسے شکست دی اور وہ مختلف مقاموں پر پھرتا پھراتا ہوا آخر میں گرفتار ہوا اور ۳۸۷ھ میں سبکتگین نے اسے قتل کرا دیا۔

(یہ حالات "ملخصا" زین الاخبار گردیزی ص ۵۳ تا ۵۸ سے ماخوذ ہیں)

**امیر نوح سامانی اور امیر سبکتگین کا انتقال** اسی سنہ میں امیر نوح اور امیر سبکتگین دونوں کا تھوڑے وقفہ سے انتقال ہو گیا' نوح کی جگہ اس کا لڑکا منصور تخت نشین ہوا محمود باپ کی وفات کے وقت نیشاپور میں تھا' اس لیے غزنین کا تخت اس کے چھوٹے بھائی اسماعیل نے حاصل کر لیا۔

یہ عمر اور تجربہ دونوں میں محمود سے کم تھا' اس لیے حکومت نہ سنبھال سکا اور فوج اس کے قابو سے باہر ہو گئی' محمود نے اس کو لکھ بھیجا کہ والد مرحوم کے بعد تم مجھ کو سب سے زیادہ عزیز ہو میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا' لیکن سلطنت کی بقاو تحفظ کے لیے عمر' تجربہ اور امور مملکت سے واقفیت ضروری ہے' اگر یہ اوصاف تم میں موجود ہوتے تو

میں سب سے پہلے تمہاری حکومت تسلیم کر لیتا' والد نے میری عدم موجودگی میں تم کو محض اس لیے نامزد کر دیا تھا کہ میں ان کی وفات کے وقت غزنین سے دور تھا اور اس کی حفاظت کے لیے کسی کا نامزد کرنا ضروری تھا' اب حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم والد کی میراث کو شرع شریف کے مطابق تقسیم کر دو' غزنین کو جو ہمارا مولد و منشا ہے' میرے حوالے کر دو' میں بلخ کی ولایت خرخشوں سے پاک کر کے تم کو دے دوں گا' اسماعیل نے اس کو نہ مانا' اس لیے محمود نے ۳۸۸ھ میں فوج کشی کر کے اسماعیل کو شکست دی اور اس کو جرجان کے قلعہ میں نظر بند کر کے اس کی راحت و آسائش کے جملہ سامان فراہم کر دیئے' جہاں وہ آخر عمر تک نظر بند رہا۔ (تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۳)

**سامانیہ کا خاتمہ** ادھر خراسان میں محمود کی عدم موجودگی میں امیر بکتوزون نے نیشا پور پر قبضہ کر لیا تھا' اس لیے اسماعیل سے فراغت کے بعد محمود پھر نیشا پور واپس گیا' بکتوزون میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے نیشا پور چھوڑ دیا' امیر منصور محمود کی طرف مائل تھا' اس لیے بکتوزون اور فائق خاصہ نے اسے ۳۸۹ھ میں اندھا کر کے معزول کر دیا اور اس کے بھائی عبدالملک کو تخت نشین کیا۔

محمود کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان دونوں سے انتقام لینے کے لیے تیار ہو گیا' لیکن انہوں نے ہرات اور بلخ کا علاقہ دے کر صلح کر لی' لیکن چند ہی دنوں کے بعد بعض اختلافات کی بنا پر محمود کے بھائی نصر نے بکتوزون پر حملہ کر دیا وہ شکست کھا کر باحال تباہ بخارا چلا گیا اور فائق کا ۳۸۹ھ میں انتقال ہو گیا' ایلک خان تاک میں لگا ہوا تھا' وہ عبدالملک کی مدد کے بہانہ سے بخارا پہنچا اور عبدالملک اور اس کے بھائیوں کو گرفتار کر کے بخارا پر قبضہ کر لیا۔

(زین الاخبار گردیزی ص ۵۸ تا ۶۰)

عبدالملک کا ایک بھائی اسماعیل کسی طرح قید سے نکل گیا' وہ سامانی امراء اور فوجیں جو عبدالملک کی گرفتاری کے بعد منتشر ہو گئی تھیں' اسماعیل کے پاس جمع ہو گئیں اس نے ان کی مدد سے ایک مرتبہ ترکمانوں کو بخارا سے نکال دیا لیکن اب سامانی حکومت کی قوت ختم ہو چکی تھی' یہ قبضہ محض چراغ سحری کا آخری سنبھالا تھا' ایلک خان نے بہت جلد دوبارہ بخارا پر قبضہ کر لیا' اور اسماعیل کئی سال تک مختلف قوتوں سے جنگ کرتا رہا' ادھر ادھر مارا

مارا پھرتا رہا کہیں اس کو پناہ نہ ملتی تھی، جس کے حدود میں قدم رکھتا تھا کوئی اس کو ٹکنے نہ دیتا تھا آخر میں مایوس ہو کر ۳۹۴ھ میں ماوراء النہر کا رخ کیا، اس کی سرگردانی اور پریشانی دیکھ کر اس کے ساتھیوں نے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی اور ایک عرب قبیلے نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا، اس کے قتل کے بعد سامانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ (ابن اثیر جلد ۹ ص ۵۵)

**غزنویوں کا عروج** سامانیوں کے زوال کے ساتھ ہی غزنویوں کی نئی حکومت برابر ترقی کرتی رہی، خراسان پر محمود کا قبضہ اور اس کے بھائیوں کی شکست کے بعد ہی ۳۸۹ھ میں قادر باللہ نے محمود کی حکومت تسلیم کر لی تھی اور اس کو خراسان کی حکومت کا پروانہ لواء خلعت اور یمین الدولہ امین الملت والی امیر المومنین کے القاب عطا کیے تھے۔ (زین الاخبار گردیزی ص ۶۴) اس نے کامل پینتیس سال تک بڑے جاہ و جلال کی حکمرانی کی، فتح و ظفر اس کے ہمرکاب تھی، کبھی کسی مہم میں ناکام نہ ہوا، اور ترکستان سے لے کر شمالی مغربی ہند تک نہایت طاقتور حکومت قائم کر دی۔ اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

تاریخ میں محمود کا نام زیادہ تر ہندوستان کی فتوحات کی وجہ سے روشن ہے، اس نے ہندوستان پر سولہ یا سترہ حملے کیے اور راجہ نند پال والی پنجاب اور قنوج میرٹھ، کالنجر، متھرا، مالوہ، اجمیر، گوالیار اور گجرات کے راجاؤں کی متحدہ فوجوں کو شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کر لیا ان فتوحات میں سب سے زیادہ اہم فتح سومنات کی شمار کی جاتی ہے جو ۴۱۶ھ میں ہوئی۔

محمود ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا، اس نے باطنیوں کا جنہوں نے مسلمانوں پر بڑی آفت ڈھا رکھی تھی، زور توڑنے کی کوشش کی، چنانچہ رے اور نواح رے کے بہت سے باطنیوں کو قتل کیا اور پکڑ کر خراسان بھجوا دیا، سندھ اور ملتان میں بھی باطنیوں کا استیصال کیا۔

**محمود اور خلافت بغداد کے تعلقات** خلافت بغداد کی دینی مرکزیت ہر دور میں قائم رہی عباسی خلفاء کی تصدیق و اجازت نامہ کے بغیر کوئی نئی حکومت باقاعدہ حکومت تسلیم نہ کی جاتی تھی اس لیے مشرق کی نومولود حکومتوں کے حکمران خواہ بطیب خاطر، خواہ سیاسی مصلحت کی بنا پر خلافت بغداد کی سیادت ماننے اور اس سے تعلق قائم رکھنے پر مجبور تھے، اس لیے خراسان پر قبضہ اور اسماعیل کو شکست دینے کے بعد ۳۸۹ھ میں محمود نے بھی قادر

باللہ سے خراسان اور دوسرے مقبوضات کے صداقت نامہ اور فرمان حکومت کی درخواست کی' اس کی درخواست پر جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے قادر باللہ نے اسے الواء خلعت اور یمین الدولہ اور امین الملت والی امیر المومنین کا لقب عطا کیا۔

(زین الاخبار گردیزی ص ۶۴)

فرشتہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود اور قادر باللہ میں کچھ ناگواری بھی پیش آئی' اس کی تفصیل یہ ہے کہ محمود نے قادر باللہ کو لکھا کہ خراسان کا بڑا حصہ میرے قبضہ میں آ چکا ہے کچھ تھوڑا سا علاقہ آپ کے غلاموں کے پاس ہے جو مجھے مرحمت فرمایا جائے' قادر نے اس کی درخواست منظور کر لی اور مطلوبہ حصہ محمود کو دلا دیا' چند دنوں کے بعد پھر اس نے سمرقند کی خواہش کی' قادر نے اس سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ اگر میری اجازت کے بغیر تم نے سمرقند کی طرف قدم بڑھایا تو ساری دنیائے اسلام کو تمہارے خلاف کر دوں گا' محمود اس جواب پر بگڑ گیا اور بغدادی قاصد سے کہا کیا تم چاہتے ہو کہ ایک ہزار ہاتھیوں سے بغداد پر حملہ کر کے اسے برباد کر دوں اور اس کی خاک ہاتھیوں پر لاد کر غزنیں لے آؤں۔ قاصد نے واپس جا کر قادر کو یہ جواب سنایا' اس کے جواب میں قادر نے لکھ دیا' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' ا ل م الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ علی رسولہ و الہ اجمعین محمود کے درباریوں میں سے کوئی تحریر کا مطلب نہ سمجھ سکا' خواجہ ابوبکر قہستانی اس تلمیح کو سمجھ گئے' انہوں نے کہا حضور نے ہاتھیوں سے بغداد پر حملہ کرنے کی دھمکی دی تھی' اس لیے اس کے جواب میں ا' ل' م' سے الم ترکیف فعل ربک باصحب الفیل' کی طرف اشارہ ہے' یہ سن کر محمود گھبرا گیا اور بہت رویا اور قاصد سے اپنی گستاخی کی معذرت کر کے ہدایا و تحائف دے کر اس کو بغداد واپس کیا۔ (فرشتہ ج ا ص ۸)

لیکن فرشتہ کا یہ بیان محل نظر ہے وہ بہت بعد کا مورخ ہے قدیم تاریخوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں' محمود کا تعلق خلافت بغداد سے خادمانہ رہا اور خلفائے بغداد اس کی قدر افزائی کرتے رہے' خود قادر نے مختلف اوقات میں اس کو خراسان' ہندوستان' نیم روز اور خوارزم کا لوائے حکومت عطا کیا اور اس کو کہف الدولہ والاسلام' اس کے بھائی امیر یوسف کو عضد الدولہ اور اس کے بیٹوں مسعود و محمد کو شہاب الدولہ و شہاب الملۃ اور جمال الدولہ و جمال الملۃ کے القاب سے سرفراز کیا۔ (گردیزی ص ۸۷)

**محمود کا انتقال** ربیع الثانی ۴۲۱ھ میں اس جلیل القدر فرمانروا کا انتقال ہو گیا اس وقت ۶۴ سال کی عمر تھی پینتیس سال مدت حکومت۔

ہندوستانی مورخین کو عموماً محمود کی زندگی میں کشت و خون' فتوحات اور حرص دولت کے سوا اس کے کارنامے بہت کم نظر آتے ہیں' حالانکہ وہ جس درجہ کا جہانگیرو کشور کشا تھا' اسی درجہ کا جہاندار بھی تھا' اس نے علم و تمدن کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں' وہ جامع کمالات فرمانروا تھا' ابن اثیر کا بیان ہے کہ محمود عاقل' دیندار' نیک سیرت اور صاحب علم فرمانروا تھا' اس کے لیے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھی گئیں' وہ علماء کا قدر دان تھا' ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا' دور دور کے علماء اس کے دربار" میں جمع ہو گئے تھے' وہ عدل پرور اور رعایا کے ساتھ شفیق تھا' (ابن اثیر ج ۹ ص ۱۳۹) وہ خود بھی بڑا صاحب علم تھا' صاحب جواہر مضیہ شیخ محی الدین عبدالقادر حنفی نے اس کو حنفی فقہا میں شمار کیا ہے' اس کے حالات میں لکھتے ہیں کہ محمود ممتاز فقہاء میں تھا' فصاحت و بلاغت میں یگانہ تھا' فقہ' حدیث' خطبات و رسائل میں اس کی تصانیف ہیں' فقہ حنفی میں اس کی تصنیف "کتاب التفرد" جودت اور کثرت مسائل میں امتیازی درجہ رکھتی ہے۔

(جواہر المضیہ ج ۲ ص ۱۵۷)

جہاں جہاں اصحاب کمال کا پتہ چلتا تھا ان کو غزنین بلا بھیجتا تھا' اس کے بہنوئی ابوالعباس ماموں فرمانروائے خوارزم کے دربار میں مختلف علوم کے ارباب کمال جمع تھے' اطباء میں ابن سینا اور ابوالحسن الخمار' علمائے ریاضی میں البیرونی اور ابو نصر عراق' فلاسفہ میں ابو سہل مسیحی دربار خوارزم کی زینت تھے' محمود نے ماموں کو لکھ بھیجا کہ تمہارے دربار میں جو فلاں فلاں علماء ہیں میں استفادہ کے لیے اپنے یہاں بلانا چاہتا ہوں انہیں بھیج دو' ماموں ایسے ارباب کمال کو جدا کرنا نہیں چاہتا تھا' لیکن محمود کی خواہش کو رد کرنا بھی اس کے بس میں نہ تھا' اس لیے اس نے ان علماء کو محمود کا خط سنا کر اپنی مجبوری ظاہر کر دی' خط سن کر البیرونی' ابوالحسن الخمار اور ابو نصر عراق غزنین چلے گئے' لیکن ابن سینا اور ابو سہل مسیحی نے جانا پسند نہ کیا اور محمود کے خوف سے خوارزم چھوڑ دیا۔

(تاریخ ادبیات ایران براؤن ج ۲ ص ۶۹)

محمود خود نکتہ سنج شاعر تھا اور شعرو سخن کا بڑا مذاق رکھتا تھا' چنانچہ اس نے شاعری کا

ایک خاص محکمہ قائم کیا تھا' اور عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر شعبہ شاعری کا افسر مقرر کیا تھا تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ چار سو شعراء اس کے دربار سے وابستہ تھے' اس میں ابوالقاسم حسن بن احمد' عنصری' ابوالحسن علی بن قلوع خرفی' حسن بن اسحاق فردوسی' ابونصر علی بن احمد اسدی' طوسی ابو نعیم' احمد منوچہر و امغانی کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں' وہ جس فیاضی سے شعراء پر صرف کرتا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چار سو زرین کمر غلام ملک الشعراء عنصری کے جلو میں چلتے تھے' سفر میں اس کا سامان چار سو اونٹوں پر بار ہوتا تھا۔ (تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ذکر عنصری)

حمد اللہ مستوفی کا بیان ہے کہ محمود علماء اور شعراء کا قدردان تھا اور ان پر چار لاکھ دینار سالانہ سے زیادہ صرف کرتا تھا۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۳۹۵)

اس کی اس قدردانی اور زرپاشی نے فارسی شاعری کو زمین سے لے کر آسمان تک پہنچا دیا ہے بقول مولانا شبلیؒ فارسی شاعری غزنوی دور میں انتہائی کمال کو پہنچ گئی اور تاریخ و اخلاق کے علاوہ محمودی شعراء نے اصل فن کو ترقی دی اور شاعری کو اس قابل بنا دیا کہ جس قسم کے مطالب چاہیں ادا کر سکیں۔ (شعر العجم ج ۱ ص ۵۶' ۵۹) شاہنامہ جیسی زندہ جاوید کتاب جس نے عجم کی تاریخ کو زندہ کر دیا' محمود ہی کی یادگار ہے۔

محمود کی علم نوازی محض علماء و شعراء کی قدردانی تک محدود نہ تھی بلکہ اس نے علم و تعلیم کی عام اشاعت کے لیے غزنی میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا' جس کے ساتھ ایک عجائب خانہ بھی تھا' اس میں تمام دنیا کے نوادر موجود تھے۔ یہ موقع محمود کے علمی و ادبی خدمات پر تفصیل سے بحث کرنے کا نہیں' اس کی علم نوازی اتنا مسلم واقعہ ہے کہ یورپین مورخین بھی جنہیں محمود کو بدنام کرنے میں خاص لطف آتا ہے' اس کی علم دوستی کے اعتراف پر مجبور ہو گئے' الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں۔

محمود کے فخر و اعزاز کا واقعی سبب یہ تھا کہ وہ سپہ گری اور بہادرانہ زندگی کے باوجود علوم و فنون کے ترقی دینے میں بڑا سرگرم تھا اور یہ اس کے دور کی عجیب و غریب خوبی تھی اور آج تک کوئی بادشاہ علوم پروری میں اس سے سبقت نہ لے جا سکا' باوجود یہ کہ محمود نہایت کفایت شعار تھا' مگر علوم و فنون کے باب میں بڑا فیاض واقعہ ہوا تھا' اس نے خاص غزنی میں ایک بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مختلف زبانوں کی عجیب و غریب کتابیں جمع کیں

اور قدرتی عجائبات کا ایک عجائب خانہ بنوایا' اس مدرسہ کے اخراجات کے لیے اس نے بہت سا روپیہ مقرر کیا اور طلباء اور ارباب کمال کے وظائف کے لیے فنڈ قائم کیا اور ایک لاکھ سالانہ محض علماء کے وظائف مقرر کیے' علماء و مشاہیر کے ساتھ اس احترام سے پیش آتا کہ اس کے دارالسلطنت میں اتنے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے کہ ایشیا کے کسی بادشاہ کو یہ فخر حاصل نہ ہوا تھا۔ (تاریخ الفنسٹن ترجمہ اردو ص ۵۵۱'۵۵۲)

**ولایت عہد** ۴۲۱ھ میں قادر باللہ بہت سخت بیمار پڑا تھا' زندگی سے مایوسی ہو گئی تھی اس لیے اپنے لڑکے ابو جعفر عبداللہ کو ولی عہد نامزد کر کے مراسم ولی عہدی ادا کر دیئے۔

**وفات** اس کے ایک سال کے بعد ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں انتقال کر گیا اس وقت ۸۷ سال کی عمر تھی' مدت خلافت ۴۱ سال' حکومت کا اتنا طویل زمانہ اس کے پیش رووں میں سے کسی کو نہ ملا تھا۔

**اوصاف و کمالات** قادر جامع کمالات خلیفہ تھا' مدتوں کے بعد ایسا خلیفہ عباسی تخت پر بیٹھا تھا' اس میں تدبیر و سیاست' فضل و کمال' زہد و تقویٰ تمام اوصاف مجتمع تھے' اگر وہ دور عروج میں پیدا ہوا ہوتا' تو ہارون ثانی ہوتا۔

جیسا کہ اوپر کے واقعات سے اندازہ ہو گا' قادر کے پیشرو خلفاء کی کوئی حیثیت باقی نہ رہ گئی تھی خلافت کا سارا انتظام دیالمہ کے ہاتھوں میں تھا' جو چاہتے تھے کرتے تھے' خلفاء کو دم مارنے کی مجال نہ تھی' قادر نے اپنی سیاست و تدبیر سے خلافت کا کھویا ہوا وقار دوبارہ قائم کیا' ابن اثیر کا بیان ہے کہ قادر سے پہلے خلافت ترک اور دیالمہ کی حرص و آز کا شکار تھی' قادر نے اس کے وقار و ناموس کو دوبارہ زندہ کیا' خدا نے مخلوق کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دی تھی اور ان کی گردن اطاعت اس کے سامنے خم رہی۔ (ابن اثیر ج ۹ ص ۱۴۴)

ابن طقطقی لکھتا ہے کہ قادر کے زمانہ میں عباسی خلافت کا وقار دوبارہ قائم ہوا' اس کی رونق بڑھ گئی' اور اس کے پورے نظام میں قوت پیدا ہو گئی' (تاریخ الخلفاء ص ۴۲۴)

دیالمہ خودسری کے عادی چلے آتے تھے' جسے جو منصب چاہتے دے دیتے تھے' جسے چاہتے تھے معزول کر دیتے تھے' ۳۹۵ھ میں شرف الدولہ نے قاضی القضاۃ' حج کی امارت' مظالم اور طالبین کی نقابت وغیرہ کے بڑے بڑے مذہبی عہدوں پر شریف ابواحمد الحسین کے تقرر

کا فرمان جاری کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۲۴) یہ تقرر قادر کے خلاف مزاج تھا' اس نے مسترد کر دیا۔

دیالمہ کی شیعیت نوازی سے بغداد میں شیعوں کا زور اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ علانیہ سنیوں پر زیادتی کرتے تھے' صحابہ پر تبرا کرتے تھے لیکن کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی' قادر نے ان کی شیعیت نوازی ختم کر دی' سنیوں پر ان کی زیادتیوں کا سد باب کیا اور دیالمہ کے اثر سے سنیوں میں جو غیر اسلامی خیالات پھیل گئے تھے' ان کا پورا انسداد کیا۔

قیام عدل میں اتنا اہتمام تھا کہ بڑے بڑے ارکان دولت بھی کسی پر زیادتی نہ کر سکتے تھے قاضی بغداد حسین بن ہارون کا بیان ہے کہ کرخ میں ایک یتیم کی قیمتی جائیداد محکمہ قضاء کی تولیت میں تھی' قادر کے حاجب کے بعض احباب اس کو خریدنا چاہتے تھے' حاجب نے مجھ سے کہلا بھیجا کہ میں جائیداد کو قضاء کی تولیت سے آزاد کر دوں تاکہ وہ من مانی قیمت پر خرید لیں' میں نے اس کی تعمیل نہیں کی' حاجب نے مجھ کو بلا بھیجا' مجھے بڑا خوف پیدا ہوا اور جانے کا وعدہ کر کے حاجب کے شر سے بچنے کے لیے معروف کرخی کے مزار پر دعا کے لیے چلا گیا' یہاں ایک درویش بیٹھا تھا' اس نے پوچھا کس کے لیے بد دعا کرتے ہو' میں نے واقعہ بیان کیا' یہاں سے واپس ہو کر حاجب کے گھر پہنچا وہ دیکھتے ہی برس پڑا' بڑے نازیبا الفاظ استعمال کیے اور میرا کوئی عذر نہ سنا اتنے میں ایک نوجوان نے ایک رقعہ لا کر حاجب کو دیا اسے پڑھ کر اس کا رنگ اڑ گیا' اس نے مجھ سے معذرت چاہی اور پوچھا' کیا آپ نے خلیفہ کو اس وقت کی خبر کر دی تھی' میں نے انکار کیا بعد میں معلوم ہوا کہ جو درویش معروف کرخی کے مزار پر تھا' وہ خود قادر باللہ تھا۔ (ابن اثیر ج ۹ ص ۱۴۴)

علمی اعتبار سے اس کا شمار اس عہد کے علماء میں تھا' اس زمانہ کے مشہور عالم ابوبشر ہروی شافعی سے فقہ حاصل کی تھی' (تاریخ الخلفاء ص ۴۲۲) تقی الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں شافعی علماء کے زمرہ میں اس کے حالات لکھے ہیں' اس نے اصول میں ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ (طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱)

علم کے ساتھ وہ باعمل بھی تھا' بلکہ اس کا عمل اس کے علم سے زیادہ تھا' خطیب کا بیان ہے کہ اس کی سیادت' دینداری' تہجد گزاری' نیکیاں اور صداقت و خیرات کی کثرت اتنی مشہور باتیں ہیں جن سے ہر شخص واقف ہے۔ (خطیب ج ۳ ص ۱۴۷)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ حلیم الطبع' کریم النفس تھا' نیکی اور بھلائی اور نیکوں کو محبوب رکھتا تھا' نیکی کا حکم دیتا تھا' شر سے روکتا تھا اور اہل شر سے بغض رکھتا تھا۔

(ابن اثیر ج ۹ ص ۴۴)

مختلف مذاہب و اقوام کے اثر سے بغداد ہر قسم کے عقاید و خیالات کا مرکز بن گیا تھا' جس سے مسلمان بھی متاثر ہو رہے تھے' قادر نے اس کی اصلاح و تصحیح عقاید میں سعی بلیغ کی اور ۴۰۸ھ میں محمود غزنوی کو احیائے سنت کا حکم دیا' اس نے نہایت سختی سے اس حکم کی تعمیل کی۔ (ابن اثیر ج ۹ ص ۴۴)

تصحیح عقاید کے لیے خود ایک کتاب لکھی' جس میں محدثین کے مسلک کے مطابق صحابہ کرام کے فضائل ترتیب کے ساتھ تھے' اس میں اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی ان کے رتبہ کی بنا پر شامل کر لیا تھا اور معتزلہ اور خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے والوں کی تکفیر کی تھی' یہ کتاب ہر جمعہ کو جامع رصافہ اور جامعہ بغداد میں محدثین کے حلقہ میں پڑھی جاتی تھی۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۱۸۹)

صدقات و خیرات میں اتنا اہتمام تھا کہ اپنے افطار تک کے تین حصے کرتا تھا' ایک حصہ اپنے لیے رکھتا تھا' اور دو حصے جامعہ رصافہ اور جامع بغداد میں رہنے والے مسکینوں کے لیے بھیجتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک نوجوان نے کھانا لینے سے انکار کیا اور تھوڑی دیر کے بعد مسجد کے دروازے پر دوسروں سے مانگ کر چند ٹکڑے حاصل کیے' یہ دیکھ کر شاہی فراش نے اس سے کہا کہ تجھ کو شرم نہیں آتی کہ خدا کا خلیفہ تیرے لیے رزق حلال بھیجتا ہے' اس کے لینے سے تو نے انکار کیا اور در در مانگ کر کھاتا ہے' اس نے جواب دیا کہ میں نے اس لیے واپس کیا تھا کہ تم نے مغرب سے پہلے کھانا پیش کیا تھا' جس وقت مجھ کو اس کی ضرورت نہ تھی' جب اس کی حاجت ہوئی تو مانگ کر کھایا' فراش نے واپس جا کر یہ واقعہ قادر سے بیان کیا' وہ سن کر رو دیا اور کہا ایسے لوگوں کا لحاظ رکھا کرو اور ان کا کھانا قبول کر لینے کو غنیمت سمجھو اور افطار کے وقت تک ٹھہرے رہا کرو۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۴)

# ابو جعفر عبداللہ بن قادر الملقب بہ قائم بامر اللہ

## ۴۲۲ھ تا ۴۶۷ھ مطابق ۱۰۳۱ء تا ۱۰۷۴ء

قادر اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابو جعفر کو ولی عہد بنا کر اس کی بیعت لے چکا تھا' اس لیے قادر کی وفات کے بعد ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور قائم بامر اللہ لقب اختیار کیا یہ ایک ارمنی لونڈی بدر الدجی کے بطن سے تھا' تخت نشینی کے وقت ۳۱ سال کی عمر تھی۔

قائم کی تخت نشینی کے وقت نظام خلافت جلال الدولہ کے ہاتھوں میں تھا' وہ ایک غافل فرمانروا تھا' حکومت کی آمدنی پر افسران فوج قابض ہو گئے تھے' اور تمام سپاہیوں کو خصوصاً ترکوں اور دوسرے عہداروں کو تنخواہیں نہ ملتی تھیں' اس لیے ترکوں کی فوج کی بغاوت کا ایسا سلسلہ شروع ہو گیا کہ جلال الدولہ کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔

**جلال الدولہ کے خلاف فوج کی بغاوت** اس سلسلہ میں سب سے پہلی بار قادر کے عہد ۴۱۹ھ میں بغاوت ہوئی تھی' جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے' اس کے بعد ۴۲۲ھ میں بغداد کے شیعہ سنیوں میں تصادم ہوا اور ایک بڑی شورش پیدا ہو گئی ترکی فوج کو موقع مل گیا' وہ پھر جلال الدولہ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی اور قائم سے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا' جلال الدولہ نے روپیہ دے کر اس کو خاموش کر دیا۔

فوج خاموش ہوئی تھی کہ غلمان جن کی تنخواہیں رکی ہوئی تھیں' اٹھ کھڑے ہوئے اور جلال الدولہ کا گھر لوٹ لیا اور اسے سارا خدم و حشم الگ کر کے خانہ نشین ہو جانا پڑا۔

۴۲۳ھ میں پھر فوج میں بغاوت رونما ہوئی اور اس نے جلال الدولہ کے گھر پر حملہ آور ہو کر اس کے وزیر ابو اسحاق سہیلی کو حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا' جلال الدولہ کو بغداد چھوڑ کر مکبرا میں پناہ لینی پڑی' اس کے فرار کے بعد ترکوں نے اس کے بھتیجے ابو کالیجار کو بلا بھیجا' لیکن اس کے مشیروں نے روک دیا اس لیے ترک پھر جلال الدولہ کو جا کر واپس لائے اور عارضی طور پر سکون ہو گیا' لیکن جلال الدولہ کا رعب و دبدبہ اٹھ چکا تھا' اس کا

خزانہ خالی تھا' اس لیے حالات کی اصلاح نہ ہو سکی اور تھوڑے وقفہ سے بغاوت کا سلسلہ قائم رہا' اس سلسلہ میں بڑے بڑے واقعات پیش آئے' جلال الدولہ کو کئی مرتبہ بغداد چھوڑنا پڑا۔ اس شورش و ہنگامہ سے بغداد کا امن و امان رخصت ہو گیا۔

۴۲۶ھ میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ کچھ فوجی بغداد کے قریب ایک گاؤں میں گئے تھے کردوں نے ان کی سواریاں چھین لیں' قریب ہی شاہی باغ تھا' فوجیوں نے اس کے محافظوں پر یہ الزام لگا کر کہ ان کو کردوں کا علم تھا اور انہیں نہیں بتایا شاہی باغ لوٹ لیا قائم کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو ان کی یہ جسارت سخت گراں گزری' جلال الدولہ اتنا بے بس تھا کہ اس کا کوئی تدارک نہ کر سکا' قائم نے حکومت کا تعطل دیکھ کر قضا اور افتاء کے محکمے توڑ دیئے' اس وقت جلال الدولہ نے فوج بارگاہ خلافت تک پہنچانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور فوج نے شورش پسند عوام کے ساتھ مل کر حکومت کے عہدہ داروں کو باہر نکلنے سے روک دیا' اس سے اور ابتری پیدا ہو گئی' دن دہاڑے لوٹ مار ہونے لگی' عرب قبائل نواح بغداد لوٹ کر خاص بغداد میں گھس آئے' باقی فوج جلال الدولہ کے نئے وزیر ابوالقاسم کو ننگے پاؤں باہر گھسیٹ لے گئی اور ۴۲۷ھ میں جلال الدولہ کو معزول کرنے کا عزم کر لیا اور اسے زخمی کر کے اس کا گھر لوٹ لیا' وہ بغداد چھوڑ کر تکریت بھاگ گیا' قائم نے درمیان میں پڑ کر بڑی مشکلوں سے دونوں میں صلح کرائی اور جلال الدولہ پھر بغداد واپس آ گیا۔

لیکن ایک ہی سال کے بعد ۴۲۸ھ میں دولت عباسیہ کے امیر کبیر اور حاجب الحجاب بارسطخان اور جلال الدولہ میں چل گئی' ابوکالیجار نے بارسطخان کے اشارہ سے جلال الدولہ کے لڑکے ابو منصور ملک عزیز کو واسط سے' اور بغداد کے غلمان نے جلال الدولہ کو بغداد سے نکال دیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد جلال الدولہ نے واپس ہو کر بارسطخان کو قتل کر دیا' اور قاضی ابوالحسن ماوردی قاضی القضاۃ بغداد نے جلال الدولہ اور ابوکالیجار میں صلح کرا دی اور جلال الدولہ نے اپنی لڑکی ابوکالیجار کے لڑکے سے بیاہ دی۔

اسی زمانہ میں جلال الدولہ نے اپنی کمزوری کو بڑے بڑے القاب کے پردے میں چھپانے کے لیے قائم سے شہنشاہ کا لقب اختیار کرنے کی درخواست کی اس نے علماء سے فتویٰ طلب کیا' اکثر جاہ پسند علماء نے جواز کا فتویٰ دے دیا' قاضی ابوالحسن ماوردی نے' جن

کے جلال الدولہ سے ذاتی تعلقات بھی تھے' مخالفت کی اور جلال الدولہ کے پاس آنا جانا بند کر دیا' اس سے جلال الدولہ کے دل میں ان کی وقعت اور عظمت اور بڑھ گئی اور اس نے ان سے مل کر ان کی صداقت و حق گوئی کا اعتراف کیا' لیکن علماء کی اکثریت جواز کا فتویٰ دے چکی تھی اس لیے قائم نے اجازت دے دی۔

جلال الدولہ میں کوئی دم باقی نہ رہ گیا تھا' اس لیے یہ لقب اس کا سہارا نہ بن سکا' اور ۴۳۲ھ میں پھر فوجوں میں بغاوت رونما اور بغداد میں شورش اور بد امنی بپا ہو گئی' ان بغاوتوں کا بڑا سبب روپیہ کی قلت تھی' جلال الدولہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ۴۳۴ھ میں جوالی کے محاصل پر' جو عباسی خلفاء کا خالصہ تھا' ہاتھ بڑھایا' قائم پر یہ جسارت سخت گراں گزری اس نے قاضی ابوالحسن ماوردی کے ذریعہ جلال الدولہ کو اس سے روکنے کی کوشش کی' لیکن وہ باز نہ آیا اور قائم نے بغداد چھوڑ دینے کا عزم کر لیا۔ لیکن اس پر عمل نہ کر سکا اور اس میں اور جلال الدولہ میں کشمکش پیدا ہو گئی۔

شعبان ۴۳۵ھ میں جلال الدولہ کا انتقال ہو گیا' ۵۲ سال کی عمر تھی' مدت حکومت سترہ سال' گو مدت کے لحاظ سے اتنا زمانہ کچھ کم نہیں' لیکن اس مدت میں جلال الدولہ کو ایک دن کے لیے بھی سکون میسر نہ ہوا' اور ایسے مخالف حالات میں اتنے دنوں تک اس کی حکومت کا قائم رہ جانا ہی تعجب انگیز ہے۔

**ابو کالیجار** جلال الدولہ کی وفات کے وقت اس کا لڑکا ابو منصور ملک عزیز واسط میں تھا' بغدادی فوجوں نے اس کے پاس تحریری اطاعت نامہ بھیج دیا اور ساتھ ہی اس سے بیعت کا بھی مطالبہ کیا' ملک عزیز کے پاس روپیہ نہ تھا' اس لیے وہ اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکا۔

ابو کالیجار عرصہ سے عراق کی حکومت کا متمنی تھا' اس کے پاس دولت بھی تھی اس کو فوج کے مطالبہ اور ملک عزیز کی معذوری کی خبر ہوئی تو فوج کو روپیہ کا لالچ دے کر اپنی طرف مائل کر لیا اور ایک بڑی رقم فوج کے لیے اور دس ہزار دینار کی نذر اور بہت سے ہدایا و تحائف قائم کی خدمت میں بھیجے اور صفر ۴۳۶ھ میں قائم نے بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ اور محی الدین کا لقب عطا کیا' اس کے بعد رمضان ۴۳۶ھ میں خود ابو کالیجار بغداد گیا۔

اسی زمانہ میں ملک عزیز نے بھی بغداد کا قصد کیا تھا' لیکن ابو کالیجار اس سے پہلے پہنچ

چکا تھا' اس لیے ملک عزیز کی فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ ناکام لوٹ گیا' چند دنوں کے بعد اس نے پھر ابو کالیجار کے مقابلہ کی کوشش کی' مگر اس مرتبہ بھی ناکام رہا اور الٹے اس کے مستقر واسط پر ابو کالیجار کا قبضہ ہو گیا اور ملک عزیز کو میافارقین جا کر نصر الدولہ کے دامن میں پناہ لینی پڑی اور ۴۴۱ھ میں ناکام و نامراد مر گیا۔

## سلجوقیوں کا ظہور

سلجوقیوں کی نئی طاقت کا ظہور قادر ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا' لیکن اس وقت ان کی حیثیت خانہ بدوش قبائل سے زیادہ نہ تھی' قائم کے زمانہ میں انہوں نے ایک منظم طاقت کی حیثیت حاصل کر لی اور ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد رکھی' جس نے آگے چل کر بغداد میں دیالمہ کی جگہ لے لی' ان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ سلجوقی نسلاً" ترک تھے' ان کا آبائی وطن ترکستان اور چین کا درمیانی علاقہ تھا' سلجوقی قبائل کی تعداد ہزاروں نفوس پر مشتمل تھی' ترکستان کی غیر مسلم حکومت میں ان کے سردار دقاق یا تاق کو بڑی قدر و منزلت حاصل تھی' بیغو' فرمانروائے ترک اسے بہت مانتا تھا' دقاق کے ایک لڑکا پیدا ہوا' جس کا نام اس نے سلجوق رکھا یہ بڑا ہونہار اور جوہر قابل تھا' سن شعور کو پہنچ کر اس کے جوہر چمکنے لگے' اور اس نے اپنی صلاحیتوں اور کارناموں سے بیغو کے دل میں بڑا اعتماد حاصل کر لیا' اس نے اس کو اپنا مقرب خاص بنا کر سیاسی یعنی سپہ سالاری کا منصب عطا کیا' چند دنوں میں اس نے اتنا اثر پیدا کر لیا کہ سارے ترک اس کے مطیع ہو گئے' اس کے اثر و اقتدار کو دیکھ کر بیغو کی ملکہ کو خطرہ پیدا ہوا' اس نے اپنے شوہر کو اس کے قتل پر آمادہ کرنا شروع کیا' اس زمانے میں ترکستان کی حکومت کی حالت بگڑ چکی تھی' آبادی کی کثرت سے ذرائع معاش بھی تنگ ہو گئے تھے' ملکہ کی مخالفت کو دیکھ کر سلجوق اپنے زیر اثر ترکمان قبائل کو لے کر ترکستان سے ترک وطن کر کے اسلامی قلم رو میں چلا آیا اور ماوراء النہر کے علاقہ جند میں قیام پذیر ہوا۔

راوندی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلجوق نے ترک وطن سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا' اور ابن اثیر کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دار السلام میں وطن کے بعد اس شرف سے مشرف ہوا۔ (راحت الصدور ص ۸۶ و ابن اثیر ج ۹ ص ۱۶۳)

قبول اسلام کے بعد سلجوقی ایک منظم قوت بن گئے' اور ماوراء النہر کے ان سرحدی مقاموں پر جو بیغو کے قبضہ میں تھے' جہاں کے مسلمانوں سے وہ خراج وصول کرتا تھا' قبضہ

کر لیا- (ابن اثیر ج ۱ ص ۱۶۳)

سلجوق نے اپنی اولاد کو پھلتا پھولتا ہوا چھوڑ کر ۱۰۷ برس کی عمر میں انتقال کیا اور چار نامور لڑکے یادگار چھوڑ گیا' ارسلان یا اسرائیل' میکائیل' یونس اور موسیٰ' ان سب سے نسل چلی مگر میکائیل کی اولاد بہت پھولی پھلی' اور بڑی عظمت و ناموری حاصل کی' ان میں بڑے بڑے نامور سلاطین اور فرمانروا پیدا ہوئے' ایران و عراق کے سلجوقی فرمانروا اسی کی نسل سے تھے' میکائیل کی اولاد کے بعد ارسلان کی اولاد نے ترقی کی' انہوں نے ایشیائے کوچک میں اپنی حکومت قائم کی ترکان عثمانی ان ہی کی یادگار تھے' البتہ یونس اور موسیٰ کی اولاد نے تاریخ میں اپنی کوئی یادگار نہیں چھوڑی-

سلجوق کی موت کے بعد اس کے چاروں لڑکے ماوراءالنہر کے مختلف حصوں میں پھیل گئے' ارسلان اپنے قبیلہ کے ساتھ بخارا کے قریب مقیم ہوا اور ایلک خانی اور غزنوی حکومت کی سرحدوں پر تاخت شروع کی' (ابن اثیر ج ۱ ص ۱۶۳) ایلک خان کا ملک زیادہ قریب تھا اس لیے وہ بہت گھبرایا لیکن سلجوقیوں کا روکنا اس کے بس سے باہر تھا' اس لیے خاموش رہا' اتفاق سے اسی زمانہ میں سلطان محمود اپنی اور ایلک خان کی سرحدوں کی تعیین کے سلسلہ میں ماوراءالنہر گیا' غزنوی حدود سے سلجوقیوں کی قربت محمود کے لیے بھی خطرے سے خالی نہ تھی اس لیے ایلک خان نے اس کو بھڑکایا کہ ترکستان کے جو قبائل ان حدود میں آ کر آباد ہوئے ہیں' انہوں نے نور بخارا' سغد اور سمرقند کے مرغزاروں پر قبضہ کر لیا ہے' سلجوق کے چاروں لڑکوں نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کر لی ہے ان کی قوت بہت زیادہ ہے اور وہ حکومت کی داغ بیل ڈالنا چاہتے ہیں' آپ کو اکثر ہندوستان کی مہموں کے سلسلے میں باہر رہنا پڑتا ہے اس لیے ان کا تدارک ضروری ہے-

(راحت الصدور ص ۸۷'۸۸)

محمود ان نو وارد قبائل کے خطرہ سے بے خبر نہ تھا' اس سفر میں ان کی قوت و کثرت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے ان کی جانب سے بدگمان ہو گیا اور سلجوقیوں کے پاس دوستانہ پیغام بھیج کر عہدہ مواخاۃ کے بہانہ سے بلا بھیجا- (راحۃ الصدور ص ۸۷'۸۸)

اس کی دعوت پر ارسلان بن سلجوق جو سب بھائیوں میں بڑا تھا' محمود سے ملنے گیا اس نے اس کا بڑا احترام کیا' اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا اور باتوں باتوں میں سلجوقیوں کی فوجی

قوت کا حال معلوم کر کے ارسلان کو قید کر کے ہندوستان بھیج دیا اور وہ کالنجر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا اور اس کے قبیلہ کو قتل و قید کر کے مختلف سمتوں میں منتشر کر دیا اور ارسلان سات برس تک محمود کی قید میں رہا' حمد اللہ مستوفی کا بیان ہے کہ قید ہی میں مر گیا تھا۔ (تاریخ گزیدہ ص ۴۳۵)

لیکن راوندی لکھتا ہے کہ دو ترکمان کالنجر پہنچے اور کسی طرح ارسلان کو قید سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے' لیکن راستہ بھول گئے اور قلعہ کا محافظ جو ان کی تلاش میں نکلا تھا' پہنچ گیا' ارسلان نے جب دیکھا کہ اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو اس نے دونوں ترکمانوں سے کہا کہ مجھے تم میرے حال پر چھوڑ دو اور میرے بھائیوں کو جا کر یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ ملک گیری کے لیے پوری کوشش کرتے رہیں' ناکامی سے مایوس نہ ہوں' کوشش جاری رکھیں محمود غلام زادہ ہے اس کا کوئی نسب نہیں ہے' وہ غدار ہے' اس کے پاس ملک نہیں رہ سکتا ایک نہ ایک دن ضرور اس کے قبضہ میں آئے گا۔ (راحۃ الصدور ص ۹۳)

ارسلان کی موت کے بعد محمود نے سلجوقیوں کو خراسان کے حدود میں قیام کی اجازت دے دی' اس لیے اس کی زندگی بھر وہ خاموش رہے اور غزنوی حکومت کے ساتھ ان کی کوئی آویزش نہیں ہوئی۔

میکائیل نے غیر مسلم ترکوں کے مقابلے میں شہادت پائی اور تین نامور لڑکے یادگار چھوڑے طغرل بک محمد' جعفری داؤد اور بیغو' باپ کی موت کے بعد یہ تینوں بھائی جند سے نور بخارا میں منتقل ہو گئے' امیر بخارا علی تگین ان کی قربت پسند نہ کرتا تھا' وہ ان کے در پے ہو گیا اس لیے سلجوقی نور بخارا سے بغراخان کی حدود سلطنت میں چلے گئے' اس نے بھی انہیں نہ ٹکنے دیا اور طغرل بک کو گرفتار کر کے داؤد کو بھی پکڑنے کی کوشش کی' لیکن سلجوقیوں نے شکست دے کر طغرل بک کو چھڑا لیا اور اپنے پہلے مستقر جند لوٹ گئے۔

جند بھی بخارا کے قریب تھا' علی تگین پہلے سے سلجوقیوں کے خلاف تھا' اس مرتبہ اس نے ان سے لڑنے کے بجائے طغرل بک کے چچا زاد بھائی یوسف بن موسیٰ کو توڑنے کی کوشش کی' اور اس کو بخارا بلا کر بخاری ترکوں کا سردار بنا لیا اور ینانخ بیغو کا لقب اور جاگیر عطا کی' لیکن یوسف اس کے پھندے میں نہ آیا اس لیے علی تگین نے اسے قتل کر دیا' اس کے انتقام میں سلجوقیوں نے حملہ کر کے ایک ہزار بخاری فوج تہہ تیغ کر دی' علی تگین

نے بھی ان پر فوج کشی کر کے ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار کر لی اور سلجوقیوں کو جند بخارا سے منتشر کر دیا۔

خوارزم کے فرمانروا ہارون بن تونتاش کو اس کی خبر ہوئی' تو اس نے سلجوقیوں کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی' اس دعوت پر وہ ۴۲۶ھ میں خوارزم میں جا کر مقیم ہوئے' کچھ دنوں کے بعد ہارون نے بھی غداری کی اور سلجوقیوں کو قتل' قید کر کے ان کا مال لٹوا لیا' اس لیے یہ لوگ خوارزم چھوڑ کر مرو چلے گئے' اور مسعود غزنوی کے دامن حمایت میں پناہ لینی چاہی اور اس کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر وہ ان کو خراسان میں قیام کی اجازت دے دے تو یہ لوگ اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سینہ سپر رہیں گے' مسعودی نے ان کے قاصد کو گرفتار کر لیا اور سلجوقیوں کو خراسان سے نکالنے کے لیے فوج بھیجی' اس نے ان کو بڑی فاش شکست دی اور ان کا سازو سامان لوٹنے میں مشغول ہو گئی' داؤد نے موقع پا کر دفعتہ" حملہ کر دیا۔ غزنوی اس کو نہ سنبھال سکے اور سلجوقیوں نے اپنی شکست کا ان سے پورا بدلہ لیا۔

اس شکست سے غزنویوں پر سلجوقیوں کی اتنی ہیبت بیٹھ گئی کہ مسعود نے دوبارہ فوج کشی کی ہمت نہ کی اور طغرل بک اور داؤد کو ایک تہدید آمیز تحریر بھیجی' انہوں نے اس کے جواب میں کلام مجید کی یہ آیت لکھ کر بھیج دی۔

**قل اللهم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیئی قدیر○**

یہ جواب سن کر مسعود نے اپنا طرز عمل بدل دیا اور دوستی کے ذریعہ سلجوقیوں کو قابو میں لانے کی کوشش کی' ان کے پاس دوستانہ خط لکھا' تینوں بھائیوں کے لیے خلعت بھیجے اور ان کے قیام کے لیے دہستان' نساء اور فرادہ کے علاقے پیش کیے' لیکن ان کو یقین تھا کہ یہ سب مسعود کا فریب ہے اس لیے خلعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور قاصد کے ساتھ تحقیر کا برتاؤ کیا' جس سے پھر دونوں میں مخالفت ہو گئی اور سلجوقیوں نے خراسان پر عام یورش کر دی اور غزنوی عمال کو پیہم شکستیں دے کر زچ کر ڈالا' وہ برابر مسعود کو اس کی اطلاع دے کر خراسان کی حفاظت کی جانب توجہ دلاتے رہے' لیکن وہ ہندوستان کی مہم میں ایسا مشغول تھا کہ ادھر توجہ نہ کر سکا۔ آخر میں عمائد بخارا نے متفقہ درخواست بھیجی کہ

اگر سلجوقیوں کی یورش کا تدارک نہ کیا گیا تو خراسان پر قبضہ کر کے غزنہ پر حملہ آور ہو جائیں گے' اس وقت ان کا معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا' اس درخواست پر مسعود نے سباشی حاجب کو تیں ہزار فوج کے ساتھ خراسان روانہ کیا' سلجوقی اس وقت مرو میں تھے' سباشی فطرۃ" بزدل تھا اس لیے مقابلہ کی ہمت نہ پڑتی تھی" چند دنوں تک ہراۃ اور نیشاپور میں ٹھہرا رہا اور ایک دن دفعتہ" مرو پہنچ گیا' سلجوقی تیار نہ تھے اس لیے شکست کھا گئے' اسی دوران میں والی جوزجان نے اس پر حملہ کر دیا' داؤد نے ان کو شکست دے کر قتل کر دیا' اس سے سباشی کے دل میں بڑا ہراس پیدا ہو گیا اور اس کی ہمت پست ہو گئی' اور داؤد نے رجب ۴۲۸ھ میں اپنا خطبہ جاری کر دیا۔

**سلجوقی حکومت کا قیام** سباشی کی ہمت اتنی پست ہو چکی تھی اور وہ سلجوقیوں سے اتنا خائف تھا کہ پھر اس نے ان کے مقابلہ کی جرات نہ کی اور جنگ کو برابر ٹالتا رہا۔ تا آنکہ اس کا سامان رسد ختم ہو گیا اور شعبان ۴۲۸ھ میں داؤد نے اس کو شکست دے کر خراسان پر قبضہ کر لیا اور یہاں کے تمام سابق نظام بدستور قائم رکھے۔

غزنوی فوج کی شکست اور خراسان پر داؤد کے قبضہ کی خبر مسعود کو ہوئی تو وہ پوری قوت کے ساتھ سلجوقیوں کے مقابلے کے لیے خراسان پہنچا' سلجوقیوں نے کھل کر مقابلہ کرنے کے بعد اسے چکر دے کر تھکا دینے کا طریقہ اختیار کیا' جب مسعود ان کی طرف بڑھتا تو وہ کترا کر دوسری طرف نکل جاتے اس طرح ایک عرصہ تک تھکا دینے کے بعد جب غزنوی فوج گھبرا گئی تو سلجوقی ایک بے آب و گیاہ میدان کی طرف نکل گئے' غزنوی فوج نے ان کا تعاقب کیا اور ایک چشمہ یا تالاب پر منزل کی' پانی کم تھا' غزنویوں میں اس کے لیے آپس ہی میں جنگ ہو گئی' اس وقت سلجوقی جو برابر ان کی نگرانی کر رہے تھے' دفعتہ پہنچ گئے' اور غزنوی فوج کو پسپا کر دیا۔ مسعود نے استقلال دکھایا' لیکن اس کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی تھی' اس لیے اسے بھی مجبور ہو کر غزنہ لوٹ جانا پڑا' اس معرکہ نے غزنوی اور سلجوقی کشمکش کا فیصلہ کر دیا اور خراسان پر مستقل سلجوقیوں کا قبضہ ہو گیا۔

(یہ سب واقعات ابن اثیر سے ملخصا" ماخوذ ہیں)

خراسان پر قبضہ کے بعد سلجوقی ملک گیری کے لیے مختلف ملکوں پر پھیل گئے' اور چند دنوں میں بیغو نے ہراۃ' داؤد نے بلخ اور طغرل بک نے جرجان' طبرستان اور خوارزم پر

قبضہ کر لیا طغرل بک کے ماں جائے بھائی ابراہیم نیال نے رے کو زیر نگیں کیا اور طغرل بک اہل قزوین بادشاہ دیلم ' سالار طرم' علاء الدولہ دیلمی کے لڑکے فرامرز والی اصفہان اور دوسرے لڑکے گرتاشف والی ہمدان کو مطیع بنایا اور جابجا اپنے عمال مقرر کیے' ۴۳۶ھ میں گرتاشف نے طغرل بک کے حاکم کو ہمدان سے نکال دیا' اس لیے ابراہیم نیال نے اس پر فوج کشی کر کے ہمدان دینور' کرمان شاہ وغیرہ پورے عراق عجم اور گردستان کو زیر نگیں کر لیا اور حلوان تک بڑھتا چلا گیا۔

یہاں سے عراق کی سرحد شروع ہو جاتی تھی' ابو کالیجار دیلمی کو اس کی خبر ہوئی تو وہ اس کے تدارک کے لیے خوزستان سے فارس پہنچا' اس میں سلجوقیوں کے روکنے کی طاقت نہ تھی' اس لیے طغرل بک سے صلح کر لی' اس نے ابراہیم کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور دیلمی خاندان سے رشتہ قائم کرنے کے لیے ابو کالیجار کی لڑکی سے خود عقد کر لیا' اور اپنی بھتیجی اس کے لڑکے ابو فلاستون کو بیاہ دی۔

اس کے ایک سال بعد ۴۴۰ھ میں ابو کالیجار والی کرمان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے نکلا۔ راستہ میں بیمار پڑا اور جناب پہنچ کر انتقال کر گیا' عراق میں اس کی مدت حکومت چار سال سے کچھ اوپر تھی۔

**الملک الرحیم** ابو کالیجار کے کئی لڑکے تھے' ایک لڑکا ابو منصور فلاستون' اس کی موت کے وقت جناب میں ساتھ تھا' دوسرا ابو نصر خرہ فیروز بغداد میں تھا' ابو کالیجار کی وفات کے بعد ابو نصر نے قائم سے بغداد کی تولیت اور عراق کی حکومت حاصل کر لی اور الملک الرحیم لقب اختیار کیا دوسرے بھائی ابو منصور نے فارس جا کر شیراز پر قبضہ کر لیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد ملک الرحیم نے اپنے بھائی ابو سعد کو بھیج کر ابو منصور کو گرفتار کرا کے شیراز لے گیا' پھر کچھ دنوں کے بعد ابو منصور قید سے چھوٹ گیا' شیراز کی فوج اس کے ساتھ تھی' اس لیے پھر سے قبضہ کر لیا' اور ابو کالیجار کے خاص علاقے اہواز پر بھی قابض ہو گیا اور کئی سال تک دونوں بھائیوں میں فارس اور خوزستان کے لیے جنگ ہوتی رہی' کبھی ایک بھائی قابض ہو جاتا' کبھی دوسرا' آخر میں ابو منصور نے شیراز پر مستقل قبضہ کر لیا اور اہواز الملک الرحیم کے پاس رہا۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ فرامرز بن علاء الدین والی اصفہان نے طغرل بک کی

اطاعت قبول کر لی تھی، لیکن بار بار باغی ہو جاتا تھا' اس لیے ۴۴۳ھ میں طغرل بک نے فوج کشی کر کے اصفہان اور رے پر مستقل قبضہ کر لیا اور فرامرز کے گزارہ کے لیے جاگیر دے دی' اس طرح دیلمی خاندان کی ایک شاخ کا خاتمہ ہو گیا۔

(راحۃ الصدور ص ۱۰۵ و ابن خلدون ج ۳ ص ۴۵۵)

**خلافت بغداد سے سلجوقی حکومت کی تصدیق** اب سلجوقی حکومت کا رقبہ خراسان سے لے کر ایران و عراق تک پھیل چکا تھا' لیکن ابھی تک خلافت بغداد نے اس کی تصدیق نہیں کی تھی' ۴۴۳ھ میں طغرل بک نے قائم سے فرمان حکومت کی استدعا کی' قائم نے اس کو فرمان عطا کر دیا۔ اسی کے ساتھ خلعت اور رکن الدولہ کے لقب سے بھی نوازا اور طغرل کو بغداد آنے کی دعوت دی۔ طغرل بک نے اس کے جواب میں دس ہزار نقد' جواہرات کے قیمتی ہار' بیش قیمت ملبوسات قائم کی نذر کیے' دو ہزار امیر الامراء اور ۵ ہزار دوسرے ارکان دولت کے شکرانہ میں بھیجے' قائم نے سلجوقی سفارش کی پذیرائی کے لیے خاص دربار منعقد کیا' اس طرح خلافت بغداد کے ساتھ سلجوقیوں کے تعلقات کی بنیاد پڑی۔

سلجوقی حکومت کی تعمیر و توسیع میں میکائیل کی تمام اولادیں شریک تھیں اس لیے قیام حکومت اور خلافت بغداد کی تصدیق کے بعد طغرل بک نے اپنے بڑے بھائی داؤد کے ذریعہ مفتوحہ ممالک کو اپنے تمام بھائیوں اور بھتیجوں میں تقسیم کرا دیا۔ خراسان کا بڑا حصہ داؤد نے خود لیا اور بست ہرات اور سیستان بیغو کو ملے' طبس و کرمان داؤد کے لڑکے قاروت کے حصہ میں آیا' اور عراق عجم طغرل بک کے حصہ میں پڑا' اس کے بعد بھی وقتاً" فوقتاً" بقدر حصہ رسدی تقسیم کا سلسلہ جاری رہا' چنانچہ بعد میں طغرل بک کے دوسرے بھائی ابراہیم نیال کو ہمدان' امیر یاقوتی بن جعفری بک کو ابہر' زنگان اور نواح آذربائیجان اور قتلمش بن ارسلان کو گرگان اور دامغان ملے۔ (ملک کی تقسیم راوندی اور حمد اللہ ستوفی کے بیان سے ماخوذ ہے' دونوں میں جزوی اختلاف ہے ہم نے ان کا قدر مشترک لکھا ہے)

۴۴۶ھ میں تبریز کے حاکم نے طغرل بک کی اطاعت قبول کر کے خراج ادا کیا اور اپنے ملک میں اس کے نام کا خطبہ جاری کیا' اس اطاعت کے بعد اس نواح کے تمام امراء نے طغرل بک کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا اور اس نے امنستان پر فوج کشی کر کے بلاد کرد کا

محاصرہ کر لیا، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور طغرل بک ارض روم تک جا کر لوٹ آیا، واپسی میں قریش بن بدران والی موصل نے جو دیالمہ کے خلاف تھا، طغرل بک کی اطاعت قبول کر کے اس کا خطبہ پڑھایا۔

**بغداد میں جنگ اور بدامنی** ایک طرف سلجوقیوں کی یہ روز افزوں ترقی تھی، دوسری طرف دیالمہ کی حالت روز بروز گرتی جا رہی تھی، ان میں خانہ جنگی بپا تھی، وہ نہ صرف خلافت بغداد بلکہ اپنی اصل حکومت فارس کا نظام سنبھالنے سے بھی عاجز تھے، عین ان حالات میں ۴۴۱ھ میں بغداد کے شیعہ سنیوں میں جنگ شروع ہو گئی، ملک الرحیم میں ان کے روکنے کی طاقت نہ تھی، اس لیے اس کا سلسلہ وقتاً" فوقتاً" پانچ سال تک قائم رہا، فریقین کے ہزاروں آدمی کام آئے، قتل و خونریزی اور آتش زنی سے بغداد کے محلے کے محلے ویران ہو گئے، اور پانچ سال بغداد میں شورش و بدامنی قائم رہی، بڑی مشکلوں سے ۴۴۵ھ میں اس کا خاتمہ ہوا۔ (ابن اثیر میں اس کی بڑی لمبی تفصیل ہے، ہم نے صرف خلاصہ اور نتیجہ لکھا ہے)

**فوج کی بغاوت اور نظام حکومت کی برہمی** شیعہ سنی جنگ ختم ہوئی تھی کہ بغدادی فوج میں بغاوت پھیل گئی اس کا سبب یہ ہوا کہ ملک الرحیم کے وزیر نے فوج کی تنخواہ روک لی، اس سے وہ بگڑ گئی اور وزیر مذکور کو خوف سے روپوش ہونا پڑا، باغی فوجوں نے گھروں کی تلاشی کے سلسلہ میں لوٹ مار شروع کر دی اور بغداد میں پھر بدامنی پھیل گئی، قائم نے ہرچند روکنے کی کوشش کی لیکن باغی فوج باز نہ آئی اور قائم نے مجبور ہو کر بغداد چھوڑنے کا عزم کر لیا، اس وقت وزیر مذکور کو مجبور ہو کر فوج کا مطالبہ پورا کرنا پڑا، لیکن اب اس کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ مطالبہ پورا ہونے کے بعد بھی وہ شورش سے باز نہ آئی، بغداد کی بدنظمی دیکھ کر اطراف کے کردوں اور عربوں نے الگ لوٹ مار شروع کر دی، اہل بغداد اور قرب و جوار کے لوگ گھربار چھوڑ کر نکل گئے اور بغداد کی حکومت کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ (ابن اثیر ج ۹ ص ۲۱۱)

**بساسیری کا عروج اور اس کا اور رئیس الرؤسا کا اختلاف** اسی زمانہ میں بغداد میں ایک اور واقعہ پیش آگیا، جس نے ایک بڑے انقلاب کا سامان فراہم کر دیا، دیالمہ کے

ایک ترکی غلام ارسلان المعروف بہ بساسیری نے ملک الرحیم کے زمانہ میں اتنا عروج و اقتدار حاصل کر لیا کہ دولت عباسیہ کا مختار کل بن گیا تھا' سارے امراء اس سے ڈرتے تھے' عراق و خوزستان میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا' دولت عباسیہ کے سارے سیر حاصل علاقے اس کے تصرف میں تھے' ان کو لوٹ کر دیہاتوں کو ویران کر دیا تھا' قائم اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام انجام نہ دے سکتا تھا۔ (تاریخ خطیب ج ۹ ص ۴۰۰)

بساسیری مذہباً" باطنی شیعہ تھا اور بغداد کا رئیس الرؤسا سنی تھا' اس لیے دونوں میں مخالفت تھی' بساسیری کو سلجوقیوں کا عروج جو سنی تھے' سخت گراں تھا' اور رئیس الرؤسا ان کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا' بساسیری اور موصل کی حکومت میں بھی مخالفت تھی' خصوصاً جب سے قریش بن بدران نے طغرل بک کی اطاعت قبول کر لی تھی' اس وقت سے بساسیری اس کے سخت خلاف ہو گیا تھا' اتفاق سے اسی زمانہ میں قریش بن بدران کے دو خاص آدمی ابوالقاسم اور ابو سعد خفیہ بغداد آئے' بساسیری نے ان کو گرفتار کرنا چاہا' لیکن یہ دونوں نکل گئے' بساسیری نے اس کا الزام رئیس الرؤسا کے سر رکھا کہ وہ دیالمہ کے دشمنوں سے ساز باز رکھتا ہے اور سلجوقیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اس غصہ میں قائم' رئیس الرؤسا اور تمام خدام شاہی کے وظائف بند کر دیئے اور انبار پر فوج کشی کر کے اس کو قریش کے قبضہ سے چھڑایا اور ابوالغنائم کو گرفتار کر کے سولی پر آویزاں کیا۔ اس سے بساسیری کے تعلقات قائم اور رئیس الرؤسا دونوں سے اور زیادہ کشیدہ ہو گئے۔

(ابن اثیر ج ۹ ص ۲۰۸' ۲۰۹)

اس کے بعد ہی ۴۴۷ھ میں پھر بغداد میں شورش پھیل گئی' حکومت قیام امن سے عاجز ہو چکی تھی اس لیے اس کی اجازت سے سنیوں کی ایک جماعت نے قیام امن کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض اپنے ذمہ لے لیا' اتفاق سے بساسیری کا ایک عیسائی مصاحب اس کے لیے شراب کے چھ سو خم لیے جا رہا تھا' وہ پکڑے گئے اور عمائد بغداد نے ان کو توڑ کر شراب بہا دی' بساسیری کو معلوم ہوا تو اس پر سخت گراں گزرا' اس کا الزام بھی اس نے رئیس الرؤسا کے سر رکھا' رئیس الرؤسا نے ترکی فوج کو اس کے خلاف بھڑکا دیا' اس نے بساسیری کو ہر طرح کے الزاموں کا نشانہ بنایا۔ (ابن اثیر ج ۹ ص ۲۰۸' ۲۰۹)

## بساسیری اور قائم میں اختلاف اور بغداد میں علوی حکومت کے قیام کی کوشش

بساسیری نے اس کا بدلہ قائم سے لینا چاہا اور قصر خلافت کو لوٹنے اور قائم کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ (تاریخ خطیب ج ۹ ص ۴۰۰ و دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۳۲۰) ترک اس سے برہم ہی تھے انہوں نے قائم کی اجازت سے خود بساسیری کا گھر لوٹ لیا' بساسیری شیعہ تھا اس لیے دل سے فاطمیہ مصر کا طرف دار تھا' چنانچہ اس نے مستنصر علوی سے ساز باز شروع کر دی۔ (تاریخ خطیب ج ۹ ص ۴۰۰ و دول الاسلام ذہبی ج ۱ ص ۳۲۰)

قائم عرصہ سے دیالمہ کے استبداد سے عاجز تھا اور طغرل بک کو فرمان حکومت عطا کرتے وقت بغداد آنے کی دعوت دے چکا تھا' طغرل بک کو بھی بغداد میں دیالمہ کا اقتدار نا پسند تھا' لیکن اس وقت وہ اپنی مہموں میں مشغول تھا' اس لیے بغداد نہ جا سکا' ان سے فراغت کے بعد ۴۴۷ھ میں وہ حج اور فاطمیہ مصر پر حملہ کے بہانہ سے بغداد روانہ ہو گیا' یہاں اس کی آمد کی خبر سے بڑی بے چینی پیدا ہو گئی' ملک الرحیم اس وقت واسط میں تھا' اس کو خبر ملی تو وہ فوراً بغداد کے لیے روانہ ہو گیا' بساسیری بھی اس کے ساتھ تھا' راستہ میں ملک الرحیم کو قائم کا خط ملا کہ بساسیری نے میرے خلاف میرے دشمن مستنصر فاطمی سے خط و کتابت کی ہے اور میرے مقابلے میں بساسیری کے تعلقات کو ترجیح دی' تو گویا مجھ سے تعلق منقطع کر لینا اور اگر اس کو علیحدہ کر کے بغداد آؤ گے تو حکومت کا سارا نظام تمہارے ہاتھوں میں رہے گا' اس لیے ملک الرحیم نے بساسیری کو الگ کر دیا۔

## طغرل بک کی آمد اور ترکوں کی جانب سے اس کی مخالفت

اس درمیان میں طغرل بک بغداد کے قریب پہنچ گیا اور قائم کے پاس اظہار اطاعت و خدمت گزاری کے لیے قاصد بھیجا اور بغدادی ترکوں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر ملانے کی کوشش کی' گو ترک رئیس الرؤسا کے مقابلہ میں بساسیری کے خلاف تھے' لیکن بساسیری ان کا ہم قوم اور طغرل بک ایک غیر شخص تھا۔ اس لیے وہ طمع میں نہ آئے اور قائم کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم نے بساسیری کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہو لیکن وہ ہمارا محترم ہے اور امیرالمومنین کا بنایا ہوا ہمارا سردار ہے' امیرالمومنین نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہمارے دشمن (طغرل بک) کو آنے نہ دیا جائے' لیکن وہ بغداد کے قریب پہنچ گیا ہے اور اس کے روکنے کی اب تک کوئی تدبیر نہیں کی گئی' اسی کے ساتھ بساسیری کو واپس بلانے کی درخواست کی۔

**طغرل بک کا دورہ بغداد اور ملک الرحیم سے مصالحت** اس دوران میں طغرل بک بغداد پہنچ گیا' ملک الرحیم میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے اس نے قائم کو مختار بنا دیا کہ وہ جس طرح مناسب سمجھے اس کے اور طغرل کے درمیان مفاہمت و معاملت کرا دے' قائم نے رائے دی کہ وہ طغرل بک کی اطاعت اور اس کا خطبہ قبول کر لے' ملک الرحیم نے مان لیا' اس کے صلہ میں طغرل بک نے ملک الرحیم کے ساتھ حسن سلوک کا وعدہ کیا اور رمضان ۴۴۷ھ میں بغداد میں طغرل بک کا خطبہ جاری ہو گیا۔

طغرل اس وقت تک بغداد کے باہر مقیم تھا' خطبہ جاری ہونے کے بعد اس نے قائم سے بغداد میں داخل ہونے کی اجازت چاہی اس نے اجازت دے دی' بغداد کے عمائد اور ارکان سلطنت نے طغرل بک کے قیام گاہ پر اس سے مل کر خلیفہ کی جانب سے ملک الرحیم کے ساتھ حسن سلوک کا دوبارہ عہد لیا اور آخر رمضان ۴۴۷ھ میں طغرل بک بغداد میں داخل ہو گیا۔

**اہل بغداد اور سلجوقیوں میں جنگ اور ملک الرحیم کی گرفتاری** اس کا داخلہ بہت پر امن ہوا' کسی قسم کا کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آیا' سلجوقی فوجوں نے کسی سے کوئی تعرض نہیں کیا لیکن اس کے دوسرے دن چند سپاہیوں نے کسی کام سے ایک بغدادی کو پکڑا' وہ ان کی زبان نہ سمجھتا تھا' اس نے غلط فہمی میں شور مچا دیا' چند بغدادی اس کی حمایت میں سلجوقیوں پر حملہ آور ہو گئے' یہ دیکھ کر عوام سمجھے کہ طغرل بک اور ملک الرحیم میں جنگ چھڑ گئی وہ سلجوقیوں پر ٹوٹ پڑے ایک جماعت طغرل بک پر حملہ کے لیے اس کی فرودگاہ کی طرف بڑھی' اہل کرخ اس ہنگامہ سے الگ رہے' بلکہ ان سے جہاں تک ہو سکا سلجوقیوں کو بچایا' یہ حالت دیکھ کر ملک الرحیم الزام سے بچنے کے لیے اپنے امراء کو ساتھ لے کر قصر خلافت میں چلا گیا' اہل شہر کے ناگہانی حملے سے بہت سے سلجوقی مارے گئے' لیکن پھر انہوں نے سنبھل کر پورا مقابلہ کیا' فریقین میں بڑا کشت و خون ہوا' سلجوقیوں نے بغداد کے کئی محلے لوٹ لیے اور شہر میں سخت بدامنی پھیل گئی۔

اس کے دوسرے دن طغرل بک نے قائم کے پاس کہلا بھیجا کہ یہ ہنگامہ ملک الرحیم اور اس کی فوج کے اشارے سے ہوا ہے' اگر اس کا دامن پاک ہے تو اس کو میرے پاس آ کر اس کی صفائی دینی چاہیے ورنہ اس کی ساری ذمہ داری اس کے سر ہے' طغرل بک کے

اس پیام پر قائم نے ملک الرحیم کو اپنے قاصدوں کے ہمراہ طغرل کے پاس صفائی دینے کے لیے بھیجا اور خود بھی اس کی صفائی دی' جب یہ لوگ سلطانی قیام گاہ کے پاس پہنچے تو طغرل کی فوج نے ان کو لوٹ لیا' اور طغرل نے ملک الرحیم اور اس کے ہمراہیوں کو گرفتار کر کے شروان بھیج دیا۔

قائم کو ملک الرحیم کی گرفتاری سخت ناگوار ہوئی اس نے طغرل کے پاس کہلا بھیجا کہ ملک الرحیم کو میں نے اپنی امان اور اپنی ذمہ داری پر تمہارے پاس بھیجا ہے اس لیے اس کو رہا کر دو' ورنہ میں بغداد چھوڑ دوں گا' میں نے اس یقین و اعتماد پر تم کو بغداد آنے کی دعوت دی تھی کہ تمہارے ذریعہ شرعی احکام کی عظمت ظاہر ہو گی اور محرمات کی حرمت بڑھے گی' لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا' قائم کا پیام سن کر طغرل بک نے کچھ آدمیوں کو رہا کر دیا' لیکن ملک الرحیم بدستور قید رہا' اس کے بعد ملک الرحیم کی فوج کی جاگیریں اور بغدادی ترکوں کا کل مال و متاع ضبط کر لیا اور دارالمملکتہ کی عمارت تعمیر کر کے اس میں مقیم ہوا اور خلافت عباسیہ سے تعلقات استوار کرنے کے لیے ۴۴۸ھ میں قائم کے ساتھ اپنی بھتیجی خدیجہ بنت داؤد کا عقد کر دیا۔

**بغداد سے طغرل کی واپسی** طغرل بک بغداد میں تیرہ مہینے مقیم رہا' اس مدت میں سلجوقی سپاہیوں نے اہل بغداد پر بڑی زیادتیاں کیں اور ان کے ہاتھوں ان کو بڑی تکلیفیں پہنچیں' قائم نے طغرل کے وزیر عمید الملک کندری سے اس کی شکایت کی' طغرل نے اپنی مجبوری ظاہر کر کے اظہار معذرت کیا اور فوجوں کو بغداد سے کوچ کا حکم دے دیا۔

**عرب فرمانرواؤں کی مخالفت اور اطاعت** بساسیری ملک الرحیم سے الگ ہونے کے بعد نورالدولہ بیس بن ولید والی حلہ کے پاس جو طغرل کے مخالفین میں تھا' حلہ چلا گیا تھا۔ ۴۴۸ھ میں ان دونوں نے مل کر موصل پر حملہ کر کے قریش بن بدران کو شکست دی اور وہ زخمی ہو کر نورالدولہ کے پاس لایا گیا اس نے اس کے سامنے مستنصر علوی کا بھیجا ہوا خلعت پیش کیا۔ شکست خوردہ قریش نے اسے قبول کیا اور موصل میں مستنصر کا خطبہ جاری کر دیا' بغداد سے روانگی کے وقت طغرل کو اس کی اطلاع ملی' اس لیے وہ بغداد سے سیدھا موصل روانہ ہو گیا' راستہ میں امیر ہزار سب کو اعراب موصل کے مقابلہ کے لیے بھیجا' اس نے ان کو شکست دے کر ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار کی اور طغرل نے ان سے

پورا انتقام لیا۔

اعراب کی شکست کی خبر موصل پہنچی تو قریش اور نورالدولہ کی ہمت چھوٹ گئی' انہوں نے طغرل بک سے صفائی کر کے اطاعت قبول کر لی' لیکن بساسیری کا معاملہ اس نے قائم پر منحصر رکھا اس لیے وہ موصل چھوڑ کر رحبہ چلا گیا۔ اور طغرل نے نورالدولہ اور قریش کو ان کی حکومت کے بعض حصے واپس کر دیئے' اس کے بعد دیار بکر اور جزیرہ ابن عمر کی طرف بڑھا' یہاں کے حاکم ابن مروان نے ہدایا و تحائف پیش کر کے رضامند کر لیا' اس مہم میں طغرل کا چچیرا بھائی قتلمش ہمراہ تھا' اس نے اہل سنجار کی شکایت کی اس لیے طغرل نے فوج کشی کر کے سنجار کو بزور شمشیر فتح کیا اور اس کے والی کو قتل کر دیا۔

## طغرل بک کی بغداد واپسی اور خلافت بغداد کی جانب سے حکومت کے جلیل القدر منصب پر تقرر اور عزت افزائی

ان مہمان سے فراغت کے بعد طغرل ۴۴۹ھ میں دوبارہ بغداد گیا رئیس الرؤسا نے شہر سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا اور قائم کی جانب سے سلام کے بعد ایک مرصع جام اور خلعت پیش کیا' طغرل بک اس عزت افزائی کے شکرانہ میں زمین بوس ہوا' بغداد کی پہلی آمد میں قائم سے طغرل کی ملاقات نہیں ہوئی تھی' اس مرتبہ اس نے حضوری کی درخواست کی' قائم نے اجازت دی اور خاصہ کا گھوڑا اس کی سواری کے لیے بھیجا' طغرل اس پر سوار ہو کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوا' قائم نے اس کے اعزاز میں خاص دربار منعقد کر کے باریابی کا شرف بخشا' قائم ایک بلند تخت پر تھا' دوش پر ردائے نبویؐ اور ہاتھ میں عصائے خلافت تھا' چپ و راست ارکان دولت تھے' طغرل نے تخت شاہی کے سامنے زمین بوس ہو کر دست بوسی کی عزت حاصل کی' قائم نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اعزاز بخشا اور رئیس الرؤسا نے قائم کی جانب سے اعلان کیا کہ "امیرالمومنین تمہاری کوششوں کے شکر گزار ہیں' تمہارے کام کے مداح اور تمہاری قربت سے مسرور ہیں' وہ تم کو ممالک محروسہ کا والی بناتے ہیں اور خدا کی مخلوق کی ذمہ داری تمہارے سپرد کرتے ہیں' اس کو پورا کرنے میں ہمیشہ خدا کا خوف پیش نظر رکھو' اپنے اوپر اس کی نعمتوں کا احساس کرو اور عدل و انصاف کے قیام اور ظلم و جور کے انسداد اور رعایا کی اصلاح میں پوری کوشش کرو اس جلیل القدر منصب کے شکرانے میں طغرل بک نے پھر زمین بوس ہو کر دست بوسی کی عزت حاصل کی اور خلیفہ کے ہاتھوں

کو اپنی آنکھوں سے ملا' اس نے اس کو "ملک المشرق والمغرب" کے لقب سے ملقب اور فرمان حکومت عطا کیا' ان مراسم کے بعد طغرل بک اپنے قیام گاہ پر واپس گیا' اور قائم کی خدمت میں پچاس ہزار اشرفیاں نقد' بیش قیمت ہدایا' پچیس ترکی سوار مع اسپ و ساز زرین اور قیمتی کپڑے نذر کیے۔ (ابن اثیر ج ۹ ص ۲۲۱)

## ابراہیم نیال کی بغاوت اور اس کا قتل

طغرل کے قیام بغداد کے زمانہ میں اس کا بھائی ابراہیم نیال جسے وہ موصل کی نگرانی کے لیے چھوڑ آیا تھا' اس کے خلاف ہو گیا اور موصل چھوڑ کر ہمدان چلا گیا' بساسیری اور قریش بن بدران قریب ہی تھے میدان خالی پا کر موصل پہنچ گئے' طغرل کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً بغداد روانہ ہو گیا' اس کی آمد کی خبر سن کر دونوں نے موصل چھوڑ دیا اور طغرل ابراہیم کے مقابلے کے لیے ہمدان پہنچا' لیکن ابراہیم کی قوت زیادہ تھی اس لیے طغرل رے چلا گیا اور اپنے بھتیجوں الپ ارسلان یاقوتی اور قاروت کو بلا کر ان کی مدد سے ابراہیم کو شکست دے کر گرفتار کر لیا' ابراہیم کو کئی مرتبہ طغرل معاف کر چکا تھا' لیکن وہ مخالفت سے باز نہ آتا تھا' اس لیے طغرل نے اس کو قتل کرا دیا۔

## بغداد پر بساسیری کا قبضہ اور قائم کی جلاوطنی

ابراہیم کے مقابلے میں طغرل کی مشغولیت دیکھ کر قریش بن بدران اور بساسیری بغداد پہنچ گئے' یہاں کوئی روکنے والا نہ تھا اس لیے ذیقعد ۴۵۰ھ میں بساسیری نے بغداد پر قبضہ کر کے یہاں مستنصر علوی کا خطبہ جاری کر دیا۔ اتفاق سے بغداد میں اس وقت کوئی تجربہ کار افسر موجود نہ تھا' چند عمائد بغداد نے عوام کو ساتھ لے کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی' لیکن انہوں نے شکست کھائی اور بساسیری نے حریم خلافت کو لوٹ لیا اور باب نوبی تک گھس آیا' عمید عراق کو مجبور ہو کر قریش کے دامن میں پناہ لینی پڑی' قائم نے یہ صورت دیکھی تو سیاہ لباس پہن کر قصر خلافت سے نکل آیا اس وقت اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی اس لیے اسے مجبور ہو کر قریش سے جو اس وقت بساسیری کے ساتھ تھا' لیکن عرب تھا' اپنے اور اپنے متعلقین و وابستگان دولت کے لیے پناہ لینی پڑی' بساسیری کو معلوم ہوا تو اس نے کہلا بھیجا کہ یہ معاہدہ کے خلاف ہے' اس لیے قریش کو رئیس الرؤسا کو اس کے حوالہ کر دینا پڑا اور قائم کو اپنے چچیرے بھائی مہارش کی حفاظت میں دے دیا یہ اپنے ساتھ عزت و حرمت کے ساتھ اس کو

حدیثہ لے گیا اور خدمت گزاری کا پورا حق ادا کیا۔

بساسیری نے اہل بغداد میں اثر قائم کرنے کے لیے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا' قائم کی ضعیف والدہ کو ایک علیحدہ گھر دے دیا اور اس کی خدمت کے لیے دو کنیزیں مقرر کر کے وظیفہ جاری کر دیا' لیکن رئیس الرؤسا اور عمید العراق سے اس کو پرانی عداوت تھی' ان کو اس نے معاف نہیں کیا اور رئیس الرؤسا کی تشہیر کر کے سولی پر آویزاں کیا' اور عمید عراق کو قتل کر دیا' مستنصر علوی کی خوشنودی کے لیے ان کارروائیوں کی اطلاع مصر بھجوائی' لیکن وہاں سے کوئی حوصلہ افزاء جواب نہیں ملا۔

**بساسیری کا اخراج اور قائم کی واپسی** اس زمانہ میں طغرل ابراہیم نیال کے مقابلہ میں مشغول تھا اس لیے بغداد کے معاملہ کی طرف توجہ نہ کر سکا' اس سے فراغت کے بعد قریش بن بدران بساسیری کو لکھ بھیجا کہ اگر وہ خلیفہ بحال کر دیں تو وہ بغداد میں صرف اپنے سکہ اور خطبہ پر قناعت کرے گا اور عراق ان کے لیے چھوڑ دے گا' لیکن بساسیری میں اس کو روکنے کی طاقت نہ تھی' اس لیے ایک سال کے قیام کے بعد ذیقعد ۴۵۰ھ میں اس کو بغداد چھوڑنا پڑا۔

طغرل نے راستہ ہی سے قائم کو واپس لانے کے لیے ابن فورک کو قریش بن بدران کے پاس بھیجا تھا' قریش کی نیت میں فتور تھا' اس نے اپنے بھائی مہارش کے پاس کہلا بھیجا کہ میں نے سلجوقیوں سے بچنے کے لیے خلیفہ کو تمہاری امانت میں دے دیا تھا' اب وہ پھر آ گئے ہیں' اس لیے تم خلیفہ کو لے کر خشکی کے علاقہ کی طرف نکل جاؤ' جب وہ اس کو ہمارے ساتھ دیکھیں گے تو پھر عراق کا رخ نہ کریں گے اور ان سے ہم کو آزادی مل جائے گی لیکن مہارش نے اس کی تعمیل نہیں کی اور قائم کو لے کر بغداد روانہ ہو گیا' دوسری طرف طغرل آ رہا تھا' نہوان میں دونوں ملے' طغرل نے قائم کے سامنے زمین بوس ہو کر اس کی سلامتی پر مبارک باد پیش کی اور ابراہیم کی بغاوت کی وجہ سے وقت پر بغداد نہ پہنچنے کی معذرت کی اور وعدہ کیا کہ بساسیری کو بہت جلد اس کے کیے کی سزا کو پہنچائے گا اور مستنصر علوی سے پورا بدلہ لے گا' اس وفاداری کے سلسلہ میں قائم نے اپنے دست خاص سے اس کی تلوار باندھی اور طغرل اس کی پیشوائی کے لیے اس کے ورود سے دو چار دن پہلے بغداد پہنچ گیا۔ اور ذیقعد ۴۵۱ھ میں اپنے ہاتھوں سے قائم کی سواری کی لگام تھام کر قصر

خلافت میں لے گیا۔ اس کی واپسی پر بغداد میں بڑا جشن ہوا' شعراء نے قصائد تہنیت پیش کیے۔

**بساسیری کا قتل** بساسیری اس وقت تک عراق میں مقیم تھا' قائم کی واپسی کے بعد طغرل نے اس کے استیصال کے لیے فوجیں روانہ کیں' بساسیری کا ساتھی نورالدولہ تو بلیحہ نکل گیا لیکن بساسیری خود ٹھہرا رہا' اس دوران میں سلجوقی فوجیں پہنچ گئیں اس وقت بساسیری نے نکل جانا چاہا' لیکن گھوڑے سے گر پڑا سلجوقیوں نے پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کا سر لے جا کر طغرل کے سامنے پیش کیا' اس نے بغداد میں سر کی تشہیر کرائی اور جسم کو سولی پر آویزاں کیا اور بغداد میں اس کا جس قدر مال و متاع تھا' سب ضبط کر لیا گیا' بساسیری کے قتل سے طغرل اور قائم دونوں کی راہ کا ایک بڑا کانٹا صاف ہو گیا۔

**طغرل کی واپسی** بساسیری کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد طغرل بغداد کا نظام درست کر کے واسط چلا گیا اور عراق کے امراء کو مختلف حصوں میں مامور کیا اور ۴۵۲ھ میں امیر ہزاسب' بن مزید' ابو علی بن کالیجار وغیرہ کو لے کر بغداد واپس آئے' قائم نے ان کے اعزاز میں دعوت دی' طغرل نے بھی ان سب کو مدعو کیا اور انہیں خلعتیں تقسیم کیں اور امیر برسق کو بغداد کا شحنہ بنا کر ربیع الاول ۴۵۲ھ میں اپنے مستقر واپس گیا۔

**قائم کی لڑکی سے طغرل کا نکاح اور اس کا انتقال** ۴۵۳ھ میں طغرل بک نے قائم کی لڑکی کے ساتھ شادی کی درخواست کی' یہ جرات آج تک ترک و دیالمہ کسی نے بھی نہ کی تھی قائم کو اس سے بڑی ناگواری ہوئی اور اس نے سختی کے ساتھ اس رشتہ سے انکار کر دیا اور معاملہ اتنا طول کھینچ گیا کہ قائم بغداد چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا' لیکن پھر آخر میں خیر خواہان دولت کے مشورہ سے چار و ناچار منظور کرنا پڑا اور شعبان ۴۵۴ھ میں تبریز میں عمیدالملک کی وکالت میں اس شرط پر کہ یہ رشتہ صرف شرف انتساب کے لیے ہے' میاں بیوی میں زن و شوہر کے تعلقات قائم نہ ہوں گے' نکاح ہو گیا اور دلہن بغداد ہی میں رہی۔

۴۵۵ھ میں طغرل بیوی سے ملنے کے لیے بغداد گیا' عمیدالملک نے اسے شرط یاد دلائی کہ میاں بیوی خلوت میں نہیں مل سکتے' طغرل نے منظور کیا اور قصر خلافت میں دلہن

ایک زریں تخت پر بیٹھی، طغرل نے اس کے سامنے زمین بوسی پر اکتفا کیا اور بہت سازوسامان اور بیش قیمت جواہرات جو دلہن کے لیے لایا تھا پیش کیے اور اہل بغداد کی عام دعوت کی جس کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ بغداد کے عمائد اور اراکین سلطنت کو خلعتیں تقسیم کیں، ایک مہینہ قیام کے بعد ربیع الاول ۴۵۵ھ میں اپنے دارالسلطنت رے واپس چلا گیا، واپسی کے چھ مہینے بعد رمضان ۴۵۵ھ میں انتقال کر گیا اس وقت ۷۰ سال کی عمر تھی، مدت حکومت ۲۶ سال اور خلافت بغداد کی تولیت کی مدت آٹھ سال تھی۔

**اوصاف** طغرل کے کمالات اور اوصاف جہانبانی خود اس کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہیں اس نے اپنی قوت بازو سے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی اور مخالف طاقتوں کو مغلوب کر کے اس کو اس قدر مضبوط کر گیا کہ اس کے جانشینوں نے اس کی بنیاد پر سلجوقی حکومت کا عظیم الشان قصر تعمیر کیا، خلافت بغداد کو دیالمہ کے پنجے سے آزاد کرایا، اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے تمام مفتوحہ ملکوں کو اپنے بھائی بھتیجوں میں تقسیم کر دیا۔

وہ ایک راسخ العقیدہ اور دین دار مسلمان اور پاک باز متقی فرمانروا تھا، نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرتا تھا، تہجد بھی ناغہ نہ ہوتی تھی، ہر جمعہ، دو شنبہ کو روزہ رکھتا تھا، صدقات و خیرات کرتا مسجدوں کے بنوانے سے شغف رکھتا تھا، کہا کرتا تھا کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ کوئی عمارت بنواؤں جس کے پہلو میں مسجد نہ ہو۔ (اختصار دولت آل سلجوقی عماد الدین اصفہانی ص ۲۶)

**الپ ارسلان** طغرل خود لاولد تھا، اپنے بھتیجے سلیمان بن داؤد کو اپنا جانشین بنا گیا تھا چنانچہ اس کی وفات کے بعد رمضان ۴۵۵ھ میں وہ تخت نشین ہوا، قتلمش بن اسرائیل والی قونیہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، بعض اور امراء نے بھی سلیمان کی مخالفت کی اور اس کے بجائے طغرل کے دوسرے بھتیجے الپ ارسلان کا خطبہ جاری کر دیا، یہ صورت دیکھ کر طغرل کا وزیر عمید الملک کندی بھی الپ ارسلان کے ساتھ ہو گیا، قتلمش نے اس کی بادشاہت بھی تسلیم نہیں کی، لیکن الپ ارسلان نے اس کو مغلوب کر لیا، ایک روایت ہے کہ وہ جنگ میں مارا گیا، دوسری یہ کہ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔

قتلمش کے بعد الپ ارسلان کی جانشینی مسلم ہو گئی اور اس نے اپنے کاتب نظام

الملک طوسی کو وزیر بنایا' عمید الملک کندی کا درخور بھی قائم رہا' ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں تھیں اس لیے اس میں اور نظام الملک میں اختلاف شروع ہو گیا' نظام الملک نے الپ ارسلان کو بھڑکا کر عمید الملک کو قید کرا دیا اور چند دنوں کے بعد قتل کر دیا گیا' قتل کے وقت اس نے الپ ارسلان کے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا کہ حضور کے خانوادہ کی خدمت میرے لیے مبارک تھی' اس کے طفیل میں مجھے دونوں جہان کی نعمتیں ملیں' حضور کے چچا نے وزیر بنا کر دنیا کا حاکم بنایا اور حضور نے درجہ شہادت پر سرفراز کر کے دوسرے جہان میں امتیاز بخشا اور نظام الملک سے کہلا بھیجا کہ تم نے بادشاہ کو وزیر کشی کی تعلیم دے کر ایک بری رسم قائم کی ہے' عجب کیا ہے کہ ایک دن تم کو یا تمہاری اولاد کو بھی یہ دن دیکھنا پڑے۔ (راحۃ الصدور ص ۱۰۸ و تاریخ گزیدہ ص ۴۳۹)

۴۵۶ھ میں الپ ارسلان نے قائم کی لڑکی اور طغرل کی بیوی کو' جو رے میں تھی' بڑے تزک و احتشام سے بغداد واپس کیا اور قائم سے خطاب و خلعت کی درخواست کی' اس نے "ضیاء الدین عضد الدولہ" کا لقب اور خلعت عطا کیا اور قاصد بھیج کر الپ ارسلان سے اپنی بیعت کی۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۱)

خلافت بغداد کی تصدیق کے بعد الپ ارسلان نے توسیع حکومت کی جانب توجہ کی' وہ بڑا الوالعزم' حوصلہ مند اور شجاع و بہادر تھا' فتح و نصرت اس کے ہمرکاب تھی' کسی مہم میں ناکام نہیں رہا اپنے زمانہ میں اس نے ایران کی سلجوقی حکومت کو مشرق کا امپائر بنا دیا' اس کے کاموں کی تفصیل بہت طویل ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہے' اس سلسلہ میں الپ ارسلان کے دو کارنامے زیادہ اہم اور قابل ذکر ہیں' ایک حکومت قسطنطنیہ کے خطرہ کا انسداد' دوسرے حرمین میں فاطمیوں کے بجائے عباسی خطبہ کا اجراء۔

**گرجستان کی فتح** خلافت بغداد کے زوال کے بعد اس میں اور رومیوں میں معرکہ آرائی کا سلسلہ قریب قریب بند ہو چکا تھا' اس کے متولی دیالمہ میں کوئی جوش و ولولہ نہ تھا' وہ ایران کی حکومت پر قانع تھے' ان کے برعکس سلجوقیوں کے حوصلہ کے سامنے تنہا وسط ایشیاء کا میدان کافی نہ تھا' اس لیے وہ ابتداء ہی سے قسمت آزمائی کے لیے مختلف ملکوں میں پھیل گئے تھے' اور قتلمش بن ارسلان نے ایشیائے کوچک کو اپنے حوصلہ کی آماجگاہ بنایا تھا' اور اس کا بڑا حصہ فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی' جو ڈھائی صدیوں تک

قائم رہی۔

خود طغرل بک کی سلطنت کے حدود ارمنستان تک پہنچ گئے' جہاں سے قسطنطنیہ کی حکومت یا اس کے ماتحت حکمرانوں کے حدود شروع ہو جاتے تھے' اس لیے دونوں میں تصادم ناگزیر تھا' چنانچہ ۴۵۶ھ میں الپ ارسلان نے اران اور گرجستان کے صوبوں پر فوج کشی کی اور اس کے لڑکے ملک شاہ اور وزیر نظام الملک نے رومیوں کے متعدد قلعے فتح کیے اور شہر مریم نشین کا محاصرہ کیا' یہ عیسائیوں کا بڑا مقدس شہر تھا' پوری عیسائی دنیا اس کی تعظیم کرتی تھی' اس کے گرد سنگین شہرپناہ اور چاروں طرف نہر رواں تھی' عیسائیوں نے مدافعت میں پوری قوت صرف کر دی' لیکن سلجوقی شہرپناہ تک پہنچ کر کمند کے ذریعہ فصیل پر چڑھ گئے' اہل شہر نے جو مدافعت کرتے کرتے تھک چکے تھے' سپر ڈال دی اور شہر پر قبضہ ہو گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳)

الپ ارسلان دوسری سمت مصروف پیکار تھا' اس لیے مریم نشین کی فتح سے بڑی مسرت ہوئی اور وہ ملک شاہ اور نظام الملک کو واپس بلا کر سپید شہر کی طرف بڑھا اور اسے فتح کر کے اعال لال کے قلعہ کا رخ کیا' یہ بڑا سنگین اور مستحکم شہر تھا' اس کے مشرق و مغرب میں پہاڑ کی قدرتی دیوار اور متعدد مستحکم قلعے تھے' دوسری سمت نہر حائل تھی' الپ ارسلان نے اس پر پل تعمیر کر کے شہر پر حملہ کیا' اہل شہر نے ہرچند مدافعت کی لیکن روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور سلجوقیوں نے انہیں شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا۔

اعال لال کی تسخیر کے بعد شہر آنی کا رخ کیا اور راستہ کی عیسائی آبادیوں کو مطیع کرتے ہوئے آنی پہنچا' یہ اتنا بڑا شہر تھا کہ اس میں پانچ سو گرجے تھے' اس کے تین طرف دریائے اوس تھا اور چوتھی سمت نہر تھی' شہر تک پہنچنے کے لیے تھوڑا سا خشکی کا راستہ تھا' الپ ارسلان نے لکڑی کا برج بنا کر سنگ باری اور تیراندازی کے ذریعہ اہل شہر کو فصیل سے ہٹا دیا اور حملہ کر کے شہرپناہ کی دیوار تک پہنچ گیا' عین اس وقت اس کا ایک حصہ جو سنگ باری سے کمزور ہو چکا تھا' گر گیا اور سلجوقی اس کے راستے سے داخل ہو کر شہر پر قابض ہو گئے' گرجستان کے فرمانروا نے' جب دیکھا کہ سلجوقیوں کا روکنا اس کے بس سے باہر ہے تو اس نے جزیہ دے کر صلح کر لی اور الپ ارسلان مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کے لیے فوجی چھوڑ کر مرو واپس گیا' ان فتوحات سے اسلامی دنیا کو بڑی شادمانی و مسرت ہوئی' قائم نے

خاص طور سے خوشنودی کا اظہار اور الپ ارسلان کے لیے دعا کی۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳ ۱۴)

## قیصر ارمانوس کی شکست اور گرفتاری

ان فتوحات کا تعلق اگرچہ براہ راست قسطنطنیہ کی حکومت سے نہ تھا لیکن یہ صوبے رومی حکومت کے ہم سرحد اور اس کے باجگذار تھے' اس لیے بالواسطہ رومی حکومت پر ان کا اثر پڑنا ناگزیر تھا' اس لیے قیصر ارمانوس دیو جانس ۴۶۳ھ میں سلجوقیوں کی یورش کو روکنے کے لیے' رومی' روسی' غزی' قفجاق' خزر اور آرمنی قوتوں کا تین لاکھ کا لشکر جرار لے کر اسلامی حدود کی طرف بڑھا' الپ ارسلان کو آذربائیجان میں اس کی اطلاع ملی' ارمانوس ملا ذکرد تک پہنچ چکا تھا' الپ ارسلان کے لیے تیاری کا موقع نہ تھا' اس لیے اس نے اپنی بیوی کو نظام الملک کے ہمراہ ہمدان بھیج دیا اور خود کل پندرہ ہزار فوج کے ساتھ ارمانوس کے مقابلہ کے لیئے اٹھ کھڑا ہوا' خلاط کے قریب دونوں کے مقدمتہ الجیش کا سامنا ہوا' گو رومی مقدمتہ الجیش کی تعداد پوری سلجوقی فوج سے بھی زیادہ تھی' لیکن اس کے باوجود سلجوقیوں نے اس کو شکست دے کر اس کے سپہ سالار کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کی مقدس صلیب کو چھین کر نشان فتح کے طور پر بغداد بھیجا۔

اس دوران میں اصل رومی لشکر نے خلاط کا محاصرہ کر لیا' یہاں کے مسلمانوں کے پاس کوئی قوت نہ تھی' اس لیے تھوڑی مدافعت کے بعد انہوں نے شہر رومیوں کے حوالہ کر دیا۔ انہوں نے سارے اہل شہر کو قیدی بنا لیا' اس کے دوسرے دن سلجوقی فوج پہنچی' اس نے رومیوں کو ہٹا کر مسلمانوں کو ان سے چھڑایا اس کے بعد الپ ارسلان پہنچا اور رومیوں کے قریب ہی خیمہ زن ہوا' پہلے اس نے مصالحت کی کوشش کی' لیکن ارمانوس نے جواب دیا کہ "صلح تمہارے پایہ تخت رے پہنچ کر ہو گی۔" اس جواب کے بعد جنگ ناگزیر ہو گئی' لیکن دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا' امام ابو نصر محمد بن عبدالملک حنفی نے جو الپ ارسلان کے ساتھ تھے اس کا حوصلہ بڑھایا کہ تم خدا کے دین کی حمایت میں لڑ رہے ہو' جس کی امداد اور غلبہ کا اس نے وعدہ کیا ہے اس لیے خدا تم کو ضرور کامیاب کرے گا اور دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد آغاز جنگ کا مشورہ دیا۔

الپ ارسلان نے دوسرے دن مجاہدین کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی اس وقت اس پر بے

اختیار رقت طاری ہو گئی اس کے ساتھ سارے نمازی رونے لگے' اور اسی حالت میں سب نے بارگاہ ایزدی میں فتح و نصرت کی دعا کی اور الپ ارسلان لباس بدل کر گھوڑے پر میدان جنگ پہنچا۔ اور اس شدت کا معرکہ ہوا کہ میدان جنگ میں خون کا دریا بہنے لگا' ہر طرف کشتوں کے انبار لگ گئے' یہ معرکہ سلجوقیوں کی شجاعت کی حیرت انگیز مثال ہے۔ ان کی جانبازی نے کئی لاکھ رومیوں کو بڑی فاش شکست دی' قیصر ارمانوس گرفتار ہو کر الپ ارسلان کے حضور میں پیش کیا گیا' اس نے طنزاً" پوچھا تم ہی نے میرے پیام صلح کو ٹھکرایا تھا' ارمانوس نے جواب دیا' جو تمہارے دل میں آئے فیصلہ کر دو' لیکن مجھے جھڑکو مت' الپ ارسلان نے پوچھا اگر تم مجھے گرفتار کر لیتے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرتے' ارمانوس نے کہا بہت برا' الپ ارسلان نے کہا میرے متعلق کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا' ارمانوس نے کہا یا قتل کرو گے یا تشہیر کرو گے تیسری صورت یعنی فدیہ لے کر چھوڑنے کی امید نہیں' الپ ارسلان نے کہا میں یہی تیسری صورت اختیار کروں گا' چنانچہ کئی کروڑ فدیہ کے وعدہ پر اس کو رہا کر دیا اور یہ شرط قرار پائی کہ الپ ارسلان کو جس وقت فوجی مدد کی ضرورت پیش آیا کرے گی' ارمانوس مدد کرے گا اور اس کے یہاں جس قدر مسلمان قید ہیں' سب کو رہا کر دے گا۔

صلح کے بعد الپ ارسلان نے ارمانوس کو شاہی خیمہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا' دس ہزار اشرفیاں زاد راہ کے لیے دیں اور اس کی مشایعت کے لیے بطریقوں کی ایک جماعت کو جو جنگ میں قید ہوئے تھے رہا کر کے سب کو خلعتیں دیں' ارمانوس اس شریفانہ سلوک سے اتنا متاثر ہوا کہ دوبارہ الپ ارسلان کے پاس جا کر اظہار اطاعت کیا اور دونوں میں دس سال کے لیے تحریری معاہدہ ہو گیا سلطان نے خالص اپنی فوج حفاظت کے لیے ساتھ کی اور ایک فرسخ تک خود رخصت کرنے کے لیے گیا۔

اس دوران میں قسطنطنیہ میں انقلاب بپا ہو گیا' ارمانوس کی گرفتاری کے بعد میخائل نے قسطنطنیہ کے تخت پر قبضہ کر لیا' راستہ میں ارمانوس کو اس کی اطلاع ملی وہ اپنی شکست سے بہت متاثر تھا' اس خبر نے اس کا دل توڑ دیا اور اس نے راہبانہ زندگی اختیار کر لی اور میخائل کے پاس کہلا بھیجا کہ میں نے رومی حکومت کی جانب سے الپ ارسلان سے جو معاہدہ کیا تھا' اس کے رد و قبول کا تم کو اختیار ہے' میخائل نے زر فدیہ کی ادائیگی کے علاوہ

معاہدہ کے اور تمام شرائط قبول کر لیے، ارمانوس کو سب سے زیادہ اسی شرط کے ایفاء کا خیال تھا، اس نے اپنا کل اندوختہ جو اس کے پاس بچ رہا تھا، اور جس کی تعداد دو لاکھ تھی اور نوے لاکھ کے قیمتی جواہرات اس معذرت کے ساتھ الپ ارسلان کے پاس بھجوائے کہ تاج و تخت سے محرومی کے بعد اس سے زیادہ رقم کی ادائگی میرے امکان سے باہر ہے، الپ ارسلان نے اس کو قبول کیا۔ (یہ حالات زیادہ تر ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۲، ۲۳ اور دولت آل سلجوق ص ۳۷ تا ۳۹ سے ماخوذ ہیں)

**حرمین میں عباسی خطبہ کا اجرا** مصر کے فاطمی خلفاء عباسیوں کے حریف مقابل تھے، دیالمہ نے ہم مذہبی کی بنا پر ان سے کبھی کوئی تعرض نہیں کیا تھا، ان کے لیے ان کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا اور حرمین تک میں ان کا خطبہ جاری ہو گیا تھا، سلجوقی سنی تھے، جب انہوں نے دیالمہ کی جگہ لی تو فاطمیوں کی قوت توڑنے کی کوشش کی، چنانچہ طغرل بک نے مصر پر حملہ کا ارادہ کیا تھا، لیکن اس کا موقع نہ مل سکا، الپ ارسلان کے زمانہ میں اس کے قدرتی اسباب پیدا ہو گئے۔

اتفاق سے سلجوقیوں کے زمانہ میں فاطمیوں کا نظام بگڑ چکا تھا اور مصر میں سخت ابتری پھیل گئی تھی، مقریزی کا بیان ہے کہ عوام کے ساتھ مستنصر فاطمی کے اختلاط اور اسکی سفلہ پروری سے معاملات و مقدمات کی تعداد اتنی بڑھ گئی تھی کہ ایک ایک دن میں آٹھ سو استغاثوں کی نوبت آ جاتی تھی، اسلئے قدرتاً وزراء اور قضاۃ کے مصارف بہت بڑھ گئے تھے، عبیدالدولہ اور وزراء میں اختلاف کی وجہ سے وزراء کی قوت کمزور پڑ گئی تھی اور حکومت کا نظام بگڑ گیا تھا، صوبوں پر خود سر امراء کے قبضہ کی وجہ سے حکومت کے محاصل گھٹ گئے، امراء کی خود سری کے ساتھ حکومت کا مالی نظام ابتر ہو گیا تھا۔ (مقریزی ج ۲ ص ۱۷۲)

اس کے مقابلہ میں سلجوقیوں کی طاقت روز افزوں ترقی پذیر تھی، ان کے تسنن کی مدد سے ملک کا عام رجحان بھی ان کی طرف تھا، اس لیے خود بخود لوگ ان کی طرف مائل ہونے لگے، چنانچہ ۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم امیر مکہ نے فاطمیہ سے تعلق منقطع کر کے الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر لی اور مکہ میں اس کے نام کا خطبہ جاری کر دیا، الپ ارسلان نے اس کے صلہ میں خلعت اور بیس ہزار نقد نذرانہ بھیجا اور دس ہزار سالانہ

وظیفہ مقرر کیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۱)

**والی حلب کی اطاعت** اسی زمانہ میں ناصر الدولہ حمدانی نے جو مستنصر علوی کے امراء میں تھا' اور اس کے خلاف ہو گیا تھا' ابو جعفر محمد بن احمد بخاری ذریعہ الپ ارسلان کو مصر پر حملہ کی دعوت دی' اس دعوت پر وہ شام کی طرف بڑھا' راستہ میں محمود بن صالح والی حلب نے جو فاطمی حکومت کے ماتحت تھا' الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر کے حلب میں اس کا خطبہ جاری کیا' قائم نے اس کے صلہ میں محمود کے لیے خلعت بھجوائی' لیکن محمود شیعوں کی اذان چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس لیے الپ ارسلان نے حلب کا محاصرہ کر لیا' چند دنوں کے بعد محمود کی سختی سے گھبرا کر اپنی ضعیفہ ماں کو لے کر الپ ارسلان کی خدمت میں حاضر ہو گیا' اس نے اس ضعیفہ کی سفارش پر محمود کی حکومت بحال رکھی اور خلعت بھی عطا کیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۲)

**فلسطین پر قبضہ** حلب کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ خراسان پر رومیوں کی فوج کشی کی خبر ملی' اس لیے شام کی مہم ترکوں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر خراسان چلا گیا' اس کی واپسی کے بعد اتسنر ترکی نے ۴۶۳ھ میں عسقلان کے علاوہ پورے فلسطین پر قبضہ کر لیا اور دمشق پر حملہ آور ہوا' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی' اس لیے لوٹ گیا۔

**ملک شاہ کی ولی عہدی** ۴۶۴ھ میں الپ ارسلان نے قائم کی اجازت سے اپنے لڑکے ملک شاہ کو باقاعدہ ولی عہد بنایا' قائم نے اس کے لیے خلعت اور الپ ارسلان کی لڑکی سفری خاتون کے ساتھ اپنے ولی عہد مقتدی کے عقد کا پیغام بھیجا' الپ ارسلان نے بڑی مسرت سے اس اعزاز کو قبول کیا اور عمید الملک اور نظام الملک کی وکالت میں نیشاپور میں غائبانہ عقد ہوا' عقد کے بعد عمید الملک نے اصفہان جا کر ملک شاہ کو قائم کا عطا کردہ خلعت پہنایا۔

**ترکستان پر فوج کشی اور الپ ارسلان کی وفات** مغرب کے بعد الپ ارسلان نے مشرق کی جانب توجہ کی اور ۴۶۵ھ میں ماوراء النہر کے علاقہ پر فوج کشی کی' جیحون کے پار چند سلجوقی سپاہی ایک قلعدار یوسف خوارزمی کو پکڑ کر الپ ارسلان کے پاس لائے اس نے اس سے کچھ باتیں دریافت کیں' یوسف نے گستاخانہ جواب دیا' الپ ارسلان نے

اسے سزا دینے کا حکم دیا' یوسف بگڑ کر الپ ارسلان پر حملہ کے قصد سے بڑھا' خدام نے روکنا چاہا' لیکن سلطان نے اس کو منع کر دیا' اور یوسف پر خود تیر چلایا' اتفاق سے نشانہ خطا کر گیا اور یوسف نے الپ ارسلان کو زخمی کر دیا' وہ خود تو مارا گیا' لیکن زخم کاری تھا وہ اس سے جانبر نہ ہو سکا اور اس کے صدمہ سے ربیع الاول ۴۶۵ھ میں انتقال کر گیا' لاش مرو لے جا کر باپ کے پہلو میں دفن کی گئی' انتقال کے وقت کل چالیس سال کی عمر تھی۔ مدت حکومت نو سال چھ مہینے۔ (راحۃ الصدور ص ۱۲۰ اور تاریخ گزیدہ ص ۴۴۱' عربی مورخین کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے)

**اوصاف و کمالات** الپ ارسلان اوصاف جہانبانی میں طغرل کا صحیح جانشین اور بعض دوسرے اوصاف و خصوصیات میں اس سے بڑھا ہوا تھا' اس نے سیاسی اور تمدنی دونوں حیثیتوں سے سلجوقی حکومت کو بڑی ترقی دی' اس کا رقبہ اتنا وسیع کر دیا کہ اس کا ایک سرا ترکستان سے ملتا تھا اور دوسرا شام سے' ابن خلکان کا بیان ہے کہ قتلمش کے مقابلہ میں کامیابی کے بعد الپ ارسلان ملکوں پر چھا گیا' اس کی سلطنتوں کے حدود بہت بڑھ گئے' اس کی سطوت و ہیبت دلوں پر بیٹھ گئی' اس کی فتوحات کا دائرہ اور سلطنت کا رقبہ طغرل کی سلطنت سے زیادہ بڑھ گیا مغرب میں وہ شام تک پہنچ گیا' اور حلب میں محمود بن صالح کو مطیع بنایا' اسلام کی تاریخ میں وہ پہلا ترک فرمانروا ہے جس نے فرات کو عبور کر کے سر زمین شام میں قدم رکھا اور ترکستان میں جیحون پار تک پہنچ گیا۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۴۶)

ابن اثیر اس کے اوصاف کے ذکر میں لکھتا ہے' الپ ارسلان فیاض' عادل' عاقل و فرزانہ تھا اس کی حکومت کے حدود بہت وسیع ہو گئے تھے' ایک عالم اس کے سامنے جھک گیا تھا اور اس کو سلطان العالم بالکل بجا کہا جاتا ہے۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۶)

سلطنت کی توسیع کے ساتھ ساتھ اس نے اس کو انتظامی اور تمدنی حیثیت سے بھی ترقی دی۔ ملک کے امن و امان کا یہ حال تھا کہ اس کے حدود حکومت میں جرائم مفقود ہو گئے تھے' رعایا کا مال اتنا محفوظ تھا کہ حکومت کے اصل محاصل کے سوا ناجائز آمدنی کا ایک حبہ نہ لیا جاتا تھا' بڑے سے بڑا عہدہ دار ادنیٰ شخص کے مال کی جانب نگاہ اٹھانے کی جرات نہ کر سکتا تھا' ایک مرتبہ الپ ارسلان کو اطلاع ملی کہ اس کے ایک غلام نے ایک دیہاتی کا تہہ بند چھین لیا ہے' اس جرم میں اس نے اس غلام کو سولی پر چڑھا دیا' گو جرم کے مقابلہ

میں یہ سزا نہایت سنگین ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ تھا' کہ کسی شخص کو دوسرے کے مال پر دست درازی کی جرات نہ ہوتی تھی' ایک مرتبہ ایک شخص نے الپ ارسلان کو لکھا کہ نظام الملک ناجائز روپیہ حاصل کر کے جمع کرتا ہے نظام الملک کو اس کے مزاج میں جو رسوخ حاصل تھا وہ محتاج بیان نہیں' اس کے باوجود الپ ارسلان نے یہ تحریر اس کے حوالہ کر کے کہا اگر یہ تحریر صحیح ہے تو تم کو اپنی اصلاح اور اپنے اخلاق درست کرنے چاہئیں اور اگر غلط ہے تو لکھنے والے کو معاف کر دو۔ (ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۳۶)

وہ طبعاً" نہایت رقیق القلب اور غریب پرور تھا' **کان رحیم القلب رقیقا بالغرباء** غرباء پر بکثرت خیرات کرتا تھا' رمضان میں پندرہ ہزار اشرفیاں تقسیم کرتا تھا' سارے ملک کے فقراء و مساکین کے نام درج رجسٹر تھے اور حکومت ان سب کی کفالت کرتی تھی۔ (ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۳۶) خاص پایہ تخت کے محتاجوں کے لیے مطبخ شاہی میں روزانہ پچاس بکرے ذبح ہوتے تھے۔ (دولت آل سلجوق ص ۴۵)

علم و فن کا قدر دان اور سرپرست تھا' بغداد میں بصرف کثیر ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا یہ مدرسہ مشہور مدرسہ نظامیہ کے علاوہ تھا۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۴۶)

الپ ارسلان کے اوصاف و محاسن بے شمار ہیں' جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

**ملک شاہ** الپ ارسلان اپنی زندگی ہی میں ملک شاہ کو ولی عہد بنا گیا تھا' چنانچہ اس کی وفات کے بعد ربیع الاول ۴۶۵ھ میں وہ مکمل تخت نشین ہوا' قائم نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور بغداد اور سلجوقی حکومت کے تمام مقبوضات اور اس کے ماتحت ملکوں میں ملک شاہ کا خطبہ جاری ہو گیا تخت نشینی کے بعد اس نظام الملک کو اتابک اور عمادالدولہ کا لقب عطا کیا' سلطنت کا مختار کل بنا دیا' اس نے بھی وفاداری کا پورا حق ادا کر دیا اور ملک شاہ کی ہر مشکل اور دشواری میں سینہ سپر رہا' ملک شاہ کی کامیابیاں بیشتر نظام الملک ہی کے حسن تدبیر کا نتیجہ تھیں۔

**قاروت بک کی مخالفت اور اس کا قتل** الپ ارسلان اپنی وفات کے وقت اپنے لڑکے ایاز ارسلان کے لیے پانچ لاکھ نقد اور اپنے بھائی قاروت بک والی کرمان کے لیے فارس اور کرمان کی حکومت کی وصیت کر گیا تھا' ملک شاہ نے اپنے بھائی کی وصیت کی تعمیل فوراً کر دی' چچا کے متعلق بھی وصیت پوری کرنے کا ارادہ رکھتا تھا' لیکن وہ الپ

ارسلان کی وفات کے بعد ملک شاہ کے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا' ملک شاہ نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا اور کرمان و فارس اس کے لڑکے کو دے کر باپ کی وصیت پوری کر دی۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۶) ۴۶۶ھ میں ملک شاہ کی درخواست پر قائم نے اس کو حکومت کا فرمان اور لواء و خلعت عطا کیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۷) الپ ارسلان کی وفات کے بعد خاقان تگین والی سمرقند نے ترمذ پر قبضہ کر لیا تھا' ۴۶۶ھ میں شاہ نے ترمذ پر فوج کشی کر کے اس کو خاقان تگین کے بھائی کے ہاتھوں سے چھڑایا اور اس کو خلعت عطا کی اور سمرقند پر فوج کشی کر کے خاقان تگین کو مطیع بنا دیا۔

**ولایت عہد** قائم کے صرف ایک لڑکا محمد تھا' جو اس کی زندگی ہی میں مر گیا تھا' اس کی موت کے چھ مہینے کے بعد اس کی لونڈی ارجون کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا' یہ نومولود قائم کی زندگی کا واحد سہارا تھا' اس لیے اس کی ولادت پر اس کو بڑی مسرت ہوئی اور بڑے ناز و نعم سے اس کی پرورش کی اور اپنی زندگی میں اس کو ولی عہد بنا کر مقتدی بامر اللہ کا لقب عطا کیا۔

**قائم کی وفات** شعبان ۴۶۷ھ میں قائم نے ۷۶ سال کی عمر میں انتقال کیا اس کی مدت حکومت ۴۴ سال آٹھ مہینے تھی۔

**اوصاف** قائم اوصاف جہانبانی میں اپنے باپ کا صحیح جانشین تھا اس نے بھی خلافت کے وقار کو قائم رکھنے کی کوشش کی' ابن طقطقی کا بیان ہے کہ وہ فاضل اور صالح خلیفہ تھا اس نے عباسی خلافت کے وقار و قوت میں اضافہ کیا۔ (الفخری ص ۲۶۰) سلجوقیوں کے ذریعہ خلافت دیالمہ کے پنجہ استبداد سے چھڑایا' گو اس کے بعد سلجوقی اس پر حاوی ہو گئے' لیکن سنی تھے اس لیے انہوں نے اس کے ظاہری احترام کو قائم رکھا۔

ذاتی حیثیت سے وہ بڑا دیندار' متقی اور زاہد تھا' حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ شب بیدار تھا رات بھر سجادہ عبادت پر بسر کرتا تھا اور اکثر روزہ رکھتا تھا۔ (دول الاسلام ج ۱ ص ۳۱۲)

علمی حیثیت سے بھی ممتاز تھا' ادب اور خطاطی سے خاص دلچسپی تھی اور ان کا بڑا اچھا مذاق رکھتا تھا' اسے دفتری تحریریں پسند نہ آتی تھیں' ان میں اصلاح دیا کرتا تھا' قیام عدل میں خاص اہتمام رکھتا تھا' اہل حاجت کی برآری میں بڑا مستعد تھا کوئی حاجت مند اس کے

دربار سے مایوس واپس نہ ہوتا تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۷) اس کی فیاضی کے بہت سے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

# ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن قائم الملقب بہ مقتدی بامر اللہ

## ۴۶۷ھ تا ۴۸۷ھ مطابق ۱۰۷۵ء تا ۱۰۹۴ء

قائم کے بعد شعبان ۴۶۷ھ میں اس کا پوتا عبداللہ بن محمد الملقب بہ مقتدی بامر اللہ' جسے وہ اپنی زندگی میں ولی عہد بنا گیا تھا' تخت نشین ہوا' اس وقت اس کا بیسواں سال تھا۔

مقتدی کے زمانہ میں سلجوقیوں کو تاج و تخت حاصل کیے ہوئے تین پشتیں ہو چکی تھیں اس لیے ان میں خلافت بغداد کے ساتھ عقیدت اور اس کی خدمت گزاری کا جذبہ ختم ہو گیا' اور ملک شاہ نے مقتدی کو اپنا محکوم و تابع فرمان بنانے کی کوشش کی لیکن مقتدی حوصلہ و ہمت کا خلیفہ تھا' اس نے اس کے استبداد کو قبول نہ کیا اور بڑی حد تک خلافت کے وقار کو قائم رکھنے کی کوشش کی گو وہ پوری طرح اس میں کامیاب نہ ہو سکا' تاہم بڑی حد تک اپنا وقار قائم رکھا۔

**اشاعرہ اور حنابلہ کی جنگ** ۴۶۸ھ میں ذات باری کی تنزیہ تجسیم کے مسئلہ میں بغداد کے حنابلہ اور اشاعرہ کے درمیان سخت فساد ہو گیا' اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ امام ابو نصر شافعی نے مدرسہ نظامیہ میں وعظ کہا اور اشاعرہ کی حمایت میں حنابلہ کے عقائد پر کچھ طعن و طنز کیا۔ (ذات باری تعالیٰ کی تنزیہ اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبوی میں باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی تعبیر کے سلسلہ میں اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ جن اعضاء کا ذکر آیا ہے حنابلہ بغیر کسی تاویل کے اس کو مانتے ہیں جس سے تجسم کا شائبہ پیدا ہوتا ہے) اس پر وہ بگڑ گئے' اور مدرسہ نظامیہ کے بازار پر حملہ کر کے اپنے بعض مخالفین کو قتل کر دیا۔ (تاریخ آل سلجوق ص ۵۰) اس پر دونوں میں فساد ہو گیا اور فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۳۰۰) اس وقت تو یہ ہنگامہ فرو ہو گیا۔ لیکن اس کے دو سال بعد پھر تصادم ہوا' نظام الملک نے اس ہنگامہ کا بانی مقتدی کے وزیر فخر الدولہ کو قرار دیا اور مقتدی سے اسکی معزولی کا مطالبہ کیا' (ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۳۸) اسکو اسکے ماننے میں تامل ہوا لیکن فخر الدولہ حالات کی

نزاکت کا اندازہ کر کے خود مستعفی ہو گیا' اور اسکے لڑکے عمیدالملک نے نظام الملک کو رضا مند کر کے باپ کی جگہ حاصل کر لی۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۸ و تاریخ آل سلجوق ص ۵۰)

ابو نصر بڑے جلیل القدر عالم تھے ان سے نظام الملک نے کوئی تعرض نہیں کیا اور انہیں عزت و احترام کے ساتھ نیشاپور بھیج دیا' جہاں آخر وقت تک وہ درس و افتاء میں مشغول رہے' (ابن خلکان ج ۲ ص ۳۰۰) مقتدی کے زمانہ میں بھی اس کے اور ملک شاہ کے اختلافی معاملات کے سوا خلافت بغداد کے اور کوئی قابل ذکر واقعات نہیں ہیں' اس کی تفصیل آخر میں آئے گی البتہ خود ملک شاہ نے بڑے کارنامے انجام دیئے اور سلجوقی حکومت کا رقبہ شام سے لے کر چین کی سرحد تک وسیع کر دیا اس کا اجمالی حال یہ ہے۔

**دمشق پر سلجوقیوں کا قبضہ** اوپر الپ ارسلان کے دور میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے ترکی افسر اتسنر نے فلسطین پر قبضہ کر لیا تھا' دمشق کے لینے کی بھی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوا تھا' ۴۶۸ھ میں دمشق میں سخت قحط پڑا ہزاروں آدمی لقمہ اجل ہو گئے' اس کے علاوہ یہاں کی پولیس اور مصمودی قبائل میں جنگ ہو گئی اس نے دمشق کی حالت اور زیادہ ابتر کر دی' امیر اتسنر نے موقع پا کر حملہ کر دیا' اہل دمشق میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی انہوں نے شہر حوالہ کر دیا اور ذیقعد ۴۶۸ھ میں دمشق فاطمیوں کی قیادت سے نکل کر سلجوقیوں کے قبضہ میں آ گیا اور یہاں مقتدی کا خطبہ جاری ہو گیا۔ (تاریخ ذیل دمشق ابن القلانسی ص ۱۰۸'۱۰۹) اور اتسنر نے شام میں شیعی اذان ختم کر کے سنی اذان جاری کر دی' سلجوقیوں کا اصل مقصد فاطمی حکومت کا استیصال تھا' اتفاق سے اسی زمانہ میں فاطمیوں کا ایک ممتاز فوجی افسر ابن الیلد کوز اس کے خلاف ہو گیا اور شام جا کر اتسنر کی خدمت میں ہدایا پیش کر کے اس کو مصر پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کر لیا' دولت فاطمیہ کا مختار کل بدر اجمالی تیس ہزار فوج کے ساتھ اس کے مقابلے میں آیا' اتسنر کے پاس کل پانچ ہزار سپاہ تھی' اپنے بھائی مامون کے اصرار سے اس نے اتنی ہی فوج سے مقابلہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتسنر نے شکست کھائی اور مامون جنگ میں مارا گیا۔ (تاریخ مصر ابن میسر ص ۲۵)

دوسری طرف اتسنر کی عدم موجودگی میں شام میں بغاوت ہو گئی' صرف دمشق کے باشندے اس سے الگ رہے' بیت المقدس میں بغاوت زیادہ سخت تھی اس لیے اتسنر واپسی کے بعد دمشق ہوتا ہوا اقدس گیا اور یہاں کے باشندوں کو بے دریغ قتل کیا' صرف

ان لوگوں کو چھوڑا جنہوں نے عکہ میں پناہ لی تھی۔

**شام میں سلجوقی حکومت کا قیام** بدرالجمالی کو اس بغاوت کا حال معلوم ہوا تو اس نے نصرالدولہ کو فوجیں دے کر شام روانہ کیا' اس نے دمشق میں اتسنر کا محاصرہ کر لیا۔ اسی دوران میں ملک شاہ کا بھائی تتش ارسلان جس کو ملک شاہ نے شاہی مقبوضات کا حاکم بنا کر بھیجا تھا پہنچ گیا' نصرالدولہ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی اس لیے محاصرہ اٹھا کر چلا گیا اور اتسنر نے دمشق تتش ارسلان کے حوالہ کر دیا' اتسنر کا رویہ سلجوقی حکومت کے ساتھ مشتبہ تھا' اس لیے تتش نے اس کو قتل کرا دیا اور چند دنوں میں فلسطین وغیرہ پر قبضہ کر کے شام میں مستقل حکومت قائم کر لی جو دولت بوریہ شام کے نام سے موسوم تھی۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۸)

ملک شاہ کے زمانہ میں شام اور اس کے آس پاس حلب' دیار بکر اور موصل میں عرب حکومتیں قائم تھیں اور علی الترتیب سابق بن محمود' منصور بن نصر مروانی اور شرف الدولہ ابن مسلم ان کے حکمران تھے' یہ تینوں سلجوقیوں کی جانب سے مطمئن نہ تھے' اور بعضوں سے ان کا تصادم بھی ہو چکا تھا اس لیے ملک شاہ کے مقابلہ کے لیے تینوں متحد ہو گئے۔

حلب شام ہی کا حصہ تھا' اور الپ ارسلان کے زمانہ میں یہاں کا فرمانروا محمود بن صالح مرداسی الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر چکا تھا' لیکن اس کا لڑکا سابق پھر فاطمیہ سے مل گیا تھا' تتش ارسلان برابر حلب پر قبضہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا' لیکن شرف الدولہ والی موصل کی مزاحمت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا' مگر خود سابق میں کوئی صلاحیت نہ تھی اس لیے حلب کے ایک امیر ابن الحیتی نے حلب کی حکومت حاصل کر لی اور چند دنوں کے بعد ۴۷۳ھ میں شرف الدولہ کے حوالہ کر دی' سابق نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی اور حلب کی مرداسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا' حلب پر قبضہ کے بعد شرف الدولہ کو پورے شام کی طمع دامن گیر ہوئی' اس نے حکومت مصر کی مدد کے اعتماد پر دمشق پر حملہ کر دیا۔ لیکن وہاں سے کوئی مدد نہ ملی اور شرف الدولہ شکست کھا کر موصل لوٹ گیا۔

۴۷۶ھ میں ملک شاہ نے فخرالدولہ کو دیار بکر کی مہم پر مامور کیا' اس کے فرمانروا منصور ابن نصر اور شرف الدولہ نے مل کر اس کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی' ملک شاہ نے اہل

موصل کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر وہ اس کی اطاعت قبول کرلیں تو فبہا ورنہ بزور شمشیر موصل پر قبضہ کیا جائے گا شرف الدولہ کے بعد خود ان میں مقابلہ کی قوت نہ تھی اس لیے انہوں نے شہر حوالہ کر دیا اس کے بعد خود ملک شاہ نے موصل پر شرف الدولہ کو جو رحبہ میں مقیم تھا' اطمینان دلا کر بھیجا اور اس سے اپنی اطاعت قبول کرا کے موصل کی حکومت پر بحال کر دیا' اس طرح یہ حکومت سلجوقیوں کے زیر اثر آگئی' ۴۷۸ھ میں سلیمان بن قتلمش سلجوقی والی قونیہ نے ایک اختلاف کی بنا پر شرف الدولہ پر فوج کشی کر کے اس کو قتل کر دیا' اس کے بعد اس کا بھائی ابراہیم اس کا جانشین ہوا۔

حلب پر شرف الدولہ کی جانب سے ابن الحتیتی حکمران تھا' شرف الدولہ کو قتل کرنے کے بعد سلیمان نے اس پر فوج کشی کر دی' ابن الحتیتی نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ حلب کی حکومت کا فیصلہ ملک شاہ پر منحصر کر دیا جائے اور دوسری طرف خفیہ تتش ارسلان سلجوقی فرمان روائے شام کو حلب حوالہ کرنے کے لیے بھیجا' اس دعوت پر اس نے ۴۷۹ھ میں حلب پر فوج کشی کی' سلیمان کو اس کی خبر ہو گئی اس نے آگے بڑھ کر روکنے کی کوشش کی لیکن شکست کھا کر خودکشی کر لی اور تتش ارسلان نے ابن الحتیتی سے حلب حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا' اس نے اسے بھی ملک شام سے استصواب کے بہانہ سے ٹالنا چاہا لیکن تتش نے حلب پر بزور قبضہ کر لیا' ابن الحتیتی کا بھائی قلعہ بند ہو گیا اور تتش کو اس کا محاصرہ کرنا پڑا' اسی دوران میں ملک شاہ جسے ابن الحتیتی نے بلا بھیجا تھا' جمادی الثانی ۴۷۹ھ میں حلب پہنچ گیا' اسے دیکھ کر تتش محاصرہ اٹھا کر دمشق لوٹ گیا اور ابن الحتیتی نے حلب' ملک شاہ کے حوالہ کر دیا' اس سفر میں اس نے خراسان اور رہا وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا اور نصر بن علی والی شیراز کو مطیع بنایا اور قسم الدولہ کو حلب میں چھوڑ کر اصفہان واپس گیا۔ (یہ حالات تاریخ مصر ابن میسر و تاریخ ذیل دمشق ابن القلانسی اور ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہیں)

**ترکستان پر قبضہ** مشرق میں اس کی فتوحات کا دائرہ چین تک پہنچ گیا تھا' یاد ہو گا کہ الپ ارسلان نے ترکستان پر فوج کشی کی تھی اور اسی سفر میں ایک قلعدار کے ہاتھوں زخمی ہو کر انتقال کر گیا تھا' ترکستان پر ملک شاہ کے قبضہ کے قدرتی اسباب پیدا ہو گئے' اس لیے اس کے زمانہ میں احمد خان بن خضر خان ترکستان کے تخت پر بیٹھا' یہ بڑا ظالم و جابر تھا' اس کی رعایا نے اس کے مظالم سے نجات حاصل کرنے کے لیے ملک شاہ کو حملے کی دعوت دی

اس دعوت پر اس نے ۴۸۲ھ میں فوج کشی کر کے بخارا و سمرقند کو فتح کر لیا' احمد خان کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ ملک شاہ نے چند دنوں عزت و احترام کے ساتھ اپنا مہمان رکھ کر اصفہان بھجوا دیا' عمادالدین اصفہانی کا بیان ہے کہ اس کو رہا کر کے اس کا ملک اس کو واپس کر دیا۔

ترکستان پر قبضہ کے بعد چین کا رخ کیا اور یوزکند جا کر خاقان چین کو اطاعت کا پیغام بھیجا اور سکہ و خطبہ میں اپنا نام داخل کرنے کا مطالبہ کیا' خاقان میں اس کے رد کرنے کی جرات نہ تھی' اس نے خود حاضر ہو کر اظہار اطاعت کیا اور بہت سے ہدایا و تحائف پیش کیے۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۵۸ و دولت آل سلجوق ص ۵۳)

اس سلسلے میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ترکستان پر فوج کشی کی تیاری کے زمانہ میں روم کے سفراء خراج لے کر ملک شاہ کے پاس خراسان آئے ہوئے تھے' ملک شاہ انہیں بھی اپنے ساتھ ترکستان لیتا گیا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ آنے والے مورخ لکھیں کہ روم کے شہنشاہ نے کاشغر کے پھاٹک پر مجھے خراج پہنچایا' چنانچہ آج نو صدیوں کے بعد ایک مورخ اس واقعہ کو قلم بند کر رہا ہے' ان فتوحات کے علاوہ ملک شاہ نے اور بھی بہت سی فتوحات حاصل کیں اور قرب و جوار کے تمام امراء اور فرمانرواؤں کو مطیع بنایا' جن کی تفصیل ہم قلم انداز کرتے ہیں' عمادالدین اصفہانی کا بیان ہے کہ فتح و ظفر اس کے ہمرکاب تھی' سلطان الغرب مسلم بن قریش نے اس کے گھوڑے کے سم کو بوسہ دیا' روم' غزنہ اور ماورالنہر کے فرمانروا اس کے ظل عافیت میں تھے' آس پاس کے تمام حکمران اس کا احترام کرتے تھے' اس کے عطا کردہ خلعت کو اپنے لیے فخر و اعزاز کا باعث سمجھتے تھے۔

(دولت آل سلجوق ص ۵۳)

**مقتدی اور ملک شاہ کے تعلقات** مقتدی کے زمانہ میں خلافت بغداد کے ساتھ سلجوقیوں کی خدمت گزاری کا دور ختم ہو گیا تھا اور دیالمہ کی طرح ان کی حیثیت بھی حاکمانہ ہو گئی تھی' خلافت کا سارا انتظام ملک شاہ کے ہاتھوں میں تھا' مقتدی کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا لیکن ملک شاہ اپنے پایہ تخت میں رہتا تھا اور اپنی گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے بذات خود اس کو خلافت بغداد کے نظام کی نگرانی کی فرصت نہ تھی' اس کی جانب سے اس کا ایک نائب بغداد میں رہتا تھا۔ جو عمیدالعراق کہلاتا تھا' وہی خلافت کے جملہ انتظام و

انصرام کا ذمہ دار ہوتا تھا۔

مقتدی کے زمانے میں ابوالفتح بن ابی اللیث لیثی اس عہدہ پر تھا' جو بڑا بد خلق تھا' اس لیے مقتدی کے تعلقات اس سے ہمیشہ کشیدہ رہے اس کا اثر ملک شاہ اور مقتدی کے تعلقات پر بھی پڑا اور دونوں میں ناخوشگواری پیدا ہو گئی' مقتدی نے تعلقات کو سلجھانے اور ان کو استوار کرنے کے لیے ۴۷۰ھ میں ملک شاہ کی لڑکی کے ساتھ اپنی شادی کا پیغام بھیجا' لڑکی کی ماں ترکان خاتون نے اس شرط پر کہ اس لڑکی کے علاوہ اور کسی حرم یا کنیز سے تعلقات نہیں رکھے گا' پچاس ہزار مہر معجل پر رشتہ منظور کیا اور ۴۷۴ھ میں دونوں کا عقد ہو گیا لیکن رخصتی چھ سال بعد ۴۸۰ھ میں عمل میں آئی۔

مگر اس رشتہ کے بعد بھی عمید العراق کی روش میں کوئی فرق نہ آیا اور مقتدی کی شکایتیں بدستور قائم رہیں' ۴۷۵ھ میں مقتدی نے شیخ ابو اسحاق شیرازی شافعی کو جو اس زمانہ کے بڑے جلیل القدر عالم اور شیخ وقت تھے' ملک شاہ اور نظام الملک کے پاس اپنی شکایتیں پیش کرنے بھیجا' شیخ اس پایہ کے بزرگ تھے کہ بغداد سے لے کر خراسان تک جن جن مقامات سے گزرے ان کی پابوسی کے لیے مخلوق ٹوٹ پڑتی تھی' بڑے بڑے علماء اور صوفیاء اپنی مسندوں اور حجروں کو چھوڑ کر زیارت کے لیے نکل آتے تھے' شیخ اسی شان سے بغداد سے خراسان پہنچے اور ملک شاہ اور نظام الملک سے مل کر ان کے سامنے عمید العراق کی شکایات بیان کیں' شیخ کی گفتگو کے بعد ان دونوں کے لیے کسی عذر کی گنجائش نہ تھی' چنانچہ ان کے تمام مطالبات منظور کیے اور مقتدی اور اس کے وابستگان دولت کے معاملات میں عمید العراق کا کوئی اختیار باقی نہ رہا اور ان کو اس کی زیادتیوں سے نجات مل گئی۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۳ و طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۹۱' ۹۲ میں اس کی پوری تفصیل ہے)

ملک شاہ کو مہمات میں مشغولیت کی بنا پر اب تک بارگاہ خلافت میں حاضری کا اتفاق نہ ہوا تھا' ۴۷۹ھ میں اس نے پہلی مرتبہ بغداد کا سفر کیا اور مقتدی کے حضور میں بیش قیمت ہدایا و تحائف پیش کیے۔ اس نے باریابی کے بعد شرف اور خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا' نظام الملک نے ملک شاہ کے ہمراہ سلجوقی امراء کو مقتدی کے حضور پیش کر کے ان کا تعارف کرایا' ان مراسم کے بعد مقتدی نے ملک شاہ کو ملک اور رعایا کی ذمہ داری کا ذمہ دار بنایا اور اسے عدل و انصاف کی نصیحت کی ملک شاہ نے اس کی شکر گزاری میں دست بوسی کی

درخواست کی، جو منظور نہ ہوئی اور ملک شاہ کو صرف خاتم خلافت کے بوسہ پر اکتفا کرنی پڑی، نظام الملک کو بھی خلعت عطا ہوا۔ (ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۷۵۳)

ملک شاہ کے قیام بغداد کے دوران ۴۸۰ھ میں اس کی لڑکی پہلی مرتبہ رخصت ہو کر بغداد آئی، اس کی بارات کا جلوس شکوہ و تجمل کا تھا کہ اہل بغداد نے اس سے پہلے کبھی ایسا منظر نہ دیکھا تھا، ۱۳۰۰ اونٹوں اور ۷۴ خچروں پر جہیز کا طلائی و نقرئی سامان بار تھا، اونٹوں اور خچروں کی جھولیں دیبائے رومی کی اور ان کی گھنٹیاں سونے اور چاندی کی تھیں، خاص چاندی کے بارہ صندوق جن میں دلہن کے زیورات، جواہرات اور ملبوسات تھے، خچروں کے آگے ۳۳ طلائی ساز کے اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے، ایک خاص سونے کا گہوارہ تھا، تمام سلجوقی امراء جلوس کے ہمرکاب تھے، سب کے علیحدہ علیحدہ شمع و مشعل بردار تھے، اسی شان کا جلوس امراء کی بیویوں کا تھا، سب سے آخر میں دلہن کی سواری تھی، اس کے منھ پر سونے اور جواہرات سے مرصع پردہ آویزاں تھا، اس کے گرد دو سو حسین کنیزوں کا گلرنگ دستہ تھا، یہ جلوس نہر معلی پر پہنچا تو یہاں کے باشندوں نے اشرفیاں اور کپڑے نچھاور کیے، مقتدی نے وزیر دولت ابو شجاع کو تین سو سواروں کے ساتھ دلہن کے استقبال کے لیے بھیجا اور اس کے لیے نادر الوجود تحفہ بھیجا، اس شان سے یہ جلوس قصر خلافت تک آیا، اس شب کو بغداد کے گلی کوچوں میں اتنی روشنی تھی کہ پورا شہر بقعہ نور بنا ہوا تھا۔

(ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۷۵۵)

مقتدی نے یہ رشتہ ملک شاہ سے تعلقات کی خوشگواری کے لیے قائم کیا تھا، لیکن اس کا نتیجہ الٹا نکلا اور یہ شادی وبال جان بن گئی، اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ ملک شاہ کی لڑکی کے ساتھ جو ترکی خدام آئے تھے ان میں سے ایک خادم نے ایک میوہ فروش سے میوہ خریدا اس کی قیمت ادا کرنے میں پس و پیش کیا، میوہ فروش نے اسے گالی دی، خادم نے اسے مارا، اس کی اس زیادتی پر عوام میوہ فروش کی حمایت پر آمادہ ہو گئے اور مقتدی سے اس کی شکایت کی اس نے تمام ترکی خدام کو ذلت کے ساتھ نکلوا دیا، اس کی نازک مزاج بیوی کو یہ بہت ناگوار ہوا۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ مقتدی کی ساس نے اس شرط پر شادی کی تھی کہ مقتدی اس کی لڑکی کے علاوہ کسی دوسری بیوی یا باندی سے تعلق نہ رکھے گا، مقتدی یہ شرط پوری نہ کر

سکا اس سے میاں بیوی کے تعلقات خراب ہو گئے' ملک شاہ کی لڑکی نے باپ کو شکایت لکھ دی کہ مقتدی اس کی جانب التفات نہیں کرتا' اس شکایت پر ملک شاہ برہم ہو گیا اور مقتدی کو لکھ کر فوراً لڑکی کو بغداد سے واپس بلا لیا' باپ کے گھر آنے کے بعد چند ہی دنوں بعد وہ مر گئی اور اپنی یادگار ایک لڑکا جعفر چھوڑ گئی' جو آگے چل کر باپ کے لیے مصیبت کا سامان بنا' اس کی تفصیل آئے گی۔

۸۴ھ میں ملک شاہ نے بغداد کا دوسرا سفر طے کیا' اس سفر میں اس نے بغداد میں "جامع سلطانی" کی تعمیر کا حکم دیا اور نظام الملک و تاج الدولہ' تتش ارسلان وغیرہ سلجوقی امراء نے بغداد میں اپنے اپنے مکانات بنوائے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سے کسی کو ان گھروں میں رہنے کا موقع نہ ملا اور چند دنوں میں سب یکے بعد دیگرے ختم ہو گئے۔

**نظام الملک کی معزولی** ۴۹۵ھ میں نظام الملک کی معزولی کا واقعہ پیش آیا' یہ افسوس ناک واقعہ بھی برآمکہ کے زوال کے اسباب کی طرح حکومت پر نظام الملک کے بیجا تسلط و استیلاء' اس کی خود رائی و خود سری اور اس کے لواحقین کی بے عنوانیوں کا نتیجہ تھا۔

ملک شاہ نے نظام الملک کو سلطنت کا مختار کل بنا دیا وہ خود تو زیادہ تر سیرو شکار میں مشغول رہتا تھا اور حکومت کا سارا نظام' نظام الملک کے ہاتھوں میں تھا' اس لیے نظام الملک اپنے تدبرو ہوش مندی اور حکومت کی خیر خواہی کے باوجود جادہ اعتدال پر قائم نہ رہ سکا اور اس میں استبداد اور جاہ پسندی پیدا ہو گئی' حکومت کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر اپنے اعزہ اور لواحقین کو بھر دیا۔ جو نظام الملک کے بل پر بڑی بے عنوانیاں کرتے' کسی کو ان کے مقابلہ میں بولنے کی مجال نہ تھی' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سلجوقی امراء جن کی حق تلفی ہوتی تھی یا نظام الملک کے جاہ و اقتدار کو پسند نہ کرتے تھے' اس کے خلاف ہو گئے' اور چونکہ تمام شعبوں میں نظام الملک کے لواحقین بھرے ہوئے تھے اس لیے ان کو گرفت کا موقع مل گیا اور انہوں نے اس کے خلاف ملک شاہ کے کان بھرنا شروع کر دیے۔ چنانچہ سب سے اول ۴۷۶ھ میں سید الروسا ابوالمحاسن بن کمال الملک نے جو ایک جلیل القدر سلجوقی امیر اور نظام الملک کا عزیز بھی تھا' ملک شاہ سے شکایت کی کہ نظام الملک اور اس کے لواحقین حکومت کی ساری آمدنی کھائے جاتے ہیں' صوبوں کو اپنی جاگیر بنا لیا ہے اور ان کو لوٹ لوٹ کر دولت سے اپنا گھر بھر لیا ہے' اگر نظام الملک کو میرے حوالہ کر دیا جائے تو

میں اس سے ایک لاکھ اشرفی وصول کر دوں' نظام الملک کو اس شکایت کی خبر ہو گئی' اس نے سلطان کی دعوت کی اور اپنے تمام خدم و حشم کو سلطان کے ملاحظہ میں پیش کر کے عرض کیا کہ غلام تین پشتوں سے اس دودمان عالی کی خدمت کرتا چلا آتا ہے اس لیے اس پر غلام کا حق ہے' مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور کو سلطنت کی آمدنی میں میرے تصرفات بیجا کی خبر پہنچائی گئی ہے' یہ خبر صحیح ہے لیکن یہ مال میری ذات پر نہیں بلکہ ان خدام اور غلاموں پر جو حضور کی خدمت کے لیے جمع کیے گئے ہیں اور انعام و اکرام اور صدقات و اوقاف میں خرچ ہوتا ہے' جس سے آپ کا نام بلند ہوتا ہے' دنیا آپ کی ممنون ہوتی ہے اور اس کا اجر بھی آپ ہی کو ملے گا' میری ساری املاک آپ کے لیے حاضر ہے۔ میرے واسطے روٹی کا ایک ٹکڑا اور ایک گوشہ عافیت کافی ہے' یہ نظام الملک کے اقبال کا زمانہ تھا' اس لیے اس کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی اور ملک شاہ نے اُلٹے امیر ابوالحاسن کو اس کے حوالے کر دیا اور اس کو آخر میں نظام الملک کے دامن میں پناہ لینی پڑی۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۴)

لیکن نظام الملک اور اس کے لواحقین کی روش میں کوئی فرق نہ آیا اس لیے آخر میں سلطان نے ان کے استبداد اور بے عنوانیوں سے تنگ آ کر نظام الملک کو ۴۸۵ھ میں عہدہ وزارت سے معزول کر دیا۔

معزولی کے اصل سبب یعنی نظام الملک کے استبداد اور اس کے اعزہ کی بے عنوانیوں پر تمام مورخین کا اتفاق ہے' لیکن آخری واقعہ کے بارے میں جس کے بعد معزولی عمل میں آئی' عربی اور فارسی مورخین کے بیانات مختلف ہیں۔

راوندی کے بیان کے مطابق یہ آخری سبب نظام الملک کے ساتھ ملک شاہ کی بیوی ترکان خاتون کی مخالفت تھی' اس کا سبب یہ تھا کہ نظام الملک ملک شاہ کے بڑے لڑکے برکیارق کو جو زبیدہ خاتون کے بطن سے تھا اور حکومت کا اہل بھی تھا' ولی عہد بنوانا چاہتا تھا' برکیارق کے اوصاف کی وجہ سے سلطان بھی اسے پسند کرتا تھا' لیکن ترکان خاتون اپنے صغیر السن لڑکے محمود کو ولی عہد بنانے کی فکر میں تھی اس لیے وہ نظام الملک کے خلاف ہو گئی اور ملک شاہ کو اس کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ نظام الملک کے لڑکے اور پوتے حکومت پر چھائے ہوئے تھے' اور ایران و توران کی حکومت اس کے بارہ لڑکوں نے آپس میں تقسیم کر لی تھی۔ (راحۃ الصدور ص ۱۳۳ و ۱۳۴ و تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۴۷) یہ چیز خود

سلطان کو بھی کھٹکتی تھی اس لیے ترکان خاتون کی مخالفت کارگر ہو گئی' راوندی اور احمد اللہ مستوفی دونوں کا بیان ہے کہ سلطان نے ترکان خاتون کی شکایت سے متاثر ہو کر نظام الملک کے پاس کہلا بھیجا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم حکومت میں میرے شریک و سہیم ہو میرے مشورہ کے بغیر جو چاہتے ہو کرتے ہو' ساری ولایت اور جاگیریں اپنے لڑکوں کو دے رکھی ہیں' اگر اس سے باز نہ آئے تو تمہارے سر سے دستار وزارت اتر جائے گی' نظام الملک نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ کا تاج میری دستار سے وابستہ ہے۔ (راحۃ الصدور ص ۱۳۴ و تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۴۷) اس جواب پر ترکان خاتون کو اور زیادہ بھڑکانے کا موقع مل گیا اور بالآخر سلطان نے نظام الملک کو وزارت سے معزول کر کے تاج الدین ابوالقاسم کو وزیر بنایا۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۴۸)

ابن اثیر نے معزولی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے' البتہ نظام الملک کے قتل کے سلسلے میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ اس نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الدین کو مرو کا والی بنایا تھا' اس میں اور یہاں کے کوتوال قودن میں کچھ اختلاف ہو گیا' عثمان نے ناتجربہ کاری سے اس کو گرفتار کر لیا' پھر چند دنوں کے بعد رہا کر دیا' قودن ملک شاہ کا خاص مقرب غلام تھا' اس نے ملک شاہ سے شکایت کی وہ نظام الملک کے استبداد اور استیلاء سے پہلے سے بھرا ہوا تھا اس لیے عثمان کی یہ نازیبا حرکت بہت ناگوار ہوئی اور نظام الملک کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر تم حکومت و سلطنت میں میرے شریک و سہیم بھی ہو تو بھی تم کو کسی نہ کسی اصول کا پابند ہونا پڑے گا' اور اگر میرے ماتحت ہو تو ماتحتی کی حدود کا لحاظ رکھنا چاہیے' تمہاری اولاد نے بڑی بڑی ولایتوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور سیاست ملکی کے حدود کو توڑ کر خودسری اور مطلق العنانی کرنا چاہتے ہیں' نظام الملک نے اس کے جواب میں کہلایا کہ اگر سلطان کو اب تک معلوم نہیں تھا' تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ اب میں بے شک حکومت میں اس کا شریک ہوں اس کو میری ہی تدبیروں سے تاج و تخت ملا ہے' کیا وہ بھول گیا ہے کہ اس کے والد کے بعد میں نے ہی مخالف قوتوں کو زیر کیا ہے اور ملک کو صاف کیا تھا' اس وقت اس نے میرے کسی کام کی مخالفت نہیں کی اور مجھ سے چمٹا رہا اب جب کہ جملہ امور مملکت اس کے قبضہ اقتدار میں آ گئے' اس کا کوئی مخالف باقی نہیں رہا' دور و قریب کے ملک زیر نگیں اور فرمانروا اس کے زیر فرمان ہو گئے' اس وقت وہ میرے گناہ گناتا ہے اور دوسروں سے میری

چغلی سنتا ہے، اس سے جا کر کہہ دو کہ اس کا تاج سلطنت میرے قلم دان وزارت سے وابستہ ہے، جب یہ الٹے گا تو تاج بھی باقی نہ رہے گا، اس بارہ میں اس کو سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے، نظام الملک غصہ میں یہ نازیبا کلمات کہہ تو گیا، لیکن بعد میں اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، چنانچہ شاہی سفیروں سے اس کی معذرت میں کہا کہ سلطان کی توبیخ سے مجھ کو تکلیف پہنچی تھی، اس کے اثر سے غم و غصہ کی حالت میں یہ باتیں زبان سے نکل گئیں، تم کو اختیار ہے، جیسا مناسب سمجھو جا کر سلطان سے کہہ دو، یہ سفراء نظام الملک کے احسان مند تھے اس لیے رفع شر کے خیال سے واپس جا کر ملک شاہ سے اصل جواب بیان کرنے کے بجائے نظام الملک کی جانب سے معذرت کر کے وفاداری اور اطاعت شعاری کا اظہار کیا، لیکن ایک سفیر بیرو نے اصل واقعہ بیان کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۰)

ابن اثیر نے اس سلسلہ میں معزولی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ اس کے چند دنوں کے بعد نظام الملک کے قتل کا واقعہ پیش آیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک کی معزولی کے اسباب کے سلسلہ میں یہ آخری واقعہ ہے، ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ یہ سب واقعات یکے بعد دیگرے پیش آتے رہے، جس کا نتیجہ معزولی کی شکل میں ظاہر ہوا، معزولی کے چند ہی مہینوں بعد رمضان ۴۸۵ھ میں ایک اسماعیلی باطنی کے ہاتھ سے نظام الملک کے قتل کا واقعہ پیش آیا، اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

**باطنی تحریک** باطنی تحریک کے ابتدائی حال اوپر گذر چکے ہیں، مقتدی کے زمانہ میں عجم میں اس تحریک نے اتنی قوت حاصل کر لی تھی کہ باطنی حکومت کے مقابلہ میں آ گئے۔

اسماعیل یا باطنی فرقہ شیعی فرقہ کی ایک شاخ اور امام جعفر صادق کے صاحبزادے امام اسماعیل کی طرف منسوب ہے، امام جعفر صادق تک اثنا عشری اور اسماعیلی دونوں متحد ہیں، ان کے بعد دونوں شاخیں الگ ہو جاتی ہیں، امام جعفر صادق کے دو صاحبزادے تھے بڑے اسماعیل اور چھوٹے موسیٰ کاظم، اسماعیل باپ کے جانشین تھے، لیکن ان کا انتقال جعفر صادق کی زندگی میں ہو گیا تھا، شیعوں کے نزدیک چونکہ امامت منجانب اللہ ہے، اس لیے اسماعیلی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی امام کی نامزدگی کے بعد پھر اس سے اخراج نہیں ہوتا، اس لیے وہ اسماعیل ہی کو امام مانتے ہیں، لیکن اثنا عشری کے نزدیک متوفی امام نہیں ہو سکتا اور وہ اس

کے قائل ہیں' اس لیے وہ جعفر صادق کے بعد موسیٰ کاظم کو مانتے ہیں' بعض اسماعیلی یہ بھی کہتے ہیں کہ امام اسماعیل نے وفات نہیں پائی' بلکہ روپوش ہو گئے' ان کے نزدیک ائمہ کی دو قسمیں ہیں' ظاہر اور مستور اور ان میں سے ہر ایک کا سات سات کا دور ہوتا ہے اس لحاظ سے اسماعیل ساتویں امام ہیں' علیؓ 'حسنؓ' حسینؓ' زین العابدینؒ' باقرؒ' صادق' اسماعیل' اس لیے ان پر ائمہ ظاہری کا دور ختم کر دیتے ہیں اور ان کے لڑکے محمد سے ائمہ مستور کا دور شروع ہوتا ہے یہ ائمہ گو خود مخفی رہتے ہیں لیکن ان کے دعاۃ اعلانیہ ان کی دعوت دیتے ہیں' عبیداللہ المہد مغربی بانی دولت فاطمیہ سے پھر ائمہ ظاہر کا دور شروع ہو جاتا ہے' اس فرقہ کے نزدیک ہر ظاہر کا ایک باطن ہے' اس لیے اس کو باطنی کہتے ہیں۔

(کتاب الملل والنحل شہرستانی ج ۲ ص ۲۷' ۲۹)

فاطمی خلفاء نہ صرف حکومت سلطنت بلکہ خاندان اور دعوائے خلافت میں بھی بنی عباس کے حریف مقابل تھے' لیکن دینی مرکزیت خلافت بغداد کو حاصل رہی اور دنیائے اسلام انہی کو خلیفہ مانتی تھی' ان کی اس مرکزیت کو توڑنے کے لیے فاطمیہ کی کوششیں عرصہ سے جاری تھیں لیکن ان کا اثر زیادہ تر مغرب کے علاقوں تک محدود رہا اور مشرقی ممالک میں عباسی ہی خلافت مانی جاتی تھی' اس لیے مستنصر علوی کے زمانہ میں باطنیوں نے مشرقی ملکوں میں فاطمی دعوت کا نظام قائم کیا لیکن سلجوقیوں کے ابتدائی دور تک خلافت بغداد کا نظام جاسوسی بہت مکمل تھا۔ اس لیے باطنی دعوت کو فروغ نہ ہو سکا۔ الپ ارسلان نے اپنے دور میں اس نظام کو توڑا' اس سے باطنیوں کو اپنی دعوت کی تبلیغ و اشاعت کا پورا موقع مل گیا' (دولت آل سلجوق ص ۶۲) اس دعوت کی تبلیغ و اشاعت کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے' مختصر واقعات یہ ہیں کہ مقتدی کے زمانہ میں عجم میں یہ دعوت کافی پھیل گئی اور باطنیوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ اصفہان کے ایک قلعہ پر قبضہ کر کے اپنا مستقل مرکز قائم کیا اور مسلمانوں پر دست درازی شروع کر دی۔

اتفاق سے مستنصر علوی کو حسن بن صباح جیسا عالی دماغ داعی مل گیا' جس نے سارے مشرق میں اس دعوت کو پھیلا دیا' یہ رے کا باشندہ تھا' امام موفق کے حلقہ درس میں تعلیم حاصل کی تھی' ہندسہ' حساب' نجوم وغیرہ علوم ریاضیہ میں مہارت رکھتا تھا' وہ ایک فاطمی داعی احمد بن عطاش کے اثر سے فاطمی تحریک میں شامل ہوا اور اس کے یہاں فاطمی دعاۃ کی

آمد و رفت شروع ہو گئی' نظام الملک کے خسر ابو مسلم نے جو رے کے رئیس تھے اس کی گرفت کی' حسن بن صباح اس کے خوف سے بھاگ گیا اور پھرتا پھراتا ہوا مصر پہنچا' مستنصر علوی نے اسے اپنے گون کا آدمی دیکھ کر اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور مشرق میں فاطمی دعوت کی تبلیغ پر مامور کر دیا۔ اس نے شام' جزیرہ' دیار بکر' خراسان' کاشغر اور ماوراء النہر کا دورہ کر کے پوری مستعدی سے اس فرض کو انجام دیا۔ قزوین کے قریب دیالمہ کا بنایا ہوا ایک سنگین قلعہ الموت حسن بن صباح کے مقصد کے لیے نہایت موزوں و مناسب تھا' یہ ایک علوی کی ملکیت میں، تھا' ابن صباح نے یہاں قیام کیا اور اپنے ظاہری زہد و ورع سے چند دنوں میں اس نواح میں کافی اثر پیدا کر لیا اور ایک جماعت اس کی دعوت میں شامل ہو گئی' الموت کا مالک علوی بھی اس کے ظاہری زہد سے متاثر ہوا' جب حسن بن صباح کی قوت مضبوط ہو گئی تو اس نے علوی کو نکال کر الموت پر قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۰) اس وقت تک حسن بن صباح کا کاروبار مخفی تھا' قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہ کھل کر میدان میں آ گیا اور دلیرانہ قتل و غارت گری شروع کر دی' اس کے داعیوں کے لیے کسی کی جان لے لینا اور اپنی جان دے دینا معمولی بات تھی' جس کو قتل کرنا مقصود ہوتا اس کو مار کر خود قتل ہو جاتے' بڑے بڑے لوگ دن دہاڑے قتل کیے جانے لگے اور ان کے ہاتھوں بادشاہ تک کی جان محفوظ نہ تھی۔ (تاریخ دولت آل سلجوق ص ۶۳)

**نظام الملک کا قتل** جب باطنیوں کے مظالم حد سے بڑھ گئے' تو ملک شاہ کو ان کی جانب توجہ کرنی پڑی' نظام الملک نے پہلے زبانی نامہ و پیام کے ذریعہ حسن بن صباح کو اس کی دست درازیوں سے روکنے کی کوشش کی لیکن جب وہ باز نہ آیا تو پھر الموت پر فوج کشی کر کے اس کا نہایت سخت محاصرہ کرایا' سلجوقی فوجوں کا مقابلہ اس کے بس سے باہر تھا جب اس نے دیکھا کہ اس کے لیے مفر کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو ایک فدائی کو بھیج کر نظام الملک کو قتل کرا دیا۔

اس حادثہ کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان ۴۸۵ھ میں سلطان نے بغداد کا سفر کیا' اس سفر میں نظام الملک بھی ہمرکاب تھے' نہاوند کے قریب منزل ہوئی' نظام الملک افطار کے بعد سواری پر اپنے حرم کے خیمہ میں جا رہا تھا کہ راستے میں ایک باطنی نوجوان فریادی کی صورت میں اس کے پاس آیا' نظام الملک نے اس کی درخواست سننے کے لیے قریب بلایا'

باطنی نے آگے بڑھ کر خنجر سے ایسا کاری وار کیا کہ ایک ہی وار میں نظام الملک کا کام تمام ہو گیا' اس کی فوج اور خدم و حشم ہمرکاب تھے' ان میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی' سلطان نے فوراً جا کر سکون پیدا کیا' قتل کے وقت نظام الملک کی عمر ۷۷ سال تھی' مدت وزارت تیس سال۔

اتنا مسلم ہے کہ یہ قتل ایک باطنی کے ہاتھوں ہوا' لیکن خود باطنیوں نے کیوں قتل کیا؟ اس بارہ میں بیانات مختلف ہیں' عام خیال یہ ہے کہ حسن بن صباح نے اپنی راہ میں نظام الملک کو حائل دیکھ کر قتل کرا دیا' راوندی کا بیان ہے کہ ایک سلجوقی امیر تاج الملک کی تحریک سے قتل ہوا' بعض روایتوں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ خود سلطان کا اشارہ شامل تھا۔ (راحۃ الصدور ص ۱۳۵) لیکن اس قیاس کے علاوہ اس روایت کی اور کوئی سند نہیں ہے کہ سلطان نظام الملک کے استبداد سے تنگ تھا لیکن معزولی کے بعد استبداد سے نجات مل گئی تھی' اس کے بعد قتل کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی در حقیقت اس شبہ کا سبب یہ ہے کہ معزولی اور قتل کے درمیان اتنا کم وقت تھا کہ بعض مورخین کو معزولی کا بھی پتہ نہ چل سکا' چنانچہ ابن اثیر نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور قتل کا واقعہ ایسا اہم تھا کہ ہر مورخ کی نگاہ میں آیا اور جن کو معزولی کا علم نہ تھا' انہوں نے اس کو ملک شاہ کے عتاب کا نتیجہ قرار دیا' دوسری روایت البتہ قرین قیاس ہے اس لیے تاج الملک ترکان خاتون کا وزیر اور ملک شاہی دور کا بڑا ممتاز امیر تھا' شاہزادوں کی وزارت خزانہ اور محلات سلطانی کی داروغگی' دلوان طغرا و انشاء کی افسری جیسے جلیل القدر عہدے اس کے متعلق تھے اور سلطان کے مزاج میں اس کو بڑا درخور حاصل تھا' (تاریخ دولت آل سلجوق ص ۵۸'۵۹)(راحۃ الصدور ص ۳۳ اور دولت آل سلجوق ص ۵۱)(طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۱۳۲ و ابن خلکان ج ۱ ص ۱۴۳) نظام الملک کی وزارت ہی کے زمانہ سے ترکان خاتون تاج الملک کو اس کا منصب دلوانے کی فکر میں تھی۔ (سلطان نے اگرچہ نظام الملک کو معزول کر دیا تھا' لیکن اس کا اعزاز و اکرام اور اس سے تعلقات قائم رکھے اس لیے وہ اس سفر میں سلطان کا ہم رکاب تھا) لیکن اس کے سامنے تاج الملک کا چراغ جلنا مشکل تھا' اس لیے وہ اسی زمانہ سے اس کے خلاف ہو گیا تھا اور امیر مجد الملک مستوفی اور امیر ابوالمعالی سدید الملک وغیرہ کو ساتھ ملا کر نظام الملک کے خلاف سازش کرتا تھا اور اس کو سلطان کی نگاہ سے گرانے کی کوشش میں تھا' ترکان خاتون کی

کوشش سے تاج الملک کی آرزو پوری ہوئی اور نظام الملک کی معزولی کے بعد سلطان نے اسے وزیر بنالیا' ممکن ہے تاج الملک اس کے بعد بھی نظام الملک کو اپنے لیے خطرہ سمجھتا رہا ہو اور اس کی جانب سے پورا اطمینان حاصل کرنے کے لیے اس کی زندگی ہی کا خاتمہ کرا دیا ہو۔

**نظام الملک کے مختصر حالات اور کارنامے** نظام الملک جس پایہ کا وزیر تھا' تاریخ اسلام میں برامکہ کے علاوہ اس کی دوسری مثال نہیں ملتی' اس کے اوصاف و کمالات' فضائل و مناقب اور کارنامے اتنے گوناگوں ہیں کہ ان کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب چاہیے' اس نے تیس سال تک اس شان و شکوہ کی وزارت کی اور ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے کہ اس کے سامنے برآمکہ کی داستانیں ماند پڑ گئیں' ملک شاہی دور کی ساری درخشانی جو سلجوقیوں کا دور زریں شمار کیا جاتا ہے' نظام الملک ہی کی ضوپاشیوں کا نتیجہ تھی'

نظام الملک کا پورا نام و لقب ابو علی حسن بن علی الملقب بہ اتابک نظام الملک رضی امیر المومنین ہے' اس کا باپ علی طوس کا معمولی زمیندار تھا' ۴۰۸ھ میں نظام الملک کی ولادت ہوئی وہ بچپن ہی سے نہایت ذکی ذہین تھا' سات برس کی عمر میں کلام مجید حفظ کیا اور نوعمری ہی میں فقہ' حدیث' ریاضی' جملہ مروجہ علوم میں کامل ہو گیا۔

(ابن خلکان ج ۱ ص ۱۴۳)

ابتداء میں مختلف چھوٹی چھوٹی خدمتیں انجام دیں' پھر ابو علی بن شاذان والی بلخ کے زمرہ ملازمت میں داخل ہو گیا' ابو علی کا طرز عمل پسندیدہ نہ تھا' اس لیے نظام الملک برداشتہ خاطر ہو کر الپ ارسلان کے والد جعفری بک داؤد کے پاس مرو چلا گیا' اس کو نظام الملک کی گفتگو اور اس کے اطوار بہت پسند آئے' اس کی سفارش سے الپ ارسلان نے اس کو اپنا کاتب بنایا۔ (طبقات الشافعیہ جلد ۳)

نظام الملک جوہر قابل تھا' ترقی کا میدان پا کر جوہر چمکنے لگے اور اپنی کارگزاری اور حسن خدمات سے الپ ارسلان کے دل میں اتنی وقعت اور اس کے مزاج میں اتنا رسوخ و اعتماد حاصل کر لیا کہ تخت نشینی کے بعد اس نے قلمدان وزارت اس کے سپرد کیا' اس وقت سے اس کے عروج کا آغاز ہوا۔ اور الپ ارسلان کی وفات تک برابر اس منصب پر رہا اور اپنے زمانہ وزارت میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے' جن کا مختصراً'' تذکرہ ابھی

آتا ہے۔

الپ ارسلان کی وفات کے بعد جب اس کے بھانجے قاروت بک نے ملک شاہ کی بادشاہت ماننے سے انکار کیا اور اس کے مقابلہ میں کھڑا ہوا' اس وقت نظام الملک ہی کی تدبیروں سے اس کو شکست ہوئی اور ملک شاہ کو تخت و تاج ملا' اس صلہ میں اس نے نظام الملک کو نہ صرف منصب وزارت عطا کیا بلکہ سلطنت کا مختار کل بنا دیا' اس کے زمانہ میں نظام الملک کا آفتاب اقبال نصف النہار پر پہنچ گیا اور اپنے درخشاں کارناموں سے ملک شاہی عہد کو سلجوقی حکومت کا دور زریں بنا دیا۔

خلافت بغداد سے اس کے تعلقات خوشگوار تھے اور وہ خلفاء کا دل سے احترام کرتا تھا' مقتدی بھی اس کی بڑی عزت کرتا تھا' مقتدی کی شادی کے جلوس میں تمام امرائے دولت کو جلوس کے ہمراہ پیادہ پا چلنے کا حکم تھا' صرف نظام الملک کو سواری پر چلنے کی اجازت ملی تھی' قصر خلافت میں سب سے نمایاں اور ممتاز جگہ اس کی تھی' دوسرے تمام امراء اس کے چپ راست بیٹھے تھے' شادی کی تقریب میں نظام الملک کو مقتدی کی جانب سے جو خلعت ملا تھا' اس پر "وزیر عالم عادل نظام الملک امیرالمومنین" کا طغرا کڑھا ہوا تھا' یہ وہ اعزاز تھا' جو اس کے سوا کسی وزیر کو نصیب نہ ہوا تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۱) نظام الملک اپنے دور کا بڑا فاضل تھا' دینی اور دنیاوی دونوں علوم پر پوری دستگاہ حاصل تھی سبکی نے شافعی علماء کے زمرہ میں اس کے حالات لکھے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۳۵ و مابعد) عربی و فارسی دونوں زبانوں کا انشاء پرداز تھا' شاعر بھی تھا' اس نے سیاسیات اور قانون مملکت پر جو کتاب سیاست نامہ کے نام سے لکھی ہے وہ نہ صرف اس دور کی بہترین سیاسی کتابوں میں ہے' بلکہ آج بھی اس سے ملکی انتظام میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اس کا ترجمہ یورپ کی بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

ذاتی فضل و کمال کے ساتھ وہ بڑا علم پرور اور علماء نواز تھا' اس کا دربار علماء و مشائخ کا مرجع تھا' ابن اثیر کا بیان ہے کہ نظام الملک کی مجلس فقہاء و ائمہ اور اصحاب خیر و صلاح سے معمور رہتی تھی۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۲)

ان میں امام الحرمین' شیخ ابو اسحاق شیرازی' ابوالقاسم قشیری اور ابو علی فارمدی جیسے جلیل القدر علماء اور ائمہ تھے' نظام الملک ان کی بڑی عزت و تکریم کرتا تھا' اور ان کی خیر و

برکت سے مستفید ہوتا تھا' امام الحرمین اور ابوالقاسم کے لیے اپنی مسند خالی کر دیتا تھا۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۱۴۳) ابو علی فارمدی کے سامنے دو زانو بیٹھتا تھا' اور کہتا تھا جو علماء آتے ہیں وہ میرے سامنے میری جھوٹی تعریفیں کرتے ہیں جن سے میرا عجب غرور بڑھتا ہے اور شیخ ابو علی فارمدی میرے عیوب اور مظالم گناتے ہیں' جس سے مجھ میں فروتنی پیدا ہوتی ہے اور میں اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہوں۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۲)

اپنے زمانہ میں اس نے علم و فن کی بڑی خدمت کی اور تعلیم کی اشاعت کی بڑی کوشش کی' بلخ' نیشاپور' ہرات' اصفہان' بصرہ' مرو' موصل' آمل اور عراق کے تمام شہروں میں مدرسے قائم کیے۔ (طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۳۷) عمادالدین اصفہانی کا بیان ہے کہ جس بستی میں کوئی بڑا عالم موجود تھا' وہاں نظام الملک نے ایک مدرسہ اور ایک کتب خانہ قائم کیا۔ (دولت آل سلجوق ص ۵۴) ان میں سب سے بڑا مدرسہ نظامیہ بغداد تھا' اسے بڑے اہتمام سے تعمیر کیا تھا' اس کی تعمیر پر دو لاکھ دینار یعنی تقریباً دس لاکھ روپے صرف کیے' دو سال میں اس کی عمارت تعمیر ہوئی' ذیقعدہ ۴۵۹ھ میں بڑے اہتمام سے اس کا افتتاح ہوا' کئی لاکھ روپے سالانہ اس کا خرچ تھا' اس کے متعلق دارالاقامتہ بھی تھا' تمام طلبہ کو وظائف ملتے تھے' اس دور کے منتخب علماء درس کے لیے فراہم کیے تھے' ابواسحاق شیرازی' ابو نصر صباغ ابن الخطیب شارح حماسہ' ابوالحسن فصیحی' قطب الدین شافعی اور امام غزالی جیسے یگانہ عصر علماء مختلف اوقات میں اس مدرسہ کی تعلیم و تدریس کی مسند پر بیٹھے۔

ان مدارس کے اخراجات کا معتدبہ حصہ نظام الملک اپنی جیب خاص سے دیتا تھا' اور حکومت کی جانب سے بھی امداد مقرر تھی' ابن اثیر کا بیان ہے کہ نظام الملک نے ممالک محروسہ کے سارے شہروں میں مدارس قائم کیے تھے اور ان کے مصارف کے لیے بڑی بڑی رقمیں مقرر کیں۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۲)

قزوینی کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الملک اپنی آمدنی کا جو کروڑوں روپے سالانہ تھی' دسواں حصہ مدارس کے لیے نکالتا تھا' اور چھ لاکھ دینار سالانہ یعنی تقریباً تیس لاکھ روپے حکومت کی جانب سے ملتے تھے۔ (آثار البلاد قزوینی ذکر طوس)

نظام الملک کی اس توجہ اور دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں مدارس قائم کرنے کا عام ذوق پیدا ہو گیا اور جگہ جگہ مدرسے قائم ہونے لگے۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۱۴۴)

**مذہبی خدمات** مدارس کے قیام کے ساتھ اس نے ملک بھر میں بکثرت مسجدیں بنوائیں' (ابن خلکان ج ۱ ص ۱۴۴) حجاج کے قافلوں کا راستہ درست کرایا اور جابجا ان کی سہولت کے لیے منزل گاہوں پر عمارتیں تعمیر کرائیں۔ پانی کے ذخیرے کے لیے حوض اور تالاب بنوائے۔ (طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۱۴۰ و ابوالفداء ج ۲ ص ۲۰۳) لاوارث حاجیوں کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔ (طبقات الشافعیہ حوالہ مذکور) خالص رفاہ عام کے جو کام انجام دیئے ان کا ذکر ملک شاہ کے کارناموں میں آئے گا۔

**قیام عدل** قیام عدل میں بڑا اہتمام تھا' اس کی معدلت گستری پر مورخین کا اتفاق ہے' سبکی کا بیان ہے کہ اس کا دور تمامتر فضل و عدل کا دور تھا' اس کی عدل پروری سے مخلوق آرام کی نیند سوتی تھی' کسی کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی اس کے پاس ہر شخص ہر وقت آسانی کے ساتھ پہنچ سکتا تھا' ایک مرتبہ ایک عورت استغاثہ لے کر آئی' نظام الملک اس وقت دسترخوان پر تھا' حاجبوں نے روک دیا' نظام الملک کو خبر ہو گئی اس نے حاجبوں کو تنبیہہ کی اور کہا کہ میں نے تم کو غریب فریادیوں ہی کی خدمت کے لیے رکھا ہے' معززین تو خود پہنچ جاتے ہیں۔ (طبقات الشافعیہ حوالہ مذکور)

دستور الوزراء میں اس نے عدل و انصاف پر بڑا زور دیا ہے' اس سلسلہ میں لکھتا ہے کہ وزیر کو بلاناغہ صبح سے شام تک لوگوں کے معاملات و مقدمات میں مختلف قسم کے احکام صادر کرنا پڑتے ہیں' اس بارہ میں خدا کا حکم ہے کہ "لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرو۔" اس لیے اگر ایک فیصلہ بھی احکام خداوندی کے خلاف ہو جائے تو سو برس کی حکومت بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتی۔ (سیاست نامہ)

اس عدل گستری کی وجہ سے اس کے دور میں اتنا امن و امان تھا کہ کسی کو جان و مال کا کوئی کھٹکا نہ رہتا تھا اور ہر شخص آرام کی نیند سوتا تھا۔ (طبقات ج ۳ ص ۱۳۳)

**غرباپروری** غرباپروری اس کا خاص وصف تھا' غریبوں کو بہت دوست رکھتا تھا' ان سے لطف و مدارات کے ساتھ پیش آتا تھا' انہیں روزانہ اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کھلاتا تھا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۷۲) تاریخوں میں اس کی غرباء پروری کے بہت سے واقعات مذکور ہیں۔

**دینداری** دنیاوی وجاہت اور جلالت شان کے باوجود بڑا دیندار اور عابد و زاہد تھا' سبکی کا بیان ہے کہ وہ ہر وقت باوضو رہتا تھا' ہر وضو کے بعد نفل پڑھتا تھا اور قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا' کلام مجید ہر وقت ساتھ رکھتا تھا' اذان سنتے ہی سارے کام بند کر دیتا تھا' جمعہ دو شنبہ کو پابندی کے ساتھ روزہ رکھتا تھا۔ (طبقات ج ۲ ص ۱۳۳)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اذان سنتے ہی سارا کام بند کر دیتا تھا اور پھر نماز ادا کرنے سے پہلے کوئی کام شروع نہیں کرتا تھا' اگر نماز کا وقت آجاتا اور موذن کی آواز سنائی نہ دیتی تو خود اذان دینے کا حکم دیتا اور یہ عبادت گزاروں کے لیے حفظ اوقات اور پابندی کی ایک بڑی مثال ہے۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۲)

آخر زمانہ میں وہ کہا کرتا تھا کہ میری آرزو ہے کہ مجھے شکم پری کے لیے روٹی کا ایک ٹکڑا اور ایک مسجد مل جاتی جس میں خدا کی عبادت کرتا' (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۲) نظام الملک کے فضائل بے شمار ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

**ملک شاہ کا آخری سفر بغداد اور وفات** مقتدی نے اپنے بڑے لڑکے مستظہر کو ولی عہد بنایا اور ملک شاہ اپنے صغیر السن نواسہ جعفر بن مقتدی کو ولی عہد بنوانا چاہتا تھا' اس کے لیے مقتدی آمادہ نہ ہوتا تھا' اور اس مسئلہ میں عرصہ سے دونوں میں کشمکش جاری تھی' لیکن ملک شاہ نے یہ طے کر لیا کہ اگر مقتدی جعفر کی ولی عہدی پر راضی نہ ہوا تو وہ اس کی زندگی میں جعفر کو اصفہان میں تخت نشین کر دے گا۔ (راحۃ الصدور ص ۱۴۰' راوندی نے جعفر کو ملک شاہ کا بھانجا لکھا ہے' جو صحیح نہیں ہے' مقتدی کے ساتھ ملک شاہ کی بہن نہیں بلکہ لڑکی کی شادی ہوئی تھی' جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔)

اس مسئلہ کو طے کرنے کے لیے رمضان ۸۵ھ میں اس نے بغداد کا سفر کیا۔ (اسی سفر میں نظام الملک کے قتل کا واقعہ پیش آیا تھا) اور مقتدی پر زور ڈالا کہ وہ مستظہر کو ولی عہدی سے خارج کر کے جعفر کو ولی عہد بنا دے' اس کے لیے وہ مطلق آمادہ نہ تھا' لیکن ملک شاہ کی قوت کے سامنے انکار بھی مشکل تھا' چنانچہ اس نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے دس دن کی مہلت مانگی' ملک شاہ اجازت دے کر شکار کے لیے بغداد کے باہر چلا گیا اور مقتدی کی خوش قسمتی سے دوران شکار ہی بیمار پڑ گیا اور بغداد واپس آکر ۶ شوال ۸۵ھ کو انتقال کر گیا۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۱۲۵) انتقال کے وقت کل ۳۸ سال کی عمر تھی' مدت

حکومت ۲۰ سال۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان کی بیوی ترکان خاتون اپنے صغیرالسن لڑکے محمود کو ملک شاہ کا ولی عہد بنانا چاہتی تھی' سلطان کا انتقال غیر متوقع طور پر پایہ تخت سے دور بغداد میں ہوا' اس کا ولی عہد برکیارق اصفہان میں موجود تھا' ترکان خاتون کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر سلطان کی موت کی خبر مشہور ہو گئی تو برکیارق دارالسلطنت پر قبضہ کرلے گا' اس لیے اس نے شوہر کی موت کو بالکل مخفی رکھا اور جو امراء سلطان کے ہمرکاب تھے انہیں بڑی بڑی رقمیں دے کر اور آئندہ کے لیے وعدہ کر کے اپنا حامی بنالیا اور امیر قوام الدولہ کو ملک شاہ کی انگوٹھی دے کر اصفہان بھیج دیا کہ وہ اسے قلعدار کو دکھا کر قلعہ پر قبضہ کرلے' شاہی انگشتری فرمان کا حکم رکھتی تھی' اس لیے قلعدار نے قلعہ قوام الدولہ کے حوالہ کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ص ۷۳) اور برکیارق گرفتار کرلیا گیا۔

ترکان خاتون نے بغداد سے روانگی کے پہلے مقتدی سے درخواست کی کہ وہ محمود ملک کو ملک شاہ کا ولی عہد مان کر اس کے نام کے خطبہ کی اجازت دے دے' محمود کی عمر کل چار سال تھی' اس لیے مقتدی کو تامل تھا' لیکن ترکان خاتون نے بے دریغ روپیہ صرف کیا اور آخر میں اپنے نواسہ اور مقتدی کے لڑکے جعفر کو اس کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا۔

مقتدی کو ملک شاہ کے استبداد کا پورا تجربہ ہو چکا تھا' اس لیے سیاسی نقطہ نظر سے اس کو محمود کی جانشینی میں امن نظر آیا' اولاً وہ چار سالہ بچہ تھا' پھر اس کا سالا تھا اس کی بادشاہت میں اس کو ترکان خاتون کے شر سے بھی نجات مل جاتی تھی اس لیے اس نے محمود کو ولی عہد تسلیم کر کے خطبہ کی اجازت دے دی اور تاج الدولہ کو مشیر سلطنت اور محاصل حکومت اور عمال کے عزل و نصب کا انتظام اور امیرانز کو فوج اور پایہ تخت کا نگران مقرر کیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ص ۷۴ و راحۃ الصدور ص ۱۴۰)

ان انتظامات سے فراغت کے بعد ترکان خاتون شوہر کی لاش لے کر اصفہان پہنچی اور ایک مدرسہ کی عمارت میں سپرد خاک کیا۔ (ابن خلکان ج ۱ص ۱۳۳)

**اوصاف و کمالات** ملک شاہ اپنے اوصاف و خصوصیات اور ملک گیری و ملک داری کے نہ صرف سلجوقی سلاطین بلکہ دنیا کے ممتاز ترین حکمرانوں میں تھا' ابن خلکان کا بیان ہے کہ وہ اپنی سیرت کے لحاظ سے دنیا کے بہترین سلاطین میں تھا' اور "سلطان عادل" کے

لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۱۳۳)

عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ ملک شاہ عادل' شجاع' حوصلہ مند' نڈر' صاحب الرائے باتدبیر اور تاج و تخت کا حقیقی مستحق فرمانروا تھا' سلجوقی سلاطین میں اس کا زمانہ ہار کے درمیانی بڑے موتی کی طرح ممتاز و نمایاں تھا' اس کے آغاز اور انجام دونوں میں ایک تناسب تھا' جس اقلیم کا رخ کیا' اس کو تسخیر' اور جس دشمن کا قصد کیا اسے زیر کیا' وہ شام اور انطاکیہ سے لے کر قسطنطنیہ کی سرحد تک پہنچ گیا اور رومی ملکوں سے ایک ہزار دینار سرخ وصول کیے اور یہاں پچاس اسلامی منبر نصب کیے۔ (دولت آل سلجوق ص ۵۲)

اس نے اتنے ملک زیر نگیں کیے اور سلجوقی حکومت کا رقبہ اتنا وسیع کر دیا کہ خلفائے متقدمین کے سوائے بعد کے کسی دور میں اس کی مثال نہیں ملتی' اس کی سلطنت کا رقبہ طول میں چین سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک تھا۔

(ابن خلکان ج ۲ ص ۱۳۳)

سلطنت کی توسیع کے ساتھ اس کو علمی و تمدنی حیثیت نے بھی ذریعہ کمال تک پہنچا دیا' راوندی کا بیان ہے کہ ملک شاہ کے اسلاف نے جہانگیری کی اور اس نے جہانداری' انہوں نے حکومت کا پودا نصب کیا' اس نے پھل کھایا' انہوں نے تخت سلطنت بچھایا' اس کے زمانہ میں برگ و بار لایا' اس کا دور سلجوقی سلطنت کے شباب' ملک کی بہار اور لباس شاہی کی زیب و زینت کا زمانہ تھا' اس نے جس سمت رخ کیا اس کو زیر نگیں کر کے چھوڑا۔

(راحۃ الصدور ص ۱۳۶)

وہ عادل تھا' اور اس کا زمانہ عہد معدلت تھا' چنانچہ اس کا لقب ہی الملک العادل ہو گیا' راوندی لکھتا ہے کہ قیام عدل میں اس کو اتنا اہتمام تھا کہ اس زمانے میں ظلم مفقود ہو گیا تھا' اگر شاذ و نادر کسی پر ظلم ہو جاتا تو مظلوم براہ راست شاہ سے فریاد کر سکتا تھا۔ (راحۃ الصدور ص ۱۳۱)

اس کی عدل پروری کی بہت سے مثالیں تاریخوں میں مذکور ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۷۳)

سب سے زیادہ ظلم و زیادتی عموماً فوج اور اس کے افسروں کی جانب سے ہوتی ہے' لیکن ملک شاہ کے خوف سے سلجوقی فوجوں کو بھی اس کی جرات نہ ہوتی تھی' عوام بے

خوف و خطر اس کی فوج میں گھومتے پھرتے تھے اور کسی فوجی کو ان پر زیادتی کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۷)

رعایا کی آسائش و سہولت اور رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دیئے' اپنے حدود سلطنت میں ہر قسم کے تجارتی ٹیکس موقوف کر دیئے سارے ممالک محروسہ میں سڑکیں نکلوائیں' گذر گاہوں پر سرائیں اور دریاؤں پر پل تعمیر کرائے۔

مکہ معظمہ کے راستہ میں جابجا پانی کے ذخیرے کے لیے حوض و تالاب بنوائے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۷) بدوؤں اور حرم کے خدام کے وظائف و عطایا مقرر کیے' اس زمانہ میں شیخ الحرم کی جانب سے ہر حاجی سے سات دینار سرخ ٹیکس لیا جاتا تھا' ملک شاہ نے اس کے معاوضہ میں جاگیر مقرر کر کے ٹیکس بند کرا دیا۔

(راحۃ الصدور ص ۱۳۱)

اس کے دور کی علمی ترقیوں کا حال اوپر نظام الملک کے حالات میں گذر چکا ہے' ملک شاہ خود بھی صاحب علم اور اس سے زیادہ علم و فن اور اہل علم و ارباب کمال کا قدر دان تھا' اس نے سلجوقی حکومت کے جغرافیہ پر خود ایک رسالہ لکھا تھا۔ (کشف الظنون ج ۱ ص) اس کے دور کے علمی خدمات کے سلسلہ میں سب سے اہم اور قابل ذکر زیچ ملک شاہی ہے جسے ان کے نام پر حکیم عمر خیام نے ترتیب دیا تھا۔ یہ زیچ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

عمارتوں کا بڑا شائق تھا' اپنے دارالسلطنت اصفہان میں شہر اور بیرون شہر بکثرت عمارتیں بنوائیں اور باغات لگوائے۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳۲)

نغمہ و سرود سے بھی ذوق رکھتا تھا' اس سلسلہ میں ایک سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے' ایک مرتبہ ایک حسین اور خوش گلو مغنیہ کا گانا سن رہا تھا' اس کی آواز اور صورت بہت بھائی' سلطان کی نیت میں فتور پیدا ہوا' یہ دیکھ کر مغنیہ نے کہا شاہا یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حسین و جمیل چہرہ آتش دوزخ کا ایندھن بنے' حلال و حرام کے درمیان صرف ایک بول کا فاصلہ ہے' سلطان کے دل میں یہ بات اثر کر گئی' اس نے کہا تم سچ کہتی ہو اور اسی وقت قاضی کو بلا کر اس سے نکاح کر لیا۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۱۲۴)

سیر و شکار کا بڑا شائق بلکہ فریفتہ تھا' اس کے اوقات کا بڑا حصہ اس شغل میں صرف ہوتا تھا۔ تیر انداز ایسا تھا کہ ایک دن میں ستر ہرن شکار کیے' ہر شکار کے کفارہ میں ایک دینار

خیرات کرتا تھا۔

اس کے شکاروں کی مجموعی تعداد دس ہزار جانوروں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کا مستقل شکار نامہ لکھا جاتا تھا' جو کتابی شکل میں بعد میں بھی موجود تھا' عرب' عراق' خراسان' ماوراء النہر' خوزستان اور اصفہان وغیرہ میں جہاں بڑی شکار گاہیں تھیں وہاں سے اس نے شکار کی یادیں قائم کیں تھیں۔ (راحۃ الصدور ص ۱۳۲ اور ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴)

**محمود بن ملک شاہ** ملک شاہ کے بڑے لڑکے برکیارق کو جس طرح ترکان خاتون نے اس کے حق سے محروم کر دیا تھا' اپنے صغیر السن بچہ محمود کو ملک شاہ کا جانشین بنانے کی کوشش کی تھی' اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

ترکان خاتون نے گو سلجوقی امراء کو اپنی دولت کے زور سے حامی بنا لیا تھا' لیکن نظامی (نظام الملک کے غلاموں کا دستہ) ممالک جن کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی' برکیارق کے ساتھ تھے اور ترکان خاتون کے اہتمام کے باوجود ملک شاہ کی خبر وفات مخفی نہ رہ سکی اور جیسے ہی اصفہان پہنچی' نظامی غلاموں نے برکیارق کو قید سے چھڑا کر تخت نشین کرا دیا۔ (راحۃ الصدور ص ۱۳۲ ص ۱۴۰'۱۴۲) اس دوران میں ترکان خاتون اصفہان کے قریب پہنچ گئی' چونکہ سلجوقی امراء اس کے ساتھ تھے اور پایہ تخت میں ان کا مقابلہ مشکل تھا' اس لیے نظامی غلاموں نے برکیارق کو رے لے جا کر اس کی تخت نشینی کے مراسم ادا کیے۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۴۷ و راحۃ الصدور ص ۱۴۰'۱۴۲) یہاں دس ہزار آدمی اور برکیارق کے ساتھ ہو گئے۔

اصفہان پہنچنے کے بعد ترکان خاتون نے برکیارق کے مقابلے کے لیے فوجیں روانہ کیں۔ اس کی فوج کے بعض افسر برکیارق سے مل گئے' اس لیے اصفہانی فوج کو شکست ہوئی اور برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔

ابھی یہ مہم جاری تھی کہ برکیارق اور ترکان خاتون کا اختلاف دیکھ کر ملک شاہ کے بھائی تتش ارسلان والی دمشق کو اس کے تاج و تخت پر قبضہ کرنے کی طمع دامنگیر ہوئی اور اس نے برکیارق پر فوج کشی کر دی' اس سے فراغت ملی تھی کہ برکیارق کا سوتیلا بھائی سلطان محمد اٹھ کھڑا ہوا' اور برسوں دونوں میں جنگ جاری رہی اور ایک دن کے لیے بھی برکیارق کو اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کا موقع نہ مل سکا۔

**مقتدی کی وفات** ۴۸۷ھ ۱۵ محرم کو کھانا کھانے کے بعد دفعتہ" مقتدی کی طبیعت بگڑ گئی' اور چند لمحوں میں انتقال ہو گیا' عمائد سلطنت نے اسی وقت مستظہر باللہ کی بیعت لی' اس سے فراغت کے بعد تجہیز و تکفین عمل میں آئی' وفات کے وقت کل ۳۹ سال کی عمر تھی' مدت خلافت ۱۹ سال آٹھ مہینے۔

**اوصاف** مقتدی جامع اوصاف فرمانروا تھا' اس میں دین و سیاست دونوں جمع تھے' گو اس زمانہ میں سلجوقیوں کی قوت بہت بڑھ گئی تھی' اور ملک شاہ نے خلافت بغداد پر حاوی ہونے کی بہت کوشش کی اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا' لیکن مقتدی نے حتی الامکان خلافت کے وقار کو قائم رکھا اور اس دور زوال میں ہر اعتبار سے مقتدی کا زمانہ ممتاز تھا' ابن اثیر کا بیان ہے کہ مقتدی قوی دل اور عالی ہمت خلیفہ تھا' اس کا عہد بڑی خیر و برکت کا زمانہ تھا' خیر کی کثرت اور رزق میں کشادگی و وسعت تھی' خلافت کا وقار پہلے سے زیادہ قائم ہوا' بغداد کی آبادی میں اضافہ ہوا' .بصلیہ' قطیعیہ' حلبہ' مقتدیہ' اجملہ' ورب القیا' حزبہ' ابن جرود' خرابہ ابن حراس' خاتونتیں بہت سے نئے محلے آباد ہوئے۔

(ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۷۹'۸۰)

سیوطی کا بیان ہے کہ وہ نجبائے بنی عباس میں تھا' اس کے زمانہ میں قوانین خلافت کا نفاذ ہوا اور ان کی حرمت قائم ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۳۰)

اسی سیاسی قوت کے ساتھ اس نے دین و مذہب کا بھی احترام کیا' اور بہت سی دینی و اخلاقی اصلاحیں لیں۔ گانے ناچنے والی بداخلاق عورتوں کو بغداد سے نکال دیا' بغیر ازار کے حمام میں جانے اور ملاحوں کو کشتیوں پر ایک ساتھ عورتوں اور مردوں کو لے جانے کی ممانعت کر دی۔ کبوتر بازی کے برجوں اور چھتریوں کو' جن سے گھروں کی بے پردگی ہوتی تھی اکھڑوا دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۳۰)

# ابو العباس احمد بن مقتدی الملقب بہ مستظہر باللہ

## ۴۸۷ھ تا ۵۱۵ھ مطابق ۱۰۹۴ء تا ۱۱۱۸ء

مقتدی کی وفات کے بعد محرم ۴۸۷ھ میں اس کا لڑکا ابو العباس احمد الملقب بہ مستظہر باللہ تخت نشین ہوا' اس وقت برکیارق بغداد میں موجود تھا' اس نے اور تمام سلجوقی امراء نے مستظہر کی بیعت لی اس وقت اس کا سولہواں سال تھا' اس کے زمانہ میں سلجوقیوں کی خانہ جنگی کے سوا خاص خلافت بغداد کے حالات بہت کم ہیں۔

**آذربائیجان پر تتش ارسلان کی فوج کشی اور ناکامی** اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کا بھائی تاج الدولہ تتش ارسلان والی دمشق اس کے تاج و تخت پر قبضہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا' ملک شاہ کے اصل وارث خانہ جنگی میں مبتلا تھے' اور ملک شاہ کی جانشینی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا' اس لیے امیر اقسنقر برستی والی حلب اور امیر بوزان والی رہا وغیرہ تتش ارسلان کے ساتھ ہو گئے' ان کی مدد سے اس نے ۴۸۶ھ میں بنی مروان کے علاقہ موصل اور دیار بکر وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا' اور آذربائیجان پر فوج کشی کی' اس وقت برکیارق اس کے مقابلہ میں نکلا اسے دیکھ کر امیر اقسنقر اور بوزان تتش کا ساتھ چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو گئے' اور تتش کو ناکام دمشق واپس جانا پڑا۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۴)

**امیر اسماعیل کی مخالفت اور اس کا قتل** اس دوران میں ترکان خاتون نے اپنے اور ملک شاہ کے چچیرے بھائی امیر اسماعیل کو جو برکیارق کا حقیقی ماموں تھا' اپنے ساتھ شادی کی طمع دلا کر ملا لیا' اس نے برکیارق پر فوج کشی کر دی' لیکن شکست کھائی ترکان خاتون کا کار پرداز سلطنت امیر انز امیر اسماعیل کے خلاف تھا' اس لیے وہ بد دل ہو کر برکیارق کے قتل کے منصوبے سے رے چلا گیا' لیکن راز فاش ہو گیا اور وہ خود قتل کر دیا گیا' اس کے چند دنوں کے بعد ترکان خاتون کا بھی انتقال ہو گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۷۸)

**برکیارق کی شکست بغداد میں تتش کا خطبہ** تتش ارسلان کو اقسنقر کی وجہ

سے آذربائیجان میں ناکامی ہوئی تھی اس لیے شام واپس جانے کے بعد خود اس کے علاقہ حلب پر فوج کشی کر دی اور اقسنقر کو شکست دے کر قتل کر دیا' اس کے دوسرے ساتھی بوزان نے حلب کو بچانے کی کوشش کی مگر وہ بھی مارا گیا' اور تتش ارسلان پھر آذربائیجان پہنچا اور برکیارق کو شکست دے کر بغداد میں اپنے نام کا خطبہ جاری کرا دیا۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۸۱)

**سلطان محمود کی موت اور برکیارق کی تخت نشینی** گو ترکان خاتون کا انتقال ہو چکا تھا لیکن امیر انزا اور دوسرے سلجوقی امراء سلطان محمود کے ساتھ تھے اور برکیارق کے لیے بیک وقت ان کا اور تتش کا مقابلہ مشکل تھا' اس لیے اس نے اصفہان جا کر محمود سے صلح کر لی' اس صلح کے چند ہی دنوں کے بعد چیچک میں محمود کا انتقال ہو گیا' اس کی موت کے بعد سلجوقی امراء نے برکیارق کو تخت نشین کر دیا اور عراق و خراسان کے تمام امراء اس کے ساتھ ہو گئے۔ (راحۃ الصدور ص ۱۳۶)

تخت نشینی کے بعد ہی برکیارق بھی چیچک میں مبتلا ہو گیا' تتش اس وقت ہمدان میں موجود تھا' اس نے سلجوقی امراء کو ملانے کی کوشش کی' برکیارق کی حالت امید و بیم کی تھی' اس لیے امراء نے تتش کو امید افزاء جواب دیا' لیکن برکیارق خلاف امید شفایاب ہو گیا اور تتش کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۸۵)

**خراسان پر ارسلان ارغوان کا قبضہ اور اس کا قتل** ۔ ان لڑائیوں کے دوران برکیارق کے دوسرے چچا ارسلان ارغوان نے خراسان پر قبضہ کر لیا تھا' تتش سے فراغت کے بعد برکیارق نے اپنے تیسرے چچا بوربرس کو ارسلان ارغوان کے مقابلے کے لیے بھیجا لیکن ارسلان نے اسے قتل کرا دیا' اس کے قتل کے بعد برکیارق نے اپنے سوتیلے بھائی سنجر کو اس مہم پر مامور کیا' ابھی یہ راستہ میں تھا کہ ارسلان کو اس کے غلاموں نے قتل کر دیا' اس کے امراء نے اس کے ۷ سالہ بچے کو جانشین بنایا' لیکن سنجر کے خراسان پہنچنے کے بعد بچہ کو اس کے حوالہ کر دیا سنجر نے اس کے موروثی جائیداد جو ملک شاہ نے ارسلان کو دی تھی' اس کے اخراجات کے لیے رہنے دی اور برکیارق کی ماں نے اس بچہ کو اپنے پاس بلا کر پرورش کیا' ارسلان کے قتل کے بعد برکیارق خود خراسان گیا اور ماوراء النہر وغیرہ میں بھی اس کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا اور اس نے سنجر کو خراسان کا والی بنا دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰

ص ۹۰'۹۱)

دوسری طرف سلطان برکیارق کی عدم موجودگی میں اس کے سابق وزیر موید الملک نے جس نے اس کو معزول کر دیا تھا اس کی مخالفت میں امیر انزا کو جسے سلطان غیر حاضری میں اپنا نائب بنا گیا تھا' اس کے خلاف کھڑا کر دیا' لیکن اس کو ایک باطنی نے قتل کر دیا اور اس کا فتنہ بڑھنے نہ پایا۔

**سلطان محمد کی مخالفت اور ملک کی تقسیم** اس تدبیر میں ناکامی کے بعد موید الملک کے برکیارق کے دوسرے سوتیلے بھائی سلطان محمد کو جو تمام بھائیوں میں بڑا شجاع اور حوصلہ مند تھا' برکیارق کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا' اس کی مخالفت کی خبر پا کر برکیارق فوراً خراسان سے واپس آیا۔

**بغداد میں محمد کا خطبہ** لیکن اس کے پہنچتے پہنچتے سلطان محمد نے رے پر قبضہ کر لیا اور اس کے وزیر موید الملک نے برکیارق کی ماں زبیدہ خاتون کو جو رے میں تھی گرفتار کر کے مروا ڈالا اور بغداد کے شحنہ سعد الدولہ گوہر آئین نے کوشش کر کے ۴۹۲ھ میں بغداد میں سلطان محمد کا خطبہ جاری کرا دیا اور مستظہر نے اسے غیاث الدین کا معزز لقب عطا کیا۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۰۰)

سلطان محمد اور برکیارق میں ۴۹۲ھ سے لے کر ۴۹۷ھ تک پانچ لڑائیاں ہوئیں' جو فریق غالب ہوتا تھا' وہ بغداد میں اپنے نام کا خطبہ جاری کرا دیتا تھا' اس مسلسل جنگ و خون ریزی سے ملک میں بڑی ابتری پھیل گئی' امن و امان مفقود اور ملک ویران ہو گیا' دوسری طرف حکومتیں سلجوقیوں کے مقابلے میں دلیر ہو گئیں' یہ صورت حال دیکھ کر برکیارق نے قاضی ابوالمظفر جرجانی حنفی اور ابوالفرج احمد بن عبدالغفار ہمدانی کے ذریعہ محمد کے پاس صلح کا پیغام بھیجا' ملک کی ویرانی اس کی نگاہ میں تھی اس لیے ربیع الاول ۴۹۷ھ میں دونوں میں صلح ہو گئی' اس صلح کی رو سے نہر سپید سے لے کر باب الابواب تک کا علاقہ موصل' جزیرہ' دیار بکر اور شام و عراق کا فراتی علاقہ سلطان محمد کے حصہ میں آیا اور باقی ملک برکیارق کے قبضہ میں رہا اور طے پایا کہ دونوں اپنے اپنے ملک کے خود مختار فرمانروا ہوں گے' ہر ایک کے ملک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے گا' سلطان محمد شاہی نوبت بجانے کا مجاز ہو گا۔

اس مصالحت کے بعد سلطان محمد نے برکیارق کے پایہ تخت کو جس پر اس نے قبضہ کر لیا تھا برکیارق کے حوالہ کر دیا' سلطان محمد کی بیوی اور بچے اصفہان میں تھے' برکیارق نے انہیں ہدایا و تحائف کے ساتھ اپنی فوج کی حفاظت میں محمد کے پاس بھجوا دیا' اور مسلسل کئی سال بد امنی اور خون ریزی کے بعد ملک میں امن و امان قائم ہوا اور مستظہر نے بغداد میں برکیارق کے نام کا خطبہ جاری کر کے اس کو اور اس کے وزیر کو خلعت سے نوازا۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۲۹)

اس صلح کے بعد جب برکیارق کو اطمینان و سکون حاصل ہوا تو خود اس کا وقت آخر ہو گیا' اس کو عرصہ سے سل اور بواسیر کی شکایت تھی' شراب کی کثرت نے اس کی صحت اور برباد کر دی' ربیع الاول ۴۹۸ھ میں اس نے بغداد کا سفر کیا' راستہ میں طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور امید زیست باقی نہ رہی امراء ہمرکاب تھے' اسی وقت اپنے صغیر السن بچے ملک شاہ کو ولی عہد بنا کر امیر ایاز کو اس کا اتابک مقرر کیا اور ۲ ربیع الاول ۴۹۸ھ میں انتقال کر گیا' لاش اصفہان لے جا کر سپرد خاک کی گئی' انتقال کے وقت ۲۵ سال کی عمر تھی' مدت حکومت بارہ سال۔

برکیارق عاقل و دانش مند فرمانروا تھا' حلم و عفو اور ضبط و تحمل اس کے امتیازی اوصاف تھے' عموماً عفو و درگذر سے کام لیتا تھا۔

تخت نشینی سے لے کر وفات سے کچھ دنوں پہلے تک وہ مسلسل مخالف حالات میں مبتلا رہا۔ اور اس کو ایسی ایسی مشکلات اور ہمت شکن واقعات کا سامنا رہا کہ کسی دوسرے فرمانروا کے لیے ان کا مقابلہ مشکل تھا' اس نے محض اپنی ہمت و استقلال سے ان کا مقابلہ کیا' اور گو اس کی سلطنت تقسیم ہو گئی لیکن اس کی حکومت قائم رہی۔

**ملک شاہ ثانی بن برکیارق** برکیارق کی موت کے بعد ربیع الثانی ۴۹۸ھ میں اس کا صغیر السن بچہ ملک شاہ ثانی تخت نشین ہوا' مستظہر نے اس کی حکومت کی تصدیق کر کے بغداد میں اس کا خطبہ جاری کر دیا اور ملک شاہ اول کے تمام خطابات اس کو عطا کیے۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۲۹) اس کی تخت نشینی کے بعد ہی اس کے اتابک میر ایاز نے سلطان محمد کی مخالفت شروع کر دی۔ (راحۃ الصدور ص ۱۵۳)

سلطان محمد ارسلان اور ملک شاہ کے اوصاف و کمالات کا وارث تھا' اس لیے بعض

اکابر علماء' امراء برکیارق ہی کے زمانہ سے اس کی حمایت میں تھے' چنانچہ امیر سیف الدولہ صدقہ بن منصور والی حلہ شروع سے اس کا معاون و مددگار تھا' اس لیے سلطان محمد سیف الدولہ کی دعوت پر بغداد پہنچا سلطان محمد کا مقابلہ ایاز کے لیے دشوار تھا' اس نے اپنے امراء سے مشورہ کیا' سب نے مقابلہ کی رائے دی' لیکن ایک تجربہ کار امیر ابوالمحاسن نے کہا کہ ان سب امراء کا مشورہ خود غرضی پر مبنی ہے۔ وہ اپنے ذاتی فائدے کے لیے جنگ چاہتے ہیں' میری رائے میں سلطان محمد کی اطاعت زیادہ مفید ہے اس صورت میں وہ ہمارے حقوق کا زیادہ لحاظ رکھے گا ایاز نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور سلطان محمد سے ملک شاہ اور اس کے تمام امرائے دولت کی جان و مال کی حفاظت کا وعدہ لے کر جمادی الاول ۴۹۸ھ میں حکومت اس کے حوالے کر دی' لیکن سلطان کو ایاز کی جانب سے اطمینان نہ تھا' بعض واقعات بھی ایسے پیش آئے' جس سے اس کی بدگمانی اور بڑھ گئی اور اس نے ایاز کو بہانہ سے بلا کر قتل کرا دیا' وہ ملک شاہ سلجوقی کے لائق ترین غلاموں میں تھا۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳۴)

راوندی اور حمد اللہ مستوفی کا بیان اس سے مختلف ہے' انہوں نے اس سلسلہ میں یہ افسانہ لکھا ہے کہ ایاز نے سلطان محمد کا مقابلہ کیا' لیکن میدان جنگ میں ایاز کی فوج کو سلطان محمد کی فوج کی سمت فضائے آسمانی پر ایسی خوفناک شکلیں نظر آئیں کہ ان کی ہیبت سے ہتھیار ڈال دیئے اور ایاز زندہ گرفتار ہوا' سلطان نے اسے قتل کرا دیا۔

(راحۃ الصدور ص ۵۴ و تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۵۴)

**سلطان محمد ملک شاہ** ایاز کے قتل کے بعد سلطان محمد مستظہر کے حضور میں حاضر ہوا' وہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا اور غیاث الدین محمد قیم امیرالمومنین کا لقب عطا کیا اور اس کی حکومت مسلم ہو گئی۔

سلطان محمد اپنے نامور اسلاف کی خصوصیات کا حامل اور ان کا صحیح جانشین تھا' اپنے زمانہ میں اس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے اور سلجوقی حکومت کو پھر ایک طاقتور سلطنت بنا دیا' اس کی بادشاہت مسلم ہونے کے ایک ہی سال بعد ۴۹۹ھ میں اس کے چچیرے بھائی امیر منکبرس نے علم بغاوت بلند کر کے نہاوند پر قبضہ کر لیا' اسی زمانہ میں بنی برسق پر عتاب سلطانی نازل ہوا تھا ان کی جاگیر ضبط ہو گئی تھی اور زنگی بن برسق قید کر دیا گیا

تھا' منکبرس نے زنگی کے بھائیوں کو ساتھ ملانے کی کوشش کی' زنگی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بھائیوں سے کہلا بھیجا کہ اگر تم نے منکبرس کا ساتھ دیا تو میری خیر نہیں' اگر مجھے بچانا چاہتے ہو تو منکبرس کو گرفتار کر کے سلطان کے حوالہ کردو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مدد کے بہانہ سے اس کو بلا کر سلطان کے پاس بھجوا دیا' سلطان نے اس خدمت کے صلہ میں زنگی کو رہا کر کے بنی برسق کی جاگیر واگذاری کر دی۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۳۹)

**صدقہ بن دبیس کا قتل** ۵۰۱ھ میں سلطان محمد نے اپنے پرانے وفادار امیر سیف الدولہ صدقہ بن منصور اسدی والی حلہ کو قتل کرا دیا' وہ سلطان کی وفاداری پر اب تک قائم تھا' لیکن اس کے تقرب اور اس کی شوکت و عظمت کی وجہ سے اس کے حاسدوں نے سلطان کو اس کے خلاف بھڑکایا' سیف الدولہ میں ایک وصف یہ تھا کہ وہ ہر طاقت ور کے مقابلہ میں کمزوروں کی پشت پناہی کرتا تھا اور اس بارہ میں وہ سلطان محمد کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا' اتفاق سے ابو دلف سرخاب ابن کیخسرو بن سادہ پر عتاب سلطانی نازل ہوا' صدقہ نے اسے بھی پناہ دی۔

سلطان نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ سرخاب کو اس کے حوالہ کر دے اس نے انکار کیا' اور سلطان کے مقابلہ میں اس کی پوری امداد و حمایت کے لیے آمادہ ہو گیا' اس قسم کے بعض واقعات اور پیش آئے' اس لیے سلطان نے اس پر فوج کشی کر دی' سیف الدولہ نے اس کا مقابلہ کیا اور بہادری کے ساتھ لڑ کر جان دے دی۔ (ابو الفداء ج ۳ ص ۲۲۲)

**والی موصل کی سرکشی اور موصل پر سلطانی قبضہ** موصل کے والی جاولی سقاؤ کا رویہ سلطان کے ساتھ باغیانہ تھا' اس نے خراج دینا بند کر دیا تھا' اور سیف الدولہ اور سلطان کی جنگ میں اس نے سیف الدولہ کی حمایت کی تھی' اس لیے اس سے فراغت کے بعد سلطان نے جاولی کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں' وہ مقابلہ کے انتظام کے لیے موصل سے باہر چلا گیا' اور سلطانی فوجوں نے موصل کا محاصرہ کر لیا' جاولی کے بیوی بچے اور کچھ فوج موصل کے قلعہ میں تھی' ان لوگوں نے اہل موصل پر زیادتی کی' اس لیے وہ سب اس کے خلاف ہو گئے اور سلطانی فوجوں نے آسانی کے ساتھ شہر پر قبضہ کر لیا' جاولی کی بیوی امیر مودود کی اجازت سے اپنا مال و متاع لے کر اپنے بھائی امیر برسق بن برسق کے پاس چلی گئی اور موصل کا علاقہ سلطانی قبضہ میں آ گیا۔

**باطنیوں کی مصیبت** سرزمین عجم میں باطنیوں کی تبلیغ و اشاعت کا مختصر حال ملک شاہ کے زمانہ میں گزر چکا ہے' ملک شاہ کی وفات کے بعد ان کے جانشینوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں باطنیوں کی قوت بہت بڑھ گئی اور انہوں نے عجم کے بہت سے قلعوں اور قہستان کے پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ (ابن اثیر نے ان قلعوں کی پوری تفصیل لکھی ہے دیکھو ج ۱۰ ص ۱۱۰)

ملک شاہ کے زمانہ ہی میں ان کی تاخت و تاراج اور قتل و غارت کی وارداتیں شروع ہو گئیں تھیں قلعوں پر قبضہ کے بعد ان کی جسارت اور بڑھ گئی' اور انہوں نے بے دریغ خون ریزی شروع کر دی اور چند دنوں کے اندر ہزاروں مسلمانوں کو جن میں بہت سے اکابر' علماء و فضلاء اور امراء تھے' قتل کر ڈالا۔

قتل کی وارداتیں اتنی عام ہو گئی تھیں اور لوگوں پر اتنا خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا کہ کوئی شخص تنہا گھر سے نکلنے کی ہمت نہ کرتا تھا' اگر باہر جانے والے مقررہ وقت پر گھر واپس نہ جاتے تو گھر والوں کو ان کی موت کا یقین ہو جاتا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۰۹)

خاص اصفہان کا علاقہ بھی محفوظ نہ تھا' ایک باطنی رئیس احمد بن عطاش نے اصفہان کے قریب ایک قلعہ سیاہ در پر قبضہ کر لیا تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۰) شہر اصفہان تک میں اس کا ایک مخفی مرکز قائم تھا' روزانہ قتل کی وارداتیں ہوتی تھیں اور پتہ نہ چلتا تھا' باطنی مختلف بھیسوں میں پھیلے ہوئے تھے' اصفہان میں ایک اندھا باطنی روزانہ ایک تاریک اور پر پیچ گلی کے سرے پر کھڑا ہو جاتا اور جو راہ گیر نکلتا اس سے کہتا بابا خدا بھلا کرے' اندھے کو اس کے گھر تک پہنچا دو' لوگ رحم کھا کر ساتھ ہو جاتے اور جیسے ہی باطنیوں کی کمین گاہ تک پہنچتے' باطنی ان کو پکڑ لے جاتے' اس طریقہ سے چار پانچ مہینوں کے اندر سینکڑوں آدمی لاپتہ ہو گئے اور ان کی گمشدگی کا کوئی سراغ نہ ملتا تھا' اتفاق سے ایک دن ایک بھکارن مانگتے مانگتے کمین گاہ کے دروازہ پر پہنچ گئی اور اندر سے نالہ و فریاد کی آواز سن کر بھاگ نکلی اور لوگوں سے بیان کیا کہ فلاں گھر میں میں نے نالہ و فریاد کی آوازیں سنی ہیں' قتل کی وارداتوں سے لوگوں کو جستجو تھی ہی اتنا سراغ پا کر ہزاروں آدمی اس گھر میں گھس گئے' وہاں پورا مقتل نظر آیا' زمین دوز تہ خانوں میں کئی سو آدمی سزا بھگت رہے تھے' بہت سے مر چکے تھے' کچھ نیم جان تھے' بعض دیواروں میں میخوں سے ٹھکے ہوئے تھے' اس انکشاف سے شہر میں بہت شور بپا ہو گیا اور اصفہان ماتم کدہ بن گیا۔ (راحۃ الصدور ص

۱۵۷، ۱۵۸)

خود سلطانی فوج میں سپاہی کے بھیس میں ہزاروں باطنی تبلیغ و اشاعت کر رہے تھے جو شخص ان کی مخالفت کرتا اس کو قتل کی دھمکی دیتے' جان کے خوف سے کوئی شخص بھی مخالفت کی جرات نہ کرتا تھا' بڑے بڑے امراء پوری پوری احتیاط کرتے' اتفاق سے سلطان برکیارق اور سلطان محمد کی جنگ کے زمانہ میں باطنیوں کے ہاتھ سے امیر مارے گئے تھے وہ سب سلطان محمد کی جماعت کے تھے' اس لیے سلطان محمد کے مخالفین نے خود اسے باطنیت سے متہم کر دیا تھا' اس لیے برکیارق کو ان کے استیصال کی طرف توجہ کرنی پڑی اور اس نے سب سے اول اپنی فوج کے باطنیوں کو تلاش کر کے قتل کرایا' اس سلسلہ میں بہت سے امراء بھی مارے گئے۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۱۲)

فوج کے علاوہ جہاں جہاں ان کے جتھے مل سکے' ان کا استیصال کیا گیا' اس سلسلہ میں بھی بہت سے امراء جن پر باطنیت کا شبہ تھا' قتل ہوئے' مدرسہ نظامیہ کے ایک مدرس کیا ہراسی باطنیت کے الزام میں پکڑے گئے' اور مستظہر کی شہادت پر انہیں رہائی ملی۔

(ابن خلدون ج ۵ ص ۲۶، ۲۷)

باطنیت کا الزام ایسا سنگین تھا کہ اس کا داغ صرف تلوار دھو سکتی تھی' اس لیے اس عام دار و گیر میں بہت سے ناکردہ گناہ بھی مارے گئے' مختلف امراء اور با اثر اشخاص نے اپنی اپنی جگہ پر علیحدہ ان کا استیصال کیا' چنانچہ جاولی سقاؤ والی موصل' تیران شاہ والی کرمان شاہ اور ابوالقاسم مسعود بن محمد نجبندی نے ہزاروں باطنیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۰۹، ۱۱۱)

اصفہان کے نواح میں قلعہ سیاہ در اب تک احمد بن عطاش کے قبضہ میں تھا' وہ بے شمار مسلمانوں کو قتل کر چکا تھا اور زمینداروں اور سلطانی عمال تک سے ٹیکس وصول کرتا اور سب جان کے خوف سے ادا کرتے تھے۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۵۱)

اس لیے سلطان محمد کو بھی ان کی طرف توجہ کرنا پڑی اور اس نے سیاہ در پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کیا' احمد بن عطاش نے چند دنوں تک مدافعت کی کوشش کی' لیکن پھر اس کا سامان رسد ختم ہو گیا' اس نے سلطان محمد کے وزیر سعد الملک اوجی کے پاس جو در پردہ باطنی تھا' کہلا بھیجا کہ اگر تم نے سامان رسد بھیجنے کا کوئی انتظام نہیں کیا تو میں قلعہ حوالہ

کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا' سعد الملک نے جواب میں کہلایا کہ چند دن اور توقف کرو میں اس کتے (سلطان محمد) ہی کا کام تمام کرائے دیتا ہوں۔

سلطان محرور المزاج تھا ہر مہینہ فصد لیا کرتا تھا' سعد الملک نے شاہی فصاد کو رشوت دے کر زہر آلود نشتر سے فصد دینے پر آمادہ کر لیا' سلطان کو اس کی خبر ہو گئی اور فصاد کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا' سلطان نے اسی زہر آلود نشتر سے سعد الملک کو فصد دلوائی اور وہ ختم ہو گیا' سعد الملک کی موت کے بعد احمد بن عطاش قلعہ حوالہ کرنے پر مجبور ہو گیا' سلطان نے اسے گرفتار کر لیا اور نہایت ذلت کے ساتھ اس کی تشہیر کر کے قتل کیا اور اس کا قلعہ مسمار کرا دیا۔ (راحۃ الصدور ص ۱۵۸ تا ۱۶۱ ملخصاً" و تاریخ گزیدہ ج ا ص ۴۵۴'۴۵۵)

۵۰۳ھ میں سلطان نے اپنے وزیر نظام الملک بن احمد بن نظام الملک اول باطنیوں کے اصل مرکز قلعہ الموت کی تسخیر پر مامور کیا اس نے فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کیا لیکن چند دنوں کے بعد گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کو لوٹ آنا پڑا' اس کی واپسی کے بعد ایک باطنی نے حملہ کر کے اس کو زخمی کر دیا' زخم اوچھا لگا تھا' چند دنوں میں شفایاب ہو گیا۔

اس کے دو سال بعد یہ مہم امیر انوشتگین شیر گیر کے متعلق ہوئی اور متعدد امراء اس کی مدد پر مامور ہوئے' انہوں نے قلعہ کلام اور قلعہ بیرہ باطنیوں کے کئی قلعے فتح کیے' امیر انوشتگین نے بڑے اہتمام سے قلعہ الموت کا محاصرہ کر لیا اور یہاں مکانات بنوا کر مستقل قیام کر دیا' سلطان برابر سامان رسد اور فوجیں بھیجتا رہا' حسن بن صباح نو دس سال تک مدافعت کرتا رہا' آخر میں جب اس کا سامان رسد ختم ہو گیا اور محصورین کی جان پر آبنی تو حسن بن صباح اس شرط پر قلعہ حوالہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا کہ اسے بیوی بچوں سمیت نکل جانے دیا جائے' لیکن انوشتگین نے اسے منظور نہ کیا اور اہل قلعہ کی جان کنی کی نوبت پہنچ گئی' عین اس وقت سلطان محمد کی موت کی خبر آ گئی اس لیے انوشتگین محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۸۵'۱۸۶)

**پہلی جنگ صلیبی** مستظہر کے دور کا سب سے اہم واقعہ جنگ صلیبی کا آغاز ہے' اگرچہ اس کو براہ راست خلافت بغداد سے کوئی تعلق نہیں ہے' لیکن جنگ صلیبی نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ اس زمانہ کا مشرق و مغرب کا نہایت اہم واقعہ ہے' جس کا سلسلہ دو صدیوں تک قائم رہا' ساری دنیائے اسلام اس سے متاثر ہوئی اور اس کا آغاز سلجوقیوں کی

مخالفت سے ہوا' اور اس کے دفاع میں ان کا بڑا حصہ رہا اس لیے اس کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

قدیم یورپین مورخین نے ان لڑائیوں کو خالص مذہبی رنگ دے دیا ہے لیکن در حقیقت اس کے اسباب مذہبی سے زیادہ سیاسی تھے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں جنوبی یورپ میں مسلمانوں کی قوت کمزور پڑ گئی تھی' سسلی کا جزیرہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا' اسپین میں بھی اس کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا' ان کی متحدہ قوت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ جو نہ صرف آپس میں دست و گریباں رہتی تھیں بلکہ ایک دوسرے کی رقابت میں عیسائیوں کے ساتھ مل جانے میں بھی دریغ نہ کرتی تھیں' جس سے اندلس میں مسلمانوں کی قوت روز بروز کمزور پڑتی جاتی تھی اور عیسائیوں کی قوت بڑھتی جاتی تھی' ان کی متعدد حکومتیں قائم ہو گئی تھیں' مشرقی اسپین کی عیسائی حکومت اتنی طاقتور ہو گئی تھی کہ اس کا فرمانروا الفانسو دوم اسلامی حکومتوں سے خراج وصول کرتا تھا اور عیسائی دنیا کو یقین ہو گیا تھا کہ اسپین سے مسلمانوں کے خاتمہ کا وقت قریب آ گیا۔

عین اسی زمانہ میں شمالی افریقہ میں مرابطین کی نئی اور تازہ دم قوت ابھر رہی تھی' اندلس کے مسلمان عیسائیوں کے مقابلے میں اپنی بے بسی دیکھ کر مرابطی حکومت کے گل سرسبد یوسف بن تاشفین سے مدد کے طالب ہوئے وہ ۴۷۹ھ میں ایک لشکر جرار لے کر اندلس پہنچا اور زلاقہ کے معرکہ میں عیسائیوں کی متحدہ قوت کو نہایت فاش شکست دی' الفانسو دوم اس جنگ میں سخت زخمی ہوا' اور اس کی قوت برباد ہو گئی' اسپین سے یوسف بن تاشفین کی واپسی کے بعد پھر یہاں کی زوال پذیر اسلامی حکومتوں میں جنگ و جدال کا سلسلہ شروع ہو گیا' جس کا لازمی نتیجہ ان کی تباہی تھی اس لیے یوسف نے دوبارہ فوج کشی کر کے سرقسط کی ہودی حکومت کے سوا جس نے عیسائیوں کے دامن میں پناہ لی تھی' باقی تمام اسلامی حکومتوں کو ختم کر کے متحدہ حکومت قائم کر دی' یوسف کی قوت اتنی مضبوط تھی کہ اندلس پر عیسائیوں کے قبضہ کا خواب پریشان ہو گیا' جس سے ساری عیسائی دنیا متاثر ہوئی۔

دوسری سمت مشرقی یورپ کی سرحد پر بھی مسلمانوں کی قوت روز افزوں ترقی پر تھی' سلجوقیوں نے قیصر ارمانوس کو شکست دے کر خراج وصول کیا تھا' اور خاص یونانی علاقے اور

ایشیائے کوچک کو فتح کر کے یہاں مستقل حکومت قائم کر لی تھی۔ (اس حکومت کا بانی قتلمش بن اسرائیل تھا۔ ۴۵۶ھ میں یہ حکومت قائم ہوئی اور ۴۵۸ھ میں ترکان خاتون نے اس کا خاتمہ کیا ان میں سترہ حکمران ہوئے۔) جس سے قسطنطنیہ کی حکومت کو دائمی خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

آلیور تھیچر اور فرڈ۔ننڈ کا بیان ہے کہ طغرل بیگ کے جانشین مغرب میں برابر اپنی فتوحات بڑھائے گئے' یہاں تک کہ تمام ایشیائے کوچک کو انہوں نے شہنشاہ الیکزس کے ہاتھ سے نکال لیا اور خود قسطنطنیہ ان کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گیا۔ (تاریخ یورپ آلیور تھیچر ج ا ص ۲۸۱ ترجمہ اردو دارالترجمہ حیدر آباد دکن۔)

اے جے گرانٹ لکھتا ہے:۔

"ترکان آل سلجوق نے بغداد پر قبضہ کر کے اسلام میں ایک نئی روح پھونک دی اور شام و فلسطین پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا تھا' (فلسطین و شام میں بھی سلجوقی حکومت قائم ہو گئی تھی' جو دولت بوریہ کے نام سے موسوم تھی' اس کا بانی تاج الدولہ تتش ارسلان تھا' ۴۷۱ھ میں یہ حکومت قائم ہوئی اور ۵۴۹ھ میں نورالدین محمود زنگی اتابکی کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا) یروشلم کے مسیحی زائرین کو ان سے تکلیفیں پہنچنے لگیں اور تمام یورپ ان کی داستان مصیبت سے گونج اٹھا (اس کی حقیقت آئندہ ظاہر ہو گی) ترک اس کے بعد ایشیائے کوچک میں گھس گئے اور ۱۰۷۱ھ میں سیکرت میں انہوں نے ایک شہنشاہی فوج کو شکست دی اور شہنشاہ کو گرفتار کر لیا (قیصر ارمانوس مراد ہے' جس کی گرفتاری کا حال اوپر گذر چکا ہے)

مسلمانوں کی طرف سے یورپ کو آٹھویں صدی کے بعد سے کوئی ایسا خطرہ نہیں پیش آیا تھا' کیونکہ مشرق کے علاوہ مغرب میں بھی ان کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا' ہسپانیہ میں جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں وہ کچھ سنبھلنے لگی تھیں' مگر یہاں بھی مسلمانوں کا اقبال زور پر تھا' اور ۱۰۸۶ھ میں زلافہ کی عظیم الشان جنگ میں مسیحیوں کو شکست ہوئی۔ (الفانسو دوم اور یوسف بن تاشقین کی جنگ کی طرف اشارہ ہے) اس طرح آٹھویں صدی کی طرح پھر یورپ کے دونوں محاذوں پر خطرہ موجود تھا' اور سخت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا جائے۔

(تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۲۵۳' ۲۵۴ ترجمہ اردو)

سب سے زیادہ مشرقی یورپ میں تھا' جہاں سلجوقی قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گئے تھے' چنانچہ قیصر الیکزس نے ان کو روکنے کے لیے یورپ کی حکومتوں سے مدد طلب کی۔ (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ترجمہ اردو و تاریخ یورپ ج ۱ ص ۳۵۴) اور اس کے حصول کے لیے قسطنطنیہ کا مشرقی کلیسا روم کے مغربی کلیسا کے سامنے جھکنے کو تیار ہو گیا۔

(خطط الشام کرد علی ج ص ۲۷۶)

اتفاق سے اسی زمانہ میں بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے جن سے پوپ اربن دوم کو ایک مذہبی بہانہ ہاتھ آ گیا' شام و فلسطین کی سلجوقی حکومت نے بیت المقدس کے مسیحی زائروں کے بے عنوانیوں کی وجہ سے ان پر کچھ پابندیاں عائد کر دیں' لیبان کا بیان ہے:

"قسطنطین کے وقت سے اور علی الخصوص اس زمانہ سے جب ہارون الرشید شارلیمین کے مابین پیام و سلام ہوا' عیسائیوں کی زیارت فلسطین جاری رہی اور روز بروز بڑھتی گئی' ان زائرین کے بعض گروہ تو فی الواقع ایک فوج کی حیثیت رکھتے تھے' ایک قیس رچرڈ اپنے ساتھ سات سو آدمی لے گیا' جو وہاں تک نہ پہنچ سکے اور سائپرس واپس آئے ۱۰۴۴ھ میں شیر فرائے میانس کا بطریق اور چار بطریق اور اپنے سات ہزار زائرین کا گروہ لے گئے' ان میں بہت سے سردار اور امراء تھے جو بدویوں اور ترکمانوں سے لڑتے بھی تھے بیت المقدس کی زیارت اس قدر مشکل اور پر خطر ہو گئی کہ پادریوں نے مجرموں کے لیے اسے سزا قرار دیا تھا' اس زمانہ میں بڑے بڑے مجرم بہت ہی کثرت سے تھے اور چونکہ دوزخ کی آگ کا خوف شدت سے تھا' اس لیے زائرین کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ بہ استثناء چند راسخ الاعتقاد اشخاص کے' بیت المقدس کے اکثر زائرین اس قسم کے بدمعاش ہوتے تھے' جن کی فطرت میں ہر قسم کی شرارت بھری ہوئی تھی اور جنہیں محض دوزخ کی آگ میں جلنے کا خوف اتنی دور لے جاتا تھا۔ ان زائروں کی تعداد روز بروز اس درجہ بڑھتی گئی اور اس کے اطوار بتدریج اس قدر بگڑتے گئے' کہ ترکمانوں نے جو اس وقت شام کے حاکم تھے اور عربوں کے جیسے متحمل اور روادار نہ تھے' انہیں روکا اور اصرار کیا کہ بلا اجازت کے وہ ایک اسلامی ملک میں زیارت کے لیے نہ آئیں' بعوض اس کے کہ وہ بیت المقدس میں نہایت شان سے باجے بجاتے ہوئے اور مشعلیں روشن کیے ہوئے

(جیسا کہ عربوں کے زمانہ میں دستور تھا) داخل ہوں' ترکمانوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ فروتنی کے ساتھ آئیں' بلکہ ان پر انواع و اقسام کے تشدد بھی کیے۔

(تمدن عرب ص ۲۹۳ ترجمہ اردو)

اتفاق سے اسی زمانہ میں فرانس کا پیٹر نامی ایک راہب بیت المقدس کی زیارت کو گیا۔ لیبان نے مخبوط الحواس اور متعصب کے لقب سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (تمدن عرب ص ۲۹۳ ترجمہ اردو) وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ میں دیکھ کر بہت متاثر ہوا' یہاں کے بطریق سمعان نے مدفن مسیح پر مسلمانوں کے قبضہ اور عیسائیوں پر ان کے مظالم کی فرضی داستان سنا کر اس کے جذبات کو اور زیادہ بھڑکایا اور وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑانے پر آمادہ ہو گیا' (الاخبار السنیہ فی حروب الصلیبیہ ص ۴) یہاں سے واپسی پر وہ سیدھا روم پہنچا اور بابائے روم اربن دوم سے مل کر ساری داستان سنائی' مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کے سیاسی اسباب جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' پہلے سے موجود تھے' پیٹر کی فریاد سے پوپ کو ایک مذہبی بہانہ ہاتھ آگیا اور وہ اس مقدس کام میں مدد دینے کے لیے آمادہ ہو گیا' اور پیٹر کو یورپ کی حکومتوں کے نام سفارشی خطوط دے کر عیسائی دنیا میں مقدس جہاد کی منادی پر مامور کیا۔ (الاخبار السنیہ و تمدن عرب ص ۲۹۴) وہ پوپ کا اجازت نامہ لے کر سارے فرانس و اٹلی میں روتا پیٹتا پھرا' اور زائرین بیت المقدس پر مسلمانوں کے مظالم بیان کر کے ان کے خلاف سارے یورپ میں جوش پیدا کر دیا۔

(تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۵)

اس کے بعد پوپ اربن دوم نے ۱۰۹۵ھ میں فرانس کے شہر کلرمون میں عیسائی دنیا کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی' اس میں مختلف ملکوں کے اتنے نمائندے شریک ہوئے کہ کسی ایک مکان میں ان کی جگہ نہ نکل سکی اور چند فروعی امور کے تصفیہ کے بعد پوپ نے مجمع کو مخاطب کیا اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے پر ترغیب دی اور اس مقصد کے لیے اس نے انجیل کی ایک آیت کے معنی غلط بیان کیے اس قسم کی معنی آفرینی قرون وسطیٰ میں آئے دن ہوتی رہتی تھی' پوپ نے اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ اس وقت جو شخص اپنی صلیب کو نہ اٹھائے گا اور میرے ساتھ نہ چلے گا' وہ میرا پیرو نہیں ہے۔

(تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۵)

بقول اے جے گرانٹ:

"اس زمانہ میں دیوانہ پن کی ایک وبا پوپ میں پھیلی ہوئی تھی' پوپ گویا کلیسا کی زبان تھا' اور جو احکام اس کی زبان سے نکلتے تھے ان پر تمام یوپ آمنا و صدقنا کہتا تھا"

(تاریخ اے جے گرانٹ ص ۳۵۱)

اس لیے پوپ کی تقریر سے حاضرین میں ایک مجنونانہ جوش پیدا ہو گیا' اور سب چلا اٹھے' کہ خدا کی یہی مرضی ہے اور سرخ کپڑے کی صلیبیں اپنے سینوں پر لگا کر اس عظیم الشان مہم کے لیے تیار ہو گئے اور مردوں' عورتوں اور بچوں کا ایک انبوہ کثیر پیٹر زاہد کی قیادت میں روانگی کے لیے آمادہ ہو گیا۔ (تاریخ اے جے گرانٹ ص ۳۵۵)

لیبان کے بیان کے مطابق ان مقدس مجاہدین کا یہ حال تھا:

"جنت ملنے کے علاوہ ہر شخص کو اس میں حصول مال کا بھی ایک ذریعہ نظر آتا تھا' کاشتکار جو زمین کے غلام اور آزادی پر جان دیتے تھے' خاندانوں کی اولاد اصغر جو قانون وراثت کی رو سے محروم الارث تھی' امراء جنہیں آبائی جائیداد کا حصہ کم ملا تھا اور جنہیں دولت کی خواہش تھی' راہب جو خانقاہی زندگی کی سختیوں سے عاجز آ گئے تھے' غرض کل مفلوک الحال اور ممنوع الارث اشخاص جن کی تعداد بہت تھی' اس میں شریک تھے۔ (تمدن عرب ص ۲۹۵)

ان کی اخلاقی حالت یہ تھی کہ اس خالص جذبہ مذہبی میں حرص و ہوا' خود غرضی' ظلم و ستم' انتقام و منافرت اور جنگ و خون ریزی کے عناصر شامل ہو گئے' انہیں صرف مسلمانوں ہی سے نفرت نہ تھی بلکہ غریب یہودی بھی جو مغرب میں آباد تھے' گرفتار مصیبت ہو گئے۔ مالی نقصان کے علاوہ انہیں سخت جسمانی تکلیفیں پہنچائی گئیں اور طرفہ تماشا یہ تھا کہ ان کی بدکرداریوں کے بانی وہ لوگ تھے جو اس سرزمین کو آزاد کرانے جا رہے تھے' جہاں مسیح نے تمام بنی آدم کے لیے اپنی جان دی تھی۔ (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۵)

غرض صلیبی مجاہدین کا یہ بے نظام انبوہ جس کی تعداد تیرہ لاکھ تھی پیٹر راہب اور ایک مفلس سردار گوتیر کی قیادت میں قسطنطنیہ روانہ ہوا' ایسا معلوم ہوتا تھا' گویا سارا یورپ ایشیاء پر چڑھ دوڑا ہے' راستہ میں جا بجا ان مجاہدین کی آؤ بھگت ہوئی' لیکن بلغاریہ والوں

نے مفت سامان رسد دینے سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر ان حامیان دین نے دیہاتوں کو لوٹنا اور اس کے باشندوں کو قتل کرنا شروع کر دیا' بلغاریوں نے بھی جو اس کے عادی نہ تھے' ان سے پورا بدلہ لیا۔ ہزاروں کو مارا اور دریا میں غرق کر دیا' باقی بھاگ کر کسی طرح قسطنطنیہ پہنچے' یہاں مختلف ملکوں کے مجاہدین کے گروہ پہنچ چکے تھے' ان سب نے مل کر قتل و غارت اور انواع و اقسام کے مظالم شروع کر دیئے' قیصرا لکرس نے عاجز آ کر انہیں باسفورس پار ایشیائے کوچک کی طرف ہانک دیا' یہاں ان کی وحشت و درندگی اور زیادہ بڑھ گئی اور انہوں نے بلا امتیاز مسلمان و عیسائی دونوں کے ساتھ وحشیانہ افعال شروع کر دیئے' ان کا محبوب شغل یہ تھا کہ جو بچہ ان کے سامنے آ جاتا اس کا تکا بوٹی کر کے آگ میں جلا دیتے' قلج ارسلان سلجوقی والی قونیہ نے ان کی وحشت کا ان سے پورا انتقام لیا' اور جانوروں کی طرح ان کا قتل عام کیا اور قریب قریب پوری فوج برباد ہو گئی۔

(تمدن عرب ص ۲۹۶)

اس درمیان میں یورپ کی حکومتوں کی فوجیں بھی تیار ہو گئیں اور یورپ کے فرمانروا نے اپنے اعزہ اور امراء کی قیادت میں ان کو روانہ کیا' شمالی فرانس کی فوجیں فلپ اول کے بھائی ہیگو آف درمینڈو اسٹفن کی قیادت میں تھیں' جنوبی فرانس کی درمینڈ کاؤنٹ ٹولوز کی نارمنوں کی شاہ انگلینڈ کے بھائی رابرٹ کی رائن کے جرمنوں اور فرانسیسیوں کی گارڈ فری رئیس بویلون کی جنوبی اٹلی و سسلی کی بوینڈ اور ٹنکرڈ کی قیادت میں روانہ ہوئیں' ان کے علاوہ یورپ کے اور بہت سے امراء بھی شریک تھے۔

ان فوجوں کی تعداد دس لاکھ تھی' اس میں جس قسم کے عناصر شامل تھے اور ان کے پیش نظر جو مقاصد تھے ان کے متعلق آلیور تھیچر کا بیان ہے کہ:

نصرانیوں کا یہ لشکر مختلف و متباین عناصر سے مرکب تھا' پاپا کا ارشاد ہو چکا تھا کہ جو لوگ اس راہ میں شہید ہوں گے' اس کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے' بہتوں نے اس ارشاد کے اعتماد پر خالص مذہبی جوش سے اس میں شرکت کی تھی' بہت سے ایسے لوگ اس میں شریک ہو گئے تھے جو ادائی قرض سے بچنا چاہتے تھے' یا اپنے خاندانوں سے بھاگ آئے تھے' بہت سے مجرم تک اس میں شریک تھے اور جرائم کی سزا سے جان بچانا چاہتے تھے' بہت سے نیم غلام اپنے آقاؤں کی سخت گیری

سے تنگ آ کر اس میں آ ملے تھے' بہت منچلے اس لیے داخل ہو گئے تھے کہ سیر و سیاحت و معرکہ آرائی کا لطف آئے گا' یہ عام سپاہیوں کا حال تھا' سرداران فوج تمام تر اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ ان کے اقتدار میں اضافہ ہو' اور مشرقیوں اور یونانیوں سے حاصل کیے ہوئے علاقوں پر مشرق میں اپنی آزاد حکومت قائم کریں' پوپ کا مقصد بے شک مقامات مقدسہ کا آزاد کرانا تھا' مگر اس کے ساتھ ہی یہ غرض بھی پیش نظر تھی کہ مشرق میں ان کا مذہبی اقتدار قائم ہو جائے (مشرق کی عیسائی دنیا قسطنطنیہ کے مشرقی کلیسا کے ماتحت تھی' جس کو روم کے کلیسا کے ساتھ ہمیشہ چشمک رہتی تھی) اٹلی کے جو شہر اس پہلے محاربے میں شریک ہوئے ان کی اصل غرض یہ تھی کہ اپنی تجارت کو پھیلائیں اور مشرقی سواحل پر اپنے خاص حقوق قائم کریں۔

(تاریخ اسلام یورپ الیور تھیچر ج ۱ ص ۲۸۳)

اے جے گرانٹ لکھتا ہے کہ:

"جب کلیسا کے حکم سے زرخیز مشرقی ممالک میں لڑنے اور فتوحات حاصل کرنے کا موقع ہاتھ لگا تو امرائے جاگیری نے اسے نہایت زرین موقع خیال کیا اور جنگ کے لیے فوراً تیار ہو گئے" (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۲)

خود یورپین مورخین کے ان بیانات سے ظاہر ہے کہ اس مقدس جہاد کے اصل مقاصد کیا تھے' بہر حال صلیبی فوجیں بحری اور بری دونوں راستوں سے علی الترتیب ہیگو آف درمنڈ اور کارڈ فری کی قیادت میں قسطنطنیہ روانہ ہوئیں' الیکزس ان کے اصل مقاصد سے غافل نہ تھا اس لیے صلیبیوں کے قسطنطنیہ کے پہنچنے کے قبل ہی ان میں اور الیکزس میں اختلاف شروع ہو گیا' الیکزس کا کہنا تھا کہ اس کے پرانے مقبوضات واپس لینے کے بعد اسے ملنے چاہئیں' اور صلیبی ان کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے تھے۔

(تاریخ اے جے گرانٹ ص ۳۵۶)

یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ ہیگو آف درمنڈ رومی سلطنت کے ساحل پر اترتے ہی الیکزس کے حکم سے گرفتار کر لیا گیا' گاڈ فری کو جو بری راستہ سے آ رہا تھا اور رومی حدود سلطنت میں داخل ہو چکا تھا' اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے الیکزس کے ملک میں قتل و غارت شروع کر دی' اس سے الیکزس کو بڑی تشویش پیدا ہو گئی اور اس نے ہیگو کو اس

شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آئندہ اس کے احکام کی پوری پابندی کرے گا اور اس کے منشا کے خلاف کوئی کام نہ کرے گا' صلیبی اس شرط پر بگڑ کر الیکزس سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے' اس نے ان کو دبانے کے لیے اپنی رعایا کو ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرنے سے روک دیا اس کے جواب میں صلیبیوں نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا' اس لیے الیکزس کو ممانعت اٹھا لینی پڑی۔

ایک دوسرے سردار بوھمینڈ آف ٹارنٹ نے خاص قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینے کا ارادہ کیا اس وقت الیکزس کو مجبور ہو کر گارڈ فری سے جو صلیبی فوج کا سپہ سالار اعظم تھا' صلح کرنی پڑی اور دونوں میں مفاہمت ہو گئی' صلیبیوں نے حلف لے کر وعدہ کیا کہ وہ اس کے مقبوضات اسے واپس کر دیں گے' اس مفاہمت کے بعد الیکزس نے صلیبیوں کو ہر ممکن مدد پہنچانے کا وعدہ کیا اور اپنے ممالک محروسہ میں اعلان کر دیا کہ صلیبی فوجیں جہاں جہاں سے گزریں وہاں کے باشندے ان کو سامان رسد اور دوسری سہولتیں بہم پہنچائیں۔

(الاخبار السنیہ ص ۱۰ تا ۱۲ ملخصاً")

اس مصالحت کے بعد ۱۰۹۷ھ میں صلیبی فوجیں گاڈ فری کی قیادت میں باسفورس کو عبور کر کے ایشیائے کوچک میں اتریں اور سلجوقیوں کے پایہ تخت قونیہ کا محاصرہ کیا' قلج ارسلان سلجوقی نے بڑی شجاعت سے مدافعت کی' لیکن دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا' اس لیے آخر میں قلج ارسلان کو شکست ہوئی۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۹۵) الیور تھیچر کا بیان ہے کہ دوران محاصرہ میں خود قیصر الیکزس نے قلج ارسلان کو مطیع بنا لیا۔ صلیبیوں میں اس سے بڑی برہمی پیدا ہوئی کہ انہیں لوٹنے کا موقع نہ مل سکا۔ (تاریخ یورپ جلد ۱ ص ۲۸۴)

قونیہ کے بعد صلیبی فوجیں شام کی طرف بڑھیں اور انطاکیہ کا محاصرہ کیا' یہاں کے سلجوقی' والی باغیسان نے پوری مدافعت کی' جب محاصرہ زیادہ طول کھینچا تو صلیبیوں نے رشوت دے کر شہر پناہ کے ایک محافظ کو ملا لیا' اس نے ایک دروازہ کھول دیا' اور صلیبی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں اور اس کی پوری مسلمان آبادی کو تہ تیغ کر دیا اور ان کے مکانات مسمار کر دیئے۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۹۵)

انطاکیہ پر صلیبیوں کے قبضہ اور مسلمانوں کے قتل عام کی خبر سن کر امیر قوام الدولہ کربوغا والی موصل آس پاس کے مسلمان حکمرانوں کو ساتھ لے کر انطاکیہ کے مسلمانوں کی

مدد کے لیے پہنچا' اس وقت سامان رسد کی قلت کی وجہ سے صلیبیوں کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی اور ان میں تازہ دم اسلامی فوجوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' انہوں نے کربوغا کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر ان کو راستہ دے دیا جائے تو وہ انطاکیہ چھوڑ کر چلے جائیں گے' کربوغا نے جواب دیا کہ تم کو تلوار ہی نکالے گی' اس جواب سے صلیبیوں میں بڑی مایوسی پھیل گئی' ایک ہوشیار راہب نے ان کی ہمت بندھانے کے لیے ایک خاص مقام پر ایک نیزہ دفن کر کے یہ مشہور کر دیا کہ اس کو خواب میں بشارت ہوئی ہے کہ فلاں مقام پر حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک نیزہ دفن ہے اگر وہ مل جائے تو ہماری فتح یقینی ہے' چنانچہ اس مقام کو کھودا گیا تو اس سے نیزہ برآمد ہو گیا' اس سے صلیبیوں کے دل بڑھ گئے اور وہ متفرق طور سے مقابلہ کے لیے انطاکیہ سے باہر نکلنے لگے' مسلمانوں نے کرغوغا سے کہا' اس وقت حملہ کا بہترین موقع ہے' اس نے سب پر ایک ساتھ حملہ کے خیال سے اجازت نہ دی اور کل صلیبی باہر نکل کر مقابلہ کے لیے صف آراء ہو گئے۔

کربوغا کی بد دماغی اور اس کے ناپسندیدہ طرز عمل سے دوسرے امراء سخت بددل ہو رہے تھے' اس لیے انہوں نے عین موقع پر ساتھ چھوڑ دیا اور مسلمانوں کو بڑی فاش شکست ہوئی' ان کا کل سازو سامان صلیبیوں کے قبضے میں آگیا۔

(ابن اثیر ج ۱ ص ۹۶ و تاریخ یورپ ج ۱ ص ۲۸۵)

اس کامیابی کا جشن منانے کے بعد صلیبی فوجیں شمالی ویت نام کی طرف بڑھیں اور معرۃ النعمان کو فتح کر کے تین دن تک قتل عام کرتی رہیں۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان اور اسی قدر زندہ گرفتار کیے گئے' معرۃ النعمان کے بعد عرقہ کا محاصرہ کیا' لیکن اس کو فتح نہ کر سکے' ان کی سفاکی دیکھ کر امیر منقد والی شیرز نے صلح کر لی اور صلیبی حمص پہنچے' یہاں کے حاکم جناح الدولہ نے بھی صلح کر لی' اس کے بعد صلیبیوں نے مکہ فتح کرنے کی کوشش کی' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور انہوں نے اصل منزل مقصود بیت المقدس کا رخ کیا' جنگ صلیبی کے آغاز میں بیت المقدس سلجوقیوں کے قبضہ میں تھا' لیکن انطاکیہ پر قبضہ کے بعد جب ان کی قوت کمزور پڑی تو فاطمیہ مصر نے اس پر قبضہ کر لیا تھا' اور صلیبیوں کے حملہ کے وقت وہ ان ہی کے قبضہ میں تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۹۶ و تاریخ یورپ ج ۱ ص ۹۸)

رجب ۴۹۲ھ مطابق جون ۱۰۹۹ء میں صلیبی مجاہدین نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا' ان

کے سیلاب کو روکنے کی مسلمانوں میں طاقت نہ تھی، اس لیے بیالیس دن کے محاصرہ کے بعد شعبان ۴۹۲ھ مطابق جولائی ۱۰۹۹ میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو گیا اور کئی ہفتوں تک اس مقدس شہر میں قتل عام کرتے رہے، صرف مسجد اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمان قتل کیے گئے، جن میں بڑی تعداد مختلف ملکوں کے ان تارک دنیا علماء و مشائخ کی تھی، جو ہجرت کر کے اس مقدس مسجد میں مشغول عبادت تھے، مسجد اقصیٰ کا تمام طلائی و نقرئی بیش قیمت سامان لوٹ لیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۹۸)

بیت المقدس کی فتح میں صلیبی مجاہدین نے جس وحشت و درندگی کا ثبوت دیا اس پر خود منصف مزاج یورپین مورخین تک نے ملامت کی ہے، فرانسیسی مورخ میشو لکھتا ہے:

بیت المقدس کی فتح میں صلیبیوں نے ایسے اندھے تعصب کا ثبوت دیا ہے، جس کی مثال گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی، عربوں کو زبردستی اونچے برجوں اور بلند مکانوں کی چھت سے گرا دیتے تھے، آگ میں زندہ جلا دیتے تھے، گھروں سے نکال کر میدانوں میں جانوروں کی طرح گھسیٹتے تھے، مقتول مسلمانوں کی لاشوں پر لے جا کر مسلمانوں کو قتل کرتے تھے، کئی ہفتوں تک قتل عام کرتے رہے، مشرق و مغرب کے بیان کے مطابق انہوں نے ستر ہزار مسلمانوں سے زیادہ تہ تیغ کیے، (یہ تعداد صرف مسجد اقصیٰ) کے مقتول مسلمانوں کی ہے، بہت سے یہودیوں نے مذبح میں پناہ لی، صلیبیوں نے آگ لگا کر مع مذبح کے ان کو جلا دیا۔ (خطط الشام کرد علی ج ا ص ۲۸۲ بحوالہ میشو)

لیبان نے جنگ صلیبی کے مشہور مجاہد اور عینی شاہد رابرٹ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"ہمارے لوگ صلیبی راستوں پر مکانوں کی چھت پر دوڑ رہے تھے اور مثل اس شیرنی کے جس کے بچے چھین لیے گئے ہوں قتل عام کے مزے لے رہے تھے، یہ بچوں کے ٹکڑے کر رہے تھے اور جوان و پیر فرتوت دونوں کو برابر قتل کر رہے تھے، یہ کسی متنفس کو کبھی نہ چھوڑتے اور جلد فراغت حاصل کرنے کی غرض سے ایک ہی رسی میں کئی کئی آدمیوں کو لٹکا دیتے تھے، ہمارے لوگ جو پاتے لے لیتے اور مردوں کے پیٹ چیر کر ان سے روپے اور اشرفیاں نکالتے، افسوس اے طمع از شہر کے راستوں میں خون کے دریا بہتے اور چاروں طرف لاشیں پھیلی ہوئی تھیں، او اندھو! تم سب کو ایک دن مرنا ہے، ان میں ایک فرد بشر ایسا نہ تھا، جو مذہب عیسوی

قبول کرتا۔ بالآخر بو مینڈ نے ان سب کو جنہیں اس نے قصر کے صحن میں جمع کیا تھا' سامنے بلایا اور بلا امتیاز بوڑھے' عورت اور مرد اور معذور و بے کار اشخاص سب کو قتل کیا اور جو جوان اور مضبوط تھے انہیں فروخت کرانے کے لیے انطاکیہ بھجوا دیا۔"

ایک دوسرے عینی شاہد ریمانڈ واڈیل پوئی کے قسیس کا بیان نقل کرتا ہے:

"جس وقت ہمارے آدمی دیوار اور برجوں پر قابض ہو گئے' تو مسلمانوں میں عجیب واقعات نظر آنے لگے' کسی کا سر کٹا ہوا تھا' کسی کے چہرے مجروح تھے' اور وہ مجبوری اپنے کو دیواروں سے نیچے گرا رہے تھے' بعض دیر تک مجروح پڑے رہنے کے بعد جلا دیئے گئے' بیت المقدس کے راستوں اور ہر جگہ پر سروں' ہاتھوں اور پاؤں کے انبار لگے ہوئے تھے' اور لاشوں پر سے چلنا پڑتا تھا' مگر یہ بہت کم ہے بمقام اس کے جو وقوع میں آیا' ہیکل سلیمانی میں اس قدر خون بہا تھا کہ اس صحن میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں' کسی کا ہاتھ' کسی کا پیر' کسی کا دھڑ سب بے جوڑ اس طرح سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ انہیں پہچاننا مشکل تھا' صلیبیوں نے اس قتل عام کو ناکافی سمجھ کر ایک مجلس منعقد کی' جس میں یہ امر قرار پایا کہ کل باشندگان بیت المقدس' مسلمان' یہودی اور غیر مقلد' عیسائی سب تہ تیغ کر دیئے جائیں' ان کی تعداد تقریبا ساٹھ ستر ہزار تھی' یہ قتل عام کا بازار باوجود حامیان دین عیسوی کی مستعدی کے آٹھ روز تک گرم رہا' عورتیں' بچے' بوڑھے' سب مارے گئے' کوئی متنفس جانبر نہ ہوا۔"

یہ دردانگیز واقعات نقل کرنے کے بعد لیبان لکھتا ہے کہ:

"ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اقوام مشرقی جو اس وقت اس قدر مہذب تھیں' ایسے غنیم کی بابت کیا خیال کرتی تھیں' ان کی تاریخیں بھی نفرت سے بھری ہوئی ہیں اور سعدی شیرازی نے ان ہی کی نسبت کہا ہے کہ انہیں آدمی کہنا انسانیت کی عار ہے' ان کا برتاؤ اس مقدس شہر کے باشندوں کے ساتھ کیا تھا' بالکل مختلف تھا' جو حضرت عمرؓ نے کئی صدی بیشتر عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا۔" (تمدن عرب ص ۲۹۸' ۲۹۹)

صلیبی مجاہدوں نے بیت المقدس کی فتح کے بعد پوپ کو ان الفاظ میں یہ مژدہ

لکھا تھا:

"خدا ہمارے عجز و انکسار سے رام ہو گیا اور ہمارے عجز و الحاح کے آٹھویں روز اس نے شہر کو دشمنوں سمیت ہمارے حوالہ کیا۔۔۔ اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ جو دشمن وہاں موجود تھے' ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔" (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۲۵۷)

بیت المقدس پر قبضہ کے بعد صلیبیوں نے اس کے آس پاس کے تمام شہروں صور' عکہ اور رملہ اور یافا وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور گاڈ فری کے سامنے بیت المقدس کا تاج و تخت پیش کیا' اس نے تاج اور بادشاہ کا لقب قبول کرنے سے انکار کیا کہ:

"جس سرزمین میں مسیح کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا ہو' وہاں وہ سونے کا تاج پہن کر بادشاہ کہلانا پسند نہیں کرتا۔"

اور صرف محافظ مسیح کی حیثیت سے فلسطین کی حکومت قبول کی' انطاکیہ کا علاقہ بوہمینڈ کو ملا' رہا بوڈوین کے حصہ میں آیا اور طرابلس الشام ریمنڈ کے حصہ میں پڑا۔ اس طرح شام میں چار عیسائی حکومتیں قائم ہو گئیں۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کے قبضہ اور مسلمانوں کے وحشیانہ قتل عام سے ساری دنیائے اسلام میں اضطراب پیدا ہو گیا' اس کی مرکزی حکومت خلافت بغداد میں کوئی دم باقی نہ تھا۔ اس کے منتظم سلجوقی خانہ جنگی میں مبتلا تھے' اس لیے وہاں کوئی مدد نہ پہنچ سکی' شام' مصر' دیار بکر' دیار ربیعہ' موصل وغیرہ کے مسلمان فرمانرواؤں سے جہاں تک ہو سکا فرنگیوں کے مقابلہ کی کوشش کی' اور صلیبی لڑائیوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو گیا' ان لڑائیوں میں وقتاً" فوقتاً" مسلمان حکمران بھی کامیاب ہوتے رہے' لیکن ان میں باہم اتحاد نہ تھا' اور صلیبیوں کو یورپ کی حکومتوں کی پشت پناہی حاصل تھی اور وہاں سے امداد کا سلسلہ برابر جاری تھا' اس لیے چند برسوں کے اندر انہوں نے قریب قریب پورے شام و فلسطین پر قبضہ کر لیا' اور مسلمانوں کے پاس صرف حمص' حماۃ' دمشق' حلب اور چند چھوٹے چھوٹے مقامات رہ گئے۔

بیت المقدس کی فتح میں صلیبی جس وحشت و درندگی کا ثبوت دے چکے تھے اس کو

شام کی کل فتوحات میں دہراتے تھے، جس شہر کو فتح کرتے اس کی پوری آبادی تہہ تیغ کر دیتے ان کی اس وحشت و سفاکی سے سارا شام ویران ہو گیا۔

(خطط الشام کرد علی ج ا ص ۲۸۳)

جنگ صلیبی کا تعلق زیادہ تر شام و مصر کی حکومتوں سے ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اور اس کی تفصیل بڑی طویل ہے، اس لیے ہم اس سلسلہ کو صرف اہم اور خصوصاً ان واقعات کے تذکرہ پر اکتفا کریں گے، جن کا تعلق خلافت بغداد یا اس کے متولی ایران کے سلجوقیوں سے ہو گا۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کے قبضے کے بعد کئی سال تک خلافت بغداد سے شامی مسلمانوں کو کوئی مدد نہ مل سکی اور شام، مصر، موصل اور جزیرہ کے مسلمان حکمرانوں کی مدافعت کے باوجود انہوں نے شام کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا تھا، حصن اثارب پر ۵۰۵ھ میں عیسائیوں کے قبضہ کے بعد مسلمانوں کی قوت اتنی کمزور پڑ گئی، اور ان پر اتنا خوف و ہراس طاری ہو گیا کہ جو مقامات ان کے قبضہ میں باقی رہ گئے تھے، ان کے نکل جانے کا بھی خطرہ پیدا ہو گیا، مسلمان حکمرانوں نے ان کو بچانے کے لیے صلیبیوں سے صلح کرنے کی کوشش کی، ان کی قوت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ بڑی مشکلوں سے روپیہ لے کر عارضی صلح پر رضامند ہوئے۔

یہ صورت حال دیکھ کر اہل حلب کا ایک وفد فریاد لے کر بغداد پہنچا، یہاں کے مسلمانوں اور علماء نے ان کا پورا ساتھ دیا۔ اور جامع سلطان میں جا کر فریاد کی، نمازیوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا، مسجد کا منبر توڑ ڈالا، یہ جوش و خروش دیکھ کر سلطان محمد نے سلجوقی امدادی فوجیں بھیجنے کا وعدہ کیا لیکن اس کے ایفائے عہد کی کوئی امید نہ تھی، اس لیے دوسرے جمعہ کو مسلمانوں نے قصر خلافت کی مسجد پر ہجوم کیا، حاجبوں نے روکنے کی کوشش کی، مجمع نے زبردستی گھس کر مقصورہ کی کھڑکی اور منبر کو توڑ ڈالا، یہ صورت حال دیکھ کر مستظہر نے سلطان محمد کو شامی مسلمانوں کی مدد کے لیے فوجی انتظام کرنے کا حکم دیا۔

اس حکم پر سلطان نے خلافت بغداد کے زیر اثر تمام امراء فرمانرواؤں کو اپنی فوجیں لے کر شام جانے کا حکم دیا۔ اور ۵۰۵ھ میں سلطان محمد کا لڑکا مسعود امیر مودود والی موصل امیر سکمان قطبی والی تبریز، امیر ابکیکی اور امیر زنگی والی ہمدان، امیر احمدیل والی مراغہ،

امیر ایلغاری والی ماردین کا لڑکا ایاز' فوجیں لے کر شام پہنچے اور ملیسیوں کے مقبوضہ کئی علاقے فتح کیے' لیکن پھران امراء میں باہم پھوٹ پڑ گئی' شام کے بعض مسلمان فرمانرواؤں نے بھی ان سے تعاون نہیں کیا اس وجہ سے یہ فوجیں بے نتیجہ لوٹ گئیں۔

۵۰۶ھ میں فلسطین کے فرمانروا بوڈوین نے جو گاڈ فری کے بعد اس کا جانشین ہوا تھا' دمشق پر مسلسل یورش شروع کر دی' امیر طغتگین والی دمشق نے امیر مودود سے مدد طلب کی وہ اپنی فوج لے کر پہنچا' امیر تمبرک والی نجار اور امیر یلغاری والی ماردین کا لڑکا ایاز بھی پہنچ گئے اور سب نے مل کر بوڈوین کو بڑی فاش شکست دی وہ خود گرفتار ہو گیا' لیکن مسلمان اسے پہچانتے نہ تھے اس لیے چھوڑ دیا' اس دوران میں طرابلس اور انطاکیہ کے فرنگی فرمانروا تازہ دم فوجیں لے کر پہنچ گئے' لیکن دور ہی سے جھڑپ کر کے لوٹ گئے' اس کی واپسی کے بعد مسلمانوں نے مکہ قدس تک کا صلیبی علاقہ ویران کر ڈالا اور امیر مودود فوجوں کو آرام دینے کے لیے دمشق لوٹ گیا' ربیع الاول ۵۰۷ھ میں جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد گیا' ایک باطنی نے حملہ کر کے زخمی کر دیا' زخم کاری تھا' مودود روزے سے تھا' لوگوں نے افطار کرانے کی کوشش کی' اس نے کہا میں خدا سے روزے کی حالت میں ملوں گا' اور شام ہوتے ہوتے انتقال کر گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۷۲'۱۷۵)

سلطان محمد کو امیر مودود کی شہادت کا بڑا قلق ہوا اس نے اس کی جگہ امیر اقسنقر کو موصل کا والی مقرر کیا اور اپنے لڑکے مسعود کو اس کے ہمراہ شام روانہ کیا' دوسرے تمام امراء کو ان کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے رہا کا محاصرہ کیا' لیکن پھر سامان رسد کی قلت کی وجہ سے دو مہینے کے بعد محاصرہ اٹھا کر لوٹ گئے۔

**سلطان محمد کا انتقال** ذی الحجہ ۵۱۱ھ میں سلطان محمد نے ۳۷ سال کی عمر میں انتقال کیا' اس کی مستقل حکومت برکیارق کے بعد ۴۹۸ھ سے شروع ہوئی تھی' اس حساب سے اس کی مدت حکومت ۱۳ سال تھی' سلطان اپنے اوصاف و خصوصیات میں اپنے نامور اسلاف کا صحیح جانشین اور شجاعت و شہامت' عدل و انصاف' حسن خلق تمام اوصاف سے آراستہ تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۸۵)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ ساری عمر میں اس سے کوئی برا کام صادر نہیں ہوا' اس کے عدل سے بڑے بڑے امراء کو کسی شخص پر ظلم و زیادتی کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی' اس

کی عدل پروری کے متعدد واقعات ابن اثیر نے نقل کیے ہیں' رعایا کی سہولت اور تجارت کی ترقی کے لیے ہر قسم کے ٹیکس موقوف کر دیئے تھے۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۸۵)

عماد الدین اصفہانی کا بیان ہے کہ سلطان محمد کو تائید ایزدی حاصل تھی' وہ مبارک فال تھا' شباب میں بھی وہ پاکباز رہا' حوصلہ مندی اور سیاست ملکی میں اپنے دادا الپ ارسلان کے نقش قدم پر تھا۔ باوقار' پر ہیبت اور دانشمند تھا' جب اس کے ہاتھ میں زمام حکومت آئی اس وقت اس کے بھائی کی حکومت کے اثر سے سارا نظام درہم برہم ہو رہا تھا' سلطان نے اس کی تنظیم و شیرازہ بندی کر کے سلطنت کو مضبوط و مستحکم کیا۔ (تاریخ آل سلجوق ص ۵۱)

راوندی لکھتا ہے کہ سلطان دینداری' عدل و انصاف' عفت و پاک دامنی' اصابت اور پابندی' عہد کے اوصاف سے متصف تھا۔ (راحۃ الصدور ص ۱۵۳)

اس کے اوصاف و کمالات کے شاہد خود اس کے واقعات زندگی ہیں' ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کے تاج و تخت کے بہت سے دعویدار پیدا ہو گئے تھے' ان کی اور برکیارق کی خانہ جنگی سے سلطنت کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا' برکیارق کے بعد سلطان محمد نے اس بکھرے ہوئے شیرازہ کو مجتمع کر کے پھر سلجوقی حکومت کو زندہ کیا' جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' اس کا ایک بڑا کارنامہ باطنیوں کا استیصال ہے' اگر اس نے ہمت و مستعدی سے کام نہ لیا ہوتا تو مشرق کے سارے اسلامی ممالک میں قیامت بپا ہو جاتی' راوندی لکھتا ہے کہ سلطان نے دین کے اعزاز اور ملحدوں کے استیصال اور ان کے قلع قمع کرنے میں بڑا جہاد کیا' اور اسلام کی عزت و ناموس کی حفاظت میں بڑا کارنامہ دکھایا' اپنی قوت و قہر کے تیشہ سے کفر و بدعت کے خس و خاشاک کو پاک کر دیا' اس نے اصفہان کے باطنیوں کے قلعہ کی تسخیر میں بڑی زحمت اٹھائی' سات برس تک مسلسل خواب و خور حرام کر لیا تھا' اگر اس کو باطنیوں کے مقابلہ میں یہ فتح بین نہ حاصل ہوئی ہوتی تو دین و مذہب کا خاتمہ ہو جاتا۔

(راحۃ الصدور ص ۱۵۳)

**سلطان محمود** سلطان مرض الموت میں اپنے لڑکے محمود کو جانشین بنا گیا تھا' چنانچہ اس کی وفات کے بعد ذی الحجہ ۵۱۱ھ میں وہ تخت نشین ہوا' مستظہر نے بھی اس کی حکومت کی تصدیق کر دی اور بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا' سلطان محمود کی عمر اس

وقت ۱۴ سال تھی اس کا وزیر ابو منصور فرائض حکومت انجام دیتا تھا۔

**مستظہر کی وفات** سلطان محمد کی وفات کے چھ مہینے بعد ربیع الثانی ۵۱۲ھ میں مستظہر نے انتقال کیا' اس کی عمر اس وقت ۴۲ سال سے زیادہ نہ تھی' مدت خلافت ۲۴ سال۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مسلسل تین خلفاء اور تین سلجوقی سلاطین کا انتقال قریب ہی قریب زمانہ میں ہوا' الپ ارسلان کی موت کے بعد ہی قائم نے انتقال کیا' مقتدی نے ملک شاہ کا ساتھ دیا مستظہر نے سلطان کی مشایعت کی'

**اوصاف** مستظہر بھی جامع اوصاف خلیفہ تھا' ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ نرم خو پسندیدہ خصال تھا' لوگوں کے ساتھ احسان و سلوک اور نیکی اور ثواب کے کاموں میں بڑا مستعد اور تیز دست تھا' کسی عزت و شرف کے سوال کو رد نہیں کرتا تھا' اپنے عمال پر کامل اعتماد رکھتا تھا' ان کے بارہ میں کسی کی چغلی اور شکایت پر کان نہ دھرتا تھا' خود غرض لوگوں کی باتوں سے اس کے عزم میں فرق نہ آتا تھا اور وہ اپنی رائے نہ بدلتا تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۸۹)

علمی اعتبار سے بھی فاضل تھا' (دول الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۴) خط نہایت پاکیزہ تھا' ادب و انشاء کا بلند مذاق رکھتا تھا' اس مختصر توقیعات اس کے ذوق ادب کا نمونہ ہیں۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۸۹) علماء و مشائخ کو دوست رکھتا تھا۔ (تاریخ خلفاء ص ۴۳۶)

حسن انتظام اور رعایا کے سکون و راحت و فارغ البالی کے لحاظ سے بھی اس کا دور ممتاز تھا' گو اس کے زمانہ میں خانہ جنگی' باطنیوں کی یورش اور جنگ صلیبی کی وجہ سے بڑے بڑے انقلابات ہوئے لیکن خلافت بغداد کے حسن انتظام سے خاص بغداد پر اس کا بہت کم اثر پڑا اور یہاں پورا سکون قائم رہا' اس اعتبار سے اس کا دور عہد سرور تھا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس کا زمانہ رعایا کے لیے سرور و شادمانی کا دور اور اپنی گوناگوں خوبیوں کے اعتبار سے گویا ہر روز روز عید تھا۔ (تاریخ خلفاء ص ۴۳۶) اس کے ہاتھ سے کسی کو تکلیف و ایذا نہ پہنچتی تھی' اس بارہ میں وہ سلجوقی سلاطین اور ان کے نائبوں کے احکام کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔ (تاریخ خلفاء ص ۴۳۶)

# ابو منصور فضل بن مستظہر الملقب بہ مسترشد باللہ

## ۵۱۲ھ تا ۵۲۹ھ مطابق ۱۱۱۸ء تا ۱۱۳۴ء

مستظہر اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابو منصور فضل کو اپنا جانشین نامزد کر گیا تھا' مستظہر کی وفات کے بعد قاضی ابوالحسن و امغانی نے اس کی بیعت لی اور ربیع الاول ۵۱۲ھ میں وہ تخت نشین ہوا اور مسترشد باللہ لقب اختیار کیا' اس وقت اس کا ستائیسواں سال تھا۔

**امیر ابوالحسن عباسی کا فرار اور اس کی بیعت** عباسی خاندان کے تمام ارکان نے مسترشد باللہ کی بیعت کر لی تھی لیکن اس کا بھائی ابوالحسن کو مسترشد سے کچھ اختلاف تھا' حلہ کے فتنہ انگیز والی دبیس بن صدقہ کے پاس بھاگ گیا تھا' دبیس بھی مسترشد کے خلاف تھا' اس نے ابوالحسن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ ٹھہرایا' اس سے مسترشد کو تشویش پیدا ہو گئی' اس نے نقیب النقباء شرف الدین علی بن طراز زینی کو دبیس کے پاس ابوالحسن کو لانے کے لیے بھیجا' دبیس نے کہا میں خلیفہ کا خادم اور بندہ فرمان ہوں' لیکن جس شخص نے میرے گھر میں پناہ لی اس کو میں اس کی مرضی کے خلاف حوالہ نہیں کر سکتا' یہ جواب سن کر نقیب النقباء نے ابوالحسن سے گفتگو کی اور اس کو اطمینان دلایا کہ میرے ساتھ واپس چلو' تم کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے پائے گا اور تمہارے جو مطالبات ہوں گے' وہ سب پورے کیے جائیں گے' ابوالحسن نے جواب دیا کہ میں کسی شر اور بدنیتی سے نہیں بلکہ بھائی کے خوف سے بھاگ آیا تھا' اگر ان کی جانب سے اطمینان ہو جائے تو مجھے واپس جانے میں تامل نہیں ہے' نقیب النقباء نے واپس جا کر مسترشد سے یہ گفتگو بیان کی' وہ ہر طریقہ سے اطمینان دلانے کے لیے تیار ہو گیا' لیکن پھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ ابوالحسن واپس نہ گیا' اور چند دنوں کے بعد حلہ سے جا کر واسطہ پر قبضہ کر لیا' مسترشد نے دبیس کو لکھا کہ ابوالحسن نے اب ملک پر ہاتھ بڑھانا شروع کر دیا ہے' اس کا تدارک ضرورت ہے' اس وقت ابوالحسن اس کے یہاں سے جا چکا تھا' اس لیے ابوالحسن کی

گرفتاری کے لیے فوج روانہ کر دی' اس میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس نے واسطہ چھوڑ دیا' اس دوران میں وبیس کی فوجیں پہنچ گئیں' انہیں دیکھ کر ابوالحسن کے ساتھی اس سے الگ ہو گئے' ابوالحسن نے بھاگ کر نکل جانا چاہا' لیکن پکڑا گیا وبیس نے اس کو مسترشد کے پاس بھجوا دیا' ابوالحسن اسے دیکھ کر اس کے قدم پر گر پڑا' مسترشد نے درگذر سے کام لیا اور ابوالحسن کو گلے لگا کر خلعت سے سرفراز کیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۹۰)

## سلطان سنجر کے ساتھ محمود کی مخالفت اور اس کے نتائج

سلطان ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کا نامور فرزند سلطان سنجر والی خراسان' جس کا ذکر برکیارق کے حالات میں گذر چکا ہے' سلجوقی خاندان کی عظمت و ناموس کا محافظ تھا' اور سارا خاندان اس کو اپنا سرپرست و مربی مانتا تھا' اس کی حکومت خراسان' غزنہ' خوارزم اور ماوراء النہر تک پھیلی ہوئی تھی' (تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۱۰) اور اران' آرمینیہ' آذربائیجان' موصل' دیار ربیعہ' دیار بکر اور حرمین تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور "سلطان عظیم" کے لقب سے ملقب تھا۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۲۱۷)

سلطان سنجر اور سلطان محمود کا باپ محمد حقیقی' بھائی تھے' دونوں میں بڑی الفت و محبت تھی' سلطان محمود کی موت کا سنجر کو اتنا شدید قلق ہوا تھا کہ وہ کئی دن تک خاک پر بیٹھا رہا اور سات دن تک حکومت کے سارے کاروبار بند کر دیئے تھے' اس محبت و اعتماد کی بنا پر سلطان محمود کو سنجر کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی عزت و تکریم کی وصیت کرتا گیا' سلطان سنجر کی لڑکی بھی سلطان محمود سے منسوب تھی' اس لیے چچا کے رشتہ کے علاوہ سلطان اس کا خسر بھی تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۹۳)

لیکن ان گوناگوں تعلقات کے باوجود محمود کے مشیروں خصوصاً اس کے ناعاقبت اندیش وزیر و حاجب نے اس کو سلطان سنجر کی سلطنت کی طمع دلا کر اس کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ (راحۃ الصدور ص ۱۶۹) محمود کم سن اور ناتجربہ کار تھا' بھڑکانے میں آ گیا اور خان سمرقند کو لکھ بھیجا کہ ایک طرف سے میں بڑھتا ہوں اور دوسری طرف سے تم فوج کشی کرو' دونوں مل کر خراسان پر قبضہ کر لیں۔ (راحۃ الصدور ص ۱۶۹) محمود کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اور بھی بہت سی بے عنوانیاں اس سے سرزد ہوئیں' عماد الدین اصفہانی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ (دولت آل سلجوق ص ۱۱۱) اس لیے سلطان سنجر نے محض اس کی

تادیب و اصلاح کے لیے اس پر فوج کشی کر کے اس کی سلطنت چھین لی اور بغداد میں محمود کے بجائے سنجر کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا' سنجر کی ماں یعنی محمود کی دادی زندہ تھی اس کو قدرۃ" اس سے تکلیف پہنچی' اس نے سنجر کو بلا کر اس سے کہا' تم اتنی بڑی سلطنت کے مالک ہو تم نے غیروں کو حکومت دی ہے۔ کیا محمود کا حق ان کے برابر بھی نہیں' محمود کے امراء نے بھی اس کی جانب سے معذرت کی' ماں کے حکم کی تعمیل میں سلطان سنجر نے رے کے علاوہ باقی کل سلطنت محمود کو واپس کر کے اس کی حیثیت اپنے نائب کی کر دی' محمود نے جا کر چند دنوں تک سنجر کے پاس قیام کیا' سنجر کے اولاد نرینہ نہ تھی' محمود بھتیجا بھی تھا اور داماد بھی اس لیے سنجر اس سے بڑی محبت رکھتا تھا' چند دنوں کے بعد اس کو اپنا ولی عہد بنا کر تمام ممالک محروسہ میں اپنے نام کے خطبہ میں اس کا نام داخل کرنے کا حکم دیا اور بہت سے قیمتی ہدایا و تحائف دے کر شفقت و محبت کے ساتھ اس کو ہمدان واپس کیا۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۱۹۵ و راحۃ الصدور ص ۱۷۰)

**محمود اور مسعود کی جنگ** ۵۱۴ھ میں وبیس نے ایک نئی فتنہ انگیزی کی' سلطان محمود کے بھائی مسعود والی آذربائیجان کے اتابک جیوش بک کے ساتھ مل کر مسعود کو سلطان محمود کے خلاف کھڑا کر دیا' لیکن محمود نے اسے فاش شکست دی' مسعود روپوش ہو گیا' لیکن پھر چند دنوں کے بعد جان بخشی کرا کے محمود کے پاس چلا آیا' اس نے درگذر سے کام لیا' اپنی فوج اس کی پیشوائی کے لیے بھیجی اور مسعود کو گلے لگا کر احسان و سلوک سے پیش آیا اس کے اتابک جیوش کے ساتھ بھی جو اس فتنہ کے بانیوں میں تھا' احسانات کیے' لیکن اصل بانی فساد وبیس بھاگ گیا اور عراق میں لوٹ مار شروع کر دی' مسترشد اور سلطان محمود دونوں نے اس کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آیا اور مسترشد کو نہایت گستاخانہ جواب دیا اس لیے خود محمود کو فوج کشی کرنا پڑی' وبیس میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' بڑی زحمتوں کے بعد آخر میں اس نے اپنے بھائی منصور کو سلطان کے پاس بطور ضمانت بھیج کر اطاعت قبول کر لی' لیکن مسترشد نے اسے قبول نہ کیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۰۰)

**اسلامی حدود پر کرج کی یورش** اسی سنہ میں کرج' قفجاق اور خزر کے علاقہ کی دوسری قوموں نے اسلامی سرحد پر یورش کی' امیر ایلغاری' طغرل بن محمد اور امیر کنتغدی وغیرہ نے ان کو روکنے کی کوشش کی' لیکن ان کی غلطی سے ان کو شکست ہوئی اور خزر نے

ان کا تعاقب کر کے کئی ہزار مسلمان قتل و گرفتار کر لیے' ایلغاری وغیرہ امراء کسی طرح بچ کر نکل گئے' اور کرج نے تفلیس کا محاصرہ کر لیا' اہل تفلیس نے چند دنوں تک مدافعت کی' لیکن پھر محاصرہ کی سختیوں سے مجبور ہو کر تفلیس کے قاضی اور خطیب کو خزر کے پاس حصول امان کے لیے بھیجا' انہوں نے ان کو زندہ آگ میں جلا دیا اور تفلیس کو فتح کر کے ویران کر ڈالا اور مسلمانوں پر سخت مظالم ڈھائے' ان لوگوں نے بغداد اور ہمدان جا کر مسترشد اور سلطان محمود سے فریاد کی۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۰۰)

ان کے مصائب سن کر سلطان خود آذربائیجان گیا اور خزر کے مقابلہ کے انتظامات کر کے لوٹ آیا' لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور خزر کی یورش اور بڑھ گئی' دوبارہ شروان اور درنید کے مسلمانوں کا وفد سلطان کے پاس پہنچا اور کرج کے مقابلہ میں اپنی بے بسی بیان کی' اس لیے سلطان نے ۵۱۷ھ میں دوبارہ فوج کشی کی' کرج کی قوت اتنی بڑھی کہ فوج کی ہمت چھوٹ گئی' لیکن حسن اتفاق سے خود کرج اور قفچاقیوں میں تلوار چل گئی اور وہ لوٹ گئے اور جنگ کی نوبت نہیں آئی اور سلطان چند روز شروان میں ٹھہر کر ہمدان واپس ہوا۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۲۹)

**دبیس کی بغاوت اور ناکامی** اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مسترشد نے دبیس کے پیام اطاعت کو قبول نہیں کیا تھا اور سلطان کے پاس کہلا بھیجا تھا کہ دبیس اپنے باپ کے خون کا کینہ نکالنا چاہتا ہے۔ (سلطان محمد کے حکم سے صدقہ پر فوج کشی ہوئی اس میں وہ قتل ہوا) اس کو عراق کی حدود سے باہر نکالنا ضروری ہے اور اقسنقر برسقی والی موصل کو اس مہم پر مامور کیا تھا' دبیس نے اسے شکست دی اور مسترشد کو پھر رضامند کرنے کی کوشش کی اور اس کے پاس کہلا بھیجا کہ میں امیر المومنین کا تابع فرمان ہوں اور خالصہ شاہی کے محاصل کی تحصیل کے لیے ناظر کو بلا بھیجا' اس مرتبہ مسترشد رضامند ہو گیا۔

لیکن اس کی یہ اطاعت کیشی بھی اس غرض سے تھی کہ وہ اپنے سوتیلے بھائی' ابو علی کو' جو مسترشد کا وزیر تھا' گرفتار کرانا چاہتا تھا' چنانچہ مسترشد نے اس کے ایماء سے ابو علی کو قید کرا دیا۔ اس کی گرفتاری سلطان کے مزاج کے خلاف ہوئی' اس نے دبیس کے دوسرے بھائی منصور کو جس کو اس نے اپنی ضمانت میں سلطان کے پاس بھیجا تھا' قید کر دیا۔ اس کے انتقام میں دبیس نے واسط پر فوج کشی کر دی لیکن اہل واسط نے اسے نکال دیا' اس

سے وبیس کا غصہ اور تیز ہو گیا اس دوران میں اس کو معلوم ہوا کہ سلطان نے منصور کو اندھا کرا دیا' یہ سن کر وہ آپے سے باہر ہو گیا' اور عراق میں عام تاخت و تاراج شروع کر دی' نہرالملک خالصہ شاہی کو لوٹ لیا' یہاں کے باشندے گھربار چھوڑ کر بغداد بھاگ گئے' وبیس نے مسترشد کے پاس کہلا بھیجا کہ تم نے اقسنقر برستی کو میرے مقابلہ پر مامور کیا ہے اور سلطان نے میرے بھائی کو اندھا کر دیا ہے' اس کے انتقام میں بغداد کو لوٹ کر ویران کر ڈالوں گا۔

اس کے اس گستاخانہ پیام پر مسترشد نے خود اس کے مقابلہ میں جانے کا عزم کیا اور تمام ممالک محروسہ کے امراء کو بغداد طلب کیا' اس حکم پر بغداد میں فوجوں کا سیلاب امنڈ آیا' وبیس کو اس کی خبر ملی تو اس نے مسترشد کو راضی کرنے کی کوشش کی مگر اس نے اس کی معذرت قبول نہ کی اور ذوالحجہ ۵۱۶ھ میں اس کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گیا۔

بارکہ میں مقابلہ ہوا' مسترشد خود عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑا اور ایک خون ریز جنگ کے بعد وبیس کو شکست ہوئی' اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور ایک بڑی تعداد زندہ گرفتار ہوئی' اس میں وبیس کی بیویاں اور لونڈیاں بھی تھیں' مسترشد نے عورتوں کے علاوہ باقی تمام قیدیوں کو قتل کرا دیا اور محرم ۵۱۷ھ میں بغداد واپس گیا۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۱۶)

اس شکست کے بعد وبیس چند دنوں تک روپوش رہا' پھر قبیلہ منتفق کو ساتھ ملا کر بصرہ پر قبضہ کر لیا اور یہاں کے فوجی افسروں کو قتل کر کے شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا' مسترشد نے امیر اقسنقر برستی کو لکھا کہ بصرہ پر وبیس کا قبضہ محض تمہاری ڈھیل کا نتیجہ ہے' اس تحریر پر اقسنقر نے وبیس کے مقابلہ کی تیاریاں کیں' اس کو خبر ہوئی تو وہ بصرہ چھوڑ کر شام چلا گیا اور مسترشد اور سلطان محمود کی مخالفت میں صلیبیوں سے مل کر ان کو حلب پر قبضہ کے لیے آمادہ کیا اور خود ان کے ساتھ حلب کے محاصرہ میں شریک ہوا لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۱۶)

شام میں ناکامی کے بعد سلطان محمود کے بھائی طغرل والی سادہ کے پاس جو سلطان کے خلاف تھا' پہنچا اور اسے ورغلا کر ۵۱۹ھ میں عراق پر فوج کشی کرا دی' اس لیے مسترشد پھر مقابلہ کے لیے نکلا وبیس نے لڑنے کے بجائے اس کی کوشش کی کہ نہوان کا پل توڑ کر

مسترشد کو آگے بڑھنے سے روک دے اور طغرل اس کے عقب سے جاکر بغداد پر قبضہ کر لے' لیکن اتفاق سے طغرل بیمار ہو گیا اور اسی دوران میں سخت طوفانی بارش شروع ہو گئی اس لیے وبیس کی یہ تدبیر کامیاب نہ ہو سکی' بغداد میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وبیس حملہ کے لیے آ رہا ہے' دوسری طرف مسترشد کی فوج میں یہ خبر اڑ گئی کہ وبیس نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اس لیے وہ بد حواسی میں سازو سامان چھوڑ کر بغداد لوٹ گئی' راستہ میں وبیس کا سامنا ہو گیا' اس کو فوج کی حالت کا اندازہ نہ تھا اس لیے گھبرا کر مسترشد کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنی خطاؤں کی معافی چاہی مسترشد اس کی معذرت قبول کرنے پر تیار ہو گیا لیکن اس کے وزیر نے سخت مخالفت کی اور وبیس مایوس ہو کر طغرل کے پاس سادہ چلا گیا' پھر اس کے ساتھ سلطان سنجر کے پاس خراسان پہنچا اور مسترشد واپس ہو گیا۔

**سلطان و مسترشد میں جنگ و مصالحت** مسترشد عالی دماغ اور حوصلہ و ہمت کا خلیفہ تھا' خود لڑائیوں میں نکلتا تھا' ملکی معاملات میں ذاتی رائے رکھتا تھا' نظام مملکت میں دخل دیتا تھا' سلجوقی حکام و امراء کو ان کی حدود سے بڑھنے نہ دیتا تھا' اس لیے عراق میں سلجوقیوں کی مطلق العنانی اور ان کا اقتدار بہت گھٹ گیا تھا' ۵۲۰ھ میں بغداد کے سلجوقی شحنہ پر نقش زکوی اور عباسی عمال میں کچھ اختلاف ہو گیا' مسترشد نے بر نقش کو سخت تنبیہہ کی کہ وہ اس کے خوف سے بغداد چھوڑ کر سلطان محمود کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ مسترشد خود فوجوں کی قیادت کرتا ہے اور لڑائیوں میں شریک ہوتا ہے اگر آپ نے بغداد جاکر اس کا تدارک نہ کیا تو اس کی قوت بہت بڑھ جائے گی' پھر اس پر قابو پانا دشوار ہو جائے گا اور آپ کو عراق کی حکومت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

مسترشد کے تدبر' حوصلہ اور شجاعت سے محمود بھی اس کی جانب سے مطمئن نہ تھا' اس لیے بغداد جانے کے بہانے سے اس خطرہ کے انسداد کا ارادہ کیا' مسترشد کو اس کی اطلاع ہوئی' تو اس نے کہلا بھیجا کہ وبیس کی شورش اور فتنہ انگیزی کی وجہ سے عراق کی حالت بہت ابتر ہو رہی ہے' کاشتکار اجڑ گئے' غلہ کی کمی سے گرانی بہت بڑھ گئی ہے' تمہاری فوجوں کی آمد سے اخراجات کا بار اور بڑھ جائے گا اس لیے اس وقت ارادہ ملتوی کر دو' حالات سدھرنے کے بعد بغداد کا قصد کرنا' اس ممانعت سے سلطان کا شک یقین کے درجہ تک پہنچ گیا' اور اس نے ارادہ ملتوی نہ کیا۔

مسترشد کو اس کی یہ عدول حکمی سخت ناگوار ہوئی اس نے طے کر لیا کہ اگر محمود نے اپنا ارادہ نہ بدلا تو وہ بغداد چھوڑ دے گا اور قصر خلافت سے بغداد کے مغربی حصے میں منتقل ہو گیا' اس سے اہل بغداد میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی' محمود بھی اس کا عزم سن کر گھبرایا اور قاصد بھیج کر اس کو راضی کرنے کی کوشش کی' مسترشد نے کہلا بھیجا کہ اگر سلطان چاہتا ہے کہ میں بغداد نہ چھوڑوں تو اس کو اپنا ارادہ فسخ کرنا پڑے گا' لوگ گرانی کی شدت سے ہلاک ہو رہے ہیں' ملک ویران ہو رہا ہے' میرا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ان کی مصیبت بڑھتی جائے اور میں اپنی آنکھوں سے تماشہ دیکھتا رہوں' اگر سلطان واپس نہ گیا تو میں قطعی عراق چھوڑ دوں گا تاکہ کم سے کم اپنی آنکھوں اہل عراق کے مصائب نہ دیکھوں' یہ جواب سن کر سلطان کا غصہ اور بڑھ گیا اور وہ اپنا ارادہ ملتوی کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔

سلطان کی ضد اور اس کے اصرار کو دیکھ کر مسترشد نے اس کے حکام کو روکنے کے لیے عفیف خادم کو واسطہ بھیجا' سلطان نے امیر اقسنقر برسقی والی موصل کے لڑکے عمادالدین زنگی کو اس کے مقابلے پر مامور کیا' اس نے عفیف خادم کو شکست دے کر عراق کو انقلاب سے بچا لیا۔

عفیف خادم کی شکست کے بعد ذی الحجہ ۵۲۰ھ میں سلطان بغداد پہنچ گیا اور مسترشد کو قصر خلافت واپس لے جانے کی کوشش کی لیکن وہ آمادہ نہ ہوا' اس لیے سلطانی فوج نے قصر خلافت پر حملہ کر دیا' اس سے اہل بغداد میں بڑا جوش پیدا ہو گیا' انہوں نے بھی اعلان جنگ کر دیا اور مسترشد سلطانی فوج کے مقابلہ کے لیے بغداد کے مشرقی حصہ میں چلا گیا' اس کی حفاظت کے لیے خندق کھدوائی' اس دوران میں شہر پناہ کے پھاٹک پر جھڑپ ہوتی رہی' جس سے بغداد میں بڑی بد امنی پیدا ہو گئی' بہت سے آدمی قتل و گرفتار ہوئے' عباسی فوج نے سلطانی فوج پر شبخون مارنے کا ارادہ کیا' مگر اس درمیان میں امیر ابوالہیجا کردی والی اربل مسترشد کا ساتھ چھوڑ کر سلطان سے مل گیا اس لیے یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

اس درمیان میں عمادالدین زنگی جسے سلطان نے بغداد بلا بھیجا تھا' بصرہ اور واسط وغیرہ کی حفاظت کا انتظام کر کے بہت بڑی بری و بحری فوج لے کر پہنچ گیا اور دجلہ کو جنگی کشتیوں سے پاٹ دیا' یہ صورت دیکھ کر بغدادی فوج کی ہمت پست ہو گئی' امیر ابوالہیجا

کر دی ساتھ چھوڑ چکا تھا اور مسترشد کی قوت کمزور ہو گئی تھی' اس لیے اس نے مجبور ہو کر سلطان کے پیام مصالحت کو قبول کر لیا سلطان اپنی جسارت پر معافی کا خواست گار ہوا' مسترشد نے درگذر سے کام لیا اور بغداد ایک بڑے انقلاب سے بچ گیا' سلطان کے بعض بد نفس مشیروں نے اس کو مشورہ دیا کہ مسترشد کو زیر کرنے کا یہی موقع ہے' بغداد کو جلا کر ویران کر دیجئے' اس نے انکار کیا اور کہا "کل دنیا بغداد کے برابر نہیں ہو سکتی"۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۷۷)

عراق میں سلجوقیوں کی حکومت کا دارومدار بڑی حد تک بغداد کے سلجوقی شحنہ پر تھا' مسترشد کی عالی دماغی اور قوت سے اس کے زمانہ میں یہ مسئلہ بہت اہم ہو گیا تھا' اور کوئی امیر اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا' عراق پر فوج کشی اور اس کی حفاظت میں عماد الدین زنگی نے غیر معمولی کارگذاری دکھائی تھی' اس لیے سلطان نے تمام امراء کے اتفاق رائے سے اس کو اس جلیل القدر منصب پر مقرر کیا۔ اور ربیع الثانی ۵۲۱ھ میں ہمدان واپس گیا۔

**دبیس کی فتنہ انگیزی** یاد ہو گا ۵۱۹ھ میں دبیس بن صدقہ طغرل کے ہمراہ سلطان سنجر کے پاس خراسان چلا گیا تھا' وہاں بھی وہ خاموش نہ تھا اور سنجر کو بھڑکایا کہ مسترشد اور محمود آپ کے خلاف متحد ہو گئے ہیں' سلطان کو اس کے ماننے میں تامل ہوا لیکن دبیس نے اس وثوق اور اصرار سے کہا کہ اسے بھی شبہ پیدا ہو گیا اور اس کی تصدیق کے لیے رے جا کر سلطان محمود کو بلا بھیجا' دبیس کے بیان کی کوئی اصلیت نہ تھی' محمود بلا تامل سلطان سنجر کے پاس چلا گیا' اس لیے سنجر کا شک جاتا رہا اور وہ بڑے لطف و مدارات کے ساتھ محمود سے پیش آیا' اسے اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا' لیکن سلطان شاہی بڑا عالی ظرف تھا' اور اس کی لڑکی یعنی سلطان محمود کی بیوی دبیس کو بہت مانتی تھی' اس لیے سنجر نے دبیس کو یہ کہہ کر محمود کے سپرد کر دیا کہ اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ ہونے پائے اور خلیفہ سے سفارش کر کے اس کا ملک اسے واپس کرا دو۔

اس کی ہدایت کے مطابق سلطان محمود ۵۲۳ھ میں دبیس کو لے کر بغداد گیا' مسترشد کو اس کی عہد شکنی کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا' اس لیے وہ اسے ملک کا کوئی حصہ دینے پر آمادہ نہ ہوا اور حلہ کی حکومت امیر بہرور کو دے دی اور سلطان محمود نے امیر احمد یلی اور امیر قزل کی ضمانت پر دبیس کو آزاد کر دیا۔

وبیس کی بدقسمتی سے اسی زمانہ میں محمود کی بیوی کا جو آڑے وقتوں میں وبیس کے کام آتی تھی انتقال ہو گیا' اس سے اس کا بڑا سہارا جاتا رہا' اس کی موت کے چند ہی دنوں کے بعد سلطان محمود سخت بیمار ہو گیا' اس کی بیماری سے وبیس کو پھر فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا' اور وہ سلطان کے صغیر السن بچے کو لے کر عراق چلا گیا' بہروز حلہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور وبیس نے حلہ پر قبضہ کر لیا' مسترشد کو اطلاع ہوئی تو اس نے اس کے مقابلے کا حکم دیا' اس دوران میں سلطان محمود کی حالت بھی سنبھل گئی' اس نے وبیس کے ضامن امیر احمد یلی اور امیر قزل کو بلا کر وبیس کو روکنے کے لیے عراق بھیجا' سلطان مسترشد دونوں کی برہمی دیکھ کر اس نے مسترشد سے معافی چاہی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ہمیشہ اس کا بندہ فرمان رہے گا اور ایک رقم سالانہ پیش کرنے کا وعدہ کیا' سلطان کی خدمت میں بھی ہدایا بھیجے' لیکن سلطان نے اس کی درخواست رد کر دی' وہ مایوس ہو کر بصرہ چلا گیا اور مسترشد کے محاصل پر قبضہ کر لیا' سلطان نے فوراً بصرہ فوجیں روانہ کیں' اس لیے وبیس نے بصرہ چھوڑ دیا اور چند دنوں کے بعد پھر شام چلا گیا۔

**سلطان محمود کی وفات** شوال ۵۲۵ھ میں سلطان محمود کا انتقال ہو گیا اس وقت کل ستائیس سال کی عمر تھی وہ بیدار مغز اور باخبر حکمران تھا' حکومت کے تمام شعبہ جات کی خود دیکھ بھال کرتا تھا' دفاتر اور امراء کی جاگیروں کے حالات معلوم کرتا اور وزیر اور مستوفی کے کاغذات کی جانچ پڑتال کرتا تھا' کوئی چیز اس کی نگاہ سے مخفی نہ رہنے پاتی تھی۔

(ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۳۲)

ذاتی حیثیت سے وہ شریف النفس اور متحمل مزاج تھا۔ خلاف طبع باتوں میں چشم پوشی سے کام لیتا تھا' خود بھی رعایا کے مال کے بارہ میں بڑی حد تک محتاط اور پاک دامن تھا' اور امراء اور وابستگان دولت کو بھی دست درازی سے روکتا تھا۔

(راحۃ الصدور ص ۳۰۵)

راوندی کا بیان ہے کہ وہ نیک سیرت' خندہ جبیں' ہنس مکھ' خوش مزاج' شیریں زبان' بذلہ سنج اور عفیف و پاک دامن تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۳۹)

لیکن کم عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ بڑی کمزوری تھی کہ امراء اور وزراء اس پر حاوی تھے' جس سے اس کی حکومت کے وقار کو صدمہ پہنچا۔

**سلطان داؤد** سلطان محمود کی وفات کے بعد اس کے وزیر ابوالقاسم اور اتابک اقسنقر نے شوال ۵۲۵ھ میں اس کے صغیرالسن بچہ داؤد کو تخت نشین کیا' یہ بہت کمسن تھا' اور اس کے کئی چچا طغرل' مسعود اور سلجوق شاہ موجود تھے' ان میں سے کسی نے بھی داؤد کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا' داؤد کے نانا سنجر نے بھی اتنے صغیرالسن بچے کی جانشینی کو مناسب نہ سمجھا اور داؤد کے بجائے اپنے بھتیجے طغرل کو نامزد کیا' چنانچہ فارسی مورخین نے محمود کے بعد طغرل ہی کو بادشاہ لکھا ہے لیکن محمود کے خود غرض امراء نے سنجر کے فیصلہ کو نہ مانا' اس لیے داؤد کے تینوں چچا طغرل' مسعود اور سلجوق شاہ اٹھ کھڑے ہوئے' سب سے اول مسعود نے پایہ تخت ہمدان پر فوج کشی کی اور مسترشد سے بغداد میں اپنے خطبہ کی درخواست کی' داؤد کی درخواست بھی پہنچ چکی تھی' مسترشد نے اس کا فیصلہ سنجر پر چھوڑ دیا اور اس کو لکھ بھیجا کہ سب سے زیادہ تم خود خطبہ کے مستحق ہو' ان دونوں میں سے کسی کو اجازت نہ دینا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۴۱)

ابھی مسعود اور داؤد کی کشمکش کا فیصلہ نہ ہوا تھا کہ سلجوق شاہ اتابک قراجہ ساقی کے ہمراہ فوجیں لے کر بغداد پہنچ گیا' مسترشد بڑی عزت و توقیر کے ساتھ پیش آیا اور اس کے باپ کے محل میں ٹھہرایا۔ اور اس سے اپنی امداد و حمایت کا وعدہ لے لیا' مسعود کو اس کی اطلاع ہو گئی' اس نے مسترشد کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری نہ کیا گیا تو وہ قوت کے زور سے پڑھوائے گا' مسترشد نے اس دھمکی کی پرواہ نہ کی اس لیے مسعود نے عمادالدین زنگی کے ساتھ بغداد پر فوج کشی کر دی' عمادالدین آگے تھا' مسترشد اور قراجہ ساقی نے بغداد سے نکل کر اس کو فاش شکست دی۔ اس کے بعد مسعود جو پیچھے سے آ رہا تھا' بغداد پہنچا' اسے عمادالدین کی شکست کی خبر نہ تھی' دو دن تک اس میں اور مسعود میں جھڑپ ہوتی رہی' اس کے بعد اسے عمادالدین کی شکست کی اطلاع ملی' اس لیے وہ لوٹ گیا۔

اس دوران میں سلطان سنجر طغرل کو تاج و تخت دلانے کے لیے ہمدان روانہ ہو گیا تھا۔ اس کا مقابلہ مسعود اور سلجوق شاہ دونوں کے بس سے باہر تھا' مسترشد بھی سنجر کی زیادہ مداخلت پسند نہ کرتا تھا' اس لیے سنجر کے مقابلے کے لیے تینوں اس شرط پر متحد ہو گئے' کہ عراق مسترشد کے وکیل کے ماتحت رہے گا اور ایران میں وہ مسعود کی حکومت تسلیم کرے

گا اور سلجوق شاہ اس کا ولی عہد ہو گا۔

اس معاہدہ کے بعد مسترشد نے مسعود' سلجوق شاہ اور قراجہ ساقی کو سنجر کے مقابلہ کے لیے آگے بھیج دیا اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوا' خانقین پہنچ کر اسے اطلاع ملی کہ سلطان سنجر کے حکم سے عماد الدین زنگی اور دبیس بن صدقہ دوسری سمت سے بغداد روانہ ہو گئے ہیں' اس لیے مسترشد بغداد کی حفاظت کے لیے لوٹ گیا اور ان کے مقابلے کے لیے انتظامات کیے' اس دوران میں عماد الدین اور دبیس قریب پہنچ گئے' مسترشد نے آگے بڑھ کر حصن بر آمکہ میں انہیں فاش شکست دی۔

دوسری جانب دینور کے قریب مسعود' سلجوق شاہ اور سلطان سنجر میں معرکہ آرائی ہوئی' قراجہ ساقی نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا لیکن آخر میں زخمی ہو کر گرفتار ہوا اور مسعود کو شکست ہوئی' قراجہ ساقی سلطان سنجر کے سامنے پیش کیا گیا' اس نے اس سے سوال کیا کہ میرے مقابلہ میں آنے سے تیرا کیا مقصد تھا' قراجہ نے کہا تم کو قتل کر کے ایسے شخص کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا' جس پر حکومت کر سکوں' سنجر نے اسے قتل کر دیا۔

**طغرل بن محمد** سلطان سنجر اپنے سب بھتیجوں سے محبت کرتا تھا' چنانچہ مسعود کو شکست دینے کے بعد اسے واپس بلا کر تنبیہہ کر کے گنجہ کی حکومت پر بحال کر دیا اور ۵۲۶ھ میں طغرل کو ہمدان میں تخت نشین کر کے ابوالقاسم انسابادی کو اس کا وزیر بنایا اور داؤد کو آذربائیجان کا علاقہ دے کر خراسان واپس کیا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۴۱'۲۴۲)

**طغرل اور اس کے بھائیوں کی کشمکش** سلطان سنجر کی واپسی کے بعد سلطان داؤد نے امراء کے مشورے سے طغرل پر فوج کشی کر دی لیکن ان کی نااتفاقی کی وجہ سے ناکامی ہوئی' اور داؤد ذی الحجہ ۵۲۶ھ میں بغداد چلا گیا' مسترشد نے اسے بھی عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا' مسعود کو داؤد کی شکست کی خبر ہوئی تو وہ طغرل کے مقابلے میں اس کو ملانے کے لیے بغداد پہنچا' مسترشد نے اسے بھی ٹھہرایا اور چچا بھتیجوں کو خلعت دے کر بغداد میں دونوں کا خطبہ جاری کر دیا اور تینوں سلطان سنجر کے خلاف متحدہ ہو گئے' اور مسترشد کی مدد سے مسعود اور داؤد نے پہلے آذربائیجان پر قبضہ کر لیا' اس کے بعد مسعود نے طغرل کو ہمدان سے نکالا۔

اس دوران میں داؤد نے آذربائیجان میں مسعود کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا' اس

لیے مسعود کو آذربائیجان لوٹ جانا پڑا' اس کی واپسی کے بعد طغرل نے ہمدان واپس لے لیا اور مسعود کے فوجی افسروں کو ملا کر اسے آذربائیجان سے بھی نکال دیا اور وہ بغداد لوٹ گیا' اس کا دوسرا بھائی سلجوق شاہ بھی بغداد پہنچ گیا' مسترشد نے حسب معمول دونوں کو عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا۔ اور ان کی راحت و آسائش کے جملہ سامان مہیا کر دیئے۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۴)

**موصل پر مسترشد کی فوج کشی اور واپسی** سلجوقی امراء میں اس زمانہ میں سب سے زیادہ شجاع و نامور عمادالدین زنگی تھا' وہ سلجوقی حکومت کا رکن رکین تھا' اس لیے مسترشد اسے پسند نہ کرتا تھا' طغرل اور اس کے بھائیوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں بہت سے سلجوقی امراء بغداد جا کر مسترشد سے متوسل ہو گئے تھے' اس سے فائدہ اٹھا کر مسترشد نے عمادالدین زنگی کو دبانے کی کوشش کی' چنانچہ بغداد کے واعظ شیخ بہاؤالدین اسفرائینی کے ہاتھ اس کے پاس ایک سخت تحریر بھیجی' انہوں نے عمادالدین سے بڑی تلخ گفتگو کی' اس کے جواب میں اس نے بھی بہاؤالدین کو گرفتار کر کے ان کی تذلیل و تحقیر کی' اس سے مسترشد کا غصہ اور تیز ہو گیا' اس نے موصل پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا' عمادالدین اپنے نائب نصرالدین کو شہر کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر خود نکل گیا اور عباسی فوجوں پر شب خون مار کر اور سامان رسد کی بندش کر کے اسے پریشان کر ڈالا اور چند مہینوں کے بعد مسترشد کو ناکام لوٹ جانا پڑا۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲)

**سلطان طغرل کا انتقال** سلطان مسعود اور سلجوق شاہ دونوں ایک سال سے زیادہ بغداد میں مقیم رہے' مسترشد ہرچند اس کو طغرل پر فوج کشی کے لیے ابھارتا رہا' لیکن ان کی ہمت نہ پڑی' اور وہ برابر ٹالتے رہے' تاآنکہ محرم ۵۲۹ھ میں طغرل کا انتقال ہو گیا' اس وقت کل پچیس سال کی عمر تھی' اس کی مدت حکومت کل تین سال تھی۔

طغرل صالح اور نیک سیرت فرماں روا تھا' راوندی کا بیان ہے کہ عدل و سیاست' حیاد حمیت' کرم و شجاعت تمام اوصاف سے متصف تھا' فواحش اور رذائل سے اس کا دامن پاک تھا۔ (راحۃ الصدور ص ۲۰۸)

ابن اثیر لکھتا ہے کہ وہ سراپا خیر و خوبی اور عادل و رعایا پرور تھا' ایک مرتبہ جب وہ مسعود کے مقابلہ میں جا رہا تھا' لوگوں نے اس کی کامیابی کے لیے دعا کی' طغرل نے ان سے

کہا میرے لیے دعا کرنے کے بجائے یہ دعا کرو کہ ہم میں سے مسلمانوں کے لیے جو بہتر ہو خدا اس کو کامیاب کرے۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۷)

علم و تعلیم سے دلچسپی تھی' ہمدان میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کے اخراجات کے لیے ایک بڑی جائیداد وقف کی تھی۔ (راحۃ الصدور ص ۲۰۹)

**سلطان مسعود** طغرل کی وفات کے وقت مسعود بغداد میں تھا' طغرل کے سب بھائیوں میں حکومت کی سب سے زیادہ اہلیت مسعود ہی میں تھی' اس لیے سلجوقی امراء نے اسے بغداد سے بلا کر تاج و تخت اس کے حوالہ کر دیا' بعض امراء نے داؤد کو بھی دعوت دی تھی' لیکن وہ دیر میں پہنچا' سلطان مسعود نے اس سے اپنی لڑکی بیاہ کر اسے اپنا ولی عہد بنا دیا۔ (راحۃ الصدور ص ۲۰۹)

سلطان مسعود کی تخت نشینی کے بعد ہی مسترشد نے اس پر فوج کشی کر دی' جس کا نتیجہ اس کی گرفتاری اور قتل کی صورت میں ظاہر ہوا' اس کی تفصیل سے پہلے اس دور کے ایک قابل ذکر واقعہ دولت اتابکیہ موصل کے حالات سن لینے چاہئیں۔

**دولت اتابکیہ موصل کا قیام** یہ نامور حکومت ۵۲۱ھ میں قائم ہوئی' جنگ صلیبی میں اس کے غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے تاریخ اسلام میں اس کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے' ابتدائی صلیبی لڑائیوں میں اس کے فرمانروا عماد الدین زنگی اور نور الدین محمود زنگی نے وہی کارنامے انجام دیئے جو آخری لڑائیوں میں صلاح الدین ایوبی سے ظاہر ہوئے۔

اس حکومت کا بانی امیر عماد الدین زنگی ہے اس کا باپ امیر قیم الدولہ آقسنقر ترکی ملک شاہ سلجوقی کا بچپن کا ساتھی اور اس کا معتمد علیہ امیر تھا' ملک شاہی دور میں اس کو بڑا عروج حاصل ہوا' سلطان نے اس کو قیم الدولہ کے معزز لقب سے ملقب کیا' سلطان کے مزاج میں اس کو اتنا رسوخ حاصل تھا کہ وزیر نظام الملک تک اس سے ڈرتا تھا' ملک شاہ کے زمانہ میں وہ متعدد ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہا اور بڑے کارنامے انجام دیئے سلطان نے اس کو حلب' حماۃ' بج وغیرہ شام کے سلجوقی مقبوضات کا حاکم بنایا تھا' اس نے شام میں سلجوقی حکومت استوار کی تھی۔

ملک شاہ کی وفات کے بعد جب برکیارق اور اس کے بھائیوں اور چچا میں خانہ جنگی

شروع ہو گئی تو قیم الدولہ کے شامی مقبوضات کو بچانے کے لیے ملک شاہ کے بھائی تاج الدولہ تتش ارسلان کی اطاعت قبول کرلی' موصل کے عرب فرمانروا ناصرالدولہ ابراہیم بن ہمدان نے اس کو زیر کرنے کی کوشش کی' لیکن قیم الدولہ نے اسے شکست دے کر موصل اور دیار بکر وغیرہ پر قبضہ کرلیا' پھر جب برکیارق تاج الدولہ کے مقابلہ میں اٹھا تو قیم الدولہ اپنے آقا زادے کے ساتھ ہو گیا اور تاج الدولہ کو ناکام ہونا پڑا' اس کے انتظام میں تاج الدولہ نے حلب پر فوج کشی کردی تھی' اس معرکہ میں قیم الدولہ شکست کھا کر گرفتار ہوا اور تاج الدلہ نے اسے قتل کرا دیا' قیم الدولہ بڑا مدبر' عالی دماغ' بہادر عادل اور رعایا پرور امیر تھا اس کے دور امارت میں اس کے رقبہ حکومت میں اتنا امن و امان تھا کہ کوئی شخص کسی کے مال کی جانب آنکھ اٹھانے کی جرات نہ کرتا تھا' قافلوں کی گزرگاہیں اتنی محفوظ تھیں کہ جن مقاموں سے وہ گزرتے تھے' خود وہاں کے باشندے قافلہ کی حفاظت و نگرانی کرتے تھے۔

قیم الدولہ نے اپنی یادگار ایک صغیر السن لڑکا عمادالدین چھوڑا' اس کی عمر کل دس برس تھی' قیم الدولہ کے وفادار امراء قوام الدولہ کربوغا' موسیٰ ترکمانی' جکرمش اور جاؤلی سقاور وغیرہ یکے بعد دیگرے اس بچہ کی تربیت کی خدمت انجام دیتے رہے اور اس کے خدم و حشم کے مصارف کے لیے جاگیر مقرر کی' عمادالدین جوہر قابل تھا' سن شعور کو پہنچ کر اس کے جوہر چمکنے لگے اور وہ سلجوقی امراء کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونے لگا اور نوجوانی ہی میں اس کی شجاعت و شہامت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا' صلیبی لڑائیوں میں اس نے بڑے کارنامے انجام دیئے' سلطان محمود نے بڑی بڑی مہمیں اس کے سپرد کیں جنہیں اس نے کامیابی کے ساتھ انجام دیں' چند دنوں میں وہ سلجوقی حکومت کا بڑا معتمد علیہ امیر اور اس کا رکن رکین بن گیا ۵۲۱ھ میں سلطان محمود نے اس کو بغداد کی شحنگی کے جلیل القدر منصب پر مامور کیا۔

امیر قیم الدولہ کی وفات کے بعد موصل کا علاقہ مختلف امراء سے متعلق رہا' سلطان محمود کے زمانہ میں وہ قیم الدولہ کے ایک ہم نام امیرا قسنقر برسقی سے متعلق رہا' یہ بھی بڑا شجاع و بہادر تھا اس نے نہ صرف موصل اور جزیرہ کو صلیبیوں سے بچائے رکھا بلکہ جب تک زندہ رہا ان کے مقابلہ میں سینہ سپر رہا اور سرزمین شام میں بڑے نمایاں کارنامے انجام

دیئے اس کے بعد اس کے جانشینوں میں یہ صلاحیت نہ تھی' امیر برستی کی وفات کے بعد اس کا لڑکا عزالدین اس کا جانشین ہوا' یہ چند ہی دنوں میں مرگیا' اس کے بعد امراء نے اس کے صغیر السن بھائی کو جانشین بنانا چاہا اس زمانہ میں صلیبی سارے شام اور جزیرہ پر چھا گئے تھے اور کردستان کا علاقہ بھی خطرہ میں پڑ گیا تھا' اس لیے بعض عاقبت اندلش لوگوں نے اتسنقر برستی کے صغیر السن لڑکے کی حکومت کی مخالفت کی اور رائے دی کہ موصل کا والی کسی ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو صلیبیوں کی مدافعت کر سکے' امیر عماد الدین زنگی ان کے مقابلے میں نام پیدا کر چکا تھا' اس لیے ۵۲۱ھ میں سلطان نے اس کو موصل اور اس کے متعلق علاقوں کا والی بنا دیا۔ اس طرح اتابکی حکومت کی بنیاد پڑی۔

یہ وہ زمانہ تھا' جب نہ صرف شام بلکہ جزیرہ کی سرحد تک صلیبیوں کا زور بڑھ گیا تھا اور وہ مسلمانوں پر بڑے مظالم ڈھا رہے تھے' مسلمانوں کے پاس صرف حلب' حمص' حماۃ و دمشق رہ گئے تھے' اور ماردین سے لے کر مصر کی سرحد تک صلیبی قابض تھے' اور آس پاس کے چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں سے خراج وصول کرتے تھے' کوئی ان کو روکنے والا نہ تھا۔

عماد الدین زنگی نے سب سے پہلے موصل کا بگڑا ہوا نظام درست کیا اس وقت شام' جزیرہ اور کردستان میں متعدد چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران تھے' ان کی آپس کی جنگ و کشمکش سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچ رہا تھا' ان کو ختم کیے بغیر صلیبیوں کا پورا مقابلہ ممکن نہ تھا' اس لیے موصل کے انتظام سے فراغت کے بعد عماد الدین نے ان کی طرف توجہ کی' اور بوازیج' نصیبین' سنجار' خابور اور حران وغیرہ کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا کر شام کا راستہ صاف کیا اور ۵۳۲ھ میں فرات کو عبور کر کے سرزمین شام کی طرف بڑھا' یہاں بھی چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں' عماد الدین نے سب سے اول بنج' حصن بزاعہ' حلب' حماۃ و حمص وغیرہ کو ان کے ہاتھوں سے چھڑا کر راستہ صاف کیا۔

شام کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان قلعہ اثارب کے عیسائیوں سے پہنچ رہا تھا' اس لیے عماد الدین نے سب سے پہلے ۵۲۴ھ میں اس پر فوج کشی کی صلیبیوں نے پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا' لیکن عماد الدین نے اسے بڑی فاش شکست دی' بے شمار عیسائی مارے گئے' اور حصن اثارب پر قبضہ کر کے اسے مسمار کر دیا' حصن اثارب کے بعد

حصن حارم کا محاصرہ کیا' اثارب کی شکست کے بعد عیسائیوں میں مدافعت کا دم باقی نہ رہ گیا تھا' اس لیے انہوں نے حارم کی نصف آمدنی دے کر صلح کرلی' عماد الدین تھکی ہوئی فوجوں کو آرام دینا چاہتا تھا اس لیے ان کی پیش کش قبول کرلی' حصن اثارب کی شکست کے بعد حلب کے نواح میں صلیبیوں کی قوت ٹوٹ گئی اور یہاں کے مسلمانوں کو ان کے مظالم سے نجات مل گئی' اس فتح سے ساری دنیائے اسلام کو مسرت ہوئی' اور عماد الدین زنگی فوجوں کو آرام دینے کے لیے موصل لوٹ گیا' واپسی میں سرجی' دارا وغیرہ کو مسلمان امراء کے قبضہ سے نکالا۔

اس کی واپسی کے بعد ہی سلطان محمود کا انتقال ہو گیا اور اس کے بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی' جس کا سلسلہ کئی سال تک قائم رہا' اس لیے عماد الدین زنگی کو مسترشد کے دور میں دوبارہ صلیبیوں کے مقابلہ میں نکلنے کا موقعہ نہ مل سکا اور اس درمیان میں وہ کردستان کو صاف کرتا رہا۔ چنانچہ ۵۲۸ھ میں اس نے کردوں کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کیا' ۵۲۹ھ میں دمشق پر فوج کشی کی' لیکن عین موقعہ پر مسترشد کا حکم صلح کے لیے آگیا' اس لیے عماد الدین نے محاصرہ اٹھا لیا۔ (عماد الدین زندگی کے تمام حالات تاریخ دولت اتابکیہ موصل اور کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین ابو شامہ سے ملخصاً ماخوذ ہیں)۔

**دولت موحدیہ مغرب کا قیام** مسترشد کے دور کا دوسرا قابل ذکر واقعہ مہدی مغربی کا ظہور اور مراکش کی دولت موحدیہ کا قیام ہے' مہدی مغربی کا نام ابو عبداللہ محمد بن تومرت ہے' ان کے بارہ میں مورخین کا اختلاف ہے' بعض مورخین ان کو حضرت امام حسنؓ کی اولاد بتلاتے ہیں' اور بعض مغرب کے قبیلہ مصمودی سے تعلق ظاہر کرتے ہیں' ان کا بیان ہے کہ وہ اصل میں اسی قبیلہ سے تھے' لیکن مہدی کے ظہور کی پیشین گوئیاں چونکہ اہل بیت سے تھیں اس لیے دعویٰ مہدویت کے بعد ابن تومرت نے اپنا نسب نامہ اہل بیت نبوی سے ملا دیا۔

باختلاف روایت وہ ۴۷۱ھ تا ۴۸۶ھ میں سوس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم قرطبہ میں حاصل کی اور مہدیہ میں امام مازری سے اور اسکندریہ میں امام ابوبکر طرطوسی سے مستفید ہوئے۔ (تاریخ الدولتین الموحدیہ والحفصیہ زرکشی ص ۲) اسکندریہ سے عراق گئے' اور امام غزالی اور کیا ہراسی کے حلقہ درس میں شریک ہوئے اور مکہ میں حدیث

و اصول فقہ وغیرہ دینی علوم کی تکمیل کی۔

ان کی زندگی ابتداء سے زاہدانہ تھی' ایک عصا اور پانی پینے کے پیالہ کے سوا اور کوئی سامان نہ رکھتے تھے' شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے' اتباع شریعت میں بڑے سخت تھے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زندگی کا مشن تھا خلاف شرع باتوں کی مخالفت میں کسی کی رعایت و پرواہ نہ کرتے تھے' اس راہ میں انہوں نے بڑی سختیاں جھیلیں' مکہ چھوڑنا پڑا' یہاں سے مصر گئے' وہاں بھی ان کی شہرت کی بدولت مصر کی حکومت نے ان کو یہاں سے نکال دیا' اور ابن تومرت بحری راستہ سے اسکندریہ ہوتے ہوئے مغرب روانہ ہو گئے' جہاز پر بھی تعلیم و ارشاد کا کام برابر جاری رہا' ۵۰۵ھ میں افریقہ کے شہر مہدیہ میں اترے اور ایک مسجد میں قیام کیا' شارع عام پر راہروؤں کی دیکھ بھال کرتے تھے' جسے خلاف شرع لہو و لعب کے آلات یا شراب کے برتن وغیرہ لے جاتے ہوئے دیکھتے' توڑ ڈالتے' چند دنوں میں یہاں بھی ان کی شہرت ہو گئی اور لوگ دینی علوم کی تحصیل کے لیے ان کے پاس آنے لگے' مہدیہ کے والی یحییٰ بن تمیم کو ان کا حال معلوم ہوا تو انہیں بلا کر ان سے ملا اور بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا' دعا کا طالب ہوا' انہوں نے دعا کی۔ "خدا تم کو تمہاری رعایا کے لیے بہتر بنائے۔" پھر چند دنوں کے بعد مہدیہ سے بجایہ چلے گئے' (ابن خلکان ج ۲ ص ۳۷' ۳۸) یہاں بھی ان کا مشن جاری رہا۔ بجایہ کے ایک گاؤں ملاء میں ان کی ملاقات عبدالمومن نامی ایک شخص سے ہوئی' انہیں اپنے کام کے لیے موزوں نظر آیا' مورخین کا بیان ہے کہ ابن تومرت نے رمل اور جفر کے ذریعے اس کے مستقبل کا پتہ چلایا تھا' بہر حال عبدالمومن کو اپنا شریک کار بنا لیا' عبدالمومن کے علاوہ ایک شخص اور عبدالواحد بھی ان کا معاون تھا' چند دنوں کے بعد یہ تینوں بجایہ سے تلمستان پہنچے' اور شہر کے باہر ایک مسجد میں قیام کیا' ابن تومرت کی شخصیت میں ایک خاص رعب و اثر تھا جس سے ہر شخص متاثر ہوتا تھا' اس لیے تلمستان کے چھوٹے سے لے کر بڑے طبقات تک سب ان کے گرویدہ ہو گئے۔

چند دنوں تلمستان میں قیام کرنے کے بعد فاس پہنچے' یہاں بھی تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ برابر جاری تھا' وہ اپنے عقیدت مندوں کو اشعری عقائد کی تعلیم دیتے تھے' اہل مغرب عموماً اشعری مسلک کے خلاف بلکہ اس کے دشمن تھے' اس لیے فاس کے والی کو خبر ہوئی تو اس

نے اپنے یہاں کے علماء سے ان کا مناظرہ کرایا لیکن وہ ان کے مقابلہ میں نہ ٹک سکے اور انہوں نے والی شہر سے کہا کہ اس شخص کے خیالات سے لوگوں کے عقاید میں فتور پید ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لیے اس کو ملک بدر کر دینا چاہیے' چنانچہ ابن تومرت فاس سے نکال دیئے گئے۔

فاس سے نکل کر وہ مراکش پہنچے' یہاں کا فرمانروا علی بن یوسف مرابطی کو پہلے سے ان کے حالات کی اطلاع مل چکی تھی' اس نے بھی یہاں کے علماء سے مناظرہ کرایا' لیکن ان میں ابن تومرت کے خیالات اور تقریر تک سمجھنے کی اہلیت نہ تھی' صرف ایک شخص مالک ابن وہب اندلسی کو ان کی ذہانت و ذکاوت اور وسعت علم کا اندازہ ہو سکا اس نے انہیں حکومت کے لیے خطرہ سمجھ کر علی بن یوسف سے کہا کہ یہ شخص فسادی ہے' اس کے مکرو فریب سے خطرہ ہے لوگ اس کی باتوں کو سن کر اس کے گرویدہ ہو جائیں گے مصامدہ کے قبائل میں ایسے شخص کا رہنا ہمارے لیے سخت خطرناک ہے' اس کو قتل کر دینا چاہیے' لیکن علی بن یوسف خود دین دار آدمی تھا اس لیے قتل پر آمادہ نہ ہوا' اور صرف شہربدر کر دینے پر اکتفا کی۔ (یہ حالات المعجب فی تلخیص اخبار المغرب عبدالواحد مراکشی سے ماخوذ ہیں' ص ۱۳۲' تا ۱۳۵ اس میں اور ابن خلکان کے بیانات میں جزوی اختلاف بھی ہے)

مراکش سے نکل کر ابن تومرت سوس پہنچے اور چند دنوں قیام کر کے پہاڑی علاقے کے باشندوں کی درخواست پر تیملل منتقل ہو گئے' ان کی آمد کی خبر سن کر مصامدہ کے سردار ان کے پاس جمع ہو گئے اور ابن تومرت کے وعظ و تبلیغ سے ان کے عقیدت مند بن گئے' ابن تومرت نے ان میں سے چند معتمد علیہ اشخاص کو مغربی قبائل میں تبلیغ و اشاعت اور ان کے رؤسا کو مائل کرنے پر مامور کیا۔ مبلغین امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کے ساتھ مہدی موعود کی حدیثیں بیان کر کے لوگوں کو مہدی کے عقیدہ سے روشناس کرتے تھے' جب ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا اور مہدی موعود کی عظمت قائم ہو گئی' اس وقت ابن تومرت نے مہدویت کا دعویٰ کیا' زمین پہلے سے تیار ہو چکی تھی' اس لیے لوگوں نے بلا تامل اس دعویٰ کو مان لیا' اور ابن تومرت نے ان الفاظ میں ان سے بیعت لی کہ ''میں اس چیز پر بیعت لیتا ہوں کہ جس پر صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی'

ان کی تعلیم و تربیت کا ایک خاص نصاب مقرر کیا اور اس کا نظام قائم کیا' جس کے خدمت و عقیدت کے اعتبار سے کئی درجے تھے' اور ان کا لقب "مومن" رکھا اور ان کے دلوں میں یہ عقیدہ راسخ کر دیا' کہ روئے زمین پر ان مومنین کی جیسی سچی اور ایمان دار جماعت دوسری نہیں ہے' یہی جماعت آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کی مصداق ہے کہ سرزمین مغرب میں حق کی حمایت میں ایک جماعت برابر ظاہر ہوتی رہے گی' اسے کوئی شخص جو اس جماعت سے نکل جائے نقصان نہیں پہنچا سکتا' یہاں تک کہ خدا کا کام پورا ہو کر رہے گا' اللہ تعالیٰ اس جماعت کے ذریعے فارس و روم کو فتح کر کے دجال کو قتل کرائے گا' اور اسی جماعت میں وہ امیر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نماز ادا کرتا ہے اور قیامت تک یہ امیر اسی جماعت میں رہے گا۔ (المعجب ص ۱۳۴'۱۳۵)

مہدویت کے دعویٰ کے چند دنوں بعد تک ابن تومرت کی تعلیم و تلقین اور تبلیغ و اشاعت پر امن اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تک محدود رہی اور مغرب کے بڑے بڑے قبائل' ہرغہ اور تنملتہ وغیرہ میں انہوں نے فدویت و جاں نثاری کی ایسی روح پھونک دی کہ وہ ان کے حکم پر باپ بیٹے اور بھائی کو بے تامل قتل کر دیتے تھے' اس وقت انہوں نے اپنے متبعین کو تعلیم دی کہ آج کل کی تمام حکومتیں باطل کی پیرو ہیں ان سے قتال واجب ہے۔ (المعجب ص ۱۳۷ و ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۰۲)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان کے دعویٰ مہدویت کی خبر سن کر علی بن یوسف نے اس تحریک کو دبانے کے لیے فوج بھیجی' مہدی نے اپنے پیرؤوں سے کہا کہ یہ فوج صرف میری تلاش میں آئی میری وجہ سے تم کو بھی نقصان پہنچ جائے گا' اس لیے مجھے کہیں نکل جانے دو۔ (یہ انہوں نے امتحاناً" کہا تھا) یہ سن کر قبیلہ ہرغہ کے شیخ ابن تغیان نے کہا کیا آپ کو آسمانی قوت کی جانب سے کوئی خوف ہے' مہدی نے کہا نہیں' آسمان سے تو ہماری مدد ہو گی' ابن تغیان بولا تو پھر مجھے ساری روئے زمین کی طاقت سے بھی خوف نہیں اس کی جاں نثاری دیکھ کر مہدی نے کہا میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ تم کامیاب ہو گے اور تھوڑے ہی دنوں میں اس حکومت کو مٹا کر اس کے وارث بنو گے' اس دوران میں مرابطی فوجیں پہنچ گئیں اور مہدی کے پیرؤوں نے ان کا مقابلہ کر کے شکست دی۔ (ابن اثیر ج ۱۰ ص ۳۰۲)

اس کامیابی سے لوگوں کو مہدی کی صداقت کا اور زیادہ یقین ہو گیا اور مغرب کے

قبائل جوق در جوق ان کی بیعت میں داخل ہونے لگے۔ لیکن عبدالواحد مراکشی کا بیان ہے کہ سب سے اول خود مہدی نے ۵۱۷ھ میں عبدالمومن کی ماتحتی میں ایک فوج مرابطین کے مقابلہ کے لیے بھیجی اور یہ ہدایت کر دی کہ پہلے ان کو منکرات و بدعات کے ازالہ اور معروف کے احیاء اور امام مہدی معصوم کے اقرار کی دعوت دینا' اگر وہ اس کو مان لیں تو تمہارے بھائی ہیں اور انکار کریں تو جنگ کرنا' مراکش کے قریب مقام بحیرہ میں مرابطین کا سامنا ہوا' موحدین نے مہدی کی ہدایت کے ان کو دعوت دی اور علی بن یوسف کے پاس بھی تحریری دعوت بھیجی' اس نے اس کے جواب میں عبدالمومن کو فتنہ انگیزی اور مسلمانوں میں تفریق و اختلاف پیدا کرنے اور ان کی خونریزی کے انجام سے ڈرایا' عبدالمومن نے اس جواب کو علی بن یوسف کی کمزوری پر محمول کر کے جنگ شروع کر دی' اس جنگ میں موحدین کو بڑی فاش شکست ہوئی اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی' عبدالمومن چند آدمیوں کے ساتھ جان بچا کر نکل گیا' ابن تومرت کو اس شکست اور عبدالمومن کے بچنے کی خبر ملی تو انہوں نے کہا' اگر عبدالمومن محفوظ ہے تو پھر گویا ہمارا کوئی آدمی ضائع نہیں ہوا اور شکست خوردہ مصامد کو ان الفاظ میں تشفی دی کہ "تمہارے آدمی خدا کے دین کی حمایت و مدافعت اور احیائے سنت میں کام آئے اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے' ان کا غم نہ کرنا چاہئے اس سے ان کے دل مضبوط ہو گئے اور مخالفین کے مقابلہ کا جذبہ اور بڑھ گیا' اور انہوں نے نواح مراکش میں عام تاخت و تاراج شروع کر دی۔ (المعجب ص ۱۳۷' ۱۳۸)

راس کا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا اور مہدی کے پیروؤں کی تعداد اور ان کی قوت روز بروز بڑھتی گئی' اور ان کے مقابلہ میں مرابطین کی حالت زوال پذیر ہوتی گئی' ان دونوں کی کشمکش کا سلسلہ جاری تھا کہ رمضان ۵۲۴ھ میں مہدی کا انتقال ہو گیا' وہ اپنے گھر کے قریب ایک مسجد میں دفن کیے گئے۔ (المعجب ص ۱۳۹ و تاریخ الدولتین زرکشی ص ۵)

مہدی بڑے عابد و زاہد تھے' دنیاوی ساز و سامان سے بے نیاز' اپنے فعل و اعمال میں سلف صالحین کا نمونہ تھے' حدود کے اجراء میں بڑے سخت تھے۔ (المعجب ص ۳۸)

عورتوں سے ہمیشہ مجتنب رہے' پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے' زرکشی کا بیان ہے کہ زہد و تقشف اور عبادت و ریاضت میں ان کا پایہ بہت اونچا تھا' امام معصوم کے عقیدہ کے علاوہ ان میں بدعت کا اور کوئی شائبہ نہ تھا۔ (تاریخ الدولتین ص ۵)

**عبدالمومن** مہدی نے اپنی زندگی میں عبدالمومن کو جانشین نامزد کر دیا تھا' چنانچہ ان کی وفات کے بعد موحدین نے ان کو جانشین بنا دیا' پورا نام ابو محمد عبدالمومن بن علی ہے۔

نسبی تعلق قبیلہ بنی مجیر سے تھا' لیکن وہ خود اپنے کو عرب قبیلہ قیس غیلان سے بتاتے تھے۔ ۴۸۷ھ میں تلمستان کے علاقہ تاجرا میں پیدا ہوئے۔

(المعجب ص ۱۳۹ و تاریخ الدولتین زرکشی ص ۱۴۷)

ابن ابی دینار کا بیان ہے کہ ان کا باپ علی بڑھئی تھا' لیکن عبدالمومن میں بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا' اور ان کا زیادہ وقت مساجد میں گزرتا تھا۔ (کتاب المونس ص ۱۱۰)

مہدی سے ان کی ملاقات بھی اس وقت ہوئی تھی' جب وہ تحصیل علم کے لیے مشرق جا رہے تھے۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۳۸)

مہدی کی طرح عبدالمومن کی شخصیت میں بھی بڑی کشش و تاثیر تھی' صورتاً" بھی حسین و جمیل تھے آواز نہایت بلند' گفتگو پر زور اور فصیح ہوتی تھی' انہیں دیکھ کر اور ان کی گفتگو سن کر لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ (المعجب ص ۱۴۲)

عبدالمومن کے زمانہ میں ان میں اور مرابطین میں بڑے بڑے معرکے ہوئے اور انہوں نے مغرب سے ان کا خاتمہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ (یہ حکومت ۵۲۴ھ میں قائم ہوئی اور ۶۶۸ھ میں بنی مرین کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا' اس میں گیارہ فرمانروا ہوئے)

**مسترشد اور مسعود کی جنگ اور مسترشد کی شکست و گرفتاری** اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان مسعود کی تخت نشینی کے بعد ہی مسترشد نے اس پر فوج کشی کر دی تھی' اس کی تفصیل یہ ہے کہ طغرل کی موت اور مسعود کی تخت نشینی کے بعد سلجوقی امراء جنہوں نے طغرل کی حمایت میں مسعود کی زیادہ مخالفت کی تھی' اس کے خوف سے ہمدان چھوڑ کر بغداد چلے گئے تھے' مسترشد سلجوقی سلاطین کو دبانے کے لیے ایسے مواقع کا منتظر ہی رہا کرتا تھا' اس نے ان امراء کی بڑی پذیرائی کی' انہیں خلعتیں عطا کیں اور مسعود کا خطبہ بند کر کے رجب ۵۲۹ھ میں اس پر فوج کشی کر دی' سلطان مسعود بھی مقابلہ کے لیے نکلا' جراح میں دونوں کا مقابلہ ہوا' عین موقعہ پر مسترشد کی فوج کا میسرہ مسعود سے مل گیا میمنہ نے مقابلہ کیا لیکن اسے شکست ہوئی' مسترشد خود میدان جنگ میں موجود تھا' سلجوقی فوجوں نے اسے گھیر کر گرفتار کر لیا' اس کے ساتھ قاضی القضاۃ بغداد اور بہت سے علماء و

فقہا اور عباسی امراء اور عمائد گرفتار ہوئے' سلطان نے ان سب کو سرجہان کے قلعہ میں بھجوا دیا اور مسترشد کو ایک خاص خیمہ میں ٹھہرا کر پہرہ مقرر کر دیا۔ اور اس کی راحت و آرائش کے جملہ سامان فراہم کر دیئے' پھر چند دنوں کے بعد اسے اپنے ہمراہ ہمدان لے گیا۔

مسترشد کی گرفتاری کے بعد مسعود نے امیر آخر بک محمودی کو بغداد کا شحنہ مقرر کیا تھا' اس کے غلاموں نے مسترشد کی کل املاک پر قبضہ کر لیا' اس سے اہل بغداد میں بڑی برہمی پیدا ہو گئی' انہوں نے جامع سلطان کا منبر توڑ ڈالا اور امام کو خطبہ سے روک دیا' عوام کے جم غفیر نے خاک بہ سر فریاد و فغاں کرتے ہوئے بازاروں کا گشت لگایا' عورتیں سروپا برہنہ منہ پیٹتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں' آخر بک کے آدمیوں اور اہل بغداد میں تصادم ہو گیا' فریقین کے بہت آدمی مارے گئے' اور بغداد میں ایک عام ہنگامہ بپا ہو گیا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹'۱۰)

**رہائی اور قتل** مسترشد اور مسعود کی جنگ کے زمانہ میں سلطان مسعود کے بھتیجے اور داماد سلطان داؤد نے اس کے خلاف آذربائیجان میں علم بغاوت بلند کر دیا تھا' اس لیے ہمدان کی واپسی کے بعد ہی مسعود کو آذربائیجان جانا پڑا' مسترشد ساتھ ساتھ تھا اور دونوں میں مصالحت کی گفتگو جاری تھی' سلطان کا مقصد صرف اس کی قوت اور اس کی فوجی سرگرمی کا انسداد تھا اس لیے حسب ذیل شرائط پر صلح ہو گئی۔

۱۔ مسترشد سلطان کو سالانہ ایک مقررہ رقم ادا کرے گا۔

۲۔ فوجیں نہ جمع کرے گا'

۳۔ قصر خلافت سے باہر قدم نہ نکالے گا۔

گو یہ شرطیں مسترشد جیسے خلیفہ کے لیے بڑی توہین آمیز تھیں' لیکن بدرجہ مجبوری اسے ماننی پڑیں۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹'۱۰)

ایک بیان یہ ہے کہ سلطان سنجر نے مسعود کو حکم دیا کہ وہ مسترشد کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ بغداد واپس پہنچا دے اور اس کا جس قدر ساز و سامان لوٹا گیا ہے سب واپس کیا جائے۔ اور پہلے سے زیادہ خیمہ و خرگاہ' خدم و حشم' جملہ لوازم شاہی اس کے لیے مہیا کیے جائیں' مسعود کے لیے اس کا حکم ٹالنا ممکن نہ تھا' اس لیے اس کی پوری تعمیل کی۔

(الفخری ص ۱۷)

لیکن مسترشد کی بد قسمتی سے عین موقعہ پر جب کہ اس کی روانگی کے جملہ سامان مکمل ہو چکے تھے---- پہرہ داروں کی غفلت سے باطنیوں کی ایک جماعت اس کے خیمہ میں گھس گئی اور ذیقعدہ ۵۲۹ھ میں اس کو قتل کر دیا' یہ واقعہ مراغہ میں پیش آیا۔

واقعہ قتل کے متعلق دو روایتیں ہیں' ایک جو اوپر مذکور ہوئی' دوسرا بیان یہ ہے کہ اس قتل میں در پردہ سلطان مسعود کا ہاتھ تھا' اس کو مسترشد کی جانب سے اطمینان تھا' اس کی قوت کو وہ خوف و خطر کی نگاہ سے دیکھتا تھا' اس لیے ظاہر میں تو بدنامی سے بچنے کے لیے رہا کر دیا' لیکن در پردہ باطنیوں کے ذریعہ قتل کرا دیا۔ (الفخری ص ۱۷)

قتل کے وقت مسترشد کی عمر ۴۳ سال مدت خلافت سترہ برس چھ مہینے۔

اس حادثہ کی خبر بغداد پہنچی تو وہاں صف ماتم بچھ گئی' مرد گریباں' چاک پا برہنہ اور عورتیں پریشان مو سر پیٹتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں' خود سلطان مسعود نے بڑا غم و الم ظاہر کیا۔

**اوصاف و کمالات** مسترشد شجاعت و شہامت' تدبیر و سیاست' فضل و کمال' زہد و ورع ہر وصف میں کامل تھا' اس نے اپنے شجاعانہ کارناموں سے اپنے نامور اسلاف کی یاد تازہ کر دی اور عباسی خلافت کی مردہ رگوں میں خون زندگی دوڑایا۔

سیوطی کا بیان ہے کہ وہ ایک عالی ہمت' بہادر' جری' صائب الرائے اور ہیبت و جبروت کا خلیفہ تھا' اس نے خلافت کے پراگندہ نظام کو از سر نو مرتب و منظم اور اس کا نشان زندہ کیا' اس کی بوسیدہ ہڈیوں میں جان ڈالی' ارکان شریعت کو استوار کیا لڑائیوں میں بہ نفس نفیس نکلتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۴۲)

ابن اثیر لکھتا ہے کہ وہ شجاع' بہادر' جری' آگے بڑھنے والا اور عالی ہمت خلیفہ تھا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۱)

سبکی کا بیان ہے کہ اس کی شجاعت و شہامت' ہیبت و اقدام آفتاب سے زیادہ روشن اور بدر کامل سے زیادہ نمایاں ہے۔ (طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۲۹۲)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس نے بنی عباس کے وقار عظمت کو زندہ اور امور مملکت کو منظم کیا' وہ خود لڑائیوں میں نکلتا تھا۔ (دول الاسلام ج ۲ ص ۵۰)

اس کے پیشرو مدتوں سے محض تخت کی زینت تھے' تلوار ہاتھ میں لینا بھول گئے تھے' مسترشد خود میدان جنگ میں نکلتا تھا' فوجوں کی قیادت کرتا تھا' اور عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑتا تھا اپنی شجاعت سے اس نے عباسی خلافت کو سلجوقیوں کے پنجہ استبداد سے آزاد کرایا اور عراق میں ان کا اثر و اقتدار ختم کر دیا۔

علمی حیثیت سے وہ نہ صرف اپنے بہت سے پیشرو خلفاء بلکہ علماء کی جماعت میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا' اس کی علمی سند کے لیے یہ کافی ہے کہ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں علماء کے زمرہ میں اس کا شمار کیا ہے' ابوالقاسم بن بیان اور عبدالوہاب بن ہبتہ اللہ سے سماع حدیث کیا تھا' خود اس سے معتمد اہل علم نے حدیث روایت کی ہے' (تاریخ الخلفاء ص ۴۴۲) ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ فصیح و بلیغ تھا' خط نہایت پاکیزہ تھا' میں نے اس کی تحریر دیکھی ہے' خط کی پاکیزگی اور فصاحت دونوں حیثیتوں سے بہترین تھی۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۱)

انشاء و فصاحت و بلاغت کے ساتھ وہ زبان آور خطیب بھی تھا' سیوطی نے اس کی ایک مختصر تحریر نقل کی ہے جو ادب و انشاء اور بلاغت کا بہت اچھا نمونہ ہے۔

(تاریخ الخلفاء ص ۴۴۴)

شاعری کا نہایت ستھرا مذاق رکھتا تھا' خود بھی شاعر تھا' اس کی شاعری میں اس کی شجاعت کے اثرات نمایاں ہیں۔

نمونہ کلام یہ ہے۔

انا الاشقر المدعولی فی الملاحم
و من یملک . الدنیا بغیر مزاحم
ستبلغ ارض الروم خیلی و تنقضی
باقصیٰ بلاد الصین بیض صوارمی

اس کی گرفتاری کے وقت خود اس کے حسب ذیل اشعار اس کی زبان پر تھے۔

ولا عجبا للاسدان ظفرت بھا
کلاب الاعاد ی من فصیح واعجم
فحربة وحشی سقت حمزة الدوی
و مدت علی من حسام ابن ملجم

اس کی علم نوازی کی بنا پر علماء نے اس کے نام پر کتابیں تصنیف کیں، چنانچہ امام ابوبکر شاشی نے کتاب العمدۃ اسی کے نام پر لکھی تھی، اس کا لقب عمدۃ الدنیا والدین" تھا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۴۴۴)

علم کے ساتھ وہ باعمل بھی تھا، ایوان عیش میں بھی اپنی زندگی زاہدانہ تھی، صوف کے لباس میں گوشہ عزلت و عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا تھا۔

اس کے اوقات کا بڑا حصہ عبادت و تلاوت قرآن میں بسر ہوتا تھا، جس دن شہید ہوا اس دن بھی روزے سے تھا، اور تلاوت قرآن میں مشغول تھا۔

(طبقات الشافعیہ ج ۴ ص ۲۹۱، ۲۹۲)

ملک کا خیر خواہ اور رعایا کے لیے شفیق تھا، ظلم و جور کے انسداد میں اتنا اہتمام تھا کہ تخت خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی ۵۱۲ھ میں اپنی خاص جاگیر کے علاقوں میں یک قلم ظلم و زیادتی کو موقوف کر دیا اور عام حکم جاری کر دیا کہ کسی کاشتکار و اجارہ دار سے مقررہ محاصل کے علاوہ کوئی چیز نہ لی جائے، ممزج، (سقلاطوں اور ممزج اعلیٰ قسم کے کپڑے تھے اس کی صنعت بغداد میں بڑے فروغ پر تھی)

سقلاطوں اور دوسری قیمتی کپڑوں کے بنانے والوں اور زربافون سے ٹیکس وصول کرنے میں سرکاری محصل بڑی زیادتیاں کرتے تھے، مسترشد نے یہ ٹیکس ہی سرے سے موقوف کر دیئے۔

بغداد کی شہر پناہ انقلابات و حوادث سے بہت بوسیدہ ہو گئی تھی، مسترشد نے ۵۱۸ھ میں از سر نو اس کی تعمیر شروع کر دی اور اس کے مصارف کا بار تمام اہل بغداد پر ڈالا، یہ ان پر گراں گزرا مسترشد کو معلوم ہوا تو اس نے کل وصول شدہ رقم واپس کر دی اور عوام کے بجائے عمائد سلطنت سے یہ رقم وصول کی گئی، مسترشد کے وزیر احمد بن نظام الملک نے پندرہ ہزار دینار دیئے اس سے اہل بغداد کو بڑی مسرت ہوئی۔

(تاریخ الخلفاء ص ۴۴۴)

# ابو جعفر منصور بن مسترشد الملقب بہ راشد باللہ

## ۵۲۹ھ تا ۵۳۰ھ ---- مطابق ---- ۱۱۳۴ء تا ۱۱۳۵ء

مسترشد اپنی زندگی میں اپنے لڑکے ابو جعفر منصور الملقب بہ راشد کی ولی عہدی کی بیعت لے چکا تھا' اس کے قتل کے بعد راشد کی بیعت خلافت ہوئی' اکیس خلفاء زادوں نے بیعت کی' اور رمضان ۵۲۹ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا' اس وقت اس کا بیسواں سال تھا۔

**دبیس کا قتل** دبیس کی فتنہ انگیزی سے گذشتہ خلفاء اور سلجوقی سلاطین سب تنگ تھے۔ گو اس میں اور سلطان مسعود میں صلح ہو گئی تھی لیکن سلطان کو اس پر اعتماد نہ تھا' چنانچہ ایک مرتبہ جب سلطان سے ملنے گیا' سلطان نے موقع پاکر اس کو قتل کرا دیا۔ (تاریخ آل سلجوق ص ۱۶۳) دبیس کے قتل کے بعد اس کی فوج اس کے لڑکے صدقہ کے پاس جمع ہو گئی سلطان نے اس پر فوج کشی کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر پھر دونوں میں صلح ہو گئی۔

**سلجوقی شحنہ اور اہل بغداد میں جنگ** راشد کی تخت نشینی کے بعد ہی اس میں اور سلطان مسعود میں مخالفت شروع ہو گئی' اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ مسعود اور مسترشد کے شرائط صلح کی رو سے خلافت بغداد کے ذمہ جو سالانہ مقررہ رقم واجب الادا تھی ۵۳۰ھ میں سلطان مسعود نے اسکی وصولی کیلئے برنقش زکوی کو بغداد بھیجا' مسترشد کی گرفتاری کے وقت خزانہ لٹ چکا تھا' لیکن برنقش کو اسکا یقین نہ تھا' اس نے تلاشی لینے کا ارادہ کیا' راشد اس میں مزاحم ہوا۔ برنقش اور بغداد کے سلجوقی شحنہ بک آبہ نے مل کر قصر خلافت پر حملہ کر دیا' لیکن عباسی فوجوں نے انہیں پسپا کر دیا' وہ مقابلہ کی طاقت نہ پاکر لوٹ گئے' ان کی واپسی کے بعد بغداد کے عوام نے قصر سلطانی کو لوٹ لیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۴)

مسترشد اور سلطان کے درمیان جو واقعات پیش آئے تھے' اسی کے اثر سے راشد سلطانی سے کشیدہ تھا' قصر خلافت پر حملہ نے اس کو زیادہ برہم کر دیا اور وہ مسعود سے مسترشد کا انتقام لینے کے لیے آمادہ ہو گیا۔

**سلطان مسعود اور سلجوقی امراء میں مخالفت** اتفاق سے اسی زمانہ میں چند سلجوقی امراء سلطان مسعود کو چھوڑ کر راشد سے مل گئے' اس کا سبب یہ ہوا کہ امیر برنقش بازوار سلطان پر بہت حاوی تھا' اس کے سامنے اور کسی امیر کا چراغ نہ جلتا تھا' اس کے اقتدار کو دیکھ کر ایک اور ممتاز امیر قراسنقر نے سلطان کی بیوی کی ہدایا و تحائف دے کر اپنا ہمدرد بنانے کی کوشش ملکہ سلطان کے مزاج میں بہت دخیل تھی' اس لیے برنقش زکوی کو سلطان کی جانب سے خطرہ پیدا ہو گیا' طغرل کے دور میں متعدد امراء برستی' قزل' امیر آخر' سنقر اور حیدر وغیرہ جو سلطان مسعود سے خوفزدہ تھے' برنقش کے ساتھ ہو گئے' اور وہ انہیں لے کر سلطان سے الگ ہو گیا' سلطان نے ان پر فوج کشی کر کے شکست دی اور طغرل کے بہت سے امراء کو گرفتار کر لیا گیا۔ (تاریخ آل سلجوق ص ۱۶۰)

اس شکست سے برنقش بازوار کی مخالفت اور بڑھ گئی' اور وہ راشد کے پاس بغداد چلا گیا اور عماد الدین زنگی' برنقش کبیر والی اصفہان' صدقہ بن وبیس' ابن برسق اور ابن احمدیلی وغیرہ نے اس کا ساتھ دیا' مسعود کا داماد اور بھتیجا داؤد والی آذربائیجان پہنچ گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۴) راشد کے دل میں پہلے سے سلطان سے انتقام لینے کے جذبات پرورش پا رہے تھے' ان امراء نے اس کو زیادہ آمادہ کر لیا۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۲۶)

**سلطان مسعود اور راشد کی مخالفت** ان امراء میں عماد الدین زنگی اور داؤد کی شخصیت زیادہ اہم تھی' داؤد سلطان محمود کا لڑکا اور سلجوقی تخت کا اصل وارث تھا' اور عماد الدین اپنی شجاعت و ناموری کی بنا پر امراء میں امتیازی درجہ رکھتا تھا' راشد نے ان دونوں سے وفاداری کا عہد و پیمان لے کر بغداد میں سلطان مسعود کا خطبہ بند کر کے داؤد کا خطبہ جاری کر دیا۔ اور عماد الدین کو دو لاکھ دینار فوجی انتظامات کے لیے عطا کیے' اس نے خراسان جا کر ضروری انتظامات کیے' بغداد میں خود راشد نے تیاریاں کیں' مسعود کو اس کا علم ہوا' تو اس نے قاصد کو بھیج کر راشد کو راضی کرنے کی کوشش کی' اس نے امراء سے مشورہ کیا' ان سب نے مخالفت کی اور مسعود کا قاصد ناکام واپس گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۴)

**بغداد پر سلطان کی فوج کشی** اس کوشش میں ناکامی کے بعد مسعود نے بغداد پر فوج کشی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور دو مہینے کے بعد لوٹ گیا'

چند دنوں کے بعد امیر طرنطائے والی واسط کی مدد سے دوبارہ فوج کشی کی' راشد بھی مقابلہ کے لیے نکلا' اس مرتبہ اس کے مددگار امراء میں پھوٹ پڑ گئی' انہوں نے اپنا اپنا راستہ لیا' صرف عمادالدین زنگی ساتھ رہ گیا' راشد اس کے ساتھ موصل چلا گیا' اور ذیقعدہ ۵۲۰ھ میں بغداد پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔

بغداد میں داخلہ کے بعد اس نے یہاں کے علماء و فقہاء اور قضاۃ و شہود کو جمع کر کے ان کے سامنے راشد کا ایک تحریری حلف نامہ' جو اس کے اور راشد کے درمیان ہوا تھا پیش کیا' جس میں اس نے اقرار کیا تھا کہ اگر میں کسی وقت بھی فوجی اجتماع کروں یا بغداد سے باہر نکلوں یا وابستگان سلطانی پر تلوار اٹھاؤں تو معزول سمجھا جاؤں' یہ حلف نامہ دیکھ کر فقہاء نے معزولی کا فتویٰ دے دیا۔ (ابن اثیرج ۱۱ ص ۱۴)

**راشد کی معزولی** دوسری روایت یہ ہے کہ مسعود نے راشد کے مظالم' غصب اموال' خون ریزی' شراب نوشی کا ثبوت فراہم کر کے علماء سے استفسار کیا کہ جس شخص میں یہ عیوب پائے جاتے ہوں کیا اس کی امامت جائز ہے' اور فسق کے ثبوت کے بعد سلطان وقت کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ایسے شخص کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو خلیفہ بنائے اور قاضی بغداد ابوطاہر بن کرخی کے سامنے راشد کے فسق کی شہادتیں پیش کر کے ان سے اس کی معزولی کا فتویٰ حاصل کیا اور ذیقعدہ ۵۳۰ھ میں اس کو معزول کر دیا' اس کی مدت خلافت ۱۱ مہینے تھی۔

راشد کو مسترشد کے اوصاف سے کوئی مناسبت نہ تھی' لیکن وہ ان سے یکسر محروم بھی نہ تھا۔ سیوطی کا بیان ہے کہ راشد فصیح و بلیغ تھا' ادیب و شاعر تھا' شجاع و بہادر تھا' فیاض و سیر چشم تھا' نیک سیرت تھا' برائیوں کو ناپسند کرتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۴۶)

سلطان مسعود کے محضر اور اس کی پیش کردہ شہادتوں سے راشد کی جو تصویر ذہن میں آتی ہے وہ صحیح نہیں ہے' مسعود اور راشد کی مخالفت' راشد کی شجاعت و حوصلہ مندی کا ثبوت ہے' کوئی معمولی حوصلہ ہمت کا خلیفہ سلطان کی مخالفت کی جرات نہ کر سکتا تھا' اور نہ سلطان کو کسی بے ضرر خلیفہ کو معزول کرنے کی ضرورت پیش آتی' پھر سلاطین کو خلفاء کی دینی و اخلاقی حیثیت سے بحث ہی نہ تھی' وہ صرف اپنے مصالح کی بنا پر ان کے سیاسی حالات پر نگاہ رکھتے تھے' اور خلافت کی اہلیت و نااہلیت کے بارے میں ان کا معیار سیاست تھا نہ

کہ مذہب' مسترشد کے ساتھ جو مسلمہ طور پر بڑا دیندار اور عابد و زاہد تھا' سلطان مسعود نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' باقی سلطان مسعود جیسے بادشاہ کے لیے راشد کے خلاف شہادتیں فراہم کر لینا کوئی دشوار کام نہیں تھا۔

یہ بھی قابل غور ہے کہ راشد کو کل دس گیارہ مہینے حکومت کا موقع ملا' اس قلیل مدت میں وہ عقلاً" بھی اتنی بے عنوانیاں نہیں کر سکتا تھا۔

# ابو عبداللہ محمد بن مستظہر الملقب بہ مقتفی لامراللہ

## ۵۳۰ھ تا ۵۵۵ھ --- مطابق --- ۱۱۳۵ء تا ۱۱۶۰ء

راشد کی معزولی کا واقعہ بالکل غیر متوقع پیش آیا تھا' اس وقت تک اس نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا' سلطان مسعود نے اس کی معزولی کے بعد امراء کے مشورہ سے اس کے چچا ابو عبداللہ محمد بن مستظہر کو' جو خاندان میں سب سے ممتاز تھا' عہد و پیان لے کر خلیفہ بنایا اور ایک دوسرے حقوق کے فرائض کی بھی تعیین کر دی۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۷) سلطان کو مسترشد اور راشد کی آزادی کا تجربہ ہو چکا تھا' اس لیے آئندہ اس قسم کے خطرات سے بچنے کے لیے یہ شرط بھی کر لی کہ ابو عبداللہ دارالخلافہ میں سفر اور نقل و حرکت کا کوئی سامان نہ رکھے گا۔ (دول الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۳۷) ذوالحجہ ۵۳۰ھ میں ابو عبداللہ تخت خلافت پر بیٹھا اور مقتفی لامراللہ لقب اختیار کیا' اس وقت چالیس سال کی عمر تھی۔

سیوطی کا بیان ہے کہ مسعود نے دارالخلافہ کے تمام جانوروں' اثاث البیت' طلائی و نقرئی سامانوں' خیمہ و خرگاہ' سراپردہ شاہی وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور چار گھوڑوں' آٹھ خچروں اور مقتفی کے خالصہ کے علاوہ کوئی چیز اس کے پاس نہ رہنے دی' پھر چند دنوں کے بعد اس سے ایک لاکھ دینار کا مطالبہ کیا' مقتفی نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ تمہارا یہ مطالبہ کس قدر حیرت انگیز ہے' تم کو معلوم ہے کہ مسترشد تمہارے مقابلہ میں جاتے وقت خزانہ لیتا گیا تھا' اس کے ساتھ جو پیش آیا وہ معلوم ہے اس سے جو بچ رہا تھا وہ راشد ساتھ لے گیا تھا' اس کا حشر بھی نگاہوں کے سامنے ہے' اس کے بعد دارالخلافہ میں صرف سازو سامان باقی رہ گیا تھا' اس پر تم نے قبضہ کر لیا' ٹکسال' تبرکات اور جوالی کی آمدنی تک تم نے لے لی' اب میرے پاس کیا ہے' جو تمہاری فرمائش پوری کی جائے' صرف یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے کہ دارالخلافہ تمہارے حوالہ کر کے کہیں چلا جاؤں' یہ میں نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں سے ایک حبہ بھی ظلم و جور سے نہ لوں گا' یہ جواب سن کر سلطان نے اسے

چھوڑ دیا اور اس کی بجائے بغداد کے صاحب جائیداد امراء اور تاجروں سے روپیہ وصول کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۴۸)

مقتفی نہایت دلیر' عالی دماغ اور باجبروت خلیفہ تھا' اس لیے سلطان نے اس پر جو پابندیاں عائد کی تھیں وہ اس راہ میں حائل نہ ہو سکیں اور رفتہ رفتہ اس نے اپنے تدبر سے خلافت بغداد میں سلجوقیوں کی مداخلت بالکل ختم کر دی اور اس کی تخت نشینی کے چند ہی دنوں بعد سلطان مسعود کو خلافت کا نظام اور تبرکات کی آمدنی اس کے حوالہ کر دینی پڑی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۴۸) اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

## راشد کی واپسی کی کوشش اور اس کا قتل

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ راشد عماد الدین زنگی کے ساتھ موصل چلا گیا تھا' ۵۳۲ھ میں وہاں سے سلطان داؤد کے پاس مراغہ چلا گیا' مراغہ جانے کے بعد امیر منکبرس والی فارس اس کا نائب بوزابہ' سلطان مسعود کا حاجب عبدالرحمٰن طغائرک وغیرہ بہت سے امراء جو سلطان کے تھے' مراغہ پہنچے اور سلطان کے مقابلہ میں راشد کی مدد کے لیے تیار ہو گئے' ان میں اور سلطان میں جو جنگ ہوئی' سلطان نے ان کو شکست دے کر منکبرس کو قتل کر دیا اور اس کی فوجیں لوٹ میں مشغول ہو گئیں' امیر بوزابہ اور عبدالرحمٰن نے پلٹ کر حملہ کر دیا سلجوقی فوجیں منتشر تھیں اس لیے سعود کو شکست ہو گئی اور بوزابہ نے اس کے بہت سے امراء کو گرفتار کر کے قتل کر دیا سلطان مسعود کی شکست کے بعد بوزابہ فارس چلا گیا اور راشد و داؤد اتسنر بن محمد خوارزم شاہ کو ساتھ لے کر ہمدان ہوتے ہوئے عراق کی طرف بڑھے' سلطان مسعود انہیں روکنے کے لیے پہنچا اسے دیکھ کر اتسنر خوارزم چلا گیا اور داؤد نے فارس کی راہ لی' راشد مایوس ہو کر اصفہان چلا گیا اور چند دنوں کے بعد رمضان ۵۳۲ھ میں خود اس کے خراسانی غلاموں نے اس کو قتل کر دیا اور وہ اصفہان میں سپرد خاک کیا گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۳۴)

## خوارزمی حکومت کا قیام

آئندہ جابجا خوارزمی حکومت اور اس کے فرمانرواؤں کے حوالے آئیں گے اس لیے اس کے قیام کے مختصر حالات سن لینے چاہئیں' یہ حکومت صوبہ خوارزم میں قائم ہوئی اور اس کی ابتدائی داغ بیل مستظہر کے عہد میں پڑ چکی تھی' لیکن حکومت کی شکل اس نے مقتفی کے زمانہ میں اختیار کی' اس کا بانی اتسنر بن محمد الملقب بہ خوارزم شاہ ہے اس کا دادا نوشتگین غراجہ ملک شاہی امیر بلکاتگین کا غلام تھا' نوشتگین عاقل

و فہیم تھا' اس لیے ہلکا تگین کی موت کے بعد ملک شاہ نے اس کو خوارزم کا شحنہ بنایا تھا' نوشگین کے بعد سلطان برکیارق نے سلطان سنجر کے مشورہ سے ۴۹۱ھ میں اس کے ہونہار اور لائق فرزند محمد کو اس منصب پر مامور کیا اور خوارزم شاہ لقب دیا۔ اس نے تیس سال تک بڑی وفاداری اور دلسوزی سے اپنے فرائض انجام دیئے اور سلجوقی سلاطین کا وفادار رہا۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۸۶)

اس زمانہ میں خراسان میں سلطان سنجر کی حکومت قائم ہو چکی تھی' محمد نے اپنی کارگذاری اور حسن خدمت سے سلطان سنجر کے مزاج میں بڑا رسوخ اور اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۳) ۵۲۱ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

**اتسنر بن محمد خوارزم شاہ** امیر محمد کی وفاداری اور حسن خدمات کی بنا پر سلطان سنجر' اس کے لڑکے اتسنر کو بھی بہت مانتا تھا' چنانچہ محمد کی موت کے بعد اتسنر کو خوارزم کی حکومت عطا کی' اسے بھی شروع میں سلطان کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل رہا' اس کے دربار میں کسی امیر کو اتنا اعزاز حاصل نہ تھا' اس سے دوسرے امراء کو رشک پیدا ہوا انہوں نے سلطان اور اتسنر کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر بدگمان کر دیا اور ۵۳۳ھ میں اتسنر نے سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۸۷)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ اپنی حکومت کے قائم کرنے کے منصوبے ہی میں تھا کہ سلطان کو اطلاع ہو گئی' اس نے فوج کشی کر کے اس کو خوارزم سے نکال دیا اور اپنے بھتیجے سلیمان شاہ کو وہاں کا حاکم بنایا اس میں حکومت سنبھالنے کی اہلیت نہ تھی' اس لیے اتسز نے دو ہی سال بعد ۵۳۵ھ میں پھر خوارزم پر قبضہ کر لیا۔

(تاریخ گزیدہ ص ۴۸۷ و ابن اثیر ج ۱ ص ۳۶)

اتسنر اور سلطان سنجر کی جنگ میں اتسنر کا ایک لڑکا مارا گیا تھا' اس کے انتقام میں اس نے ترکستان کے غیر مسلم خطائیوں کو سلطان سنجر کے خلاف کھڑا کر دیا اور ۵۳۶ھ میں کئی لاکھ وحشی خطائی ماوراء النہر کے علاقہ پر ٹوٹ پڑے سلطان کو بڑی فاش شکست ہوئی اور اس کے بے شمار آدمی قتل و گرفتار ہوئے۔ جن میں بہت سے علماء و فقہاء تھے' خود سلطان کی حرم اسیر ہوئی اور اس کا کل خزانہ برباد ہو گیا' اور ماوراء النہر کا علاقہ اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

دوسری طرف سلطان کی شکست کے بعد خود اتسز خراسان پہنچا اور وحشیانہ قتل و غارت سے اس کو ویران کر ڈالا اور وہاں کے بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال کو خوارزم لے گیا' البتہ نیشاپور علماء و مشائخ کی سفارش سے قتل و غارت کی مصیبت سے بچ گیا' لیکن اتسز نے سلجوقی حکومت کے تمام متعلقین کی املاک پر قبضہ کر لیا اور سلطان سنجر کا خطبہ بند کر کے اپنے نام کا خطبہ جاری کیا' مگر چند دنوں کے بعد اہل نیشاپور کی مخالفت سے ڈر کر سلطان سنجر کا خطبہ جاری کر دیا۔ (ابن اثیر اور تاریخ گزیدہ وغیرہ نے بڑی تفصیلات لکھی ہیں' ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے)

گو اس وقت سلطان سنجر کی شکست سے اتسز کو آزادی مل گئی تھی' لیکن خراسان میں اس کا مستقل قیام ممکن نہ تھا' اس لیے سنجر کی واپسی کے بعد اس نے خراسان چھوڑ دیا اور سلطان سے تعلق منقطع کر کے خوارزم میں مستقل حکومت قائم کر لی۔

سلطان اپنی شکست کے اثرات سے دو سال تک اتسز کے خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکا' ۵۳۸ھ میں اس نے خوارزم پر فوج کشی کی' مگر کامیاب نہ ہوئی اور وہ لوٹنے کا قصد کر رہا تھا کہ خود اتسز نے آئندہ فوج کشی کے خطرہ سے بچنے کے لیے اطاعت قبول کر لی' سلطان نے بھی درگذر سے کام لیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۳۷)

لیکن چند دنوں کے بعد پھر باغی ہو گیا' اس لیے ۵۴۲ھ میں پھر سلطان نے فوج کشی کی' اتسز میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس نے خوارزم کے علماء اور مشائخ کو درمیان میں ڈالا' سلطان ہر چند اس کی بار بار کی بغاوت سے تنگ آ چکا تھا' لیکن علماء و مشائخ کی سفارش کو رد نہ کر سکا اور آئندہ خطرہ کے انسداد کے لیے تیس ہزار سالانہ فوجی اخراجات کے لیے مقرر کر کے لوٹ گیا' اس کے بعد پھر اتسز کی جانب سے بغاوت کا ظہور ہوا۔

(تاریخ گزیدہ ص ۱۸۹)

اس کے چند برسوں کے بعد ۵۴۸ھ خراسان پر غزون کا ایسا حملہ ہوا کہ خراسان بالکل زیر و زبر ہو گیا' اور اتسز کو اپنی حکومت مضبوط کرنے کا موقع مل گیا اور ۵۵۱ھ میں تیس سال کی حکومت کے بعد اتسز کا انتقال ہو گیا۔

**ایل ارسلان خوارزم شاہ** اتسز کے انتقال کے بعد ۵۵۱ھ میں اس کا لڑکا ایل ارسلان جانشین ہوا اس کے زمانہ میں سلطان سنجر کا انتقال ہو گیا اور خراسان کا انتظام درہم

برہم ہو گیا' اس لیے ایل ارسلان نے مستقل حکومت قائم کرلی۔ (تاریخ گزیدہ ص ۱۹۰' اس میں چھ فرمانروا ہوئے اتسز بن محمد' ایل ارسلان بن اتسز محمود بن ایل ارسلان' علاؤالدین تکش ایل ارسلان' علاؤالدین تکش و جلال الدین علاؤالدین) جو ساتویں ہجری کے وسط تک قائم رہی اور تاتاریوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔

## سلطان مسعود کے خلاف امراء کی بغاوت و اطاعت

سلطان مسعود کے خلاف امیر بوزابہ اور عبدالرحمٰن طغائرک حاجب کی بغاوت کا حال اوپر گذر چکا ہے' ایک اور امیر عباس والی رے بھی ان کے ساتھ ہو گیا اور انہوں نے سلطان کے بھائی سلیمان اور اس کے بھتیجوں ملک محمد اور ملک شاہ کو ملا کر ۵۴۱ھ میں ہمدان پر فوج کشی کر دی' سلطان اس وقت بغداد میں تھا' اطلاع پاتے ہی فوراً واپس آیا اور امیر جاولی والی آذربائیجان کو ساتھ لے کر مقابلے کے لیے نکلا' جاولی نے حسن تدبیر سے سلیمان شاہ کو الگ کر دیا' اس کے علیحدہ ہو جانے کے بعد بوزابہ نے ہمدان چھوڑ دیا اور عبدالرحمٰن و عباس نے سلطان کی اطاعت قبول کرلی' اس خدمت کے صلہ میں سلطان نے امیر جاولی کی بڑی عزت افزائی کی' اس کے مراتب بڑھائے اور باغی امراء کو بھی مخالفت سے روکنے کے لیے ان کی تالیف قلب کی۔
(راوندی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے' دیکھو ص ۲۳۳' ۲۳۴)

## ان کا قتل

اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد امیر جاولی کا انتقال ہو گیا' اس کی موت کے بعد' امیر عبدالرحمٰن نے آذربائیجان اور اران کی حکومت حاصل کرلی' سلطان کو امیر جاولی سے بڑی تقویت حاصل تھی' اس کی موت سے اس کا بازو ٹوٹ گیا' اور عبدالرحمٰن' عباس اور بوزابہ سلجوقی حکومت پر حاوی ہو گئے' اور اس کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا' سلطان ان کی مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے چاروناچار اسے ماننا پڑا' انہوں نے سلطان کے وزیر جمال الدین کو معزول کر کے تاج الدین کو جو ان کے اغراض کے لیے زیادہ مفید تھا' وزیر بنایا۔ (تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۹۵)

گو عبدالرحمٰن' عباس اور بوزابہ بظاہر سلطان کے مطیع ہو گئے تھے' لیکن دل میں سب اس کے خلاف تھے' سلطان اس سے خوب واقف تھا' لیکن بے بسی کی وجہ سے خاموش رہا لیکن پھر بھی چند دنوں میں مختلف تدبیروں سے تینوں کا خاتمہ کرا دیا اور اپنے معتمد علیہ غلام خاص بک کو جس نے ان لوگوں کے قتل میں مدد کی تھی' امیرالامراء بنا دیا۔

(تاریخ دولت آل سلجوق ص ۱۹۵)

**بغداد پر سلجوقی امراء کا حملہ** امیر خاص بک کی ترقی اور اس کا اعزاز ایک نئے فتنہ کا سامان بن گیا دوسرے سلجوقی امراء سلطان کے خلاف ہو گئے' چنانچہ امیر شمس الدین ایلدگز والی گنجہ امیر قیصر' امیر برنقش' تاتار حاجب وغیرہ سلطان کو چھوڑ کر ۵۴۳ھ میں بغداد چلے گئے' ان کی آمد سے عراق میں بڑا اضطراب پیدا ہو گیا' مقتفی نے انہیں روکنے کی کوشش کی' لیکن وہ باز نہ آئے اور بغداد پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا' اہل بغداد نے عباسی فوجوں کے ساتھ مل کر مدافعت کی' سلجوقی امراء انہیں دھوکہ دینے کے لیے ایک دن پیچھے ہٹ گئے' بغدادی ان کے تعاقب میں دور نکل گئے۔ اس وقت سلجوقیوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا' بغدادی اس حملہ کو نہ سنبھال سکے اور سلجوقیوں نے انہیں بے دریغ قتل و گرفتار کیا' ہزاروں بغدادی مارے گئے' اور سلجوقیوں نے بغداد میں گھس کر دولت مندوں سے زبردستی روپیہ وصول کیا' عورتوں کو قید کیا اور دجیل کو لوٹ لیا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ قتل و غارت کرنے کے بعد مقتفی سے معذرت کر کے لوٹ گئے' (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۵۰) عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ مقتفی کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر انہیں تیس ہزار اشرفیاں دے دی جائیں تو وہ لوٹ جائیں گے مقتفی نے ارکان دولت کے مشورہ سے انہیں روپیہ دینے کی بجائے ایک نئی فوج تیار کر لی' بزور شمشیر ان کو بغداد سے نکالا۔ (تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۰۳)

سلطان مسعود کے چچا سنجر کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے خاص بک کو سر چڑھانے پر مسعود کو بڑی ملامت کی اور اس کی تادیب کے لیے خود رے گیا' مسعود نے اس موقع پر دانشمندی سے کام لیا۔ اور سلطان کی خدمت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا' خاص بک نے علیحدہ سلطان سنجر کے لیے قیمتی ہدایا اور لوازم میزبانی بھیجے' سلطان سنجر مسعود کی اس سعادت مندی سے بہت خوش ہوا اور اس کی سفارش سے خاص بک سے راضی ہو گیا اور اٹھارہ دن رے میں قیام کر کے خراسان واپس ہو گیا۔

**مسعود کی وفات** ایک مختصر علالت کے بعد رجب ۵۴۷ھ میں سلطان مسعود نے وفات پائی اس وقت کل ۴۵ سال کی عمر تھی' مدت حکومت اٹھارہ سال۔

گو سلطان مسعود کا قریب قریب پورا زمانہ شورش و انقلاب میں گذرا' لیکن وہ سلجوقی

روایات کا آخری پاسبان و محافظ تھا' اس کے بعد اس جلیل القدر خاندان کی عظمت و شان ختم ہو گئی۔ راوندی کا بیان ہے کہ وہ بڑا قوی ہیکل اور توانا تھا' اس قدو قامت اور جسمانی قوت کا کوئی فرمانروا سلجوقی خاندان میں نہ گذرا تھا' وہ تخت سلطنت اور میدان جنگ دونوں میں مبارک قدم تھا' طبعاً" خوش مزاج' خوش باش اور ظریف الطبع تھا' اس کے زمانہ میں نعمتوں کی فراوانی اور خلق آسودہ حال تھی' رعایا کو راحت و امن حاصل تھا' وہ علم دوست' درویش نواز عدل پرور ظلم و جور سے دور اور جہل و نادانی کی باتوں سے نفور تھا' اس کی زندگی سادہ اور سپاہیانہ تھی' عیش و تنعم کے سامانوں سے ہمیشہ مجتنب سیر و شکار سے زیادہ دلچسپی تھی' شیر کے شکار میں بڑی مہارت رکھتا تھا' میدان جنگ میں خود دست بدست لڑتا تھا' فیاض و سیر چشم ایسا تھا کہ ہمیشہ خزانہ خالی رہا۔ (راحۃ الصدور ص ۲۵'۲۶)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ سلطان خوش خلق' ظریف الطبع' رعایا پرور اور اس کے مال کے بارہ میں محتاط تھا' اپنی سیرت نرمی اور خوش اخلاقی کے لحاظ سے صالح ترین حکمرانوں میں تھا' اس کے مناقب بہت ہیں۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۰)

عماد الدین اصفہانی لکھتا ہے کہ اس کو اپنی اقبال مندی پر بڑا اعتماد تھا' سیاسی چال بازیوں کی طرف کم توجہ کرتا تھا' برائیوں میں بھی چشم پوشی سے کام لیتا تھا' کسی جانب سے کینہ نہیں رکھتا تھا' اپنے خواص اور معتمد علیہ اشخاص کے بارہ میں کسی کی شکایت کی جانب کان نہیں دھرتا تھا' لیکن ان اوصاف کے ساتھ سفلہ پرور تھا۔ (تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۱۷)

**سلطان ملک شاہ بن محمود** سلطان مسعود کے بعد سلجوقی امراء نے رجب ۵۴۷ھ میں اس کے بھتیجے ملک شاہ بن محمود کو تخت نشین کیا' یہ بڑا عیش پرست اور غافل فرمانروا تھا۔ شراب و کباب میں مست رہتا تھا' جمال نام کی ایک عورت پر فریفتہ تھا' اسی کے اشاروں پر چلتا تھا اس لیے اس کی حکومت زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی۔

سلطان مسعود کی وفات کی خبر سن کر بغداد کا سلجوقی شحنہ مسعود بلال' مقتفی کے خوف سے تکریت بھاگ گیا تھا' مقتفی نے تمام سلجوقی امراء کے گھروں کی تلاشی لے کر ان کے مال و متاع پر قبضہ کر لیا اور ان کو شراب سے پاک و صاف کیا۔

مسعود بلال کے تکریت جانے کے بعد حلہ پر قبضہ کر لیا مقتفی نے عون الدین ہبیرہ کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا' اس نے مسعود کو حلہ سے نکال کر کوفہ اور واسط پر قبضہ

کرلیا' اس درمیان میں سلجوقی فوجیں عباسی فوجوں کے مقابلے کے لیے پہنچ گئیں' ان کے آنے کے بعد عباسی فوجوں نے واسط چھوڑ دیا مقتفی کو خبر ہوئی تو وہ خود سلجوقیوں کے مقابلہ کے لیے نکلا' اسے دیکھ کر وہ لوٹ گئے' اور مقتفی حلہ ہوتے ہوئے بغداد واپس گیا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۱)

**ملک شاہ کی گرفتاری اور معزولی** ملک شاہ بدستور اپنی رنگ رلیوں میں منہمک تھا' امراء کو بھی باریابی کا کم موقع ملتا تھا' حکومت پر خاص بک حاوی ہو گیا تھا' اس کے استبداد سے سلجوقی امراء سخت نالاں تھے' ملک شاہ بھی اس سے خوش نہ تھا اور اس کو گرفتار کرنے کی فکر میں تھا' اس لیے خاص بک نے اس کی نا اہلی کی وجہ سے امراء کو اس کی معزولی پر آمادہ کرلیا اور اس کو دعوت کے بہانہ سے ایک امیر خاندان کے گھر بلا کر مع اس کی محبوبہ جمال کے گرفتار کرلیا' اور مرج ہمدان میں قید کر دیا۔

(راحۃ الصدور ص ۱۵۴ و ۱۵۵ و تاریخ دولت آل سلجوق ص ۲۰۸)

اس کی مدت حکومت کل سات مہینے تھی۔

**سلطان محمد بن محمود** اس کو معزول کرنے کے بعد امیر خاص بک کی نیت میں فتور آ گیا' اس نے خود تاج و تخت پر قبضہ کرنا چاہا' مگر اس راہ میں ملک شاہ کا بھائی سلطان محمد جو خوزستان میں موجود تھا حائل تھا' اس لیے خاص بک نے اس کو تخت نشین کرنے کے بہانہ سے بلا بھیجا' مگر امیر جمال الدین نے جس کو لانے کے لیے بھیجا تھا' سلطان محمد کو خاص بک کی نیت سے آگاہ کر دیا' اور تاکید کر دی کہ اگر وہ ہمدان پہنچنے کے ساتھ ہی خاص بک کو گرفتار نہ کرے گا تو اس کا بھی وہی حشر ہو گا' جو اس کے بھائی ملک شاہ کا ہو چکا ہے' چنانچہ ہمدان پہنچنے کے دوسرے ہی دن جب امراء سلطان محمد کے سامنے باریاب ہو رہے تھے' خاص بک اور امیر جاندار' جس کے گھر میں سلطان ملک شاہ کو گرفتار کیا گیا تھا' دونوں پکڑ کر قتل کر دیئے گئے۔ (راحۃ الصدور ص ۲۵۹' ۲۶۰)

خاص بک ترکی غلام تھا' سلطان مسعود کی نظر توجہ نے اسے امیر الامرائی کے درجہ تک پہنچا دیا۔ سلطان محمد کے زمانہ تک حکومت کا مختار کل بن گیا۔ اس نے بے اندازہ دولت اور مختلف قسم کے ساز و سامان جمع کیے تھے' اس کے بعد اس کے توشہ خانہ میں ایک ہزار معمولی اور سات سو اطلس کی پوشاکیں نکلی تھیں' لیکن قتل کے وقت کفن تک میسر نہ

آیا تھا۔

**خراسان پر غزوں کی یورش اور اس کی تباہی** سلطان محمد کی تخت نشینی کے بعد ہی ۵۴۸ھ میں وحشی غزوں کے ہاتھوں سلطان سنجر کی شکست و گرفتاری اور خراسان کی تباہی کا واقعہ پیش آیا غز ترکستان کے نو مسلم وحشی قبائل تھے' خطائیوں نے' ماورالنہر پر قبضہ کے بعد ان کو وہاں سے نکال دیا تھا' اور وہ بلخ میں سلطان سنجر کے زیر سایہ آباد ہو گئے تھے۔ اور اس کے معاوضہ میں شاہی مطبخ کے لیے چار ہزار بکریاں سالانہ بطور خراج دیتے تھے' سلطانی تحصیلدار رشوت لینے کے لیے انہیں بہت ستاتے تھے' اور ان کی بڑی تذلیل و تحقیر کرتے تھے' انہوں نے تنگ آ کر ایک تحصیلدار کو مار ڈالا۔

بلخ کے سلجوقی حاکم امیر اسفسلار قماج نے سلطان سے شکایت کی کہ غزوں کی قوت بہت بڑھ گئی ہے اگر ان کا انتظام میرے متعلق کر دیا جائے تو میں ان کی قوت توڑ کر ان سے چار ہزار بکریوں کے بجائے تیس ہزار وصول کیا کروں' قماج کی خواہش پر سلطان نے غزوں کا انتظام اس کے متعلق کر دیا۔ اس نے ان سے مقتول تحصیلدار کا خون بہا طلب کیا' انہوں نے جواب دیا ہم براہ راست سلطان کی رعایا ہیں اس کے علاوہ اور کسی کی حکومت قبول نہیں کر سکتے' اور قماج کو ذلت کے ساتھ واپس کر دیا' اس کی سزا میں قماج نے ان پر حملہ کر دیا۔ غزوں نے اسے شکست دی اور قماج اور اس کا لڑکا دونوں قتل ہوئے۔

(راحۃ الصدور ص ۱۷۷' ۱۷۸)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ قماج کو شکست ہوئی' لیکن وہ خود زندہ بچ گیا اور غزوں نے بلخ کی آبادی کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا اور لوٹ کر اس کو ویران کر ڈالا' بہت سے علماء و فقہاء قتل کیے' اور مدرسے ویران ہو گئے۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۶۶)

غزوں کی اس وحشت و درندگی پر خود سلطان ان کی تنبیہہ کے لیے نکلا' اس وقت غزوں کو ندامت ہوئی اور انہوں نے سلطان کو اپنی بے گناہی کا یقین دلایا اور کہا کہ وہ قماج کی زیادتیوں سے تنگ آ کر اپنی حفاظت کے لیے جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے' ورنہ وہ بدستور سلطان کی اطاعت پر قائم ہیں۔ ان کی تاخت و تاراج سے جو نقصان پہنچا تھا' اس کے تاوان میں چاندی پیش کرنے کا وعدہ کیا' سلطان ان کی معذرت قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا' لیکن اس کے امراء نے اس کو مجبور کیا اور کہا کہ ان کی پوری تنبیہہ نہ کی گئی تو

ان کی خیرہ سری بڑھ جائے گی' ان کے اصرار پر سلطان نے غزوں کی اطاعت قبول نہ کی' دونوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی' سلطان نے بڑی فاش شکست کھائی اور معہ امراء کے گرفتار ہوا' غزوں نے امراء کو اسی وقت قتل کر دیا اور سلطان کو نام کے لیے تخت پر قائم رکھا' لیکن اختیارات تمام اپنے ہاتھوں میں لے لیے اور سلطان کی حیثیت ایک معزز قیدی کی ہو گئی۔

سلطان کو شکست دینے کے بعد غزوں کا ٹڈی دل خراسان پر ٹوٹ پڑا اور مرو طوس' نیشا پور وغیرہ تمام بڑے بڑے شہروں کو لوٹ کر ویران کر ڈالا اور ان کی ساری دولت پر قبضہ کر لیا' اصحاب ثروت کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر ان سے دولت وصول کی' بلا امتیاز مرد عورت' بچے' علماء' مشائخ اور آبادی کو بے دریغ قتل کیا' عوام کے علاوہ ہزاروں علماء و مشائخ مارے گئے' مدرسے اور کتب خانے تباہ ہو گئے اور سارے خراسان میں خاک اڑنے لگی' مورخین نے اس کی بڑی طویل تفصیلات لکھی ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راحۃ الصدور ص ۱۸۰ و ۱۸۱ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۶۷' ۶۸)

سلطان سنجر غزوں کے ہاتھوں میں اسیر تھا' خراسان کے سلجوقیوں کا کوئی مرکز نہ رہ گیا تھا اس لیے بقیۃ السیف سلجوقی امراء نے غزوں کے مقابلہ کے لیے سلطان کے بھتیجے سلیمان شاہ کو بادشاہ بنایا' اس میں کوئی اہلیت نہ تھی اس لیے غزوں کا طوفان نہ رکا سلیمان شاہ کا سارا تمام تر اس کا وزیر ابو علی بن طاہر تھا' ان کا انتقال ہو گیا' اس لیے سلیمان شاہ خراسان چھوڑ کر جرجان چلا گیا۔

سلیمان شاہ کے بعد سلجوقیوں نے محمود بن محمد بن بغراخان فرمانروائے ترکستان کو جو سلطان سنجر کا حقیقی بھانجا تھا' بادشاہ بنایا' سلطان سنجر کے ایک بہادر غلام المؤید نے غزوں کا نہایت پر زور مقابلہ کیا اور انہیں شکست دے کر نیشا پور' طوس' ابیور اور شہرستان وغیرہ سے نکال دیا اور ۵۵۰ھ میں وہ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے' اور المؤید نے خراسان کا بگڑا ہوا نظام از سر نو قائم کیا اور چند دنوں میں اپنے عدل و انصاف اور شریفانہ سلوک سے اہل خراسان کو اپنا گرویدہ بنا لیا' انہوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی' اس وقت المؤید نے خراسان محمود کو حوالہ کر دینا چاہا لیکن اس نے خراج مقرر کر کے اسی کے ہاتھوں میں انتظام رہنے دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۸۹)

۵۵۱ھ میں سلطان سنجر غزوں کی قید سے چھوٹ کر مرو پہنچ گیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد ربیع الاول ۵۵۲ھ میں اس کا انتقال ہو گیا' اس وقت ۷۲ سال کی عمر تھی۔

سلطان سنجر اپنے نامور اسلاف کی روایات کا حامل اور جہانگیری و جہانداری میں الپ ارسلان اور ملک شاہ اول کا صحیح وارث و جانشین تھا' سلجوقی خاندان کی عظمت اسی کے دم سے قائم تھی' اپنے قوت بازو سے اس نے خراسان کی حکومت کو جو سلجوقیہ ایران کی ایک چھوٹی سی شاخ تھی' نہایت طاقتور حکومت بنا دیا۔ اس کے نام کا خطبہ کاشغر سے لے کر عرب تک پڑھا جاتا تھا' وہ جب تک زندہ رہا سلجوقی خاندان کا محافظ رہا اور اس کا شیرازہ نہ بکھرنے دیا' اس کے بعد اس خاندان عالی پر زوال آ گیا۔

راوندی کا بیان ہے کہ اس میں خسروان عجم اور سلاطین کیانی کی ہیبت و عظمت تھی' وہ آئین جہانداری' قوانین شہریاری' قواعد بادشاہی اور ناموس ملک داری کا ماہر تھا' اس کو شہرت و ناموری' مال و دولت' فتح و فیروز مندی' ساری نعمتیں حاصل تھیں' گو معمولی باتوں میں سادہ دل تھا' لیکن جنگی امور میں صائب الرائے اور مستقل مزاج تھا' عدل و تقویٰ اور پاکدامنی سے آراستہ تھا' چالیس سال میں ۱۹ فتوحات حاصل کیں کسی مہم میں ناکام نہ ہوا' اس نے غزنویوں کے پایہ تخت کو فتح کر لیا' جس کی ہمت کسی سلجوقی حکمران نے نہ کی تھی اس کا خطبہ کاشغر سے لے کر یمن' طائف' مکہ' عمان اور آذربائیجان تک جاری تھا' وہ مبارک سایہ اور خدا ترس تھا' اس کے زمانہ میں خراسان مرجع انام اور علم و ہنر کا مرکز و مخزن بن گیا' علماء کا احترام کرتا تھا' زہاد و مشائخ سے عقیدت رکھتا تھا' اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا تھا۔ (راحۃ الصدور ص ۱۲۸ و ۱۷۱) اس کے زمانہ میں خراسان کا علاقہ دارالعلم بن گیا تھا' اس کے بڑے بڑے شہر مدارس و کتب خانوں اور علماء و ارباب کمال سے معمور تھے' یہ سارے مدارس غزوں کی یورش سے ویران ہو گئے۔

سلطان سنجر کے بعد اس کا بھانجا سلطان محمود بن محمد باقاعدہ اس کا جانشین تسلیم کر لیا گیا لیکن اس کی حکومت برائے نام تھی' اصل حکمران المؤید تھا' چند دنوں کے بعد المؤید نے پھر غزوں کو چھوڑ دیا اور دونوں میں معرکہ آرائی شروع ہو گئی' جس کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا' اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

**تکریت پر مقتفی کی فوج کشی** اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ۵۴۷ھ میں مقتفی نے

مسعود ہلال کو تکریب سے نکال دیا تھا' اس کی واپسی کے بعد مسعود پھر تکریت پہنچ گیا تھا اور دونوں میں کئی سال تک کشمکش جاری رہی' مقتفی نے کئی مرتبہ فوجیں بھیجیں لیکن مستقل قبضہ نہ ہو سکا اس لیے ۵۴۹ھ میں وہ خود بہ نفس نفیس نکلا' تکمرۃ میں بڑا زبردست معرکہ ہوا' مقتفی نے خود دست بدست جنگ کی' اٹھارہ دن کی خون ریز جنگ کے بعد مسعود بلال کو شکست ہوئی اور اس کا کل سامان مقتفی کے قبضہ میں آیا اس کی واپسی کے بعد مسعود نے واسط کو لوٹ لیا' اس مرتبہ مقتفی نے وزیر عون الدین ابن ہبیرہ کو بھیجا' اس نے بھی مسعود کو بڑی فاش شکست دے کر عجمیوں کی قوت ختم کر دی' اس کے بعد پھر مسعود نے سر اٹھانے کی ہمت نہ کی' مقتفی نے اس خدمت کے صلہ میں ابن ہبیرہ کو "سلطان العراق وملک الجیوش" کے معزز لقب سے ملقب کیا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۷۳' ۷۴)

**ہمدان پر سلیمان شاہ کا قبضہ اور اس کا فرار** سلطان مسعود نے اپنے بھائی سلیمان شاہ کو قید کر دیا تھا' اس کی موت کے بعد وہ چھوٹ کر آذربائیجان پہنچا اور آس پاس کے امراء اور اپنے سالے خوارزم شاہ کی مدد سے سلطان محمد کو ہمدان سے نکال کر اس کے تاج وتخت پر قبضہ کر لیا' اور فخرالدین کو وزارت اور خوارزم کو حجابت کے عہدوں پر ممتاز کیا' یہ تقرر دوسرے امراء پر گراں گزرا اور وہ اس کے خلاف ہو گئے' اور سلیمان شاہ کو گرفتار کر کے پھر سلطان محمد کو بادشاہ بنانا چاہا' سلیمان کو اس کی خبر ہو گئی' اس میں امراء کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے راتوں رات ہمدان سے نکل گیا اور پھر سلطان محمد واپس آ گیا۔ (راحۃ القلوب ص ۲۵۲ تا ۲۶۵)

**ہمدان پر دوبارہ سلیمان کی فوج کشی اور ناکامی** مقتفی نے سلطان محمد کی پیہم درخواستوں کے باوجود اب تک بغداد میں اس کے نام کا خطبہ جاری کیا تھا' (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۸۰) سلیمان شاہ ہمدان سے نکلنے کے بعد پھرتا پھراتا ۵۵۱ھ میں بغداد پہنچا' مقتفی کو ایک مہرہ ہاتھ آیا۔ اس نے اس کی بڑی پذیرائی کی اور اس کو ایران کی حکومت دے کر سلطان محمد کے خلاف کھڑا کر دیا سلیمان شاہ نے آذربائیجان کے امراء کو ساتھ لے کر پھر ہمدان پر فوج کشی کی لیکن اس مرتبہ سلطان محمد نے اسے فاش شکست دی اور وہ شکست کھا کر موصل چلا گیا' یہاں عمادالدین زنگی کے نائب نے اس کو قید کر دیا۔ (راحۃ الصدور ص ۲۶۶)

سلیمان شاہ کی جانب سے اطمینان حاصل ہونے کے بعد سلطان محمد نے بغداد کا محاصرہ کر لیا' ابھی اس کا سلسلہ جاری تھا کہ سلطان محمد کا دوسرا بھائی ملک شاہ ہمدان پہنچ گیا اس لیے اس کو لوٹ کر جانا پڑا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی ملک شاہ نے ہمدان چھوڑ دیا۔

(راحۃ الصدور ص۔۲۶۷ تا ۲۶۹)

**سلطان محمد کی وفات** بغداد کی واپسی کے بعد ہی سلطان محمد سل میں مبتلا ہو گیا اور ڈیڑھ سال کی علالت کے بعد ذی الحجہ ۵۵۴ھ میں انتقال کر گیا' اس کا صرف ایک صغیر السن بچہ تھا' اس کو وہ مرتے وقت امیر اقسنقر احمدیلی کے سپرد کر گیا تھا' سلطان کی وفات کے بعد امیر اقسنقر اس کا ساتھ لے کر مراغہ چلا گیا' سلطان محمد کی عمر کل ۳۲ سال کی تھی' مدت حکومت آٹھ سال۔

گو سلطان فرمانروا تھا' لیکن اس میں ذاتی اوصاف و محامد موجود تھے' راوندی لکھتا ہے کہ سلطان اول خوش جمال' زیبا شمائل' صائب الرائے' نیک سیرت' پابند عہد' دیندار' علم دوست' علماء نواز' شیریں زبان' دقیق النظر اور معانی شناس فرمانروا تھا۔

(راحۃ الصدور ص ۲۷۵)

**عمادالدین زنگی کے صلیبی محاربات** سلیمان شاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی مقتفی کا زمانہ ختم ہو گیا' اسی دور میں دوسری جنگ صلیبی ہوئی۔ اور عمادالدین زنگی نے صلیبیوں کے مقابلہ میں بڑے کارنامے انجام دیئے اس کا مختصر حال یہ ہے۔

مسترشد کے زمانہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ عمادالدین زنگی نے ۵۲۴ھ میں قلعہ اثارب پر قبضہ کر کے نواح حلب میں عیسائیوں کی قوت کمزور کر دی تھی' اس کے بعد سلجوقیوں کی خانہ جنگیاں اور موصل کے حالات کی وجہ سے اس کو آٹھ دس سال تک شام کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا' اور اس درمیان میں وہ کردستان کو مسلمان امراء کے اثر سے صاف کرتا رہا اس سے فراغت کے بعد ۵۳۱ھ میں پھر وہ شام کی جانب متوجہ ہوا' اس کی راہ میں سب سے زیادہ حائل دمشق کی پوری حکومت تھی' اس کے کمزور فرمانروا اپنی زوال پذیر حکومت کو عمادالدین سے بچانے کے لیے فرنگیوں سے مل گئے تھے' وہ بھی ایک بڑے حریف کے مقابلے میں اس مہرہ کو غنیمت سمجھتے تھے' اس لیے ۵۳۱ھ میں

عمادالدین نے دمشق کے علاقے حمص پر فوج کشی کی لیکن فرنگی اس کی مدد پر تھے (صلاح الدین لین پول ترجمہ اردو ص ۴۷) اس لیے عمادالدین کو کامیابی نہ ہوئی اور وہ چند دنوں کے محاصرہ کے بعد لوٹ گیا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۱)

چند دنوں کے بعد فرنگیوں کو حکومت دمشق سے الگ کرنے کے لیے حصن بارین پر' جو ان کا بڑا مستحکم قلعہ اور اہم مرکز تھا' فوج کشی کی' شام کے تمام فرنگی فرمانرواؤں نے مل کر مقابلہ کیا عمادالدین نے انہیں شکست دے کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا' چند دنوں کے بعد فرنگی محاصرہ کی سختی سے گھبرا کر اس شرط پر قلعہ حوالہ کرنے پر آمادہ ہو گئے کہ انہیں جان بچا کر نکل جانے دیا جائے' عمادالدین نے انکار کر دیا اسی دوران میں عمادالدین کو اطلاع ملی کہ فرنگی کی تازہ دم فوجیں بارین کے محصورین کی مدد کے لیے آ رہی ہیں' بارین کے فرنگیوں کو اس کا علم نہ تھا' اس لیے انہوں نے پھر درخواست کی' اس مرتبہ عمادالدین نے منظور کر لی اور فرنگی بارین چھوڑ کر نکل گئے راستہ میں ان کو امدادی فوجیں ملیں' اب قلعہ ہاتھوں سے نکل چکا تھا' بارین کے فرنگیوں سے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچ رہا تھا' انہوں نے حماۃ اور حلب کا علاقہ ویران کر ڈالا تھا اور تمام راستے بند ہو گئے تھے' بارین پر قبضہ کے بعد امن و امان ہو گیا۔

لین پول لکھتا ہے کہ بارین پر قبضہ کے بعد عمادالدین نے اس کے فرمانروا فلک کے ساتھ بڑا شریفانہ برتاؤ کیا اور اسے شاہی خلعت عطا کیا۔ (صلاح الدین ص ۴۷)

بارین فرنگیوں کا اہم مرکز تھا اس لیے اس کے محاصرہ کے دوران ہی میں قیصر کی مدد حاصل کرنے کے لیے شام کے راہبوں کی ایک جماعت قسطنطنیہ پہنچ گئی' اور قیصر کمنی نس کو یقین دلایا کہ اگر بارین عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل گیا تو مسلمان پورے شام پر قابض ہو جائیں گے' (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰) چنانچہ قیصر ایک لشکر جرار لے کر شام پہنچا' حسب معمول دمشق کی حکومت نے اس کا ساتھ دیا' عمادالدین زنگی اس وقت موصل واپس جا چکا تھا' قیصر نے اس کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور اس کے پاس دوستانہ پیام اور عقاب اور شکاری چیتے ہدیہ بھیج کر اس سے وعدہ کیا کہ وہ زنگی حکومت کے علاقہ حلب سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ (صلاح الدین ص ۴۷) اور شام کے فرنگیوں کی مدد سے بزعہ اور کفرتاب پر قبضہ کر کے

اس کی پوری مضافاتی آبادی کو قتل کر کے اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے شیرز کا محاصرہ کر لیا' اس کے فرمانروا علی بن منقذ نے عمادالدین سے مدد طلب کی' وہ فوراً آیا اور بزعہ کے قریب حماۃ میں ٹھہرا' قیصر کی فوجیں پہاڑ کی آڑ میں تھیں' عمادالدین نے اس سے کہلا بھیجا کہ کھل کر میدان میں آؤ تو ہمارا تمہارا فیصلہ ہو جائے لیکن عمادالدین کے خوف سے اس کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی' عمادالدین نے اس کو واپس کرنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ ایک طرف شام کے فرنگی فرمانرواؤں کو یقین دلایا کہ اگر قیصر ایک قلعہ پر بھی قابض ہو گیا تو پھر شام کا کوئی حصہ ان کے قبضہ میں نہ رہنے دے گا' دوسری طرف قیصر کو بدگمان کر دیا کہ شام کے فرنگی اس سے ملے ہوئے ہیں' اس تدبیر سے دونوں میں بدگمانی پیدا ہو گئی اور قیصر ۲۴ دن کے بعد اپنے تمام قلعہ شکن آلات و اسلحہ چھوڑ کر لوٹ گیا۔

(دولت اتابکیہ ص ۱۹۸ تا ۳۰۰)

لین پول لکھتا ہے کہ عمادالدین کی چند سیاسی اور معتدبہ رقم نے قیصر کی نیت بدل دی' لاطینی شہزادوں کی بے پرواہی اور لہو و لعب سے بھی اسے نفرت ہو چکی تھی' اس لیے ۲۴ دن کے بعد بھاگ کھڑا ہوا اور منجنیقیں اور دیگر آلات چھوڑتا گیا' جو عمادالدین کے قبضہ میں آئے' اور یورپ کی یہ لشکر کشی بے کار ثابت ہوئی' (صلاح الدین ص ۴۸) قیصر کی واپسی کے بعد ۵۳۴ھ میں عمادالدین نے دمشق کا محاصرہ کیا اور یہاں کے قبیلہ زناطہ اور احداث کو ملا کر انہیں شہر حوالہ کرنے پر آمادہ کر لیا' لیکن پھر بعض حالات کی بنا پر دمشق چھوڑ کر مجیرالدین آبق والی دمشق کے کارپرداز سلطنت معین الدین انز کے علاقہ بعلبک پہنچا اور معین الدین کو شکست دے کر بزور شمشیر بعلبک پر قبضہ کر لیا' اس کے بعد دمشق کی واپسی کا ارادہ کر رہا تھا کہ مجیرالدین آبق نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

(دولت اتابکیہ موصل ص ۱۰۴ و ۱۰۵)

لین پول کا بیان ہے کہ بعلبک پر قبضہ اور یہاں کی فوج کے قتل عام سے معین الدین' عمادالدین سے' اتنا برہم ہو گیا کہ اس نے عیسائیوں سے معاہدہ کر لیا کہ وہ یروشلم کی حکومت کو ۲۰ ہزار اشرفی سالانہ ادا کرے گا اور بانیاس پر اس کا قبضہ کرا دے گا' اس کے معاوضے میں عیسائیوں نے عمادالدین کو شام سے نکال دینے کا وعدہ کیا۔ (صلاح الدین ص ۴۹)

بعلبک پر قبضہ کے بعد عمادالدین زنگی موصل لوٹ گیا اور کئی سال تک وہاں کے

اندرونی معاملات میں مشغول رہا' پھر ۵۳۹ھ میں شام کا رخ کیا۔

شام میں یروشلم اور انطاکیہ کے بعد عیسائیوں کا سب سے بڑا مرکز رہا کی حکومت تھی اس کے حدود دیار بکر تک وسیع تھے' اس کا فرمانروا کورنتی جوسلن نہایت متعصب عیسائی اور مسلمانوں کا بڑا دشمن تھا' اس کی تاخت و تاراج سے کردستان اور دیار بکر کے سارے مسلمان نالاں تھے۔ (دولت اتا بکیہ موصل ص ۱۱۸ و ۱۱۹)

لین پول کا بیان ہے کہ جب تک اتابک زنگی کا پرانا دشمن کورنتی جوسلن رہا پر جو اسقف کا مستقر تھا' قابض و متصرف رہا' زنگی اس کے قریب تک نہ آسکا' جوسلن ایک بے قرار اور بے چین آدمی تھا' دیار بکر اور شام میں وہ ہمیشہ قہر کی صورت بنا رہا' عیسائیوں کی ریاست رہا سب سے مضبوط و مستحکم مقام تھا' لیکن جوسلن اب مرچکا تھا' اس کا جانشین جوسلن ثانی گو باپ ہی کی طرح بہادر تھا' لیکن بہادری کا دورہ کبھی کبھی اٹھتا تھا' ویسے وہ کاہل سست اور عیش پسند تھا۔ (صلاح الدین ص ۵۰)

اس لیے عمادالدین نے رہا پر فوج کشی کا ارادہ کیا' لیکن اگر وہ براہ راست اور علانیہ رہا کا قصد کرتا تو شام کی کل عیسائی حکومتیں مقابلہ میں اٹھ کھڑی ہو جاتیں' اس لیے جوسلن کو غافل کرنے کے لیے پہلے وہ دیار بکر کے مسلمان امراء سے جنگ میں مشغول ہو گیا' جوسلن اسے مشغول دیکھ کر شاہی مقبوضات کے معائنہ کے لیے چلا گیا۔ (اتابکیہ موصل ص ۱۹) لین پول کا بیان ہے کہ رہا کی حفاظت کالدی اور ارمنی تاجروں کے سپرد کر کے اپنی جاگیر تل باشر چلا گیا' عمادالدین کے جاسوسوں نے اس کو اطلاع دی' وہ اطلاع پاتے ہی رہا پہنچ گیا اور شہر کے باشندوں سے کہلا بھیجا کہ اگر وہ اطاعت قبول کر کے شہر حوالہ کر دیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا' لیکن انہوں نے انکار کیا' ان کے انکار پر شہر کا محاصرہ کر لیا' رہا بڑا مضبوط و مستحکم شہر تھا' چاروں طرف سنگین شہرپناہ تھی' اتابک زنگی نے قلعہ شکن آلات کے ذریعہ اس کو توڑ دیا' شہر کی آبادی زنگی فوجوں کے روکنے میں ناکام رہی اور وہ جمادی الثانی ۵۳۹ھ میں رہا میں داخل ہو گئیں۔ (اتابکیہ موصل ص ۱۳۲)

لین پول لکھتا ہے کہ عیسائیوں نے رہا پر قبضہ کے زمانہ میں مسلمانوں پر جو مظالم و تشدد کیے تھے' اور جس طرح بالڈون کے شہسوار اور جوسلن ان کے لیے قہر خدا بنے ہوئے تھے' اس کے انتقام کا وقت آگیا تھا' چنانچہ رہا پر قبضہ کے بعد اتابکی فوجوں نے عیسائی آبادی

کو بے دریغ قتل و گرفتار کیا' ہزاروں عیسائیوں کو لونڈی غلام بنا ڈالا' صلیبیں توڑ دیں' راہبوں کو قتل کیا اور شہر کی ساری دولت پر قبضہ کر لیا۔

لیکن اس کے بعد جب خود عمادالدین شہر میں داخل ہوا اور اس کی شان و عظمت اور خوش نما عمارتوں کو دیکھا تو ایسے خوبصورت شہر کو برباد کرنا مناسب معلوم نہ ہوا' اور اپنی سپاہ کو غارت گری سے روک دیا اور عام حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے جتنے عیسائی غلام اور لونڈی بنائے گئے ہیں جس قدر زر و مال لوٹا گیا ہے سب کو واپس کر دیا جائے اور جو لوگ زندہ بچ گئے تھے' انہیں ان کے گھروں میں آباد کیا تاکہ شہر کی رونق اور مرفہ الحالی میں کمی نہ ہو اور شروع میں جو غارت گری ہوئی تھی اس کی تلافی میں کوئی دقیقہ محنت اور توجہ کا فروگذاشت نہ کیا۔ (صلاح الدین ص ۵۲ و دولت اتا بکیہ ص ۱۲۳)

رہا فرنگیوں کا نہایت اہم مرکز تھا' اس کے نکل جانے سے ساری عیسائی دنیا میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ (تاریخ یورپ الیور تھیچر ج ا ص ۲۸۸) سینٹ برناڈ نے ایک نئی جنگ صلیبی کے لیے وعظ کہنا شروع کیا' لوئی ہفتم' اور شہنشاہ کونراڈ نے اس کا بیڑا اٹھایا' مگر اس کی کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۵۹)

رہا پر قبضہ کے بعد امیر زنگی نے جوسلن کے ایک قلعہ حسن بیرہ کا محاصرہ کیا' لیکن اسی دوران میں اس کے نائب نصیر الدین جعفر کے قتل کی خبر آ گئی' اس لیے وہ موصل لوٹ گیا۔ (تاریخ اتا بکیہ موصل ص ۱۳۶)

**امیر زنگی کا واقعہ قتل** ربیع الاول ۵۴۱ھ میں امیر زنگی کے قتل کا اندوہناک واقعہ پیش آیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ زنگی حکومت کے عین وسط میں جعبر کے قلعہ پر بنی مروان قابض تھے' ۵۴۱ھ میں امیر زنگی نے اس کا محاصرہ کیا۔

ارمنی' رومی اور ترک غلاموں کے بارہ میں امیر سخت گیر واقع ہوا تھا' اس کی سختی کی وجہ سے بعض غلام اس کے دشمن بن گئے تھے۔ (دولت آل سلجوق ص ۱۸۹) چنانچہ جعبر کے محاصرہ کے درمیان ایک شب کو جب کہ امیر سویا ہوا تھا' ان غلاموں نے موقعہ پا کر قتل کر دیا' قتل کے وقت ساٹھ سال سے اوپر عمر تھی' مدت حکومت بیس سال۔

مسلمانوں کے دور عروج میں صدیوں تک ان کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ جب کسی اسلامی حکومت پر زوال آیا یا مسلمانوں پر کوئی نازک وقت آیا تو کوئی نہ کوئی شخصیت ایسی

پیدا ہو گئی' جس نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی عمارت سنبھال لی' ایک زمانہ تک مسلمانوں میں نئی نئی قوتوں کے ابھرنے کا سلسلہ ایسا قائم رہا کہ ایک خاندان کے زوال کے بعد ہی فوراً دوسرا خاندان اس کی جگہ لے لیتا تھا' چنانچہ سلجوقیوں کے زوال کے بعد اتابکی خاندان پیدا ہو گیا' جس نے شام و جزیرہ اور کردستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ختم کر کے ایک متحدہ حکومت قائم کر دی' اور شام میں صلیبیوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو روک دیا۔

صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ اتابکی خاندان کے وجود میں آنے کے بہت پہلے چھڑ چکا تھا' اور شام' مصر اور جزیرہ وغیرہ کے مسلمان فرمانرواؤں نے اپنے مقدور بھر صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن ان میں سے کسی میں تنہا مقابلہ کی قوت نہ تھی' اور آپس میں ایسا اختلاف تھا اور ان کے اغراض ایک دوسرے سے اتنے مختلف تھے' کہ وہ مل کر مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ شام میں صلیبیوں کا زور بڑھتا جاتا تھا' صرف چند چھوٹے چھوٹے مقامات مسلمانوں کے پاس رہ گئے تھے اور وہ صلیبیوں کے زیر اثر ہوتے جاتے تھے' ان حالات میں عمادالدین کا ظہور ہوا' سب سے اول اسی نے صلیبیوں کی قوت پر کاری ضرب لگائی اور آئندہ آنے والوں کے لیے راستہ صاف کر گیا۔ ایوبی خاندان اسی کا ساختہ پرداختہ تھا' جس نے بیت المقدس کو ان کے ہاتھوں سے چھڑایا' اس طرح اس مقدس جہاد کا پہلا ہیرو اور اس قافلہ کا پہلا قافلہ سالار عمادالدین ہی تھا۔

اس پہلو سے قطع نظر وہ ذاتی اوصاف و محامد اور جہانبانی اور حکمرانی کے نقطہ نظر سے بھی ایک بہترین فرمانروا تھا' شجاعت و شہامت' تدبیر و سیاست' عدل و انصاف و دینداری تمام اوصاف میں کامل تھا' موصل کی ایک معمولی ریاست کو بیس برس کے عرصہ میں ایک طاقتور حکومت بنا دیا' اس کا دفتری نظام نہایت وسیع تھا' اتابکی حکومت کے دفاتر عظمت و شان اور مصارف کی کثرت میں سلجوقیہ عظمٰی کے دفاتر کی ہمسری کرتے تھے اور ان میں کاموں کی اتنی کثرت اور اتنا تنوع تھا کہ کوئی صاحب کمال موصل آنے کے بعد بیکار نہ رہنے پاتا تھا' اور کسی نہ کسی شعبہ میں لگ جاتا تھا' جاسوسی اور خبر رسانی کا محکمہ اتنا وسیع تھا کہ ملک کی چھوٹی سی چھوٹی خبر اور وابستگان دولت کی پرائیویٹ صحبتوں کے حالات تک سے عمادالدین باخبر رہتا تھا' آس پاس کی تمام حکومتوں میں اس کے جاسوس مقرر تھے' جو

وہاں خبریں پہنچاتے رہتے تھے' امیر زنگی مہمات امور سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے معاملات تک کی خود نگرانی کرتا تھا' اس کا قول تھا کہ اگر چھوٹی باتوں کو نظرانداز کر دیا جائے تو وہی بڑھ کر بڑی بن جائیں گی۔

عدل و انصاف کے قیام میں اور ظلم و جور کے انسداد میں اس کو بڑا اہتمام تھا' ملک میں کوئی قوی کسی کمزور پر زیادتی کی جرات نہ کر سکتا تھا' بلا امتیاز مسلم و غیر مسلم سب کے ساتھ انصاف ہوتا تھا' شخصی حکومتوں میں رعایا پر ظلم و زیادتی کا ایک بڑا سبب امراء و عمائد سلطنت کی حرص دولت رہا ہے' امیر زنگی نے انہیں قانوناً" زمین و املاک حاصل کرنے کی ممانعت کر دی تھی' وہ کہا کرتا تھا' کہ جب تک حکومت ہمارے ہاتھوں میں ہے اس وقت تک امراء کو املاک حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور جب حکومت جاتی رہے گی تو اس کے ساتھ املاک بھی نکل جائے گی اور جب ملک کی املاک سلطانی امراء کے ہاتھوں میں چلی جائے گی تو وہ لازمی طور پر رعایا پر زیادتی کریں گے۔ اور ان کا ملک غصب کریں گے۔

ملک کی آبادی و سرسبزی و شادابی کی جانب خاص توجہ تھی' موصل کا علاقہ بالکل بنجر اور ایسا ویران تھا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر دشوار تھا' آبادی اور عمارتیں بہت کم اور باغات اور میووں کا نام و نشان نہ تھا' عمادالدین نے بکثرت عمارتیں بنوائیں باغات لگوائے اور آبادیاں قائم کیں' موصل کے امن و امان اور عدل و انصاف کو دیکھ کر دوسرے مقامات کے لوگ بکثرت یہاں آ کر متوطن ہو گئے اور چند دنوں میں موصل کا پورا علاقہ نہایت آباد اور سبز و شاداب ہو گیا۔

امرائے دولت کی پوری نگرانی رکھتا تھا' کسی کو اس کے درجے سے آگے نہ بڑھنے دیتا تھا اور نہ بلاوجہ کسی کو گراتا تھا' ان پر اعتماد بھی رکھتا تھا' لیکن ان کو حد سے آگے بھی نہ بڑھنے دیتا تھا' اس سے اس کی حکومت میں ہمیشہ توازن قائم رہا' مورخین نے اس کے بہت سے اوصاف و کمالات لکھے ہیں' جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

(یہ تمام واقعات دولت اتابکیہ سے ملخصاً" ماخوذ ہیں ص ۱۳۶ تا ۱۵۰)

**نورالدین محمود زنگی** امیر زنگی کے کئی لڑکے تھے' سیف الدین غازی سب میں بڑا تھا' عمادالدین کی وفات کے بعد اس کے نائب زین الدین علی کوچک نے سیف الدین غازی کو تخت نشین کیا' دوسرا لڑکا نورالدین جعبر کے محاصرہ میں باپ کے ساتھ تھا' اس نے امیر کی

وفات کے بعد حلب پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کرلی' اس طرح اتابکی حکومت کی دو شاخیں ہو گئیں' موصل اور حلب میں گو اصل حکومت موصل کی تھی' لیکن نورالدین نے اپنے کارناموں سے حلب کی حکومت کو مرکزی حکومت بنادیا تھا اور صلیبی جہاد میں بھی اس نے عمادالدین کی نیابت کی اور ہمارا تعلق صرف مجاہدات صلیبی کی حد تک اتابکی حکومت سے ہے' اس لیے آئندہ سطور میں صرف نورالدین کے حالات لکھے جائیں گے۔

نورالدین کی ساری زندگی میدان جنگ میں گذری اور امیر کی وفات کے بعد ۵۴۱ھ سے لے کر اپنی موت ۵۶۹ھ تک برابر صلیبی مجاہدات میں مشغول رہا۔ اس مدت میں سینکڑوں معرکے پیش آئے' ان سب کی تفصیل بہت طویل ہے اس لیے صرف اہم واقعات کو مختصراً" لکھنے پر اکتفا کی جائے گی۔

## رہا پر جوسلن کی فوج کشی اور ناکامی

رہا جوسلن کی قوت کا مرکز تھا اس لیے وہ آسانی کے ساتھ اس کو چھوڑنے والا نہ تھا' لیکن عمادالدین کی زندگی میں اس کی ہمت نہ ہوئی' اس کی وفات کے بعد جوسلن نے رہا کی آبادی سے جو زیادہ تر عیسائی ارمنوں پر مشتمل تھی سازباز کر کے فوج کشی کردی اور ارمنوں نے شہر اس کے حوالہ کردیا' قلعہ کے محافظ مسلمانوں نے روکنے کی کوشش کی' اس دوران میں نورالدین فوجیں لے کر پہنچ گیا' جوسلن اس کے مقابلہ میں نہ ٹھہرسکا اور نورالدین نے دوبارہ رہا پر قبضہ کرلیا اور ارمنوں کی بغاوت کے انتقام میں اس کو بالکل ویران کرڈالا۔

رہا پر قبضہ کے بعد نورالدین کا بھائی سیف الدین غازی شام آیا' اس کے خوف سے نورالدین کو اس سے ملنے میں تامل ہوا' سیف الدین نے اسے بلا بھیجا وہ ڈرتے ڈرتے گیا سیف الدین نے اسے گلے لگا کر اطمینان دلایا کہ میرے دل میں تمہارے لیے کبھی کوئی برا خیال نہیں پیدا ہوا' تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو' تمہارے ساتھ برائی کر کے مجھے زندگی میں کیا لطف حاصل ہو گا اور اسے مطمئن کر کے یہ کہہ کر حلب واپس کر دیا کہ میں نے صرف اس لیے تم کو بلایا تھا کہ فرنگیوں اور دوسرے فرمانرواؤں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم دونوں میں پورا اتحاد و اتفاق ہے اگر کوئی ایک کے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کرے گا تو دوسرا اس کا پورا معاون و مددگار رہے گا۔ (دولت اتابکیہ ص ۱۵۸)

رہا کی پہلی فتح کے بعد ہی سے یورپ میں دوسری جنگ صلیبی کے لیے کوشش جاری

تھی، لیکن حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے دو سال تک اس میں کامیابی نہ ہو سکی تھی، بالاخر سینٹ برنارڈ لوئی ہفتم بادشاہ فرانس اور کونریڈ سوم بادشاہ جرمنی کی پیہم کوششوں سے، ۵۴۳ھ مطابق ۱۱۴۸ء میں لوئی ہفتم کی قیادت میں کئی لاکھ فرانسیسی اور جرمن فوجیں ایشیائے کوچک ہوتی ہوئی شام پہنچیں عمادالدین کی وفات کے بعد اتابکی حکومت کے ساتھ دمشق کی حکومت کی مخاصمت ختم ہو گئی تھی اور اس کو فرنگیوں کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی، اس لیے اس مرتبہ معین الدین انز نے صلیبیوں کا ساتھ نہیں دیا۔ اور ان کو پاس تک نہ پھٹکنے دیا۔ (صلاح الدین ص ۵۹) اس لیے صلیبیوں نے سب سے پہلے اسی کو زیر کرنے کی کوشش کی، معین الدین نے پامردی سے مدافعت کی، لیکن متحدہ جرمن اور فرانسیسی فوجوں کا مقابلہ تنہا اس کے بس سے باہر تھا، اس لیے وہ سیف الدین غازی سے مدد کا طالب ہوا اور وہ دونوں بھائی فوجیں لے کر پہنچے، معین الدین انز نے یورپ کے صلیبیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ شہنشاہ مشرق پہنچ گیا ہے، اگر تم لوگ واپس نہ گئے تو میں دمشق اس کے حوالہ کر دوں گا، اس وقت تم اس سے بچ کر نہ جا سکو گے اور شام کے عیسائیوں کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ تم لوگ بھی ان پردیسیوں کی مدد کر کے کیسی حماقت کر رہے ہو، یاد رکھو اگر انہوں نے دمشق پر قبضہ کر لیا تو پھر تمہارے شامی مقبوضات کی خیر نہیں۔ وہ ان کو تم سے چھین لیں گے اور اگر میں نے دمشق سیف الدین کے حوالہ کر دیا تو پھر کوئی قوت بیت المقدس کو اس کے قبضہ سے نہیں بچا سکتی، اس لیے تم ان کو واپس کر دو، میں اس کے صلہ میں بانیاس کا قلعہ تم کو دے دوں گا، ان لوگوں میں خود باہم اعتماد نہ تھا، اس لیے شام کے فرنگیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، ان کی علیحدگی کے بعد جرمن اور فرانسیسی فوجیں محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئیں، اور بقول لین پول ۱۱۴۹ء میں یورپ کے یہ بہادر سورما جو دوسری جنگ صلیبی لڑنے آئے تھے، اپنے اپنے وطن واپس جاتے نظر آئے۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۱۶۰ و ۱۶۱ و صلاح الدین ص ۶۰) اور نور الدین و سیف الدین بھی اپنے اپنے مقاموں پر لوٹ گئے۔

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس جنگ میں دمشق کے ایک ممتاز ضعیف العمر عالم اور شیخ وقت حجتہ الدین یوسف مغربی بھی شریک تھے، معین الدین انز نے ہرچند اس سے درخواست کی کہ آپ ضعف پیری کی وجہ سے معذور ہیں، آپ میں

لڑنے کی طاقت باقی نہیں ہے، ہم لوگ اس فرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہیں، لیکن شیخ نے کلام مجید کی اس آیت ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں خدا کے ہاتھ جان و مال بیچ چکا ہوں اور میدان میں لڑ کر شہادت حاصل کی۔ (دولت اتا بکیہ موصل ص ۱۶۸)

**سیف الدین غازی کا انتقال** دمشق سے واپسی میں نور الدین نے طرابلس الشام کے قلعہ عریمہ پر قبضہ کیا، جمادی الثانی ۵۴۴ھ میں سیف الدین غازی کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد اس کا تیسرا بھائی قطب الدین مودود زنگی تخت نشین ہوا۔

اسی سنہ میں نورالدین نے قلعہ انب پر فوج کشی کی، رمینڈ پوائٹرس فرمانروائے انطاکیہ مقابلہ کے لیے آیا اور شکست کھا کر قتل ہوا، اس کے قتل کے بعد اس کا صغیرالسن بچہ بوھینڈ جانشین ہوا۔

۵۴۶ھ میں نورالدین نے شمالی حلب کے فرنگی علاقے تل باشر، عین تاب اور عزاز پر فوج کشی کی، جوسلن نے اس کو شکست دے کر اس کے سلاح دار کو گرفتار کرکے نورالدین کے خسر مسعود ابن قلج ارسلان سلجوقی والی کونیہ کے پاس بھجوا دیا اور یہ پیام کہلا بھیجا کہ تمہارے پاس داماد کے سلاحدار کو بھیجتا ہوں۔ اس کے بعد اس سے بڑا تحفہ (نورالدین) پہنچے گا، نورالدین پر یہ بہت شاق گذرا وہ جوسلن کی گرفتاری کے درپے ہو گیا اور اعلان عام کر دیا کہ جو شخص اس کو زندہ یا مردہ لے آئے گا اس کو نقد اور جاگیر انعام دی جائے گی، اس اعلان پر بہت سے ترکمانی سردار اس کی تاک میں لگ گئے، اتفاق سے اسی زمانہ میں جوسلن شکار کے لیے نکلا، ترکمانوں کو خبر ہو گئی، انہوں نے حملہ کرکے گرفتار کر لیا، جوسلن نے ایک بڑی رقم دے کر رہائی کی کوشش کی لیکن رقم کے آنے میں دیر ہو گئی، اور نورالدین کو اطلاع ہو گئی، اس نے اسی وقت فوجیں بھیج کر جوسلن کو چھنوا لیا اور حلب کے قید خانہ میں قید کر دیا اور تھوڑے عرصے کے بعد وہ قید ہی میں مر گیا۔

جوسلن کی گرفتاری کے بعد نورالدین نے اس کی حکومت کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا اور اس کے تمام قلعوں میں دس سال کی جنگ کے بقدر، فوجوں، اسلحہ اور سامان رسد کا پورا انتظام کر لیا۔ (اتا بکیہ موصل ص ۱۸۳، ۱۸۴)

جوسلن شام کے فرنگیوں کا راہنما اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا پشت پناہ تھا اس

کی گرفتاری کا ان کو بڑا قلق ہوا' چنانچہ ابھی نور الدین جو سلن کے علاقہ ہی میں تھا کہ شام کے سارے فرنگی مل کر اس کے انتقام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے' دیوک میں بڑی خونریز جنگ ہوئی نور الدین نے انہیں بڑی فاش شکست دی۔ (اتا بکیہ موصل ص ۱۸۵)

## دمشق پر نور الدین کا قبضہ اور دولت بوریہ کا خاتمہ

حکومت دمشق کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی' اس کے اصل کارپرداز معین الدین انز کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور دمشق کے تخت پر مجیر الدین آبق تھا' اس میں کوئی دم نہ تھا اور ۵۴۸ھ میں عسقلان پر جو فاطمیہ مصر کا علاقہ تھا' صلیبیوں کے قبضے کے بعد سے مجیر الدین آبق کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی' فرنگی اہل دمشق سے ٹیکس وصول کرتے تھے' ان کو بے محابا قتل و گرفتار کرتے تھے' دمشق میں جس قدر عیسائی لونڈی غلام تھے' ان کو اختیار دے دیا گیا تھا' کہ ان میں سے جس کا دل چاہے اپنے وطن واپس جا سکتا ہے' مجیر الدین آبق کو دم مارنے کی مجال نہ تھی' وہ دمشق کے قلعہ میں نظر بند تھا' اگر فرنگی چاہتے تو آسانی کے ساتھ اس پر قابض ہو جاتے لیکن انہوں نے نور الدین کے حملہ سے حفاظت کے لیے عمداً" اس کو درمیانی بفرا سٹیٹ کی طرح قائم رکھا تھا۔

نور الدین عسقلان پر صلیبیوں کے حملہ کے زمانہ ہی سے یہاں کے مسلمانوں کی مدد کے لیے پہنچنا چاہتا تھا' لیکن درمیان میں دمشق کا علاقہ حائل تھا' نور الدین کی فوج کشی کی صورت میں مجیر الدین کا صلیبیوں سے مل جانا یقینی تھا' اسی تذبذب میں عسقلان پر صلیبیوں کا قبضہ بھی ہو گیا اور نور الدین وہاں نہ پہنچ سکا۔

اس لیے نور الدین نے دمشق کو تلوار سے فتح کرنے کے بجائے اس کو تدبیر سے زیر کرنے کے لیے مجیر الدین کی بدگمانی دور کر کے اس سے دوستانہ تعلقات پیدا کیے' جب اس کو پورا اعتماد ہو گیا' تو نور الدین نے حسن تدبیر سے رفتہ رفتہ ان تمام امراء کو جن کی جانب سے مخالفت کا خطرہ ہو سکتا تھا' دمشق سے الگ کرا دیا اور اتابکی امیر نجم الدین ایوبی کے ذریعہ سے جو دمشق کی حکومت سے متوسل ہو گیا تھا' اہل دمشق کو جو فرنگیوں کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے' دمشق حوالہ کرنے پر آمادہ کر کے ۵۴۹ھ میں فوج کشی کر دی' مجیر الدین فرنگیوں کو بعلبک کا قلعہ دے کر ان سے مدد کا طالب ہوا' لیکن نور الدین نے موقع نہ دیا اور فرنگیوں کی مدد آنے سے پہلے قلعہ پر اس کا قبضہ ہو گیا' یہاں کے باشندے

اس سے مل چکے تھے' اس لیے آسانی کے ساتھ دمشق پر اس کا قبضہ ہو گیا' لیکن مجیر الدین دمشق کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا' نورالدین نے اس کا محاصرہ کیا' مجیر الدین میں کوئی دم باقی نہ تھا' نورالدین نے اسے حمص کا علاقہ دے کر راضی کر لیا اور وہ دمشق چھوڑ کر حمص منتقل ہو گیا اور شام سے بوری حکومت ختم ہو گئی۔

حمص جانے کے بعد مجیر الدین نے اہل دمشق سے سازباز شروع کیا۔ نورالدین کو خبر ہو گئی' اس نے فرنگیوں کی سازش کے خطرہ سے اس کو حماۃ منتقل کر دینا چاہا مگر اس پر وہ آمادہ نہ ہوا' اور حمص سے بغداد چلا گیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔

(دولت اتا بکیہ موصل ص ۴۸۹' ۴۹۱)

دمشق پر قبضہ کے بعد شام مین نورالدین کی قوت بہت بڑھ گئی اور صلیبیوں کے مقابلے کے لیے میدان صاف ہو گیا' اس سے ان میں بڑا اضطراب پیدا ہو گیا۔

حلب کے مغربی سمت حکومت انطاکیہ کا قلعہ مارم مسلمانوں کے لیے بڑا خطرناک تھا اس لیے ۵۵۱ھ میں نورالدین نے اس پر فوج کشی کی' فرنگی مقابلہ نہ کر سکے اور علاقہ حارم کا نصف حصہ دے کر صلح کر لی اور نورالدین حلب لوٹ گیا' اس کی واپسی کے بعد ہی فرنگیوں کی مدد کے لیے یورپ کی تازہ دم فوجیں پہنچ گئیں' ان کا سہارا پا کر انہوں نے حمص و حماۃ وغیرہ مختلف علاقوں میں تاخت و تاراج شروع کر دی' ان میں بانیاس کا فرمانروا ھنفری بہت پیش پیش تھا' نورالدین نے ان کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کیں اور ھنفری کے مقابلہ کے لیے خود نکلا اور بانیاس کا محاصرہ کر لیا ۵۵۲ھ میں اس کو بزور شمشیر فتح کیا یہاں اس کو بے شمار مال غنیمت حاصل ہوا' اس سے فرنگیوں کی قوت کو بڑا صدمہ پہنچا' اس کی یہ فتح اہم فتوحات میں شمار کی جاتی ہے' اس کے علاوہ اور بھی بعض لڑائیاں ہوئیں' خصوصاً اس کے امراء اور صلیبیوں میں بہت سے معرکے ہوئے۔

(تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ا حالات ۵۵۲ھ تا ۵۵۵ھ)

**مقتفی کا انتقال** ربیع الاول ۵۵۵ھ میں مقتفی کا انتقال ہو گیا' اس وقت ۶۶ سال کی عمر تھی' مدت خلافت چوبیس سال تین مہینے۔

مقتفی جامع کمالات خلیفہ تھا' اس میں تدبیر و سیاست' شجاعت و شہامت' جرات و حوصلہ مندی' علم و عمل' فضل و کمال' زہد و تقویٰ' حسن خلق و شرافت نفس' تمام دینی و

دنیاوی محاسن و اوصاف جمع تھے' اس کے پیشروؤں نے جس مہم کا آغاز کیا تھا' مقتفی نے اس کو انجام تک پہنچایا- اور عراق سے سلجوقیوں کا اقتدار ختم کر کے خلافت بغداد کو ان کے اثر سے بالکل آزاد کر دیا-

اس کو زمانہ بھی ایسا ملا تھا' جب سلجوقیوں کی قوت ختم ہو چکی تھی' گو سلطان مسعود کے زمانہ میں سلجوقی حکومت کا ظاہری ٹھاٹھ قائم تھا' لیکن خانہ جنگی نے ان کی قوت ختم کر دی تھی' سلجوقی حکومت کا نظام بگڑ گیا تھا' خصوصاً غزوں کے ہاتھوں سلطان سنجر کی شکست اور خراسان کی تباہی سے سلجوقی خاندان کی عظمت و شان ختم ہو گئی تھی-

اس نے شروع ہی سے سلطان مسعود کو اس کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا' چنانچہ ۵۴۱ھ میں سلطان نے بغداد میں ٹکسال قائم کی' مقتفی نے اس کے منتظم کو جس نے ٹکسال قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا' گرفتار کر لیا' سلطان نے اس کے جواب میں مقتفی کے حاجب کو گرفتار کر لیا' اس نے سخت برہمی ظاہر کی اور تین دن تک مسجدیں بند کر دیں' اس کی یہ برہمی دیکھ کر سلطان مسعود کو مجبوراً حاجب کو رہا کرنا پڑا- (تاریخ الخلفاء ص ۴۴۹)

وہ بہ نفس نفیس لڑائیوں میں نکلتا تھا اور عام سپاہیوں کے دوش بدوش لڑتا تھا اس نے اپنے تمام مخالفین پر فوج کشی کر کے انہیں مغلوب کر لیا- (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۴)

اس کی اس شجاعت و حوصلہ مندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت بغداد سلجوقیوں کے پنجہ سے بالکل آزاد ہو گئی' ابن اثیر کا بیان ہے کہ دیالمہ کی تولیت خلافت کے بعد مقتفی پہلا خلیفہ تھا' جس نے عراق کو سلاطین کے اثر سے چھڑا کر آزاد حکومت قائم کی اور معتضد کی ایک مستثنیٰ مثال کے سوا مستنصر کے بعد وہ پہلا فرمانروا ہے جس کو خلافت بغداد پر اختیار و اقتدار حاصل ہوا اور فوج' عمالان حکومت پر اس کی حکومت قائم ہوئی' وہ شجاع و جری تھا' خود لڑائیوں میں نکلتا تھا' خبر رسانی کے شعبے پر بے دریغ خرچ کرتا تھا' ملک کے کسی گوشہ کی خبر اس سے پوشیدہ نہ رہتی تھی- (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۶)

ابن جوزی کا بیان ہے کہ مقتفی سے پہلے خلافت بغداد سلاطین کے زیر اہتمام تھی' خلفاء کا صرف نام تھا' مقتفی کے زمانہ سے عراق و بغداد کی حکومت خلفاء کے ہاتھوں میں آئی اور ان کا کوئی حریف باقی نہ رہا-

ابن سمعانی لکھتا ہے کہ مقتفی پسندیدہ سیرت اور حکومت میں کامیاب تھا' اس میں

عقل و دانش ' علم و فضل ' تدبیر و سیاست تمام باتیں جمع تھیں ' اس نے معالم امامت کو زندہ اور رسوم خلافت کو مرتب و منظم کیا۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ علم و فضل ' علم و شجاعت اور حسن اخلاق سے آراستہ تھا ' اس میں سرداری کی فطری شان تھی ' وہ اپنے اوصاف کے اعتبار سے امامت کے منصب کا اہل تھا ' خلفاء میں اس کی نظیریں کم تھیں ' کوئی چھوٹے سے چھوٹا حکم بغیر اس کے دستخط کے جاری نہ ہوتا تھا۔

علم دوست اور علماء نواز بھی تھا ' حدیث نبویؐ سے خاص ذوق رکھتا تھا ' علم کے ساتھ وہ باعمل اور زاہد متورع تھا ' خلافت سے پہلے اس کا سارا وقت عبادت و ریاضت ' تلاوت قرآن اور علمی مشاغل میں گذرتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۱)

طبعاً بڑا نرم مزاج ' حلیم الطبع اور نیک سیرت تھا ' (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۶) اس کا دور عدل و انصاف اور نیکیوں سے سرسبز و شاداب تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۱)

# ابوالمظفر یوسف بن مقتفی الملقب بہ مستنجد باللہ

## ۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ --- مطابق --- ۱۱۶۰ء تا ۱۱۷۰ء

مقتفی نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکے یوسف کو ولی عہد نامزد کر دیا تھا' لیکن مقتفی کی ایک لونڈی یوسف کو محروم کر کے اپنے لڑکے ابو علی کو تخت نشین کرنا چاہتی تھی' چنانچہ مقتفی کے مرض الموت میں اس نے امراء اور عمائد سلطنت کو رشوتیں دے کر ملا لیا اور یوسف کو قتل کرنے کی کوشش کی اس کو باپ کے آخری دیدار کے بہانہ سے بلا بھیجا' جیسے ہی وہ قصر خلافت میں داخل ہوا مسلح لونڈیوں نے جو پہلے سے متعین تھیں اس پر خنجروں سے حملہ کر دیا۔ لیکن یوسف کی آواز پر داروغہ محل اور فراش پہنچ گئے' انہیں دیکھ کر لونڈیاں بھاگ گئیں اور یوسف بال بال بچ گیا' ابو علی اور اس کی ماں گرفتار کر کے قید اور حملہ آور لونڈیاں قتل کر دی گئیں' مقتفی کی وفات کے بعد شاہی خاندان کے تمام ارکان نے یوسف کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ربیع الاول ۵۵۵ھ میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا اور مستنجد باللہ لقب اختیار کیا' اس وقت ۴۵ سال کی عمر تھی۔

مقتفی نے خلافت بغداد سے سلجوقیوں کی مداخلت بالکل ختم کر دی تھی' خود ان کی قوت بھی زوال پذیر تھی۔ اور ان کو اپنے معاملات سنبھالنے سے فرصت نہ تھی' اس لیے مستنجد ان کی جانب سے مطمئن رہا' صرف بعض معمولی واقعات پیش آئے' جن کا بروقت تدارک ہو گیا'

**قبیلہ خفاجہ کی بغاوت اور اس کا استیصال** عرب قبیلہ خفاجہ کو جو عراق میں آباد تھا' خلافت عباسیہ کی جانب سے اس کو بطور رسوم کچھ غذا اور کھجور ملا کرتا تھا' اس کے ملنے میں کچھ تعویق ہو گئی اس لیے وہ ۵۵۶ھ میں اس کے مطالبہ کے لیے حلہ اور کوفہ میں جمع ہوئے' امیر ارغش والی کوفہ نے دینے سے انکار کیا' حلہ کے شحنہ امیر قیصر نے بھی اس کی تائید کی' ان کے انکار پر خفاجہ نے علاقہ سواد کو لوٹ لیا' امیر قیصر اور ارغش نے ان پر فوج کشی کر کے رہبہ تک تعاقب کیا' خفاجہ نے صلح کرنا چاہی' لیکن ارغش نے منظور نہ کیا'

اس درمیان میں اور عرب قبائل خفاجہ کی مدد کو پہنچ گئے' اور سب نے مل کر ارغش کو بڑی سخت شکست دی اور خود زخمی ہوا۔ اور امیر قیصر مارا گیا' اور بغدادی فوج کا بڑا حصہ تلف ہو گیا' امیر ارغش نے رحبہ میں پناہ لی یہاں کے شحنہ نے اس کو اپنی حفاظت میں بغداد بھجوا دیا' اس شکست سے بغدادی فوج کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔

اس لیے وزیر ابن ہبیرہ خود خفاجہ سے انتقام لینے کے لیے نکلا' لیکن وہ صحرائی علاقہ میں نکل گئے۔ اور ابن ہبیرہ کو ناکام واپس جانا پڑا' اس کی واپسی کے بعد خفاجہ نے مستنجد کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے' ہم نے جنگ سے بچنے کے لیے اپنا گھر بار تک چھوڑ دیا تھا' ہم پر فوج کشی کر کے ہم کو لڑنے پر مجبور نہ کیا گیا' ورنہ ہم بھی اطاعت پر قائم ہیں اس لیے درگذر سے کام لیا جائے' مستنجد نے ان کی معذرت قبول کر لی۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۴)

**بنی اسد کا استیصال** قبیلہ بنی اسد بھی عراق میں آباد تھا اور یہاں اکثر فتنہ و فساد برپا کرتا رہتا تھا' بغداد پر سلطان محمد کی فوج کشی کے زمانہ میں اس نے سلطان کی مدد کی تھی۔ اس لیے ۵۵۸ھ میں مستنجد نے امیر تیرون بن قماج کو حکم دیا کہ بنی اسد کو عراق سے نکال دیا جائے۔ اس نے حلہ مزیدیہ میں ان کا محاصرہ کر کے ان سے ہتھیار رکھوا لیے اور چار ہزار آدمیوں کو قتل کر کے باقی پورے قبیلہ کو عراق سے نکال دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۱۱)

## سلیمان شاہ بن سلطان محمد ملک شاہ اول

**اور ارسلان شاہ بن طغرل بن محمد** سلطان محمد کا انتقال مقتفی کے آخری زمانہ ذوالحجہ ۵۵۴ھ میں ہوا تھا' اس نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا' امیر اقسنقر احمدیلی اس کی وصیت کے مطابق اس کے صغیر السن بچے کو لے کر مراغہ چلا گیا تھا اس لیے سلطان محمد کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کے مسئلہ میں سلجوقی امراء میں اختلاف ہو گیا' اکثریت سلیمان شاہ بن سلطان محمد کے حق میں تھی' وہ موصل میں قید تھا' ان اسباب کی بنا پر سلطان محمد کی موت اور سلیمان شاہ کی تخت نشینی کے درمیان کئی مہینہ کا وقفہ ہو گیا' اس دوران میں مقتفی کی موت اور مستنجد کی تخت نشینی کے تمام مراحل طے ہو گئے اور سلطان سلیمان شاہ سلطان محمد کی وفات کے چھ مہینے بعد ربیع الاول ۵۵۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۵' ۹۶ و راحۃ الصدور ص ۲۷۵)

لیکن بڑا نا اہل ثابت ہوا اسے امور مملکت سے کوئی سروکار نہ تھا' ہر وقت شراب میں مست رہتا تھا' دربار میں بھانڈوں اور مسخروں کا مجموعہ تھا' امراء وارکان دولت کی کوئی عزت نہ تھی' انہیں مشکل سے باریابی کا موقع ملتا تھا' مسخروں کے مقابلے میں علانیہ ان کی تحقیر ہوتی تھی' اس لیے وہ سب اس کے خلاف ہو گئے' اس کے کارپرداز سلطنت شرف الدین کردباز نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی لیکن سلیمان پر کوئی اثر نہ پڑا اور الٹے مسخروں سے شرف الدین کا مذاق اڑوایا' اس لیے وہ بھی خلاف ہو گیا اور اتابک شمس الدین ایلدگر والی آذربائیجان سے مل کر شوال ۵۵۵ھ میں سلیمان کو گرفتار کر کے معزول کر دیا اور ارسلان شاہ بن طغرل بن محمد کو تخت نشین کیا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۹۹' ۱۰۰ اور راحۃ الصدور ص ۲۷۷' ۲۷۸)

معزولی کے چند مہینوں کے بعد سلیمان شاہ ربیع الثانی ۵۵۶ھ میں قتل کر دیا گیا اس کی مدت حکومت کل سات آٹھ مہینے تھی۔

ارسلان شاہ کے باپ کی وفات کے وقت اس کی عمر ایک سال سے بھی کم تھی' سلطان مسعود نے اس کی پرورش کی تھی' اور امیر شمس الدین ایلدگر کو اس کا اتالیق مقرر کیا تھا' شمس الدین نے اس کی بیوہ ماں سے شادی بھی کر لی تھی اس لیے ارسلان شاہ کو بہت عزیز رکھتا تھا اور ہمیشہ اس کا ہوا خواہ رہا۔

وہ سلطان مسعود کے ممتاز امراء میں تھا' اس نے سلجوقی خاندان کی خانہ جنگی میں کوئی حصہ نہ لیا تھا اور اپنے علاقہ اران و آذربائیجان کے انتظام میں مصروف رہا اس لیے اس کی قوت بالکل محفوظ تھی اور اس نے بڑی عظمت و شان حاصل کر لی تھی۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۰)

اس نے ارسلان کو سلیمان شاہ کا ولی عہد بھی بنایا تھا' پھر سلیمان کی معزولی کے بعد اسی کی کوشش سے ارسلان کو تاج و تخت ملا' اس نے بھی ایلدگر کی بڑی قدر دانی کی اور تخت نشینی کے بعد اس کو سلطنت کا مختار کل بنا دیا۔ (راحۃ الصدور ص ۲۳۸ و تاریخ گزیدہ ص ۴۷۱)

اگرچہ ارسلان صرف نام کا بادشاہ تھا' اختیارات تمام تر شمس الدین کے ہاتھوں میں تھے لیکن وہ ہمیشہ ارسلان کا ہوا خواہ رہا' انتظامی صلاحیت بھی رکھتا تھا' سلجوقی حکومت کا بگڑا ہوا نظام دوبارہ قائم کر دیا اور اس کی بھی کوشش کی کہ سلطان مسعود کے زمانہ میں سلجوقی

حکومت اور خلافت بغداد کے درمیان جو تعلقات و روابط تھے' وہ پھر قائم ہو جائیں اور بغداد میں ارسلان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے لیکن ان تعلقات کی تجدید کے معنی یہ تھے کہ پھر خلافت بغداد میں سلجوقیوں کو مداخلت کا موقع مل جاتا' اس لیے اس میں کامیابی نہ ہوئی اور شمس الدین کا قاصد بغداد سے نہایت ذلت کے ساتھ واپس کر دیا گیا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۰)

ارسلان کی تخت نشینی کے وقت کئی سلجوقی شہزادے مختلف مقامات میں تھے' اور ان میں سے ہر کسی کو کسی نہ کسی امیر کی حمایت حاصل تھی سلطان محمد کا لڑکا امیر اقسنقر احمدیلی کے پاس مراغہ میں تھا' خود ارسلان کا بھائی محمد بن طغرل فارس میں تھا' اور امیر حسام الدین اینانج والی رے اور امیر عزالدین ستمار والی اصفہان اس کے حامی تھے۔ (راحۃ الصدور ص ۲۸۶) ابن اثیر کے بیان کے مطابق ایک اور شہزادہ محمد بن ملک شاہ زنگی بن وکلا سلفری والی فارس کے پاس تھا' ان امراء کی اطاعت کے بغیر ارسلان شاہ کی حکومت کے لیے خطرات تھے' اس لیے امیر شمس الدین نے ان کو ارسلان شاہ کی اطاعت قبول کرنے کے لیے لکھا۔

خلافت بغداد اور شمس الدین کے تعلقات کشیدہ تھے اور عباسی وزیر ابن ہبیرہ اس کی جانب سے مطمئن تھا' اس لیے اس نے ان امراء کو شہزادوں کے خطبہ کی طمع دلا کر شمس الدین کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا' اور خود ان کو بھی آپس میں لڑانے کی کوشش کی۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۰۱)

امیر شمس الدین ایلدکر نے عزالدین ستمار اور حسام الدین اینانج پر فوج کشی کر کے ان کو مغلوب کر لیا۔ (راحۃ الصدور ص ۲۸۶) زنگی بن وکلاء سلفری والی فارس نے ابتداء میں اس کا پورا مقابلہ کیا' لیکن پھر اینانج وغیرہ کو فوجی مدد دے کر خود خاموش ہو گیا تھا البتہ اقسنقر کو شمس الدین زیر نہ کر سکا' اس نے اس کے لڑکے پہلوان کو جو ارسلان شاہ کا ماں جایا بھائی تھا' بڑی فاش شکست دی' لیکن اور دوسرے امراء کی اطاعت کے بعد اقسنقر سے کوئی خاص خطرہ نہ رہ گیا تھا' اس لیے شمس الدین خاموش ہو گیا۔

**باطنی** سلطان مسعود نے اپنے زمانہ میں باطنیوں کی قوت توڑ دی تھی' لیکن اس کے بعد خانہ جنگی سے پھر ان کو ابھرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے قزوین کے نواح میں ایک قلعہ تعمیر کر کے اس میں سامان جنگ کا ذخیرہ جمع کیا' اس لیے ارسلان شاہ قزوین پہنچا اور باطنیوں

کو قتل کر کے قلعہ مسمار کرا دیا ان کا دوسرا مرکز قہاب تھا' یہاں بھی ان کا ایک سنگین قلعہ تھا' قزوین کے بعد ارسلان نے قہاب کے قلعہ کو فتح کیا' ارسلان کشا اس کا نام رکھا اور باطنیوں سے حفاظت کے لیے یہاں نبرد آزما سپاہیوں کا ایک دستہ متعین کیا' اس مہم سے واپسی میں زنگی بن وکلاء سلفری والی فارس نے بھی ارسلان شاہ کی اطاعت قبول کر لی۔

(راحۃ الصدور ص ۲۸۹' ۲۹۰)

**نورالدین زنگی اور مجاہدات صلیبی** ۵۵۱ھ تک نورالدین زنگی کے مجاہدات کا حال اوپر گذر چکا ہے' اس کے بعد بھی وقتاً" فوقتاً" اس کا سلسلہ قائم رہا۔ لیکن کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آیا' اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ۵۵۱ھ میں نورالدین نے حصن حارم پر فوج کشی کی تھی' اور فرنگیوں نے حارم کی آدھی ولایت دے کر صلح کر لی تھی' اس کے بعد ۵۵۷ھ میں دوسری مرتبہ فوج کشی کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی' تیسری مرتبہ ۵۵۹ھ میں اپنے زیر اہتمام امراء اور فرمانرواؤں کو جمع کر کے بڑے اہتمام سے فوج کشی کی' شام کے کل عیسائی اس کے مقابلے کے لیے اکٹھے ہو گئے' بڑے بڑے خانقاہ نشین راہب تک حجروں سے نکل آئے اور شام کے سارے فرنگی فرمانرواؤں نے مل کر متحدہ مقابلہ کیا' تین مہینہ کی خون ریز جنگ کے بعد صلیبیوں کو بڑی فاش شکست ہوئی' ان کے بہت سے ممتاز امراء و فرمانروا بوہمنڈ والی انطاکیہ' قمص والی طرابلس' جنرل ڈیوک اور جوسلین کے لڑکے وغیرہ گرفتار ہوئے اور رمضان ۵۵۹ھ میں حارم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا' بوہمنڈ نے زر فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی۔ (تاریخ اتابکیہ ص ۲۲۱ تا ۲۲۳ ملخصاً")

حارم پر قبضہ کے بعد ۵۶۰ھ میں بانیاس پر فوج کشی کی' حارم کی شکست سے صلیبیوں کو بڑا نقصان پہنچا تھا' انہوں نے نئی قوت فراہم کرنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی نورالدین نے بانیاس کو فتح کر لیا اور اس کی حفاظت کا سامان کر کے واپس گیا' پھر ۵۶۱ھ میں حصن منیطرہ پر قبضہ کر لیا۔

**فاطمیہ مصر کی حالت** اسی سنہ میں نورالدین کے نامور امیر اسد الدین شیر کوہ نے فاطمی وزیر شاور سعدی کی دعوت پر مصر پر پہلی مرتبہ فوج کشی کی' اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانچویں صدی کے آخر سے فاطمیہ مصر کی حالت بگڑ گئی تھی' سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر باللہ فاطمی ۴۲۷ھ کے زمانہ سے مصر کی حکومت کا نظام درہم برہم ہو گیا تھا' خلفاء کی حیثیت

اور ان کے اختیارات ختم ہو گئے تھے' اور حکومت تمام تر وزراء و امراء کے ہاتھوں میں آ گئی تھی' ان کے مقابلہ میں خلفاء کی بے بسی کا وہی حال ہو گیا تھا جو دیالمہ کے دور عروج میں عباسی خلفاء کا تھا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۷)

پھر ان وزراء و امراء کی خود غرضی اور آپس میں کشمکش کی وجہ سے حالت اور گرتی گئی اور نورالدین کے زمانہ میں اس کا حال دمشق کی پوری حکومت کے جیسا ہو گیا تھا' وزراء کو اپنے جاہ و اقتدار کے تحفظ سے فرصت نہ تھی' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۵۴۸ھ میں ملیبنوں نے عسقلان پر' جو شام میں مصری حکومت کا نہایت اہم مقبوضہ تھا' قبضہ کر لیا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۷۱)

اس کے نکل جانے سے فاطمیہ کو بڑا نقصان پہنچا' فائز باللہ فاطمی ۵۴۹ھ تا ۵۵۵ھ کے زمانہ میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ وہ اپنی حکومت کو ملیبیوں سے بچانے کے لیے ان کو سالانہ رقم دیتا تھا۔ (ابن اثیر ج ۹ '۱۰۹ ۱۱۰)

فائز کے بعد اس کے وزیر طلائع بن رزیک الملقب بہ الملک الصالح نے فاطمی خاندان کے ایک نو عمر لڑکے عاضد کو تخت نشین کیا اور اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ کر حکومت مصر کا مختار کل بن گیا اور ان تمام امراء کو جن کی جانب سے مزاحمت کا خطرہ ہو سکتا تھا' قاہرہ سے باہر مختلف مقاموں پر بھیج دیا' اس کے اس استبداد سے تمام امراء اس کے خلاف ہو گئے' اور خود عاضد کی پھوپھی نے جو حرم سلطانی کے اندر اس کے استبداد سے نالاں تھی' امراء کو ملا کر طلائع کو قتل کرا دیا' اس کے قتل کے بعد عاضد نے اس کے لڑکے زریک ابن طلائع الملقب بہ الملک العادل کو منصب وزارت عطا کیا۔

طلائع کے زمانہ ہی میں ان کے ساختہ و پرداختہ ایک امیر شاور سعدی والی سعید مصر نے اتنا عروج حاصل کر لیا تھا' کہ خود طلائع اس سے ڈرتا تھا اور اپنے لڑکے زریک کو وصیت کر تا گیا تھا کہ شاور کو نہ چھیڑنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے' لیکن اس نے ناتجربہ کاری سے شاور کی معزولی کا پروانہ جاری کر دیا' اس نے قاہرہ پر فوج کشی کر دی اور زریک کو قتل کر کے اس کے منصب پر قابض ہو گیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد ایک دوسرے فاطمی امیر ضرغام نے اس کو نکال دیا اور اپنے تحفظ کے لیے تمام فاطمی امراء کو چن چن کر قتل کرا دیا۔

(یہ حالات ابن اثیر کے مختلف سنین سے ماخوذ ہیں۔)

**مصر پر شیر کوہ کی فوج کشی** شاور مصر سے نکل کر شام پہنچا اور نورالدین سے درخواست کی کہ اگر اس کو اس کے منصب پر بحال کرا دے تو وہ مصر کے ایک تہائی حصہ پر اس کا قبضہ کرا دے گا اور اس کی ہدایت کے مطابق مصر کی حکومت چلائے گا' مصر پر قبضہ نورالدین کے اصل مقصد صلیبیوں کے مقابلہ کے لیے نہایت مفید تھا' لیکن مختلف اسباب کی بنا پر اس کو مصر پر فوج کشی میں تامل ہوا۔ پھر غور و فکر کے بعد ۵۴۹ھ میں اس نے اپنے نامور اور تجربہ کار امیر اسدالدین شیر کوہ ۲۔ کو فوجیں دے کر شاور کے ساتھ کر دیا' اس کے حریف ضرغام میں اتابکی فوجوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے وہ قاہرہ چھوڑ

---

۲۔ نورالدین کے زمانہ میں ایک نیا خاندان ایوبی پیدا ہوا' اسدالدین شیرہ کوہ اسی کا ممتاز رکن تھا' اتابکی حکومت کے دامن میں اس خاندان کی نشوونما ہوئی اپنے کارناموں سے اس نے اتنی ترقی کی کہ فاطمی حکومت کو ختم کر کے مصر میں ایوبی حکومت قائم کر لی اور نورالدین کی وفات کے بعد اس کے نامور فرمانروا اصلاح الدین ایوبی نے صلیبی مجاہدات میں اس کی نیابت کی اور بیت المقدس کو عیسائیوں کے ہاتھ سے چھڑایا' جس کی تفصیل آئندہ آئے گی' اس خاندان کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ایوبی خاندان صلاح الدین ایوبی کے والد نجم الدین ایوب کی جانب منسوب ہے' نجم الدین کا باپ شادی بن مروان نسلاً کرد اور آذربائیجان کے علاقہ دودین کے عمائد میں تھا' بعض روایتیں اس کے عربی نسل ہونے کی بھی ہیں لیکن وہ سرا سر غلط ہیں۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۷۷) شادی کا ایک ہم وطن اور دوست مجاہدالدین بہروز سلطان مسعود سلجوقی کے دربار سے متوسل ہو گیا تھا' اور اپنی قابلیت و کارگزاری سے بڑی ترقی حاصل کی' جمال الدین کے لقب سے ملقب اور بڑے بڑے مناصب پر ممتاز ہوا اور اس کا شمار ممتاز سلجوقی امراء میں ہونے لگا' اس کے اور شادی کے بڑے گہرے تعلقات تھے' اس نے شادی کو فائدہ پہنچانے کے لیے اپنے پاس بلا بھیجا وہ مع اہل و عیال کے اس کے پاس چلا گیا اس نے ان کی بڑی مدارات کی' کچھ دنوں کے بعد سلطان مسعود نے مجاہدالدین کو بغداد کی شحنگی پر مامور کیا اور شادی کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا اور اس کو تکریت کے قلعہ کا حاکم بنا دیا لیکن چند ہی دنوں کے بعد شادی کا انتقال ہو گیا اس کے دو لڑکے تھے' نجم الدین ایوب اور اسدالدین ایوب شیر کوہ شادی کے بعد بڑے لڑکے نجم الدین کو باپ کی جگہ ملی۔ اس نے بڑی قابلیت اور خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے

اسی زمانہ میں عمادالدین زنگی کو سلجوقی امیر قراجہ ساقی کے مقابلہ میں شکست ہوئی واپسی میں وہ تکریت پہنچا' نجم الدین نے اس کے لیے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر دیں دجلہ عبور کرنے کے لیے

کشتیوں کا سامان کر دیا' اس سے عمادالدین بہت متاثر ہوا' اس طرح اتابکی خاندان سے نجم الدین کے تعارف کا آغاز ہوا' چند دنوں کے بعد نجم الدین کے چھوٹے بھائی اسدالدین شیر کوہ نے جو اس کے ساتھ تکریت میں تھا' ایک شخص کو قتل کر دیا' اس لیے مجاہد الدین نے دونوں بھائیوں کو الگ کر دیا' عمادالدین سے نجم الدین کا تعارف ہو چکا تھا اس لیے وہ تکریت سے نکل کر موصل پہنچا' عمادالدین نے اسے اپنی فوج میں داخل کر کے جاگیر عطا کی' پھر بعلبک پر قبضہ کے بعد نجم الدین کو اس کا حاکم بنا دیا اور اسدالدین کو اپنے لڑکے نورالدین کی خدمت پر مامور کیا۔

عمادالدین زنگی کی موت کے بعد مجیرالدین آبق فرمانروائے دمشق نے بعلبک پر فوج کشی کر دی نجم الدین کے پاس مقابلہ کی قوت نہ تھی' عمادالدین کا لڑکا سیف الدین غازی' دوسری مہموں میں مشغول تھا اس لیے وہ بھی مدد نہ بھیج سکا' نجم الدین نے جب دیکھا کہ بعلبک کا بچانا اس کے امکان سے باہر ہے تو مجیرالدین آبق سے سمجھوتہ کر کے بعلبک اس کے حوالہ کر دیا' اس کے صلہ میں مجیرالدین نے اس کو اپنے امراء میں داخل کر لیا' نجم الدین نے اپنی قابلیت و کارگذاری سے دمشق میں بڑا اثر و رسوخ قائم کر لیا۔

اسد الدین شیر کوہ برابر نورالدین ہی کی خدمت میں رہا وہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ بہادر' شجاع اور نور الدین کی فتوحات میں اس کا دست راست تھا' نور الدین بھی اس کا بڑا قدردان تھا' اس کو جاگیر عطا کی اور اتابکی فوج کا سپہ سالار اعظم بنا دیا' نورالدین نے جب دمشق پر فوج کشی کی' اسد الدین نے اپنے بھائی نجم الدین کو لے کر جس کا دمشق میں بڑا اثر تھا' دمشق پر قبضہ کرایا' جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' اس خدمت کے صلہ میں نورالدین نے دونوں بھائیوں کو دمشق میں بڑی جاگیر دی اور نجم الدین بھی نورالدین کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ (دولت اتابکیہ ص ۳۱۳'۳۱۵)

اس نجم الدین کا فرزند صلاح الدین ایوبی تھا' صلاح الدین ۵۳۲ھ میں تکریت میں جب نجم الدین وہاں کا حاکم تھا' پیدا ہوا اس کی ولادت کے بعد ہی نجم الدین کو تکریت چھوڑنا پڑا اس لیے صلاح الدین کی ولادت نامسعود سمجھی گئی' لیکن یہی مولود نامسعود آگے چل کر جنگ صلیبی کا ہیرو بنا' صلاح الدین برابر باپ کے ساتھ ہی رہا' دمشق پر نور الدین کے قبضہ کے وقت اس کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی' اس وقت سے وہ برابر نورالدین کے ساتھ رہا۔ اس زمانہ میں اس میں بلندی کے آثار نمایاں تھے' اس لیے اس پر نورالدین کی بڑی نظر توجہ تھی اور وہ اسے بہت مانتا تھا' اس کے فیض صحبت و تربیت سے صلاح الدین میں وہ کمالات پیدا ہوئے جنہوں نے آگے چل کر اس کو صلاح الدین اعظم بنا دیا۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۲۷) وہ نو عمری ہی میں بڑے بڑے معرکوں میں شریک ہوتا تھا' ۵۶۴ھ میں مصر کی فوج کشی میں اپنے چچا کے ساتھ تھا اس کی وفات پر مصر کے عہد وزارت پر ممتاز ہوا جو اس کی آئندہ

کر نکل گیا اور شاور کو اس کا کھویا ہوا منصب دوبارہ حاصل ہو گیا اس وقت اس نے سارے وعدے فراموش کر دیئے اور اسد الدین کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ شام لوٹ جائے اس کی اس بد عہدی پر اسد الدین نے بلبیس اور مصر کے مشرقی حصہ پر قبضہ کر لیا' شاور میں اس کے روکنے کی طاقت نہ تھی' وہ صلیبیوں سے مدد کا طالب ہوا' مصر پر نور الدین کا قبضہ ان کے لیے پیام موت تھا' اس کے علاوہ شاور کی دعوت پر خود انہیں مصر پر قبضہ کر لینے کا خیال پیدا ہو گیا' چنانچہ بیت المقدس کا فرنگی فرمانروا اموری فوجیں لے کر مصر پہنچا' اسد الدین کے پاس زیادہ قوت نہ تھی' اس لیے وہ بلبیس چلا آیا' مصریوں اور صلیبیوں نے مل کر بلبیس کا محاصرہ کر لیا' اسد الدین تین مہینے تک بڑی پامردی کے ساتھ مدافعت کرتا رہا۔

---

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) زندگی کا دیباچہ ثابت ہوئی---- بعض واقعات عجیب و غریب طریقے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور وہ امور جو بظاہر ایک شخص کے لیے نامرغوب ہوتے ہیں اور جن کو وہ قبول کر لینے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا' آئندہ ترقی کا ذریعہ بن جاتے ہیں' صلاح الدین مصر کی فوج کشی میں جو اس کی ترقی کا سنگ بنیاد تھی' بادل نخواستہ بلکہ جبری شریک ہوا تھا اس کا بیان ہے کہ جب سلطان نور الدین نے میرے چچا اسد الدین کو مصر جانے کا حکم دیا تو وہ خود خوشدلی سے آمادہ نہ تھا' لیکن نور الدین کے اصرار پر مجبور ہو گیا' اور اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا' اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے دل میں چھری جھونک دی' میں نے کہا گذشتہ فوج کشی میں اسکندریہ میں میں نے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں' انہیں کبھی بھول نہیں سکتا اگر اب مجھے مصر کی حکومت بھی دی جائے تو بھی میں نہ جاؤں گا اس نے نور الدین سے کہا کہ صلاح الدین کا میرے ساتھ جانا ضروری ہے اس نے مجھے حکم دیا میں نے سامان کی کمی کا عذر کیا اس نے کچھ نہ سنا اور میرے لیے سامان مہیا کر دیا اور مجھے چارو ناچار جانا پڑا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجھے موت کی طرف لے جا رہے ہیں' لیکن یہی موت کا انتظار میرے لیے حکومت کا ذریعہ بن گیا۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۲۵۴)

اگر تقدیر صلاح الدین کو کشاں کشاں مصر نہ لے گئی ہوتی' تو غالباً تاریخ میں اس کی حیثیت ایک معمولی اتابکی امیر سے زیادہ نہ ہوتی' عسیٰ ان تکرھو شیئا و ھو خیر لکم کے یہی معنی ہیں)

نورالدین کو جس وقت مصر پر صلیبیوں کی فوج کشی کی خبر ہوئی تھی' اسی وقت ان کو روکنے کے لیے اس نے ان کے علاقہ حارم پر فوج کشی کر دی تھی' جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے' چنانچہ صلیبیوں کے بلبیس کے محاصرہ کے دوران ہی میں حارم پر نورالدین کے قبضہ اور بانیاس پر فوج کشی کی خبر آ گئی' اس لیے صلیبی اس کو بچانے کے لیے محاصرہ اٹھا کر شام لوٹ گئے' لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے' بانیاس پر بھی نورالدین کا قبضہ ہو چکا تھا' ان کی واپسی کے بعد اسدالدین بھی شام لوٹ گیا۔ (تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۱۵ تا ۲۱۸ ملخصاً")

اس کو شاور کی بد عہدی اور صلیبیوں سے مدد لینے پر بڑی برہمی تھی' اس لیے مصر سے واپسی کے بعد سے ہی وہ نورالدین کو دوبارہ اس پر فوج کشی کے لیے آمادہ کرتا رہا دو سال کے بعد اس نے اجازت دے دی اور ۵۶۲ھ میں اسدالدین نے دوسری مرتبہ فوج کشی کی اور دریائے نیل کو عبور کر کے مصر کے مغربی علاقہ پر قبضہ کر لیا' مصریوں نے اس کو روکنے کے لیے پھر صلیبیوں کی جانب رجوع کیا' اس مرتبہ وہ پہلے سے بھی زیادہ تیاری اور جوش کے ساتھ مصر پہنچے' اسدالدین اس وقت صعید مصر میں تھا' اس کے پاس کل ایک ہزار سپاہ تھی اور صلیبیوں کی قوت اس سے کہیں زیادہ تھی' جاسوسوں نے اسدالدین کو اس کی اطلاع دی' اس کو خود صلیبیوں کی کثرت تعداد کی پرواہ نہ تھی' لیکن اسے خطرہ تھا کہ ملک کی اجنبیت' سامان رسد کی کمی اور مرکز سے دوری کی بنا پر دوسرے ساتھی کمزوری نہ دکھائیں' اس لیے ان سے مشورہ کیا' انہوں نے جنگ کی مشکلات اور دشواریاں بیان کر کے واپس جانے کی رائے دی' لیکن نورالدین کے ایک بہادر غلام شرف الدین برغش نے کہا جو شخص قتل و گرفتاری سے ڈرتا ہو اسے سلاطین کی ملازمت نہ کرنی چاہیے' بلکہ کاشتکار بننا چاہیے اور گھر میں عورتوں کے ساتھ بیٹھنا چاہیے' اگر تم لوگ کامیابی حاصل کیے بغیر واپس گئے تو سلطان کو کیا منہ دکھاؤ گے' اسی دن کے لیے اس نے تم کو بڑی بڑی جاگیریں دی ہیں' سلطان کو حق ہوگا کہ وہ ان کو تم سے چھین لے' مسلمانوں کا مال تو لیتے ہو اور ان کے دشمنوں کے مقابلہ سے منہ موڑتے ہو' مصر جیسے ملک کو کافروں کے ہاتھوں میں چھوڑے جاتے ہو۔

اس پر جوش تقریر پر سب کی رائے بدل گئی اور وہ نہایت جوش سے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے' اس دوران میں مصری اور صلیبی فوجیں بھی پہنچ گئیں' بابین میں دونوں کا

مقابلہ ہوا اور اتابکی فوجوں کی جانبازی اور اسد الدین کی جنگی قابلیت سے کل ایک ہزار مسلمانوں نے بے شمار صلیبی اور مصری فوجوں کو بڑی فاش شکست دی' ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی اس کی کامیابی سے اتابکی فوجوں کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور اسد الدین ساحلی علاقہ فتح کرتا ہوا اسکندریہ تک بڑھتا چلا گیا' یہاں کے باشندوں نے بغیر کسی مزاحمت کے شہر حوالہ کر دیا' اسد الدین نے اس کی حفاظت کے لیے اپنے بھتیجے صلاح الدین کو چھوڑ کر صعید مصر کے باقی علاقہ کو زیر نگیں کیا' اس دوران میں مصری اور صلیبی دوبارہ تیاری کر کے اسکندریہ پہنچے' اسد الدین کو خبر ہوئی تو وہ فوراً اسکندریہ واپس آیا' لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی' مصریوں نے بطور تاوان جنگ کے پچاس ہزار اشرفیاں اسد الدین کو دے کر صلح کرلی اس نے اس شرط پر منظور کیا کہ صلیبی مصر کو بالکل خالی کر دیں گے' اس کا ایک قریہ بھی ان کے پاس نہ رہنے پائے گا' اور اسکندریہ حکومت مصر کو واپس دے کر ذیقعدہ ۵۶۲ھ میں شام واپس گیا۔ (تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۳۰ تا ۲۳۶ ملخصاً)

مصری حکومت میں کوئی دم نہ تھا' وہ دوسروں کے سہارے پر جی رہی تھی' اس لیے اسد الدین کی واپسی کے بعد صلیبیوں نے اس کو مجبور کر کے اس پر راضی کر لیا کہ ان کا ایک شحنہ مصر میں رہا کرے گا' قاہرہ کے شہر پناہ کی حفاظت فرنگی افسروں کے ہاتھ میں رہے گی اور اس کے معاوضہ میں مصری حکومت ان کو ایک لاکھ اشرفی سالانہ ادا کرے گی' ان شرائط کے بعد صلیبی مصر کی حکومت میں پورے طور سے دخیل ہو گئے اور اس پر ان کا تسلط ہو گیا۔ اور انہوں نے مسلمانوں پر بڑے مظالم کیے اور اموری فرمانروائے یروشلم کو لکھ بھیجا کہ اس وقت مصر میں کوئی قوت موجود نہیں ہے' اس پر قبضہ کر لینے کا یہ بہترین موقع ہے' دوسرے فرنگی فرمانرواؤں نے بھی اس کی تائید کی' لیکن خود اموری اس کے خلاف تھا' وہ کہتا تھا کہ مصر کی آمدنی کا ایک معتدبہ حصہ اس وقت بھی ہم کو مل رہا ہے' جس کے ذریعے ہم نور الدین کا مقابلہ کر سکتے ہیں' اگر ہم نے مستقل قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو مصر کی حکومت اور رعایا دونوں ہمارے خلاف' اور ہمارے مقابلہ میں نور الدین کو مصر حوالہ کر دینے پر تیار ہو جائیں گے اور مصر پر اس کا قبضہ ہمارے لیے پیام موت ہے' پھر وہ ہم کو شام سے نکالے بغیر نہ رہ سکے گا' لیکن دوسرے فرنگی امراء اور فرمانرواؤں نے اس کو مجبور کیا کہ اس وقت مصر خالی ہے اگر فوراً فوج کشی کر دی جائے' تو جب تک نور الدین کو

خبر ہو گی اور وہ فوج بھیجے گا' اس وقت تک ہم اس پر قابض ہو چکے ہوں گے' اور خود اس کے لیے مقابلہ دشوار ہو جائے گا' ان کے اصرار پر اموری کو بادل نخواستہ مصر پر فوج کشی کرنی پڑی اور اس نے بلبیس پر قبضہ کر کے اس کو لوٹ کر ویران کر ڈالا اور اس کی پوری آبادی قید کر لی' بلبیس کے بعد قاہرہ کا محاصرہ کر لیا' بلبیس کے انجام کو دیکھ کر قاہرہ والوں نے مدافعت میں جان لڑا دی اور صلیبیوں کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ لیکن بیرونی امداد کے بغیر زیادہ دنوں تک ان کو روکنا ان کے لیے آسان نہ تھا' اس لیے شاور نے آگ لگوا کر شہر کو جلوا دیا اور عاضد نے اپنی بیوی کے بال تراش کر نورالدین کے پاس بھیجے کہ وہ تم سے مدد کے خواستگار ہیں کہ انہیں فرنگیوں کے ہاتھ سے بچاؤ' اسی مضمون کا خط اسدالدین کے پاس بھی بھیجا اور اس کے معاوضہ میں مصر کا تہائی حصہ پیش کیا' اس خط پر نورالدین نے ۵۶۴ھ میں شیر کوہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ مصر روانہ کیا اس مرتبہ خود مصری صلیبیوں کے خلاف ہو گئے اور ان میں تنہا اسدالدین کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ اس لیے اس کے مصر پہنچنے کے بعد انہوں نے مصر چھوڑ دیا' اور ربیع الاول سنہ مذکور میں قاہرہ پہنچ گیا' عاضد نے اسے خلعت عطا کیا' اور بڑی فیاضی کے ساتھ پوری فوج کی میزبانی کی اور اسے انعامات دیئے۔

صلیبیوں کی مصیبت ٹلنے کے بعد پھر شاور کی نیت میں فتور آ گیا' وہ اتابکی فوج کی پذیرائی اور مصر کا ایک جزو بھی نورالدین کو دینا پسند نہ کرتا تھا' لیکن عاضد کی وجہ سے مخالفت نہ کر سکا' اور اس معاملہ کو ٹالتا رہا' لیکن جب اسے مفر کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے شیر کوہ کو دعوت کے بہانہ سے بلا کر گرفتار کر لینے کا ارادہ کیا' اس کے لڑکے کامل میں ملی حمیت تھی' اس نے مخالفت کی اور باپ سے کہا کہ اگر آپ اس ارادہ سے باز نہ آئے تو میں شیر کوہ کو اس کی اطلاع دے دوں گا شاور نے کہا کہ اگر میں اس کو گرفتار نہیں کرتا ہوں تو ہم سب قتل کر دیئے جائیں گے کامل نے کہا یہ صحیح ہے اگر ہم اسلام کی حالت میں قتل کر دیئے جائیں گے اور مصر مسلمانوں کے قبضے میں باقی رہے تو وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم قتل بھی کیے جائیں اور مصر فرنگیوں کے ہاتھ میں چلا جائے' جیسے ہی ان کو شیر کوہ کی گرفتاری کی خبر ہو گی وہ فوراً پہنچ جائیں گے اس وقت اگر عاضد خود بھی نورالدین کے پاس جائے گا تو وہ ایک سوار بھی مدد کے لیے نہ بھیجے گا' اور صلیبی مصر پر قابض ہونے

کے بعد سخت فساد برپا کریں گے' چنانچہ کامل کے اصرار سے شاور اپنے فاسد ارادہ سے باز آ گیا' لیکن تہائی مصر کے حوالہ کرنے کے وعدہ کو برابر ٹالتا رہا' اس کی روش دیکھ کر شیر کوہ کے بھتیجے صلاح الدین یوسف اور امیر عزالدین جوردک نے شاور کو گرفتار کر لیا- اور وہ عاضد کے حکم سے قتل کر دیا گیا' اس کے قتل کے بعد عاضد نے اسد الدین کو منصب وزارت اور الملک المنصور کا معزز لقب عطا کیا' اس طرح فاطمی حکومت نورالدین کے ماتحت ہو گئی' لیکن وزارت ملنے کے کل دو ہی مہینے بعد جمادی الثانی ۵۶ھ میں شیر کوہ کا انتقال ہو گیا-

اس کے بعد عاضد نے صلاح الدین یوسف کو منصب وزارت پر مامور کیا اور الملک الناصر کا لقب عطا کیا' اس نے مصر میں نورالدین کا خطبہ جاری کر دیا اور اس کے زیر ہدایت اپنے فرائض انجام دینے لگا' مصر کی وزارت اتنا بڑا اعزاز تھا کہ مصری امراء کے علاوہ بہت سے اتابکی امراء بھی صلاح الدین کے خلاف ہو گئے' لیکن اس نے ان سب کو زیر کر لیا' اور رفتہ رفتہ مصر میں اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا اصل حکومت اس کے ہاتھوں میں تھی' عاضد محض برائے نام حکمران تھا-

(دولت اتابکیہ موصل ص ۲۴۶ و ۲۵۷)

دولت فاطمیہ میں موتمن خلافت یعنی محلات شاہی کی داروغگی بڑا معزز و مقتدر عہدہ تھا' عاضد کے زمانہ میں ایک حبشی خواجہ سرا اس عہدہ پر مامور تھا' اسے ایک نووارد کا اقتدار گوارہ نہ تھا' چنانچہ اس نے صلاح الدین کو مصر سے نکالنے کے لیے صلیبیوں کے پاس خط لکھا' یہ خط پکڑ لیا گیا' صلاح الدین بالکل خاموش اور موقع کا منتظر رہا اور چند دنوں کے بعد موتمن خلافت کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور قصر سلطان کا سارا عملہ بدل دیا' موتمن کے انتقام میں اس کے ہم قوم پچاس ہزار زنگی اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوئے صلاح الدین نے درگذر سے کام لیا' لیکن ان کو قاہرہ سے جیزہ منتقل کر دیا- (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۲۹ و ۱۳۰)

مصر میں صلاح الدین کے اقتدار اور نورالدین کے اثر سے فرنگیوں میں بڑی تشویش پیدا ہو گئی' انہوں نے اندلس اور سسلی کی حکومتوں کو لکھا کہ اگر مصر کے اس نئے انقلاب کا تدارک نہ کیا گیا تو بیت المقدس کے نکل جانے کا خطرہ ہے' شام کے قسیس اور راہبوں

نے علیحدہ اندلس اور سسلی کا سفر کر کے یہاں کے باشندوں کو شام کے فرنگیوں کی مدد کے لیے ابھارا' انہوں نے فوج' اسلحہ اور مال کی پوری امداد کی اور شام کے ملیبوں نے ۵۶۵ھ میں مصر پر فوج کشی کر کے دمیاط کا محاصرہ کر لیا' صلاح الدین نے بھی پوری قوت سے ان کا مقابلہ کیا' اور اپنی کل فوجیں نیل کے راستہ دمیاط بھیج دیں۔ نورالدین نے علیحدہ امدادی فوجوں کا تانتا باندھ دیا اور خود فرنگیوں کے شامی مقبوضات پر پیہم تاخت شروع کر دی' ایک مہینہ تک دمیاط کا محاصرہ قائم رہا لیکن فرنگیوں کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی' انہوں نے جب دیکھا کہ مصر میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے اور شام علیحدہ نورالدین کے حملوں سے زیر و زبر ہوا جاتا ہے' تو پانچ مہینہ کے بعد محاصرہ اٹھا کر ناکام لوٹ گئے۔

(دولت اتا بکیہ موصل ص ۲۵۸ تا ۲۶۰)

**مستنجد کی وفات** ربیع الثانی ۵۶۶ھ میں مستنجد کے قتل کا واقعہ پیش آگیا' اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے وزیر ابو جعفر بن بلدی' استاد دارا امیر عضد الدین ابوالفرج اور امیر قطب الدین قائماز میں باہم مخالفت تھی' مستنجد وزیر ابو جعفر کے ساتھ تھا اس نے ابو جعفر کو دونوں امیروں کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا' عضد الدین اور قطب الدین کو اس کی خبر ہو گئی' اتفاق سے اسی زمانہ میں مستنجد کو حمام کرنے کا مشورہ دیا' اس میں کمزوری کی وجہ سے حمام کی طاقت نہ تھی' لیکن دونوں امیروں نے زبردستی لے جا کر حمام میں بند کر دیا اور وہ اسی میں گھٹ کر مر گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۵) اس وقت چھپن سال کی عمر تھی' مدت خلافت دس سال۔

**اوصاف** مستنجد عدل پرور' رعایا نواز اور شفیق خلیفہ تھا' اپنے زمانہ میں ہر قسم کے ٹیکس بند کر دیئے تھے' جس قدر مال ناجائز طریقہ سے وصول کیا گیا تھا' سب کو واپس کر دیا' شورش اور فتنہ انگیزی کو سخت ناپسند کرتا تھا' اور فتنہ انگیزوں کو پوری سزا دیتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک شورش پسند گرفتار کر کے اس کے پاس لایا گیا' مستنجد نے اسے قید کرا دیا۔ بڑے بڑے امراء نے اس کے بارے میں سفارش کی اور اس کی رہائی کے معاوضہ میں دس ہزار اشرفیاں پیش کیں' مستنجد آمادہ نہ ہوا اور امراء سے کہا کہ تم اور فسادیوں کو گرفتار کر کے لاؤ میں تم کو اتنا ہی معاوضہ دوں گا' تاکہ مخلوق کو ان کے شر سے نجات ملے' بغداد کے ایک قاضی ابن مرخم بڑے جابر تھے انہوں نے بڑی دولت جمع کی تھی' مستنجد

نے انہیں گرفتار کر کے کل دولت ضبط کر لی اور اس کو ان کے مستحق ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۵)

ابن جوزی کا بیان ہے کہ مستنجد عاقل، فہیم صاحب الرائے، ذہین و زکی اور فاضل خلیفہ تھا، علم و فن کا بڑا مذاق رکھتا تھا، اصطرلاب اور فلکی آلات بنانے میں مہارت رکھتا تھا، اس کی نظم و نثر دونوں بلیغ ہوتی تھیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۳ بحوالہ ابن جوزی)

# ابو محمد حسن بن مستنجد الملقب بہ مستضی بامر اللہ

## ۵۶۶ھ تا ۵۷۵ھ ---- مطابق ---- ۱۱۷۰ء تا ۱۱۷۹ء

مستنجد کے قتل کرنے کے بعد امیر عضد الدین و قطب الدین نے اس کی موت کا اعلان کر دیا چونکہ وہ بیمار زیادہ تھا اس لیے کسی کو کوئی شبہ نہیں ہوا' سب نے طبعی موت کا یقین کر لیا' لیکن دونوں قاتلوں کو وزیر ابو جعفر کی جانب سے اطمینان نہ تھا' اس لیے مستنجد کے قتل کے بعد ہی عضد الدین نے اس کے لڑکے ابو محمد حسن سے اپنے لیے وزارت' اپنے لڑکے کے لیے استاد اور قطب الدین کے لیے سپہ سالاری کے عہدے طے کر کے اس کو خلیفہ بنا دیا اور ربیع الثانی ۵۶۶ھ میں وہ تخت نشین ہوا' خاندان شاہی کے ارکان نے بھی بیعت کر لی اور ابو محمد نے مستضی بامر اللہ کا لقب اختیار کیا اس وقت ۳۳ سال عمر تھی۔

وزیر ابو جعفر کو اس مخفی کاروائی کا علم ہوا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی' لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا' عضد الدین وغیرہ نے اس کو بیعت کے بہانہ سے بلا بھیجا' اس کا ٹالنا ممکن نہ تھا' ابو جعفر کو چاروناچار جانا پڑا' اس کو قتل کر کے لاش دجلہ میں پھنکوا دی گئی۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۶)

مستضی کے زمانے میں خاص عباسی خلافت کی کوئی ایسی تاریخ نہیں ہے' اس عہد میں سب سے بڑا انقلاب یہ ہوا کہ مصر سے فاطمی حکومت ختم ہو گئی اور اس کی جگہ ایوبی حکومت قائم ہوئی اور کئی صدیوں کے بعد مصر میں پھر عباسی خطبہ جاری ہوا' یہ واقعات نور الدین محمود ہی کے کارناموں کی کڑی ہیں' اس لیے پہلے ان کو سن لینا چاہیے۔

**موصل پر نور الدین کا قبضہ** ۵۶۵ھ میں نور الدین کے بھائی قطب الدین مودود زنگی والی موصل کا انتقال ہو گیا تھا' اس کا بڑا لڑکا عماد الدین ولی عہد اور فخر الدین عبد المسیح نائب سلطنت تھا۔ فخر الدین بڑا ظالم اور بدکردار تھا' اس لیے نور الدین اس کو سخت ناپسند کرتا تھا' اتابکی اور اپنے بھائی قطب کو اس کی زندگی میں اسے سر چڑھانے پر ملامت کیا کرتا تھا'

عمادالدین کو نورالدین سے زیادہ تعلق تھا اس لیے فخرالدین کو خطرہ پیدا ہوا کہ وہ اگر بادشاہ ہو گیا تو نورالدین کے اشاروں پر چلے گا۔ اور اسے اپنے منصب سے الگ ہونا پڑے گا' اس نے قطب الدین کی دوسری بیوی یعنی عمادالدین کی سوتیلی ماں اور امراء کو ملا کر قطب الدین کے دوسرے لڑکے سیف الدین غازی کو جو اس کے بطن سے تھا تخت نشین کر دیا۔ اس میں کوئی صلاحیت نہ تھی' اس لیے حکومت کی باگ فخرالدین کے ہاتھوں میں آ گئی اور اس نے ظلم و جور کا بازار گرم کر دیا' نورالدین پہلے ہی سے اس کے خلاف تھا۔ اس کے جور و استبداد کی خبر سن کر موصل پر فوج کشی کر دی یہاں کے باشندے فخرالدین کے مظالم سے نالاں اور اس کے خلاف تھے' اس لیے وہ نورالدین کو موصل حوالہ کر دینے پر آمادہ ہو گئے' فخرالدین نے جب دیکھا کہ اس کے لیے مفر کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس نے چند شرائط پر نورالدین کی اطاعت قبول کر لی' ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس کو موصل سے الگ نہ کیا جائے گا' نورالدین نے اس کے سوا باقی اور سب شرطیں مان لیں اور فخرالدین سے کہا کہ میں اپنے بچوں کا ملک چھیننے نہیں آیا ہوں بلکہ لوگوں کو تمہارے مظالم سے چھڑانے کے لیے آیا ہوں' تمہاری بجائے میں خود ان کی نگرانی کروں گا' جمادی الثانی ۵۶۵ھ میں فخرالدین نے موصل نورالدین کے حوالہ کر دیا' اس نے سیف الدین غازی کو موصل پر برقرار رکھا' البتہ قطب الدین کی میراث شریعت کے مطابق اس کے سب لڑکوں میں تقسیم کر دی' سنجار کا علاقہ عمادالدین کو دیا اور فخرالدین کے مقرر کردہ کل ٹیکس موقوف کر کے بیس دن کے بعد شام لوٹ گیا' اور فخرالدین کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا' شام میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو موصل کا قیام بہت پسند خاطر تھا' پھر اس قدر جلد واپسی کیوں عمل میں آئی' اس نے کہا موصل کے بارہ میں میری نیت میں فتور آ چلا تھا' اگر زیادہ قیام کرتا تو ممکن تھا کہ میرے ہاتھوں سے ظلم ہو جاتا اور وہاں کے قیام سے جہاد میں بھی تاخیر ہوتی۔

(تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۷۶ تا ۲۷۹)

## مصر پر صلاح الدین کا قبضہ اور فاطمی حکومت کا خاتمہ

صلاح الدین کی وزارت مصر تک کے حالات اوپر گذر چکے ہیں۔ جب اس کے مخالفین کی قوت مصر سے بالکل ختم ہو گئی اور اس کے قدم پوری طرح جم گئے' اس وقت نورالدین نے اس کو لکھا کہ وہ عاضد فاطمی کا خطبہ بند کر کے مستضی کا خطبہ جاری کر دے' گو اب فاطمی حکومت

بالکل چراغ سحری تھی' لیکن اس کے کئی صدیوں کے اثرات کی بنا پر مستنفی کے خطبہ سے عام مخالفت کا خطرہ تھا' اس لیے صلاح الدین نے اس کی دشواریاں ظاہر کر کے معذرت چاہی مگر نور الدین نے پورے اصرار کے ساتھ حکم دیا' اتفاق سے اسی زمانہ میں عاضد مرض الموت میں مبتلا ہو گیا' اس لیے نور الدین کو موقع مل گیا اور اس نے محرم ۵۶۷ھ میں تجربہ کے طور پر خطبہ میں مستنفی کے لیے دعا کرائی' کسی نے اس کی مخالفت نہ کی' اس لیے دوسرے جمعہ کو سارے مصر میں عاضد کا خطبہ بند کر کے مستنفی کا خطبہ جاری کرا دیا اور اس کی مخالفت میں بھی کوئی آواز نہ اٹھی' عاضد کی خاطر شکنی کے خیال سے اس کو خبر نہ کی گئی اور اس کے دو یا تین دن کے بعد ۵۶۷ھ میں عاشورہ کے دن اس کا انتقال ہو گیا۔

فاطمی خاندان بالکل ختم ہو چکا تھا' اس کے کسی فرد میں کوئی ہمت و حوصلہ نہ رہ گیا تھا' فاطمی امراء اور ہوا خواہوں کو جن کی جانب سے مخالفت کا خطرہ ہو سکتا تھا' صلاح الدین پہلے ہی مصر سے الگ کر چکا تھا' اس لیے عاضد کے بعد کوئی حکومت کا دعوے دار کھڑا نہیں ہوا اور تقریباً پونی تین صدیوں کے بعد فاطمی خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور مصر میں ایوبی حکومت قائم ہو گئی' فاطمی حکومت نے اپنے زمانہ میں علم و تمدن کی بڑی خدمت انجام دی' لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

فاطمی خلفاء تنہا دنیاوی بادشاہ نہ تھے بلکہ خلفاء بغداد کی طرح ان کو ایک طبقہ کی مذہبی سیاست و پیشوائی کا منصب بھی حاصل تھا' ان کے محلات زر و جواہر اور بیش قیمت ساز و سامان اور نادرہ روزگار عجائبات سے معمور تھے' یہ سارا ذخیرہ صلاح الدین کے قبضہ میں آیا۔ (تاریخ دولت اتابکیہ موصل ص ۲۷۶'۲۷۹)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ فاطمیوں کا ساز و سامان حد شمار سے باہر تھا' ان کے پاس ایسے بے بہا جواہرات اور نادرہ روزگار چیزیں تھیں' جن کی مثال دنیا میں ناپید تھی' سالم زمرد کی چھڑی کی ایک موٹھ تھی' سترہ مثقال کا ایک یاقوت تھا' ایک ہار میں چار انگل لمبا اور اسی قدر چوڑا زمرد تھا ایسے ایسے در یتیم تھے کہ دنیا میں ان کا جوڑ نہ مل سکتا تھا' ایک لاکھ نادر و نایاب کتابوں کا بیش قیمت کتب خانہ تھا' جو خطاطی کا بھی مرقع تھیں۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۸ و دولت اتابکیہ موصل ص ۲۸۲ تا ۲۸۶) لین پون کے بیان سے فاطمیوں کی شوکت و عظمت اور ان کی بے اندازہ دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے' وہ لکھتا ہے۔

فاطمیوں کے قصر کبیر میں چار ہزار کمرے اور ایک عالی شان طلا کار ایوان تھا' جس میں سونے کی جالی کی پشت پر سونے کا تخت بچھا ہوا تھا' جہاں خلیفہ جلوس کرتا تھا خلیفہ کے ارد گرد دربار کے خادم اور اشراف حاضر رہتے تھے عیدین میں جب خلیفہ جلوس کرتا تھا تو انہیں جالیوں سے اپنے ------ درباریوں کو دیکھتا تھا' قصر زمردین جس میں سنگ مرمر کے ستون تھے' دیوان خاص کا کام دیتا تھا' قصر کے اندر جاہ و حشم کے جو جو سامان تھے' ان کا ذکر مورخوں نے کم کیا ہے' لیکن قیساریہ کے ہیوگ نے وہاں کے خزائن و جواہرات کا جو عجیب و غریب حال دیکھ کر بیان کیا ہے اس سے وہاں کی دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے' خلیفہ عاضد کے انتقال پر صلاح الدین نے اس کے جواہرات میں سے ایک زمرد دیکھا جو بارہ انگشت کا تھا اور ایک یاقوت نظر سے گذرا' جس کا نام جبل نور تھا' اس یاقوت کا وزن انگریزی حساب سے دو ہزار چار سو کیرٹ تھا' اس یاقوت کو خود ابن اثیر نے وزن کیا تھا' فاطمین کی دولت جو جواہرات یا زیورات کی شکل میں تھی مدتوں ضرب المثل رہی انہی خلفاء میں سے ایک خلیفہ کے جواہرات کی فہرست میں کثرت سے موتیوں اور زمردوں کی تعداد پڑھنے میں آتی ہے' اسی طرح بلور کے تراشیدہ ظریف' نقش اور میناکاری کی طلائی چیزیں' صندوق اور صندوقچے جن پر طرح طرح کی سونے کی پچیکاری تھی' کرسیاں اور کمروں کا دیگر سامان آرائش کی چیزیں جو آبنوس' ہاتھی دانت اور صندل کی تھیں درج ملتی ہیں' اعلیٰ ترین قسم کی چینی کے پیالے اور صراحیاں' جن میں کافور اور مشک بھرا رہتا تھا' فولاد کے آئینے جن کے چوکھٹے سونے اور چاندی کے تھے اور چوکھٹوں کے حاشیوں پر زمرد اور لال جڑے تھے' سنگ سماق کی میزیں' بے شمار برنجی ظروف' جن پر سونے چاندی کا کام تھا' دیوار پوش' بھاری زری کے رنگین پارچے جن پر بادشاہوں کی شبیہیں زری میں بنی ہوئی تھیں' یہ کل دولت صلاح الدین کو ملی' اس میں ایک چیز بھی اس نے اپنے پاس نہ رکھی کچھ چیزیں سلطان نورالدین زنگی کے پاس بھیج دیں کچھ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں' کتب خانہ میں ایک لاکھ بیس ہزار قلمی نسخے تھے۔ یہ کل کتابیں اس نے اپنے وزیر قاضی کل کو نذر کر دیں۔ باقی کل سامان فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دیں جو سب کے نفع کے لیے تھا۔

(صلاح الدین لین پول ص ۹۹' ۱۰۰)

فاطمی حکومت خلافت بغداد کی حریف تھی' اس کے خاتمہ پر بغداد میں بڑا جشن مسرت منایا گیا مستضی نے نورالدین اور صلاح الدین اور مصر کے تمام خطیبوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ان کے رتبہ کے مطابق خلعتیں اور اپنا نشان سیاہ علم بھیجے۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳۸)

**نورالدین اور صلاح الدین** دنیائے سیاست میں ایک ہی درجہ کے دو فرمانرواؤں کا ایک دوسرے کے ماتحت رہنا ممکن نہیں اس لیے مصر میں صلاح الدین کے استقلال کے بعد ہی نورالدین اور صلاح الدین میں اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی' لیکن صلاح الدین کے باپ نجم الدین کی دانشمندی سے بڑھنے نہ پائی' اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۶۷ھ میں نورالدین نے فرنگیوں کے قلعہ کرک پر جو مصر کے سرحدی سمت میں تھا' فوج کشی کا ارادہ کیا اور صلاح الدین کو بھی فوجوں کے ساتھ کرک پہنچنے کا حکم دیا۔ صلاح الدین اس کی تعمیل کے لیے آمادہ ہو گیا اور نورالدین کو اس کی اطلاع دے دی لیکن اس کے بعض ناعاقبت اندیش ساتھیوں نے اس کو نورالدین سے ڈرایا کہ اگر مصر و شام کے درمیانی علاقے سے فرنگی ہٹ گئے تو پھر کوئی روک نہ رہ جائے گی اور نورالدین مصر پر قبضہ کر لے گا' یہ بات ایسی لگتی ہوئی تھی کہ صلاح الدین کو بھی سمجھ میں آ گئی' اس نے کرک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور نورالدین کو لکھ بھیجا کہ وہ اس وقت مصر کے اندرونی خلفشار کی وجہ سے یہاں سے ہٹنے سے معذور ہے' نورالدین پر اس کی یہ عدول حکمی سخت شاق گذری' اس نے یہ عذر قابل قبول نہ سمجھا اور خود مصر پر فوج کشی کا عزم کر لیا' صلاح الدین کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے اعزہ اور امراء سے مشورہ کیا' اس کے نوجوان بھتیجے تقی الدین عمر نے کہا اگر سلطان نے مصر کا قصد کیا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے اور اعزہ نے بھی اس کی تائید کی' لیکن صلاح الدین کے کہن سال اور تجربہ کار باپ نجم الدین نے تقی الدین کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور صلاح الدین سے کہا' "میں تمہارا باپ اور یہ شہاب الدین تمہارا ماموں ہے۔" کیا ہم دونوں کے برابر تمہارا کوئی اور خیر خواہ ہو سکتا ہے' اس نے کہا نہیں' نجم الدین نے کہا تو پھر سن لو میں تمہارا باپ اور شہاب الدین ماموں ہو کر بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتے' کہ سلطان کو دیکھ کر زمین بوس نہ ہوں' اگر وہ ہم کو تمہاری گردن مارنے کا حکم بھی دے گا تو ہم اس کی تعمیل کریں گے جب ہمارا یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے۔ اس وقت جو امراء تمہارے سامنے موجود ہیں' ان میں سے ایک بھی سلطان پر نظر

پڑنے کے بعد گھوڑے کی زین پر قائم نہیں رہ سکتا' سب سواری سے اتر کر اس کے سامنے زمین بوس ہوں گے' یہ سارا ملک سلطان کا ہے اس نے اپنی طرف سے تم کو صرف اس کا حاکم بنایا ہے اگر وہ تم کو معزول کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے فوج کشی کی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے اس کی ایک تحریر کافی ہے' اور امراء سے کہا تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ ہم سب سلطان کے غلام ہیں' ہمارے بارہ میں اس کو پورا اختیار ہے جو فیصلہ چاہے کرے۔"

امراء کے ہٹنے کے بعد صلاح الدین سے کہا تم ابھی ناواقف اور ناتجربہ کار ہو' مجمع عام میں اپنے دل کی بات ظاہر کرتے ہو' اگر نورالدین کو اس کی خبر ہو جائے گی تو وہ تمہارے مقابلہ کو خاص مقصد بنا لے گا' اس وقت تک ان امراء میں سے ایک بھی تمہارا ساتھ نہ دے گا بلکہ یہی لوگ تم کو پکڑ کر اس کے حوالہ کر دیں گے' میں نے ان کے سامنے جو باتیں کہی ہیں اس کی خبر وہ ضرور نورالدین کو دیں گے' تم بھی اس کو لکھو کہ میرے معزول کرنے کے لیے حضور کو زحمت گوارا کرنے کی کیا ضرورت ہے ایک ادنیٰ خادم کو بھیج دیجیے وہ میری گردن میں رسہ ڈال کر مجھے حاضر کر دے' صلاح الدین نے باپ کے حکم کی تعمیل کی' نجم الدین کا خیال صحیح نکلا امراء نے نورالدین کو اس کی باتوں کی خبر کر دی اس لیے وہ مطمئن ہو گیا اور مصر پر فوج کشی کا خیال ترک کر دیا۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۲۸۶ تا ۲۸۸)

**ایشیائے کوچک پر فوج کشی اور قلج ارسلان کی اطاعت** پہلی جنگ صلیبی کے دفاع میں قلج ارسلان سلجوقی والی قونیہ کا بڑا حصہ تھا' جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' لیکن اس کا پوتا عزالدین قلج ارسلان یونانی حکومت سے صلح کر کے گوشہ عافیت میں بیٹھ گیا تھا' اور صلیبی لڑائیوں میں کوئی حصہ نہ لیتا تھا' مذہبی عقاید کے بارہ میں بھی وہ متہم تھا' اس لیے نورالدین اس سے خوش نہ تھا اتفاق سے اس نے ذوالنون بن دانش والی عطیہ وسیواس کا علاقہ چھین لیا' اس نے نورالدین سے فریاد کی' نورالدین نے قلج ارسلان کو لکھا کہ وہ ذوالنون کا ملک اسے واپس کر دے لیکن اس نے نہ سنا اس لیے نورالدین نے اس پر فوج کشی کر کے ذوالنون کا علاقہ اسے واپس دلایا' اس کے بعد قاضی نے قلج ارسلان کے مقبوضات کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا' قلج ارسلان میں اس کو روکنے کی طاقت نہ تھی اس لیے وہ معافی کا خواستگار ہوا' نورالدین کا مقصد صرف اس کی اصلاح و تادیب تھا' اس لیے

حسب ذیل شرائط پر صلح منظور کرلی کہ قلج ارسلان اس کے قاصد کے ہاتھوں اپنے فاسد عقاید سے توبہ کرکے تجدید اسلام کرے گا' سرحدی رومیوں سے یا خود جہاد کرے گا یا صلیبی جہاد میں نورالدین کی فوجی مدد کرے گا' اور اپنی لڑکی کی شادی نورالدین کے بھتیجے سیف الدین غازی کے ساتھ کردے گا' قلج ارسلان نے یہ سب شرطیں منظور کرلیں اور نورالدین تھوڑی سی فوج سیواس کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر شام لوٹ گیا۔

(دولت اتا بکیہ موصل ص ۲۹۰'۲۹۱)

**وفات** اسکے ایک سال کے بعد اس مجاہد فی سبیل اللہ کیلئے بھی وہ وقت آگیا' جس سے کسی انسان کو مفر نہیں اور چند مہینے خناق کے مرض میں بیمار رہ کر ۱۱ شوال ۵۵۹ھ میں اپنے رب کے روبرو حاضر ہوگیا' پہلے دمشق کے قلعے میں تجہیز و تکفین عمل میں آئی پھر کچھ دنوں کے بعد لاش اسکے تعمیر کردہ مدرسہ میں جو اس نے علماء احناف کے لیے بنوایا تھا' منتقل کردی گئی' انتقال کے وقت اٹھاون سال کی عمر تھی' مدت حکومت اٹھائیس سال۔

**اخلاق و سیرت** نورالدین جن اوصاف و کمالات کا فرمانروا تھا' اور اس نے جو گوناگوں مذہبی کارنامے انجام دیئے اس کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب چاہیے' صلیبی جہاد اس کے مختلف النوع کارناموں کا صرف ایک رخ ہے اور اس کے جو حالات اوپر لکھے گئے ہیں وہ بھی اس کے مجاہدات کی ناتمام تصویر ہے۔

وہ جن اوصاف و خصوصیات کا حامل تھا اور اس نے اسلامی حکومت کا جو نمونہ پیش کیا اس کی نظیر خلفائے راشدین کے سوا تاریخ اسلام میں مشکل سے مل سکتی ہے' اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اس لیے ابن اثیر کے بیان پر جن کی حیثیت نورالدین کے حالات

---

(ابن اثیر صاحب تاریخ کامل' نورالدین کے ہم وطن بھی تھے' اور قریب العہد بھی ۵۵۵ھ میں جزیرہ میں اس کی ولادت اور موصل میں نشوونما ہوئی' نورالدین کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی' اسکے ابوالکرم محمد بن محمد کا اتابکی خاندان سے تعلق بھی تھا اسلئے اسکے حالات میں ابن اثیر کا بیان گویا چشم دید واقعات کی حیثیت رکھتا ہے' انہوں نے اتابکی حکومت کے حالات میں ایک مستقل کتاب "دولت اتابکیہ موصل" لکھی ہے' جو اتابکی حکومت کی سب سے زیادہ مستند تاریخ ہے یہ کتاب فرنچ ترجمہ کے ساتھ پیرس میں شائع ہوئی ہے' ہم نے نورالدین کے حالات زیادہ تر اسی سے لکھے ہیں۔)

میں گویا عینی شاہد کی ہے' اکتفا کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

میں نے اسلامی عہد کے پہلے کے فرمانرواؤں سے لے کر اس وقت تک کے تمام بادشاہوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا' مگر خلفائے راشدین اور عمر بن عبدالعزیز کے سوا نور الدین سے زیادہ بہتر فرمانروا میری نظر سے نہیں گذرا' اس نے عدل و انصاف کی اشاعت' جہاد اور ظلم و جور کے استیصال' عبادت و ریاضت اور احسان و کرم کو مقصد زندگی بنا لیا تھا' اس میں اس کے لیل و نہار بسر ہوتے تھے اگر کسی پوری قوم میں بھی اس کے اور اس کے باپ جیسے دو فرمانروا گزرے ہوتے تو بھی اس قوم کے فخر کے لیے کافی تھا نہ کہ ایک ہی گھرانے میں خدا نے دو فرمانروا پیدا کر دیئے' اس کے عدل و انصاف کی مثال حضرت عمرؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی' ممالک محروسہ میں جس قدر ناجائز ٹیکس تھے سب موقوف کر دیئے تھے' مصر میں سو دینار چالیس درہم ٹیکس لیا جاتا تھا' سلطان نے اسے یک قلم بند کر دیا' اس کے علاوہ دوسرا فرمانروا مشکل سے اتنی بڑی آمدنی سے دستبردار ہو سکتا تھا' اس کے ایوان عدالت میں قوی و ضعیف' بڑے اور چھوٹے سب برابر تھے' وہ مظلوم کے ساتھ خواہ کسی درجہ کا ہو پورا انصاف کرتا تھا' مظلوموں کی شکایتیں براہ راست خود سنتا تھا اور خود ہی ان کی تفتیش کرتا تھا' اگر وہ خود بھی مدعا علیہ ہوتا تو عام آدمیوں کی طرح بغیر کسی امتیاز کے قاضی کی عدالت میں حاضر ہوتا ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی زمین یا جائیداد کے بارے میں اس پر دعویٰ دائر کیا' عدالت کا چپڑاسی عین اس وقت جب کہ سلطان گوے و چوگاں کھیل رہا تھا' پہنچا' سلطان فوراً اس کے ہمراہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہو گیا اور قاضی سے کہا کہ اس وقت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے آیا ہوں اس لیے میرے ساتھ وہی برتاؤ کیجئے' جو عام مدعا علیہ کے ساتھ کیا جاتا ہے' قاضی نے اس کو مدعی کے برابر بٹھا کر فریقین کے بیانات اور شہادتیں سنیں' تحقیقات سے جائیداد مدعی کی بجائے نور الدین کی ثابت ہوئی' اس لیے قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا' اس فیصلہ کے بعد نور الدین نے متنازعہ فیہ جائیداد اپنی طرف سے مدعی کو ہبہ کر دی اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا مجھے معلوم تھا کہ مدعی کا دعویٰ غلط ہے لیکن صرف اس لیے عدالت میں حاضر ہو گیا تھا کہ یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے' اب جب کہ عدالت سے میرا حق ثابت ہو گیا تو میں نے مدعی کو ہبہ کر دیا۔

نورالدین کے قیام دمشق کے زمانہ میں اس کے بہت سے امراء وہاں آباد ہو گئے تھے اور انہوں نے املاک اور جائیدادیں حاصل کر لی تھیں اور اپنے پڑوسی زمینداروں اور مالکان زمین پر بڑی زیادتیاں کرتے تھے' قاضی کمال الدین کی عدالت میں استغاثوں اور دعووں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی' قاضی صاحب اور امراء کی تو کوئی رعایت نہ کرتے اور ان کے مقابلے میں بے لاگ انصاف کرتے تھے' لیکن امیر الامراء اسد الدین شیر کوہ کے جاہ و اقتدار کی وجہ سے اس کے خلاف کاروائی میں انہیں دقت پیش آتی تھی' انہوں نے نورالدین کو ادھر توجہ دلائی' اس نے امراء کے مقدموں کی سماعت کے لیے دارالعدل کے نام سے ایک خاص عدالت قائم کی اور اس میں خود بیٹھنا شروع کیا' اسد الدین کو معلوم ہو گیا' کہ یہ اہتمام صرف اس کی وجہ سے کیا گیا ہے اس نے اپنے تمام ماتحت امراء کو بلا کر اس سے کہا کہ میرے علاوہ قاضی کمال الدین کو اور کسی امیر سے مزاحمت کا خطرہ نہیں ہے اور یہ عدالت صرف میری وجہ سے قائم ہے' اگر تم میں سے کسی کے باعث مجھے عدالت میں حاضر ہونا پڑا تو اس کو سولی پر چڑھا دوں گا' جن جن لوگوں کے ساتھ تمہارے تنازعات ہوں ابھی جا کر ان کا فیصلہ کر لو اور جس قیمت پر بھی ہو سکے مدعیوں کو رضامند کرو خواہ اس میں میری کل املاک میرے ہاتھ سے نکل جائے' امراء نے کہا اگر ان لوگوں کو اس کی خبر ہو جائے گی تو وہ مطالبہ میں بڑی زیادتی کریں گے' اسد الدین نے کہا کچھ بھی ہو' میری کل املاک کا میرے ہاتھوں سے نکل جانا میرے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ نورالدین مجھ کو ظالم سمجھے اور زمرہ عوام میں شامل کرے اس حکم پر تمام امراء کو اپنے اپنے فریق کو رضامند کرنا پڑا اور دارالعدل میں ان کے خلاف ایک مقدمہ بھی پیش نہ ہو سکا' دو تین دن عدالت میں بیٹھنے کے بعد نورالدین نے قاضی کمال الدین سے کہا کہ اسدالدین کے خلاف کوئی مدعی نظر نہیں آتا' اس وقت کمال الدین نے پورا واقعہ بیان کیا' یہ سن کر نورالدین سجدہ شکر بجا لایا اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرے ساتھی خود انصاف کر لیتے ہیں اور اس کے لیے ان کو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ نورالدین کے زمانہ میں اس کے عدل و انصاف اور ملک کے امن و امان کی وجہ سے دوسرے مقامات کے بہت سے آدمی آ کر اس کی حکومت میں آباد ہو گئے تھے' نورالدین کی وفات کے بعد صلاح الدین

ایوبی کے کسی فوجی نے ایک شخص پر کچھ زیادتی کی' مظلوم نے صلاح الدین سے فریاد کی لیکن اس نے کوئی شنوائی نہ کی وہ مایوس ہو کر روتا پیٹتا ہوا نورالدین کے مزار پر پہنچا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ نورالدین آج تمہارا عدل و انصاف کہاں ہے؟ جس ظلم کا ہم لوگ شکار ہیں اگر تم اس کو دیکھ سکتے تو تم کو ہماری حالت پر رحم آ جاتا۔

صلاح الدین کے فوجی امراء کی زیادتیوں کی شکایت عام طور سے تھی' اس لیے ایک انبوہ اس شخص کے ساتھ ہو گیا تھا' اتفاق سے صلاح الدین اس وقت دمشق میں موجود تھا اسے خبر ہوئی تو فوراً اس شخص کو بلا کر اس کی شکایت رفع کی اور روپیہ دے کر اس کی دل جوئی کی' اس پر وہ اور زیادہ رویا۔ صلاح الدین نے پوچھا اب کیوں روتے ہو اس نے کہا بادشاہ کو روتا ہوں جس کی موت کے بعد بھی اس کی عدالت قائم اور اس کے عدل کا فیض جاری ہے' صلاح الدین نے کہا سچ کہتے ہو' ہم میں جو کچھ بھی عدل و انصاف ہے وہ اسی کے فیض کا نتیجہ ہے۔

عام طور پر ظلم و جور کا انسداد سخت گیری کے بغیر نہیں ہوتا اور ایک ظالم کا انسداد دوسرے ظلم کا ذریعہ بن جاتا ہے' نورالدین کے قیام عدل کی یہ خصوصیت تھی کہ اس سلسلہ میں کسی پر کوئی ناروا زیادتی نہ ہونے پاتی تھی' محض ظن و گمان اور الزام و تہمت پر مواخذہ نہ کرتا بلکہ شرعی شہادت کے مطابق تحقیقات اور ثبوت جرم کے بعد صرف شرعی سزا دیتا تھا' اور اس میں ادنیٰ زیادتی نہ ہونے پاتی تھی' اس کے عدل کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کی سلطنت سے شر و فساد کا نام و نشان مٹ گیا تھا اور ہر شخص امن و امان کی زندگی بسر کرتا تھا' جس کو دوسرے فرمانروا اپنی سخت گیریوں کے باوجود نہ کر سکتے تھے۔

بیت المال کی حفاظت میں اس کا اہتمام عہد عمری کا نمونہ تھا' ایسی عظیم الشان سلطنت اور اس کے وسیع ذرائع دولت اور بے شمار آمدنی میں سے اپنے لیے صرف اسی قدر لیتا تھا' جتنی از روئے شریعت علماء نے اس کو اجازت دی تھی اس سے ایک حبہ زیادہ نہ لیتا تھا' اسی محدود آمدنی میں اپنے اخراجات پورے کرتا تھا' اس کے علاوہ اس کی تھوڑی سی ذاتی ملکیت تھی جو اس نے مال غنیمت کی آمدنی سے خریدی تھی' لیکن اس کی آمدنی اتنی محدود تھی کہ اس سے اخراجات پورے نہ ہوتے' ایک مرتبہ اس کی بیوی نے کہلا بھیجا کہ سلطان اس کو گھر کے مصارف کے لیے جو رقم دیتا ہے وہ اخراجات کے لیے کافی نہیں ہے اس

میں کچھ اضافہ کیا جائے' یہ سن کر اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے جواب کہلایا کہ اس سے زیادہ اور کہاں سے لا کر دوں گا' اگر وہ یہ سمجھتی ہے کہ میرے پاس جو مال ہے وہ میرا ذاتی ہے تو غلط ہے' یہ مسلمانوں کا مال ہے اور ان ہی کے مصالح و مصارف کے لیے ہے میں صرف اس کا خزانچی اور امین ہوں' اس میں خیانت کر کے اس کے لیے جہنم کا ایندھن نہ بنوں گا' اور حمص کی چند معمولی دکانیں جو اس کی ذاتی ملکیت تھیں' آمدنی محض برائے نام تھی' بیوی کو دے دیں۔

ناجائز آمدنی کا ایک حبہ بیت المال میں داخل نہ ہونے پاتا تھا' ایک مرتبہ وہ بیت المال کے معائنہ کے لیے گیا وہاں کچھ آمدنیاں یا چیزیں ایسی نظر آئیں' جن کو سلطان ناجائز سمجھتا تھا' دریافت سے معلوم ہوا کہ قاضی کمال الدین نے فلاں فلاں مد سے بھیجی ہیں' سلطان نے کہا اس مال پر بیت المال کا کوئی حق نہیں ہے اور اسے اس کے مالک کو واپس کرنے کے لیے قاضی صاحب کو بھجوا دیا' انہوں نے بیت المال میں واپس بھیج دیا اور کہلا دیا کہ اگر آئندہ سلطان اس کے متعلق پوچھے تو میری طرف سے کہہ دینا کہ وہ سلطان ہی کا مال ہے' اتفاق سے تھوڑے دنوں کے بعد پھر سلطان بیت المال گیا اور پھر اس مال پر نظر پڑی' بیت المال کے کارکنوں سے پوچھا' ابھی تک اسے واپس کیوں نہیں کیا گیا؟ انہوں نے قاضی کمال الدین کا جواب بیان کر دیا' سلطان نے اسی وقت قاضی صاحب کے پاس بھجوا دیا اور زبانی کہلا بھیجا کہ آپ میں اس بار کے اٹھانے کی طاقت ہے' لیکن میری گردن کمزور ہے' میں اس کو نہیں اٹھا سکتا۔

وہ خود بڑا عابد' زاہد و متقی تھا اور شریعت مطہرہ کے احکام کے نفاذ و قیام میں بڑا انہماک رکھتا تھا' ابن اثیر لکھتے ہیں کہ وہ زمرہ سلاطین میں عدل و انصاف کے قیام' محرمات شرعیہ کے اجتناب اور اتباع سنت کا مجدد تھا' اس سے پہلے کے حکمران زمانہ جاہلیت کے حکمرانوں کی طرح تھے' جن کا مقصد زندگی صرف خواہشات نفسانی کی تکمیل تھی' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے انہیں کوئی علاقہ نہ تھا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے نور الدین کو حکمران بنایا۔ اس نے شریعت کے اوامر و نواہی کی خود پابندی کی اور اپنے حاشیہ نشینوں اور متعلقین کو ان کا پابند بنایا' انہیں دیکھ کر دوسروں نے تقلید کی' اور پابندی مذہب کا ایسا عام جذبہ بیدار ہو گیا کہ لوگ اپنے گذشتہ خلاف شرع اعمال کے ذکر سے شرمانے لگے۔

اصول دین کی حفاظت میں اس کو ادنیٰ مسامحت بھی گوارہ نہ تھی' اس کے سامنے کوئی شخص دین کے صحیح عقائد کے خلاف کسی متبدعانہ خیال پر لب کشائی کی جرات نہ کر سکتا تھا' اور ایسا کرنے والوں کی پوری تنبیہہ کرتا تھا' وہ کہا کرتا تھا کہ اگر چوروں اور لٹیروں سے راستوں کی حفاظت ہمارا فرض ہے تو کیا دین کی حفاظت جو اصل اساس و بنیاد ہے ہم پر ضروری نہیں ہے' دمشق کے ایک متصوف نے جن کے زہد و ورع کا بڑا چرچا تھا اور عوام ان کے عقیدت مند تھے' تشبیہہ کے بعض خیالات ظاہر کیے' نورالدین کو خبر ہوئی تو اس نے ان کو گدھے پر بٹھا کر سارے شہر میں ان کی تشہیر کرائی' نقیب آواز دیتا جاتا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو دین میں بدعت پیدا کرتا ہے اور تشہیر کے بعد شہر سے نکال دیا۔

سارے ممالک محروسہ میں شراب نوشی اور شراب کی تجارت قانوناً" بند کر دی تھی اور اس کی درآمد و برآمد بالکل روک دی تھی' شرابیوں پر خواہ کسی درجہ و مرتبہ کے ہوں شرعی حد جاری کرتا تھا۔

اپنے زمانہ میں بہت سے مذہبی اور رفاہ عام کے کام انجام دیئے' دمشق میں ایک دارالحدیث قائم کیا اور محدثین اور حدیث کے طلبہ کے مصارف کے لیے بڑی جائیداد وقف کی' اسلامی تاریخ میں خاص دارالحدیث کے قیام کی یہ پہلی مثال تھی' تمام بڑے بڑے شہروں میں مدارس قائم کیے اور ان کے علاوہ خاص یتیموں کے لیے علیحدہ مستقل مکاتب و مدارس قائم کیے' معلمین و طلبہ کے وظائف اور تنخواہیں مقرر کیں۔ بکثرت مسجدیں بنوائیں' پرانی مسجدوں کی مرمت کرائی اور ان میں یتیموں کے مکاتب قائم کیے اور ان کے اخراجات کے لیے جائیدادیں وقف کیں' ان میں سے موصل اور حماۃ کی جامع مسجد بڑی عظیم الشان تھی' حکومت کی امداد کے علاوہ نورالدین نے ان کے مصارف کے لیے خود اپنی ذاتی آمدنی سے اوقاف کیے تھے' ان میں سے ایک وقف جس کی آمدنی نو ہزار اشرفی ماہوار تھی ابن اثیر کے زمانہ تک قائم تھا۔

اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور ان کی راحت و آسائش کے اتنے کام انجام دیئے جس کی مثال مشکل سے ملے گی' صلیبیوں کے حملے سے حفاظت کے لیے' حلب' حمص' دمشق' بارین شیرز' میبخ وغیرہ تمام بڑے شہروں اور اہم مقبوضات کی مضبوط شہر پناہیں بنوائیں اور مستحکم قلعے تعمیر کرائے' ہر شہر میں شفا خانے قائم کیے' دمشق کا شفا خانہ بڑا عظیم

الشان تھا' اس کے مصارف کے لیے بہت بڑی جائیداد وقف تھی' یہ شفا خانہ بلا امتیاز امیر و غریب سب کے لیے وقف تھا' بڑے بڑے امراء یہاں سے تبرکاً" مفت دوائیں لے جاتے تھے' قافلوں کے راستوں اور مسافروں کی گزرگاہوں پر سرائیں تعمیر کرائیں اور راہنمائی کے لیے جا بجا اونچے اونچے مینار بنوائے' سرحدی مقاموں پر سربفلک برج تھے' جن میں حفاظتی چوکیاں قائم تھیں اور نامہ بر کبوتر موجود رہتے تھے' جیسے ہی دشمن دور سے نظر آتے' کبوتروں کے ذریعہ اہل شہر کو اس کی خبر کر دی جاتی اور لوگ محتاط ہو جاتے' صوفیہ و مشائخ کے لیے رباطیں اور خانقاہیں بنوائیں اور ان کے مصارف کے لیے جائیدادیں وقف کیں اور اس قسم کے بے شمار کام انجام دیئے۔

ذاتی حیثیت سے وہ صاحب علم اور بڑا متقی و متورع تھا' اس کا سارا وقت جہاد کی تیاری امور مملکت پر غور و فکر اور اس کے متعلق صلاح و مشورہ اور عبادت و ریاضت میں گذرتا تھا' رات کو عشاء کے بعد سو جاتا تھا' پھر آدھی رات سے صبح تک تہجد اور دعا و وظائف میں مصروف رہتا تھا' دن نکلنے کے بعد سلطنت کے کاموں میں مشغول ہو جاتا تھا' ریشم' سونا' اور چاندی جن کا استعمال شریعت نے مسلمانوں کے لیے حرام کیا ہے' کبھی استعمال نہیں کیا' اس کی مجلس وقار و سنجیدگی کا نمونہ ہوتی تھی' اس میں مذہب کے تذکرے اور جہاد کے صلاح و مشورہ کی گفتگوؤں کے علاوہ اور کسی لغویات کا گذر نہ تھا۔

علماء و فقہاء و مشائخ و صوفیہ کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا' جب کوئی شیخ اس کے پاس جاتا تو نظر پڑتے ہی اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا' اور مصافحہ کر کے اپنے ساتھ مسند

ہوتا تھا' وہ سلطان کی نگاہ میں ان کو سبک کرنے کے لیے ان کی برائیاں بیان کرتے' لیکن سلطان مطلق توجہ نہ کرتا اور جواب دیتا کہ ہم میں سے کون معصوم ہے' کامل وہی ہے جو اپنے گناہوں کا محاسبہ کرتا ہے' سلطان نے خراسان کے ایک مشہور عالم شیخ قطب الدین نیشاپوری کو دمشق بلالیا تھا اور ان کا بڑا احترام کرتا تھا' ایک امیر کو ان پر رشک آیا اس نے سلطان سے ان کی کچھ برائیاں بیان کیں' اس نے جواب دیا اگر تمہارا یہ بیان صحیح بھی ہے تو شیخ کے پاس ایک ایسی خوبی ہے' جس سے ان کی تمام لغزشیں معاف ہو جائیں گی' وہ علم دین ہے' اور تم اور تمہارے ساتھی اس سے کہیں زیادہ بڑی برائیوں میں مبتلا ہو' اور اس کے مقابلہ میں تم میں کوئی ایسی خوبی نہیں جس سے برائیوں کی تلافی ہو سکے' اگر تم میں عقل و شعور ہوتا تو تم کو خود اپنے عیبوں سے اتنی فرصت نہ ملتی کہ دوسروں کے عیوب پر نگاہ ڈالتے' ایسی حالت میں جب کہ تم لوگوں میں کوئی خوبی نہیں ہے' میں تمہاری برائیاں انگیز کرتا ہوں تو بالفرض اگر تمہارے بیان کے مطابق شیخ میں کوئی عیب ہو بھی' جسے میں قطعاً" غلط سمجھتا ہوں تو کیا ان کی خوبیوں کے مقابلہ میں ان کا ایک عیب بھی گوارا نہ کیا جائے' اگر آئندہ تم نے میرے سامنے ان کی برائی کی تو تم کو اس کی سزا ملے گی' اس تنبیہ کے بعد پھر اس امیر کو کبھی اس کی جرات نہ ہوئی۔

اس کا کوئی کام حسن نیت سے خالی نہ ہوتا تھا' حتیٰ کہ گوے چوگاں بھی وہ جہاد کی تیاری کے لیے کھیلتا تھا' جزیرہ کے ایک شیخ نے جن سے سلطان کو عقیدت تھی ایک مرتبہ اس کو لکھ بھیجا کہ میں تمہارے متعلق یہ خیال نہیں کر سکتا تھا' کہ تم بھی لہو و لعب میں وقت ضائع کرتے ہو گے' اور بغیر کسی دینی فائدہ کے گھوڑوں کو تکلیف دیتے ہو گے' اس نے ان کو جواب میں لکھا کہ میں لہو و لعب کے لیے گوئے چوگاں نہیں کھیلتا' بلکہ ہم لوگ سرحد پر دشمن کے قریب رہتے ہیں' ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ دفعتہ" پہنچ جاتے ہیں اور ہم کو فوراً مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہونا پڑتا ہے' یہ ممکن نہیں ہے کہ بغیر کسی وقفہ کے مسلسل جہاد میں مشغول رہیں' فوجوں کو آرام دینا بھی ضروری ہے' اس لیے اگر گھوڑے بھی تھان پر بیکار چھوڑ دیئے جائیں تو وہ مٹھے پڑ جاتے ہیں اور ان میں چستی اور پھرتی باقی نہیں رہتی اس لیے ان کو چاق و چوبند رکھنے کے لیے گوئے وچوگاں میں مشغول رکھنا ضروری ہے' اس سے تفریح و لہو و لعب مقصود نہیں۔

دنیاوی فہم و فراست و تدبیر و سیاست میں بھی اس کا پایہ بہت بلند تھا' ابن اثیر نے اس کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ (یہ تمام واقعات دولت اتا بکیہ ص ۲۹۹ تا ۳۱۶ سے "ملخصا" ماخوذ ہیں' ابن اثیر نے انہیں بغیر کسی ترتیب کے متفرق طور سے لکھا ہے' ہم نے حتی الامکان ترتیب قائم کر دی ہے۔)

صلیبی مجاہدین تک جو نورالدین کے سب سے زیادہ دشمن تھے' اس کے محاسن کے معترف تھے۔ ولیم صوری کا بیان ہے۔

"گو ہم میں اور نورالدین میں قوم و مذہب کا اختلاف تھا' مگر نورالدین ایک عادل بادشاہ تھا' دانش مند اور پکا دیندار تھا' گو عیسائیوں پر وہ بہت سخت تھا' مگر عدل وہ صفت تھی' جس کی قدر و قیمت اس کے دل میں خدا کے بعد تھی' اس کی رعایا میں سے اگر کوئی شخص اسے قاضی کے سامنے عدالت میں طلب کراتا تو حاضر ہو جاتا اور قاضی سے اصرار کرتا کہ اس کے اعلیٰ مرتبہ کے خیال سے کوئی رعایت اس کے ساتھ نہ کرے' چنگی اور عشر دونوں محصول اپنی قلمرو میں اس نے بند کر دیئے تھے' سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ اپنی ذاتی آمدنی پر بسر اوقات کرتا تھا' بیت المال کے روپیہ کو ہاتھ تک نہ لگاتا تھا ایک مرتبہ جب اس کی بیوی نے افلاس کی شکایت کی اور نورالدین نے حمص کی اپنی تین دکانیں جن کی سالانہ آمدنی بیس اشرفی تھی اسے ہبہ کرنی چاہی اور بیوی نے اسے قبول نہ کیا تو بگڑ کر بیوی سے کہنے لگا' کہ میرے پاس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے' باقی جو کچھ ہے وہ میرا اپنا نہیں ہے بلکہ رعایا کی امانت ہے اور اس امانت کا خیال کر کے اس نے شہروں میں اہل شہر کی حفاظت کے لیے قلعے تعمیر کرائے' مدارس اور دارالعلوم' خانقاہیں' شفاخانے' کارواں سرائیں' رعایا کی جسمانی و روحانی فلاح کے لیے بنوائیں علماء و مشائخ کی صحبت میں جو لطف اسے حاصل ہوتا تھا' وہ کسی اور کو نہ ہوتا تھا' دین کے جملہ احکام کا جیسا وہ پابند تھا دوسرا نہ تھا' اس کی سنجیدگی اور متین آنکھوں کا پر سکوت عالم' بارعب پیشانی' اور گندم گوں رنگ میں ایک گھلاوٹ پیدا کرتا تھا' چہرہ تقریبا بے ریش تھا' اس میں ایک سچے مشرقی شریف انسان کا انداز خود داری اور صدق و صفا پایا جاتا تھا' جہاں کہیں وہ ہوتا خاموشی اور سکوت طاری رہتا۔ (صلاح الدین لین پول ص ۱۱۶ ترجمہ اردو)

**الملک الصالح** نورالدین کی وفات کے بعد شوال ۵۵۹ھ میں اتابکی امراء نے اس کے گیارہ سالہ بچے اسماعیل الملقب بہ الملک الصالح کو تخت نشین کیا' اس وقت اتابکی امراء میں شمس الدین علی المعروف بہ ابن دایہ' شمس الدین محمد المعروف بہ ابن مقدم' حسام الدین عیسیٰ اور سعد الدین گمشتگین زیادہ ممتاز تھے' اور ان میں ابن دایہ سب سے زیادہ نامور اور باقتدار تھا' لیکن وہ فالج میں مبتلا تھا اس لیے ابن مقدم کار پرداز سلطنت قرار پایا۔

الملک الصالح کی کم سنی کی وجہ سے بہت جلد امراء میں رشک و رقابت اور حصول اقتدار کی کشمکش شروع ہو گئی اور نورالدین کی آنکھ بند ہوتے ہی اتابکی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا اور چند دنوں کے بعد صلاح الدین نے اس پر قبضہ کر لیا اس کی تفصیل آئندہ آئے گی' نورالدین کی وفات کے بعد ہی سیف الدین غازی والی موصل نے جزیرہ کے علاقہ پر قبضہ کر لیا' اتابکی حکومت کا امیر کبیر حلب میں پڑا تھا اور فالج کی وجہ سے خود نقل و حرکت نہ کر سکتا تھا' اس نے ابن مقدم کے پاس دمشق کہلا بھیجا کہ وہ سیف الدین غازی کے مقابلے کے لیے الملک الصالح کو اپنے قابو میں کر کے اس کو اس کے عہدہ سے برطرف نہ کرا دیں' اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور جزیرہ پر سیف الدین کا مستقل قبضہ ہو گیا۔

اتابکی امراء نے محض اپنی خود غرضی اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے سب سے بڑے اتابکی امیر صلاح الدین ایوبی کو' جو آڑے وقتوں میں کام آ سکتا تھا' بالکل الگ کر رکھا تھا' اور اس سے کسی قسم کا صلاح مشورہ نہ لیتے تھے' اس لیے وہ ابتداء سے ان سے برہم تھا' جزیرہ پر سیف الدین کے قبضہ کی خبر سن کر اس نے الملک الصالح کو لکھ بھیجا کہ اسے سیف الدین کی فوج کشی کی اطلاع کیوں نہ دی گئی کہ وہ خود آ کر اس کو روکتا اور اتابکی امراء کو ایک غضب آلود خط لکھا کہ اگر سلطان نورالدین کو مجھ سے زیادہ تم لوگوں پر اعتماد ہوتا اور وہ یہ جانتا کہ میری مفوضہ خدمات تم انجام دے سکتے ہو' تو مصر جیسے بڑے ملک کی حکومت میرے بجائے تمہارے سپرد کرتا' اگر اتنی جلدی اس کا آخری وقت نہ ہو گیا ہوتا تو وہ اپنی اولاد کی تربیت و خدمت کی ذمہ داری میرے علاوہ اور کسی کے سپرد نہ کرتا' تم لوگوں نے مجھ کو میرے آقا کی خدمت سے الگ کر رکھا ہے' میں خود عنقریب سلطان مرحوم کا حق نمک ادا کرنے کے لیے پہنچتا ہوں اور تم سب کو تمہارے کرتوتوں اور حکومت کے فرائض سے تمہاری غفلت کا مزہ چکھاؤں گا۔"

اس دوران میں امیر سعد الدین بن گمشتگین' الملک الصالح کو سمجھا بجھا کر حلب سے لے گیا' اور امیر الامراء شمس الدین ابن دایہ اور حلب کے دوسرے اتابکی امراء کو گرفتار کر کے حکومت کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے لی' ابن مقدم دمشق میں تھا' اسے خبر ہوئی تو اس نے جوش انتقام میں سیف الدین غازی کو دمشق حوالہ کرنے کے لیے بلا بھیجا' لیکن وہ اسے فریب سمجھ کر نہ آیا۔

دمشق کے تمام امراء سعد الدین کے اقتدار و استبداد کی وجہ سے اس کے خلاف ہو گئے تھے' انہوں نے متفقہ طور سے صلاح الدین ایوبی کو دمشق آنے کی دعوت دی۔

(دولت اتا بکیہ موصل ص ۳۸۱ تا ۳۹۱)

اس زمانہ میں شام کے حالات کچھ ایسے تھے' کہ اس کو صلیبیوں سے بچانے کی اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی کہ یہاں کی زوال پذیر اتابکی حکومت کو ختم کر کے ایک طاقتور حکومت قائم کر دی جائے اتابکی حکومت کے قیام سے پہلے شام پر صلیبیوں کا جتنا غلبہ ہو گیا تھا' اور ان کے ہاتھوں یہاں کے مسلمان جس نوبت کو پہنچ گئے تھے' اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' اگر خدا نے عماد الدین زنگی اور نور الدین محمود کو نہ پیدا کر دیا ہوتا تو صلیبی سارے شام پر قابض ہو جاتے اور خدا جانے مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا ان دو باپ بیٹوں نے ان کا زور توڑا' لیکن ابھی یہ مہم پوری نہ ہوئی تھی' کہ نور الدین کا وقت آخر ہو گیا' بیت المقدس بدستور عیسائیوں کے قبضہ میں تھا اور شام میں ان کی کئی حکومتیں قائم تھیں۔ اور سارا یورپ ان کی پشت پناہی پر تھا' ان کے مقابلہ کے لیے ایک بڑی طاقت کی ضرورت تھی ورنہ شام پر ان کا قبضہ ہو جانا یقینی تھا' اتابکی حکومت کا یہ حال تھا کہ نور الدین کی آنکھ بند ہوتے ہی اتابکی خاندان کی دونوں شاخوں دمشق اور موصل میں اختلافات شروع ہو گئے' سیف الدین غازی فرمانروائے موصل نے دمشق کی حکومت کے مقبوضات پر فوج کشی شروع کر دی تھی اور صلاح الدین ایوبی کے خطرہ سے بچنے کے لیے صلیبیوں سے مل گیا تھا' نور الدین کا لڑکا صغیر السن تھا' اس کے امراء خود غرضی اور جاہ و اقتدار کی کشمکش میں مبتلا تھے اور کسی قیمت پر بھی صلاح الدین کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے' ان کے علاوہ شام کے اور چھوٹے چھوٹے حکمران کسی شمار میں نہ تھے' صلیبیوں کے مقابلے میں صرف صلاح الدین ایوبی ہی نور الدین کی صحیح جانشینی کر سکتا تھا' لیکن زوال پذیر اتابکی

حکومت کی موجودگی میں سرزمین شام میں صلیبیوں کا مقابلہ ناممکن تھا' اس کی حیثیت صلاح الدین کے زمانہ میں ویسی ہی تھی' جیسی نورالدین کے زمانہ میں دمشق کی پوری حکومت تھی' اس لیے صلیبیوں کے مقابلہ کے لیے اس کانٹے کو صاف یا کم از کم اس کی مضرتوں کو دور کرنا ضروری تھا۔

اتابکی حکومت کی اس ابتری اور شام کی حفاظت کے لیے صلاح الدین کی ضرورت کا اعتراف لین پول تک کو ہے' چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

دمشق میں ملک الصالح اور یروشلم میں بالڈون حاسد اور جاہ پرست مشیروں کے سپرد ہو گئے تھے' ایسی صورت میں وہ ایک شدید العزم حملہ آور کے مقابلہ میں کوئی بڑی مزاحمت کی طاقت نہ رکھتے تھے' بالخصوص اس حالت میں جب کہ اس حملہ آور کے پاس ایک زبردست اور آزمودہ کار لشکر بھی موجود ہو' محض حب جاہ بہت سے لوگوں کو ایسی حالت میں جیسی کہ صلاح الدین اس وقت رکھتا تھا' اس طرف راغب کرتی ہے کہ وہ اپنے ہمسائیوں کی کمزوری سے نفع اٹھائیں' لیکن صلاح الدین کی نسبت ایسا خیال کرنا تاریخ کو غلط پڑھنے کے برابر ہو گا' جب تک صلاح الدین یہ نہ سمجھ لیتا کہ مسلمانوں کے عام فوائد بالخصوص ان کے دین کی حفاظت کے لیے اسے دخل دینے کی ضرورت پیش ہے' اس وقت تک وہ اپنی سلطنت کو بڑھانے میں تامل کرتا رہا اور ایک ایسے شخص کو نقصان پہنچا کر اپنا نفع مرتب کرنے کی ہوس نہ ہوتی جس سے زندگی میں قریب کے تعلقات تھے اور جس کا باپ صلاح الدین کا آقا اور سرپرست رہ چکا تھا' شام کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ جو کچھ صلاح الدین نے کیا' اس کے سوا دوسرا چارہ کار ہی نہ تھا' ورنہ پھر یہ دیکھنا پڑتا کہ وہ سلطنت جسے عمادالدین زنگی اور اس کے فرزند نورالدین نے بڑی جانفشانی سے قائم کی تھی' پارہ پارہ ہو کر یا تو ایسے امیروں میں تقسیم ہو جاتی جو باہم حریف و دشمن تھے' یا عیسائیوں کا اس پر قبضہ ہو جاتا' بے انصافی و بد نظمی ہر طرف پھیل رہی تھی' سلطان نورالدین کے فرزند ملک الصالح کے چچا کا بیٹا والی موصل اس کی اطاعت سے نہ صرف سرتابی کر چکا تھا بلکہ وہ الرہا کے علاقے اور دیگر صوبہ جات شام پر قابض و متصرف بھی ہو گیا تھا' اور جس امیر کی سپردگی میں حلب تھا' وہ لوگوں کا جانی دشمن ہو رہا تھا' جو ملک الصالح اسماعیل کے دربار میں پیش پیش تھے' شام کے اکثر بڑے بڑے جاگیرداروں نے خود مختاری اختیار کی

تھی، گویا اسلام کا آج کل شام میں کوئی سردار باقی نہ رہ گیا تھا' اگر فرنگی خود خراب نہ ہوتے تو پھر زنگی سلطان کے اجزاء کا جو ان کے جی میں آتا وہ حال کرتے۔

(صلاح الدین لین پول ص ۱۱۷، ۱۱۸)

آگے چل کر کہتا ہے:

دمشق کی مجلس وزراء نے چپ بیٹھے یہ دیکھا کہ سیف الدین غازی شہروں کو لوٹ رہا ہے اور فرنگیوں کو روپیہ دے کر ان کو راضی کر لیا ہے' یہ بات ایسی تھی جو صلاح الدین کو جلا کر خاک کر دینے والی تھی' اور ان امیروں کی طرف سے بے حد نفرت پیدا کرنے والی تھی' امرائے دمشق دونوں طرف کے ہمسائیوں سے خائف رہتے تھے' ایک طرف تو اتابک موصل سیف الدین غازی تھا' اور دوسری طرف مصر کا مالک صلاح الدین تھا' ان دونوں سے محفوظ رہنے کے لیے امرائے دمشق وہی حرکت کرتے تھے جو عماد الدین زنگی سے محفوظ رہنے کے لیے دمشق کے وزیر معین الدین نے کی تھی' یعنی ان امیروں نے بھی ملیسوں سے ویسا ہی میل ملاپ کر لیا جیسا کہ اس نے کیا تھا۔ (صلاح الدین لین پول ص ۱۱۹)

یہ وہ حالات تھے جنہوں نے صلاح الدین ایوبی کو اہل دمشق کی دعوت قبول کرنے پر مجبور کیا چنانچہ ربیع الاول ۵۷۸ھ میں وہ دمشق پہنچا اور اتابکی امراء نے شہر اس کے حوالہ کر دیا' اس نے الملک الصالح کے اطمینان کے لیے اعلان کیا کہ "میرے آنے کا مقصد ملک چھیننا نہیں ہے' بلکہ میں اپنے آقازاد کی خدمت اور اس کے ملک کو سیف الدین غازی کے قبضہ سے چھڑانے آیا ہوں۔ (دولت اتابکیہ موصل ص ۳۴۲)

لیکن جو مقصد صلاح الدین کے پیش نظر تھا' اس کی تکمیل کے لیے تنہا دمشق پر قبضہ کافی نہ تھا' اس لیے دمشق کے بعد اس نے حمص اور حماۃ کا رخ کیا' یہاں کے باشندوں نے روکنے کی کوشش کی لیکن صلاح الدین نے انہیں شکست دے کر قبضہ کر لیا' اس کے بعد حلب پہنچا' الملک الصالح یہاں موجود تھا' اس نے اہل حلب سے رو رو کر فریاد کی کہ یہ ظالم احسان فراموش میرے باپ کے احسانات بھلا کر میرا ملک چھیننے کے لیے آیا ہے اس کو خدا اور مخلوق کسی کی شرم باقی نہیں ہے' اس کی اس درد انگیز فریاد سے اہل حلب بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے صلاح الدین کے مقابلہ میں پوری قوت صرف کر دی اور اس کو آگے نہ بڑھنے دیا' اسی دوران میں اتابکی امراء کے اشارہ سے ملیسوں نے حمص پر فوج کشی کر

دی اس لیے صلاح الدین کو انہیں روکنے کے لیے لوٹ جانا پڑا' صلیبیوں کا مقصد صرف اسے حلب سے ہٹانا تھا' اس لیے وہ بھی واپس چلے گئے اسی سلسلے میں صلاح الدین نے بعلبک پر قبضہ کرلیا۔

بعلبک پر صلاح الدین کے بعد صالح' سیف الدین سے مدد کا طالب ہوا گو ان دونوں میں باہم اختلاف تھا' لیکن شام میں صلاح الدین کی قوت سیف الدین کے لیے بھی خطرہ سے خالی نہ تھی اس لیے اس نے اپنے بھائی عزالدین بن مسعود کو فوجیں دے کر مدد کے لیے بھیجا' صلاح الدین کا مقصد اتابکی حکومت کا مٹانا نہیں بلکہ محض اس کی مضرتوں کا دور کرنا تھا' اس لیے اس نے دمشق لینے کے بعد اس سے صلح کرلینی چاہی اور سیف الدین غازی کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر الملک الصالح کے نائب کی حیثیت سے صرف دمشق اس کے پاس رہنے دیا جائے تو وہ حمص و حماۃ واپس کرنے کے لیے تیار ہے لیکن سیف الدین نے اسے منظور نہ کیا اور جواب دیا کہ جب تک ہمارے کل مقبوضات واپس نہ کرو گے اس وقت تک صلح نہیں ہو سکتی' صلیبیوں کے مقابلہ کے لیے دمشق کو قبضہ میں رکھنا ضروری تھا' اس لیے صلاح الدین اس کو واپس کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوا اور اسے مجبور ہو کر عزالدین کے مقابلہ میں آنا پڑا اور اس کو شکست دے کر حلب کا محاصرہ کرلیا' پھر چند دنوں کے بعد اس شرط پر صلح ہو گئی کہ شام کے جن حصوں پر صلاح الدین کا قبضہ ہو چکا ہے وہ بدستور اس کے قبضہ میں رہیں گے اور باقی اتابکی علاقہ کی طرف وہ قدم نہ بڑھائے گا۔

اس مصالحت کے بعد صلاح الدین اتابکی حکومت کی برائے نام ماتحتی سے بھی آزاد ہو گیا اور اپنے ملک میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا اور مستضی نے اسے خلعت اور پروانہ حکومت عطا کر دیا لیکن یہ صلح زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی' ۵۷۱ھ میں سیف الدین غازی صلاح الدین کے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا' اس نے سیف الدین کو شکست دے کر بزاعہ' منبج اور قلعہ عزاز پر قبضہ کرلیا اور ۵۷۲ھ میں حلب پر فوج کشی کر دی' اہل حلب میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے انہیں جھک کر صلح کرنی پڑی۔

عزاز کا قلعہ نہایت اہم تھا' اس کے بغیر حلب کی حفاظت نہیں ہو سکتی تھی' اس لیے اہل حلب سلطان نورالدین کی ایک چھوٹی بچی کو صلاح الدین کے پاس لے گئے اور اسے سکھایا کہ اگر صلاح الدین تم کو کچھ دینا چاہے تو تم اعزاز کا قلعہ مانگنا' صلاح الدین اپنی آقا

زادی کے ساتھ بڑی عزت اور لطف و محبت سے پیش آیا اور بہت سے ہدایا و تحائف دیئے لڑکی نے کہا مجھے عزاز کا قلعہ چاہیے سلطان نے اس کے سوال کو رد نہ کیا اور اعزاز کا قلعہ واپس کر دیا۔ (یہ حالات ملخصاً" ابن اثیر سے ماخوذ ہیں)

حلب اور عزاز کے محاصرہ کے دوران میں اسماعیلی باطنیوں نے دو مرتبہ سلطان پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن خدا نے دونوں مرتبہ بچالیا' فاطمی حکومت کا داغ آسانی سے فاطمیوں کے دل سے مٹنے والا نہ تھا' لیکن صلاح الدین کے مقابلہ میں بے بس تھے۔ اس لیے انہوں نے ایک طرف اس پر بزدلانہ حملے شروع کیے' دوسری طرف اس کی مخالفت میں' جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا' فرنگیوں سے مل گئے' سب سے پہلی مرتبہ انہوں نے حلب کے پہلے محاصرہ کے دوران میں سلطان پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن سلطان کو کوئی گزند نہ پہنچا اور حملہ آور گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا' دوسری مرتبہ ۵۷۲ھ میں عزاز کے محاصرہ کے دوران خنجر سے وار کیا لیکن خود کی وجہ سے کارگر نہ ہوا اور چہرہ پر خفیف خراش رہ گئی سلطان نے حملہ آور باطنی کو زمین پر گرا دیا وہ قتل کر دیا گیا' اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی باطنی حملہ آور ہوئے لیکن سب مارے گئے۔ (یہ حالات ملخصاً" ابن اثیر سے ماخوذ ہیں)

اس درمیان میں وقتاً" فوقتاً" فرنگیوں سے بھی جنگ کا سلسلہ جاری رہا' بعض اہم واقعات یہ ہیں' ۵۷۶ھ میں صلاح الدین نے عسقلان پر جو ساحل شام پر فرنگیوں کا بہت اہم مقام تھا' حملہ کیا اموری فرمانروائے یروشلم مقابلہ میں آیا' صلاح الدین نے اس کو بڑی فاش شکست دی اس شکست کے بعد فرنگیوں نے ایلہ میں اجتماع کیا' صلاح الدین نے بری اور بحری دو سمتوں سے حملہ کر کے ایلہ فتح کر لیا۔

مصر سے فاطمیوں کے اثرات بڑی حد تک زائل ہو چکے تھے' لیکن ان کی حامی بعض خفیہ جماعتیں اب تک موجود تھیں' جن کی کوششیں صلاح الدین کے خلاف جاری تھیں' چنانچہ ۵۶۹ھ میں چند اشخاص عبادہ بن ابوالحسن یمنی' عبدالصمد کاتب' قاضی عویرض اور فاطمیوں کے داعی اعظم نے شام کے فرنگیوں اور سسلی وغیرہ کے فرمانرواؤں سے امداد کا وعدہ کر کے انہیں مصر پر حملہ کے لیے آمادہ کیا لیکن اس سازش کا علم صلاح الدین کو ہو گیا' اس نے ان سب کو پکڑ کر سولی پر لٹکا دیا۔

شام کے عیسائیوں کو اس کی اطلاع ہو گئی اس لیے انہوں نے تو ارادہ ملتوی کر دیا'

لیکن سسلی والوں کو خبر نہ ہو سکی' انہوں نے دو سو جہازوں کے ساتھ اسکندریہ پر بحری حملہ کیا' اس وقت صلاح الدین ناقوس میں تھا' اسکندریہ میں فوج بھی کم تھی اس کے باوجود یہاں کے باشندوں نے بڑی شجاعت و پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور فرنگیوں کے چھکے چھڑا دیئے' اس دوران میں صلاح الدین پہنچ گیا' اس کی آمد سے اہل اسکندریہ میں ایک نئی قوت پیدا ہو گئی۔

اور انہوں نے فرنگیوں کو بڑی فاش شکست دی وہ ایسی بد حواسی سے بھاگے کہ بہت سے سمندر میں ڈوب گئے' اور اس کشمکش میں ان کے کئی جہاز غرق ہو گئے اور وہ باحال تباہ سسلی واپس گئے۔

دمشق پر صلاح الدین کے قبضہ کے بعد جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے شام میں صلاح الدین کی قوت بڑھ گئی تھی اور فرنگیوں کو اس کی جانب سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا' اس لیے انہوں نے ۵۷۱ھ میں اس سے صلح کر لی۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۶۴)

لیکن شام سے صلاح الدین کے مصر واپس جانے کے بعد ہی انہوں نے دمشق کے علاقہ پر حملہ کر دیا' صلاح الدین کے بھائی تورانشاہ نے مقابلہ کیا' لیکن اس کو بڑی فاش شکست ہوئی' فرنگیوں نے اس کے بہت سے امراء گرفتار کر لیے اور دمشق کے سارے علاقہ میں پھیل گئے۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۶۵) صلاح الدین اس وقت بعض دوسری مہموں میں مشغول تھا' اس لیے ادھر متوجہ نہ ہو سکا' ۵۷۳ھ میں جب کہ ساحل شام کے فرنگی دوسری سمتوں میں منتشر تھے' صلاح الدین نے میدان خالی پا کر عسقلان پر حملہ کر دیا اور مسلمان پورے علاقے میں پھیل گئے' خود صلاح الدین رملہ کی طرف بڑھا' راستہ میں ایک دریا کو عبور کر رہا تھا کہ دفعتہ" فرنگی فوجیں نمودار ہو گئیں' صلاح الدین کے پاس اس وقت کل چند سو آدمی تھے' تاہم اس کے بھتیجے محمد اور فقیہ عیسیٰ نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا لیکن دونوں کی قوت میں کوئی تناسب نہ تھا' محمد نے شہادت حاصل کی فقیہ عیسیٰ گرفتار ہو گئے اور صلاح الدین کو شکست ہوئی' اس نے ساٹھ ہزار اشرفی زر فدیہ دے کر فقیہ عیسیٰ کو چھڑا دیا۔ (کتاب الروضتین ج ۱ ص ۲۷۲) اسی سنہ میں فرنگیوں نے حماۃ پر حملہ کیا' لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اہل حماۃ نے انہیں شکست دے کر واپس کر دیا۔

**مستضئی کی وفات** ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں مستضئی بامراللہ کا انتقال ہو گیا' اس وقت ۳۹

سال کی عمر تھی' مدت خلافت نو سال سات مہینے۔

وہ بڑا صالح' نیک سیرت اور کامیاب خلیفہ تھا' دنیائے اسلام کے اکثر فرمانروا اس کے مطیع تھے اور وسط ایشیاء سے لے کر مصر و مغرب تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا' ملک کے امن و امان اور مرفہ الحالی کے اعتبار سے بھی اس کا زمانہ ممتاز تھا' ابن اثیر کا بیان ہے کہ مستضی عادل اور رعایا کے ساتھ شفیق تھا' بے دریغ روپیہ صرف کرتا تھا' مقررہ محاصل کے علاوہ رعایا سے ایک حبہ زیادہ نہ لیتا تھا' اس کے زمانہ میں ملک کو اس قدر امن و سکون اور راحت و طمانیت حاصل تھی' جس کی مثال نہیں ملتی' مزاج میں حلم و عفو غالب تھا' خطاؤں پر کم مواخذہ کرتا تھا' درگذر اور چشم پوشی سے کام لیتا تھا' رعایا کے لیے اس کا زمانہ ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات تھا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۷۳)

کان ایامه من حسن سیرته مواسم الحج والاعیاد والجمع

ابن جوزی کا بیان ہے کہ تخت نشینی کے بعد ہی اس نے تمام ناجائز ٹیکس موقوف کر دیئے' جس کی جو چیز ظلم و زیادتی سے لی گئی تھی' واپس کر دی گئی اور اتنا عدل و انصاف اور لطف و کرم ظاہر کیا کہ ہم نے ساری عمر میں نہ دیکھا تھا' بنی ہاشم علویوں' علماء اور مدارس اور خانقاہوں پر بے دریغ صرف کرتا تھا' اس کی نگاہ میں مال و زر کی کوئی وقعت نہ تھی اس کا ابر کرم ہمیشہ برستا رہتا تھا' تخت نشینی کے وقت تمام وابستگان اور عمالان حکومت کو بیش قیمت خلعتیں عطا کیں' جن میں سترہ سو فیصد ریشمی قبائیں تھیں' عام مجمعوں میں بہت کم نکلتا تھا اور جب کبھی نکلتا تو پورے شکوہ و تجمل کے ساتھ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۵'۴۵۶)

ذہبی کا بیان ہے کہ وہ بڑا مخیر فیاض اور حامی سنت تھا اس کے زمانہ میں سارے ملک میں امن و امان رہا۔ (دول الاسلام ج ۲ ص ۶۴) اللہ تعالیٰ نے اس کے زمانہ میں بڑی سعادت عطا فرمائی تھی' یمن سے لے کر مصر و مغرب تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور سارے فرمانروا اس کے مطیع و منقاد تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۶)

# ابو العباس احمد بن مستضی الملقب بہ ناصر لدین اللہ

## ۵۷۵ھ تا ۶۲۳ھ --- مطابق --- ۱۱۷۹ء تا ۱۲۲۵ء

مستضی کی وفات کے بعد ذیقعدہ ۵۷۵ھ میں اس کا لڑکا احمد الملقب بہ ناصر لدین اللہ تخت نشین ہوا' اس وقت ۲۲ سال کی عمر تھی۔

مستضی کے زمانہ میں دنیائے اسلام میں دو اہم واقعے رونما ہوئے ایک سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضہ سے چھڑایا اور تیسری جنگ صلیبی ہوئی' دوسرے تاتاریوں کا طوفان اٹھا' جس نے دنیائے اسلام کو زیر و زبر کر ڈالا' آئندہ صفحات میں ان دونوں کے مختصر حالات پیش کیے جاتے ہیں۔

**سیف الدین غازی والی موصل اور الملک الصالح والی حلب کا انتقال** ناصر کی تخت نشینی کے دوسرے سال صفر ۵۷۶ھ میں سیف الدین غازی والی موصل کا انتقال ہو گیا' اس کے دو لڑکے تھے معز الدین سنجر شاہ اور ناصر الدین' یہ دونوں صغیر السن تھے' اس لیے سیف الدین غازی نے مرتے وقت اپنے چھوٹے بھائی عز الدین مسعود کو جو خاندان میں سب سے زیادہ اہل تھا اپنا جانشین بنایا۔

سیف الدین غازی کی وفات کے سال ڈیڑھ سال بعد رجب ۵۷۷ھ میں الملک الصالح والی حلب کا بھی وقت آخر آ گیا' اس کی کل انیس سال عمر تھی وہ لاولد تھا اس لیے مرتے وقت وہ بھی عز الدین مسعود کو ملک حوالہ کرنے کی وصیت کر گیا۔

ملک الصالح بڑا صالح و سعید تھا' نوجوانی میں بھی وہ پاکدامن رہا' مرض الموت میں طبیبوں نے دوا میں شراب کا استعمال تجویز کیا' اس نے فقہاء سے پوچھا' انہوں نے دوا کے طور پر استعمال کے جواز کا فتویٰ دے دیا' ملک الصالح نے سوال کیا کہ کیا اس کے استعمال سے موت کا وقت ٹل سکتا ہے؟ فقہاء نے کہا نہیں' ملک الصالح نے پینے سے انکار کر دیا اور کہا پھر میں خدا کی حرام کی ہوئی چیز کو استعمال کر کے اس سے نہ ملوں گا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۷۸)

اس کی موت کے بعد اتابکی امراء نے اس کی وصیت کے مطابق حلب عزالدین مسعود کے حوالہ کر دیا' لیکن چند ہی دنوں کے بعد اس کے دوسرے چچیرے بھائی عمادالدین والی سنجار نے' سنجار کو صلاح الدین کے حوالہ کرنے کی دھمکی دے کر سنجار سے حلب کا تبادلہ کر لیا۔

**عزالدین کی مخالفت اور صلاح الدین کا شام میں ورود** عزالدین مسعود اور عمادالدین دونوں صلاح الدین کے خلاف تھے خاص طور سے عزالدین کو سلطان سے بڑا عناد تھا' چنانچہ ان دونوں نے سلطان کی مخالفت شروع کر دی' عمادالدین نے صلاح الدین کے علاقہ راوندان پر حملہ کر دیا اور عزالدین' صلاح الدین' کے خلاف فرنگیوں اور باطنیوں سے مل گیا اور انہیں سلطان کے خلاف ابھارا اور باطنیوں کو علاقہ دینے اور حلب میں ان کا تبلیغی مرکز قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۳' ۲۴)

سلطان اور حلب و موصل کے سابق فرمانرواؤں میں عہد و پیمان تھا' اس کی مدت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی' اس لیے عزالدین اور عمادالدین کی اس مخالفت کے باوجود سلطان نے ان کی جانب کوئی اقدام مناسب نہیں سمجھا' مگر ان دونوں کی مخالفانہ سرگرمی برابر جاری رہی' اس کا نتیجہ نہ صرف سلطان بلکہ شام کے مسلمانوں کے لیے سخت مضر تھا' اس لیے اسے مجبور ہو کر شام کا قصد کرنا پڑا۔ لین پول لکھتا ہے۔

جب رعایا کی حفاظت کے لیے صلاح الدین نے پھر شام پہنچنے کا قصد کیا تو معلوم ہوا کہ خاندان زنگی کے شہزادوں (عزالدین و عمادالدین) نے اپنا ایمان اور اپنی عزت اتنی فراموش کر دی ہے کہ ایک باضابطہ عہد نامہ نہ صرف عیسائیوں بلکہ شیخ الحشاشین (حشیش عربی میں بھنگ کو کہتے ہیں چونکہ باطنی بھنگ استعمال کرتے تھے' اس لیے ان کو حشاشین بھی کہتے ہیں) سے اس مضمون کا کر لیا ہے کہ سب مل کر صلاح الدین کا مقابلہ کریں گے کیونکہ صلاح الدین حشاشین اور عیسائیوں کا یکساں دشمن ہے' لیکن اس پر بھی صلاح الدین اپنے قول و عہد سے نہ پھرا' رعایا کی حفاظت کے خیال سے وہ شام آیا' مگر تاوقتیکہ صلح کی معیاد ختم نہ ہوئی اس نے کوئی مخالف کاروائی اپنے دغاباز اتحادیوں کے ساتھ نہ کی۔

صلاح الدین کی مصر سے روانگی کے ساتھ ہی فرنگیوں نے کرک کے قریب اس کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ دوسری سمت نکل گیا اور طبریہ و بیسان وغیرہ فرنگی علاقوں پر

حملہ کرتا ہوا مکہ تک بڑھتا چلا گیا اور فرنگیوں کو شکست دے کر واپس گیا۔

اس دوران میں اس کے دمشقی نائب عزالدین فرخ شاہ نے دبوریہ و شقیف کے فرنگی قلعوں پر جو عین اسلامی سرحد پر تھے فتح کر کے یہاں مسلمانوں کی چوکی قائم کی۔

(کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۸)

اس سنہ میں صلاح الدین نے بیروت پر بحری و بری دونوں سمتوں سے حملہ کیا' حملہ کے دوران میں اطلاع ملی کہ بیت المقدس کے فرنگی زائرین کا ایک جہاز دمیاط آ رہا ہے بیروت بڑا مستحکم شہر تھا' اس کی تسخیر کے لیے عرصہ درکار تھا' اس لیے سلطان اسے چھوڑ کر فرنگی جہازوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا اور ان پر حملہ کر کے ایک ہزار چھ سو فرنگی گرفتار کر لیے۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۸۱)

**جزیرہ پر سلطان کا قبضہ** سلطان کے مقاصد میں سب سے زیادہ مزاحم زنگی خاندان اور شام و جزیرہ کے وہ چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران تھے' جو بیشتر اتابکی حکومت سے متوسل تھے' ان کی جانب سے اطمینان حاصل کیے بغیر یکسوئی سے فرنگیوں کا مقابلہ مشکل تھا' اتفاق سے اسی زمانہ میں اتابکی حکومت کا ایک متوسل امیر مظفر الدین کوکبری والی حران عزالدین مسعود کے خلاف ہو گیا اور سلطان سے مل کر اس کو جزیرہ پر حملہ کی دعوت دی' اس دعوت پر سلطان بیروت سے واپسی کے بعد فرات کو عبور کر کے جزیرہ کی طرف بڑھا اور اعلان عام کر دیا کہ جو فرمانروا اس کی اطاعت قبول کر لے گا اس کو اس کے علاقہ پر بحال رکھا جائے گا' ورنہ بزور شمشیر اس کو مطیع بنایا جائے گا' اس اعلان پر بہت سے فرمانرواؤں نے سلطان کی قوت و سطوت سے ڈر کر اس کی اطاعت قبول کر لی' سلطان نے انہیں ان کے علاقوں پر بحال رکھا' جنہوں نے سرتابی کی' انہیں بزور شمشیر مطیع بنایا گیا اور جزیرہ کا بڑا حصہ اس کے زیر نگیں ہو گیا۔ (ابو شامہ نے اس کی طویل تفصیل لکھی ہے ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے۔)

یہ صورت دیکھ کر عزالدین مسعود اور عمادالدین دونوں سلطان کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے اور عمادالدین نے اپنا علاقہ عزالدین کی حفاظت میں دے دیا۔

**موصل پر فوج کشی اور سنجار پر قبضہ** ۵۸۸ھ میں سلطان نے موصل پر فوج کشی کر دی' سلطان نورالدین مرحوم جیسے تجربہ کار نے جنگی نقطہ نظر سے اس کے استحکامات تعمیر

کیے تھے' اس کے علاوہ عزالدین کے نائب مجاہد الدین قائماز نے مدافعت کے انتظامات بھی نہایت مکمل کیے تھے اس لیے صلاح الدین کی پوری فوجی قوت اور جنگی تدبیریں اس کی تسخیر میں ناکام رہیں' عزالدین مسعود نے سلطان سے صلح کرنے کی کوشش کی' لیکن اس نے ایسے شرائط پیش کیے جو عزالدین کے لیے ناقابل قبول تھے' اس لیے صلح نہ ہو سکی۔

سلطان نے جب دیکھا کہ موصل کی تسخیر کے لیے عرصہ درکار ہے تو اسے چھوڑ کر عزالدین مسعود کے بھائی شرف الدین کے علاقہ سنجار پر فوج کشی کی' اس نے پورا مقابلہ کیا لیکن سلطان نے اسے شکست دے کر فتح کر لیا اور اپنے سالے سعد الدین مسعود کو یہاں کا حاکم بنایا۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۳۳ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۸۴)

**آمد پر قبضہ** سنجار کے قریب ہی آمد کی دولت مند ریاست تھی' اس کا خزانہ طلائی و نقرئی سامانوں اور عجائبات و نوادر سے بھرا ہوا تھا' لیکن یہاں کا فرمانروا نہایت غافل اور نااہل تھا' اور حکومت کی باگ ایک جابر امیر بہاؤالدین بن نیسان کے ہاتھوں میں تھی' اس کے مظالم سے رعایا تنگ تھی' چنانچہ آمد کا ایک امیر محمد بن قراء اس کے خلاف ہو گیا اور سلطان صلاح الدین کو آمد پر حملہ کی دعوت دی' اس کی دعوت پر سنجار سے فراغت کے بعد سلطان نے آمد پر فوج کشی کی' آمد بھی موصل کی طرح نہایت سنگین و مستحکم تھا اور اس کا فتح کرنا بہت مشکل تھا' سلطان نے تیروں کے ذریعے شہر میں یہ تحریر پھنکوائی کہ جو لوگ اطاعت قبول کر لیں گے ان کے ساتھ فتح کے بعد احسان کیا جائے گا اور جو مقابلہ کریں گے' ان سے پورا بدلہ لیا جائے گا اہل شہر خود بہاؤالدین کی زیادتیوں سے تنگ تھے' اس لیے انہوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا' اور سلطانی فوجوں نے شہر پناہ توڑ دی' یہ صورت دیکھ کر ابن نیسان نے سلطان کے وزیر قاضی فاضل کے ذریعہ اس شرط پر شہر حوالہ کر دیا کہ تین دن کے اندر وہ جتنا سامان لے جاسکے گا لے جانے دیا جائے گا' چنانچہ تین سو آدمی برابر تین دن تک سامان ڈھوتے رہے اس کے باوجود اس کا دسواں حصہ بھی نہ جا سکا اور چوتھے دن ابن نیسان کو مع باقی سامان کے شہر چھوڑ دینا پڑا اور محرم ۵۷۹ھ میں آمد پر سلطان کا قبضہ ہو گیا' آمد کا کتب خانہ اتنا عظیم الشان تھا کہ اس میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں' یہ سب سلطان نے قاضی فاضل کو دے دیں' سلطان نے محمد بن قراء کے لڑکے نورالدین کو آمد کا حاکم مقرر کیا' یہ سات برس تک آمد کے باقی ماندہ غیر ضروری

سامانوں کو فروخت کرتا رہا اور سارا ملک اس سے بھر گیا۔
(کتاب الروضتین ج ۲ ص ۳۳ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۸۳)

**حلب پر قبضہ** آمد پر قبضہ کے بعد سلطان دمشق واپس آ گیا اور تل خالد اور غیتاب فتح کر کے اسی سنہ میں حلب پر فوج کشی کی، اتابکی امراء نے بڑی پامردی سے مدافعت کی، لیکن عماالدین خود اپنے بخل اور جنگی مصارف کی کثرت اور بعض امراء کی مخالفت کی وجہ سے ہمت ہار گیا اور سنجار، نصیبین، خابور، رقہ اور سروج جیسے چھوٹے چھوٹے مقامات لے کر ان کے بدلہ میں حلب جیسا اہم مقام سلطان کے حوالہ کر دیا۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۴۲، ۴۳) حلب پر قبضہ کے بعد شام میں سلطان کی قوت بہت بڑھ گئی، دریائے دجلہ سے دور نیل تک اور افریقہ کے ساحل پر طرابلس تک تمام بڑے بڑے شہر اس کے زیر نگیں اور مختلف قوتیں اس کے تابع فرمان ہو گئیں اور مکہ مکرمہ سے لے کر بغداد کی مسجدوں تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ (صلاح الدین ص ۱۵۲، ۱۵۳)

شام کے فرنگی فرمانرواؤں میں ریجی نالڈ (پرنس ارطاۃ) والی کرک سب سے زیادہ فریب کار، فتنہ پرست اور مسلمانوں کا دشمن تھا، شر و فساد اس کی فطرت میں داخل تھا، زیادہ تر وہی صلیبیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، لین پول نے اس کو مکار اور قزاق کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (صلاح الدین ص ۱۵۵) عہد و پیماں کی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی، معاہدوں کو توڑنے میں اس کو خاص شہرت حاصل تھی اس کو اس بات میں خاص مسرت ہوتی تھی کہ عافیت پسند مسلمان تاجروں کے کاروانوں اور غریب حاجیوں کے قافلوں کو جو مکہ یا مصر سے آتے تھے، لوٹ لیتا تھا۔ (صلاح الدین ص ۱۷۴)

اس کو اسلام اور مسلمانوں سے اتنی عداوت تھی کہ ۵۷۸ھ میں اس نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مگر پورا نہ ہو سکا، ایک سال بعد ۵۷۹ھ میں پھر اس نے کوشش کی،

لین پول لکھتا ہے کہ:

**حجاز پر ریجی نالڈ کا حملہ اور ناکامی** چونین کے ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر فوج کشی کا قصد کیا تاکہ مدینہ طیبہ میں آنحضرت ﷺ کے مزار مبارک کو منہدم اور مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کر دے اس کے لیے اس نے ایسے جہاز تیار کرائے جن کے

ٹکڑے ہو سکتے تھے' ان ٹکڑوں کو وہ کرک سے خلیج عقبہ کے ساحل پر لے گیا اور انہیں جوڑ کر جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کیا اور عیذاب کو لوٹنے چلا' عیذاب بحر قلزم کے افریقی ساحل پر واقع تھا' اس نے دو جہازوں کو بیچ میں ڈال کر ایلہ کا بحری راستہ بند کر دیا مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی تو ان کا جہازی بیڑا عیسائیوں کے بیڑے کے تعاقب میں چلا' اس کا امیر البحر لولو تھا۔ اس نے آتے ہی پہلے ایلہ کا بحری راستہ کھولا اور اپنی کل فوج کو الحوراء تک جو بحر قلزم کا چھوٹا بندرگاہ تھا' لے آیا' ریجی نالڈ نے اسی بندرگاہ سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا تھا' فرنگیوں نے جونہی اسلامی فوجوں کو آتے دیکھا وہ ایسے گھبرائے کہ جہازوں سے اتر کر پہاڑوں کی جانب بھاگے' لولو نے بدوؤں سے گھوڑے لے لے کر سپاہیوں کو ان پر سوار کیا اور دوڑ کر دشمن کو غار اور باغ میں جا پکڑا اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے' ریجی نالڈ خود بھاگ گیا' مگر اس کے ساتھ والوں میں بہت سے لوگ قتل کیے گئے' لولو نے کسی کو جان کی امان نہ دی۔ (صلاح الدین ص ۱۵۲ و ۱۵۳ عربی مورخین نے بھی اس واقعہ کا مختصر ذکر کیا ہے۔)

**حارم پر قبضہ** حلب پر تو سلطان کا قبضہ ہو گیا تھا' لیکن مملکت حلب کا ایک مضبوط قلعہ حارم اب تک عمادالدین کے پاس تھا' سلطان نے اس کی کوشش کی کہ عمادالدین حارم کا قلعہ اس کے حوالہ کر دے اور اس کے معاوضہ میں کوئی اور علاقہ لے لے' لیکن وہ اس کے لیے تیار نہ تھا اور فرنگیوں کو اپنی مدد پر آمادہ کر لیا' اس لیے حارم کے باشندے عمادالدین کے خلاف ہو گئے' اور اس کو گرفتار کر کے قلعہ سلطان کے حوالہ کر دیا' حارم پر قبضہ کے بعد حلب کے پورے علاقہ پر آسانی کے ساتھ سلطان کا قبضہ ہو گیا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۸۷)

**فرنگیوں سے معرکہ آرائی** حارم پر قبضہ کے بعد سلطان دمشق واپس آ گیا اور تمام ممالک محروسہ کی فوجیں جمع کر کے ۵۷۹ھ میں فرنگی علاقہ پر فوج کشی کی اور سب سے پہلے بیسان کا رخ کیا' یہاں کے فرنگی اپنا کل سازو سامان چھوڑ کر نکل گئے' یہ سب سلطانی فوج کے قبضہ میں آیا اور آگے بڑھ کر جابوت میں منزل کی ایک دستہ فرنگیوں کی تلاش میں روانہ کیا' راستہ میں کرک کے فرنگیوں سے سامنا ہو گیا' اتابکی دستہ نے حملہ کر کے ان کی بڑی تعداد قتل و گرفتار کر لی۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۵۰ و لین پول ص ۱۵۴)

لین پول لکھتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ہی لوسگنان کے گائی نے جو بالڈن کے زمانہ

علالت میں فرنگی افواج کی سپہ سالاری کے فرائض انجام دیتا تھا' صلاح الدین کے مقابلہ کے لیے الفوکہ میں اتنا زبردست اجتماع کیا کہ اس سے پہلے فسلطین میں اتنی صفیں جنگ کے لیے آراستہ نہ ہوئی تھیں' اس میں ایک ہزار تین سو مسیحی نائٹ اور پندرہ ہزار اچھے ہتھیار رکھنے والی پیدل فوج اور یورپ کے بڑے بڑے شریف زادے' ہنری' بودین کا ڈیوک' ہلینی کا رالف' اس کے علاوہ شام کے بڑے بڑے مسیحی رئیس گائی' ریجی نالڈ' بالڈون' علبین کا بالیاں صیدا کا ریجی نالڈ' تیساریہ کا والٹر اور کورنتی جوسلن وغیرہ تھے' اس لیے سلطان بھی عین جالوت سے الفوکہ پہنچا' دونوں میں مقابلہ ہوا' ایک خونریز معرکہ کے بعد فرنگی الفوکہ سے ہٹ کر عین جالوت چلے گئے' سلطان بھی ان کے عقب سے پہنچا اور ان کے چاروں طرف فوجوں کا حصار قائم کر کے انہیں میدان میں لانے کی بڑی کوشش کی لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے' یہ صورت دیکھ کر سلطان نے انہیں راستہ دے دیا' فرنگیوں نے راہ فرار اختیار کی اور سلطان نے ان کا تعاقب کر کے بے دریغ قتل و گرفتار کیا' اور ان کے علاقے کفربلا' بیسان اور زرعین کو ویران کر ڈالا۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۵۰)

لین پول لکھتا ہے کہ "عین جالوت میں سلطان نے ناکہ بندی کر کے فرنگیوں کا سامان رسد بند کر دیا کھانے پینے کی کوئی چیز اس حلقہ سے جو مسلمانوں نے صلیبیوں کے گرد باندھ رکھا تھا' نکل کر عیسائیوں تک نہ پہنچ سکتی تھی' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل صلیب میں سخت قحط پڑ گیا' زمانہ وسط اکتوبر کا تھا برسات قریب آ رہی تھی' صلاح الدین نے بہت کوشش کی کہ صلیبی کسی طرح جنگ پر آمادہ ہوں' مگر وہ نہ آئے اور جہاں تھے' آخر کار وہیں سے بھاگنا شروع کر دیا' کمانوں سے نکلے ہوئے تیر اڑ اڑ کر ان کا تعاقب کرتے تھے' غرض یہ فراری عیسائی بے حد خجل و شرمندہ ہو کر صفوریہ میں آئے یہی وہ مقام تھا' جہاں سے وہ بڑی شان سے صفیں باندھ کر لڑنے کو نکلے تھے۔ (صلاح الدین ص ۱۵۵)

اس مہم سے فراغت کے بعد ۵۷۹ھ میں سلطان نے اپنے سب سے بڑے دشمن ریجی نالڈ کے علاقہ کرک پر فوج کشی کی' اس کی شہرپناہ بڑی سنگین و مستحکم تھی' صلاح الدین نے سنگبار آلات کے ذریعہ اس کو توڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا' اسی دوران میں خبر آئی کہ ریجی نالڈ کی مدد کے لیے فرنگی والہ میں جمع ہو رہے ہیں' کرک کی تسخیر کے لیے عرصہ درکار تھا اس لیے سلطان دمشق لوٹ گیا۔

**کرک کی فتح** اور مصر و شام اور جزیرہ کی فوجوں کو جمع کر کے ۵۸۰ھ میں وہ دوبارہ بڑے اہتمام سے فوج کشی کے لیے نکلے اور فرنگیوں کی پوری مدافعت کے باوجود اس نے کرک فتح کر لیا لیکن اس کے قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا' وہ قلعہ کی تسخیر کی تدبیر میں تھا کہ خبر ملی کہ کرک کے محصورین کی مدد کے لیے امدادی فوجیں الوالا تک پہنچ گئی ہیں' اس لیے سلطان ان کو روکنے کے لیے الوالا چلا گیا اور ایک کھلے میدان میں فرنگیوں کے انتظار میں ٹھہر گیا' ان کو خبر ہو گئی تھی' اس لیے وہ راستہ چھوڑ کر دوسری جانب سے کرک پہنچ گئے' اس تازہ دم امدادی فوج کے بعد قلعہ کرک کی تسخیر اور زیادہ دشوار ہو گئی' اس لیے سلطان اسے چھوڑ کر نابلس اور سبطینہ کو لوٹتا ہوا دمشق لوٹ گیا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۸۹' ۱۹۰ و کتاب الروضتین ج ۲ ص ۵۶ ملخصاً)

لین پول نے اس سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ کرک کے محاصرہ کے دوران میں بادشاہ یروشلم امال مارک کی سوتیلی بہن ازبیلا کی شادی کی تقریب میں جشن منایا جا رہا تھا' دولہا دلہن یہیں تھے۔ صلاح الدین نے ریجی نالڈ کی دشمنی کے باوجود اس کے پاس شادی کا کھانا بھیجا اور فوج کو حکم دیا کہ جس برج میں دولہا اور دلہن ہیں ان پر تیر نہ پھینکے جائیں۔

(صلاح الدین ص ۱۵۶)

**صلاح الدین اور ریمنڈ والی طرابلس کی مصالحت** کرک سے سلطان کی واپسی کے چند ہی دنوں بعد ۸۵'۱۱۸۴ء مطابق ۸۱'۵۸۰ھ میں یروشلم کے فرمانروا امال مارک کا انتقال ہو گیا' وہ لاولد تھا' اس لیے اپنے صغیر السن بھانجے بالڈون کو اپنا جانشین بنا گیا اور لو سگنان کا گائی طرابلس کا فرمانروا ریمنڈ اس کے ولی قرار پائے' امال مارک کی موت کے بعد یروشلم کے عیسائیوں کا جوش کسی قدر ٹھنڈا پڑ گیا' اور ریمنڈ نے صلاح الدین سے چار سال کے لیے صلح کر لی اور یہ بھی عہد و پیمان ہو گیا کہ فریقین ہر حالت میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہیں گے اور ان میں سے کسی ایک یا دونوں پر جب کوئی تیسری قوت حملہ آور ہو گی تو فریقین ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ (صلاح الدین ص ۱۵۷)

لیکن اس صلح نامہ کا عام صلیبیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا اور ان کا جوش جہاد بدستور قائم رہا۔

لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین اور ریمنڈ کے ذہن میں اس صلح نامہ کی جو شکل

بھی ہو لیکن حقیقت میں یہ صلح ایسی ہی تھی جیسے لڑائی کے میدان میں سپاہی کو متنبہ ہو کر طبلی کی آواز سنتے ہی اڑ جائے' یہ صلح حقیقت میں صلح نہ تھی' اسی زمانہ میں بطریق ہیر یکلیوس مسیحی مجاہدوں کی بھرتی کے لیے یورپ میں گشت لگا رہا تھا' انگلستان کے نائٹ شی والی سے لے کر جبل البرانس تک جنگ مقدس کے لیے ملیس کندھوں پر رکھے ہوئے تھے' جس حال میں کہ مسیحی مجاہدوں کی دو جنگ آور جماعتیں الدایہ (ہاسپٹرس) اور الیسطار (ٹملپرس) کے نائب نصرانیت کے لیے تلوار چلانے کے لیے بیتاب ہوں تو یہی سمجھنا چاہیے کہ گو جنگ مقدس سو گئی تھی لیکن اس کا بیدار ہونا یقینی تھا۔ (صلاح الدین ص ۱۵۸' الدایہ اور الیسطار دونوں فرنگی مجاہدین کی بڑی پر جوش اور جانباز جماعتیں تھیں' اس میں یورپ کے بڑے بڑے امراء شامل تھے)

ابن اثیر نے اس صلح کی صورت یہ لکھی ہے کہ امارلی مارک کی موت کے چند ہی دنوں کے بعد اس کا جانشین بالڈون بھی مر گیا' اس کی موت کے بعد یروشلم کا تخت اس کی ماں کو ملا' اس نے ایک شخص (گائی) سے شادی کر کے تاج و تخت اس کے حوالے کر دیا' بالڈون کی صغر سنی کی وجہ سے یروشلم کی حکومت کی باگ ریمنڈ کے ہاتھوں میں تھی' اس لیے اس سے دستبرداری اس کو بڑی شاق ہوئی اس پر طرہ یہ ہوا کہ گائی نے اس سے بالڈون کے زمانہ کا حساب کتاب طلب کیا' اس لیے گائی کے ساتھ اس کی مخالفت اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ صلاح الدین سے مل گیا' سلطان نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ یروشلم کی حکومت اس کو دلا دے گا' ریمنڈ کا ملیسوں پر بڑا اثر تھا اس لیے اس صلح کے بعد بہت سے فرنگی بھی سلطان کے ساتھ ہو گئے' اور ان کی قوت دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئی۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۸)

**موصل پر فوج کشی اور عزالدین کی اطاعت** ادھر کچھ دنوں سے موصل کی حکومت پر عزالدین مسعود کا نائب السلطنت مجاہد الدین قائماز حاوی ہو گیا تھا اور عزالدین برائے نام حکمران رہ گیا تھا' اس لیے اس نے مجاہدین کے استبداد سے عاجز آ کر اسے گرفتار کر لیا' اس کی گرفتاری سے موصل کی حکومت کا سارا نظام بگڑ گیا اور اس کے ماتحت امراء و حکمرانوں نے عزالدین سے اپنا تعلق منقطع کر لیا اور اس کے پاس موصل رہ گیا' یہ صورت دیکھ کر عزالدین نے ناصرلدین اللہ کے ذریعہ سلطان صلاح الدین سے صلح کی کوشش کی مگر

صلح نہ ہو سکی اور سلطان نے ۵۸۱ھ میں موصل پر فوج کشی کر دی' عزالدین جنگ سے بچنا چاہتا تھا' چنانچہ جب سلطان قریب پہنچا تو عزالدین نے اپنی چچیری بہن یعنی سلطان نورالدین زنگی کی لڑکی کو اس امید پر سلطان کے پاس صلح کے لیے بھیجا کہ وہ اپنی آقازادی کی خواہش کو رد نہ کرے گا' سلطان نے امراء سے مشورہ کیا' اکثر امراء نے رائے دی کہ مرحوم سلطان کی لڑکی کو مایوس واپس نہ کرنا چاہیے' لیکن بعض امراء نے کہا ایک عورت کی خاطر موصل جیسے علاقہ کو چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے' عزالدین نے عورتوں کو محض اس لیے درمیان میں ڈالا ہے کہ اس میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۳)

صلاح الدین کی دلی خواہش بھی یہی تھی' اس لیے اس نے اپنی آقازادی کی ظاہری تعظیم و توقیر تو بہت کی اور بہت سے وعدے وعید بھی کیے' لیکن بلطائف الحیل اس کی درخواست ٹال دی۔ اس کا نہایت برا اثر پڑا' اہل موصل کے علاوہ خود صلاح الدین کے امراء اور اس کے وزیر قاضی فاضل تک نے اس کو ناپسند کیا اور جب اس نے موصل پر حملہ کیا تو اسے خود اپنی غلطی کا احساس ہوا' اہل موصل نے اس پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کیا کہ سلطان کی ساری جنگی تدبیریں ان کو مغلوب کرنے میں ناکام رہیں۔

اسی دوران میں شاہ ارمن والی خلاط کا انتقال ہو گیا' اس کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ اس نے کسی کو اپنا جانشین بنایا تھا' اس لیے اس کی موت کے بعد اس کا خسر شمس الدین پہلوان اور غلام بکتمر خلاط کی حکومت کے دعویدار ہو گئے' اہل خلاط ان دونوں کو ناپسند کرتے تھے' انہوں نے سلطان کو بلا بھیجا' موصل کی تسخیر کی فوری کوئی امید نہ تھی' اس لیے سلطان محاصرہ اٹھا کر خلاط چلا گیا' لیکن جب یہ قریب پہنچا تو شمس الدین اور بکتمر دونوں نے صلح کر لی۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۶۴)

اس کے بعد سلطان کے لیے کوئی موقع نہ رہ گیا تھا' اس لیے وہ پھر موصل لوٹ آیا اس مرتبہ اس میں اور عزالدین مسعود میں صلح ہو گئی' عزالدین مسعود نے شہر زور اور دریائے زاب کے آس پاس کا پورا علاقہ قرابلی اور بنی قفجاق کے اضلاع سلطان کو دے دیئے اور اپنے ملک میں اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور اتابکی حکومت ایوبی حکومت کے ماتحت ہو گئی اس کی جانب سے اطمینان ہونے کے بعد صلاح الدین کو صلیبیوں سے مقابلہ کا آزادی کے ساتھ موقع مل گیا۔ (صلاح الدین ص ۱۷۴)

**ریجی نالڈ کی بد عہدی** سلطان کا اصل مقصد ارض شام کو صلیبیوں سے پاک کرنا تھا' لیکن کچھ اندرونی حالات اور کچھ اس سبب سے کہ بعض فرنگی فرمانرواؤں سے وقتی مصالحت ہو گئی تھی' سلطان نے بھی اس مہم کی جانب پوری توجہ نہ کی تھی' اتفاق سے عزالدین مسعود سے مصالحت کے بعد ہی ریجی نالڈ کی عہد شکنی نے اس کا موقع بہم پہنچا دیا' صلح کے زمانہ میں بھی مسلمان تاجروں اور قافلوں کو لوٹنا اس نے مشغلہ بنا لیا تھا' لین پول کا بیان ہے کہ اس نے عین صلح کے زمانے میں ۱۱۷۹ میں ایک کاروان کو جو اس کے قلعہ کے نیچے اترا تھا' لوٹ لیا اور اس کے تمام آدمی گرفتار کر لیے' بادشاہ یروشلم نے اس پر اعتراض کیا اور کارواں کی رہائی اور لوٹے ہوئے مال کی واپسی کے لیے سفیر بھیجے۔ ریجی نالڈ نے ان کا مذاق اڑایا' ۵۸۳ھ میں پھر اس نے یہی حرکت کی' ۱۱۸۶ء میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کو لوٹ کر اہل قافلہ کو گرفتار کیا' جب ان لوگوں نے اس سے رہائی کے لیے کہا تو اس نے یہ طعن آمیز جواب دیا کہ تم محمدؐ پر ایمان رکھتے ہو' اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آکر تمہیں چھڑا لے اس کے ایک سال کے بعد اسے اس تمسخر اور استہزاء کی پوری سزا مل گئی' سلطان صلاح الدین نے اس کو سنا تو قسم کھا کر عہد کیا کہ "اس صلح شکن کافر کو خدا نے چاہا تو میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔" صلاح الدین نے جس بات کا عہد کیا تھا اسے کر دکھایا اور اس آخری کاروان پر حملہ نے یروشلم کی مسیحی سلطنت ہی کو ختم کر دیا' لین پول کے بیان کے مطابق اس کاروان میں سلطان کی بہن بھی تھی۔ (صلاح الدین ص ۱۷۴ و کتاب الروضتین ج ۲ ص ۷۵' ۷۶ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۹۹)

لیکن عربی تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں' اس میں اتنا اور اضافہ ہے کہ صلاح الدین نے ایک مرتبہ پھر مقابلہ کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی اور ریجی نالڈ کو لکھ بھیجا کہ وہ قیدیوں کو رہا اور لوٹے ہوئے مال کو واپس کر دے ورنہ اس کی سزا بھگتنا پڑے گی' لیکن ریجی نالڈ ضد پر قائم رہا اس سے صلاح الدین کا اشتعال اور بڑھ گیا اور اس نے عہد کر لیا کہ اگر اس کو ریجی نالڈ پر قابو حاصل ہو گیا تو اس کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دے گا۔

(صلاح الدین ص ۱۷۵'۱۷۶)

اور صلیبیوں نے فیصلہ کن جنگ کے لیے ممالک محروسہ میں جہاد کی عام منادی کر دی اور اپنے زیر اہتمام امراء اور فرمانرواؤں کو حکم دیا' کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لے کر جمع ہو

جائیں اس حکم پر عراق و کردستان کے تمام فرمانروا پہنچ گئے' اور سلطان محرم ۵۸۲ھ میں دمشق سے فلسطین روانہ ہو گیا' راس الماء میں اطلاع ملی کہ ریجی نالڈ حاجیوں کے قافلہ کو جو حجاز سے واپس آ رہا ہے لوٹنے کا ارادہ کر رہا ہے اس میں سلطان کا بھانجا حسام الدین بھی تھا' ابھی بعض اسلامی ممالک کی فوجیں نہ پہنچی تھیں اس لیے سلطان اپنے لڑکے الملک الفاضل کو راس الماء میں چھوڑ کر خود کرک روانہ ہو گیا' اس سے ریجی نالڈ کو قافلہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ صحیح و سلامت گذر گیا' سلطان نے کرک اور شوبک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔

اس دوران میں باقی ملکوں کی فوجیں بھی' جن کا انتظار تھا' راس الماء پہنچ گئیں' الملک الفاضل انہیں لے کر ساحل کے کنارے کنارے عکہ کی طرف بڑھا' صفوریہ کے قریب صلیبی مجاہدین کی مشہور جماعتوں الداویہ اور اسبتاریہ کا سامنا ہو گیا' الملک الفاضل نے انہیں بڑی فاش شکست دی' اسبتاریہ کا ایک ممتاز سردار قتل ہوا اور بہت سے گرفتار ہوئے' سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ کرک سے لوٹ کر ملک الفاضل سے مل گیا اور اسلامی فوجوں کا سیلاب طبریہ کی طرف بڑھا۔

(کتاب الروضتین ج ۲ ص ۷۵'۷۶' و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۰)

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ریمنڈ والی طرابلس' گائی فرماں روائے یروشلم کے خلاف تھا اور صلیبیوں کو چھوڑ کر سلطان سے مل گیا تھا' لیکن سلطان کی اس فوج کشی نے سارے عیسائی فرمانرواؤں کو چونکا دیا اور وہ سب اپنے اختلاف بھلا کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے متحد ہو گئے' گائی اور ریمنڈ غار یوسف کے قریب ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور عیسائیوں نے صلاح الدین کے مقابلہ کے لیے مقدس صلیب اٹھائی اور پچاس ہزار فرنگی صفوریہ کے مشہور شہر میں مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے جس میں ایک ہزار دو سو نائٹ تھے۔ (صلاح الدین ص ۱۷۵'۱۷۶)

سلطان کو اس اجتماع کی اطلاع ہوئی تو اس نے ربیع الثانی ۵۸۳ھ میں صفوریہ کا رخ کیا اور فرنگیوں کے قریب ہی طبریہ کی پہاڑی پر فوجیں اتاریں اور کئی دن تک فرنگیوں کے نکلنے کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے' سلطان ان کو باہر لانے کے لیے تھوڑی سی فوج لے کر طبریہ پہنچا طبریہ ریمنڈ کا مستقر تھا' لیکن وہ اس وقت صلیبی لشکر کے ساتھ

صفوریہ میں تھا' طبریہ میں صرف اس کے بیوی بچے تھے' اس لیے سلطان نے شہر پر آسانی کے ساتھ قبضہ کرلیا' لیکن قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۸۱)

سلطان کا خیال بالکل صحیح نکلا طبریہ پر قبضہ کی خبر سن کر صفوریہ کے فرنگیوں نے طبریہ پہنچنے کا قصد کیا' ریمنڈ نے اس کی مخالفت کی اور کہا اگر صلاح الدین قلعہ پر قبضہ کر کے میرے بیوی اور بچوں کو بھی گرفتار کرلے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ سارا ملک ہاتھوں سے نکل جائے' اگر ہم اس راستے سے گئے تو ہمارا غارت ہونا یقینی ہے۔ (صلاح الدین ص ۱۸۳) صلاح الدین کے پاس اس وقت اتنی قوت ہے کہ طبریہ کو اس سے واپس لینا ناممکن ہے' لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہر سکتا' اس کی واپسی کے بعد ہم آسانی کے ساتھ طبریہ پر قبضہ کرلیں گے' لیکن ریمنڈ اور سلطان کے سابق تعلقات کے بنا پر عیسائیوں نے اس مشورہ کو بد دیانتی پر محمول کیا اور طبریہ روانہ ہو گئے۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۱) سلطان تھوڑی سی فوج طبریہ کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر اپنے لشکر گاہ لوٹ گیا' صفوریہ اور طبریہ کے درمیان جا بجا اسلامی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں' اس لیے فرنگیوں کے صفوریہ سے نکلنے کے ساتھ ہی انہوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کے بہت سے نائٹ قتل ہوئے۔

(صلاح الدین ۱۸۵)

مسلمانوں نے چشموں اور تالابوں پر پہلے سے قبضہ کر کے باقی چشموں کو برباد کر دیا یا ان پر پہرہ بٹھا دیا تھا' گرمی سخت پڑ رہی تھی اس لیے صفوریہ سے نکلنے کے بعد ہی فرنگیوں کو پانی کی بڑی دشواری پیش آئی' مگر وہ کسی نہ کسی طرح اسلامی لشکر گاہ کے قریب پہنچ کر تھوڑی مسافت پر خیمہ زن ہوئے' اور رات گزرنے کے بعد دوسرے دن ۲۵ ربیع الثانی ۵۸۳ھ کو لوبیا کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا پہلے ہی معرکہ میں مسلمانوں کی تیر باری سے صلیبوں کے سوار دستہ کو بڑا نقصان پہنچا' انہوں نے لڑ بھڑ کر بحیرہ طبریہ کی سمت نکل جانا چاہا' لیکن صلاح الدین خود سامنے آکر جم گیا اور آگے بڑھنے سے روک دیا' صلیبوں نے بھی پورا زور صرف کر دیا اور بڑی خون ریز جنگ شروع ہو گئی' صلاح الدین فوج کے ہر حصے میں جا کر مسلمانوں کو جوش دلاتا تھا' اور انہیں جنگ کے لیے ہدایات دیتا تھا' صلیبی فوجوں کی سمت خشک جھاڑیوں کا جنگل تھا' مسلمانوں نے اس میں آگ لگا دی' اتفاق سے ہوا بھی اسی جانب کی تھی' اس لیے اس کا سارا دھواں اور گرمی صلیبی فوجوں میں بھر گئی'

اس نے ان کو اور زیادہ پریشان کر دیا' جب انہوں نے دیکھا کہ جانبازی کے علاوہ مفر کی اور کوئی صورت نہیں ہے تو مجبور ہو کر آخری مقابلہ کے لیے جان کی بازی لگا دی اور ان کے پیہم حملوں نے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم کر دیں لیکن ہر حملہ میں ملیبیوں کی کافی تعداد قتل ہو جاتی تھی' اور ان کی قوت برابر گھٹتی جاتی تھی' اس لیے مسلمانوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا' انہوں نے کوہ حطین کی آڑ لینے کی کوشش کی لیکن ہر طرف سے راستہ بند تھا اس لیے بہت تھوڑی تعداد کوہ حطین کی سمت جا سکی اور مسلمانوں نے چاروں طرف سے حملہ کر کے مقدس صلیب کو جو حضرت مسیح علیہ السلام کی سولی کی لکڑی سے بنی ہوئی تھی چھین لیا' اس سے ان میں بڑی بد دلی پیدا ہو گئی تاہم انہوں نے حطین کی آڑ لے کر مقابلہ کی آخری کوشش کی۔ لیکن وہ مسلمانوں کے حملہ کو نہ روک سکے۔ اور بڑھتے ہوئے گائی بادشاہ یروشلم کے خیمہ تک پہنچ گئے اور اس کو گرا دیا' ملیبیوں نے جب دیکھا کہ ان کی قوت بالکل جواب دے چکی ہے اور جنگ جاری رکھنے میں موت کے سوا کچھ حاصل نہیں تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمانوں نے ان کے تمام بڑے بڑے امراء اور حکمرانوں کو گرفتار کر لیا۔ (جنگ حطین کی تفصیلات مورخین نے بہت طویل لکھی ہیں اور ان میں باہم خفیف اختلافات بھی ہیں' ہم نے ان کا خلاصہ نقل کیا ہے' تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ ص ۸۱ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۱' ۲۰۲)

لین پول نے اس جنگ کے خاتمے کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے:

مسیحی شہسوار اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ اپنی جانوں کو زیادہ قیمت پر فروخت نہ کر سکے' انہوں نے اپنی تلواریں میان میں ڈال لیں اور مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کر لیے گئے' بادشاہ یروشلم گائی اس کا بھائی پاٹیلوں' ریجی نالڈ تنبسن کا ھفری دادیہ اور استعباریہ دونوں طبقوں کے سردار اور بڑے بڑے عیسائی شرفاء گرفتار کیے گئے صرف ریمنڈ (والی طرابلس) جو لڑائی کا رنگ دیکھ کر میدان جنگ ہی سے صور بھاگ گیا تھا' بچ گیا اور کچھ دنوں کے بعد مر گیا۔ (صلاح الدین ص ۱۸۷ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۲)

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس جنگ میں اتنے صلیبی قتل و گرفتار ہوئے کہ مقتولین کے انبار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ پوری فوج قتل ہو گئی اور قیدیوں کی تعداد سے اندازہ ہوتا تھا کہ کل فوج زندہ گرفتار کر لی گئی۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۲)

ابو شامہ لکھتا ہے کہ فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے میں تھے۔ مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی جو زندہ بچے تھے وہ سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو قید کر کے خیمہ کی رسی میں باندھے ہوئے ہنکاتا تھا۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۸۱ و صلاح الدین ص ۱۸۸) صلیبی لڑائیوں کے سلسلہ میں ۴۹۱ھ کے معرکہ کے علاوہ اتنا اہم معرکہ نہ ہوا تھا' اس سے صلیبیوں کی قوت پارہ پارہ ہو گئی۔

اختتام جنگ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش کیے گئے' یروشلم کے بادشاہ گائی کو اس نے اپنے پہلو میں جگہ دی' باقی امراء کو بھی ان کے رتبہ کے مطابق بٹھایا' اوپر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ سلطان نے ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا عہد کیا تھا' گائی اس کو بچانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر کی کہ سلطان سے پینے کے لیے پانی مانگا' برف کا ٹھنڈا پانی اس کے سامنے پیش کیا گیا' گائی نے خود تھوڑا سا پی کر باقی ریجی نالڈ کو دے دیا (عربوں کا دستور تھا کہ جس قیدی کو کھانا پانی دیتے تھے وہ گویا مامون ہو جاتا تھا اس کی یہ چال دیکھ کر سلطان نے کہا میں نے اس ملعون کو پانی نہیں دیا ہے' اس لیے مجھ پر اس کی جان بخشی کی ذمہ داری نہیں ہے اور تمام قیدیوں کو کھانے کے لیے رخصت کر دیا صرف گائی اور ریجی نالڈ کو روک لیا اور ریجی نالڈ کے سامنے اس کی گذشتہ بد اعمالیوں کو گنا کر کہا "اس وقت میں محمد رسول اللہ ﷺ سے مدد چاہتا ہوں' یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک مرتبہ جب ریجی نالڈ نے مسلمانوں کے ایک قافلہ پر حملہ کر کے ان کو گرفتار کر لیا تھا اور انہوں نے اس سے رہائی کی درخواست کی تھی' تو ریجی نالڈ نے ان کو جواب دیا تھا" کہ اس وقت محمدؐ کو چھڑانے کے لیے کیوں نہیں بلاتے۔

گو سلطان ریجی نالڈ کو قتل کرنے کا عہد کر چکا تھا' تاہم اس کے اسلامی اصول کے موافق پہلے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور پھر اس کے انکار کے بعد اپنے ہاتھوں سے اس کا سر قلم کر کے اپنی قسم پوری کی۔

گائی ریجی نالڈ کا انجام دیکھ کر بہت خوفزدہ ہوا' سلطان نے اس کو اطمینان دلایا اور کہا بادشاہوں کا یہ دستور نہیں ہے کہ وہ دوسرے بادشاہوں کو قتل کریں' ریجی نالڈ کو صرف اس کی حد سے متجاوز زیادتیوں کی وجہ سے بدرجہ مجبوری قتل کرنا پڑا۔ (یہ واقعات ابو شامہ ابن اثیر اور صلاح الدین سے ملخصاً" ماخوذ ہیں' تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ ص ۸۱ و ابن

اثیرج ۱۱ص ۲۰۲ و صلاح الدین ص ۱۸۸)

حطین کی شکست سے شام کے عیسائیوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی' لین پول کا بیان ہے کہ اس جنگ نے ملک فلسطین کو فاتحوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا' یروشلم کی سلطنت رخصت ہو چکی تھی اس کے بادشاہ اور امراء سب گرفتار تھے' اب مشکل سے فرنگیوں کا کوئی ایسا ہادی اور رہنما باقی نہ رہ گیا تھا جو منتشر اور پراگندہ صلیبی مبارزون کو یکجا کرتا' ان کو شام میں داخل ہوئے ۹۰ برس گذر چکے تھے مگر اس پوری مدت میں ایسی سخت تباہی کبھی نہ آئی تھی' طبریہ میں صلیبیوں کی شکست ان کے حق میں ایک ضرب مہلک ثابت ہوئی اور جو چیز ان کے ہاتھ سے اس دن نکلی تھی مسیحی دنیا آج تک اسے حاصل نہ کر سکی سوائے چند دور دور کے قلعوں کے' جو صلیبیوں کی چند حربی جماعتوں کے قبضہ میں تھے' اور جو ساحل سے ہٹے ہوئے ملک کے اندرونی حصوں میں واقع تھے' اب پورا فلسطین شمال میں بیروت سے لے کر جنوب میں غزہ تک صلاح الدین کے قبضہ میں تھا' عیسائیوں کے قبضہ میں صرف صور اور یروشلم باقی رہ گئے تھے تاکہ اس امر کی شہادت دے سکیں کہ کوئی مسیحی حکومت بھی اس ملک میں تھی' مگر یروشلم کو بھی وہی پیش آنے والا تھا' جو اس کے دوسرے شہروں کو پیش آ چکا تھا' اسلامی فوجوں نے حطین کی فتح کے بعد ایک دن آرام کیا اور پھر ایک زبردست سیلاب کی طرح ملک میں پھیلنا شروع کیا' اب مسلمانوں کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ کسی شہر کے سامنے آئیں اور اریحا کی طرح اس کی دیواریں گر پڑیں اور شہر کی فوج نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے صرف چند مضبوط قلعے ایسے تھے' جنہوں نے محاصرہ کی تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کرنا گوارا کیں' لیکن ان میں بھی کوئی قلعہ ایسا نہ تھا' جس نے ایک ہفتہ سے زیادہ مقابلہ کیا ہو۔ (صلاح الدین ص ۱۹۱)

چنانچہ حطین کی فتح کے بعد سلطان نے سب سے پہلے طبریہ کے قلعہ پر فوج کشی کی یہاں کوئی روکنے والا موجود نہ تھا' صرف ریمنڈ کی بیوی اور اس کے بچے تھے انہوں نے قلعہ حوالہ کر دیا اور سلطان نے ان کو مال و متاع لے کر نکل جانے کی اجازت دے دی۔

(ابن اثیرج ۱۱ص ۳ و صلاح الدین ص ۱۹۱)

**مختلف معرکے اور فتوحات** طبریہ کے قلعہ پر قبضہ کے بعد عکہ پر فوج کشی کی' عکہ فلسطین کا بڑا بندرگاہ اور بحر متوسط کی تجارت کی منڈی تھا' یہاں کی آبادی نے پہلے مقابلہ کا

ارادہ کیا لیکن ان کی بڑی تعداد نے اطاعت قبول کر لی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی' سلطان نے ان کو اجازت دے دی۔ کہ اگر وہ چاہیں مکہ ہی میں رہیں اور چاہیں اپنا مال و متاع لے کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ وہ بہت خوف زدہ تھے اس لیے انہوں نے شہر چھوڑ دیا اور جہاں تک ممکن تھا' اپنا مال و متاع بھی ساتھ لیتے گئے' لیکن مکہ بہت بڑی تجارتی منڈی تھی اور تجارتی مال کا یہاں بڑا ذخیرہ تھا اس لیے بہت سا مال باقی رہ گیا جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا' مکہ کی جامع مسجد کو ملیبیوں نے کنیسہ بنا لیا تھا' تقریباً ایک صدی بعد صلاح الدین نے پھر اس کو مسجد بنایا اور یہاں نماز جمعہ ادا کی۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۳)

دوسری سمت سلطان کے بھائی الملک العادل نے مجدل یابا' ناصرہ' قیساریہ' حیفا' صفوریہ' معلیا شقیف' فولہ وغیرہ مکہ کے ملحقہ علاقوں اور قلعوں کو زیر نگیں کر کے یافا کی بندر گاہ فتح کی۔

سلطان کے بھتیجے تقی الدین نے تبنین کا محاصرہ کیا یہ بڑا سنگین شہر تھا اور اہل شہر نے مدافعت بھی پر زور کی اس لیے تقی الدین اس کو فتح نہ کر سکا اور اس کے لیے اس کو سلطان کو بلانا پڑا' چنانچہ مکہ کو فتح کرنے کے بعد وہ تبنین پہنچا' اس کے آنے کے بعد اہل تبنین کی ہمت پست ہو گئی' اور انہوں نے شہر حوالہ کر دیا' تبنین کے بعد سلطان نے صیدا کا رخ کیا اہل صیدا میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے انہوں نے سلطان کے پہنچنے سے پہلے ہی شہر چھوڑ دیا اور اس پر آسانی کے ساتھ قبضہ ہو گیا۔

صیدا کے بعد بیروت پر فوج کشی کی' وہ فلسطین کا بڑا وسیع' خوبصورت اور سنگین و مستحکم شہر تھا اہل شہر نے بڑی پامردی اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا' لیکن عین جنگ کے دوران میں افواہ اڑ گئی کہ مسلمان ایک سمت سے شہر میں داخل ہو گئے ہیں' اس سے عام آبادی میں بڑی بد حواسی پھیل گئی' فوجی افسروں نے ہر چند انہیں سمجھانے اور مطمئن کرنے کی کوشش کی لیکن عوام کے انبوہ پر کوئی اثر نہ ہوا اور انہیں مجبور ہو کر شہر حوالہ کر دینا پڑا۔

بیروت کے بعد ساحلی شہروں میں صور اور عسقلان دو بڑے شہر باقی رہ گئے تھے' صور میں ایک فرنگی سردار کونرڈ (مرکیش) نے بچے کچے فرنگیوں کا مرکز قائم کر لیا تھا' اور دوسرے شہروں سے نکلے ہوئے فرنگیوں کی بڑی تعداد یہاں جمع ہو گئی تھی' خود کونرڈ

آزمودہ کار بہادر تھا' اس لیے صور پر قبضہ میں دشواری تھی' شام کی بندر گاہوں میں مصر سے سب سے زیادہ قریب عسقلان تھا اس پر قبضہ سے مصر کا بحری راستہ کھل جاتا تھا' اس لیے بیروت کے بعد سلطان نے عسقلان کا رخ کیا' یہ بھی بڑا مستحکم شہر تھا' سلطان نے پہلے بادشاہ یروشلم گائی اور طبقہ داویہ کے سردار کے ذریعہ جو اس کی قید میں تھے' کوشش کی کہ اگر عسقلان کے فرنگی شہر حوالہ کر دیں تو ان دونوں کو رہا کر دیا جائے گا' لیکن عسقلانیوں نے انکار کر دیا ان کے انکار پر سلطان نے محاصرہ سخت کر دیا اور سنگ باری کے ذریعہ شہرپناہ کی دیوار توڑ دی' محاصرہ ایسا سنگین تھا' کہ باہر سے کوئی مدد نہ پہنچ سکتی تھی' اس لیے جتنی مدت گذرتی جاتی تھی' عسقلانیوں کی قوت مدافعت کمزور پڑتی جاتی تھی' گائی برابر ان کو اطاعت کی ترغیب دے رہا تھا' آخر میں جب انہوں نے دیکھا کہ فتح کی صورت میں زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا تو جان و مال کی امان لے کر شہر حوالہ کر دیا اور ان کی درخواست پر سلطان نے انہیں بیت المقدس چلے جانے کی اجازت دے دی' عسقلان پر قبضہ کے بعد رملہ' دارم' غزہ' مشہد ابراہیم' بیت لحم اور بیت جرائیل وغیرہ آس پاس کے تمام مقامات آسانی سے فتح ہو گئے۔

(یہ واقعات کتاب الروضتین ج ۲ ص ۷۲ تا ۹۱ ملخصاً" و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۴ تا ۲۰۶ سے ماخوذ ہیں)

**بیت المقدس کی فتح** عسقلان کی فتح کے بعد اصل منزل مقصود بیت المقدس کا راستہ صاف ہو گیا' لیکن یہ مرحلہ بہت دشوار تھا' فلسطین کے ان تمام شہروں' جن پر سلطان کا قبضہ ہو گیا تھا مسیحی نکل کر بیت المقدس میں جمع ہو گئے تھے' عسقلان کے شکست خوردہ مسیحیوں نے بھی یہیں پناہ لی تھی اور بیت المقدس میں ان کا بڑا اجتماع ہو گیا تھا' عورتوں اور بچوں کے علاوہ لڑنے والے مردوں کی تعداد ساٹھ ہزار سے اوپر تھی۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۶)

ایک جنگ آزما فرنگی عبلین کا بالیان حطین کی شکست کے بعد سلطان کی اجازت سے اپنے بال بچوں کو جو بیت المقدس میں تھے' لینے کے لیے آیا تھا' یہاں کے بطریق نے اس کو اس کی مرضی کے خلاف مسلمانوں کے مقابلے کے لیے روک لیا تھا۔ (صلاح الدین ص ۱۹۷ و ابن اثیر حوالہ مذکور) اور عسقلان پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد ہی بیت المقدس کے مسیحیوں نے ان کے مقابلہ کا نہایت مکمل انتظام کر لیا تھا' اس لیے سلطان نے بھی فوج کشی

کے لیے خاص اہتمام کیا' شام کی فوجوں کے علاوہ یورپ کی بحری مدد کو روکنے کے لیے مصر سے بحری بیڑا منگایا اور رجب ۵۸۳ھ میں عسقلان سے بیت المقدس روانہ ہوا۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۰) سلطان کے عزم جہاد کی خبر سن کر مصر و شام کے تمام بڑے بڑے علماء بیت المقدس کی فتح میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے پہنچ گئے تھے۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۹۲) ۱۵ رجب ۵۸۳ھ کو مسلمان بیت المقدس پہنچے' بیت المقدس ان کے لیے بھی ویسا ہی معزز اور محترم تھا جیسا عیسائیوں کے لیے' اس لیے سلطان یہاں خونریزی پسند نہ کرتا تھا' چنانچہ اس نے بیت المقدس کے مسیحیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ تمہاری طرح میں بھی بیت المقدس کو خدا کا گھر سمجھتا ہوں اور خونریزی سے اس کے تقدس کی توہین کرنا پسند نہیں کرتا اس لیے تم اس کو میرے حوالہ کردو اس کے معاوضہ میں میں تم کو اتنا علاقہ دے دوں گا جتنا تم سنبھال سکو۔ علاقہ کے علاوہ نقد بھی دوں گا' انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ جس سرزمین میں مسیح نے جان دی اس کو ہم تمہارے حوالہ نہیں کرسکتے اور نہ تمہارے ہاتھ اس کو بیچ سکتے ہیں۔

لین پول کا بیان ہے کہ سلطان بیت المقدس کی پرامن حوالگی کے معاوضہ میں یہاں تک تیار ہو گیا کہ صلیبی بدستور یروشلم میں رہیں اور اس کو مضبوط و مستحکم کرلیں اور شہر کے گرد پانچ فرسخ تک زراعت کر کے فائدہ اٹھائیں' اور عیدالخمیس تک وہ ان کے لیے سامان خورد و نوش مہیا کرے گا اور ان کے تمام اخراجات برداشت کرے گا' اس دوران میں اگر ان کو بیرونی مدد مل جائے تو یروشلم ان ہی کے قبضہ میں رہے گا اور اگر نہ مل سکے تو پھر حوالہ کر دینا ہو گا اور سلطان ان کو ان کے مال و متاع سمیت کسی مسیحی ملک میں پہنچا دے گا' لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ (الحروبیہ الصلیبیہ ص ۱۵۲ بحوالہ مجاز)

ان کے انکار پر سلطان کو بوجہ مجبوری تلوار نکالنا پڑی' دونوں فریق جذبہ مذہبی سے سرشار تھے' کئی دن تک نہایت پرزور مقابلہ ہوتا رہا' مسلمان شہرپناہ توڑنا چاہتے تھے لیکن اس کے اوپر سے تیرباری ہو رہی تھی' اور باہر بھی صلیبی مصروف پیکار تھے' اس لیے وہ شہرپناہ تک نہ پہنچ سکے' جب صلیبیوں کی قوت کچھ کمزور پڑی تو مسلمانوں نے ریلا کر کے ان کو اندر دھکیل دیا اور بڑھتے ہوئے فصیل تک پہنچ گئے' اور سنگباری کر کے اس کو توڑ دیا' صلیبیوں نے جب دیکھا کہ وہ شہر کو نہیں بچا سکتے اور تلوار کے زور سے مسلمانوں کے

قبضہ کی صورت میں ان کی ہلاکت و بربادی یقینی ہے۔ اس وقت وہ جان و مال کی حفاظت کی شرط پر شہر حوالہ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے' لیکن اب صلاح الدین نے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ میں تمہارے ساتھ وہی کروں گا جو ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کے وقت تم نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا' اس جواب پر بالیان نے خود اس کے پاس جا کر اسے راضی کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ بیت المقدس میں ہماری بہت بڑی تعداد ہے اور ہم نے اس امید پر درخواست کی تھی کہ دوسرے شہر والوں کی طرح ہماری درخواست بھی قبول ہو گی' لیکن جب ہم یہ دیکھیں گے کہ موت کے علاوہ ہمارے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے تو اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے بیت المقدس میں جس قدر مال و متاع اور نقد و جنس ہے سب کو جلا ڈالیں گے اور تم لوگوں کو ایک قیدی اور ایک حبہ بھی نہ ملے گا اور صخرہ اور مسجد اقصیٰ وغیرہ تمہارے مقدس مقامات کو برباد کر کے ان تمام مسلمانوں کو جو ہمارے یہاں قید ہیں' قتل کر ڈالیں گے اور پھر تم سے سربکف جنگ کر کے یا عزت کی موت مریں گے یا کامیابی کی سرخروئی حاصل کریں گے۔

سلطان خود بیت المقدس کی بے حرمتی اور یہاں خونریزی پسند نہ کرتا تھا اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اس کو فتح اور صلیبیوں کو مغلوب کرنے کے بعد ان پر احسان رکھ کر انہیں آزاد کرے لیکن جب اس نے دیکھا کہ جنگ کی صورت میں صلیبی بیت المقدس کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو اس نے ان کی درخواست قبول کر لی اور یہ شرط قرار پائی کہ بیت المقدس کے تمام مسیحی فی مرد دس دینار' فی عورت پانچ دینار اور فی بچہ دو دینار فدیہ ادا کریں گے اور چالیس دن کے اندر جن کا فدیہ ادا نہ ہو گا' وہ غلام شمار کیے جائیں گے۔

اس قرارداد کے بعد جمعہ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ مطابق ستمبر ۱۱۸۷ء کو صلیبیوں نے بیت المقدس مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور اکیانوے سال کے بعد پھر خدا کا یہ پاک گھر اس کے حقیقی پاسبانوں کے قبضہ میں آ گیا' یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ یہ تاریخ معراج نبوی کی ہے۔

(ابو شامہ اور ابن اثیر وغیرہ نے بیت المقدس کی فتح کی پوری تفصیل لکھی ہے' ہم نے صرف خلاصہ تحریر کیا ہے' تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ ص و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۷) اور بیت المقدس کو معراج سے خاص نسبت ہے۔

صلیبیوں نے ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کے وقت مسلمانوں پر جو وحشیانہ مظالم

ڈھائے تھے' اس کا حال اوپر گذر چکا ہے اس کے مقابلہ میں مسلمانوں نے جس پر امن طریقے سے اس کو واپس کیا اور عیسائیوں کے ساتھ جس فیاضی کا سلوک کیا' اس کا حال خود یورپین مورخین سے سنئے۔

لین پول لکھتا ہے۔

صلاح الدین نے پہلے کبھی اپنے کو ایسا عالی ظرف اور باہمت نائٹ ثابت نہیں کیا تھا جیسا کہ اس موقع پر کیا' جب کہ یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جا رہا تھا' اس کی سپاہ اور معزز ذمہ دار افسروں نے جو اس کے ماتحت تھے' شہر کی گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا' یہ سپاہی ہر قسم کے ظلم و زیادتی کو روکتے تھے' اس کا نتیجہ تھا' کہ ہرگز کوئی وقوعہ جن میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو پیش نہیں آیا' شہر سے باہر جانے کے لیے کل راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا' تاکہ ہر شہر والے کو' جو زر فدیہ ادا کر چکا ہو شہر سے باہر جانے دے۔ (صلاح الدین ص ۲۰۲)

زر فدیہ کی ادائی بڑی احتیاط سے عمل میں آئی' ان غریب اور نادار صلیبیوں کی رہائی میں جو زر فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے' مسلمان امراء نے بھی حصہ لیا' امیر مظفر الدین کوکبری نے رہا کے ایک ہزار ارمنی عیسائیوں کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کر کے انہیں آزاد کرا دیا۔ (صلاح الدین و کتاب الروضتین ج ۲ ص ۹۵) لین پول کا بیان ہے کہ چالیس روز تک آزاد شدہ عیسائیوں کی رہائی کا سلسلہ جاری رہا' یہاں تک کہ رعایت کا زمانہ ختم ہو گیا' اس پر بھی ہزارہا غریب اور مفلس عیسائی جنہیں بخیل اور کنجوس تاجروں اور مالدار عیسائی اداروں نے غلام بننے کے لیے چھوڑ دیا تھا' شہر میں رہ گئے' یروشلم کے تقدس مآب بطریق نے جو اخلاق اور ایمان دونوں سے عاری تھا' گرجاؤں کی دولت سمیٹی' سونے کے پیالے اور آب مطہر رکھنے کا سامان' حتیٰ کہ مہد مسیح پر جو طلائی ظروف رہتے تھے ان کو بھی اپنے قبضہ میں کیا اور اپنا ذاتی اندوختہ بھی محفوظ کر لیا۔ جمع کی ہوئی دولت اتنی تھی کہ اگر وہ چاہتا تو بہت سے غریب عیسائیوں کا زر فدیہ دے کر ان کو آزاد کرا لیتا۔ مسلمان امیروں نے سلطان سے کہا کہ اس بے ایمان اور نالائق پادری کو لوٹ کا اتنا مال لے جانے سے روکا جائے' اس نے جواب دیا کہ میں قول دے چکا ہوں' اس سے پھر نہیں سکتا غرض اور لوگوں کی طرح یہ بڑا پیر پادری کل دس ہزار اشرفیاں دے کر آزاد ہو گیا اور اس کو ایک مسلمان بادشاہ نے اس

بات کا سبق دیا کہ خیر و خیرات کے کیا معنی ہیں' (لین پول ص ۲۰۲ اس واقعہ کو ابن اثیر نے بھی لکھا ہے ج ۱۱ ص ۲۰۸) ابن اثیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے اس پادری اور دوسرے رہاشدہ عیسائیوں کو اپنے آدمیوں کی حفاظت میں صور تک پہنچایا۔

لین پول لکھتا ہے کہ دولت مند عیسائیوں کی خود غرضی کی وجہ سے غریب عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی' انکی بے کسی دیکھکر سلطان کے بھائی الملک العادل نے سلطان سے ایک ہزار عیسائیوں کو بطور غلام لیکر انہیں اپنی طرف سے آزاد کیا۔ (لین پول ص ۲۱۳' ابو شامہ نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے لیکن تعداد نہیں لکھی ہے کتاب مذکور ج ۲ ص ۹۵)

اسے دیکھ کر سلطان نے کہا کہ عادل' بالیان اور بطریق نے اپنی اپنی طرف سے خیرات کی' اب میں اپنی طرف سے خیرات کرتا ہوں' اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ شہر میں عام منادی کر دیں کہ وہ تمام بوڑھے جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے آزاد کیے جاتے ہیں' انہیں اختیار ہے وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ سورج نکلنے کے وقت سے لے کر سورج ڈوبنے تک برابر ان کی جماعتیں شہر سے نکلتی رہیں' یہ خیر خیرات تھی' جو سلطان صلاح الدین نے بے شمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔ (صلاح الدین ص ۲۰۳ بحوالہ ارنول)

مردوں کے علاوہ بیت المقدس میں بہت سی معزز خواتین بھی تھیں' چنانچہ روم کی ایک ملکہ ہجرت کر کے بیت المقدس میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتی تھی اس کے پاس بڑی دولت تھی' اس نے صلاح الدین سے خواہش کی کہ اس کو بیت المقدس سے نکل جانے دیا جائے' سلطان نے اس کے مال و متاع سمیت چلے جانے کی اجازت دے دی' یروشلم کے فرمانروا گائی کی بیوی نے اپنے شوہر کے پاس جو نابلس میں قید تھا' جانے کی خواہش کی' سلطان نے اسے گائی کے پاس بھجوا دیا' مقتول ریجی نالڈ والی کرک کی بیوی کی خواہش پر ان کے لڑکے ہنفری کو' جو دمشق میں قید تھا' بلا کر دکھایا اور وعدہ کیا کہ کرک کے قلعہ پر قبضہ کے بعد لڑکے کو رہا کر دیا جائے گا۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۹۶)

جنگ صلیبی کے مقتول اور قیدی نائٹوں کی بیویوں کے ساتھ بڑا شریفانہ سلوک کیا' جب وہ سلطان سے اپنی حالت زار بیان کر کے رحم کی طالب ہوئیں تو سلطان آبدیدہ ہو گیا اور ان میں سے جن کے شوہر زندہ اور قید تھے ان کو رہا کر دیا گیا اور جن کے شوہر قتل ہو چکے تھے ان کے رتبے کے مطابق ان کو روپیہ دے کر ان کی تشفی اور دلدہی کی' وہ اس

کے احسان سے اتنی متاثر ہوئیں کہ اس کی فیاضی کا ممنونیت کے ساتھ ذکر کیا کرتی تھیں' غرض اس طرح سلطان نے اس مفتوح شہر پر احسان کیا۔

ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد لین پول لکھتا ہے کہ جب ہم سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے وقت کی تھیں' جب گاڈفرے اور ٹنکرو' یروشلم کے بازار سے گزرتے تو وہاں مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور جان بلب زخمی لوٹتے تھے' جب کہ صلیبیوں نے بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے کر مارا تھا اور زندہ آدمیوں کو جلا دیا تھا' اور جب قدس کی چھتوں پر مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے' تو صلیبیوں نے انہیں وہیں تیروں سے چھید کر گرا دیا تھا' اور جہاں ان کے اسی قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا اور اس مقدس شہر کو انہوں نے ظلم و بدنامی کے رنگ میں رنگا تھا' جہاں رحم و محبت کا وعظ مسیح نے سنایا تھا اور فرمایا تھا خیر و برکت والے ہیں وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں' ان پر خدا کی برکتیں نازل ہوتی ہیں' جس وقت یہ عیسائی اس پاک اور مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے مذبح بنا رہے تھے اس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے اور یہ ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم ہو رہا تھا' اگر صلاح الدین کے کارناموں میں سے صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیافت کیا تو صرف یہی ایک کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانے کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت و شہامت میں یکتا اور بے مثل تھا۔ (صلاح الدین ص ۲۰۴' ۲۰۵ بحوالہ ارنول)

عیسائیوں نے ایک صدی کے اندر بیت المقدس کی ہیئت بالکل بدل دی تھی بہت سے نئے گرجے تعمیر کر لیے تھے' قبتہ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ کی شکل بالکل بگاڑ دی تھی' اس کی دیواروں پر پیغمبروں اور اولیاء اللہ کی تصویریں بنا دی تھیں' ان کے مجسمے نصب کر دیئے تھے' مسجد اقصیٰ کے متصل سکونتی مکانات تعمیر کر لیے گئے تھے' الصخرہ شریف کو سنگ مرمر کی سلوں سے چھپا دیا تھا' سلطان نے عیسائیوں کے اضافوں کو مٹا کر ان کو ان کی اصلی شکل میں کیا اور مسجد اقصیٰ اور قبتہ الصخرہ کو شرک کی نجاستوں سے پاک کر کے انہیں خدا کا گھر بنایا' ان کے لیے امام اور قاری مقرر کیے' ۴ شعبان ۵۸۳ھ کو اکانوے سال کے بعد

مسجد اقصیٰ میں پہلی مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی گئی' سلطان نورالدین نے اپنے زمانہ میں ایک نہایت خوبصورت منبر بنایا تھا کہ بیت المقدس کے فتح کرنے کے بعد اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کرے گا' یہ منبر صناعی کا بہترین نمونہ تھا' نورالدین کی یہ آرزو صلاح الدین کے ہاتھوں پوری ہوئی اور اس منبر کو حلب سے منگوا کر مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔ (یہ حالات کتاب الروضتین کے مختلف صفحات اور ابن اثیر ج ۲ ص ۲۹ سے ماخوذ ہیں) بیت المقدس کی تطہیر کے ساتھ سلطان نے یہاں مدرسے رباطیں تعمیر کیں اور زر فدیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی کل علماء و امراء اور دوسرے مستحقین میں تقسیم کر دی اپنے پاس ایک حبہ نہ رکھا۔

**صور پر فوج کشی اور ناکامی** بیت المقدس پر قبضہ کے بعد فلسطین کی فرنگی حکومت ختم ہو گئی۔ لیکن صور کی اہم بندرگاہ ان کے قبضہ میں باقی رہ گئی تھی' جس کو کونریڈ نے فلسطین کے عیسائیوں کا مرکز بنا دیا تھا' اور وہاں کے مختلف شہروں کے بہت سے صلیبی جمع ہو گئے تھے' اس لیے بیت المقدس کے انتظامات سے فراغت کے بعد رمضان ۵۸۳ھ میں سلطان نے صور پر بری اور بحری دو سمتوں سے فوج کشی کی' کونریڈ نے اس کو نہایت مستحکم کر لیا تھا' اس کے گرد نئی شہر پناہ تعمیر کر کے اس کے چاروں طرف وسیع خندق کھود کر اس کو سمندر سے ملا دیا تھا' اور صور ایک جزیرہ بن گیا تھا' جس کے ہر طرف جنگی جہاز متعین تھے' اس لیے خشکی کی سمت سے مسلمانوں کا حملہ کامیاب نہ ہوا اور ان کو صلیبیوں کی تیر باری سے نقصان پہنچا' لیکن بحری سمت ان کی قوت زیادہ تھی اور دس جنگی جہاز مصروف پیکار تھے' ایک دن اتفاق سے صبح ہوتے ہوتے مسلمان غافل ہو گئے' صلیبیوں نے موقع پا کر پانچ جہاز گرفتار کر لیے' باقی پانچ جہاز مقابلہ بیکار سمجھ کر بیروت روانہ ہو گئے' صلیبی جہازوں نے ان کا تعاقب کیا' اسلامی جہاز بھاگ نہ سکے اور کچھ دور جا کر شام ہی کے ساحل پر لنگر انداز ہو گئے' صلیبیوں کے قبضہ سے اس کا بچانا دشوار تھا' اس لیے سلطان نے ان کو برباد کرا دیا۔ اس کے بعد خشکی کی فوج نے آخری مرتبہ پھر زور لگایا' لیکن کامیابی نہ ہوئی' مسلمان لڑتے لڑتے تھک چکے تھے اس لیے سلطان نے مجبور ہو کر شوال ۵۸۳ھ میں محاصرہ اٹھا کر عکہ لوٹ گیا اور تھکی ہوئی فوجوں کو آرام کے لیے ان کے وطن جانے کی اجازت دے دی۔ (ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۱۰' ۲۱۱)

اس مہم کو ناتمام چھوڑ دینے کا نتیجہ آگے چل کر برا ثابت ہوا' جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

**مختلف فتوحات اور دمشق کی واپسی** مکہ واپس آنے کے بعد سلطان نے حسن کوکب پر فوج کشی کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی' اس کے پاس فوج بہت کم رہ گئی تھی' اور صلیبیوں کا استیصال باقی تھا' خود فلسطین میں ان کے متعدد قلعے موجود تھے' اس لیے سلطان ۵۸۳ھ میں دمشق لوٹ گیا اور اپنے تمام ماتحت امراء اور حکمرانوں کو اپنی اپنی فوجیں لے کر آنے کا حکم دیا اور شام کی فوجوں کو جمع کر کے ربیع الاول ۵۸۴ھ میں دمشق سے روانہ ہوا' حمص میں موصل اور دیار جزیرہ وغیرہ کے امراء آ کر مل گئے' اور جمادی الثانی سنہ مذکورہ میں سلطان نے بوھمینڈ فرمانروائے طرابلس کے علاقہ پر فوج کشی کی اس کا رخ دیکھ کر انطرطوس کے باشندوں نے شہر چھوڑ دیا اور سلطان نے انطرطوس کے علاقہ کو ویران کرالا' پھر جبلہ کے قاضی منصور بن شمل کی دعوت پر جبلہ پر فوج کشی کی' اہل جبلہ پر قاضی منصور کے ذریعہ امان لے کر شہر حوالہ کر دیا' لاذقیہ بڑا خوبصورت شہر تھا' کل عمارتیں سنگ مرمر کی تھیں اس جنگ میں اس کو بڑا نقصان پہنچا' سلطان کے بھتیجے نے اس کی مرمت کرا کے دوبارہ آباد اور قلعہ کو از سر نو مستحکم کیا' لاذقیہ کے بعد سلطان نے صیہون' بالطنوس' عبد' جماہرتین' بکاس' شعر' سرمینیہ اور ہرز مینیہ وغیرہ کے قلعوں پر آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔

فلسطین کی حکومت کے خاتمہ کے بعد شام کی مسیحی حکومتوں میں سب سے زیادہ طاقتور انطاکیہ کی حکومت تھی' اس لیے مذکورہ بالا قلعوں کی تسخیر کے بعد سلطان نے انطاکیہ کا ارادہ کیا اور اس کا فرمانروا ابوھمینڈ سلطان کی قوت سے پوری طرح واقف تھا' اس نے صلح کر لی اور سلطان' رمضان ۵۸۴ھ میں دمشق واپس گیا۔

واپسی کے بعد بعض مشیروں نے رائے دی کہ اب فی الحال جنگ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی' فوجوں کو آرام کرنے کے لیے واپس کر دیا جائے' سلطان نے جواب دیا کہ عمر تھوڑی ہے' موت کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے اور ابھی اسلامی آبادیوں کے درمیان کوکب' صفد اور کرک کے فرنگی قلعے باقی ہیں' اگر ان کی جانب سے غفلت برتی گئی تو آئندہ ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا اور دمشق میں چند دن قیام کے بعد آخر رمضان ۵۸۴ھ

میں پھر جہاد کے لیے نکل کھڑا ہوا اور خود کوکب پر اور الملک العادل نے کرک پر فوج کشی کر کے دونوں کو فتح کیا' کوکب کے بعد سلطان نے شقیف ارنوم پر فوج کشی کر دی۔

جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا' اس زمانہ میں مسیحی دنیا ایک نئی جنگ صلیبی کی تیاری میں مشغول تھی کانرڈ نے صور میں بڑے انتظامات کیے تھے' شقیف ارنوم کا فرمانروا پرنس ارناط بڑا چالاک تھا' اس نے کانرڈ کی تیاریوں کی تکمیل تک مسلمانوں کو ٹالنے کی کوشش کی اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی دوستی اور وفاداری کا یقین دلایا اور کہا میں قلعہ حوالہ کرنے کے لیے بالکل تیار ہوں لیکن میرے اہل و عیال صور میں ہیں اگر کانرڈ کو خبر ہو گئی تو وہ انکو تکلیف پہنچائے گا' اسلئے اتنی مہلت ملنی چاہیے کہ وہ صور سے واپس آ جائیں' سلطان گو اس زمانہ میں صلیبیوں کی تیاریوں کی خبر سے متردد تھا لیکن پاس مروت سے انکار نہ کیا اور ارناط کی درخواست منظور کر لی اس درمیان میں ارناط خود بھی خفیہ تیاری کرتا رہا' چند دنوں کے بعد جب سلطان اور بوہمینڈ کی صلح کی مدت ختم کے قریب آ گئی تو سلطان نے ارناط کو بلا کر اس سے کہا کہ اب بالکل موقع نہیں ہے قلعہ حوالہ کر دو اس نے پھر وہی عذر کیا اس وقت سلطان کو اس کی بد دیانتی کا یقین ہوا اور اس نے اسکو گرفتار کر کے دمشق بھجوا دیا اور شقیف ارنوم کا محاصرہ کر لیا' ابھی یہ محاصرہ جاری تھا کہ تیسری جنگ صلیبی شروع ہو گئی۔ (یہ حالات ابو شامہ' ابن اثیر اور لین پول سے "ملخصا" ماخوذ ہیں)

**تیسری جنگ صلیبی کی تیاری** اس کی تفصیل یہ ہے کہ بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ نے ساری عیسائی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا تھا' بقول لین پول جب یروشلم کی حکومت کے زوال کی خبر یورپ پہنچی تو کوئی شاہی دربار' کوئی لشکر گاہ کوئی قریہ اور کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں سے ایک عالمگیر صدائے طیش و الم نہ اٹھی ہو۔ (صلاح الدین ص ۲۱۹) عیسائیوں نے اپنے ملک کی تمام مصیبتیں یروشلم پر رونے کے لیے فراموش کر دیں۔ اور سارے ذاتی غم اس غم کے سامنے بھول گئے۔ (مجاز)

شام کا اسقف اعظم ولیم صوری' تیسوں اور راہبوں کی جماعت لے کر ماتمی لباس میں روم پہنچا' اور پاپائے روما کی مدد سے یورپ کا دورہ کر کے اپنی پر جوش تقریروں سے مسلمانوں کے خلاف آگ لگا دی' پادری شہر بہ شہر ایسی تصویریں دکھاتے پھرتے تھے' جن میں دکھلایا گیا تھا کہ نعوذباللہ مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کو گھوڑوں سے روند رہے

ہیں اور آنحضرت ﷺ نے آپ کو زمین پر گرا دیا ہے اور بعض تصویروں میں حضرت مسیح کو مارتے ہوئے اور آپ کے بدن سے خون جاری دکھایا گیا تھا۔

(ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۳ و مجاہد اول ص ۳۳۵)

پاپائے روما نے فتویٰ دے دیا تھا کہ جو شخص اس مقدس جنگ میں شریک ہو گا اس کے سارے گناہ دھل جائیں گے' انگلستان میں کنٹربری کے بالڈون نے جنگ صلیبی کا وعظ کہا اس کی کوششوں سے فرانس اور انگلستان کے بادشاہوں نے مسلمانوں کے لیے اپنی ذاتی رنجشیں بھلا دیں۔ اور ہنری دوم بادشاہ انگلستان فلپ اگسٹس بادشاہ فرانس اور فریڈرک بار بروسہ بادشاہ جرمنی ولیم بادشاہ صقلیہ' ان کے علاوہ یورپ کے اور بہت سے امراء اور نائٹس مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے' اسی دوران میں ہنری دوم کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا رچرڈ جانشین ہوا۔ اس نے باپ سے زیادہ جوش و خروش دکھایا اور تیسری جنگ صلیبی کا ہیرو بن گیا' جنگ کے مصارف کے لیے انگلستان و فرانس وغیرہ میں عشر صلاح الدین کے نام سے ایک عام ٹیکس جاری کیا گیا جس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہ تھا' پادریوں نے فتویٰ دے دیا کہ جو شخص اس کار خیر میں شریک نہ ہو گا' وہ مسیحیت سے خارج ہو جائے گا' یہودیوں تک سے یہ ٹیکس بڑی سختی کے ساتھ وصول کیا گیا' رچرڈ نے مصارف جنگ کے لیے اپنی جاگیر بیچ دی اور بڑے بڑے عہدوں کو فروخت کرتا تھا' وہ کہتا تھا کہ اگر کوئی خریدار ہو تو میں لندن تک بیچنے کو تیار ہوں۔ (مجاہد اول ص ۴۲ و صلاح الدین ص ۳۲۰)

جو لوگ خود کسی معذوری کی بنا پر شریک نہ ہو سکتے تھے انہوں نے اپنے خرچ اور اپنی جانب سے آدمی بھیجے یا اس کے عوض نقد روپیہ اور عورتوں نے اپنی اولادوں کو نذر کیا۔

(ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۳)

ان تیاریوں کے بعد سب سے پہلے فریڈرک بار بروسہ بادشاہ جرمنی ۱۱۱۹ء میں ایک لاکھ فوج کے ساتھ ارض شام کی طرف روانہ ہوا' ہنگری بلغاریہ کے راستے سے قسطنطنیہ اور ایشیا ہوتا ہوا شام کی طرف بڑھا' لیکن دریائے سالس کو عبور کرتے ہوئے' ڈوب گیا' اس کی موت کے بعد اس کے لڑکے فریڈرک ثانی نے جو باپ کے ساتھ تھا' فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی' لیکن فریڈرک کی موت سے فوج میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اس کا ایک حصہ ٹوٹ گیا' باقی فریڈرک کے ساتھ شام میں داخل ہوا۔ یہاں فوج میں وبا پھوٹ پڑی

تھی اور ہزاروں آدمی لقمہ اجل بن گئے' سامان رسد تک کی قلت نے علیحدہ ان کی حالت ابتر کر دی اور جب وہ حلب کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے ان کی بڑی تعداد گرفتار کر لی اور ان کی بہت تھوڑی تعداد مکہ پہنچ سکی۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۲۰ و صلاح الدین ص ۱۵۱)

رچرڈ اور فلپ ایک سال کے بعد ۵۸۶ھ میں روانہ ہوئے اور مکہ کے محاصرہ میں شرکت کی اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس دوران میں شام کے صلیبیوں نے پوری تیاریاں کر لی تھیں' صور میں ان کا بڑا اجتماع تھا اور کانرڈ نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نہایت وسیع انتظامات کیے تھے' عسقلان کی فتح کے بعد سلطان نے بیت المقدس کے فرمانروا گائی کو یہ عہد لے کر رہا کر دیا تھا کہ آئندہ وہ اس کے خلاف تلوار نہ اٹھائے گا' لیکن رہائی کے بعد پادریوں نے اس کو قسم سے بری قرار دے دیا اور وہ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کی فکر میں لگ گیا' بہت سے صلیبی مجاہدین اس کے ساتھ ہو گئے اور انہیں لے کر صور پہنچا لیکن کانرڈ نے اس سے کہا کہ صور کی حفاظت خدا کی جانب سے اس کے سپرد ہوئی ہے اس لیے گائی نے شہر کے باہر فوجیں اتار دیں۔ (صلاح الدین ص ۲۲۰) لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے دونوں متحد ہو گئے' مسلمان قریب ہی شقیف ارنوم میں تھے' دونوں میں کئی معرکے ہوئے' ابن اثیر اور ابو شامہ نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔

(کتاب الروضتین ج ۲ ص ۱۴۰' ۱۴۱ و ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱۲۱)

## مکہ پر صلیبیوں کی یورش اور سلطان صلاح الدین اور عیسائی دنیا کا متحدہ مقابلہ

فلسطین کی بندرگاہوں میں مکہ کی بندرگاہ نہایت اہم تھی' اس کے تین سمت پہاڑیاں اور ایک جانب سمندر تھا' شام اور یورپ کے درمیان تجارتی درآمد برآمد اسی بندرگاہ سے ہوتی تھی اور بیت المقدس کے فرنگی زائرین اور یورپ کے صلیبی مجاہدین بھی اسی بندرگاہ پر اترتے تھے' یورپ میں تیسری جنگ صلیبی کی منادی ہو چکی تھی اور وہاں کے مجاہدین روانہ ہو چکے تھے' اس لیے مکہ پر صلیبیوں کا قبضہ کرنا ضروری تھا' چنانچہ ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۹ء میں گائی اور کانرڈ نے بری سمت سے مکہ پر متحدہ حملہ کر دیا۔ بحری سمت سے سسلی کا بحری بیڑا حملہ آور ہوا اور مکہ بحری اور بری دونوں سمتوں سے گھر گیا' سلطان اس وقت شقیف ارنوم میں تھا' صلیبیوں کے حملہ کی خبر سن کر فوراً مکہ پہنچا اور دشمنوں کے گرد

فوجوں کا حصار قائم کر دیا' صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں عکہ کا معرکہ سب سے زیادہ طویل' سب سے زیادہ خونریز اور سب سے زیادہ اہم ہے' مورخین نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے اس معرکہ میں ساری عیسائی دنیا مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے امنڈ آئی تھی' فرانس' جرمنی' انگلستان' اٹلی اور سسلی کے فرمانروا یورپ کے بڑے بڑے نامور امراء اور نبرد آزماء اپنی پوری جنگ کی قوت کے ساتھ آئے تھے' رچرڈ بادشاہ انگلستان' فلپ آگسٹس بادشاہ فرانس' فریڈرک ثانی بادشاہ جرمنی' ڈیوک سوابیا، کنٹربری کا رئیس الاساقفہ' بالڈون سالبری کا اسقف اعظم' ہیوبرٹ والٹر' کاؤنٹ ہنری اور یورپ کے سینکڑوں نامور سورما' جن میں سے اکثروں کے نام مجاؔڈ اور لین پول نے لکھے ہیں' اس جنگ میں شریک ہوئے' جنگ صلیبی کی پوری تاریخ میں بہ یک وقت اتنے فرمانرواؤں نے کسی جنگ میں حصہ نہ لیا تھا' کامل تین سال یہ جنگ جاری رہی اور اس مدت میں مجاڈ کے قول کے مطابق سو سے زیادہ لڑائیاں اور نو بڑے معرکے ہوئے۔

(مجاڈ اول ص ۴۸۱)

سلطان صلاح الدین کامل تین سال تک بڑی شجاعت کے ساتھ یورپ کی متحدہ حکومتوں کا مقابلہ کرتا رہا اور ان کو عکہ کی فصیل تک نہ پہنچنے دیا' لیکن یورپ سے بری اور بحری فوجوں کی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا' آخر میں ان کے جنگی جہازوں نے بحری سمت سے عکہ کا راستہ روک دیا۔ اور خشکی کی سمت بھی بڑی چوڑی خندقیں کھود کر اس کے گرد دمدمے بنا کر اس طرح حصار قائم کیا کہ سلطانی فوجوں کا تعلق عکہ سے منقطع اور عکہ کے محصور مسلمانوں کو مدد پہنچانا بالکل ناممکن ہو گیا' اس حالت میں بھی امیر سیف الدین علی بن احمد المعروف بہ مشطوب نے جو شہر کے اندر تھا بڑی پامردی سے مدافعت کی اور صلیبیوں کو فصیل تک نہ پہنچنے دیا۔ لیکن فرانس اور انگلستان کی فوجوں کی مسلسل سنگ باری اور آتش زنی سے فصیل کی دیواریں ٹوٹ گئیں اور صلیبیوں کے حملوں کو روکنا بالکل ناممکن ہو گیا' صلاح الدین کے پاس فوج اور سامان کی کمی نہ تھی' وہ مدد پہنچانے کے لیے بے چین تھا اور برابر محصور مسلمانوں کی ہمت بندھاتا رہا صلیبیوں کا حصار ایسا سنگین تھا کہ سامان رسد تک نہ پہنچ سکتا تھا' اس لیے امیر مشطوب وغیرہ کی ہمت چھوٹ گئی اور انہوں نے شہر حوالہ کرنے کے لیے شرائط صلح پر گفتگو شروع کر دی صلاح الدین اور رچرڈ کے درمیان بھی

نامہ و پیام ہوا لیکن اس کے شرائط ایسے تھے کہ مفاہمت نہ ہو سکی مگر محصور مسلمان امراء کی ہمت جواب دے چکی تھی' انہوں نے ایک ایک کر کے عکہ چھوڑنا شروع کر دیا' سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے مسلمانوں کو بچانے کی پھر ایک مرتبہ آخری کوشش کی اور ان کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ رات کو نکلنے کی کوشش کریں' جس سمت سے نکلیں اس سمت فوجیں موجود رہیں گی ان کی مدد سے وہ لڑتے ہوئے نکل جائیں' لیکن صورت حال ایسی پیش آ گئی کہ مقررہ شب کو صبح کے قریب تک وہ نہ نکل سکے اور صلیبیوں کو ان کے ارادہ کی خبر ہو گئی اس لیے دوسرے دن صبح کو انہوں نے پوری قوت سے ہجوم کر دیا' امیر مشطوب نے جب دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں ہے تو اس نے حسب ذیل شرائط پر جمادی الثانی ۵۸۷ھ کو شہر حوالہ کر دیا۔

(۱) مسلمانوں کو ان کے مال و متاع سمیت نکل جانے دیا جائے (۲) وہ دو لاکھ اشرفیاں صلیبیوں کو اور ۱۴ ہزار کانرڈ والی صور کو تاوان دیں گے (۳) صلیب اعظم کو مسلمان واپس کر دیں گے۔ (۴) پانسو ممتاز صلیبی قیدیوں کو رہا کر دیں گے۔

ان شرائط کے ایفاء کے لیے دو مہینے کی مدت مقرر ہوئی' لیکن عکہ پر قابض ہو جانے کے بعد صلیبیوں نے پہلی شرط کا کوئی لحاظ نہ کیا اور صلاح الدین سے مطالبہ کیا کہ جب وہ تمام شرطیں پوری کر دے گا اس وقت مسلمانوں کو نکلنے دیا جائے گا' سلطان کو ان کی بدعہدی کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا' اس لیے اس پر آمادہ نہ ہوا اور کہلا بھیجا کہ ہم بالاقساط شرطیں پوری کریں گے' جتنا حصہ پورا ہوتا جائے اسی تناسب سے تم بھی مسلمانوں کو نکلنے دو باقی کی تکمیل کے لیے ہم اپنے آدمی تم کو ضمانت میں دیں گے' صلیبی مصر رہے کہ جب تک پوری رقم ایک ساتھ ادا نہ ہو گی اس وقت تک وہ کسی کو رہا نہ کریں گے' صلاح الدین نے طبقہ داویہ کو ذمہ دار بنانا چاہا' لیکن صلیبیوں کی بدعہدی کی وجہ سے وہ بھی آمادہ نہ ہوا' اس لیے صلاح الدین بھی خاموش ہو گیا اور رچرڈ نے ان تمام مسلمانوں کو جن کے پاس روپیہ نہ تھا قتل کر دیا۔ (یہ حالات ابو شامہ' ابن اثیر اور صلاح الدین سے "ملخصا" ماخوذ ہیں' ان مورخین نے اس کی بڑی طویل تفصیلات لکھی ہیں' ہم نے مختصر خلاصہ نقل کیا ہے)

عکہ پر قبضہ کے بعد صلیبی مجاہدین نے رچرڈ کی قیادت میں عسقلان کا رخ کیا' سلطان بھی ذرا ہٹ کر ان کے ساتھ ہو گیا' راستہ میں ایک دو مقاموں پر معمولی جھڑپ بھی ہوئی

صحرائے ارسوف پہنچ کر دونوں کا پورا مقابلہ ہوا اس میں مسلمانوں کو بڑی فاش شکست ہوئی' بہت سے مسلمان شہید ہوئے ایک نامور بہادر ایاز کام آیا' سلطان رملہ چلا گیا اور صلیبیوں نے یافر پر جسے مسلمانوں نے خالی کر دیا تھا قبضہ کر لیا۔

عسقلان' فلسطین کی نہایت اہم بندرگاہ تھی' سلطان اس وقت اس کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا' اس لیے مجبور ہو کر اسے اپنے ہاتھوں سے برباد کرنا پڑا' صلیبیوں کو اس کی بربادی کا بڑا صدمہ ہوا۔ ارسوف کی جنگ کے بعد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں لیکن کوئی اہم معرکہ نہیں ہوا۔

ان لڑائیوں میں صلیبیوں کو جس قدر جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا' اس کے مقابلہ میں چند شہروں کے علاوہ انہیں کچھ حاصل نہ ہوا' اصل مقصود یعنی بیت المقدس کی واپسی آسان نہ تھی' ایک عکہ پر قبضہ کرنے میں سارے یورپ کی متحدہ قوتوں کو تین سال لگ گئے' ایسی حالت میں بیت المقدس پر قبضہ کا خیال خواب سے زیادہ نہ تھا' یورپ کے فرمانرواؤں کو اپنا ملک چھوڑے کئی سال ہو گئے تھے' اور وہ شام میں زیادہ قیام نہیں کر سکتے تھے۔ (صلاح الدین ص ۲۸۵) اس کے علاوہ عکہ کے معرکے کے بعد رچرڈ اور کانرڈ میں اختلاف شروع ہو گیا اس کا سبب یہ ہوا کہ فلسطین کی حکومت کے خاتمہ کے بعد شام کے صلیبیوں کی قیادت کانرڈ کے ہاتھوں میں آ گئی تھی' رچرڈ کے پہنچنے کے بعد اس کی جانب منتقل ہو گئی' چنانچہ تیسری جنگ صلیبی کا ہیرو وہی تھا' اور عکہ کے معرکہ کے بعد اس کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا تھا' کانرڈ کو اندازہ ہوا کہ رچرڈ اس کے ساتھ فریب کرنا چاہتا ہے اس لیے وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر صور چلا گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۲۸) اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان سے اپنا معاملہ طے کرنے کی کوشش کی' رچرڈ اور الملک العادل کے تعلقات بہتر گہرے تھے' اس نے عادل کے ذریعہ سلطان کے سامنے تجویز پیش کی کہ عادل اس کی بہن جین متوفی فرمانروائے صقلیہ کی بیوہ سے شادی کر لے اور یہ دونوں مل کر فلسطین پر حکومت کریں' سلطان صلیب مقدس حوالہ کر کے عیسائی قیدیوں کو رہا کر دے اور شام میں داویہ اور اسبطار کے سواروں کے قیام کا انتظام کر دے تو وہ انگلستان لوٹ جائے گا۔

(صلاح الدین ص ۲۸۷)

ان شرائط کے بارہ میں لین پول اور ابو شامہ کے بیان میں تھوڑا سا فرق ہے' ابو شامہ

کے بیان کے مطابق یہ شرط تھی کہ شادی کے بعد عادل فلسطین کے ساحلی علاقہ کا حکمران ہو گا اور جین تیسوں اور راہبوں کے ساتھ بیت المقدس میں رہے گی' اور سلطان وادیہ اور استباریہ کے گزارہ کے لیے فلسطین کا کوئی ایسا علاقہ دے دے گا جس میں قلعہ نہ ہو گا' سلطان اور عادل دونوں نے اس تجویز کو پسند کیا' لیکن مسیحی راہبوں نے جین کو ملامت کر کے اس رشتہ سے انکار کرا دیا اور رچرڈ کو سلطان سے معذرت کرنا پڑی کہ جین عادل کے تبدیلی مذہب کے بغیر شادی کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ (کتاب الروضتین ج ۲۲ ص ۱۹۳)

لیکن لین پول لکھتا ہے کہ سلطان نے اس تجویز کو ایک نا معقول لطیفہ سے زیادہ وقعت نہ دی اور عام طور سے اس کا مذاق اڑایا گیا۔

دوسری طرف کانرڈ نے سلطان کو لکھا کہ اگر وہ صیدا اور بیروت کا علاقہ اس کو دے دے تو وہ صلیبیوں کو چھوڑ کر اس سے مل جائے گا اور عکہ پر اس کا قبضہ کرا دے گا' رچرڈ کو اس کی اطلاع ہوئی تو عادل سے اور زیادہ تعلقات بڑھائے اور اس کے دوست اور بھائی سے خطاب کرنے لگا اور کوشش کی کہ فلسطین کے بارہ میں مستقل سمجھوتہ ہو جائے۔ (صلاح الدین ص ۲۸۶) چنانچہ سلطان کو لکھا کہ مسلمان اور مسیحی دونوں لڑتے لڑتے تباہ ہو چکے ہیں اور ملک ویران ہو گیا ہے اور معاملہ صرف بیت المقدس' فلسطین اور صلیب مقدس کا ہے' بیت المقدس ہماری عبادت گاہ ہے اور اس سے ہم کسی حال میں بھی دست بردار نہیں ہو سکتے' خواہ ہمارا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچے' فلسطین میں ہم کو اردن تک کا علاقہ واپس ملنا چاہیے' صلیب اعظم تمہارے لیے محض ایک لکڑی کا ٹکڑا ہے جس کی تمہارے نزدیک کوئی قیمت نہیں' لیکن ہمارے لیے وہ بہت بڑی چیز ہے' اس لیے اس بارہ میں سلطان کو ہمارے اوپر احسان کرنا چاہیے' تاکہ ہم دونوں کو مشقت و مصیبت سے نجات مل جائے' سلطان نے اس کے جواب میں لکھا کہ "قدس ہمارے لیے بھی ویسا ہی مقدس و محترم ہے جیسا تمہارے لیے' بلکہ ہمارے لیے اور زیادہ محترم ہے۔ یہیں سے ہمارے نبی ؐ کی معراج ہوئی تھی' اس کا تو تم تصور بھی دل میں نہ لاؤ کہ ہم کسی حالت میں بھی اس کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ اس کے متعلق مسلمانوں کے سامنے ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکتے ہیں' رہ گیا ملک وہ بھی دراصل ہمارا ہے' مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے تم نے اس پر قبضہ کر لیا تھا' صلیب کا توڑنا ہمارے نزدیک ایک بڑی دینی خدمت ہے۔ (کتاب

الروضتین ج ۲ ص ۱۹۳ لین پول نے اس کے بجائے یہ فقرہ لکھا ہے کہ صلیب پر قبضہ رکھنا نہ رکھنا ہمارے مصالح پر موقوف ہے ص ۲۸۶) اور ہم اس کے بارہ میں کوئی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے' جو اسلامی مصالح کے خلاف ہو' اس خط و کتابت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور سلطان سردی کا موسم گذارنے کے لیے بیت المقدس چلا گیا اور اس فرصت میں اس نے اس کے استحکامات کی درستی اور مرمت شروع کر دی اور فصیل کے لیے خود پتھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتا تھا' اس کے امراء بھی اس کام میں لگ گئے' اور چند مہینوں میں فصیل بن کر تیار ہو گئی۔

(ابن اثیر ج ۱ ص ۳۲' ۳۳)

## بیت المقدس پر قبضہ کی آخری کوشش اور اس میں ناکامی

۵۸۸ھ میں سلطان کے نامور بھتیجے تقی الدین عمر والی جزیرہ کا انتقال ہو گیا' اس کے خود غرض امراء نے اس کے صغیر السن بچے کو اس کا جانشین بنا لیا' اس لیے سلطان نے اس بدنظمی کے انسداد کے لیے ملک العادل اور اس کے لڑکے افضل کو مع فوج کے جزیرہ بھیج دیا اور خود اس کے پاس بہت کم فوج رہ گئی۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۳۲' ۳۳)

رچرڈ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بیت المقدس پر فوج کشی کر دی' سلطان کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً راستہ کے پانی کے تمام ذخیروں کو برباد کرا دیا' اس لیے رچرڈ بیت نوبہ پہنچ کر رک گیا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی' بیت نوبہ بیت المقدس کے قریب ہی تھا' جب دور سے اس پر رچرڈ کی نگاہ پڑی تو اس نے زرہ سے آنکھوں کو چھپا کر دعا کی کہ اے خداوندا! اگر تیرے اس مقدس گھر کو دشمنوں سے چھڑانا میری قسمت میں نہیں ہے تو مجھ کو اسے نہ دیکھنے دے۔ (ابن اثیر ص ۳۳ و صلاح الدین ص ۲۹۵)

بیت المقدس اور بیت نوبہ میں بہت کم فاصلہ تھا' سلطانی فوجیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لیے دونوں میں معمولی لڑائیاں بھی ہوئیں' مسلمانوں نے بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے مدافعت کی' اس درمیان میں ایوبی فوجیں جو جاڑا بسر کرنے کے لیے اپنے وطن چلی گئی تھیں' واپس آ گئیں۔ (ابن اثیر ص ۳۳ و صلاح الدین ص ۲۹۵)

بیت المقدس سامنے نظر آتا تھا لیکن پانی کے قحط کی وجہ سے صلیبیوں کو حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی' فرانسیسیوں کی رائے تھی کہ ہم لوگوں نے اپنا وطن' یروشلم کے لیے چھوڑا ہے' اس کو فتح کیے بغیر واپس نہ جائیں گے اور انگریزوں کا یہ عذر تھا کہ مسلمانوں نے پانی

کے ذخیرے برباد کر دیئے ہیں' آگے پانی نہیں مل سکتا' اس لیے بیت نوبہ سے واپس چلنا چاہیے' یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ اس کا فیصلہ ایک مجلس حکم کے سپرد کر دینا پڑا' اس نے فیصلہ کیا کہ اس وقت بیت المقدس پر حملہ مناسب نہیں' اس کے بجائے مصر پر فوج کشی کرنی چاہیے' اس لیے جمادی الثانی ۵۸۸ھ میں صلیبی جس طرح آئے تھے اسی طرح بے نیل و مرام واپس گئے۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۱۹۸'۱۹۹ اور صلاح الدین ص ۲۹۴ تا ۲۹۷ ملخصاً")

اس دوران میں انگلستان سے بڑی تشویشناک خبریں آگئیں' رچرڈ کے بھائی جون کے مظالم سے جسے وہ اپنا قائم مقام بنا آیا تھا' ملک بالکل تباہ اور حکومت کا نظام درہم برہم ہو رہا تھا' اس نے تاج و تخت پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش شروع کر دی' اس لیے رچرڈ کی واپسی ضروری ہو گئی۔ اس کے جانے سے پہلے صلیبیوں نے اپنا مرکز قائم رکھنے کے لیے کانرڈ والی صور کو جو رچرڈ کے بعد سب سے زیادہ قیادت و رہنمائی کی صلاحیت رکھتا تھا' اپنا بادشاہ منتخب کیا' لیکن چند ہی مہینوں کے اندر وہ مر گیا' اس کے بعد رچرڈ نے اپنے بھانجے ہنری (کندھری) کو بادشاہ بنا دیا۔ (صلاح الدین ص ۲۹۲'۲۹۳)

واپسی سے پہلے اس نے پھر سلطان سے صلح کرنے کی کوشش کی' سلطان بھی آمادہ ہو گیا اور قریب قریب شرائط بھی طے ہو گئے' فلسطین کا جس قدر علاقہ جس کے قبضہ میں تھا وہ بدستور اس کے قبضہ میں رہا۔ بیت المقدس کا کیسہ القمامہ سلطان نے عیسائیوں کو واپس کر دیا اور انہیں بغیر اسلحہ کے زیارت کی عام اجازت دے دی اور رچرڈ کی درخواست پر ہنری کی سرپرستی قبول کی اور وعدہ کیا کہ وہ ہنری کو اپنا فرزند تصور کرے گا' لیکن عسقلان کے مسئلہ میں اختلاف ہو گیا' عسقلان اس وقت رچرڈ کے قبضہ میں تھا' سلطان کہتا تھا کہ اس پر کسی کا قبضہ نہ رہے اور اس کو برباد کر دیا جائے اور اس کے معاوضہ میں لد دینے کے لیے تیار تھا' لیکن رچرڈ اس کو اپنے قبضہ میں رکھنے پر مصر تھا اور اس کی ایک اینٹ بھی کھسکانے کے لیے تیار نہ تھا' اس لیے صلح نہ ہو سکی۔

(کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۰۰ و صلاح الدین ص ۲۹۸'۲۹۹)

صلح میں ناکامی کے بعد رچرڈ نے انگلستان واپس جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور چلتے چلتے بیروت پر حملہ کرنے کا قصد کیا' اس لیے سلطان نے بھی یافا پر جو صلیبیوں کے قبضہ میں تھا حملہ کر دیا' یہاں ان کی قوت بہت مضبوط تھی' انہوں نے بڑی پر زور مدافعت کی

لیکن مسلمان دیوار توڑ کر شہر میں گھس گئے' صلیبیوں نے قلعہ میں پناہ لی' لیکن آخر میں سلطان کے پیش کردہ شرائط پر انہیں اطاعت قبول کرنی پڑی۔

رچرڈ اس وقت بیروت پر حملہ کی تیاری میں تھا' یافا کے واقعہ کی اسے خبر ہوئی تو وہ بیروت کا ارادہ ترک کر کے بحری بیڑے کو لیے سیدھا یافا پہنچا اور آتے ہی اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمان پوری کوشش کے باوجود اس کو نہ روک سکے اور رچرڈ نے انہیں شکست دے کر دو دن کے اندر یافا واپس لے لیا' جنگ صلیبی کے سلسلہ میں یہ ان کا غیر معمولی کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ (ابو شامہ اور لین پول نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے' ہم نے صرف نتیجہ لکھا ہے تفصیل کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ص ۲ ص ۳۱ و صلاح الدین ص ۲۰۲ و ۲۰۳)

انگلستان کے حالات کی وجہ سے رچرڈ کی واپسی جلد سے جلد ضروری تھی اس لیے یافا کے معرکے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر صلح کی کوشش کی اور اتابکی امیر ابوبکر عادلی اور بدرالدین ولدرم وغیرہ کو جن سے اس کے پرانے تعلقات تھے' بلا کر کہا کہ میری جانب سے سلطان کی خدمت میں سلام کے بعد کہو کہ وہ خدا کے لیے صلح پر تیار ہو جائے ایک نہ ایک دن بہرحال صلح ہونی ہے۔ میرا ملک برباد ہو رہا ہے' مستقل جنگ کا سلسلہ ہم دونوں کے لیے مہلک ہے' ابوبکر نے جا کر سلطان کو یہ پیغام پہنچایا' اسے پہلے بھی صلح میں کوئی عذر نہ تھا' اصل مسئلہ عسقلان کا تھا' اس لیے پھر صلح کی گفتگو شروع ہو گئی' لیکن پھر عسقلان کے مسئلہ نے نازک صورت حال اختیار کر لی اور فریقین میں جنگی تیاریاں شروع ہو گئیں' اسی دوران میں رچرڈ سخت بیمار پڑ گیا' فرانسیسی فوجیں بھی لوٹ گئیں اس لیے رچرڈ عسقلان سے دستبرداری کے لیے رضامند ہو گیا اور کسی مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ رہا اور شعبان ۵۸۸ھ مطابق ستمبر ۱۱۹۲ء میں ساڑھے تین سال کے مسلسل کشت و خون کے بعد صلح ہو گئی' انطاکیہ اور طرابلس کا فرماں روا بوہمینڈ بھی اس صلح میں شریک ہوا' رچرڈ کے علاوہ دادیہ اور استباریہ کے تمام بڑے بڑے نائٹوں نے معاہدہ کی حلفیہ تصدیق کی' اس صلح کی رو سے یافا' لد' مجدل' یابا' قیساریہ' ارسوف' حیفا اور عکہ کا علاقہ رچرڈ کو ملا' ان میں تین مقام رملہ' ناصرہ اور صفوریہ جہاں باطنی آباد تھے' سلطان نے مستثنیٰ کر لیے باقی پورا فلسطین سلطان کے قبضہ میں رہا اور عسقلان کو برباد کر کے آزاد علاقہ قرار دیا گیا اور پانچ سال کی مسلسل خونریز لڑائیوں کے بعد جس میں فریقین کے لاکھوں آدمی کام آئے اور بے اندازہ

دولت صرف ہوئی' تیسری جنگ صلیبی کا خاتمہ ہوا ---- فریقین لڑتے لڑتے تھک چکے تھے اس لیے اس صلح سے مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی' سلطان نے سارے شام میں اس کا اعلان کرایا اور عام منادی کر دی گئی' کہ عیسائی اور مسلمان دونوں ایک دوسرے سے بے خوف و خطر مل سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے علاقوں میں جا سکتے ہیں۔ (صلح کی تفصیلات کے لیے دیکھو کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۰۲ و ۲۰۳)۔

اس جنگ میں یورپ کے لاکھوں آدمی سینکڑوں نامور امراء و عمائد اور متعدد بادشاہ کام آئے اور بے اندازہ دولت برباد ہوئی اور ان قربانیوں کے مقابلہ میں ان کو کچھ حاصل نہ ہوا' اگرچہ مسلمانوں کو بھی کافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا' لیکن ان کو اس کے بدلہ میں فلسطین کا قریب قریب پورا علاقہ مل گیا' مچاؤ نے اس جنگ کے نتائج پر حسب ذیل تبصرہ کیا۔

تیسرا کروسیڈ اس طرح ختم ہوا کہ یورپ کی تمام مسلح طاقتوں نے عکہ کی فتح اور عسقلان کی بربادی سے زیادہ اور کوئی فائدہ حاصل نہ کیا' اس میں جرمنی نے بغیر کسی عظمت کے اپنے شہنشاہوں میں سے سب سے بڑا شہنشاہ اور اپنی فوجوں میں سے بڑی فوج کھو دی' اگر ہم عرب مورخوں کے بیان پر اعتماد کریں تو عکہ کے سامنے چھ لاکھ کروسیڈ کام آئے اور مشکل سے ایک لاکھ سپاہی ان میں سے اپنے وطنوں کو واپس آ گئے' یورپ کے اس نقصان پر نوحہ کرنے کی اور بہت سی وجوہات تھیں' پہلی مہموں کی بہ نسبت اس جنگ میں یورپ کی بہت عمدہ فوجیں کام آئیں۔ (مچاؤ ج ا ص ۵۰۱' ۵۰۲)

لین پول لکھتا ہے کہ جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی' پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں' جولائی ۱۱۸۷ء میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک انچ زمین نہ تھی' ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر صلح ہوئی تو صور سے لے کر یافا کے ساحل تک بجز ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا' اس صلح نامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی' صلیبیوں نے جو کچھ فتح کیا تھا اس کا بڑا حصہ افرنجیوں کے پاس رہا لیکن اگر صرف جان و مال کا لحاظ کیا جائے تو نتیجہ نہایت حقیر تھا پاپائے روما کی فریاد سنتے ہی کل مسیحی دنیا نے ہتھیار اٹھا لیے تھے' قیصر فریڈرک شاہان انگلستان' فرانس اور سسلی کے سلاطین آسٹریا کا لیوپولڈ' برگنڈی کا ڈیوک'

فلانڈز کا کاؤنٹ، صدہا مشہور و معروف بیرن اور تمام عیسائی قوموں کے نائٹ، یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور فلسطین کے دوسرے عیسائی فرمانروا، طبقہ داویہ اور الیطاریہ کے بڑے مشہور شہسوار اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ بیت المقدس پر اپنا قبضہ جمالیں اور یروشلم کی مسیحی سلطنت جو مٹنے کے قریب تھی، پھر سر سبز ہو جائے لیکن اس کا انجام کیا ہوا، اسی درمیان میں فریڈرک قضا کر گیا۔ شاہان انگلستان و فرانس اپنے اپنے ملک کو سدھارے اور ان کے بڑے بڑے اشراف ارض ایلیا میں پیوند خاک ہوئے لیکن اس پر بھی یروشلم صلاح الدین کے قبضہ میں رہا صرف ساحل پر مکہ کی مختصری ریاست پر ان کا برائے نام عیسائی بادشاہ حکومت کرتا رہا، تیسری جنگ صلیبی میں تمام مسیحی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی مگر صلاح الدین کی قوت کو ٹس سے مس نہ کر سکی۔

(صلاح الدین ص ۳۱۰)

**صلیبیوں سے سلطان کا سلوک** صلح کے بعد سلطان نے عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت کی عام اجازت دے دی اور برسوں کے مشتاق زائرین اس کثرت سے ٹوٹ پڑے کہ رچرڈ کے لیے انتظام قائم کرنا مشکل ہو گیا اور اسے سلطان سے درخواست کرنا پڑی کہ وہ اس کی تحریر و اجازت نامہ کے بغیر کسی کو بیت المقدس میں داخل نہ ہونے دے، سلطان نے جواب دیا کہ زائرین بڑی بڑی مسافتیں طے کر کے زیارت کے شوق میں آتے ہیں ان کو روکنا مناسب نہیں ہے، اور اپنی جانب سے لاکھوں زائرین کی مدارات، راحت و آسائش اور دعوت کا انتظام کیا اور ان سے مل کر باتیں اور دلجوئی کرتا تھا۔

(کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۶۴)

سالز برس کا اسقف ہیوبرٹ والٹر بھی اپنے قافلہ کو لے کر زیارت کو آیا تھا، سلطان نے اس کے قیام کے لیے مکان پیش کیا، اس نے کہا کہ وہ محض زائر کی حیثیت سے چند روز کے لیے آیا ہے اس لیے مکان کی ضرورت نہیں ہے، سلطان نے اسقف مذکور اور اس کے ہمراہیوں کی خدمت کے لیے خدام مقرر کر دیئے اور اسے قیمتی ہدایا بھیجے اور اس کی دعوت کر کے صلیب مقدس کی، جو سلطان کے پاس تھی زیارت کرائی اور دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور اس سے رچرڈ کے عادات و خصائل پوچھے اور یہ بھی سوال کیا کہ مسلمانوں کے بارہ میں عیسائیوں کا کیا خیال ہے؟ اسقف نے جواب دیا کہ دنیا کا کوئی نائٹ

جنگی امور میں رچرڈ کی ہمسری نہیں کر سکتا' کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جو اس میں نہ ہو' اگر آپ کے اوصاف حمیدہ اس میں اور اس کی خوبیاں آپ میں پیدا ہو جائیں تو پھر تلاش کرنے سے دنیا میں ایسے بادشاہ نہ ملیں' سلطان نے اس سے کہا کہ اگر اس کی کوئی خواہش یا ضرورت ہو تو بیان کرے' اسقف نے خواہش کی تربیت مسیح بیت اللحم اور ناصرہ کی دینی خدمت میں شامی عیسائیوں کے ساتھ دو رومن کیتھلک قیسوں اور شماسوں کو بھی شرکت کی اجازت دی جائے شامی عیسائی مہد مسیح کی نہایت وحشیانہ طریقہ سے اور ادھوری خدمت انجام دیتے تھے' سلطان نے منظور کیا اور تینوں مقاموں پر رومن کیتھلک قیس اور شماس مقرر کر دیئے۔ (صلاح الدین ص ۳۱۴)

بیت المقدس کی زیارت سے فراغت کے بعد اکتوبر ۱۱۹۲ء میں صلیبی یورپ واپس گئے ان کی واپسی کے بعد سلطان نے بھی اپنی فوجوں کو آرام کرنے کے لیے ان کے وطن واپس کر دیا اور چند مہینے بیت المقدس میں قیام کر کے یہاں کے انتظامات درست کیے' شہر پناہ کی مرمت کرائی' خندق کھدوائی' راستے درست کرائے' مدارس کے اوقاف میں اضافہ کیا خانقاہوں کے لیے نئے اوقاف کیے ایک بڑا شفاخانہ قائم کیا اور اس کے لیے ہر طرح کی دوائیں مہیا کیں' ان سے فراغت کے بعد بیت المقدس کا انتظام امیر عزالدین جرویک کے سپرد کر کے شوال ۵۸۸ھ میں حج کے ارادہ سے دمشق گیا۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۰۵)

**وفات** ادھر کئی سال سے سلطان کی صحت بگڑ گئی تھی' جہاد کی پر محن زندگی سے آرام و سکون کا موقع نہ ملتا تھا' بیماری کی وجہ سے رمضان کے بہت سے روزے قضا ہو گئے تھے' دمشق آنے کے بعد ان کو پورا کرنا شروع کیا' روزے مزاج کے موافق نہ پڑتے تھے' اس لیے طبیب نے روکا کہ صحت پر برا اثر پڑے گا' سلطان نے جواب دیا معلوم نہیں آئندہ کیا پیش آئے اور کل روزے پورے کیے۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۱۹) اس سے صحت اور بگڑ گئی اور وسط صفر ۵۸۹ھ میں پھر بیمار پڑ گیا' علالت معمولی بخار سے شروع ہوئی اور بہت جلد مرض الموت کی شکل اختیار کر لی' وفات سے تین دن پہلے غشی طاری ہو گئی' جو آخر تک قائم رہی' عالم احتضار میں شیخ ابو جعفر نے قرآن کی تلاوت شروع کی جب اس آیت ھواللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ پر پہنچے تو دفعتہً "سلطان نے آنکھ کھول دی زبان سے نکلا "سچ ہے" لبوں پر تبسم اور چہرہ پر بشاشت طاری ہوئی اور پھر ہمیشہ کے

لیے آنکھ بند کرلی، یہ صفر کی ۲۷ تاریخ دو شنبہ کا دن اور فجر کا وقت تھا۔

شیخ ضیاء الدین ابو القاسم عبد الملک دو یعی خطیب جامع دمشق نے غسل دیا، عصر کے وقت اسی مکان میں جس میں بیمار ہوا تھا، اس مجاہد اعظم کی لاش کو سپرد خاک کیا گیا، لاش کے ساتھ تلوار بھی جو ہمیشہ خدا کی راہ میں بے نیام رہی دفن کر دی گئی، کہ اب اس کا چلانے والا ہاتھ باقی نہ رہ گیا تھا، دو سال کے بعد سلطان کے لڑکے ملک الافضل نے جامع قدم کے پاس مقبرہ تعمیر کر کے محرم ۵۹۲ھ میں لاش اس میں منتقل کر دی اور جامع مسجد کی عمارت کو بڑھا کر مقبرہ کو اس کے احاطہ میں شامل کر لیا (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۱) جو اب تک زیارت گاہ خلائق ہے۔

سلطان کی موت تنہا صلاح الدین یوسف فرمانروائے مصر و شام کی موت نہ تھی بلکہ اس مجاہد جلیل کی موت تھی جس کی تلوار ساری عمر خدا کی راہ میں بے نیام رہی اور جس نے اپنا کل خانماں اور ساری کائنات اس کی راہ میں لٹا دی اور اسلام کی حمایت میں تنہا متحدہ عیسائی دنیا کا مقابلہ کیا اور مرتے مرتے تثلیث کے مقابلہ میں اسلام کے علم کو سربلند رکھا، اس لیے اس کی موت سے ساری دنیائے اسلام میں صف ماتم بچھ گئی، کوئی دل ایسا نہ تھا جو اس کے غم میں محزون، اور کوئی آنکھ نہ تھی جو اس کے ماتم میں اشکبار نہ رہی ہو۔

**ایک سبق آموز واقعہ** وفات کے سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ قابل ذکر ہے کہ اس جلیل القدر فرمانروا نے جس کی سلطنت جزیرہ شام و فلسطین اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی، اور جس نے اپنی زندگی میں بے شمار دولت خدا کی راہ میں اور کروڑوں روپے داد و دہش میں صرف کیے وفات کے وقت اپنی ملک میں ایک دینار اور چالیس درہم کے علاوہ کسی قسم کے نقد و جنس اور کوئی املاک نہیں چھوڑی، اتنا بھی نہ تھا کہ تجہیز و تکفین کے مصارف پورے ہو سکتے، قاضی فاضل نے حلال و طیب مال سے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا۔

(کتاب الروضتین ج ۲۱۳، ۲۱۴)

**اخلاق و سیرت** اسلام کی تاریخ میں خلفائے راشدین کے علاوہ اس کی دوسری مثال نہیں ملتی سلطان نور الدین کی طرح صلاح الدین بھی تنہا شمشیر زن مجاہد ہی نہ تھا، بلکہ فضائل اخلاق کا بھی مکمل نمونہ تھا، اس کے فضائل و مناقب و کملات بے شمار ہیں اور ان کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب چاہیے، تاہم اس کی زندگی کے اس رخ کی جھلک پیش

کیے بغیر اس کی تصویر نا تمام رہ جائے گی اس لیے اس کی سیرت و اخلاق کے متعلق اس کے رفیق خلوت و جلوت قاضی بہاؤ الدین ا۔ ابن شداد کے بیان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی مستند شہادت نہیں ہو سکتی' وہ لکھتے ہیں۔

سلطان صلاح الدین کو دینی احکام کی پابندی اور امور شریعت کی حفاظت میں بڑا اہتمام تھا وہ صحیح العقیدہ اور ذاکر و شاغل تھا' اس نے اکابر فقہاء و اہل علم سے بحث و مباحثہ کے بعد عقائد قائم کیے تھے' اس کے عقاید تشبیہ اور تعطل کی آمیزش سے پاک' صحیح اور استوار تھے' امام قطب الدین نیشاپوری نے اس کے لیے عقاید پر ایک کتاب لکھی تھی' جس میں تمام ضروری عقائد جمع کر دیے تھے۔ سلطان اپنی اولاد کو بچپن سے ان کی تعلیم دیتا تھا' نماز با جماعت کا اتنا اہتمام تھا کہ برسوں تک تنہا پڑھنے کا اتفاق نہ ہوتا تھا' بیماری کی حالت میں بھی امام کو گھر پر بلا کر جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا' جن سنتوں پر آنحضرت ﷺ نے مواظبت فرمائی تھی وہ کبھی ترک نہ ہوتی تھیں تہجد پابندی کے ساتھ پڑھتا تھا' اگر کبھی اتفاق سے آنکھ نہ کھلتی تو نماز فجر سے پہلے چند رکعت نوافل پڑھ لیتا تھا' جب تک اس کے ہوش و حواس قائم رہے نماز نہ چھوٹی اور مرض الموت کے ان آخری تین دنوں کے علاوہ جن میں غشی طاری ہو گئی تھی ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ ہوئی' سفر میں جس مقام پر نماز کا وقت آ جاتا سواری روک کر اتر پڑتا اور نماز پڑھنے کے بعد آگے بڑھتا' اس کے پاس کبھی اتنا روپیہ جمع نہیں ہوا کہ زکوۃ واجب ہوتی' جو کچھ ہاتھ میں آتا سب صدقہ یا وابستگان دولت میں تقسیم کر دیتا تھا' اپنے پاس ایک حبہ نہ رکھتا تھا' اس لیے عمر بھر زکوۃ ادا کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی' روزے پابندی سے رکھتا تھا' آخر کے چند سالوں میں بیماری

---

ا۔ قاضی ابن شداد کا وطن موصل تھا' اپنے زمانے کے نامور عالم تھے' عرصہ تک دولت اتابکیہ سے وابستہ رہے پھر صلاح الدین کے دربار سے متوسل ہو گئے اور اس کی زندگی کے آخری چند برسوں میں جلوت و خلوت میں ہر وقت سلطان کے ساتھ رہے اس لیے ان کے بیانات سلطان کے حالات میں سب سے زیادہ مستند ہیں انہوں نے سلطان کے سوانح بھی لکھے تھے' جس کو ابوشامہ نے کتاب الروضتین میں نقل کیا ہے' اس سے زیادہ مستند اور کوئی بیان نہیں ہو سکتا' سلطان ان کو دمشق کا قاضی بنانا چاہتا لیکن قبول نہیں کیا' اس کی وفات کے بعد الملک الفاضل نے حلب کا قاضی بنایا

کی وجہ سے روزے قضا ہو گئے تھے' لیکن صحت کی خرابی کے باوجود وفات سے پہلے ان کو ادا کر دیا' بلکہ ان ہی روزوں کی وجہ سے اس کی صحت اور بھی بگڑ گئی' جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' حج کا ہر سال ارادہ کرتا تھا' مگر جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے اس کا موقع نہ ملتا تھا' صلیبیوں سے مصالحت کے بعد ۵۸۸ھ میں حج کا مصمم ارادہ تھا۔ اور اس کے انتظامات بھی شروع کر دیئے تھے لیکن وقت کی تنگی اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا اور دوسرے سال کے لیے ملتوی کرنا پڑا لیکن موت نے اس کا موقع نہ دیا۔

کلام مجید کے سماع کا بڑا ذوق تھا' ہمیشہ عالم قرآن اور خوش الحان قاری کو امام بناتا تھا۔ روزانہ مجلس خاص میں شب کو اور مجلس عام میں دن کو پابندی سے کلام مجید پڑھوا کر سنتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک چھوٹے بچے کو قرآن پڑھتے سنا اس کی تلاوت پسند آئی' اپنے خاصہ سے اس کے لیے کھانا بھیجا اور لڑکے کے باپ کو گزارہ کے لیے زمین عطا کی' وہ بڑا رقیق القلب اور اثر پذیر دل رکھتا تھا' قرآن کی آیات سن کر خشیت الٰہی سے اس کا دل لبریز ہو جاتا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے' سماع حدیث کا بھی شائق تھا' جب کسی ایسے بڑے محدث کا نام سنتا جس کو اس کے پاس آنے میں کوئی تامل نہ ہوتا تو اسے بلا کر خود اس سے حدیث سنتا' اور اپنی اولاد اور خاص آدمیوں کو سنواتا' سماع حدیث کے وقت سامعین کو وقار و متانت کے ساتھ بیٹھنے کی تاکید کرتا اور اگر کوئی ایسا محدث ہوتا جو سلاطین کے درباروں میں جانا پسند نہ کرتا تو خود اس کے پاس جا کر سماع کرتا' چنانچہ حافظ سلفی سے سماع حدیث کے لیے بارہا قاہرہ سے اسکندریہ گیا' خود بھی قرات حدیث کرتا تھا' اور جب کوئی عبرت و بصیرت کی حدیث آ جاتی تو آنکھیں پر نم ہو جاتیں۔

**شعائر دین کا احترام** شعائر دین کی بڑی تعظیم کرتا تھا' حشر اجساد' جنت و دوزخ' جزا و سزا وغیرہ پر' جن پر قرآن ناطق ہے' بغیر کسی تاویل کے ایمان رکھتا تھا' فلاسفہ' معتلہ و دہریہ وغیرہ تمام فرق ضالہ کا سخت دشمن اور اس بارہ میں اتنا متشدد تھا کہ مشہور فلسفی شہاب الدین سہروردی فلسفیانہ خیالات کے الزام میں اسی کے حکم سے قتل کیے گئے' اللہ تعالیٰ کی ذات اور کارسازی و دستگیری و رحمت پر اس کو بڑا بھروسہ تھا' میرا چشم دید واقعہ ہے کہ جب دوسری مرتبہ صلیبیوں نے بیت المقدس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور سلطان کی فوج میں سرتابی کے آثار نظر آئے' تو سلطان نے نماز پڑھ کر بارگاہ ایزدی میں دعا کی' اس کے

طفیل میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے شر سے بچالیا۔

ان اوصاف کے ساتھ وہ بڑا عادل' شفیق' رحم دل اور زور آوروں کے مقابلہ میں کمزوروں کا حامی و مددگار تھا' سفر و حضر ہر حالت میں دو شنبہ اور جمعہ کو عدالت کرتا تھا' علماء و فقہاء و قضاۃ عدالت میں موجود رہتے تھے' بوڑھوں' بچوں' کمزور و ناتواں ہر شخص کے لیے عدالت کا دروازہ کھلا تھا' سلطان تک پہنچنے کے لیے کسی واسطہ و وسیلہ کی ضرورت نہ تھی' عدالت میں روزانہ جتنے معاملات و مقدمات پیش ہوتے ان کے متعلق ضروری تحقیقات کر کے تمام درخواستیں جمع کر لی جاتیں اور کسی دوسرے وقت ان پر غور کر کے احکام و فیصلے صادر کرتا۔

<u>عدل پروری</u> اس کی عدل پروری کے بعض واقعات قابل ذکر ہیں' ایک مرتبہ ایک شخص ابن زہیر نے اس کے بھتیجے تقی الدین عمر کے خلاف دعویٰ کیا' تقی الدین نے حماۃ کے قاضی امین الدین کو اپنا وکیل بنا دیا۔ امین الدین سلطان کے خاص ندیموں میں تھے' میں نے ان کو مدعی کے برابر کھڑا کر کے اظہار لیا۔ دوران مقدمہ میں تقی الدین کے حلف کی ضرورت پیش آئی' سلطان تقی الدین کو بہت محبوب رکھتا تھا' لیکن اس نے بلا تامل اس کو بھیج دیا۔

ایک مرتبہ ایک تاجر عمر خلاطی نے خود سلطان کے خلاف دعویٰ کیا کہ اس کے ایک متوفی غلام سنقر کی املاک پر جس کا وارث قانوناً مدعی کو ہونا چاہیے' سلطان نے قبضہ کر لیا ہے اور اس کے ثبوت میں غلام کی خریداری کی دستاویز پیش کی اس کے خلاف۔ اور کوئی اندراج نہ تھا اس لیے مجھے تعجب ہوا' میں نے سلطان سے بیان کیا اس نے مدعی کو بلا کر میرے سامنے اس سے دستاویز لے کر دیکھی' اس وقت اس کا جعل کھلا' اس میں خریداری کی جو تاریخ درج تھی اس سے ایک سال قبل سلطان اس کو خرید چکا تھا اور اس کے ثبوت میں اس نے معتبر شہادتیں پیش کیں' مدعی بہت گھبرایا' اس کی پریشانی دیکھ کر میں نے سلطان سے عرض کیا کہ مدعی کے اس فعل کی غرض سلطان کے مراحم خسروانہ کا حصول تھا' اس لیے اس کو مایوس نہ فرمایا جائے' یہ سن کر سلطان نے اس کو خلعت و انعام عطا کیا۔

اس کی فیاضی اور سیر چشمی غلط بخشی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی' پورے پورے علاقے اور ضلعے لوگوں کو دے ڈالتا تھا۔ آمد کی فتح کے بعد ابن قراء ارسلان نے اس کو سلطان سے

مانگا' اس نے بلا تامل پورا علاقہ دے دیا۔ تنگی و فراخی کسی حالت میں اس کی داد و دہش میں فرق نہ آتا تھا' ایک مرتبہ قدس میں اس کے پاس کئی وفد آئے' اتفاق سے اس وقت خزانہ بالکل خالی تھا سلطان نے گاؤں بیچ کر ان کو انعام دیا' اس کی غلط بخشی کی وجہ سے خزانہ کے منتظمین ناگہانی ضروریات کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی رقم اس سے چھپائے رکھتے تھے' تاکہ عین وقت پر روپیہ کی دقت پیش نہ آئے' وہ سائلوں کو ہمیشہ ان کی توقع سے زیادہ دیتا تھا اور کبھی دوسرے سے اس کا اظہار نہیں کرتا تھا' جس کو جتنا زیادہ دیتا تھا اتنا ہی زیادہ خندہ پیشانی سے پیش آتا تھا' جسے کسی سبب سے کچھ نہ دے سکتا تھا اس سے محجوب رہتا تھا' لوگ ہمیشہ اس سے عطایا و وظائف میں اضافہ کے خواہش مند رہتے تھے' لیکن سلطان کی زبان سے کبھی یہ نہ نکلا کہ کہاں تک دیتا رہوں' اکثر عطایا کے احکام میرے ذریعے سے صادر ہوتے تھے' مجھے لوگوں کے سوال کی کثرت پر تو شرمندگی ہوتی' لیکن سلطان کے انکار کی شرمندگی کبھی نہ اٹھانا پڑی' جو شخص بھی سلطان کی خدمت سے وابستہ رہا اس نے ہمیشہ کے لیے دوسروں کی احتیاج سے مستغنی کر دیا۔

**شجاعت** وہ بڑا شجاع' نڈر' قوی دل اور مستقل مزاج تھا' کسی واقعہ سے گھبراتا نہ تھا' میں نے بارہا دیکھا ہے کہ اس کے مقابلہ میں فرنگیوں کی بہت بڑی تعداد ہے اور ان کی امدادی فوجوں کا سلسلہ بندھا ہوا ہے لیکن سلطان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا' بلکہ اس سے اس کی ہمت و حوصلہ اور زیادہ بڑھتا تھا' عکہ کے محاصرہ کے زمانہ میں ایک شب فرنگیوں کے ستر سے زیادہ جنگی جہاز آئے' میں ان کا شمار کرتا جاتا تھا' لیکن اس سے سلطان کے دل میں اور زیادہ قوت اور اس کے مزاج میں اور زیادہ استقلال پیدا ہو گیا' وہ ہر سال جاڑے کے موسم میں فوجوں کو ان کے وطن واپس کر دیتا تھا' اور خود تھوڑی سی فوج کے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ میں رہتا تھا جنگ کے زمانہ میں دشمنوں کی قوت اور حالات کا اندازہ لگانے کے لیے ان کے لشکر گاہ کے گرد روزانہ ایک دو مرتبہ ضرور چکر لگاتا تھا' عین اس وقت جب لڑائی پورے شباب پر ہوتی' فوج کی صفوں میں گھوم پھر کر ان کی ترتیب قائم کرتا اور جنگی ہدایات دیتا۔ اور اس سلسلہ میں دشمنوں کی صفوں کے بالکل قریب پہنچ جاتا اور اس حالت میں سماع حدیث بھی کرتا جاتا' اس نے دشمنوں کی کثرت کی مطلق کبھی پرواہ نہ کی اور نہ اس کو کوئی اہمیت دی' لیکن جنگی معاملات پر غور و فکر اور اس کی تدبیروں سے

غافل نہ رہتا تھا' فوجی افسر اس کے سامنے اپنی رائیں پیش کرتے سلطان بغیر کسی ناگواری کے ان کو سنتا اور مناسب رایوں پر عمل بھی کرتا' عکہ کے سب سے بڑے معرکہ میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کی فوجیں پسپا ہو گئیں' اس وقت بھی سلطان چند جان نثاروں کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہا اور منتشر فوجوں کو للکار کر اور شرم دلا کر پھر سے جمع کر کے اس زور کا حملہ کیا کہ سات ہزار فرنگی مارے گئے اور سلطان برابر ان کے مقابلہ میں ڈٹا رہا' لیکن حالات ایسے ہو گئے تھے کہ آخر میں صلح کر لینا پڑی۔

سلطان پر صحت اور بیماری کے مختلف دور آتے رہتے تھے' بعض اوقات بڑی نازک صورت پیدا ہو جاتی تھی' لیکن اس سے جہاد کی سرگرمی میں فرق نہ آتا تھا' چنانچہ اس کی ساری عمر میدان جنگ میں گذری' وہ ہمیشہ جہاد میں مشغول رہتا تھا' اس کے لیے بڑا اہتمام و انتظام کرتا تھا' اس کی ساری توجہ جہاد ہی کی طرف رہتی تھی' جب اس نے میدان جہاد میں قدم رکھا' اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں ایک حبہ بھی صرف نہیں کیا' اس کی فیاضی بھی عموماً جہاد ہی کے سلسلہ میں یا اسی کے فائدہ کی غرض سے ہوتی تھی اس کو جہاد سے اتنا شغف اور انہماک تھا کہ اس کے قلب و دماغ اور سارے اعضاء پر جہاد ہی چھایا رہتا تھا' جہاد کے علاوہ کسی موضوع پر گفتگو کرتا نہ دوسرا کام کرتا' جہاد کے آلات و اسلحہ کے علاوہ اور کسی ساز و سامان کی جانب نگاہ نہ اٹھاتا تھا' ہر وقت فوجی تیاری میں منہمک رہتا' مجاہدین کے علاوہ دوسرے اشخاص کی جانب ملتفت تک نہ ہوتا تھا' غرض وہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا' اس کے لیے اس نے بیوی' بچے' وطن' گھر بار' لذت راحت کے سارے سامان چھوڑ دیئے تھے اور میدان جنگ میں خیمہ کی زندگی اختیار کر لی' جس کے ہر طرف ہوا کے جھکڑ چل رہے ہوں' عکہ کی جنگ کے زمانہ میں ایک کو ہوا کے طوفان سے خیمہ گر پڑا اتفاق سے اس وقت سلطان اس میں موجود نہ تھا' ورنہ جان نہیں بچ سکتی تھی' مصائب و مشکلات اس کے ولولہ جہاد کے لیے مہمیز کا کام دیتے ان سے اس کا ذوق اور صبر و استقلال اور زیادہ بڑھتا تھا۔ (اس کے بہت سے واقعات بہاؤالدین نے نقل کیے ہیں) جو لوگ اس کے مزاج میں تقرب حاصل کرنا چاہتے وہ جہاد کو وسیلہ بناتے' علماء نے جہاد پر اس کے لیے کتابیں لکھیں' میں نے بھی ایک کتاب لکھی تھی' اس میں جہاد کے آداب اور جہاد سے متعلق آیات و احادیث جمع کی تھیں ان کی شرح بھی

لکھی تھی، یہ کتاب اکثر سلطان کے مطالعہ میں رہتی تھی۔

کوکب پر قبضہ کے بعد ۵۸۴ھ میں سلطان نے فوجوں کو آرام کرنے کے لیے ان کے وطن واپس کر دیا۔ مصری فوج اس کے بھائی عادل کے ہمراہ مصر جانے والی تھی، سلطان نے ارادہ کیا کہ عسقلان تک اس کے ساتھ جائے اور ساحلی علاقہ کا معائنہ کرے اور اس کے انتظامات کرتا ہوا بحری راستہ سے واپس آئے، میں نے مخالفت کی اور کہا کہ سب فوجیں واپس جا چکی ہیں صرف تھوڑی سی فوج رہ گئی ہے، فرنگی فوجیں صور میں جمع ہیں ایسی حالت میں بحری سفر مناسب نہیں ہے، لیکن سلطان نہ مانا اور عسقلان تک عادل کے ہمراہ گیا اور اس کو رخصت کرنے کے بعد ساحلی علاقہ کی سمت سے واپس ہوا، یہ جاڑے کا موسم تھا، سمندر میں سخت طلاطم تھا، پہاڑ کے برابر اونچی موجیں اٹھتی تھیں، ہم لوگوں کے دل میں بڑا ہول پیدا ہو گیا، میرے دل میں خیال آیا کہ اگر ایسے پر شور سمندر میں ایک میل سفر کے معاوضے میں مجھ کو ساری دنیا کی بادشاہت بھی ملے تو میں قبول نہ کروں، یہ خیال کر رہا تھا کہ سلطان نے مجھے مخاطب ہو کر کہا "اگر خدا باقی ساحلی علاقہ کو بھی فتح کرا دے تو میں اس کو تقسیم کر کے سب سے رخصت ہو کر سمندر کے جزائر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوں تاکہ پھر کوئی روئے زمین پر منکر خدا باقی نہ رہے، یا اسی راہ میں مجھے موت آ جائے" سلطان کی ان باتوں کا میرے دل پر بڑا اثر پڑا، میں نے اس سے کہا، روئے زمین پر سلطان سے زیادہ بہادر اور خدا کے دین کی حمایت و نصرت میں اس سے زیادہ مضبوط دل اور خالص نیت رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے اور میرے دل میں جو خطرات گزرتے تھے، ان کو بیان کر کے عرض کیا کہ آپ کے حسن نیت میں شبہ نہیں ہے، لیکن آپ کے ساتھ اس وقت فوج کم ہے آپ کی ذات اس زمانے میں اسلام کی پشت و پناہ ہے، اس کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہیں ہے، سلطان نے پوچھا۔ اچھا بتائیے شرعاً سب سے بہتر و معزز کونسی موت، میں نے کہا جو خدا کی راہ میں ہو، سلطان نے کہا تو میرے لیے زیادہ سے زیادہ جو خطرہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ میں ایک بہتر اور معزز موت مروں گا۔"

**صبر و استقلال** اس کی ہمت و صبر و استقلال کا یہ حال تھا کہ عکہ کے محاصرہ کے دوران میں اس کے دھڑ میں اس کثرت سے دنبل نکل آئے تھے کہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا تھا، لیکن حالت میں جہاد کی سرگرمی میں فرق نہ آیا، صبح سے ظہر تک اور عصر سے

مغرب تک برابر گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا تھا' اس کو خود تعجب ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ جب تک گھوڑے کی پیٹھ پر رہتا ہوں' ساری تکلیف جاتی رہتی ہے اور اس سے اترتے ہی پھر عود کر آتی ہے' یہ صرف فضل خداوندی ہے ایک مرتبہ جب کہ ہم لوگ خروبہ میں تھے' سلطان سخت بیمار پڑ گیا اور تل حجاب نہ پہنچ سکا' فرنگیوں کو خبر ہوئی تو وہ تل حجاب کی جانب بڑھے سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو بیماری کی حالت میں ان کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑا ہوا' اس کا قاعدہ تھا کہ دشمن کو کمزور کیے بغیر خیمہ میں نہ جاتا تھا' گرمی بڑی سخت پڑ رہی تھی' سلطان نے دھوپ سے بچنے کے لیے چہرہ پر رومال ڈال لیا' تھوڑی دور جا کر پھر ٹھہر جاتا تھا' اسی طریقے سے اس نے پورا راستہ طے کیا اور فرنگیوں کے قریب ہو کر فوج مرتب کر کے اپنے تین لڑکوں افضل' ظاہر اور ظافر کو فوج کے آگے کیا اور فرنگیوں کا منصوبہ نہ پورا ہونے دیا۔ اسی طریقے سے صفد کے محاصرہ کے زمانہ میں بڑی سخت سردی پڑ رہی تھی' اتفاق سے بارش بھی ہو گئی تھی' جس سے سردی چمک گئی تھی' سلطان نے پوری رات جاگ کر اپنے اہتمام میں پانچ منجنیقیں نصب کرائیں۔

ایک مرتبہ کسی جنگ کے دوران میں اس کے نوجوان لڑکے اسماعیل کی موت کی خبر آ گئی' سلطان نے اس کو نہ کسی سے بیان کیا اور نہ کسی طرز عمل سے ظاہر ہونے دیا' البتہ جب موت کی اطلاع کا خط پڑھتا تھا تو آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں' اسی طریقے سے رملہ کے معرکہ کے زمانے میں اس کے نامور اور جوان بھتیجے تقی الدین عمر کی موت کی خبر آئی' سلطان اس کو بہت محبوب رکھتا تھا' اس کی موت کا سلطان کو اتنا قلق ہوا کہ ضبط کرنا مشکل ہو گیا' تاہم اس کا عام اعلان نہیں کیا اور لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا کر صرف مخصوص لوگوں سے گلو گیر آواز میں بہ مشکل اتنا کہہ سکا کہ تقی الدین کا انتقال ہو گیا اور بے قرار ہو کر رونے لگا' اور ہم سب لوگوں سے تاکید کر دی کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائے' اس کو اپنی چھوٹی اولادوں سے زیادہ محبت تھی' لیکن خدا کی راہ میں ان سب کو چھوڑ دیا تھا' اس کو دنیاوی عیش و راحت کے تمام سامان حاصل تھے مگر ان سب کو چھوڑ کر جہاد کی پر محن زندگی اختیار کی تھی۔

**حلم و بردباری** حلم و بردباری کا پیکر تھا' روزانہ کا معمول یہ تھا' جنگی انتظامات کے معائنہ کے بعد کھانا کھاتا تھا' تھوڑی دیر آرام کر کے ظہر کی نماز پڑھتا تھا' نماز کے بعد ایک

خاص صحبت ہوتی تھی' جس میں حدیث یا فقہ پڑھی جاتی تھی' مرج عیون کے معرکہ میں ایک دن حسب معمول جنگی کاموں سے فراغت کے بعد دستر خوان بچھایا گیا' کھانے کے بعد سلطان نے آرام کے لیے اٹھنا چاہا' لیکن نماز کا وقت آ گیا تھا اس لیے پھر بیٹھ گیا' اس وقت صرف مقربین خاص تھے کہ اتنے میں سلطان کا ایک معزز غلام آیا اور کسی مجاہد کے متعلق کوئی درخواست پیش کرنی چاہی' سلطان نے کہا کہ اس وقت میں تھکا ہوں' تھوڑی دیر کے بعد لانا' لیکن غلام نے عرض کی' پھر اس کے متعلق حکم صادر فرمایا جائے' سلطان نے کہا' اس وقت قلم و دوات موجود نہیں ہے' غلام بولا خیمہ کے اندر ہے' سلطان کو بھی خیال آ گیا' چنانچہ وہ خود اٹھ کر لے آیا اور درخواست پر حکم لکھ دیا' میں نے عرض کیا کہ سلطان کا اخلاق' خلق نبویؐ کا نمونہ ہے اس نے کہا اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہوا اور ایک شخص کی حاجت پوری ہو گئی' جس کا ثواب مجھ کو حاصل ہوا' بعض اوقات عرضی گذاروں کے اژدھام سے اس کا فرش مل دل جاتا تھا' لیکن سلطان کی ابرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی' ایک مرتبہ میں اور سلطان پہلو بہ پہلو جا رہے تھے' میری سواری بھڑک کر سلطان کی سواری سے بھڑ گئی اور سلطان کے کولہے میں رگڑ لگ گئی' وہ صرف مسکرا دیا' ایک مرتبہ کیچڑ پانی میں ہم دونوں ساتھ ساتھ خچر پر جا رہے تھے' میری خچر نے کیچڑ اچھال دی' جس سے سلطان کے سارے کپڑے خراب ہو گئے' سلطان اس پر بھی مسکرا دیا' میں نے پیچھے ہٹ کر چلنا چاہا لیکن اس نے ہٹنے نہ دیا' وہ داد خواہوں اور فریادیوں کی زبان سے ایسی باتیں سنتا تھا کہ دوسرا ان کی تاب نہ لا سکتا تھا' لیکن سلطان ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا تھا' حتیٰ کہ فوجی افسروں کی جنگی عدول حکمی پر بھی مواخذہ نہ کرتا تھا' ایک مرتبہ کسی جنگ کے سلسلہ میں رچرڈ تھوڑی سی فوج کے ساتھ سامنے آ گیا' سلطان نے امراء کو حملہ کا حکم دیا' انہوں نے اس کی تعمیل نہ کی' سلطان نہایت آزردہ خاطر ہوا اور لوگوں کو یقین تھا کہ ان نافرمانوں کو تو سلطان ضرور سزا دے گا' واپسی میں دمشق سے بہت سے میوے آئے' سلطان نے ان امراء کو بلا کر اسی خندہ پیشانی کے ساتھ کھلایا اور ان کو اس کی جانب سے اطمینان حاصل ہوا۔

**مہمان نوازی** مہمانوں کی خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم بڑی عزت و مدارات کرتا تھا' صلح کے بعد برنس والی انطاکیہ سلطان کا مہمان ہوا' اس کے آنے کے ساتھ ہی سلطان اس

کے خیمہ میں جا کر اس سے ملا برنس اس سے کسی علاقہ کا طالب ہوا' سلطان نے عمق کا علاقہ جس کو اس نے ۵۸۴ھ میں برنس سے چھینا تھا' اس کو دے دیا' ایک مرتبہ صیدا کا فرنگی والی اس کے پاس آیا سلطان نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی' خود اس کے ساتھ کھانا کھایا اور اس کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کر کے اس کو قبول کرنے کی دعوت دی' علماء و مشائخ کی بڑی تعظیم کرتا تھا' ہم لوگوں کو ہدایت تھی کہ جو علماء و مشائخ سلطانی فرودگاہ کے قریب سے گذریں ان کو سلطان کی جانب سے دعوت دی جائے اور ان کی خدمت کی جائے' ۵۸۴ھ میں ایک بڑے ممتاز عالم اور شیخ وقت بیت المقدس کی زیارت کے لیے آئے اور سلطان سے مل کر اس کی اسلامی خدمات پر اس کا شکریہ ادا کیا اور کچھ نصیحتیں کیں اور شب کو قیام کر کے صبح کو رخصت ہونا چاہا' ہم نے ہرچند روکا کہ بغیر سلطان سے ملے ہوئے چلے جانا مناسب نہیں ہے' لیکن شیخ نے نہ مانا اور کہا میرا مقصد صرف سلطان کی زیارت تھی' اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے اور سلطان سے رخصت ہوئے بغیر چلے گئے' دو چار دن کے بعد سلطان نے پوچھا تو میں نے واقعہ بیان کیا' وہ سخت برہم ہوا کہ تم لوگوں نے مجھ کو ان کے جانے کی اطلاع کیوں نہیں دی' ایسے لوگ ملتے کہاں ہیں' میں ان کی کوئی خدمت نہیں کر سکا' سلطان کی برہمی دیکھ کر میں نے دمشق کے قاضی محی الدین کے ذریعہ شیخ مذکورہ کو سلطان کی برہمی کی اطلاع دے کر دوبارہ بیت المقدس آنے کی استدعا کی' چنانچہ وہ تشریف لائے سلطان نے بڑی عزت و توقیر کے ساتھ چند دنوں تک مہمان رکھا اور خلعت' سواری اور ہدایا و تحائف دے کر رخصت کیا۔

ایک مرتبہ ایک فرنگی قیدی سلطان کے سامنے لایا گیا' وہ مارے ڈر کے کانپ رہا تھا' سلطان نے ترجمان کے ذریعہ پوچھا کہ اتنا خوف زدہ کیوں ہے' اس نے جواب دیا' سلطان کا چہرہ دیکھنے سے قبل بے شک مجھ پر خوف طاری تھا' لیکن چہرہ پر نظر پڑنے کے بعد اب خوف جاتا رہا کہ ایسے چہرے سے برے سلوک کی توقع نہیں کی جا سکتی' یہ سن کر سلطان نے اس کو رہا کر دیا اور اس کے ساتھ بڑے لطف و کرم کا سلوک کیا' وابستگان دولت سے خواہ کتنا ہی بڑا سلطان کا ذاتی گناہ سرزد ہو جاتا' مواخذہ نہ کرتا تھا ایک مرتبہ خزانہ کے کسی عہدہ دار نے خزانہ سے مصری سونے کی دو تھیلیاں غائب کر کے ان کی بجائے پیسوں کی تھیلیاں رکھ دیں' سلطان نے اس سنگین جرم کی صرف اتنی سزا دی کہ خزانہ کے عمل کو

دوسرے شعبوں میں منتقل کر دیا۔

وہ بڑا خوش اخلاق اور اپنے رفقاء کے لیے بہترین ساتھی تھا' عرب کے انساب و اخبار اور ان کے گھوڑوں کے نسب ناموں کا حافظ اور دنیا کے عجائب و غرائب اور ان کے نوادر و واقعات کا عالم تھا' ہم لوگ اس کے ان محاضرات سے مستفید ہوتے تھے' جو اور کسی سے سننے میں نہ آتے تھے' اس کی مجلس نہایت پاکیزہ ہوتی تھی' ان میں کسی برائی کا تذکرہ نہ ہوتا تھا' پاکیزہ سماعت تھا ہمیشہ بھلی ہی باتیں سنتا تھا' پاکیزہ زبان تھا کبھی کسی کے حق میں کوئی فحش اور سخت کلمہ زبان سے نہیں نکلا' پاکیزہ قلم تھا' اپنی تحریر سے کسی مسلمان کی تذلیل و تحقیر و ایذا رسانی نہیں کی' عہد کا پابند اور یتیموں کا مربی اور سرپرست تھا' ان کے حال پر بڑی شفقت اور ان کی تالیف قلب کرتا تھا' اگر یتیموں کے اعزہ میں سے کوئی قابل اعتماد بڑا بوڑھا موجود ہوتا تو ان کو اس کی نگرانی میں دے دیتا ورنہ ان کے کھانے پینے کا انتظام کر کے کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیتا جو ذمہ داری کے ساتھ ان کی تربیت و نگہداشت کا فرض انجام دے سکے' بوڑھوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتا تھا' ان کے ساتھ احسان و سلوک کرتا تھا' اور اس کے یہ اخلاق اس کی زندگی کے آخری لمحہ تک برابر قائم رہے۔ (یہ حالات کتاب الروضتین ج ۲ ص ۲۱۸ تا ۲۲۴ قاضی ابن شداد کے بیان سے ماخوذ ہیں)

ان ذاتی محاسن و فضائل کے علاوہ سلطان نے بکثرت علمی و تمدنی اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح کے کام انجام دیئے' جن کی تفصیل طویل ہے۔ سارے ممالک محروسہ میں مدرسے اور دارالعلوم قائم کیے' بڑے بڑے شہروں میں مسافر خانے اور شفاخانے بنوائے' علماء و مشائخ و صوفیہ کے وظائف مقرر کیے' صوفیہ کے لیے خانقاہیں بنوائیں اور ان سب کے مصارف کے لیے اوقاف کیے' اس کے زمانہ میں مسلمانوں کا کوئی دینی و قومی کام' بلکہ کوئی کار خیر ایسا نہ تھا' جس کے لیے اس نے وسیع اوقاف نہ کیے ہوں۔

**مدارس کا قیام** مصر و شام و فلسطین اور جزیرے تمام شہروں میں سلطان اور اس کے متوسلین نے صدہا مدارس قائم کیے ان میں سے بعض ایسے عظیم الشان دارالعلوم تھے کہ ساری دنیائے اسلام میں ان کی شہرت تھی' فاطمی خلفاء کو مدارس سے کوئی دلچسپی نہ تھی' اس لیے ان کے زمانہ میں مصر کا ملک مدارس سے تقریباً خالی تھا' سب سے پہلے سلطان صلاح الدین نے یہاں مدرسے قائم کیے' اس کے تعلیمی ذوق کو دیکھ کر اس کے لڑکوں اور

اہل خاندان اور امراء بلکہ عورتوں تک میں مدرسے قائم کرنے کا شوق پیدا ہو گیا' اور مصر' قاہرہ' شام اور جزیرہ وغیرہ میں انہوں نے بکثرت مدارس قائم کیے۔

(ابن خلکان ج ۲ ص ۴۰۲ و حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲ ص ۱۰۴)

خطط مقریزی' حسن المحاضرہ' سیوطی' جواہر مضیہ' الدرا لمنتخب' کتاب الروضتین' ابن خلکان وغیرہ میں ان مدارس کے حالات ملتے ہیں' خصوصاً اول الذکر دونوں کتابوں میں مصر کے مدارس کے کسی قدر تفصیلی حالات ہیں' ان کے نام یہ تھے' مدرسہ صلاحیہ' مدرسہ صوفیہ' مدرسہ شرفیہ' مدرسہ قمحیہ' مدرسہ عالیہ' مدرسہ فائزیہ' مدرسہ فاضلیہ' مدرسہ ارکشیہ' مدرسہ فخریہ' مدرسہ عاشوریہ (یہ مدرسہ ایک ایوبی امیر کی بیوی نے قائم کیا تھا) مدرسہ قطبیہ (یہ مدرسہ سلطان کی بھتیجی ملک العادل کی لڑکی مونسہ خاتون نے قائم کیا تھا۔ مدرسہ مہدیہ' مدرسہ شریفیہ' مدرسہ مسروریہ اور مدرسہ ناصریہ۔

ان میں سے بعض مدرسے ایسے عظیم الشان اور اس سرو سامان کے تھے کہ آج اس کا یقین کرنا مشکل ہو گا' ہر بانی مدرسہ اس کے مصارف کے لیے وقف بھی کرتا تھا اور طلبہ کے قیام و طعام اور دوسری ضروریات کی کفالت وقف ہی سے ہوتی تھی' چنانچہ ان تمام مدارس کے لیے ان کے بانیوں کی جانب سے اوقاف تھے' مقریزی اور سیوطی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ (مقریزی جلد ۴ ص ۱۹۲' ۱۹۳' سفر نامہ ابن جبیر ص ۲۷۵ اور تفصیل کے لیے دیکھیے' خطط مقریزی جلد ۴ حالات مدارس و حسن المحاضرہ سیوطی جلد ۲ ص ۱۴۰)

اسکندریہ میں بھی بڑے بڑے مدارس تھے' مشہور سیاح ابن جبیر جس نے سلطان کے زمانہ میں مصر و شام کی سیاحت کی تھی' اسکندریہ کے حالات میں لکھتا ہے کہ اس شہر کے مناقب و مفاخر میں جس کا سہرا سلطان کے سر ہے' اس کے مدارس و اقامت گاہیں ہیں جو اس نے ان طلبہ اور صوفیہ کے لیے بنوائی ہیں جو دور دراز ملکوں سے حصول تعلیم اور عبادت و ریاضت کے لیے آتے ہیں' مدارس میں تعلیم کے ساتھ طلبہ کے قیام و طعام وغیرہ کا بھی انتظام ہے۔

پردیسیوں اور مسافروں کی راحت و آسائش کی جانب سلطان کی خاص توجہ ہے ان کے لیے اس نے حمام اور ایک بڑا شفاخانہ بنوایا ہے اس میں علاج کے لیے طبیب اور مریضوں کی خدمت اور ان کی دوا و غذا کے انتظام کے لیے خدام مقرر ہیں' جو بیمار شفاخانہ

عام میں آنا پسند نہیں کرتے ان کے لیے علیحدہ انتظام اور خاص آدمی مقرر ہیں جو طبیبوں کو ان کے حالات کی اطلاع دیتے ہیں۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۴۱'۴۲)

دمشق و حلب' خصوصاً حلب میں اتنے مدرسے قائم تھے کہ وہ شام کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا' قاضی القضاۃ محمد بن شحنہ حلبی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے' ان کے نام یہ ہیں۔

مدرسہ صاحبیہ' مدرسہ ظاہریہ' مدرسہ اسدیہ' مدرسہ بدریہ' مدرسہ سیفیہ' مدرسہ فردوس (یہ مدرسہ الملک العادل کی لڑکی ضیفہ خاتون نے قائم کیا تھا) مدرسہ بلدقیہ' مدرسہ قمریہ' مدرسہ حداویہ' مدرسہ جروکیہ' مدرسہ تیجیہ' مدرسہ قسلیسیہ' مدرسہ علائیہ' مدرسہ کمالیہ عدیمیہ' مدرسہ اتابکیہ۔

ابن جبیر دمشق کے حالات میں لکھتا ہے کہ یہاں جو نیا مدرسہ' خانقاہ یا مسجد بنتی ہے اس کے مصارف کے لیے سلطان کی جانب سے وقف کیا جاتا ہے' اس کا شوق یہاں اتنا عام ہے کہ عورتیں تک مسجدیں' مدرسے اور خانقاہیں بنواتی ہیں اور ان کے مصارف کے لیے بڑے بڑے اوقاف کرتی ہیں۔ امراء کا بھی یہی حال ہے اور اس میں لوگ ایک دوسرے پر سابقت کی کوشش کرتے ہیں۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۷۵)

ان مدارس کے علاوہ یتیموں اور غرباء کے بچوں کی تعلیم قرآن کے لیے علیحدہ مدارس ہیں جن کے جملہ مصارف سلطان ادا کرتا ہے۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۳۵۲)

اس کی جانب سے علماء کی جو تنخواہیں اور جو وظائف مقرر تھے' ان کی مجموعی رقم تین لاکھ دینار سالانہ یعنی موجودہ سکہ کے حساب سے تقریباً پندرہ لاکھ روپے تھی۔ (کتاب الروضتین ج ۲ ص ۱۳۸)

تمام بڑے بڑے شہروں میں صوفیہ و مشائخ کے لیے خانقاہیں بنوائیں اور ان کے لیے اوقاف کیے' قاہرہ کی خانقاہ بڑی عظیم الشان اور فاطمی دور کے ایک محل میں تھی' سلطان نے اس کے متعلق ایک حمام بنوایا اور اس کے لیے وقف کیا' اس خانقاہ کے مقیم صوفیہ و مشائخ کے جملہ اخراجات وقف سے پورے کیے جاتے تھے' خانقاہ کا منتظم اعلیٰ شیخ الشیوخ کہلاتا تھا۔ (مقریزی ج ۴ ص ۲۷۳) بیت المقدس میں بھی ایک خانقاہ بنوائی تھی۔

(کتاب الروضتین ج ۲ ص ۱۱۴)

صوفیہ سے سلطان کو خاص عقیدت تھی' ان کے لیے مجلس سماع منعقد کرتا تھا اور

جب وہ کیفیت میں کھڑے ہو جاتے تھے تو سلطان بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا اور جب تک وہ نہ بیٹھتے برابر کھڑا رہتا۔

**شفا خانے** جا بجا مسافروں کے لیے اقامت گاہیں بنوائیں' اسکندریہ کی اقامت گاہ کا ذکر اوپر گذر چکا ہے' بڑے بڑے شہروں میں شفا خانے تھے اسکندریہ کے شفاخانے کا ذکر گذر چکا ہے' سب سے بڑا شفاخانہ قاہرہ میں تھا' ابن جبیر نے ان الفاظ میں اس کی عظمت و شان کا ذکر کیا ہے۔

**قاہرہ کا شفاخانہ** قاہرہ کا شفاخانہ سلطان کے مفاخر میں ہے' یہ ایک نہایت خوبصورت اور شاندار ایوان معلوم ہوتا ہے' اس میں دواؤں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے' مریضوں کے لیے بہت سے کمرے ہیں' جن میں پلنگ اور بستروں کا پورا انتظام ہے' شفاخانہ کا اہتمام ایک مہتمم کے متعلق ہے' اس کے ماتحت بہت سے خدام ہیں' جو صبح و شام دونوں وقت مریضوں کو دیکھتے ہیں' اور ان کی دوا و غذا وغیرہ کا انتظام اور اس میں تبدیلی اور اصلاح کرتے ہیں' اس سے متصل عورتوں کے لیے زنانہ ہسپتال ہے' ان کے علاج اور تیمار داری کے لیے عورتیں مقرر ہیں' شفاخانہ سے متعلق ایک پاگل خانہ ہے اس کے دریچوں میں جالیاں لگی ہوئی ہیں' ان کا علاج اور ان کی دیکھ بھال مریضوں کی طرح ہوتی ہے' اس شفاخانے کی جانب سلطان کی خاص توجہ ہے اور وہ برابر اس کے حالات کی تحقیقات اور مریضوں کے علاج اور ان کی نگرانی کی تاکید کرتا رہتا ہے' اسی سروسامان کا ایک شفاخانہ مصر میں بھی ہے۔ (ابن جبیر ص ۵۱' ۵۲)

سلطان نے اپنے زمانے میں امور خیر کے لیے اتنے اوقاف کیے کہ تاریخ اسلام میں اس کی دوسری مثالیں نہیں ملتیں' ابن خلکان کا بیان ہے کہ سلطان دین و دنیا دونوں میں سعید تھا۔

دنیا میں اس نے کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے' اور کیسی فتوحات حاصل کیں اور کتنے بڑے بڑے اوقاف کیے۔ (ابن خلکان ج ۲ ص ۴۰۳)

ابن جبیر لکھتا ہے کہ قاہرہ میں کوئی مسجد' کوئی مزار کوئی اقامت خانہ' کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے' جس کو متوسلین کے مصارف سلطان کی جانب سے مقرر نہ ہوں۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۵۲) اسکندریہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ یہاں کے باشندوں کو بڑی فارغ البالی

حاصل ہے' اس سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا سلطان کو اس شہر سے کوئی آمدنی نہیں ہے اور اس کی جانب سے مختلف کار خیر کے لیے اوقاف ہیں۔ (سفر نامہ ابن جبیر ص ۵) صلحاء اور اخیار کے مزارات کے لیے علیحدہ اوقاف تھے' جو لوگ ان مشاہد و مزارات میں مقیم ہوتے ان کے جملہ اخراجات وقف سے پورے کیے جاتے تھے' مساجد کے اوقاف کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ تنہا جامع عمرو بن العاص ؓ کے مصارف تیس اشرفی روزانہ تھے۔ (سفر نامہ ابن جبیر ص ۵) دمشق میں اس کثرت سے اوقاف تھے کہ شہر کی تقریباً پوری آمدنی امور خیر کے لیے وقف تھی۔ (سفر نامہ ابن جبیر ص ۲۷۵)

سب سے بڑا وقف حرمین کے لیے تھا' جو آج تک قائم ہے' اس کی تاریخ یہ ہے کہ فاطمیہ مصر اپنے زمانہ میں فی حاجی ۷/۲ ۱ اشرفی ٹیکس وصول کرتے تھے اور جو نادار اس کو ادا نہ کر سکتا تھا اس کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں' امرائے مکہ بھی اس ناجائز آمدنی کے خوگر ہو گئے تھے۔ سلطان نے اپنے زمانہ میں یہ ٹیکس بند کر کے امیر مکہ کے لیے جاگیر اور حرمین کے خدام کے لیے وظائف اور اہل حرمین کے لیے آٹھ ہزار اردب سالانہ غلہ مقرر کر دیا۔ (ابن جبیر ص ۵'۶ و حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۵۶) جو موجودہ وزن کے اعتبار سے کم و بیش ۲۳ ہزار من کے قریب ہوتا ہے' یہ وقف اب تک قائم ہے اور حکومت مصر کی جانب سے حجاز کو یہ چیزیں دی جاتی تھیں ان کے علاوہ اور بہت سے اوقاف تھے جن کے حالات جستہ جستہ تاریخوں میں مذکور ہیں۔

## سلجوقی حکومت کا خاتمہ

صلاح الدین ایوبی اور صلیبی لڑائیوں کو اگرچہ براہ راست عباسی خلافت کے حالات سے کوئی تعلق نہیں تھا' لیکن یہ تاریخ اسلام کا نہایت اہم واقعہ تھا' اس لیے اس کا ذکر ضروری تھا' اب پھر اصل موضوع یعنی خلافت بغداد اور سلجوقیوں کے حالات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

ناصر کے زمانہ میں سلجوقی حکومت کا خاتمہ ہو گیا' اس کا آخری فرمانروا طغرل بن ارسلان اپنے اولوالعزم اسلاف کے اوصاف و خصوصیات کا حامل کوئی فرمانروا نہ گذرا تھا۔ (راحۃ الصدور ص ۳۲۳) اس کو کار پرداز بھی بڑے لائق مل گئے تھے' شمس الدین محمد بن ایلدکز والی آذربائیجان اس کا نائب الحکومت اور محمد بن طغرل سپہ سالار افواج تھا' یہ دونوں اپنے کاموں میں بڑے ماہر تھے' شمس الدین مدبر و عالی دماغ اور محمد جری اور بہادر تھا' انہوں

نے سلجوقی حکومت میں دوبارہ جان ڈال دی اور ان تمام علاقوں کو جو سلجوقیوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے، دوبارہ حاصل کر لیا تھا اور اس کے قرب و جوار کے تمام حکمرانوں کو زیر کر کے اس کا تابع فرمان بنا دیا اور شمس الدین نے خلافت بغداد میں بھی سلجوقی اقتدار کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی اور اعلان کر دیا کہ خلیفہ کو صرف امامت، خطبہ اور دوسرے مذہبی کاموں سے سروکار رکھنا چاہیے اور ملک کا انتظام سلجوقی حکومت کے ہاتھوں میں دے دینا چاہیے۔ (راحۃ الصدور ص ۳۳۳، ۳۳۴) لیکن ناصر زور و قوت کا خلیفہ تھا، اس لیے اس میں کامیابی نہیں ہوئی، شمس الدین نے مختلف حیثیتوں سے سلجوقی حکومت کو اتنی ترقی دی کہ اس کی پرانی شان و عظمت دوبارہ قائم ہو گئی۔ (راوندی نے اس کے متفرق حالات لکھے ہیں)

ذی الحجہ ۵۸۱ھ میں شمس الدین کا انتقال ہو گیا اور آذربائیجان کی حکومت پر اس کا لڑکا قزل ارسلان اس کا جانشین ہوا، طغرل نے بھی سلجوقی حکومت کی نیابت کا موروثی منصب اس کو عطا کر دیا۔ لیکن پھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ چند ہی دنوں میں باہم اختلاف ہو گیا اور قزل طغرل کے خلاف ہو گیا، اس کی مخالفت سے سلجوقی حکومت کا نظام بگڑ گیا، راوندی نے اس کی تفصیل لکھی ہے۔

طغرل خود حوصلہ مند فرمانروا تھا، اس نے شمس الدین کی موت کے بعد خود بھی خلافت بغداد کو اپنے ماتحت لانے کی کوشش کی اور ناصر کو لکھا کہ وہ خلافت بغداد کے انتظام و نگرانی کے لیے بغداد میں قیام کرنا چاہتا ہے، اس لیے سلجوقیوں کے بغدادی دارالحکومت کو اسے آباد کرنے کی اجازت دی جائے یہ وہ زمانہ تھا جب قزل سے اس کا اختلاف شروع ہو چکا تھا، قزل نے ناصر کو لکھ بھیجا کہ طغرل کی قوت بہت بڑھ گئی ہے اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو خلافت بغداد کے حق میں اس کا نتیجہ اچھا نہ نکلے گا، اور طغرل کے مقابلے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں، چنانچہ اس نے طغرل کے قاصد کو واپس کر دیا اور اس کے بغدادی دارالحکومت کو مسمار کر دیا اور قزل کو اس کے مقابلے پر مامور کر دیا۔

(تاریخ گجرات ص ۳۶۶ و ابن اثیر ج ۱۲ ص ۲۱۳)

ناصر کا حکم ملتے ہی قزل نے طغرل پر فوج کشی کر دی، لیکن طغرل نے اس کو بڑی فاش شکست دی اور وہ ناکام آذربائیجان لوٹ گیا۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۵۷)

اس شکست سے قزل کی دشمنی اور بڑھ گئی اور وہ حریفانہ اس کے مقابلہ میں آگیا، کئی

سال تک دونوں میں جنگ کا سلسلہ جاری رہا' اسی دوران میں طغرل کا چچا اور اس کے چچیرے بھائی اور متعدد امراء اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اس نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی' لیکن کامیابی نہ ہوئی' قزل کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے ہمدان پر فوج کشی کر دی۔

سلجوقیوں کے آپس کے اختلاف سے طغرل کی قوت کمزور ہو گئی تھی' اس لیے وہ مقابلہ نہ کر سکا۔ اور اپنے لڑکے کو ہمدان چھوڑ کر خود یہاں سے چلا گیا' قزل نے کچھ دور تک تعاقب کیا لیکن طغرل قبچاق کے علاقہ کی طرف نکل گیا اور قزل نے پلٹ کر طغرل کی جاگیروں پر قبضہ کر کے اسے لوٹ کر اس کو ویران کر ڈالا' چند دنوں کے بعد طغرل باحال تباہ پھر ہمدان واپس آیا لیکن یہاں کوئی امید نظر نہیں آئی' اس لیے تاج و تخت کو خیرباد کہہ دیا' لیکن اس کا وجود بھی قزل کے لیے خطرہ سے خالی نہ تھا' اس لیے اس نے اس کو گرفتار کرا لیا اور سلجوقی خاندان کے ایک رکن سنجر بن سلیمان کو تخت نشین کرنے کا ارادہ کیا' مگر پھر ناصر کے اشارے سے خود بادشاہ بن گیا۔ (راوندی نے یہ حالات بہت طویل لکھے ہیں ہم نے صرف خلاصہ نقل کیا ہے) حمد اللہ مستوفی کا بیان اس سے مختلف ہے' لیکن آخری نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۷۵)

لیکن اس کو زیادہ دنوں تک حکومت کا موقع نہ مل سکا اور خود ان سلجوقی امراء نے تغلق کو گرفتار کر لیا تھا' شوال ۵۸۷ھ میں قزل کو قتل کر دیا' اس کے قتل کے بعد اس کے بھائی امیر قتلغ اینانج اور دوسرے عراق امراء نے سلجوقی حکومت کو آپس میں تقسیم کر لیا' لیکن اقتدار قتلغ کا رہا قزل کے موروثی علاقہ آذربائیجان کی حکومت اس کے دوسرے بھائی ابوبکر کے ہاتھوں میں آئی۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۴۱)

اس واقعہ کے چند دنوں بعد سلجوقی حکومت کے قدیم نمک خوار امراء امیر حسام الدین' درزمائی میرناسوغ لی اور امیر سیف الدین وغیرہ طغرل کو قید سے چھڑا لائے اور قتلغ اور اس کے ساتھیوں کو شکست دے کر طغرل کو دوبارہ تخت نشین کیا۔

قتلغ علاؤالدین تکش فرمانروائے خوارزم سے مدد کا طالب ہوا' یہ خوارزمی حکومت کے عروج کا زمانہ تھا' علاؤالدین توسیع سلطنت میں مصروف تھا' قتلغ کی درخواست پر اسے عراق و فارس میں اقتدار قائم کرنے کا موقع مل گیا وہ فوراً قتلغ کی مدد کے لیے پہنچا' قتلغ کو

علاؤالدین کی نیت کا اندازہ ہو گیا اس لیے وہ پہلو بچا کر طبرک کے قلعہ میں چلا گیا اور علاؤالدین نے قلعہ اور رے پر قبضہ کر لیا' طغرل میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی' اس لیے صلح کر لی' اسی دوران میں خوارزم پر علاؤ الدین کے بھائی سلطان شاہ کی فوج کشی کی خبر آ گئی اس لیے وہ خوارزم لوٹ گیا۔

قتلغ خاموش بیٹھنے والا نہ تھا اس لیے علاؤالدین تکش کی واپسی کے بعد طغرل نے اس کے شر سے بچنے کے لیے اس کی لڑکی قتیبہ خاتون سے شادی کر لی' لیکن اس تعلق کے بعد بھی قتلغ اس کی مخالفت سے باز نہ آیا اور اپنی لڑکی کے ذریعے طغرل کو زہر دینے کی کوشش کی' مگر راز فاش ہو گیا' اور طغرل نے زہر کا وہ پیالہ جو اس کے لیے تیار کیا گیا تھا زبردستی اپنی بیوی کو پلا دیا' وہ مر گئی اور قتلغ اینانج کو گرفتار کر کے قید کر دیا' پھر چند دنوں کے بعد امرائے دولت کی سفارش پر رہا کر دیا۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۷۶)

قید سے چھوٹنے کے بعد قتلغ رے چلا گیا اور طغرل سے مل گیا' ناصر ایسے مواقع کا منتظر ہی رہتا تھا طغرل اور علاؤالدین خوارزم شاہ کی مخالفت کو دیکھ کر اس نے خوارزم شاہ کو باضابطہ مفتوحہ ممالک کی سند حکومت عطا کر کے اس کے لیے وزیر موید الدین کے ہمراہ خلعت بھیجا اور خوارزم شاہ کو طغرل کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۴۲)

راوندی کے بیان کے مطابق جب خوارزم شاہ کی حکومت کا دائرہ ماژندران کے حدود تک پہنچ گیا اور طغرل کو رے تک اس کے حملے کا خطرہ پیدا ہوا تو وہ خود اس کے تدارک کے لیے رے گیا اس کا خطرہ صحیح نکلا' اس کے بعد ہی خوارزم شاہ قتلغ کی دعوت پر رے پہنچا' قتلغ نے طغرل کے فوجی افسروں کو ملا لیا تھا' اس لیے عین میدان جنگ میں انہوں نے طغرل کا ساتھ چھوڑ دیا اور خوارزمی فوج نے طغرل کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ (راحة الصدور ص ۳۷۰' ۳۷۱) اور خوارزم شاہ نے اس کا سر ناصر کے ملاحظہ کے لیے بغداد بھجوا دیا۔

طغرل کے قتل کے بعد موید الدین خلعت لے کر ہمدان پہنچا' لیکن اس میں اور خوارزم شاہ میں بدگمانی پیدا ہو گئی' اس لیے موید الدین خلعت دیئے بغیر لوٹ گیا۔

طغرل کے قتل کے بعد ۵۹۰ھ میں سلجوقی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور خوارزم شاہ اس کا وارث بنا اور پایہ تخت ہمدان پر قتلغ کو اور دوسرے علاقوں پر اپنے مختلف غلاموں کو

میا نجق کے زیر سیادت مقرر کر کے خوارزم واپس گیا۔

**عراق و فارس پر ناصر کا قبضہ** مقتفی نے اپنے زمانہ میں گو خلافت بغداد سے سلجوقیوں کا اثر و اقتدار ختم کر دیا تھا' لیکن خوزستان اور عراق کے علاقے سلجوقیوں یا ان کے عمال ہی کے زیر سیادت تھی اور خوزستان پر ان کی جانب سے امیر شملہ حکمران تھا' سلجوقیوں کے خاتمہ کے بعد عباسی وزیر موید الدین کو خوزستان اپنے قبضہ میں لینے کا خیال پیدا ہوا' اس وقت شملہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اس کے لڑکوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی' ایک لڑکا اپنے بھائیوں کے مقابلے میں موید الدین سے مدد کا طالب ہوا' یہ اس موقع کا منتظر ہی تھا اس لیے ۵۵۱ھ میں فوج کشی کر کے خوزستان اور اس کے آس پاس کے قلعوں پر جن پر چھوٹے چھوٹے حکمران قابض تھے قبضہ کر لیا اور شملہ کے لڑکوں کو گرفتار کر کے بغداد بھجوا دیا۔ (راحۃ الصدور ص ۷۰ ' ۳ ' ۷ ' ۳)

اسی دوران میں امیر قتلغ اور میا نجق میں جنہیں خوارزم شاہ عراق عجم کا حاکم بنا گیا تھا اختلاف ہو گیا' میا نجق نے قتلغ کو یہاں سے نکال دیا اس نے موید الدین کے پاس جا کر اس سے مدد چاہی اسی لیے اسے عراق عجم میں بھی مداخلت کا موقع مل گیا اور وہ قتلغ کے ساتھ ہمدان پہنچا' میا نجق میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی' اس نے ہمدان چھوڑ دیا اور ہمدان' خرقان' مرزغان' ساوہ' آوہ اور رے وغیرہ عراق عجم کے بڑے حصہ پر موید الدین کا قبضہ ہو گیا' قتلغ اینانج نے میا نجق سے اپنا علاقہ چھڑانے کے لیے موید الدین کی مدد حاصل کی تھی' لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ خود قابض ہو گیا تو اس سے بھی لڑنے کے لیے آمادہ ہو گیا' موید الدین نے اسے بھی شکست دی' خوارزم شاہ نے یہ صورت دیکھ کر موید الدین سے مفاہمت کی کوشش کی لیکن اس نے انکار کر دیا' اس کے انکار پر خوارزم شاہ نے فوج کشی کر دی' اس درمیان میں موید الدین کا انتقال ہو گیا تھا' اس لیے پھر خوارزم شاہ نے ہمدان پر قبضہ کر لیا۔

اصفہان میں خوارزم شاہ کی جانب سے اس کا لڑکا حاکم تھا' اصفہانی' خوارزمیوں کو ناپسند کرتے تھے' یہاں کے ممتاز عالم صدر الدین خجندی بھی جن کا بڑا اثر تھا' ان کے خلاف تھے' انہوں نے ناصر کو لکھ کر ۵۵۱ھ میں اصفہان پر اس کا قبضہ کرا دیا۔

ہمدان پر قبضہ کے بعد خوارزم شاہ خراسان چلا گیا تھا' اس کی واپسی کے بعد امیر ایلدکز

بن بہلوان والی آذربائیجان کے ایک غلام کوکجہ نے رے اور اصفہان دونوں پر قبضہ کرلیا اور ناصر کو لکھ کر اصفہان ہمدان' زنجان و قزوین عباسی خلافت کے حوالے کر کے اس سے رے' ساوہ' قم و قاشان کی سند حکومت حاصل کرلی' ناصر نے اسے خلعت بھی عطا کیا' اس سے کوکجہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی۔

۵۹۶ھ میں علاؤالدین تکش خوارزم شاہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا علاؤالدین محمد تخت پر بیٹھا۔

۶۰۰ھ میں ایک دوسرے بہلوانی غلام اغمیش نے کوکجہ کو قتل کر کے اس کے مقبوضات حاصل کر لیے' یہ آٹھ سال تک حکمران رہا' ۶۰۸ھ میں تیسرے بہلوانی غلام منکلی نے اغمیش کو شکست دے کر اس کے مقبوضات چھین لیے' اس نے بغداد جا کر ناصر سے فریاد کی' ناصر نے مدد دینے کا وعدہ کیا' لیکن بغداد سے واپسی میں منکلی نے اس کو قتل کر دیا' ناصر کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی اس نے منکلی کو ملامت کی' اس نے اس کو بڑا سخت جواب دیا اور قوت کے گھمنڈ میں اپنے آقازادہ ازبک بن بہلوان والی آذربائیجان کو بھی اپنے خلاف بنالیا' ناصر کو موقع مل گیا اس نے ازبک کو اس کے مقابلہ پر آمادہ کر دیا اور جلال الدین اسماعیلی والی قلعۃ الموت اور جزیرہ و حلب کے فرمانرواؤں کو اس کی مدد کا حکم دیا' خود بھی بغداد سے فوجیں بھیجیں ان سب نے مل کر منکلی کو بڑی فاش شکست دی اور اپنے دوست ساوہ کے شحنہ کے پاس چلا گیا' اس نے اس کا سر قلم کر کے بغداد بھجوا دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۱۸) ۶۱۴ھ میں پھر خوارزم شاہ نے عراق عجم پر فوج کشی کر کے اس کے ایک حصہ پر قبضہ کرلیا۔

## علاؤالدین محمد اور ناصر کا اختلاف

اس دور کے تمام مسلمان سلاطین میں علاؤالدین محمد خوارزم شاہ سب سے زیادہ طاقتور تھا' ماوراء النہر اور خراسان سے لے کر سندھ و کابل تک اس کی حکومت تھی' اور سارے وسط ایشیاء میں اس کی عظمت و شان کا ڈنکا بجتا تھا۔ لیکن خلافت بغداد میں اس کو اس کے مقبوضہ ملکوں کی سند حکومت کے علاوہ جو ہر حکمران کو مل جاتی تھی کوئی امتیاز خاص حاصل نہ تھا اور اس کی یہ دلی خواہش تھی کہ سلجوقیوں کی طرح اسے بھی خلافت بغداد کی جانب سے سلطان کا خطاب ملتا' اور بغداد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا' لیکن ناصر اس کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا اس لیے عراق عجم پر

قبضہ کے بعد اس نے بغداد پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور روانگی سے پہلے پندرہ ہزار سپاہ آگے بھیج دی، یہ ہمدان سے نکلی ہی تھی کہ اس شدت کی برفباری ہوئی کہ فوج کے کل جانور اور بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے، علاؤالدین محمد نے اس کو بدشگونی پر محمول کیا اور بغداد پر فوج کشی کا ارادہ ملتوی کر کے ناصر کا خطبہ بند کر دیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۳۲)

تاریخ جہانکشاء جوینی سے معلوم ہوتا ہے کہ علاؤالدین نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ناصر کی مخالفت میں ایک فتویٰ بھی مرتب کرایا کہ عباسی خلفاء دشمنوں سے ملک کی حفاظت اور کفار سے جہاد کی قوت نہیں رکھتے اور وہ اسلام کے اس سب سے بڑے فرض سے غافل ہیں اس لیے خلافت کے مستحق نہیں رہے اور اہل بیت کے ایک بزرگ علاء الملک کو جو ترمذ میں تھے خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا لیکن اسی دوران میں عراق پر اتابک سعد کی فوج کشی کی خبر آگئی اور خوارزم شاہ ادھر متوجہ ہو گیا اور اس کا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

(تاریخ جہانکشا جوینی ج ۲ ص ۹۶، ۹۷)

**تاتاری** چھٹی صدی ہجری کا آغاز ساری دنیائے اسلام خصوصاً وسط ایشیاء کی اسلامی حکومتوں کے لیے انتہائی ہولناک دور تھا، اس زمانہ میں وحشی تاتاریوں کا طوفان اٹھا اور ترکستان سے لے کر وسط ایشیا اور روس تک چھا گیا اور چند برسوں کے اندر مشرق کے سارے اسلامی ملکوں کو زیر و زبر کر ڈالا بے شمار مسلمان بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالے گئے، سینکڑوں بڑے بڑے شہر خاک کا ڈھیر ہو گئے، اور وسط ایشیا کا پورا علاقہ جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا، بالکل ویران ہو گیا، دنیائے اسلام پر ایسی تباہی کبھی نہ آئی تھی، مشرق سے لے کر مغرب تک خاک اڑنے لگی، اس کا آغاز علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی ایک غلطی سے ہوا، جس کی تفصیل آئندہ آتی ہے۔

تاتاریوں کا وطن منگولیا یا مغلستان کا صحرائے گوبی تھا، یہ خطہ قدرت کی نیامیوں سے بالکل محروم بے آب و گیا تھا، سایہ دار درختوں کا کہیں وجود نہ تھا، نباتات میں صرف جا بجا مویشیوں کی چراگاہیں تھیں، گرمی اور سردی دونوں موسم نہایت سخت ہوتے تھے۔

(چنگیز خان ہیرلڈ لیمب ترجمہ اردو ص ۸)

تاتاری اسی بے آب و گیاہ صحرا میں وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے، شکار کے جانوروں اور کتوں تک کا گوشت کھاتے تھے اور انہی کی کھال اوڑھتے تھے، قبائل میں کوئی ضبط و

نظام نہ تھا' سب جدا جدا زندگی بسر کرتے تھے اور آپس میں ہمیشہ جنگ برپا رہتی تھی اور ہر قسم کے فواحش میں مبتلا تھے۔ (تاریخ جہانگشا جوینی ج ۱ ص ۵۱) صحرائے گوبی کے شمالی علاقے میں چنگیز کے آباؤ اجداد کو ایک طرح کی سیادت حاصل تھی۔ (چنگیز خان ہیرلڈ لیمب ترجمہ اردو ص ۲۰) ابھی چنگیز نو عمر تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا' تاتاری قبائل نے ایک نو عمر کی سرداری قبول نہ کی اس کے خلاف ہو گئے' اور چنگیز پر مشکلات و مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا لیکن چنگیز فطرۃً" نہایت جری اور حوصلہ مند تھا' اس نے بڑے استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کیا اور بڑی بڑی مشکلات جھیلنے کے بعد بالآخر سب پر غالب آیا اور تاتاری سرداروں کو مغلوب کر کے اپنی ریاست قائم کر لی اور چند برسوں کے اندر صحرائے گوبی سے نکل کر چین و ترکستان تک زیر نگیں کر لیے۔ (چنگیز خان' اس کی تفصیل موضوع سے خارج ہے)

چنگیز جہانگیر کے ساتھ جہاندار بھی تھا' اس نے حکومت کے باقاعدہ قوانین و ضوابط مرتب کیے جو یاسا کے نام سے موسوم تھے' جوینی نے اس کو نقل کیا ہے' چنگیز نے تمدنی حیثیت سے تاتاری حکومت کو بڑی ترقی دی' وحشی تاتاریوں کی زندگی یہ تھی کہ وہ کتے کا گوشت کھاتے تھے اور اس کی کھال اوڑھتے تھے' صرف سرداروں کے گھوڑے کی رقاب لوہے کی ہوتی تھی' یا چنگیز نے چند برسوں میں اس ویرانہ کو عشرت کدہ بنا دیا' جوینی کا بیان ہے کہ تاتار کا علاقہ زندان سے چمنستان اور بیابان سے ایوان مسرت بن گیا اور تاتاری دوزخ سے جنت میں پہنچ گئے' مشرق و مغرب کے دور دراز علاقوں کی مصنوعات اور ہر طرح کے سازو سامان کھینچ کھینچ کر تاتار کے بازاروں میں پہنچ گئے' کھانے پینے کے سامانوں کی بڑی فراوانی ہو گئی اور ملک زراعت سے سرسبز و شاداب آباد ہو گیا۔

(جہانگشائے جوینی ج ۱ ص ۱۵ و ۱۲۰۰ ملخصاً")

**چنگیز اور علاؤالدین محمد کا اختلاف** ۶۱۷ھ میں چنگیز عذاب الٰہی بن کر دنیائے اسلام پر ٹوٹ پڑا' اس کا آغاز علاؤالدین محمد اور چنگیز خان کے اختلاف سے ہوا' اس کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں' لیکن اصلی سبب یہ تھا کہ ابتداء میں تاتار کا علاقہ متمدن دنیا سے بالکل الگ تھا اور تاتاری خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے اس لیے باہر کے تاجر اور بیرونی مصنوعات وہاں بہت کم پہنچتی تھیں اور مشرقی ملکوں کے اعلیٰ کپڑے تاتار میں بہت گراں ملتے تھے' چنگیز خان ان کا شائق تھا' اس نے اپنے عمال کو ہدایت کی تھی کہ دوسرے

ملکوں کے اعلیٰ کپڑوں کے جو تاجر تاتار آئیں انہیں اس کے پاس حاضر کر دیا جائے' اتفاق سے اسی زمانہ میں خوارزم کے چند مسلمان تاجر تاتار گئے تھے' عمال نے انہیں چنگیز کے پاس پہنچا دیا' اس نے کپڑے خریدے اور ان تاجروں کی واپسی کے وقت خوارزم شاہ کے ملک کی عمدہ مصنوعات کی خریداری کے لیے اپنے یہاں کے کئی سو آدمی ان کے ساتھ کر دیئے اور خوارزم شاہ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ میں تمہارے ملک کے تاجروں کے ہمراہ اپنے یہاں کے تاجروں کی ایک جماعت تمہارے یہاں مصنوعات کی خریداری کے لیے بھیجتا ہوں امید ہے کہ اس سے ہم دونوں کے درمیان بدگمانی دور ہو گی اور آپس میں اتحاد و اتفاق کی بنیاد پڑے گی۔

تاجروں کا یہ قافلہ جب خوارزمی حکومت کی سرحد اترار پہنچا تو یہاں کے حاکم اینال جق المعروف بہ غائر خاں نے ایک ہندی تاجر کو جس سے پہلے کی شناسائی تھی بلا بھیجا' یہ چنگیز خاں کے گھمنڈ میں نہ گیا' اس سے غائر خان بگڑ گیا اور اس قافلہ کے پاس جو مال تھا اس کی بھی اس کو طمع دامن گیر ہوئی' اس نے اس کو روک لیا اور علاؤالدین محمد کو اس کی اطلاع دی اس نے انجام پر غور کیے بغیر ان کا سامان ضبط کر کے قتل کرنے کا حکم دیا' غائر خان نے بلا تامل اس کی تعمیل کی ان میں سے ایک شخص جان بچا کر بھاگ گیا اور چنگیز کو اس واقعہ کی خبر کی' وہ سن کر جوش غضب سے لبریز ہو گیا اور علاؤالدین محمد کے پاس کہلا بھیجا کہ تم نے میرے آدمیوں کو دھوکے سے قتل کیا ہے اس کے انتقام کے لیے تیار ہو جاؤ۔ (تاریخ جہانکشا جلد اول ص ۶۱'۶۲)

حمد اللہ مستوفی کا بیان ہے کہ چنگیز خان نے پہلے خوارزم شاہ کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ غائر خان کو قصاص کے لیے اس کے حوالہ کرے' خوارزم شاہ اس پر آمادہ نہ ہوا بلکہ الٹے چنگیز کے قاصد کو قتل کر دیا۔ (تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۵۷)

ابن اثیر میں اتنا اور اضافہ ہے کہ خوارزم شاہ نے اصل قاصد کو قتل کر دیا اور اس کے باقی ساتھیوں کی ڈاڑھیاں منڈوا کر ان کی زبانی چنگیز خان کے پاس کہلا بھیجا کہ میں خود تمہارے مقابلہ میں آتا ہوں اگر تم دنیا کے آخری حصہ میں بھی ہو گے تو تم کو نہ چھوڑوں گا اور تمہارے قاصدوں کو جو سزا دی ہے وہی سزا تم کو بھی دی ہے۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۴۰)

اتفاق سے اسی زمانہ میں تاتاریوں کی ایک فوج ایک ترک فرمانروا توق خان کے مقابلہ

کے لیے گئی ہوئی تھیں' خوارزم شاہ کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ اس کے مقابلے کے لیے نکل کھڑا ہوا اور جب تاتاری توق خان کی مہم سر کر کے واپس ہو رہے تھے تو راستے میں ان کا اور خوارزم شاہ کا سامنا ہو گیا' تاتاریوں نے اس کو سمجھایا کہ ہم ایک دوسری مہم کے لیے نکلے تھے' تمہارے مقابلے کے لیے نہیں بھیجے گئے تھے۔ اس لیے تم سے لڑنا نہیں چاہتے' لیکن خوارزم شاہ نے ساعت نہ کی۔ دونوں میں جنگ ہوئی' مگر ایک ہی معرکہ کے بعد دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ (جہانکشا ج ۲ ص ۱۰۴' ۱۰۵)

ابن اثیر کی روایت ہے کہ خوارزم شاہ نے چنگیز کو الٹی میٹم بھیجنے کے بعد اپنے ہم سرحد تاتاری علاقہ پر فوج کشی کر دی' اتفاق سے اس وقت یہاں کے سب مرد چنگیز کے لڑکے کے ساتھ ترک فرمانروا کشلو خاں کے مقابلے میں چلے گئے تھے' صرف عورتیں اور بچے رہ گئے تھے' خوارزم شاہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا' اس دوران میں چنگیز خان کا لڑکا کشلو خان کی مہم سے فارغ ہو کر لوٹ چکا تھا' راستہ میں اس کو خوارزم شاہ کی فوج کشی کا حال معلوم ہوا' وہ فوراً اس کی تلاش میں پہنچا۔ خوارزم شاہ موجود تھا' دونوں میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی اور تین دن کے بعد خوارزم شاہ لوٹ گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۴۱)

اس درمیان میں چنگیز ایک لشکر جرار کے ساتھ اترار پہنچ گیا اور یہاں سے خوارزمی حکومت کے مختلف حصوں پر حملہ کے لیے علیحدہ علیحدہ امراء مامور کیے اپنے لڑکے چغتائی اور اکتائی کو اترار کے محاصرہ پر متعین کیا' دوسرے لڑکے توشی اور تاتاری امراء کو ترکستان کے مختلف علاقوں کی جانب روانہ کیا اور خود بخارا کی طرف بڑھا' چغتائی اور اکتائی نے پانچ مہینے کے محاصرہ کے بعد اترار کو فتح کر لیا' اور غائر خان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اترار کے بعد سمرقند روانہ ہو گیا۔

امیر توشی اور الش ایدی نے جند' بار' جیلغ کنت اور کند اور اشناس وغیرہ کو فتح کر کے ان شہروں کو لوٹا' اور آبادی کا قتل عام کیا' صرف جند کے باشندوں کو اس لیے چھوڑ دیا کہ انہوں نے مزاحمت نہیں کی تھی' جند کو فتح کرنے کے بعد توشی اور الش ایدی' علی خواجہ کو یہاں کا حاکم بنا کر قراقرم لوٹ گئے اور تاتاری فوج نے ینکی کنت کا رخ کیا' امیر آلاق نوین' امیر سکتو اور امیر نقلی نے فناکت اور خجند کو زیر نگین کر کے ان کو لوٹ کر ویران کیا۔ (جوینی نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے)

خوارزمی سلطنت میں ماوراء النہر کا صوبہ اپنی سرسبزی' شادابی اور علمی و تمدنی ترقی کے اعتبار سے سلطنت کی جان تھا' بخارا' زبلا و مشرقی قبہ اسلام است و درمیان آں نواحی بمثابت مدنیۃ السلام (بغداد) سوا و آن بہ بیاض نور علماء و فقہاء آراستہ و اطراف آں بطرف معالی پیراستہ از قدیم باز و ہر قرنے مجمع نحار پر علمائے ہر دین آں روزگار بودہ است' سمرقند منظم ترین بقاع مملکت سلطان ؛فسحت رقعہ و خوش ترین رباع بطیب بقعہ و نزہ ترین بشتہائے دنیا باتفاق از جملہ جنان اربعہ"۔(جہانکشائے جوینی ج ا ص ۷۵' ۹۰)

اسی صوبہ کی اہمیت کی بنا پر چنگیز خان نے اس پر فوج کشی کی تھی' خوارزم شاہ نے بھی اس کی حفاظت کے بڑے مکمل انتظامات کیے تھے۔ (ابن اثیر ج ۲ ص ۱۴۰)

چنگیز خان زرنوق اور نور بخارا کو فتح کرتا ہوا محرم ۶۱۷ھ میں بخارا پہنچا اور اس کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا۔ خوارزمی فوج اور اہل بخارا نے دو چار دن تک مدافعت کی' لیکن تاتاری سیلاب کو روکنا ان کے بس سے باہر تھا' بعض افسروں کی بھی ہمت چھوٹ گئی' اس لیے بخارا کے علماء و عمائد چنگیز کے پاس جا کر امان کے طالب ہوئے اس نے منظور کر لیا' بخاریوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور تاتاری فوج بخارا میں داخل ہو گئی۔

بخارا کی جامع مسجد بہت عظیم الشان تھی چنگیز نے اس کو دیکھ کر پوچھا کیا یہ شاہی محل ہے؟ لوگوں نے جواب دیا خانہ خدا ہے' چنگیز نے گھوڑوں کو دانہ کھلانے کا حکم دیا اس حکم پر تاتاری غلہ کے ذخیروں پر ٹوٹ پڑے اور شہر بھر کا غلہ جمع کر کے کلام مجید کے صندوقوں کو توڑ کر کلام مجید پھینک دیئے اور صندوقوں میں گھوڑوں کو چارہ دیا اور علماء و مشائخ کو ان کی نگرانی پر متعین کیا اور شہر کی پوری آبادی کو باہر میدان میں لے جا کر ارباب ثروت سے ان کی دولت نکلوائی۔

خوارزمی فوج کا ایک حصہ قلعہ میں رہ گیا تھا' جو تاتاریوں پر حملہ کرتا رہتا تھا اس لیے چنگیز نے شہر میں آگ لگوا دی اور سارا شہر جل کر خاک ہو گیا' صرف جامع مسجد کی عمارت باقی رہ گئی' قلعہ کی فوج نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی' اس میں بہت سے تاتاری مارے گئے' لیکن آخر میں تاتاریوں نے قلعہ بھی فتح کر لیا' قلعہ فتح کرنے کے بعد انہوں نے شہر کے ان تمام باشندوں کو جو کام کے لائق تھے' جنگی کاموں کے لیے چھانٹ لیا' باقی ماندہ کو چھوڑ دیا اور بخارا بالکل ویران ہو گیا' ایک عینی شاہد نے بخارا کی تباہی کی کیفیت ان الفاظ

میں بیان کی ہے۔ "آمدند و کندند و سوختند و بروند و رفتند"۔ (جوینی نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے لکھا ہے دیکھو ج ا ص ۷۶، ۸۵) ابن اثیر کا بیان ہے کہ بخارا پر قبضہ کے بعد یہاں کے جو باشندے زندہ بچ رہے تھے تاتاریوں نے ان کو قتل کر دیا یا لونڈی غلام بنا لیا، بخارا کی تباہی اور قتل عام پر لوگوں کی گریہ و زاری سے بڑا دردناک منظر پیدا ہو گیا تھا، تاتاری علانیہ عورتوں کی بے حرمتی کرتے تھے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، بخارا کے سارے مدارس جل کر خاک کا ڈھیر ہو گئے۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۴)

بخارا کو تباہ کرنے کے بعد چنگیز نے سمرقند کا رخ کیا، خوارزم شاہ نے اس کی حفاظت کا پورا انتظام کیا تھا، اس کے گرد نہایت بلند و مستحکم شہر پناہ تعمیر کرائی تھی، اس کے چاروں طرف گہری اور وسیع خندق کھود کر اس کو دریا سے ملا دیا تھا، اور ایک لاکھ دس ہزار منتخب سپاہ اس کی حفاظت کے لیے متعین کی تھی، اس لیے چنگیز نے بھی بڑے اہتمام کے ساتھ اس پر فوج کشی کی تھی، اس کی فتح کی تفصیلات میں عربی و فارسی مورخین کے بیان میں اختلاف ہے لیکن نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ اہل سمرقند نے بڑی پامردی سے مدافعت کی لیکن تاتاری سیلاب کو نہ روک سکے اور آخر میں ان کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہو گئے، سمرقند پر قبضہ کے بعد تاتاریوں نے بخارا کی طرح اس کی بھی کل دولت لوٹ لی، جنہوں نے چھپانے کی کوشش کی انہیں اذیتیں دے کر اقرار کرایا، کچھ مسلمانوں نے مسجد کو آڑ بنا لیا تھا، اس لیے تاتاریوں نے اس کو جلا کر خاکستر کر دیا اور سمرقند کے ان باشندوں کو جو لونڈی غلام بنانے کے لائق تھے، قید کر لیا، باقی عورتوں اور بچوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ (جوینی نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے، ہم نے خلاصہ نقل کیا ہے تفصیل کے لیے دیکھو جہانگشائے جوینی ج ا ص ۹۱ تا ۹۵ و ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۴۱، ۱۴۲)

اس زمانہ میں خوارزم شاہ بلخ میں تاتاریوں کے مقابلے کی تدبیر میں مصروف تھا، اور امراء کے مشورہ سے وہ جنگ کی تیاری کے لیے بخارا سے عراق روانہ ہو گیا تھا، ترمذ کے قریب پہنچ کر خبر ملی کہ سمرقند و بخارا پر تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا، اس خبر سے سلطان کی ہمت چھوٹ گئی اور وہ نیشاپور چلا گیا۔

جوینی کا بیان ہے کہ وہ غم غلط کرنے کے لیے عیش و نشاط میں مشغول ہو گیا۔ (یہ جوینی کا بیان ہے، عربی مورخین کے بیان کے مطابق جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا خوارزم شاہ ہر قسم کی

لغویات سے پاک اور بڑا محتاط فرمانروا تھا۔)

یہ صورت حال دیکھ کر خراسان کے عمائد نے نیشاپور کے حاکم مجیرالملک کے پاس جا کر اس کو ملامت کی کہ ملک کا یہ حال ہو رہا ہے اور تم لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے' اس نے کہا تم لوگوں کی ملامت بجا ہے' لیکن میں حکم سلطانی سے مجبور ہوں۔

جوینی کے بیان کے مطابق سلطان عیش و نشاط میں مشغول تھا کہ مخبروں نے اطلاع دی کہ تاتاری امراء یمہ نوین اور ستبائی جنہیں چنگیز نے سلطان کی تلاش میں بھیجا تھا' کہ قریب پہنچ گئے ہیں یہ سن کر خوارزم شاہ کو ہوش آیا اور وہ ربیع الاول ۶۱۷ھ میں نیشاپور سے عراق روانہ ہو گیا' رے پہنچ کر معلوم ہوا کہ تاتاری بھی تعاقب میں آ رہے ہیں اس لیے خوارزم شاہ یہاں نہ ٹھہر سکا اور قزوین ہوتا ہوا ماژندران نکل گیا' تاتاری برابر تعاقب کر رہے تھے سلطان نے جب دیکھا کہ ان سے پیچھا چھوٹنا مشکل ہے تو جزیرہ آ.سکون میں چلا گیا' پھر قریب ہی ایک دوسرے جزیرہ میں منتقل ہو گیا' اس کے آ.سکون چھوڑتے ہی تاتاری وہاں پہنچ گئے' لیکن سلطان کو نہ پا کر واپس چلے گئے اور واپسی میں دمشق میں سلطانی اہل و عیال کو جو ماژندران کے قلعہ میں تھے' قلعہ پر قبضہ کر کے قید کر لیا۔ (یہ حالات ملخصاً" جہانکشائے جوینی جلد اول سے ماخوذ ہیں)

ان حوادث و مصائب' مسلسل سفر اور گرم و سرد آب و ہوا کے اثر سے سلطان ذات الجنب میں مبتلا ہو گیا' اور جزیرہ میں جانے کے چند ہی دنوں کے بعد ۶۱۷ھ میں اس کا انتقال ہو گیا' اور اس غربت میں کفن تک میسر نہ آ سکا' جو کپڑے جسم پر تھے انہی میں دفن کیا گیا۔ (ابوالفداء ج ۳ ص ۱۴۹)

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ خوارزمی سلسلہ کا بڑا باعظمت فرمانروا تھا' اس کی سلطنت کا رقبہ نہایت وسیع تھا' عراق سے لے کر ایک طرف چین کی سرحد تک اور دوسری طرف کابل اور مغربی ہندوستان تک اس کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی' سجستان' کرمان' طبرستان' جرجان' عراق' عجم' خراسان اور فارس کے کچھ حصے اس کے زیر نگین تھے' خطائیوں کو شکست دے کر خطا کے علاقہ کو بھی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا' ذاتی حیثیت سے وہ فاضل فقہ و اصول وغیرہ مذہبی علوم کا عالم' علم دوست اور علماء نواز فرمانروا تھا' علماء کے ساتھ احسان و سلوک سے پیش آتا تھا' ان کے علمی مباحث میں حصہ لیتا تھا۔ اس کی ساری

دل چسپی ملک کی حفاظت' اس کے انتظام وانصرام' رعایا کی خبر گیری اور دوسرے امور مملکت تک محدود تھی' دیندار علماء و مشائخ سے عقیدت رکھتا اور ان سے برکت اندوزی کرتا تھا' اس کی ذات میں وہ تمام کمالات اور خوبیاں جمع تھیں جو سلاطین عجم میں متفرق طور سے پائی جاتی تھیں' مدت حکومت ۲۱ سال تھی۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۴۳' جوینی کا بیان اس سے مختلف ہے جو اوپر گذر چکا ہے)

جلال الدین خوارزم شاہ کے میر منشی جلال الدین نسوی کا بیان ہے کہ اس کے آستانے پر دنیا کے بڑے بڑے سلاطین و امراء کا ہجوم رہتا تھا او. وہ اس کی خاک پا کو چھونا فخر سمجھتے تھے' اس کے غلام اور حاشیہ نشین تک تخت فرمانروائی تک پہنچ گئے' اس کے طشت دار رکابدار' سلحدار اور جندار وغیرہ سب سلاطین تھے' اس کا پس خوردہ بڑے بڑے امراء فخریہ کھاتے تھے' اس کو بہت سے ایسے امتیازات حاصل تھے جو اس کے زمانہ کے دوسرے فرمانرواؤں کو حاصل نہ تھے۔ (ابوالفداء ج ۳ ص ۱۴۹ بحوالہ جلال الدین نسوی)

**جلال الدین خوارزم شاہ** علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے لڑکوں اور تاتاریوں سے ان کی جنگ کے بارے میں عربی اور فارسی دونوں مورخین کے بیانات نہایت گنجلک اور باہم مختلف ہیں' سب سے زیادہ صاف' واضح اور معتبر بیان جلال الدین کے میر منشی جلال الدین نسوی کا ہے جسے ابوالفداء نے نقل کیا ہے۔

اس کے مطابق علاؤالدین محمد کے چار بیٹے تھے' قطب الدین ازلاق یا ازلاغ' غیاث الدین' تیز شاہ' رکن الدین غور شاہ اور جلال منکبرتی' علاؤالدین نے اپنی زندگی ہی میں چاروں میں ملک تقسیم کر دیا تھا' پہلے قطب الدین ازلاق کو ولی عہد نامزد کیا تھا لیکن پھر اس کا نام خارج کر کے جلال الدین کو ولی عہد بنایا اور باپ کی موت کے وقت یہ ولی عہد تھا۔

(ابوالفداء ج ۳ ص ۱۴۹ بحوالہ جلال الدین نسوی)

چاروں بھائیوں میں جلال الدین ہی باپ کی جانشینی کا سب سے زیادہ اہل تھا' چنانچہ علاؤالدین کی وفات کے بعد اس نے تاتاریوں کے مقابلہ کا ارادہ کیا' مگر عین اس نازک زمانہ میں امراء کی فتنہ انگیزی سے بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا' بعض امراء نے جلال الدین کو ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا' اس لیے وہ خوارزم چھوڑ کر نساء روانہ ہو گیا' راستہ میں تاتاریوں کا سامنا ہوا لیکن جلال الدین لڑتا ہوا غزنین نکل گیا۔

اس کے خوارزم چھوڑتے ہی تاتاریوں نے خوارزم کا رخ کیا' قطب الدین ازلاق میں ان کے مقابلہ کی تاب نہ تھی' اس لیے ان کی آمد کی خبر سنتے ہی اس نے خوارزم چھوڑ دیا' لیکن راستہ میں ان سے مڈبھیڑ ہو گئی' تاتاریوں نے اس کو شکست دے کر مع خدم و حشم کے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ (جہانگشائے جوینی ج ۲ ص ۱۳۱' ۱۳۰ ملخصا")

سمرقند کی فتح کے بعد ہی چنگیز نے چغتائی اور اکتائی کو خوارزم پر مامور کیا' جلال الدین کے خوارزم چھوڑنے کے بعد وہ خوارزم پہنچے' اس وقت علاؤ الدین کی اولاد میں سے یہاں کوئی نہ تھا' اہل خوارزم نے خمار ترکی کو اپنا حاکم بنا لیا تھا' تاتاری شہر کے قریب پہنچ کر کمین گاہ میں چھپ گئے اور تھوڑی تعداد شہر کی طرف بڑھی' خوارزمیوں نے اس غلط فہمی میں کہ تاتاریوں کی کل تعداد اتنی ہی ہے' باہر نکل کر ان پر حملہ کر دیا' تاتاری پیچھے ہٹ گئے' خوارزمی دور تک ان کا تعاقب کرتے چلے گئے' جیسے ہی کمین گاہ میں چھپے ہوئے تاتاریوں کی زد میں آئے' وہ نکل کر ان پر ٹوٹ پڑے اور ایک لاکھ خوارزمیوں کو قتل کر ڈالا باقی ماندہ شہر میں پسپا ہو کر محصور ہو گئے' اور کئی مہینے اندر سے مقابلہ کرتے رہے آخر میں تاتاری فصیل توڑ کر شہر میں گھس گئے' شہر بڑا وسیع اور آبادی بڑی گنجان تھی' ہر محلہ ایک مستقل آبادی کی حیثیت رکھتا تھا' اہل شہر نے مختلف محلوں میں مورچے قائم کر کے مقابلہ شروع کر دیا' اس لیے تاتاریوں نے آگ لگا دی اور بہت سے محلے جل کر راکھ ہو گئے' اور تاتاریوں نے ایک ایک محلہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کی آبادی کو باہر لے جا کر ایک لاکھ اہل حرفہ کو تاتار بھیجنے کے لیے چھانٹ لیا' باقی ماندہ آدمیوں کو فوج میں تقسیم کر دیا۔ اور شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا۔ (جہانگشائے جوینی ج ۱ ص ۹۸ تا ۱۰۱ ملخصا")

ابن اثیر کا بیان ہے کہ شہر کو فتح کرنے کے بعد دریا کے بند کو جس کے ذریعے شہر میں پانی آتا تھا' کھول دیا اور سارا شہر مع آبادی کے تہ آب ہو گیا' صرف آبادی کا نشان باقی رہ گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۵۲)

جوینی لکھتا ہے "کہ خوارزم کہ مرکز رجال رزم و مجمع نسائے بزم بود' ایام سر بر آستانہ اور نہادہ و ہمائے دولت آں راکہ آشیانہ ساختہ ملاوی ابن آدی گشت و نشیمن بوم و زغن شد"۔ (جہانگشائے جوینی ج ۱ ص ۱۰۱)

دوسری طرف چنگیز نے خود ترمذ پر فوج کشی کی اور یہاں کے باشندوں سے کہلا بھیجا کہ

اگر وہ قلعہ اور فصیل کو منہدم کر دیں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا' لیکن وہ اپنی قوت کے گھمنڈ میں مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے' چنگیز نے شکست دے کر ترمذ پر قبضہ کر لیا اور پوری آبادی کو تہ تیغ کر ڈالا' ترمذ کے بعد بدخشاں کی ولایت فتح کی۔

(جہانکشائے جوینی ج ۱ص ۱۰۲)

بدخشاں کے بعد بلخ پہنچا' یہاں کے باشندوں نے اہل ترمذ کا انجام دیکھ کر اطاعت قبول کر لی' لیکن جلال الدین خوارزم شاہ قریب ہی غزنین میں موجود تھا' اس لیے چنگیز نے اس کی اطاعت پر اعتماد نہ کیا اور پوری آبادی کو قتل کرا دیا' ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

بلخ کے بعد اپنے لڑکے تولی خان کو خراسان بھیجا اور خود طالقان کا رخ کیا' یہاں کے باشندوں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن اس بلائے بے درماں کا روکنا کسی کے بس میں نہ تھا اس لیے انہیں بھی شکست ہوئی اور چنگیز نے ترمذ و بلخ کی طرح اس کی آبادی کو بھی ختم کر کے شہر کو زمین کے برابر کر دیا' طالقان کے بامیان کی آبادی کا بھی یہی انجام ہوا' بامیان کے معرکہ میں چنگیز کا ایک لڑکا زخمی ہو گیا تھا' اس کے انتقام میں اس نے بامیان کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور یہاں کے جانور تک زندہ نہ چھوڑے' بامیان کے بعد جلال الدین کے مقابلے کے لیے غزنین پہنچا' معلوم ہوا کہ جلال الدین نے ہندوستان چلے جانے کے ارادہ سے وہاں سے جا چکا ہے' اس لیے چنگیز اس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا' اتفاق سے جلال الدین دریائے سندھ کے ساحل پر موجود تھا' چنگیز نے اس کو گھیر لیا جلال الدین نے اپنی مختصر سپاہ کے ساتھ اس شجاعت سے مقابلہ کیا کہ تاتاریوں کی صفیں الٹ دیں' لیکن ایک طرف دریائے سندھ تھا اور دوسری سمت کمان کی شکل میں تاتاری ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور آہستہ آہستہ حصار کا دائرہ تنگ کرتے جاتے تھے' جلال الدین نے جب دیکھا کہ اس کا بچنا مشکل ہے تو بے محابا گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور بڑی تیزی سے تیرتا ہوا نکل گیا' اس دلیری پر چنگیز بھی حیرت زدہ رہ گیا اور اس نے اپنے لڑکوں کو مخاطب کر کے کہا "ہر باپ کا بیٹا ایسا ہی ہونا چاہیے"۔ جلال الدین کے اہل و عیال چھوٹ گئے تھے' چنگیز نے ان سب کو گرفتار کر کے کل اولاد ذکور کو جس میں شیر خوار بچے بھی تھے' قتل کر دیا۔ (جہانکشائے جوینی ج ۱ص ۱۰۷'۱۰۶)

جلال الدین کے ہندوستان جانے کے بعد غزنہ اور غور بالکل خالی ہو گئے تھے' چنگیز

نے ان پر قبضہ کر کے پوری آبادی کو قتل کر دیا اور ان کو لوٹ کر ویران کر ڈالا اور جلال الدین کے تعاقب میں ایک فوج ہندوستان بھیجی' اس نے پنجاب تک پیچھا کیا' لیکن جلال الدین ہاتھ نہ آیا اور تاتاری پنجاب اور ملتان کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے لوٹ گئے۔

(ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۵۳)

ماوراء النہر پر قبضہ کے بعد ہی تاتاری سارے وسط ایشیا میں پھیل گئے تھے اور خراسان فارس آذربائیجان' ارمنستان' آران' کرج اور قبچاق کے سارے علاقوں کو زیر و زبر کرتے ہوئے روس تک پہنچ گئے تھے' ابن اثیر اور جوینی وغیرہ نے اس کے مفصل حالات لکھے ہیں' لیکن اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے' اس یورش میں تاتاریوں نے کسی ملک میں مستقل قیام نہیں کیا' بلکہ طوفان کی طرح زیر و زبر کرتے ہوئے نکل گئے' ان کے چھٹنے کے بعد جن فرمانرواؤں میں دم باقی رہ گیا تھا انہوں نے اپنے اپنے ملکوں کی آبادی کی طرف توجہ کی' اسی سلسلہ میں جلال الدین بھی واپس آیا۔

عراق کا ملک علاؤالدین خوارزم شاہ نے اپنے لڑکے رکن الدین غورشاہ کو دیا تھا وہ تاتاریوں کی یورش میں کام آیا' اس کی موت کے بعد اس کے دوسرے بھائی غیاث الدین تیز شاہ والی کرمان و مکران نے اس کے علاقہ اور اتابک سعد بن وکلاء سلغری والی فارس کے بعض مقبوضات پر قبضہ کر لیا لیکن عراق کے باشندے جلال الدین کی طرف مائل تھے۔

(تاریخ جہانگشائے جوینی ج ۲ ص ۱۳۹ و ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۶۳)

اس لیے جلال الدین ۶۲۱ھ میں کرمان ہوتا ہوا واپس آیا اور عراق و فارس کو غیاث الدین کے ہاتھوں سے چھڑا کر اتابک سعد کا علاقہ اس کے حوالے کیا اور غیاث الدین کو اپنے ماتحت کی حیثیت سے عراق کی حکومت پر بحال رہنے دیا۔

(ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۶۳ و ابوالفداء ج ۲ ص ۱۳۴)

عراق کے بعد جلال الدین نے خلافت عباسیہ کے علاقہ خوزستان پر فوج کشی کی جوینی کا بیان ہے کہ جلال الدین نے پہلے خلافت بغداد اور خوارزمی حکومت کی پرانی عداوت کو بھلا کر ناصر سے دوبارہ تعلقات درست کرنے کی کوشش کی اور تاتاریوں کے مقابلے کے لیے اس سے مدد مانگی' لیکن ناصر کے دل سے کینہ دور نہ ہوا تھا' اس نے جلال الدین کی درخواست کی جانب توجہ نہ کی اور امیر قشتمر کو اسے عراق سے نکالنے کا حکم دے دیا۔

(تاریخ جہانکشائے جوینی ج ۱ ص ۱۵۴)

لیکن ابن اثیر کا بیان ہے کہ جلال الدین نے بغیر کسی نامہ و پیام کے خوزستان پر حملہ کر دیا' یہاں کے حاکم تمتر نے خوزستان کے صدر مقام تستر کو بچالیا' اس کے علاوہ باقی علاقہ کو خوارزم شاہ نے تاخت و تاراج کر ڈالا اور اس کی آبادی کو بے دریغ قتل کیا اور بڑھتا ہوا بغداد کے قریب پہنچ گیا۔ ناصر نے اس کے مقابلہ کے لیے مظفر الدین کوکری والی موصل کو بلا بھیجا تھا' اس نے اپنے لڑکے کو فوجیں دے کر بھیجا' لیکن اس نے جلال الدین کی اطاعت قبول کر لی۔ (خوزستان پر حملہ کی تفصیلات میں جوینی اور ابن اثیر کے بیان میں جزوی اختلاف ہے' ہم نے ان سے قطع نظر خلاصہ نقل کیا ہے' جوینی جلد اول ص ۱۵۴' ۱۵۷ و ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۶۳' ۱۶۴)

آذربائیجان کا والی مظفر الدین ازبک بڑا نا اہل تھا' ہر وقت شراب و کباب میں مست رہتا تھا امور مملکت سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا' اس لیے خوزستان کو لوٹنے کے بعد جلال الدین نے آذربائیجان پر حملہ کر دیا' مظفر الدین اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور آذربائیجان چھوڑ کر گنجہ چلا گیا۔ اور جلال الدین نے اس کے پایہ تخت تبریز پر قبضہ کر لیا' آذربائیجان کے بعد جلال الدین کی قوت بہت بڑھ گئی اور اس نے گرجوں کو مغلوب کر کے گرجستان پر قبضہ کر لیا' لیکن اس کی تکمیل ظاہر کے دور میں ہوئی اس کا حال آئندہ آئے گا' اسی سلسلہ میں اس نے گنجہ پر قبضہ کر لیا اور مظفر الدین یہاں سے بھاگ کر لاپتہ ہو گیا' ابن اثیر نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے' ہم نے ابوالفداء کا مختصر بیان کیا ہے۔ (ابوالفداء ج ۳ ص ۱۳۵) ابھی جلال الدین کی مہمات کا سلسلہ جاری تھا کہ ناصر کا زمانہ ختم ہو گیا۔

**ناصر کی وفات** ناصر کی عمر ستر سال کی ہو چکی تھی' کئی سال سے فالج میں مبتلا تھا' آنکھوں کی بینائی قریب قریب جاتی رہی تھی' اس لیے بیس دن کی مختصر علالت کے بعد رمضان ۶۲۲ھ میں انتقال کر گیا' مدت خلافت سینتالیس سال تھی' عباسی خلفاء میں اتنا طویل زمانہ کسی خلیفہ نے نہیں پایا۔

ناصر اپنے نامور اسلاف کی بہت سی خصوصیات کا حامل اور عباسی جاہ و جلال کی آخری یادگار تھا ابن طقطقی لکھتا ہے وہ بڑا فاضل اور ممتاز خلیفہ تھا' جملہ امور میں بصیرت رکھتا تھا' سیاست دان باہیبت' جری' بہادر' تیز طبع' حاضر دماغ' ذہین' طباع اور فصیح و بلیغ تھا' کسی

علم و فن اور نکتہ آفرینی میں بند نہ تھا' علماء سے واقف کارانہ بحث کرتا تھا' اور امور سلطنت کو ماہرانہ انجام دیتا تھا۔ (الفخری ص ۲۸۷)

ذہبی کا بیان ہے کہ اس سے زیادہ طویل کسی خلیفہ کا دور حکومت نہ تھا' اس نے سینتالیس سال تک حکومت کی اور اس کی زندگی نہایت عزت و جلال کے ساتھ بسر ہوئی' اس نے دشمنوں کا استیصال اور سلاطین پر غلبہ حاصل کیا' جس قوت نے سر اٹھایا اس کو کچل کر رکھ دیا' جس نے اس کے ساتھ برائی کی نیت کی اس کو خدا نے ناکام کیا' باوجود اس خوش بختی کے وہ مصالح ملکی کی جانب پوری توجہ رکھتا تھا' رعایا کی کوئی چھوٹی بڑی بات اس سے پوشیدہ نہ رہتی تھی' اس کے مخبر ہر ایک ملک میں پھیلے ہوئے تھے جو وہاں کے فرمانرواؤں کے حالات کی اطلاع برابر کرتے رہتے تھے۔ وہ سیاسی شاطر تھا' اس کی چالیں ایسی گہری ہوتی تھیں کہ وہاں تک لوگوں کی نگاہ نہ پہنچ سکتی تھی۔ اپنی سیاسی تدبیروں سے وہ دشمن سلاطین میں اتحاد و دوستی اور دوست فرمانرواؤں میں اختلاف و دشمنی پیدا کر دیتا تھا' اور ان کو اس کی خبر تک نہ ہونے پاتی تھی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۵۹' ۴۶۰ بحوالہ ذہبی)

عبداللطیف کا بیان ہے کہ دلوں پر اس کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی' جس طرح بغدادی اس سے ڈرتے تھے اسی طرح مصر و ہندوستان اس سے ڈرتا تھا' اس نے خلافت کی ہیبت کو جو معتصم کے بعد ختم ہو گئی تھی' دوبارہ زندہ کر دیا' مصر و شام تک کے سلاطین اپنی خلوتوں میں اس کا ذکر کرتے ڈرتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۶۱)

دنیائے اسلام کے سلاطین اس کے مطیع و منقاد تھے' اور خلافت بغداد کے تمام پرانے باغی اور سرکش حکمرانوں کی گردنیں اس کے سامنے خم تھیں' اس کی تلوار نے بڑے بڑے جبابرہ کو مغلوب اور دشمنوں کو مقہور کر لیا تھا' اس نے ملکوں کو فتح کیا اور اندلس سے لے کر چین تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۶۱' ۴۶۲)

راتوں کو بغداد کی گلیوں میں پاپیادہ گشت لگاتا تھا اس لیے رعایا اور عمال حکومت دونوں ڈرتے تھے کہ اس کو گھر کی باتوں تک کا علم ہو جاتا ہے۔ (الفخری ص ۲۸۷) اس کے شعبہ خبر رسانی کے بہت سے حیرت انگیز واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔

اس نے رعایا کی فلاح و بہبود کے بھی بہت سے کام انجام دیئے' ابن ملقطقی کا بیان ہے کہ اس کے کار خیر اور اوقاف حد شمار سے باہر ہیں' اس نے بکثرت مسجدیں' خانقاہیں

اور مسافر خانے بنوائے۔ (الفخری ص ۲۸۷)

لیکن ان اوصاف اور خوبیوں کے ساتھ وہ دولت کا بڑا حریص تھا' حصول زر کے لیے اس نے رعایا پر بڑی زیادتیاں کیں۔ بہت سے نئے ٹیکس جاری کیے' مال و جائیداد کے لیے سینکڑوں آدمیوں کو جیل میں بھر دیا' خراج کی مقدار غیر معمولی حد تک بڑھا دی' ابن کثیر نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس کے مظالم سے عراق ویران ہو گیا' درحقیقت اس کی طبیعت میں شدت اور غلو زیادہ تھا۔ جس جانب رجوع ہوتا تھا اس میں غلو کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ ذہبی کا بیان ہے کہ ناصر جب کھلاتا تھا' یعنی لیتا دیتا تھا تو آسودہ حال کر دیتا تھا اور جب سزا دیتا تھا تو سخت سزا دیتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۶۰) اس لیے اس کی حرص دولت بھی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی' لیکن اس حرص و طمع کے ساتھ اس کے فیاضی کے واقعات بھی ملتے ہیں' ایک مرتبہ ہندوستانی انعام کی امید میں اس کے لیے ایک طوطا لے گیا جو سورہ اخلاص پڑھتا تھا' اتفاق سے یہ طوطا ناصر کے سامنے پیش کیے جانے سے پہلے ہی مر گیا ناصر کو مخبروں کے ذریعے اس کی اطلاع مل چکی تھی' اس نے پانچ سو اشرفیاں اس کے مالک کے پاس بھجوا دیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۶۱)

علمی اعتبار سے وہ بڑا فاضل تھا' دینی علوم میں حدیث نبوی سے خاص ذوق رکھتا تھا' بہت سے علماء سلاطین اور عمائد کو اپنی جانب سے قرات و روایت حدیث کی اجازت دی تھی اور راوی علماء کے وظائف مقرر کیے تھے' لوگ' شرف نسبت کے لیے فخریہ اس سے روایت کرتے تھے۔ ستر حدیثوں کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا۔

(تاریخ الخلفاء ص ۴۵۹' ۴۶۲)

# ابونصر محمد بن ناصر الملقب بہ ظاہر بامراللہ

## ۶۲۲ھ تا ۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۵ء تا ۱۲۲۶ء

ناصر کی وفات کے بعد یکم شوال ۶۲۲ھ کو اس کا لڑکا اور ولی عہد ابونصر محمد تخت پر بیٹھا اور ظاہر بامراللہ لقب اختیار کیا' اس وقت اس کی عمر باون سال کی تھی اور وہ اپنی دینداری اور مذہبی کارناموں کے لحاظ سے صحیح معنوں میں اسلامی خلیفہ تھا' تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرح عباسی حکومت کی اصلاح کا کام شروع کر دیا' اس کی تمام گذشتہ بے عنوانیاں ایک قلم موقوف کر دیں اور جب تک زندہ رہا اس کارِ خیر کو انجام دیتا رہا لیکن افسوس موت نے مہلت نہ دی وہ کل نو مہینے زندہ رہا' ورنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی یاد تازہ کر دیتا۔

**گرجستان پر جلال الدین کا قبضہ**

اوپر ناصر کے زمانے میں گرجستان پر جلال الدین خوارزم شاہ کی فوج کا ذکر گذر چکا ہے' گرجستان اسلامی قلمرو کی بالکل سرحد پر تھا' گرجی بڑے وحشی اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور ہر زمانہ میں وہ اسلامی حکومت کے حدود پر وحشیانہ تاخت کرتے رہتے تھے' خلاط' آذربائیجان' اران' ارزن الروم' دربند' شروان وغیرہ کے علاقے ان کے حملوں کا ہدف بنے رہے کوئی قوت ان کو روکنے والی نہ تھی' وہ بے محابا ان ملکوں میں گھس آتے تھے اور وحشیانہ طریقے سے قتل و غارت کرتے تھے' سرحد کے چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران ان کے مقابلہ سے عاجز تھے اور ان علاقوں کے مسلمان ان کے ہاتھوں بڑی ذلت اور بے بسی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

(ابن اثیر ج ۲ ص ۱۶۷)

ناصر کے آخری زمانہ میں جلال الدین خوارزم شاہ نے گرجستان پر فوج کشی کی تھی اور اس کا سلسلہ ظاہر کے زمانہ تک رہا اور اس میں اور گرجوں میں بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں' جن میں ہزاروں گرجی کام آئے' جلال الدین نے ان کے مرکز تفلیس پر قبضہ کر کے ان کی قوت بالکل توڑ دی' اس کے اس کارنامے پر ساری دنیائے اسلام مشکور ہوئی'

ابن اثیر نے اس کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔

**ناصر کی وفات** ظاہر، تخت نشینی کے کل نو مہینے بعد رجب ۶۲۳ھ میں انتقال کر گیا اس وقت ۵۳ سال کی عمر تھی۔

**خلافت کی اصلاح** وہ دینداری اور اسلامی روح کے اعتبار سے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ثانی تھا اس نے نو مہینے کی قلیل مدت میں اتنے کار خیر انجام دیئے جو دوسرے فرمانرواؤں سے برسوں میں ممکن نہ تھے، ابن اثیر کا بیان ہے کہ۔

تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد اس نے اپنے عدل و انصاف و احسان سے حضرت عمرؓ بن الخطاب اور عمر بن عبدالعزیزؒ کی سنت زندہ کر دی اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ایسا خلیفہ نہیں پیدا ہوا تھا، اس نے ان تمام مال و جائیدادوں کو جو اس کے باپ کے زمانہ میں یا اس سے پہلے کے عباسی خلفاء نے جبراً ضبط کی تھیں، ان کے مالکوں کو واپس کر دیا، ساری قلم رو سے ہر قسم کے ناجائز ٹیکس یک قلم موقوف کر دیئے، ناصر نے اپنے زمانہ میں عراق کا خراج بہت بڑھا دیا تھا، ظاہر نے اس کو منسوخ کر کے پرانا خراج جاری کر دیا۔ ان دونوں کی شرح میں تفاوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مقام یعقوبا کا پرانا خراج دس ہزار اشرفی سالانہ تھا، ناصر نے بڑھا کر اسی ہزار کر دیا تھا، یہی حال سارے عراق کا تھا، یہاں کے باشندوں نے ظاہر کے زمانہ میں اس پر نظر ثانی کی درخواست کی اس نے گھٹا کر پرانی شرح کے مطابق کر دیا۔ اور پورے عراق سے جدید اضافہ کو گھٹا دیا۔

ناصر کے زمانے میں بہت سی ایسی پرانی جائیدادوں اور کھجور کی پیداوار کا خراج وصول کیا جاتا تھا، جو اب ضائع ہو چکی تھیں ظاہر نے ان کو خراج سے مستثنیٰ کر دیا اور عام حکم جاری کر دیا کہ جو جائیدادیں محفوظ اور جو درخت سالم ہوں انہی کا خراج لیا جائے، شاہی خزانہ میں سکہ تولنے اور وزن کرنے کے دو پیمانے تھے، ایک عام بازار کے رائج پیمانہ کے برابر تھا، دوسرا اس سے ایک قیراط زیادہ تھا، شاہی محاصل بڑے پیمانے سے وصول کیے جاتے تھے، اور خزانہ سے دوسرے لوگوں کو بازار کے عام پیمانے سے دیا جاتا تھا، ظاہر کو معلوم ہوا تو اس نے وزیر کو ایک تحریر لکھی، اس کے شروع میں کلام مجید کی یہ آیت تھی "کم دینے والوں پر افسوس ہے جو دوسرے سے خود تو ناپ تول کر پورا لیتے ہیں اور

دوسروں کو کم دیتے ہیں' کیا ان کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ بڑے دن (قیامت) کو اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے" میں حکم دیتا ہوں کہ خزانہ کا پیمانہ ان عام پیمانوں کے برابر کر دیا جائے جس سے یہود و نصاریٰ سب وزن کرتے ہوں۔" بعض حکام نے کہا کہ اس سے پینتیس ہزار اشرفی سالانہ کا نقصان ہو گا' ظاہر نے جواب دیا اگر ساڑھے تین لاکھ اشرفی کا بھی نقصان ہو تب بھی پیمانہ گھٹا دیا جائے گا۔

قاضی شہر کو عام حکم دے دیا تھا کہ جو شخص کسی ضبط شدہ مال و جائیداد کے متعلق ثبوت پیش کر دے اس کو بغیر میری اجازت کے اس کی املاک واپس کر دی جائے' ایک حنبلی کو اس نے حشری اور بیت المال کا متولی بنانا چاہا' اس نے کہا میرے مذہب میں ذوی الارحام کا بھی ترکہ ہے' اگر امیرالمومنین اس کی اجازت دیں تو میں یہ منصب قبول کروں گا' ورنہ معذور ہوں' اس نے کہا ہر حقدار کا حق اس کو دو اور اس میں خدا کے علاوہ کسی دوسرے کا خوف نہ کرو۔

ناصر نے بغداد کے گلی کوچوں میں مخبر مقرر کر رکھے تھے' جو روزانہ ان گلیوں کے دن بھر کے چھوٹے بڑے واقعات کی تحریری رپورٹ اس کے سامنے پیش کرتے تھے' اس میں یہاں تک لکھا جاتا تھا کہ تفریح گاہوں اور گانے کی مجلسوں میں فلاں فلاں لوگ آپس میں ملے' مخبری سے لوگ تنگ تھے' ظاہر کی تخت نشینی کے بعد جب حسب معمول اس کے سامنے بھی یہ رپورٹ پیش کی گئی' تو اس نے کہا کہ مجھ کو لوگوں کے پرائیویٹ حالات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں' آئندہ میرے سامنے صرف وہی امور پیش کیے جائیں' جن کا تعلق حکومت کے مصالح سے ہو' لوگوں نے کہا اگر مخبری کا طریقہ بند کر دیا گیا تو عوام بگڑ جائیں گے اور ان کا شر و فساد بڑھ جائے گا' ظاہر نے کہا کہ ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ان کی اصلاح کے لیے دعا کریں۔

ناصر نے اپنے آخر زمانہ میں ایک محصل کو روپیہ کی وصولی کے لیے واسط بھیجا تھا یہ اس وقت روپیہ لے کر واپس ہوا جب اس کا انتقال ہو چکا تھا' ایک لاکھ اشرفیوں سے زیادہ کی رقم تھی' محصل نے ظاہر کو اطلاع دی' چونکہ اس کے نزدیک یہ رقم جائز طریقہ سے نہیں حاصل کی گئی تھی' اس لیے اس نے حکم دیا کہ جن جن لوگوں سے وصول کی گئی ہے ان کو واپس کر دی جائے۔

ناصر کے زمانہ میں جس قدر آدمی استحصال زر کے لیے قید کیے گئے تھے ان سب کو رہا کر کے ان کا روپیہ انہیں واپس کر دیا اور نادار مجرم قیدیوں کے مصارف کے لیے دس ہزار اشرفیاں دیں۔

ناصر کے دور کی تجارتی پابندیوں کی وجہ سے موصل وغیرہ میں بڑی گرانی رہتی تھیں ظاہر نے غلہ کی تجارت کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کر دیا اور عام اجازت دے دی کہ ہر تاجر بغیر روک ٹوک کے موصل اور دیار جزیرہ میں غلہ لے جا سکتا ہے' اس سے وہاں غلہ کی بڑی ارزانی ہو گئی' لیکن اس سے خود بغداد وغیرہ میں غلہ گراں ہو گیا' لوگوں نے مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے لیے غلہ کی بر آمد روک دی جائے' ظاہر نے کہا دونوں مسلمان ہیں اس لیے مجھے دونوں کا یکساں لحاظ ضروری ہے اور سرکاری غلہ خانوں کو حکم دیا کہ وہ عام نرخ سے سستا فروخت کریں' اس سے عام بازار کا بھاؤ گر گیا اور یہاں بھی ارزانی ہو گئی۔

اس کی تخت نشینی کے وقت موصل میں دو مکوک (ایک پیمانہ) غلہ کی ایک اشرفی اور دو تہائی قیراط میں ملتا تھا' لیکن اس کے زمانہ میں ایک اشرفی میں چار مکوک ملنے لگا' اسی تناسب سے کھجور' چاول اور تل وغیرہ ہر چیز سستی ہو گئی' بعض لوگوں نے ظاہر کو ٹوکا کہ آپ جتنا مال صرف کرتے ہیں اور محاصل کا جس قدر حصہ چھوڑ دیتے ہیں' دوسرا شخص اس کا معمولی حصہ بھی نہیں چھوڑ سکتا' اس نے یہ بلیغ اور سبق آموز جواب دیا کہ "میں نے عصر کے وقت دکان کھولی ہے (تخت نشینی کے وقت اس کی عمر باون سال تھی) اس لیے بھلائی کا جتنا سودا بھی ہو سکے کر لینے دو' مجھے زندہ ہی کے دن رہنا ہے' اپنی تخت نشینی کی شب کو اس نے فقہا اور اہل علم میں ایک لاکھ اشرفیاں تقسیم کی تھیں۔

(یہ تمام واقعات ابن اثیر ج ۱۲ ص ۲۷ تا ۲۷ سے ماخوذ ہیں)

اس کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ناصر نے اپنے زمانہ میں ایک حوض بھر سونا جمع کیا تھا' ظاہر نے چند مہینوں میں کل صرف کر دیا۔ (الفخری ص ۷'۸ و تاریخ الخلفاء ص ۷۱،۴) اس کا بڑا حصہ غالباً لوگوں کے غصب شدہ مال کی واپسی میں صرف ہوا ہو گا۔

ایک دن ظاہر خزانہ میں گیا اس کے عہدہ داروں نے عرض کیا کہ آپ کے اسلاف کے زمانہ میں خزانہ بھرا ہوا تھا' ظاہر نے کہا خزانہ بھرنے کے لیے نہیں بلکہ خالی کرنے اور

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہے' جمع کرنا تو تاجروں کا شیوہ ہے۔

اپنی وفات سے چند دن پیشتر حکومت کے عمال اور عہد داروں کی تنبیہہ و اصلاح کے لیے یہ فرمان جاری کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' میں نے تم لوگوں کو جو ڈھیل دے رکھی ہے اور تمہارے افعال سے جو چشم پوشی کرتا ہوں' اس کا سبب غفلت اور لاپرواہی نہیں بلکہ عمداً" اس لیے ایسا ہوتا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ تم میں سے کس کے اعمال اچھے ہیں' تمہاری تمام گذشتہ بد اعمالیاں ملک کی بربادی' رعایا کی خانماں خرابی' شریعت کی اہانت' مکرو فریب سے حق کی خفی شکل میں کھلے ہوئے باطل کا اظہار' ذاتی اغراض کے لیے استیفار (استیفار و استدراک تحصیل محاصل کی ظالمانہ صورتیں تھیں جو حصول رزق کے لیے پیدا کی گئی تھیں' جس طرح آج ظالم حکومتیں مختلف خوبصورت ناموں سے ناجائز طریقہ سے روپیہ وصول کرتی ہیں) استدراک کے خوشنما الفاظ سے استیصال اور احتیاج کی تعبیر وغیرہ' جس کے تم ایک شیر غرا کے سامنے موقع پاکر مرتکب ہوئے ہو' معاف کی جاتی ہیں' تم اس شیر کے امین اور معتمد ہو' اس کے باوجود اس کی رائے کو اپنی خواہشوں کے مطابق اور اپنے باطل کو اس کے حق کے ساتھ خلط ملط کرنا چاہتے ہو' وہ تم کو دیتا ہے اور تم اس کی نافرمانی کرتے ہو' وہ تمہاری موافقت کرتا ہے اور تم اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو' اب خدا نے تمہارے خوف و ہراس کو امن اور تمہارے فقر و احتیاج کو دولت و تونگری اور تمہارے باطل کو حق سے بدل دیا ہے اور تم کو ایک ایسا حکمران عطا کیا جو لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے اور صرف اسی سے مواخذہ کرتا ہے اور اسی سے انتقام لیتا ہے جو اپنی غلطیوں پر مصرو قائم رہتا ہے' وہ تم کو عدل کا حکم دیتا ہے اور تم سے انصاف چاہتا ہے' تم کو ظلم سے روکتا ہے۔ اور اس کو تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے۔ وہ خود خدا سے ڈرتا ہے اور تم کو بزور اس سے ڈرانا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے اچھی امید رکھتا ہے اور تم کو اس کی اطاعت کی طرف مائل کرتا ہے' پس اگر تم خلفاء اللہ فی الارض کے اور اس کی مخلوق کے امینوں کے طریقے پر چلو گے تو فبہا' ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔

اس فرمان کے ساتھ زبانی پیام کہلا بھیجا کہ اس فرمان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ صرف زبان سے یہ کہنے پر اکتفا کریں کہ "فرمان شرف صدور لایا"۔ اور اس کا کوئی اثر اور

نتیجہ ان کے عمل میں ظاہر نہ ہو' تم لوگوں کے لیے زبانی باتیں بنانے والے امام سے زیادہ با عمل امام کی ضرورت ہے۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۷۶ اور ۱۷۷)

# ابو جعفر منصور الملقب بہ مستنصر باللہ

## ۶۲۳ھ تا ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۲۶ء تا ۱۲۴۳ء

ظاہر کی وفات کے بعد رجب ۶۲۳ھ میں اس کا لڑکا ابو جعفر منصور تخت نشین ہوا' اور مستنصر باللہ لقب اختیار کیا' یہ ایک ترکی لونڈی کے بطن سے تھا' تخت نشینی کے وقت ۲۲ سال کی عمر تھی۔

مستنصر اپنے محاسن اور کارناموں کے لحاظ سے ظاہر کا خلف الصدق تھا' ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ رعایا کے ساتھ نیکی اور احسان و سلوک میں اپنے باپ کے نقش قدم پر تھا' تخت نشینی کے ساتھ اس نے اعلان عام کر دیا تھا کہ ہر شخص کے ساتھ عدل و انصاف برتا جائے گا ہر حاجت مند کی حاجت پوری اور ہر مظلوم کی داد رسی کی جائے گی۔

تخت نشینی کے بعد وہ عرصہ تک زندہ رہا اس لیے عباسی خلافت کو مختلف حیثیتوں سے ترقی دینے کا اس کو پورا موقع ملا' اس کے نام کا خطبہ مشرق سے لے کر اندلس اور مغرب کے بعض علاقوں تک پڑھا جاتا تھا' آخری دور میں اس کا زمانہ خلافت عباسیہ کا دور زریں تھا اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۶' ۱۷)

**بیت المقدس پر صلیبیوں کا عارضی قبضہ** اس کے دور میں دنیائے اسلام میں دو خاص واقعے رو نما ہوئے' ایک بیت المقدس پر صلیبیوں کا عارضی قبضہ ہو گیا' دوسرے مشرق پر تاتاریوں کی دوسری یورش ہوئی جس نے سارے مشرق کو ویران کر ڈالا اور اسی یورش میں خوارزمی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

بیت المقدس کا اصل محافظ ایوبی خاندان تھا' صلاح الدین کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کے جانشینوں میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا' جس سے ایوبی بیت المقدس کی حفاظت سے قاصر ہو گئے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ صلاح الدین کی وفات کے وقت اس کا جو لڑکا جہاں تھا' وہاں اس نے اپنی حکومت قائم کر لی' چنانچہ عزیز نے مصر میں' افضل نے دمشق میں اور ظاہر

غازی نے حلب میں مستقل حکومتیں قائم کرلیں اور ایک متحدہ حکومت کے بجائے تین حکومتیں قائم ہو گئیں اور ان میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا' صلاح الدین کے بھائی الملک العادل نے ۵۹۶ھ میں مصر و دمشق پر حملہ کر کے اس منتشر شیرازہ کو پھر سے مجتمع کرنے کی کوشش کی۔

رچرڈ اور صلاح الدین کی صلح کے بعد صرف چند برسوں کے لیے صلیبی لڑائیاں بند ہو گئیں تھیں' عادل کے زمانہ میں پھر اس کا سلسلہ شروع ہو گیا' اس نے صلیبیوں کے مقابلے میں صلاح الدین کی پوری جانشینی کی اور شام میں ان کی قوت نہ بڑھنے پائی۔

۶۱۵ھ میں عادل کا انتقال ہو گیا' اس کے پانچ لڑکے تھے' عادل نے اپنی زندگی میں ان پانچوں میں سلطنت تقسیم کر دی تھی' مصر کی مرکزی حکومت میں بڑے لڑکے الملک الکامل کو جانشین بنایا تھا' دمشق' قدس' طبریہ' اردن اور کرک کا علاقہ معظم عیسیٰ کو دیا۔ خلاط اور جزیرہ کا کچھ حصہ اشرف موسیٰ کو دیا' شہاب الدین غازی کو' اور حیر کا قلعہ ارسلان شاہ کو عطا کیا۔

باپ کی وفات کے بعد چند سال تک پانچوں بڑے اتفاق و اتحاد سے رہے سب کامل کو بزرگ خاندان اور اپنا مربی اور سرپرست مانتے تھے' اور اس کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے۔

(ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۳۴' ۱۳۵)

لیکن یہ اتحاد زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا اور معظم فرمانروائے دمشق و قدس کی زیادتی کی وجہ سے اختلاف شروع ہو گیا' کامل نے اس کو رفع کرنے کی کوشش کی لیکن معظم کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ گیا۔

(ابن خلدون نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے ملاحظہ ہو جلد ۵ ص ۳۵۰)

یہ وہ زمانہ تھا' جب فریڈرک دوم بادشاہ جرمنی اور آسٹریا اور سسلی کے زیر قیادت چھٹی جنگ صلیبی شروع ہو چکی تھی اور فلسطین کے ساحلی علاقہ پر فرنگیوں کا ہجوم تھا لیکن معظم نے اندرونی فتنہ انگیزی کے باوجود فرنگیوں کا پورا مقابلہ کیا اور جب تک زندہ رہا ان کو ان کے قدیم مقبوضات سے آگے نہ بڑھنے دیا' ۶۲۴ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور اس کا صغیر السن لڑکا داؤد تخت نشین ہوا' کامل نے جنگی ضرورت کے لیے اس سے شوبک کا قلعہ مانگا اس مطالبہ پر داؤد نے اس کا خطبہ بند کر کے علم بغاوت بلند کر دیا' کامل نے فوج کشی کر

کے نابلس اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا' داؤد نے اپنے دوسرے چچا اشرف کو مدد کے لیے بلا بھیجا وہ آیا لیکن کامل نے دمشق پر قبضہ کر کے اس کے حوالہ کر دینے کا وعدہ کر کے اس کو اپنے ساتھ ملایا۔ (ابن خلدون نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے ملاحظہ ہو جلد ۵ ص ۳۵۱)

فلسطین کے ساحل پر صلیبیوں کی یورش برابر قائم تھی اور انہوں نے ایک دو مقاموں پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔

فریڈرک کی پرورش سسلی کی اسلامی فضا میں ہوئی تھی اس لیے وہ مسلمانوں سے بہت مانوس تھا۔ (ابو الفداء ج ۳ ص ۱۴۱) اور سسلی کے مسلمانوں سے اس کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۶۳ ترجمہ اردو جامعہ عثمانیہ) اور وہ ایک مرتبہ جنگ صلیبی سے واپس چلا گیا تھا' اس جرم میں پوپ گریگوری نے اس کو مسیحیت سے خارج کر دیا تھا۔

(تاریخ یورپ اے جے گرانٹ ص ۳۶۳ ترجمہ اردو جامعہ عثمانیہ و تاریخ عرب صلیبیہ ص ۲۴۱)

اس کو جنگ صلیبی کے دوسرے قائدوں کی طرح مسلمانوں سے عناد نہ تھا وہ صرف بیت المقدس پر قبضہ یا کم از کم اس میں عیسائیوں کے کچھ حقوق چاہتا تھا' چنانچہ اس نے جنگ و خون ریزی کے بجائے صلح و آشتی کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی اور اس بارہ میں کامل سے خط و کتابت کی' اس کے دماغ پر اس وقت دمشق پر قبضہ کرنے کا خیال مسلط تھا کہ اس نے ربیع الثانی ۶۲۶ھ میں حسب ذیل شرائط پر بیت المقدس اس کے حوالہ کر دیا۔

(۱) فرنگی بیت المقدس کی شہرپناہ' جس کو ایوبی سلاطین نے مسمار کر دیا تھا دوبارہ نہ تعمیر کریں گے'

(۲) قبتہ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے۔

(۳) بیت المقدس اور ساحل سے اس کے راستہ کے چند مقامات کے علاوہ باقی پورا علاقہ خلیل' نابلس' طبریہ اور سارے مواضعات مسلمانوں کے قبضہ میں رہیں گے۔

(ابن اثیر ج ۱۲ و ابو الفداء ج ۴ ص ۱۴۱)

یہ عربی مورخین کا بیان ہے' انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ در حقیقت وہ قابض نہیں ہوا بلکہ صرف فلسطین میں مسیحی زائروں کے داخلہ کی اجازت حاصل کی تھی۔ (تاریخ یورپ

اے جے گرانٹ ص ۳۶۳) مصنف خطط الشام کا بیان ہے کہ کامل نے صرف دس سال کے لیے عارضی قبضہ دیا تھا۔ (خطط الشام کرد علی ج ۲ ص ۹۲) بہرحال دنیائے اسلام اس عارضی قبضہ سے بہت متاثر ہوئی اور مسلمانوں نے کامل کے اس فعل پر بڑی ناپسندیدگی ظاہر کی۔

## تاتاریوں کی دوسری یورش اور خوارزمی حکومت کا خاتمہ

گرجستان پر قبضہ تک جلال الدین کے حالات اوپر گذر چکے ہیں' اس کے بعد وہ آذربائیجان اور خلاط کی فوج کشی میں مشغول ہو گیا تھا' اور اس کے اور ملک الاشرف ایوبی فرمانروائے خلاط کے درمیان بڑی خونریزیاں ہوئیں ۶۲۶ھ خلاط پر قبضہ کر کے بڑی وحشت و درندگی کا ثبوت دیا' اور تاتاریوں کی طرح خلاط کو بالکل ویران کر ڈالا لیکن پھر ایک ہی سال بعد ۶۲۷ھ میں علاؤالدین کے قبادین کیخسرو سلجوقی فرمانروائے ایشیاء کوچک کی مدد سے جلال الدین کو شکست دے کر خلاط واپس لے لیا' اس شکست سے جلال الدین کی قوت کو بڑا صدمہ پہنچا اور اسے مجبور ہو کر اشرف اور علاؤ الدین سے صلح کرنی پڑی۔ (ابو الفداء ج ۴ ص ۱۳۶)

۶۲۴ھ میں چنگیز خان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد تاتاریوں کی مرکزی حکومت میں اس کا لڑکا اکتائی قاآن تخت نشین ہوا تھا۔

ہندوستان سے جلال الدین کی واپسی کے بعد اس کی قوت پھر بڑھ گئی تھی اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے' اس نے عراق' فارس' گرجستان' آذربائیجان اور خلاط وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا' اس لیے اکتائی نے اس کے انسداد کی طرف توجہ کی اور امیر جرماغون کو اسی ہزار فوج کے ساتھ جلال الدین کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گیا۔

جلال الدین کی بدقسمتی سے جرماغون اس وقت آذربائیجان پہنچا' جب اشرف سے جلال الدین کی شکست کے بعد اس کی قوت ٹوٹ چکی تھی اور اس میں تنہا تاتاریوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے وہ اشرف اور دوسرے فرمانرواؤں سے مدد لینے کے لیے خلاط چلا گیا۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۹۴) جوینی کا بیان ہے کہ اس نے خلافت بغداد اور شام اور روم کے تمام مسلمان فرمانرواؤں کے پاس مدد کے لیے قاصد بھیجے لیکن سب سے اس کے تعلقات خراب تھے' اس لیے کسی نے مدد نہ کی۔ (جوینی ج ۲ ص ۱۸۳)

ابھی جلال الدین خلاط ہی میں تھا کہ تاتاری پہنچ گئے' جلال الدین یہاں سے دیار بکر روانہ ہو گیا' آمد میں منزل کی تھی کہ تاتاری بھی تعاقب کرتے ہوئے سر پر پہنچ گئے اور

جلال الدین کی قیام گاہ پر حملہ کر دیا وہ اس وقت نشہ میں مدہوش تھا' امیر اور خان نے ہوشیار کر کے گھوڑے پر بٹھا کر نکل جانا چاہا' جلال الدین نے اس سے کہا کہ تم ان کو جنگ میں الجھائے رکھو تاکہ میں نکل جاؤں' اس نے اس کی تعمیل کی اور جلال الدین موقع پا کر باسورہ آمد پر چلا گیا' لیکن آمد میں داخل نہ ہو سکا اور مجبور ہو کر میافارقین کے ایک گاؤں میں پناہ لی' یہاں آنے کے ساتھ تاتاریوں کا ایک دستہ پہنچ گیا اس لیے یہاں بھی نہ ٹھہر سکا اور کوہستانی علاقہ کی جانب نکل گیا یہاں جرائم پیشہ کردوں نے پکڑ لیا اور اس کا قیمتی لباس چھین کر قتل کر دینا چاہا' جلال الدین نے اس سے کہا کہ میں سلطان ہوں مجھ کو قتل نہ کرو میں تم کو بادشاہ بنا دوں گا' یہ سن کر کردی اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنا کچھ سامان لینے کے لیے کوہستان چلا گیا' ایک دوسرے کرد کو جس کا بھائی جلال الدین کے ہاتھوں قتل ہوا تھا' پتہ چل گیا وہ پہنچا' کرد کی بیوی سے کہا اس خوارزمی کو تم لوگوں نے قتل کیوں نہیں کیا' اس نے جواب دیا میرا شوہر اسے امان دے چکا ہے' کرد بولا یہ سلطان ہے اور میرے بھائی کو خلاط میں قتل کر چکا ہے اور نیزہ مار کر جلال الدین کا کام تمام کر دیا' (جوینی نے اس کی بڑی لمبی تفصیل لکھی ہے اور مذکورہ بالا بیان اور اس کے بیان میں خفیف سا فرق ہے ہم نے ابوالفداء کا بیان نقل کیا ہے جو خاص الدین کے مشیر منشی جلال الدین محمد نسوی کی کتاب سے ماخوذ ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا بیان معتبر نہیں ہو سکتا' ملاحظہ ہو ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۰'۱۵۱) یہ واقعہ وسط شوال ۶۲۶ھ میں پیش آیا' جلال الدین کے قتل کے بعد خوارزمی حکومت ختم ہو گئی۔

اس دوسری یورش میں تاتاریوں نے آذربائیجان پر قبضہ کر لیا' اور دیار بکر' جزیرہ اور خلاط وغیرہ کو فتح کر کے ماوراءالنہر کی طرح بالکل ویران کر ڈالا' لوگوں کے دلوں میں ان کی اتنی دہشت چھا گئی تھی کہ تنہا ایک تاتاری پورے ایک گاؤں اور بڑے بڑے مجمعوں میں گھس جاتا اور سب کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالتا اور کسی کو اس سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ (ابن اثیر ج ۱۲ ص ۱۹۴'۱۹۵)

**تاتاری اور خلافت بغداد** مستنصر کے زمانے میں تاتاریوں نے سلطنت عباسیہ کے آس پاس کے سارے ملکوں اور حکومتوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۶۳۶) اور عباسی سرحد تک پہنچ گئے تھے' لیکن اس کے حدود میں قدم نہیں رکھا' سیوطی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی علاقہ کی طرف بھی قدم بڑھایا تھا' لیکن مستنصر کی

فوجوں نے پسپا کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۷۳) لیکن یہ روایت تمام مورخین کے متفقہ بیانات کے خلاف ہے' البتہ ان کی یورش کا خطرہ ضرور پیدا ہو گیا' چنانچہ مستنصر نے مدافعت کا پورا انتظام کر لیا تھا' سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر نے تاتاریوں کے مقابلہ کے لیے اتنی بڑی فوج تیار کی تھی کہ اس کے پیش رووں میں سے کسی کے زمانہ میں نہ تھی۔

(تاریخ الخلفاء ص ۴۷۳)

**وفات مستنصر** جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں مستنصر کا انتقال ہو گیا' اس وقت کل چالیس اکتالیس سال کی عمر تھی' مدت خلافت سترہ سال۔

**اخلاق و اوصاف** مستنصر اپنے اوصاف حمید اور کارناموں کے اعتبار سے ظاہر کا صحیح جانشین تھا اس نے اپنے زمانہ میں بڑے کارنامے انجام دیئے' ابن طقطقی کا بیان ہے کہ مستنصر بہادر' فیاض و سیر چشم تھا' اس کے انعام و عطایا اور جودو کرم کی شہرت ثبوت سے مستغنی اور حد شمار سے باہر ہے۔ عباسی خلفاء میں فیاضی میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا' اس نے اپنے زمانے مین بڑے بڑے کام کیے اور اپنی بڑی یادگاریں چھوڑ گیا' ان میں سب سے بڑی یادگار مدرسہ مستنصریہ تھا' جس کے وصف سے بیان قاصر ہے' اس کے علاوہ سرائے حربی' اس کا پل سرائے نہر سالیس سرائے خرینی اور بکثرت مسجدیں' خانقاہیں اور مسافر خانے بنوائے' وہ کہا کرتا تھا میری نگاہ میں سونا اور مٹی دونوں برابر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون اس لیے مجھ کو خطرہ ہے کہ میں نے جو کچھ صرف کیا ہے اس کا مجھے کوئی ثواب نہ ملے گا' اس کا عہد سرور و شادمانی کا زمانہ تھا (مراد عباسی خلیفہ) ملک میں امن و سکون اور عمال خیر کا دور دورہ تھا اور ملک شاد و آباد تھا۔

(الفخری ص ۲۹۵)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس کی حکومت بڑے شکوہ و تجمل کی تھی' خدم و حشم کی کثرت تھی۔ وہ بڑا عادل' دیندار اور سرکشوں کا دشمن تھا' اس نے خلافت کی ذمہ داریوں کو بڑی خوبی سے سنبھالا۔ بکثرت مسجدیں اور مدرسے بنوائے' روپیہ بے دریغ صرف کیا' سارے سلاطین اس کے مطیع و منقاد تھے' اس کا دادا ناصر اس کی عقل و فرزانگی اور حق پرستی کی وجہ سے اس کو قاضی کہا کرتا تھا' اس نے ایک عظیم الشان مدرسہ بنوایا' جس کی نظیر دنیائے اسلام میں نہ تھی' تاتاریوں کے مقابلہ کے لیے ایک لشکر جرار تیار کیا' جس کی سوار فوج کی

تعداد ایک لاکھ تھی' اندلس اور شمالی افریقہ کے بعض علاقوں تک میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ (دول الاسلام ج ۲ ص ۱۱۱)

سیوطی کا بیان ہے کہ مستنصر نے تخت نشینی کے بعد رعایا میں عدل و انصاف قائم کیا' علماء اہل دین کو مقرب بنایا' مسجدیں خانقاہیں' مدرسے اور شفا خانے قائم کیے' دین کا آوازہ بلند کیا' سرکشوں کا قلع قمع کیا' سیرت نبوی کی اشاعت کی' فتنوں کا انسداد کیا' لوگوں کو صحیح راستہ پر لگایا جہاد کا پورا فرض انجام دیا' اسلام کی مدد اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوجیں جمع کیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۷۲)

اس کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ مستنصریہ ہے' اس کے قیام سے پہلے بغداد کا سب سے بڑا مدرسہ نظامیہ تھا' لیکن وہ نظام الملک طوسی کی یادگار تھا' خاص عباسی خلفاء کی کوئی تعلیمی یادگار نہ تھی' مستنصر نے اس کمی کو پورا کیا اور ایسا عظیم الشان مدرسہ قائم کیا جس کے سامنے نظامیہ ماند پڑ گیا۔

**مدرسہ مستنصریہ** ذہبی کا بیان ہے کہ ۶۲۵ھ میں دجلہ کے ساحل پر اس مدرسہ کی بنیاد پڑی سات برس میں عمارت بن کر تیار ہوئی اور ۶۳۲ھ میں بڑی شان و شوکت سے اس کے افتتاح کی تقریب عمل میں آئی' قضاۃ' علماء و مدرسین اور ارکان دولت و عمائد سلطنت اس تقریب میں شریک تھے۔

مدرسے سے متعلق ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں ۶۰ بار شتر نفیس اور منتخب کتابیں تھیں' مدرسہ میں چاروں مذاہب کے ۲۴۸ طلبہ داخل ہوئے اور چار بڑے استاد شیخ الحدیث' شیخ النحو' شیخ الطب اور شیخ الفرائض مقرر کیے گئے' (چھوٹے مدرسین کی تعداد ان کے علاوہ تھی) طلبہ کو مدرسہ کی جانب سے کھانے کے علاوہ مٹھائیاں اور میوے بھی ملتے تھے' مدرسہ کے مصارف کے لیے بہت بڑی جائیداد وقف کی۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ ذہبی ص ۴۷۳)

ابن واصل کا بیان ہے کہ روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی مدرسہ نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ کا وقف اتنا بڑا تھا' اس میں چاروں مذاہب کے طلبہ تھے' مدرسہ سے متعلق ایک شفا خانہ' مطبخ اور ٹھنڈے پانی کے لیے ایک آب دار خانہ تھا' طلبہ کی چٹائیاں' فرش' تیل کاغذ' قلم دوات مفت' اور کھانے کے علاوہ ہر طالب علم کو ایک اشرفی ماہانہ وظیفہ ملتا تھا'

مدرسہ سے متعلق ایک عمدہ حمام بھی تھا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ ذہبی ص ۴۷۵)

مستنصر شعر و شاعری میں بھی ذوق رکھتا تھا' شعراء کا قدر دان تھا' ایک مرتبہ ایک شاعر وجیہ قیروانی نے ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا اس کا ایک شعر یہ تھا۔

لوکنت یوم السقیفة حاضرا
کنت المقدم والامام الا ورعا

اگر آپ سقیفہ کے دن موجود ہوتے تو آپ ہی امام منتخب کیے جاتے۔

مستنصر نے اس شعر کو بہت پسند کیا دربار میں ایک حق گو اور حق پرست بھی موجود تھا' اس نے شاعر کو ٹوکا کہ تم نے غلط کہا' امیر المومنین کے جد امجد (حضرت عباس بن عبدالمطلب) اس زمانہ میں موجود تھے' لیکن حضرت ابوبکرؓ کے مقابلے میں ان کو کسی نے امام نہیں بنایا' یہ سچا جواب مستنصر نے بھی پسند کیا اور ٹوکنے والے کو خلعت عطا کیا اور وجیہ کو شہر بدر کرا دیا۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ ذہبی ص ۴۷۵)

# ابو احمد عبداللہ بن مستنصر الملقب بہ مستعصم باللہ

## ۶۴۰ھ تا ۶۵۵ھ مطابق ۱۲۴۱ء تا ۱۲۵۷ء

مستنصر کے بعد اہلیت و قابلیت کے اعتبار سے اس کا بھائی خفاجی سب سے زیادہ خلافت کا مستحق تھا' لیکن امیر دیوار اور امیر شرابی وغیرہ اراکین دولت نے اپنے ذاتی مفاد و مصالح کے اعتبار سے مستنصر کے لڑکے ابواحمد عبداللہ کو خلیفہ بنا دیا اور وہ جمادی الثانی ۶۴۰ھ میں تخت نشین ہوا اور مستعصم باللہ لقب اختیار کیا یہ ایک لونڈی ہاجرہ کے بطن سے تھا۔

مستعصم میں ذاتی خوبیاں بہت تھیں' نیک فطرت' نرم خو' شیریں زبان' پاک باز و خوش اخلاق تھا' سخت گیری مطلق نہ تھی' لیکن جہانبانی کے اوصاف سے تہی دامن تھا' طبیعت کا کمزور' رائے کا کچا' امور مملکت سے ناواقف اور بے رعب تھا' اس کا سارا وقت گانے بجانے اور ہنسی مذاق وغیرہ تفریحی مشاغل وغیرہ میں گذرتا تھا' علم و فن اور مطالعہ کا ذوق کم رکھتا تھا' اس کے مصاحب و حاشیہ نشین ادنیٰ درجہ کے جاہل عوام تھے' البتہ اس کا وزیر موید الدین محمد بن علقمی بڑا عاقل و فرزانہ تھا' لیکن اس کی نیت خراب تھی' بڑا بے فیض و ناقابل اعتبار تھا' اس کا کام صرف عمال کی معزولی اور ان کی گرفتاری تھی۔ (الفخری ص ۲۹۷) مستعصم کی نااہلی کی وجہ سے اراکین سلطنت خصوصاً ابن علقمی اس پر بہت حاوی ہو گیا تھا۔ (ابوالفداء ج ۳ ص ۱۷۱) جس کا نتیجہ عباسی حکومت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

**مصر کی ایوبی حکومت کا خاتمہ اور ممالیک کی حکومت کا قیام** مصر کی ایوبیہ حکومت گو عباسیہ کے خاتمے کے دو تین سال بعد ختم ہو گئی' لیکن عملاً" اس کا خاتمہ عباسیوں سے پہلے ہو چکا تھا' آئندہ مصر کے عباسی خلفاء کے حالات میں ضمناً" اس کا ذکر آئے گا اس لیے اس کے قیام کے مختصر حالات سن لینے چاہئیں۔

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ الملک العادل کے بعد اس کے لڑکوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی دو پشتیں اس میں گذر گئیں' الملک العادل کے بعد اس کا لڑکا الملک الکامل اور

اس کے بعد اس کا لڑکا عادل بن کامل‘ کامل کے بعد اس کا بھائی الملک الصالح تخت نشین ہوا‘ یہ بڑے دبدبہ و شکوہ کا فرمانروا تھا‘ معتصم عباسی کی طرح اسے ترکی غلاموں کا بہت شوق تھا‘ چنانچہ اس نے اس کی بڑی تعداد جمع کی اور انہیں آگے بڑھایا‘ اس کی فوج کے اکثر افسر ترک تھے‘ اس کی ڈیوڑھی پر بھی ترک دستہ متعین رہتا تھا‘ یہ ترک بحریہ کہلاتے تھے‘ چنانچہ اس کے زمانہ میں بحریہ کا بڑا غلبہ ہو گیا۔ (ابوالفداء ج ۳ ص ۱۷۹)

۷ ۶۴ھ میں الملک الصالح کا انتقال ہو گیا‘ اس کے ایک ہی لڑکا تورانشاہ الملقب بہ الملک المعظم تھا‘ باپ کی وفات کے وقت وہ دارالسلطنت سے دور حصین کیفا (شام) میں تھا اس لیے صالح کی وفات کے بعد بد نظمی کا خطرہ تھا‘ صالح کی سوتیلی ماں شجرۃ الدر بڑی عاقلہ تھی اس نے شوہر کی موت کو مخفی رکھا اور امراء سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ توران شاہ کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے بعد الملک الصالح کی موت کا اعلان کر دیا۔ (ابوالفداء ج ۳ ص ۱۸۰) اور تورانشاہ کے مصر پہنچنے تک حکومت کے فرائض خود انجام دیتی رہی‘ تورانشاہ نے حکومت کی باگ ہاتھ میں لینے کے بعد شجرۃ الدر سے باپ کی دولت کا مطالبہ کیا اور اسے دھمکایا‘ اس نے ممالک بحریہ سے شکایت کی تورانشاہ میری خیر خواہی کا یہ صلہ دے رہا ہے اس سے ان کو ناگواری پیدا ہوئی۔ (خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۸۵) تورانشاہ نے بحریہ کی بھی تحقیر و تذلیل کی اور ان کے مقابلہ میں ان امراء کو جو شام سے اس کے ساتھ آئے تھے‘ بڑھانا شروع کیا‘ اس لیے وہ اس کی جان کے دشمن ہو گئے‘ اور موقع پا کر محرم ۶۴۸ھ میں تورانشاہ کو قتل کر دیا‘ اس کی مدت حکومت کل چھ مہینے تھی۔

(خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۸۵ و ابوالفداء ج ۳ ص ۱۸۱)

تورانشاہ کے کوئی اولاد نہ تھی اس لیے بحری امراء نے شجرۃ الدر کو تخت نشین کر دیا اور اپنے ایک سردار امیر معزالدین‘ ایبک جاشنگیر ترکمانی کو سپہ سالار افواج مقرر کیا‘ لیکن شام کے ایوبی امراء نے شجرۃ الدر کی حکومت تسلیم نہیں کی اور اپنے یہاں انہوں نے ایوبی خاندان کے ایک رکن ملک الناصر صلاح الدین یوسف والی حلب کو اپنا بادشاہ بنا لیا اور اس نے دمشق پر جو مصری حکومت کا علاقہ تھا‘ قبضہ کر لیا‘ اس سے مصری فوج بھی مذبذب ہو گئی‘ یہ صورت دیکھ کر شجرۃ الدر نے امیر معزالدین سے شادی کر لی اور اس کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گئی اور وہ مصر کا مستقل بادشاہ ہو گیا۔ (خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۸۵)

بحری امراء میں لوگ امیر معزالدین کے حریف تھے' ان کو ان کی بادشاہت گوارا نہ ہوئی چنانچہ انہوں نے موسیٰ بن یوسف ایوبی الملقب بہ الملک الاشرف فرمانروائے یمن کو لا کر تخت نشین کیا اور امیر معزالدین کو کارپرواز سلطنت بنایا' لیکن اشرف محض نام کا حکمران تھا' اختیارات تمام تر معزالدین کے ہاتھوں میں تھے' اشرف باختلاف روایت دو یا چار سال تک حکمران رہا ۶۵۰ھ یا ۶۵۲ھ معزالدین نے اس کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور خود مصر کا مستقل حکمران بن گیا اور مصر سے ایوبی حکومت ختم ہو گئی۔

(خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۸۶ وابوالفداء ج ۳ ص ۱۸۳'۱۹۰ ملخصاً)

لیکن معزالدین کو زیادہ دنوں تک حکومت کرنے کا موقع نہ ملا' مصر کی فرمانروائی ملنے کے بعد اس نے بدرالدین لولو والی موصل کی لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا' شجرۃ الدر کو اس کی اطلاع ہو گئی' اس نے ربیع الاول ۶۵۵ھ میں ترکی امراء کو ملا کر معزالدین کو قتل کرا دیا' اس کے بعد اس کا لڑکا نورالدین علی الملقب بہ مملکت المنصور تخت نشین ہوا' (خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۸۶ وابوالفداء ج ۳ ص ۱۸۳'۱۹۲ ملخصاً") نورالدین کے بعد سیف الدین قطز اور اس کے بعد ملک الظاہر بیبرس بندقداری تخت نشین ہوا' اسی کے زمانے میں مصر میں عباسی خلافت قائم ہوئی جس کا حال آخر میں آئے گا۔

**تاتاری** اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ چنگیز کے بعد قراقرم کی مرکزی حکومت میں اس کا لڑکا اکتائی قاآن تخت نشین ہوا تھا' اکتائی کے بعد ۶۴۳ھ میں اس کا لڑکا کیوک خان تخت پر بیٹھا' کیوک کے بعد ۶۴۸ھ میں اس کا چچازاد بھائی منکو قاآن اس کا جانشین ہوا' اس کا ایک بھائی برکہ شیخ شمس الدین باخوری کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہو گیا' شیخ نے اس کو خلیفہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی تاکید کی۔ اس نے مستعصم کو خط لکھ کر تحریری بیعت کی اور اس کے ساتھ اس کے عقیدتمندانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ اور جب تک برکہ زندہ رہا تاتاریوں نے خلافت بغداد کی طرف آنکھ نہ اٹھائی۔

منکو قاآن کے زمانہ میں عراق عجم میں اسماعیلیوں نے بڑا ظلم و فساد مچایا' اس وقت یہ علاقہ تاتاریوں کے زیر نگیں ہو چکا تھا اس لیے یہاں کے باشندوں نے جن میں ایک ممتاز مسلمان قاضی شمس الدین قزوینی تھے' منکو قاآن سے اس کی فریاد کی' اس نے اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایران کا حاکم بنا کر ـــــ اسماعیلیوں کے استیصال پر مامور کیا' اس نے ان کے

قلعے فتح اور ان کے بادشاہ خورشاہ کو گرفتار کر کے منکوقا آن کے پاس بھجوا دیا اور وہ راستہ میں قتل کر دیا گیا۔ (تاریخ گزیدہ ج ا ص ۵۷۹ و ۵۸۰ و ابن خلدون ج ۵ ص ۵۲۹)

## بغداد پر ہلاکو خان کا حملہ اور عباسی خلافت کا خاتمہ

مستعصم کی نا اہلی اور اس کے شیعہ وزیر ابن علقمی کی وجہ سے بغداد کی حالت اس زمانہ میں بہت ابتر ہو رہی تھی، شیعہ، سنیوں اور سنیوں کے مختلف فرقوں کے اختلاف و جنگ جدال اور شہر کے فتنہ پرور بد معاشوں کی فتنہ انگیزی سے حکومت کا سارا نظام بگڑ گیا، عباسی حکومت کی آمدنی اتنی گھٹ گئی کہ اس کے مصارف پورے ہونا مشکل ہو گئے، مستعصم نے ابن علقمی کے مشورہ سے فوج کا ایک حصہ برخاست کر دیا اور باقی فوج اور دوسرے عمال حکومت کی تنخواہوں کے مصارف تاجروں، اہل حرفہ اور کاشتکاروں پر پھیلا دیئے گئے، اس سے شورش اور بڑھ گئی، دوسری طرف شیعہ سنیوں کے اختلافات میں شیعوں نے ابن علقمی کے بل پر سنیوں پر زیادتی شروع کر دی ہو ابن علقمی مستعصم پر حاوی تھا، لیکن مستعصم کو شیعوں کی زیادتی ناگوار گزری، اس نے اپنے لڑکے ابوبکر اور امیر نورالدین کو بھیج کر کرخ کا محلہ جس میں شیعہ آباد تھے لٹوا لیا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۷)

ابن علقمی پہلے سے خلافت بغداد کے ساتھ تعصب رکھتا تھا، اس واقعہ کے بعد اس نے عباسی خلافت کو ختم کر کے علوی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا (دول الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۱۹) اور عباسی فوج کے باقی حصہ کو بھی، مستعصم کو یہ اطمینان دلا کر الگ کر دیا کہ اس سے جو روپیہ بچے گا، وہ تاتاریوں کی مدافعت کے دوسرے انتظامات میں کام آئے گا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۷) فوج برخاست کرنے کے بعد اس نے مختلف ذرائع سے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کی دعوت دی ابن خلدون لکھتا ہے کہ فوج کو الگ کرنے کے بعد اس نے ابن صلابا والی اربل کے ذریعہ تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کے لیے آمادہ کیا۔

(ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۷)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس نے عباسی حکومت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کے لیے تاتاریوں سے خط و کتابت کی۔ (دول الاسلام ج ۲ ص ۱۱۹)

ابو الفداء کا بیان ہے کہ ابن علقمی نے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کے لیے لکھا اور اپنے بھائی کو زبانی پیام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ (ابو الفداء ج ۲ ص ۱۹۳)

سیوطی لکھتے ہیں کہ مستعصم کو اپنے وزیر موید الدین علقمی شیعی پر بڑا اعتماد تھا' اس نے ملک کو تباہ کر ڈالا' وہ خلیفہ سے جس طرح چاہتا تھا کھیلتا تھا' پوشیدہ تاتاریوں سے ملا ہوا اور ان کا ہوا خواہ تھا' اس نے عباسی خلافت کو مٹا کر علوی حکومت قائم کرنے کے لیے تاتاریوں کو عراق پر فوج کشی اور بغداد پر قبضہ کرنے کی طمع دلائی اور ان کی خبریں خلیفہ سے بالکل پوشیدہ رکھتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۷۶)

لیکن خلافت بغداد کو دینی حکومت کی حیثیت حاصل تھی' مسلمانوں کو اس کے ساتھ مذہبی عقیدت تھی' اس پر ہاتھ ڈالنے سے دنیائے اسلام کے بگڑ جانے کا اندیشہ تھا' اس کے علاوہ خلافت عباسیہ کے مذہبی تقدس کی وجہ سے خود ہلاکو ڈرتا تھا' کہ اس کو چھیڑنے سے مبادا کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے۔

لیکن ابن علقمی کی خوش قسمتی سے مشہور شیعی فلسفی اور عالم ریاضی خواجہ نصیرالدین طوسی کو ہلاکو کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل تھا' ہلاکو کے دل میں اس کی اتنی منزلت تھی کہ وہ اس کے ہر مشورہ پر عمل کرتا تھا۔ (الوافی بالوفیات صلاح الدین صفدی ج ۱ ص ۱۷۹)

اس نے یہ کہہ کر ہلاکو کی ہمت بڑھائی کہ "عادت اللہ دریں عالم چنیں قرار گرفتہ کہ امور بر مجازی طبیعت عالم باشد' مستعصم باللہ در شرف نہ بہ یحییٰ بن زکریا میرسد نہ بہ حسین بن علی وایں دور اعادی بہ تیغ سر بریدند' وجہاں ہمچناں برقرار است۔"

اور ذی الحجہ ۶۵۵ھ میں ہلاکو نے بغداد پر فوج کشی کر دی' عباسی فوج کو پہلے ہی ابن علقمی الگ کرا چکا تھا' تاہم جتنی فوج باقی رہ گئی تھی اس کو لے کر امیر دیودار نے بڑی پر زور مدافعت کی اور پہلے حملے میں تاتاریوں کو پسپا کر دیا لیکن پھر انہوں نے اس زور کا دوسرا حملہ کیا کہ عباسی فوجیں اس کی تاب نہ لا سکیں اور شکست کھا کر بغداد کی جانب پسپا ہو گئیں' اتفاق سے عین اس وقت دجلہ کا ایک بند ٹوٹ گیا تھا اس سے راستہ میں پانی حائل ہو گیا اور تاتاریوں نے تعاقب کر کے پوری فوج تہ تیغ کر دی' امیر دیودار قتل ہوا اور اس کے تمام ساتھی گرفتار ہو گئے' اور تاتاریوں نے بڑھ کر بغداد کا محاصرہ کر لیا' اب اہل بغداد میں کوئی سکت باقی نہ تھی' لیکن ابھی ابن علقمی کا جذبہ انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تھا' اس نے ہلاکو سے اپنی جان بخشی کرائی اور مستعصم اور اس کے ساتھ بغداد کے تمام علماء' فقہاء و مدرسین و اکابر داعیان کو یہ یقین دلا کر ہلاکو کے پاس لے گیا کہ ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا' ہلاکو

مستعصم کو منصب خلافت پر برقرار رکھے گا اور اپنی لڑکی کی شادی اس کے لڑکے ابوبکر کے ساتھ کردے گا' اور یہ سب ایک ساتھ قتل کردیئے گئے' مستعصم کو ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر ختم کیا اور اس کی لاش کو پیروں سے مسلا (ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۷ و ابوالفداء ج ۳ ص ۱۹۴) اور ان میں سے کسی کو گور و کفن تک میسر نہ ہوا۔ یہ واقعہ محرم ۶۵۶ھ میں پیش آیا۔

اس کے بعد وحشی تاتاری بغداد میں گھس پڑے اور کئی دنوں تک قتل عام کرتے رہے عورتوں اور بچوں نے نکل جانا چاہا' لیکن تاتاریوں نے ان کو بھی زندہ نہ چھوڑا' آبادی کو ختم کرکے چالیس دن تک نہایت بے دردی سے بغداد لوٹتے رہے۔

بغداد اپنے عروج کے زمانہ میں عروس البلاد تھا' دنیا کا کوئی شہر اس کی ہمسری نہ کرسکتا تھا' اس گئی گذری حالت میں بھی جب کہ وہ مسلسل انقلاب سے ویران ہو چکا تھا' دنیائے اسلام کے ممتاز ترین شہروں میں اس کا شمار تھا' مشہور سیاح ابن جبیر نے مستعصم سے ایک ہی پشت پہلے چھٹی صدی کے آخر میں بغداد کا سفر کیا تھا' اپنے سفرنامہ میں اس کے حالات لکھے ہیں' اس کا یہ بیان دور عروج کے بغداد کا گویا مرثیہ ہے' تاہم اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس اجڑی ہوئی حالت میں بھی وہ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا شہر تھا' اس کے حالات آئندہ آئیں گے۔

وحشی تاتاریوں نے اس عظیم الشان شہر کو لوٹ کر ویران کر ڈالا' ابن خلدون کا بیان ہے کہ صرف شاہی محلات سے انہوں نے جتنی دولت اور جس قدر سازو سامان لوٹا اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا عباسی کتب خانہ کی تمام کتابوں کو جو صدیوں کا سرمایہ تھیں' دجلہ میں ڈبو دیا' مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ تھا۔ (ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۷)

ابن طقطقی کا بیان ہے کہ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کے قتل عام اور وحشیانہ لوٹ کا اجمالی حال سننا بھی بڑی بات ہے' تفصیل سننے کی تاب کس کو ہوگی' اس شہر پر جو کچھ گذری وہ گذر گئی' اسکا حال قلم انداز کیا جاتا ہے صرف اسکا قیاس کرلو' اسکا حال نہ پوچھو۔ (الفخری ص ۳۰)

بغداد پر قبضہ کے بعد پورا عراق تاتاریوں کے زیر نگیں ہوگیا اور سوا پانچ صدیوں کے بعد ۱۳۲ھ میں پہلے عباسی خلیفہ سفاح کی بیعت ہوئی تھی اور محرم ۶۵۶ھ میں مستعصم قتل ہوا' عباسی خلافت ختم ہوگئی اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کا بھی خاتمہ ہو

گیا۔

عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اس کو اس کی نمک حرامی کے صلے میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا اور چند ہی دونوں کے بعد وہ بھی مر گیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۸۳)

خلافت بغداد مسلمانوں کی دینی مرکزی حکومت تھی اس کی تباہی عالم اسلام کا حادثہ تھا' اس سے ساری دنیائے اسلام میں غم و الم کی لہر دوڑ گئی' شعراء نے بڑے بڑے پر زور مراثی لکھے ان میں تقی الدین بن ابی الیسر کا مرثیہ بہت مشہور و موثر ہے۔

لسائل الدمع عن بغداد و اخبار    فما وقوفک والاحباب قد ساروا

بہنے والے آنسو بغداد کے واقعات بیان کر رہے ہیں سارے احباب تو رخصت ہو گئے تم کیوں ٹھہرے ہوئے ہو۔

یا زائرین الی الزوراء لا تفدوا    فما بذالک الحمی والدار دیار

اے زوراء کے زیارت کرنے والوں اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس مرغزار میں کوئی رہنے والا باقی نہیں رہا۔

تاج الخلافة والربع الذی شرفت    به المعالم قد اعقاه اقفار

خلافت کے تاجدار اور اس کے مرغزاروں کو جس پر کنگرے بلند تھے ویرانی نے بالکل ہٹا دیا۔

اضحیٰ لعطف البغی فی ربعه اثر    وللدموع علی الاثار اثار

اس مرغزار میں پیرانہ سالی کی جھریوں کا نشان ہے اور ان کھنڈروں کے نشانات پر آنسوؤں کے نشان ہیں۔

یا نار قلبی من نار بحرن و غی    شبت علیه و وافی الربع اعصار

اے میرے دل کی آگ جو لڑائی کی آگ سے پیدا ہوئی ہے وہ ایسی بھڑکی کہ مرغزار پر باد سموم چلی گئی۔

علی الصلیب علی اعلیٰ منابرها    وقام بالامر من تحویه زنار

صلیب اس کے منبروں پر چڑھ گئی اور ایک زنار پوش حکمران ہو گیا۔

وکم حریم سبته الترک غاصبة    وکان دون ذاک الستر استار

کیسی کیسی پردہ نشین خواتین کو ترکوں نے جبر و ظلم سے قید کر لیا ہے جو پردہ در پردہ رہتی تھیں۔

وکم بدور علی البدریة انخسفت    ولم یعد لبدور منه ابدار

اور بدریہ میں کتنے ماہ کامل گہن میں آ گئے' اور جا کر اس کا کوئی ماہ کامل واپس نہیں آیا۔

وکم ذخائر اصحت وھی شائعة    من انھاب وقد حازته کفار

اور کتنے ذخائر لوٹ مار میں بٹ گئے اور کافروں نے ان کو اپنے قبضہ میں کر لیا

وکم حدود اقیمت من سیوفھم    علی الرقاب وحطت فیه اوزار

اور کتنی تلواریں گردنوں پر چل گئیں اور اس میں ہتھیار رکھ دیئے گئے۔

نادیت والسبی مھتوک بجرھم    الی السفاح من الاعداء نعار

میں نے قیدیوں کو پکارا اس حال میں کہ وہ سفاح کی جانب گھسیٹ کر ذلیل کیے جا رہے تھے' اور دشمنوں سے خوفزدہ تھے۔

سعدی شیرازی نے عربی اور فارسی دونوں میں مرثیہ لکھا ہے' فارسی کا زیادہ مشہور اور پر سوز ہے۔

آسمان را حق بود گر خون بہارد بر زمین
برزوال ملک مستعصم امیر المومنین
اے محمد گر قیامت سر بروں آری زخاک
سر بروں آرد قیامت درمیان خلق بیں
ناز نینان حرم را موج خون بے دریغ
زآستاں بگذشت و مارا خون دل در آستیں
زینہار از دور گیتی و انقلاب روزگار
در خیال کس نگشتے کانچناں گردو چنیں
دیدہ را برادر ایکہ دیدی شوکت بیت الحرام
قیصران روم سر برخاک و خاقان بر زمین
خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ

ہم برآں جائیکہ سلطاناں نہاوندے جبیں
بعد ازیں آسائش از دنیا نیاید چشم داشت
فیروز انگشتری مانند چو بر خیز و نگیں
دجلہ خون تاب است ازیں پس گر نہد سر بر زمین
خاک نخلستان بطحا راکند باخون عجیں
نوحہ لائق نیست برخاک شہیداں زانکہ ہست
کمتریں دولت مرایشاں رابہشت برتریں
لیکن ازروئے مسلمانی و راہ مرحمت
مہربان رادل بسوزد در فریق نازنین
باش تا فردا بہ بینی روز داور رستخیز
کز لحد باروئے خوں آلودہ بر خیزد زمین
تکیہ بر دنیا بناید کرد دول بروئے نہاد
کاسماں گاہے بمہراست اے برادرگہ بکیں
زور باروئے شجاعت بر نیاید با اجل
چوں قضا آید نماند قوت رائے زرین
تیغ ہندی بر نیاید روز ہیجا از نیام
شیر مردے راکہ باشند مرگ پنہاں درکمیں
تجربت بے فائدہ است آں راکہ بر گردید بخت
حملہ آوردن چہ سود آنرا کہ برگردید زین
گرگساں انداز پے مردار دنیا جنگ جوئے
اے برادر گر خرد مندی چو سیمرغاں نشین

# خلافت عباسیہ مصریہ

## ابوالقاسم احمد بن ظاہر بامر اللہ الملقب بہ مستنصر باللہ عباسی

### ۶۵۹ھ تا ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۲ء تا ۱۲۶۳ء

بغداد سے عباسی خلافت ختم ہونے کے بعد مصر میں قائم ہوئی' گو یہ خلافت ڈھائی صدیوں سے اوپر قائم رہی لیکن اس کے خلفاء محض تبرکا" تھے' اصل حکومت ممالیک کی تھی' جن کی تاسیس کا حال اوپر گذر چکا ہے اور خلفاء ان کے وظیفہ خوار تھے' ان کا کام صرف اس قدر تھا کہ ہر نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کو رسما" اپنی جانب سے امور مملکت کا مختار بنا کر خلعت عطا کرتے تھے' لیکن یہ صرف ایک رسمی کاروائی تھی' خلفاء کو اتنے اختیارات بھی حاصل نہ تھے جتنے خلفاء بغداد کے دیالمہ اور سلجوقیوں کے زمانے میں تھے' اس لیے ان کی کوئی مستقل تاریخ نہیں ہے' ممالیک کے حالات میں ضمنا" ان کا ذکر آتا ہے' لیکن مصری خلافت بھی عباسی خلافت کی شاخ تھی' اس لیے ان کا مختصر حال لکھ دینا ضروری ہے' اس خلافت کے قیام کی تاریخ یہ ہے کہ خلافت بغداد کے خاتمہ کے بعد ظاہر باللہ عباسی کا ایک لڑکا ابوالقاسم احمد الملقب بہ مستنصر باللہ تاتاریوں کی قید سے چھوٹ کر عرب سرداروں کی ایک جماعت کے ہمراہ ۶۵۹ ھ میں مصر آیا اس وقت خاندان مملوک کا چوتھا فرمانروا الملک الظاہر بیبرس بند قداری بر سر حکومت تھا۔

خلافت بغداد کو دنیائے اسلام میں دینی مرکزیت کی حیثیت حاصل تھی سارے مسلمان عباسی خلفاء کو اپنا دینی پیشوا سمجھتے تھے' اور ان کو اس خلافت کے خاتمہ کا بڑا غم تھا اور اس کے دوبارہ قیام کی دلی آرزو تھی' مملوکی حکومت کو قائم ہوئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا' جس ملک میں عباسی خلافت کا دوبارہ احیاء ہوتا' مسلمانوں میں اس کا اعزاز بہت بڑھ جاتا' ظاہر بیبرس کو گھر بیٹھے یہ دولت مل رہی تھی' اس لیے جب ۶۵۹ھ میں مستنصر کو

بڑے تزک و احتشام سے قاہرہ لے گیا تو سارے ارکان سلطنت و عمائد مصر' علماء و قضاۃ بلکہ یہود و نصاریٰ تک انجیلیں لیے ہوئے جلوس میں شریک تھے۔ (حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۴۴)

اس شان و شوکت سے مستنصر کو لا کر قلعۃ الجبل میں ٹھہرایا اور ایک خاص دربار میں قاضی القضاۃ قاضی تاج الدین نے ارکان و عمائد سلطنت اور سرکاری گواہوں کے سامنے مستنصر کے نسب کے بارہ میں ان عربوں کی شہادت لینے کے بعد جن کے ساتھ وہ مصر آیا تھا' اس کی صحت کی تصدیق کی اور شیخ الاسلام عزالدین عبدالسلام خود قاضی تاج الدین' سلطان ظاہر بیبرس اور دوسرے ارکان سلطنت و عمائد مصر نے رجب ۶۵۹ھ میں اس کے ہاتھوں پر بیعت کی اور مصر میں ان کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ہو گیا اور دنیائے اسلام میں خلافت کے احیاء کا اعلان عام کر دیا گیا۔

بیعت خلافت کے بعد ملک الظاہر نے مستنصر کے لیے لاکھوں روپے کے صرف سے جملہ لوازم شاہی مہیا کیے اور اس نے ایک دربار عام میں عمائد سلطنت کے سامنے سلطان بیبرس کو اپنے ہاتھوں سے سیاہ عباسی خلعت عمامہ اور طوق زرین پہنایا اور اپنی جانب سے اس کو مصر کی حکومت کی سند عطا کی اور عالم اسلام کے متعلق خلافت کی ذمہ داریوں کا مختار مجاز بنایا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۴۴ و ابوالفداء ج ۳ ص ۲۱۳) اور مصر میں عباسی خلافت کا ٹھاٹھ دوبارہ کھڑا ہو گیا' لیکن خلفاء کا اس سے زیادہ کوئی اختیار نہ تھا کہ وہ ہر مملوک بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کو رسماً" اپنی جانب سے حکومت کا مختار بنا دیتے تھے' بعض حوصلہ مند خلفاء نے خلافت کا وقار قائم کرنے کی کوشش کی اور ان کو اس میں عارضی کامیابی بھی ہوئی لیکن زیادہ تر اس کی پاداش میں خلافت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

عباسی خلافت کے قیام کے بعد مستنصر نے بغداد کو تاتاریوں سے چھڑانے کا ارادہ کیا' ظاہر بیبرس نے دس لاکھ روپے کے صرف سے فوج مہیا کر دی اور دمشق تک خود اس کی مشایعت میں گیا' اور ذی الحجہ ۶۵۹ھ میں مستنصر شام سے عراق روانہ ہوا' اور موصل سنجار و جزیرہ کے فرمانرواؤں کی مدد سے حدیثہ اور ہیت پر قبضہ کر کے بغداد کا رخ کیا' راستہ میں تاتاریوں کا مقابلہ ہو گیا' مصری فوج نے شکست کھائی اور خود مستنصر ایسا لاپتہ ہوا کہ یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ قتل ہوا یا روپوش ہو گیا' اور کل چھ مہینے کے بعد اس کی خلافت ختم ہو گئی۔ (ابوالفداء ص ۲۱۳)

# ابو العباس احمد بن ابو علی حسن المقلب بہ حاکم بامر اللہ

## ۶۶۱ھ تا ۷۰۱ھ مطابق ۱۲۶۳ء تا ۱۳۰۱ء

عباسی خاندان کا ایک اور رکن ابو العباس احمد جو مسترشد باللہ عباسی کی اولاد میں تھا' شام چلا آیا تھا' اور رحبہ میں مقیم تھا' مستنصر کے بعد ظاہر نے اسی شان و شوکت کے ساتھ جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے اس کو قاہرہ لے جا کر خلیفہ بنایا' بیعت خلافت کے بعد اس نے بھی معمول کے مطابق ظاہر کو خلعت عطا کر کے امور مملکت کا مختار بنا دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۴۷' ۴۸ و خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۹۳)

حاکم چالیس سال تک زندہ رہا لیکن اس کا بڑا حصہ نظر بندی میں گزرا' اس کے زمانہ میں نو طاطین مصر کے تخت پر بیٹھے' ظاہر بیرس برقنداری ۶۵۸ھ تا ۶۷۶ھ' محمد سعید برکہ خان ۶۷۶ھ تا ۶۷۸ھ' سلامش بن بیرس ۶۷۸ھ تا ۶۷۸ھ' سیف الدین قلاون الملقب بہ ملک المنصور ۶۷۸ھ تا ۶۷۹ھ' صلاح الدین خلیل بن قلاوٗن الملقب بہ ملک الاشرف ۶۸۹ھ تا ۶۹۳ھ' الملک الظاہر بیدرا ۶۹۳ھ تا ۶۹۴ھ' ناصر بن محمد قلاوٗن ۶۹۳ھ تا ۶۹۴ھ' الملک العادل کتبغا ۶۹۴ھ تا ۶۹۶ھ' منصور لاجین ۶۹۶ھ تا ۶۹۸ھ' ناصر محمد بن قلاوٗن دوسری مرتبہ ۶۹۶ھ تا ۷۰۸ھ۔

بیرس نے اپنے ذاتی مفاد و مصالح کے لیے خلافت کا ٹھاٹھ کھڑا کیا تھا' اس کے خلاف وہ خلیفہ کے کسی اقدام کو پسند نہیں کر سکتا تھا' اس لیے حاکم کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال دونوں میں اختلاف شروع ہو گیا اور بیرس نے محرم ۶۶۳ھ میں اس کو نظر بند کر دیا اور وہ سیف الدین قلاوٗن کے زمانے تک کامل ۲۷ سال نظر بند رہا' اشرف صلاح الدین خلیل نے اپنے زمانے میں ۶۸۹ھ میں آزاد کیا' ۶۹۴ھ میں حاکم نے فریضہ حج ادا کیا' ملک العادل نے پھر اس کو لوگوں سے ملنے جلنے سے روک دیا' دو سال یہ قید قائم رہی' منصور لاجین نے اپنے دور ۶۹۶ میں پھر اس کا اعزاز و وقار دوبارہ قائم کیا' اس کا وظیفہ بڑھایا' ۶۹۷ھ میں جب حاکم نے دوسری مرتبہ حج کا ارادہ کیا تو منصور نے سات لاکھ درہم مصارف

سفر کے لیے دیئے۔

۷۰۱ھ میں اس کا انتقال ہوا اور سیدہ نفیسہ کے مزار کے جوار میں دفن کیا گیا' اس کی مدت خلافت چالیس سال تھی' لیکن آخر کے چند برسوں کے علاوہ قریب قریب یہ پوری مدت قید و نظر بندی میں گذری اور امیرالمومنین کے رسمی لقب کے سوا اسے اور کوئی اختیار و امتیاز حاصل نہ تھا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۴۷'۴۸ و خطط مقریزی ج ۳ ص ۲۹۳)

# ابوالربیع بن سلیمان بن حاکم الملقب بہ مستکفی باللہ اول

## ۷۰۱ھ تا ۷۴۰ھ مطابق ۱۳۰۱ء تا ۱۳۳۹ء

حاکم کے انتقال کے بعد سلطان ناصر نے اس کے لڑکے ابوالربیع سلیمان الملقب بہ مستکفی باللہ کے ہاتھوں پر بیعت کی' اس کے زمانہ میں تین سلاطین ہوئے' ناصر محمد ابن قلاؤن ۶۹۸ھ تا ۷۰۸ھ' بیرس جاشنگیر ۷۰۸ھ تا ۷۰۹ھ' ناصر محمد قلاؤن تیسری مرتبہ ۷۰۹ھ تا ۷۴۱ھ۔

ناصر محمد بن قلاؤن اور حاکم میں عرصہ تک بڑا اتحاد و اتفاق رہا' وہ اس کا بڑا لحاظ کرتا تھا' حاکم کی قیام گاہ قصر کیش اس کے شایان شان نہ تھی' ناصر نے قلعہ میں منتقل کر دیا' اور مستکفی اور اس کے تمام متعلقین کے وظائف بڑھائے' دونوں ساتھ گوئے و چوگاں کھیلتے تھے' سیر و تفریح کے لیے ساتھ نکلتے تھے' مستکفی لڑائیوں میں اس کے ساتھ شریک ہوتا تھا' بتیس سال تک یہ اتحاد و اتفاق قائم رہا' پھر فتنہ انگیزوں کی شرارت سے ناصر بدگمان ہو گیا اور ۷۳۶ھ میں اس نے مستکفی کو پھر قصر کیش میں منتقل کر دیا اور ایک سال بعد ۷۳۷ھ میں قوص بھیج دیا' لیکن وظائف برقرار رکھے۔ (حسن المحاضرہ ج ۵ ص ۵۲)

مقریزی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت تھوڑے دنوں تک تعلقات میں خوشگواری رہی اور قوص بھیجنے سے پہلے ناصر نے مستکفی کو دو مرتبہ نظربند کیا اور قوص بھیجنے کے بعد وظیفہ گھٹا کر محض بسراوقات کے لیے معمولی گذارہ مقرر کیا۔ (خطط مقریزی ج ۳ ص ۳۹۴) قوص ہی میں ۷۴۰ھ میں انتقال ہو گیا۔

سیوطی کا بیان ہے کہ مستکفی فاضل' خطاط' فیاض اور بہادر خلیفہ تھا' علماء اور ارباب کمال کا قدردان تھا' اس کا دربار ان کا مرجع تھا۔ (خطط مقریزی ج ۳ ص ۵۰۳)

# ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن حاکم الملقب بہ واثق باللہ

## ۷۴۰ھ تا ۷۴۱ھ مطابق ۱۳۳۹ء تا ۱۳۴۰ء

مستکفی نے اپنے لڑکے احمد کو ولی عہد بنایا تھا' لیکن ناصر کا دل اس کی طرف سے صاف نہ تھا' اس لیے قاضی القضاۃ کی مخالفت کے باوجود اس نے مستکفی کے نالائق چچیرے بھائی ابراہیم بن محمد الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ بنا دیا۔ (حسن الحاضرہ ج ۲ ص ۵۳)

لیکن یہ انتخاب غلط تھا اس لیے ناصر کو خود بعد میں پشیمانی ہوئی' واثق کی بیعت کے چند ہی دنوں بعد ناصر کا وقت آخر ہو گیا اور وہ مرتے وقت اپنے لڑکے منصور سے احمد کو خلیفہ بنانے کی وصیت کر تا گیا' واثق کی مدت خلافت کل چھ مہینے تھی۔

# ابو العباس احمد بن مستکفی الملقب بہ حاکم بامر اللہ ثانی

## ۷۴۱ھ تا ۷۴۸ھ مطابق ۱۳۳۹ء تا ۱۳۴۷ء

ناصر کی وفات کے بعد ۷۴۱ھ میں اس کا لڑکا منصور ابوبکر تخت نشین ہوا' اس نے باپ کی وصیت کے مطابق قاضی القضاۃ سے احمد الملقب بہ حاکم کے استحقاق کا فتویٰ لے کر واثق کو معزول کر کے احمد کو خلیفہ بنایا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۵۳)

اس کے زمانہ میں سات سلاطین ہوئے منصور ابوبکر ۷۴۱ھ تا ۷۴۲ھ' علاؤ الدین کجک ابن محمد ۷۴۲ھ تا ۷۴۲ھ' ناصر شہاب الدین احمد ۷۴۲ھ تا ۷۴۳ھ' ملک الصالح اسماعیل ۷۴۳ھ تا ۷۴۶ھ' کامل زین الدین شعبان ۷۴۶ھ تا ۷۴۷ھ' مظفر زین الدین ۷۴۷ھ تا ۷۴۸ھ' ناصر حسن بن محمد ۷۴۷ھ تا ۷۵۲ھ۔

حاکم کے تعلقات تمام سلاطین سے خوشگوار رہے اور اس نے اپنے پیش رووں کے مقابلے میں عزت و وقار کی زندگی بسر کی' ابن فضل اللہ کا بیان ہے کہ اس نے رسوم خلافت کو زندہ کیا اور اس کے کسی فعل کی سلاطین مصر مخالفت نہ کر سکے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۰۴) مقریزی کے بیان کے مطابق ۷۷۸ھ میں اور سیوطی کے بیان کے مطابق ۷۵۳ھ میں انتقال کیا۔

# ابوبکر بن مستکفی الملقب بہ معتضد باللہ اول

## ۷۴۸ھ تا ۷۶۳ھ مطابق ۱۳۴۷ء تا ۱۳۶۲ء

حاکم نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا' اس کی وفات کے بعد قضاۃ و عمائد مصر نے اس کے بھائی ابوبکر بن مستکفی کو جانشین بنایا۔

اس کے زمانہ میں تین سلاطین ہوئے' ناصر حسن بن محمد مذکور' صالح صلاح الدین ابن محمد ۷۵۲ھ تا ۷۵۵ھ' ناصر بن محمد دوسری مرتبہ ۷۵۵ھ تا ۷۶۲ھ۔

حاکم نے خلافت کا جو وقار قائم کیا تھا' معتضد کے زمانہ میں وہ ختم ہو گیا خلفاء کے وظائف زرگروں کے ٹیکس کی آمدنی سے ملتے تھے' لیکن یہ رقم اتنی کمزور ہوتی تھی کہ خلفاء بمشکل اس سے زندگی بسر کر سکتے تھے اس لیے معتضد کے زمانہ میں حکومت مصر نے سیدہ نفیسہ کے مزار کی تولیت اس کے متعلق کر دی' مزار کے لیے جو موی شمعیں اور دوسری فتوحات آتی تھیں ان سے اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ اس سے آسودہ حالی کے ساتھ خلفاء کی زندگی بسر ہونے لگی' لیکن اس سے خلافت کا وقار جاتا رہا' ۷۶۳ھ میں معتضد نے انتقال کیا۔ (مقریزی ج ۳ ص ۳۹۴) سیوطی کا بیان ہے کہ وہ نیک' صالح' متواضع اور علم دوست تھا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۳۹۵)

# ابو عبداللہ محمد بن معتضد الملقب بہ متوکل علی اللہ اول

## ۷۶۳ھ تا ۷۸۵ھ مطابق ۱۳۶۲ء تا ۱۳۸۳ء

معتضد کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابو عبداللہ محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ اول جانشین ہوا اس کے زمانے میں حسب ذیل سلاطین ہوئے' منصور محمد بن حاجی ۷۶۲ھ تا ۷۶۴ھ' اشرف شعبان ابن حسن ۷۶۴ھ تا ۷۷۸ھ' منصور علی بن شعبان ۷۷۸ھ تا ۷۸۳ھ' صالح حاجی بن شعبان ۷۸۳ھ تا ۷۸۴ھ ملک الظاہر برقوق ۷۸۴ھ تا ۸۰۱ھ

متوکل دل و دماغ اور حوصلہ و ہمت کا خلیفہ تھا' اس نے ذاتی اثر و اقتدار قائم اور خلافت کے وقار کو زندہ کرنے کی کوشش کی' اس سلسلہ میں اس کو دو مرتبہ معزول ہونا پڑا' لیکن بالآخر کامیاب ہوا اور سلاطین سے خلافت کی حیثیت منوالی۔

اس کی آزادی اور خود سری کو سلاطین اور امرائے مصر پسند نہ کرتے تھے چنانچہ سلطان منصور علی بن شعبان کے زمانہ میں اس کا نائب الحکومت امیر انیبک متوکل کے خلاف ہو گیا اور ۷۷۹ھ میں اس کو معزول کر کے اس کے چچیرے بھائی نجم الدین زکریا کو خلیفہ بنا دیا گیا لیکن کسی نے اس کو تسلیم نہ کیا' اس لیے پندرہ دن کے بعد امرائے مصر نے انیبک سے گفتگو کر کے متوکل کو اس کے منصب پر بحال کرا دیا۔

(حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۶۰)

۷۸۳ھ میں سلطان منصور کا انتقال ہو گیا' اس کے نائب الحکومت طاہر برقوق چرکسی نے منصور کے صغیر السن لڑکے ملک الصالح کو تخت نشین کیا لیکن تاج و تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور مصر کی حکومت ترکی ممالیک سے نکل کر چرکسی خاندان میں چلی گئی۔ برقوق کی حکومت اکثر امراء کو گوارہ نہ تھی' انہوں نے متوکل کو اس کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اس نے مصر و شام و عراق کے امراء کو مدد کے لیے خطوط لکھے اور مصر کے ارکان و عمائد سے کہا کہ برقوق نے قہر و جبر سے حکومت حاصل کی ہے اور عدل و انصاف کو بھی پامال کر رہا ہے' اس لیے وہ بادشاہت کا مستحق نہیں ہے اور انہیں آمادہ کیا کہ وہ گوئے چوگاں کھیلتے وقت برقوق کو قتل

کردیں' اس کو اس کی خبر ہو گئی اس نے قضاۃ کے سامنے یہ واقعہ پیش کر کے ان سے متوکل کی معزولی کا فتویٰ حاصل کرنا چاہا انہوں نے انکار کیا ان کے انکار پر برقوق نے خود ۷۸۵ھ اس کو معزول کر کے قید کر دیا۔ (حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۶۰)

## ابو حفص عمر بن معتصم الملقب بہ واثق باللہ

### ۷۸۵ھ تا ۷۸۸ھ مطابق ۱۳۸۳ء تا ۱۳۸۶ء

متوکل کو معزول کرنے کے بعد برقوق نے عمر بن معتصم الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ بنایا' یہ چار سال زندہ رہا اس کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے ۷۸۸ھ میں انتقال کیا۔

## زکریا بن معتصم الملقب بہ مستعصم

### ۷۸۸ھ تا ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۶ء تا ۱۳۸۹ء

واثق کی موت کے بعد برقوق نے اس کے بھائی زکریا کو خلیفہ بنایا' یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اکثر امراء برقوق کے مخالف تھے اور اس کے خلاف پہلے شورش بپا تھی متوکل کی معزولی کا اثر بہت برا پڑا تھا اور اس وقت سے برابر برقوق کی مخالفت جاری تھی۔ ۷۹۱ھ میں حلب کے نائب الحکومت امیر یلبغا ناصری نے اس پر فوج کشی کر دی۔

# متوکل علی اللہ دوسری مرتبہ

## ۷۹۱ھ تا ۸۰۸ھ مطابق ۱۳۸۹ء تا ۱۴۰۵ء

برقوق نے جب دیکھا کہ متوکل کی معزولی سے اس کی حکومت خطرہ میں پڑ گئی تو اس نے ۷۹۱ھ میں اس کو قید سے رہا کر کے اعزاز و اکرام کے ساتھ دوبارہ اس کے منصب پر بحال کیا اور اس کی بڑی دلجوئی کی اور متوکل جب تک زندہ رہا عزت و وقار کے ساتھ اس کی زندگی بسر ہوئی وہ عزت و جاہ' مال و دولت' آل و اولاد ہر حیثیت سے خوش نصیب تھا' نقد و دولت کے علاوہ اس کے پاس کلانی جاگیر تھی' اولادیں بکثرت تھیں ۸۰۸ھ میں انتقال کیا۔

(حسن المحاضرہ سیوطی ص ۶ ج ۲ و مقریزی ج ۳ ص ۳۹۵)

# ابوالفضل عباس بن متوکل الملقب بہ مستعین باللہ

## ۸۰۸ھ تا ۸۱۶ھ مطابق ۱۴۰۵ء تا ۱۴۱۴ء

متوکل کے بعد اس کا لڑکا ابوالفضل عباس الملقب بہ مستعین باللہ خلیفہ ہوا یہ ظاہر برقوق کے لڑکے ملک الناصر فرج بن برقوق کا زمانہ تھا' سات برس تک متوکل کی زندگی سکون کے ساتھ گذری ۸۱۵ھ میں ملک الناصر کے دو شاہی امراء شیخ محمودی اور نو روز نے علم بغاوت بلند کیا' ناصر ان کے مقابلے کے لیے شام گیا اور مستعین کو بھی ساتھ لیتا گیا' لیکن اس کو شکست ہوئی اور شیخ محمودی نے ناصر کے الحاد و زندقہ کا ثبوت پیش کر کے قاضی ناصر الدین سے اس کے قتل کا فتویٰ حاصل کر لیا اور مستعین کے سامنے مصر کا تاج و تخت پیش کیا' اسے قبول کرنے میں تامل ہوا' لیکن پھر امراء کے اصرار پر ان سے وفاداری کا عہد و پیمان لے کر راضی ہو گیا اور پہلے شام میں پھر مصر میں اس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی

اور وہ خلافت کے دینی منصب کے ساتھ مصر کا بادشاہ بھی ہو گیا۔

شیخ محمودی کا اصل مقصد مستعین کے ذریعہ ناصر کو معزول کر کے خود اس کی جگہ لینا تھی اس لیے مصر آنے کے بعد ہی اس نے مستعین پر زور ڈالا کہ وہ سلاطین مصر کی طرح اسے بھی اپنی جانب سے سلطان بنا دے وہ اس پر آمادہ نہ تھا' شیخ محمودی نے اسے قلعہ کے ایک مکان میں نظر بند کر کے پہرہ بٹھا دیا تاکہ وہ کسی سے نہ ملنے پائے اور قاضی جلال بلقینی سے اس کی معزولی کا فتوئ حاصل کر کے ۸۱۶ھ میں معزول کر کے اسکندریہ بھیج دیا اور خود مصر کا مطلق العنان فرمارو ابن گیا مستعین نے ۸۳۳ھ میں اسکندریہ میں انتقال کیا۔ (حسن المحاضرہ سیوطی جلد ۲ ص ۶۱ اور ۶۳ ملخصاً" مقریزی جلد ۳ ص ۳۹۵)

## ابوالفتح داؤد بن متوکل الملقب بہ معتضد باللہ

### ۸۱۶ھ تا ۸۴۵ھ مطابق ۱۴۱۳ء تا ۱۴۴۱ء

منصب خلافت کو ختم کر دینا محمودی کے مصالح کے خلاف تھا اس لیے مستعین کو معزول کرنے کے بعد اس نے اس کے بھائی ابوالفتح داؤد الملقب بہ معتضد باللہ کو خلیفہ بنایا یہ ذہین و طباع' ذی علم اور اصحاب کمال کا قدر دان تھا' کم و بیش انتیس سال زندہ رہا لیکن اس پوری مدت میں اس کی خلافت سے متعلق کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے اس کے زمانے میں حسب ذیل سلاطین ہوئے شیخ محمودی ۸۱۶ھ تا ۸۲۴ھ' مظفر احمد شیخ ۸۲۴ھ تا ۸۲۴ھ' ملک الظاہر ططر ۸۲۴ھ تا ۸۲۴ھ' صالح محمد بن ططر ۸۲۴ھ تا ۸۲۵ھ' ملک الاشراف برس بائی ۸۲۵ھ تا ۸۴۱ھ' عزیز یوسف بن برس بائی ۸۴۱ھ تا ۸۴۲ھ' ملک الظاہر جقمق ۸۴۲ھ تا ۸۵۷ھ۔ ۸۴۵ھ میں معتضد کا انتقال ہوا۔

# ابوالربیع سلیمان بن معتضد الملقب بہ مستعین باللہ ثانی

## ۸۴۵ھ تا ۸۵۴ھ مطابق ۱۴۴۱ء تا ۱۴۵۵ء

معتضد کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابوالربیع الملقب بہ مستعین باللہ تخت نشین ہوا وہ دس سال تک زندہ رہا' بڑا عادل و زاہد متقی اور خاموش خلیفہ تھا۔ رات دن عبادت و ریاضت سے کام تھا سلطان ظاہر جقمق کو اس سے بڑی عقیدت تھی اور اس کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھتا تھا' ذوالحجہ ۸۵۴ھ میں انتقال کیا سلطان اپنے کندھوں پر قبرستان تک جنازہ لے گیا۔ (حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۶۴)

# ابوالبقاء حمزہ بن معتضد الملقب بہ قائم بامراللہ

## ۸۵۴ھ تا ۸۵۹ھ مطابق ۱۴۵۰ء تا ۱۴۵۵ء

معتضد نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا' ظاہر نے اس کے بھائی حمزہ الملقب بہ قائم بامراللہ کو اس کا جانشین بنایا اس کے زمانہ میں تین سلطان ہوئے' الملک الظاہر جقمق ۸۴۲ھ تا ۸۵۷ھ' منصور عثمان بن جقمق ۸۵۷ھ تا ۸۵۷ھ اور الملک الاشرف اینال ۸۵۷ھ تا ۸۸۵ھ۔ قائم ہمت و حوصلہ کا خلیفہ تھا اس نے کسی حد تک خلافت کا وقار بھی قائم کیا لیکن اس کا حوصلہ ہی اس کے زوال کا سبب بن گیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ اس کے زمانے میں فوج نے الملک الاشرف کے خلاف بغاوت کی' قائم نے مصر کی حکومت حاصل کرنے کے لیے باغیوں کا ساتھ دیا لیکن اس کی بدقسمتی سے باغیوں کو شکست ہوئی' اس لیے اشرف اس کے خلاف ہو گیا اور قائم پر برہمی ظاہر کی اس نے غصہ میں جواب دیا کہ "میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں لیکن تم کو بھی معزول کرتا ہوں" یہ مسئلہ قاضی

علم الدین بلقینی کے سامنے پیش ہوا وہ قائم کے بھائی یوسف کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے انہوں نے قائم کے الفاظ سے یہ قانونی نقطہ پیدا کیا کہ قائم نے پہلے خود دست برداری ظاہر کی ہے اس کے بعد اشرف کو معزول کیا ہے اور دست برداری کے بعد اس کو معزول کرنے کا حق نہیں رہتا اس لیے دست برداری تو صحیح ہے لیکن اشرف کا عزل صحیح نہیں ہوا اس فیصلہ کے مطابق اشرف نے قائم کو ۸۵۹ھ میں اسکندریہ بھیج دیا' یہیں اس نے ۸۸۳ھ میں وفات پائی۔ (حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۶۴)

## ابوالمحاسن یوسف بن معتضد الملقب بہ مستنجد باللہ ثانی

### ۸۵۹ھ تا ۸۸۴ھ مطابق ۱۴۵۵ء تا ۱۴۷۹ء

قائم کی دست برداری کے بعد اس کے بھائی یوسف الملقب بہ مستنجد باللہ کے ہاتھوں بیعت ہوئی' اس کے زمانہ میں چھ سلاطین ہوئے' اشرف اینال ۸۵۷ھ تا ۸۶۵ھ' احمد بن اینال ۸۶۵ھ تا ۸۶۵ھ' ملک الظاہر خوش قدم ۸۶۵ھ تا ۸۷۲ھ' ملک الظاہر بلباق ۸۷۲ھ تا ۸۷۲ھ' ملک الظاہر تمربغا ۸۷۲ھ تا ۸۷۲ھ' ملک اشرف قائت بائی ۸۷۲ھ تا ۹۰۱ھ۔

مستنجد پچیس سال زندہ رہا' اور یہ پوری مدت سکون کے ساتھ گذری ۸۸۴ھ میں انتقال کیا۔ (حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۶۴)

# عبدالعزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ ثانی

## ۸۸۴ھ تا ۹۰۳ھ مطابق ۱۴۷۹ء تا ۱۴۹۷ء

مستنجد اپنے بھتیجے عبدالعزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ کو ولی عہد بنا گیا تھا چنانچہ اس کے بعد وہی اس کا جانشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں تین سلطان ہوئے۔ ملک الاشرف قائت بائی ۸۷۲ھ تا ۹۰۱ھ' ناصر محمد بن قائت بائی ۹۰۱ھ تا ۹۰۲ھ' اشرف قانصوہ۔

متوکل پسندیدہ خصائل' خوش اطوار اور عوام و خواص سب میں محبوب و مقبول تھا' علم و فن سے بھی ذوق رکھتا تھا' امام سیوطی اس کے زمانہ میں تھے' انہوں نے کتاب الاساس فی فضل بنی العباس اور کتاب رفع الباس عن بنی العباس اسی کے لیے لکھی تھی' مستنجد بڑا غیور و خود دار تھا اس نے سیدہ نفیسہ کے مزار کی آمدنی سے ذاتی فائدہ اٹھانا گوارہ نہ کیا اور اس کی پوری آمدنی مزار سے متعلق عمارتوں اور اس کی دوسری ضرورتوں میں صرف کرتا تھا' صفر ۹۰۳ھ میں وفات پائی۔

(حسن المحاضرہ جلد ۲ ص ۶۴ و تاریخ الخلفاء ص ۵۳۱)

# یعقوب بن عبدالعزیز الملقب بہ مستمسک باللہ

## ۹۰۳ھ تا ۹۲۰ھ مطابق ۱۴۹۷ء تا ۱۵۱۴ء

متوکل کے بعد اس کا لڑکا یعقوب بہ مستمسک باللہ اس کا جانشین ہوا' اس کے زمانہ میں پانچ سلاطین ہوئے' ناصر محمد بن قائت بائی دوسری مرتبہ' ظاہر قانصو اشرفی ۹۰۴ھ تا ۹۰۵ھ' ملک الاشرف جان بلاط ۹۰۵ھ تا ۹۰۶ھ' ملک العادل طومان بائی ۹۰۶ھ تا ۹۰۶ھ' ملک قانصورہ غوری ۹۰۶ھ تا ۹۲۲ھ۔ تخت نشینی کے بعد مستمسک سترہ سال زندہ رہا' لیکن کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہے۔ ۹۲۰ھ میں انتقال کیا۔

# محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ ثالث

## ۹۲۰ھ تا ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۴ء تا ۱۵۱۸ء

مستمسک کے بعد محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ خلیفہ ہوا' یہ مصر کا آخری عباسی خلیفہ تھا' اس کی خلافت کے چوتھے سال محرم ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم اول عثمانی نے مصر پر قبضہ کر کے ممالیک کی حکومت ختم کر دی' مصر کی خلافت محض برائے نام تھی اور ترکان عثمانی کا رواج شباب پر تھا اس لیے مصر پر سلطان سلیم کے قبضہ کے بعد متوکل اس کے حق میں خلافت سے بھی دستبردار ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کے تبرکات' علم' تلوار اور ردائے مبارک جو خاندان خلافت میں بطور نشان خلافت کے متوارث چلے آ رہے تھے' اور حرمین شریفین کی کنجیاں سلطان کے حوالے کر دیں' اس دن سے خلافت قریش سے نکل کر عثمانی خاندان میں چلی گئی اور ممالیک مصر کے ساتھ مصر کی عباسی خلافت بھی ختم ہو گئی۔

(تاریخ دولت عثمانیہ محمد فرید بک ص ۷۶) والبقاء اللہ وحدہ

## عباسیوں کا تمدن

عباسیوں کے علمی کارناموں کی طرح ان کے تمدنی کارنامے بھی بہت ہیں' ظاہری نفاست و لطافت اور حسن و دل آویزی کے اعتبار سے ان کا تمدن نہایت بلند تھا اور محاضرات کی مشہور و معروف کتاب الف و لیلۃ میں اس کی جو تصویریں نظر آتی ہیں ان کو اگرچہ تاریخی اعتبار و استناد کا درجہ حاصل نہیں ہے اور اس میں بہت سے افسانے اور خرافات بھی شامل ہیں' لیکن ان سے قطع نظر خالص تمدنی اور معاشرتی مرقعے بڑی حد تک صحیح ہیں۔

اسلام ایک فطری اور سادہ مذہب ہے اور اس کا دامن بے جا تمدنی تکلف سے پاک

ہے اور گو جائز حدود کے اندر شریعت نے عیش و تنعم کی اجازت دی ہے لیکن ہر وہ شے جو سادگی اور جہد و عمل کے خلاف ہو' وہ اسلامی روح کے منافی ہے۔ اسلام کی یہ سادگی خلافت راشدہ کے دور تک قائم رہی اور گو اس زمانہ میں فتوحات کی کثرت اور مال غنیمت کی فراوانی سے صحرائے عرب میں سونے چاندی کے دریا بہنے لگے تھے اور ایران و روم کے خزانے کھنچ کھنچ کر مدینہ کی گلیوں میں آ گئے تھے لیکن اس سے مسلمانوں کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا' اور خلیفۃ المسلمین کے جسم پر وہی پیوند لگا کپڑا اور غذا میں جو کی روٹی اور روغن زیتون رہا۔

لیکن دولت کی فراوانی اور مختلف تمدنوں اور قوموں کے اختلاط کے اثرات طبعی ہیں جس سے کوئی قوم نہیں بچ سکتی اور یہ اختلاط حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے جب اسلام نے جزیرۃ العرب سے نکل کر ایران و روم کی سرزمین میں قدم رکھا شروع ہو گیا تھا لیکن اس وقت تک مسلمانوں میں اسلامی روح پوری موجود تھی' خود حضرت عمرؓ کو اسلامی سادگی کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا' اسلام کے محافظ و نگہبان صحابہ کرام موجود تھے جو کسی بیرونی اثر کو گوارا نہیں کر سکتے تھے اس لیے اس دور میں دوسری قوموں کے اختلاط کے اثر ظاہر نہیں ہونے پائے لیکن جس قدر زمانہ گذرتا گیا اور مذکورہ بالا اثرات کم ہوتے گئے' اتنے ہی مسلمانوں میں دوسری قوموں کے اثرات پھیلتے گئے اور خلافت راشدہ کے خاتمہ اور صحابہ کرام کے اٹھنے کے بعد اموی دور میں اس کا اثر نمایاں ہونے لگا' بنی امیہ کا پایہ تخت دمشق (شام) رومیوں کا ملک تھا اس لیے مسلمان پہلے اسی سے متاثر ہوئے' مگر شام کا علاقہ مختلف حیثیتوں سے عرب سے ملتا جلتا ہے' یہاں ان کی ہم نسل سامی قومیں بھی آباد تھیں پھر بنی امیہ میں گو خلفائے راشدین کی طرح اسلامی روح نہ تھی لیکن عربوں کی خصوصیات کے تحفظ میں انہیں بھی اہتمام تھا اور ان میں عربی عصبیت پوری طرح موجود تھی اور اموی حکومت بعض معاشرتی تکلفات کو چھوڑ کر خالص عربی تھی' اس لیے ان کے زمانے میں غیر عربی عنصر اور اس کے تمدن کا غلبہ نہیں ہونے پایا اور عربی خصوصیات بڑی حد تک محفوظ رہیں۔

مگر جب بنی عباس نے ان کی جگہ لی تو اس کے زمین و آسمان بالکل بدل گئے اور عباسی خلافت مذہب کے سوا زندگی کے تمام شعبوں میں عجمی رنگ میں رنگ گئی اور اس کی

حکومت و سیاست، تہذیب و معاشرت، علوم و فنون قریب قریب پورا کلچر عجمی قالب میں ڈھل گیا، اس کے مختلف اسباب تھے۔

سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ تھا کہ عہد رسالت کے بعد سے مسلمانوں میں رفتہ رفتہ مذہبی روح کمزور ہونے لگی تھی، دوسرے عباسی خلافت تمام تر عجمیوں کے بل پر قائم ہوئی تھی اس کا بانی ابو مسلم خراسانی عجمی تھا اور عباسی دعوت کو عجم ہی کی سرزمین میں فروغ حاصل ہوا اور یہیں اس کی بنیاد پڑی جس کے اثرات ناگزیر تھے، پھر قیام حکومت کے بعد دولت عباسیہ کے تمام بڑے بڑے عہدہ دار بھی عجمی ہوئے، برمکی خاندان کی شہرت و عظمت اور خلافت عباسیہ میں اس کا غلبہ و اقتدار محتاج بیان نہیں، تیسرے خلافت عباسیہ کا پایہ تخت بابل اور نینوا کے کھنڈر پر تعمیر ہوا تھا جس کی آب و ہوا میں عجمی اثرات سرایت کیے ہوئے تھے اور اہل عجم ایک قدیم متمدن قوم اور ایک ترقی یافتہ اور بلند تہذیب کے مالک تھے ان کا تمدن نہایت دلکش اور نظر فریب تھا۔ اور خلفاء میں اسلامی روح باقی نہ رہ گئی تھی، ان اسباب کی بناء پر عباسیوں میں عجمی تمدن پھیل گیا لیکن عربی اور اسلامی تمدن نے بھی ان کو متاثر کیا اور دونوں کی آمیزش سے ایسا دلکش اور بوقلموں تمدن پیدا ہوا جو مسلمانوں کا معیاری تمدن قرار پایا اور رفتہ رفتہ سارے مشرقی ملکوں میں پھیل گیا، تیموری تمدن بھی جسے ہم آج ہندوستانی تمدن کہتے ہیں اسی کی یادگار ہے اس میں فطری طور پر ہندو تمدن کے عناصر بھی شامل ہو گئے ہیں۔

تمدن کا دائرہ نہایت وسیع ہے اس میں حکومت و سیاست، تہذیب و معاشرت، علوم و فنون اجتماعی زندگی کے تمام شعبے آجاتے ہیں عباسیوں کے علمی حالات جا بجا اوپر گذر چکے ہیں جس سے ان کے علمی کارناموں کا اجمالی اندازہ ہو گیا ہو گا، اس لیے آئندہ سطور میں عباسی عہد کی تہذیب و معاشرت کا نقشہ دکھایا جائے گا مگر یہ موضوع جس قدر دلچسپ ہے اسی قدر دشوار بھی ہے، عربی تاریخوں کا دائرہ بحث اس دور کے مذاق کے مطابق عموماً سیاسی واقعات و حوادث اور جنگ و فتوحات کے حالات تک محدود ہے اس میں تمدنی واقعات محض ضمناً" آجاتے ہیں محاضرات کی کتابوں میں البتہ تمدنی واقعات ملتے ہیں لیکن ان کی تاریخی استناد کا درجہ حاصل نہیں اس لیے معتبر تاریخوں سے اس عہد کے تمدن و معاشرت کی تصویر دکھانا بہت مشکل اور کوہ کندن و کاہ بر آوردن سے کم نہیں، تاہم اسی سنگلاخ زمین

سے جوئے شیر نکالنے اور اسی خارستان سے تمدن کا مرقع سجانے کی کوشش کی گئی ہے اس کو عباسی تمدن کی کامل تصویر نہیں کہا جا سکتا لیکن اس سے اس کا اجمالی اندازہ ہو جائے گا۔

قوموں کے تمدن کا ایک بڑا مظہر اس کی عمارتیں ہیں ان کا شکوہ و تجمل' بانیوں کی شوکت و عظمت کا نشان اور اس کے نقش و نگار ان کے ذوق جمال کی تحریریں ہیں جن سے ان کی تمدنی تاریخ پڑھی جا سکتی ہے آج بھی گذشتہ قوموں کی عظمت و جلال کی سب سے بڑی نشانیاں ان کی عمارتوں کے کھنڈر ہیں۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ آثار پدید است صنادید عرب را

اسلامی اندلس کی تاریخ میں مسلمانوں کے عروج کے سب سے بڑے شاہد الزہرا کے کھنڈر اور الحمراء کے در و دیوار ہیں' ہندوستان میں تیموریوں کی عظمت کی شہادت تاج محل' لال قلعہ' جامع مسجد اور فتح پوری سیکری کی عمارتوں سے ملتی ہے۔ اسی طرح عباسی تمدن کی شوکت و عظمت کا سب سے بڑا نشان اور اس کا مرکز بغداد تھا اور عباسیوں کے تمدن سے واقفیت کے لیے اس کی عظمت و نشان سے واقفیت ضروری ہے لیکن عباسیوں کے دور زوال ہی میں اس پر ایسے مسلسل و پیہم انقلابات طاری ہوئے کہ وہ اسی زمانہ میں گویا ویران ہو چکا تھا اور جو بچی کھچی یادگاریں رہ گئی تھیں وہ تاتاریوں کے سیلاب کی نذر ہو گئیں اور بغداد کی عظمت گذشتہ پر آنسو بہانے والے کھنڈر بھی باقی نہ رہ گئے اور اب بغداد میں اس کے پرانے شکستہ مقابر کے علاوہ اس کا کوئی مرثیہ خوان باقی نہیں ہے صرف کتابوں کے اوراق سے اس کی عظمت و شوکت کا پتہ چلتا ہے بغداد کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں سے بیشتر کمیاب ہیں' تاریخ خصوصاً جغرافیہ کی کتابوں میں بھی کافی حالات ملتے ہیں' آئندہ سطور میں ان ہی سے بغداد کی عظمت رفتہ کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

**بغداد کی تعمیر** بغداد کو دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ' میں آباد کیا اس کی تعمیر اس عہد کا عظیم الشان تعمیری کارنامہ ہے تاریخوں میں اس کی تعمیر کی بڑی طویل تفصیل ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

یہ عظیم الشان شہر ارض بابل نینوا کے ایک خوش سواد قطعہ میں دجلہ کے ساحل پر آباد کیا گیا تھا اس کی تعمیر سے پہلے منصور نے ماہر مہندسین سے اس کا نقشہ بنوایا اور مختلف

ملکوں سے تعمیر کا سامان، ماہر معمار، نجار اور دوسرے صناع و کاریگر اکٹھے کیے تھے اس کی تعمیر ۱۴۶ھ میں شروع ہوئی ایک لاکھ مزدور اور کاریگر روزانہ کام کرتے تھے۔

(تاریخ خطیب بغدادی ص ۶۷ و کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۳۸)

بغداد کا نقشہ مدور تھا یعقوبی کے بیان کے مطابق یہ دنیا کا پہلا مدور شہر تھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ دنیا کا نہیں، البتہ مسلمانوں کا پہلا مدور شہر تھا، شہر کے وسط میں ایوان شاہی کی عمارت تھی جو قصر الذہب کے نام سے موسوم تھی اس کے درمیانی ہال پر اسی گز بلند گنبد تھا جو قبۃ الخضراء کہلاتا تھا، اس کی چوٹی پر ایک اسپ سوار مجسمہ نصب تھا، یہ گنبد بغداد کے ہر حصے سے نظر آتا ہے۔ (خطیب جلد ۱ ص ۷۳)

پھر جب بغداد میں آبادی کی کثرت ہو گئی تو ۱۵۸ھ میں منصور نے شہر سے باہر دجلہ کے ساحل پر ایک محل تعمیر کرایا جو اپنی خوبصورتی اور زینت و آرائش کے لحاظ سے قصر خلد کہلاتا تھا۔ (تاریخ خطیب ج ۱ ص ۷۵، ۸۰)

قصر الذہب سے شہر پناہ کے چاروں پھاٹکوں تک جن کا ذکر آگے آئے گا چار وسیع و کشادہ سڑکیں نکالی گئی تھیں، پھر ان بڑی سڑکوں سے بہت سی چھوٹی چھوٹی سڑکیں نکلتی تھیں ان کے دونوں کناروں پر ترتیب کے ساتھ مکانات تھے۔

(تاریخ خطیب ج ۱ ص ۷۵ و ۸۰)

آبادی کی ترتیب یہ تھی کہ وسط شہر میں قصر الذہب کی عمارت اور جامع مسجد تھی اس کے آس پاس دور تک پولیس اور حفاظتی سپاہ کی چوکی کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی شاہی ایوان کے بعد شاہزادوں کے محلات اور ان کے خدام و متوسلین کے مکانات تھے ان کے بعد سرکاری دفاتر کی حسب ذیل عمارتیں تھیں۔

بیت المال (خزانہ) خزانہ السلاح (اسلحہ خانہ) دیوآن الرسائل (دفتر مراسلات) دیوان الخراج (دیوان الخاتم) (خاتم خلافت جہاں فرامین و احکام شاہی پر مہر لگائی جاتی تھیں)، دیوان الحوائج (شاہی ضروریات کا سامان) دیوان الاحشام (خدم و حشم شاہی کا دفتر) دیوان النفقات (شعبہ اخراجات کا دفتر) مطبخ عامہ (باورچی خانہ عام) (کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۴۰)

ان عمارتوں کے بعد امرائے دولت اور ارکان حکومت کے مکانات تھے، آخر میں آبادی اور بازار تھے، ہر طبقہ اور تمام اہل حرفہ کے محلے الگ الگ اور ان کے باشندوں یا

اس محلہ کے ممتاز اشخاص کے نام سے موسوم تھے' مثلاً رحبہ فلاں یا قطیعہ فلاں وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے دیکھو خطیب ج ۱ ص ۸۸'۸۹) ہر چیز کے بازار جدا تھے۔ (خطیب ج ۱ ص ۷۹) ہر محلہ' بازار اور آبادی سے متعلق اتنی مسجدیں تھیں جو ان کے لیے کافی ہوں' (کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۴۰) بڑی بڑی سڑکیں' پچاس پچاس گز اور چھوٹی سڑکیں اور گلیاں سولہ سولہ گز چوڑی تھیں اور تمام سڑکیں اور گلیاں ممتاز اشخاص یا آبادی کے طبقات کے نام سے موسوم تھیں' (کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۴۰ و ۲۴۲) سڑکوں کے کنارے نہریں رواں تھیں اور سارے شہر میں ان کا جال پھیلا ہوا تھا۔ (کتاب البلدان ص ۷۹ و ۱۱۱ و مابعد)

شہر کے گرد ہری سنگین شہر پناہ تھی' اس کے آثار نوے گز اور بالائی حصہ پچیس گز چوڑا تھا اور بلندی ساٹھ گز تھی' بیرونی فصیل کے اوپر بڑے بڑے برج جھروکے اور بیٹھکیں تھیں' اس فصیل کے بعد چوڑی خندق تھی جس میں پانی بھرا رہتا تھا۔ (کتاب البلدان ص ۲۳۹) شہر پناہ کے چاروں طرف چار بلند پھاٹک تھے جن سے اسپ سوار مع علم کے گزر سکتا تھا' پھاٹکوں کے نام باب الکوفہ۔ باب البصرہ۔ باب خراسان اور باب الشام تھے' ان پھاٹکوں میں اتنے وزنی دروازے لگے تھے کہ ان کو جنبش دینے کے لیے ایک پوری جماعت کی ضرورت ہوتی تھی۔ (کتاب البلدان ص ۲۳۹)

**کرخ کی تعمیر** ۱۵۷ھ میں منصور نے بغداد سے باہر لیکن اس سے متصل کرخ نام سے ایک نئی آبادی قائم کی' بغداد کی تعمیر کے وقت بازار شہر کے اندر تھے اس لیے ہر قسم کے لوگ بلا روک ٹوک شہر میں آتے جاتے تھے اس زمانہ میں رومی بطریق منصور کے دربار میں آیا' منصور نے اسے شہر دکھانے کا حکم دیا' دیکھنے کے بعد منصور نے شہر کے بارہ میں اس کی رائے پوچھی' اس نے کہا نہایت مستحکم اور خوبصورت شہر ہے' لیکن یہ بڑا عجیب ہے کہ آپ کے دشمن آپ کے ساتھ رہتے ہیں' منصور نے پوچھا وہ کیسے؟ بطریق نے کہا بازار شہر کے اندر ہیں اس لیے جاسوس تاجروں کے بھیس میں آسانی کے ساتھ حکومت کی خبریں باہر لے جا سکتے ہیں' منصور یہ سن کر خاموش رہا۔ (معجم البلدان جلد ۷ ص ۲۳۳) خطیب کے بیان کے مطابق بطریق نے کہا کہ آپ کی رعایا ہر وقت آپ کے پاس رہتی ہے اور جب رعایا بادشاہ کے قریب رہے گی تو اس کا راز فاش ہو جائے گا' منصور نے تو اس وقت یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میری رعایا اور میرے درمیان کوئی راز نہیں ہے۔ (تاریخ خطیب ج ۱ ص ۷۸)

لیکن بطریق کی بات اس کے دل میں لگ گئی' اس کی واپسی کے بعد اس نے بغداد سے باہر اور اس سے متصل کرخ نام سے ایک نئی بستی بسائی' بغداد کی پہلی آبادی کی طرح اس میں بھی ہر چیز کے بازار جدا جدا تھے' اس کی تعمیر کے بعد بغداد کے تمام بازار اور عام آبادی کرخ میں منتقل کردی اور ایک جامع مسجد بھی علیحدہ تعمیر کرا دی۔

(خطیب ج ۱ ص ۹۷ و معجم البلدان ج ۷ ص ۲۳۳)

کرخ کی تعمیر کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بغداد میں عام آبادی کی وجہ سے دھوئیں کی بڑی کثرت ہو گئی تھی جس سے عمارتیں بھی سیاہ ہوتی جاتی تھیں اور لوگوں کو بھی تکلیف پہنچتی تھی۔ (معجم البلدان ص ۲۳۳) اس کے علاوہ اور اسباب بھی بیان کیے گئے ہیں۔

**مہدیہ کی تعمیر** بغداد کی تعمیر کے بعد ہی منصور نے اپنے ولی عہد مہدی کے لیے بغداد کے مشرقی جانب ایک وسیع محل مع جملہ لوازم کے مہدیہ کے نام سے تعمیر کرایا' اس کی مستقل شہر پناہ خندق تھی' فوجیں بھی یہاں منتقل کر دی تھیں اس لیے مہدیہ عسکر مہدی بھی کہلاتا تھا' (تاریخ خطیب ج ۱ ص ۸۲) اور ہارون رشید نے اپنے زمانہ میں یہاں رصافہ کے نام سے ایک محل تعمیر کرایا تھا' جس کی بنا پر آئندہ رصافہ بھی کہلانے لگا تھا۔

منصور نے اپنے دوسرے لڑکوں' امراء اور فوجی افسروں کو بھی بغداد کی طرح رصافہ میں زمین کے قطعے دے دیئے تھے' جنھوں نے خود اپنے اپنے محلات بنوائے تھے' بغداد میں جگہ کی بڑی قلت تھی اور رصافہ کا رقبہ نہایت وسیع تھا اور لوگوں کو مہدی سے بڑی محبت تھی اس لیے یہاں لوگ بکثرت آباد ہو گئے تھے' اس کی آبادی بھی بغداد کی طرح مرتب تھی' ہر طبقے کے محلے اور ہر چیز کے بازار جدا تھے' چند دنوں میں یہ شہر بڑی تجارتی منڈی اور صنعت و حرفت کا بڑا مرکز بن گیا۔ (معجم البلدان ص ۲۵۳) اور منصور ہی کے زمانہ میں اتنا بڑا شہر ہو گیا اور اس کی آبادی اتنی بڑھ گئی کہ اس کی سڑکوں اور گلیوں کی تعداد چار ہزار' مسجدوں کی پندرہ ہزار اور حماموں کی پانچ ہزار تک پہنچ گئی' بازاروں کے کرایہ کی آمدنی بیس لاکھ درہم سالانہ ہوتی تھی۔ (معجم البلدان ص ۲۵۴)

مہدی نے اپنے زمانہ میں رصافہ کی آبادی میں اور اضافہ کیا اور یہاں جامع منصور سے بھی بڑی جامع مسجد تعمیر کرائی (مراصد الاطلاع ج اول ص ۴۷۲) اور چند دنوں میں

رصافہ بغداد کی ہمسری کرنے لگا' پھر ہارون الرشید خصوصاً اس کے وزراء برآمکہ نے بڑے شاندار محل تعمیر کرائے' ہارون نے دجلہ کے ساحل پر رصافہ کے نام سے ایک محل تعمیر کرایا' برآمکہ کے محل فن تعمیر کا بہترین نمونہ تھے' اس زمانہ میں تعمیرات میں اضافہ ہوا کہ شہر کا طول چار فرسخ تک پہنچ گیا۔ (الفخری ص ۱۹۰)

برآمکہ کے محلوں کی عظمت و شان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بعض بعض محلوں کی تعمیر پر دو دو کروڑ درہم صرف ہوئے تھے۔ (ابن اثیر ج ۶ ص ۵۸)

ہارون الرشید کی لڑکی ام حبیب نے ایک محل بنوایا تھا جو اس کے نام سے قصر ام حبیب مشہور تھا' برآمکہ کے محلوں میں قصر یحییٰ برمکی "قصر دار الخلافہ" زیادہ مشہور تھے' قصر دار الخلافہ قصر حسنی بھی کہلاتا تھا' یہ محل ویران ہو گیا تھا' مامون کے وزیر حسن بن سہل نے دوبارہ اس کو آباد کرایا۔ اس میں وزیر مذکور کی لڑکی مامون کی بیوی بوران رہتی تھی' پھر معتضد باللہ نے اپنے زمانہ میں اس سے لے کر اس کو جملہ ضروری سامانوں سے آراستہ کیا اور اس کی عمارت میں توسیع کرائی (تاریخ خطیب ج اول ص ۱۰۹) یہ قصر بغداد کے تمام محلوں میں سب سے عظیم الشان تھا اس کی چھت اور دیواریں جواہرات اور قیمتی پتھروں سے آراستہ تھیں۔

ہارونی عہد میں بغداد انتہائی عروج پر پہنچا' خطیب کا بیان ہے کہ عمارتوں' آبادی کی کثرت اور امن و رفاہیت کے اعتبار سے بغداد ہارونی عہد میں اوج شباب پر پہنچ گیا' اس کے دور میں ملک سرسبز و شاداب' آسودہ حال اور رعایا فارغ البال تھی۔

(خطیب ج ا ذکر بغداد)

**سامرا کی آبادی** پھر معتصم نے اپنے زمانہ میں بغداد سے قریب ایک شہر سامرا آباد کرایا اس کا سبب یہ ہوا کہ معتصم نے ایرانیوں کا زور توڑنے اور ان کا اقتدار گھٹانے کے لیے جو مامون کے زمانہ سے خطرناک حد تک پہنچ گیا تھا' ترکوں کو آگے بڑھانا شروع کیا اور سمرقند' فرغانہ اور اشروسنہ سے ہزاروں ترکی غلام خرید کر منگائے اور انہیں زرق برق وردیوں اور زیورات سے آراستہ کیا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۴۲) اور بڑے بڑے فوجی مناصب پر ممتاز کیا' اس سے ایرانیوں کا اقتدار تو گھٹ گیا لیکن خود ترکوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا' وہ بڑے وحشی اور تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے' اس لیے اہل بغداد ان کی وجہ سے بڑی

مصیبت میں مبتلا ہو گئے' وہ سڑکوں پر بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے تھے' عورتیں' بوڑھے' بچے کچل جاتے تھے اور ترک کوئی پرواہ نہ کرتے تھے' بغدادیوں نے معتصم سے اس کی فریاد کی' اس نے انہیں بغداد سے الگ رکھنے کے لیے اس سے قریب ایک شہر سامرا آباد کیا اور اس کی تعمیر کے بعد خود بھی وہیں منتقل ہو گیا۔

(مروج الذہب مسعودی ص ۱۴۲ و تاریخ الخلفاء ص ۳۴۲)

سامرا بغداد کے شمال جانب اس سے تیس میل کی مسافت پر تھا' آبادی سے پہلے یہ مقام بالکل ویران تھا' عیسائیوں کی ایک خانقاہ کے علاوہ اور کوئی آبادی نہ تھی' منصور نے بغداد کی آبادی میں جو اہتمام کیا تھا معتصم نے اسی اہتمام سے سامرا کو بسایا اور اسی کے نقشہ کے مطابق اس کو تعمیر کرایا' تمام ممالک محروسہ سے صناع و کاری گر' ساکھو' ساگون اور دوسری چوب عمارتی' بصرہ' علاقہ سواد' انطاکیہ اور شام کے ساحلی علاقوں سے منگائیں اور سنگ مرمر اور سنگ تراش لارقیہ سے جو اس کا بڑا مرکز تھا' منگایا۔

ترکوں کی آبادی شہر سے بالکل الگ رکھی اور امراء و عمائد سلطنت کو زمین کے قطعات دے دیئے' انہوں نے اپنے اپنے محل بنوائے' بغداد کی طرح سامرا میں بھی ہر طبقہ اور ہر قبیلہ کے محلے الگ اور ہر چیز کے بازار جدا جدا تھے' پیشہ وروں اور اہل حرفہ کی آبادی ایک سلسلہ میں تھی' ہر آبادی یا محلہ اس کے باشندوں یا وہاں کے کسی ممتاز امیر کے نام سے موسوم تھا' مکانات بغداد کی عمارتوں سے زیادہ وسیع اور سڑکیں اس کی سڑکوں سے زیادہ کشادہ تھیں۔

تمام سڑکیں مختلف ناموں سے موسوم تھیں' ہر آبادی کے لیے مسجدیں اور حمام جدا جدا تھے۔ وسط شہر میں جامع مسجد اور اس کے چاروں طرف بازار تھے' معتصم کے کئی محل اور باغات تھے۔ ہر باغ کے وسط میں ایک عمارت' نشست گاہیں اور وسیع سبزہ زار تھے' دربار عام کے لیے ایک مستقل عمارت تھی' جس میں معتصم دو شنبہ اور جمعہ کو دربار کرتا تھا' اس سے متصل خزائن عامہ اور خزائن خاصہ کی عمارتیں تھیں۔

سامرا کی زمین بالکل بنجر تھی' پانی کمیاب تھا' معتصم نے اس کو زرخیز اور شاداب بنانے کے لیے تمام ممالک محروسہ سے آبی زمین شناخت کرنے والے اور اس سے پانی نکالنے والے مہندسین اور کھیتی اور باغبانی اور زمین کو زرخیز بنانے والے ماہرین جمع کر کے نہریں

نکلوائیں اور بکثرت باغات لگوائے اس کے علاوہ مختلف حصوں کو زرخیز بنانے کا کام بڑے بڑے ترکی امراء کے علیحدہ سپرد کیا' اور بغداد' بصرہ' اور علاقہ سواد سے کھجور کے درخت اور جزیرہ شام' عراق' خراسان' رے وغیرہ سے پھل پھول کے درخت اور سبزیوں اور ترکاریوں کے بیج منگا کر لگائے ان کی کوششوں سے یہ بنجر علاقہ نہایت سرسبز و شاداب ہو گیا اور باغوں اور پھلوں' میووں اور ترکاریوں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ خاص سامرا اور اس کے نواح کے بعض مواضعات کے باغات کی آمدنی چار لاکھ اشرفی سالانہ تھی۔

سامرا کے دارالخلافہ بن جانے اور اسکی سرسبزی و شادابی کیوجہ سے یہاں اس کثرت سے لوگ آباد ہونے لگے کہ اسکی زمین سونے کے بھاؤ ہو گئی۔ (یعقوبی نے سامرا کی آبادی کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے ہم نے اسکا خلاصہ لکھا ہے' دیکھو کتاب مذکورہ ص ۲۵۸ تا ۲۶۴)

معتصم کے بعد واثق نے سامرا کی عمارتوں میں اور اضافہ کیا اور لب دجلہ قصر ہارونی کے نام سے ایک محل بنوایا' سامرا کے بازاروں کو وسیع کرایا' عام لوگوں نے بھی عمارتیں بنوائیں' واثق کے بعد متوکل نے قصر ہارونی میں قیام کیا اور شہر میں دو نئی سڑکیں شارع العسکر اور شارع الجدید کے نام سے نکالیں' شہر سے باہر ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی' اس میں فوارہ لگوایا' مسجد کے تین سمتوں میں اتنی چوڑی سڑکیں نکلوائیں کہ مع خدم و حشم کے آسانی سے گذر سکے' سڑکوں کے دو رویہ دوکانیں اور اس کے بعد کاتبوں' فوجی افسروں اور ہاشمی امراء کے مکانات تھے اپنے لڑکے مستنصر کو قصر جوسق میں موید کو ملیرہ میں اور معتز کو بلکورا میں جو سامرا سے فاصلہ پر تھا رہنے کا حکم دیا' اس سے سامرا سے لے کر بلکورا تک مسلسل آبادی ہو گئی۔ (کتاب البلدان یعقوبی ص ۲۶۵)

یاقوت کا بیان ہے کہ متوکل نے سامرا میں جیسی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں ویسی کسی خلیفہ نے نہ بنوائیں تھیں' اس نے سات لاکھ اشرفیاں ان عمارتوں پر صرف کیں' ان محلوں کے نام یہ تھے' عروس' وحید' جعفری' غریب' شید آن' برج' صبح' ملیح' بستان' تل' برکواں جوشق قلائد' غرو' قصر متوکلیہ بہو اور لولو' ہر محل کی تعمیر پر شعراء کو ان کی تعریف میں قصیدہ کہنے کا حکم تھا' یاقوت نے بعض قصیدے نقل کیے ہیں۔

یعقوبی نے محلوں کے یہ نام لکھے ہیں' شاہ عروس' شبداء' بدیع اور برج' برج کی تعمیر پر بروایت یعقوبی ستر لاکھ اشرفیاں صرف ہوئی تھیں جو مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔

قصر جعفری ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا تھا' یہ محل بغداد کے محلہ کرخ سے تین فرسخ کی مسافت پر مقام ماحوزہ میں آباد کیا تھا اور دجلہ سے جو دس میل کے فاصلہ پر تھا' پندرہ لاکھ کے صرفہ سے ایک بڑی نہر شہر میں لائی گئی تھی جس کے دونوں جانب آبادی تھی' متوکل کے لڑکوں' افسروں' فوج' کاتبوں اور دوسرے عہدہ داروں کے مکانات ایک سلسلہ میں تھے' متوکل کے محل کے تین عظیم الشان پھاٹک تھے' جن سے اسپ سوار مع نیزہ کے گذر سکتا تھا' اور شہر کو تین میل لمبی اور چالیس گز چوڑی سڑک کے ذریعہ کرخ سے ملا دیا گیا تھا اور شہر کے دونوں جانب بڑی نہر سے اس کی شاخیں نکالی گئی تھیں' عام بازار آبادی سے بالکل الگ تھلگ تھے' اور ہر محلہ کے متعلق بھی ایک ایک بازار تھا' اس شہر کی تعمیر سے سامرا اور کرخ تک مسلسل آبادی ہو گئی تھی' درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ تھی' محرم ۲۴۷ھ میں متوکل یہاں منتقل ہو گیا اور اس تقریب میں عمالان حکومت کو انعام و اکرام سے نوازا اور حکومت کے دفاتر بھی یہاں منتقل ہو گئے۔ (کتاب البلدان ص ۲۶۶)

یاقوت کا بیان ہے کہ یہ شہر سامرا سے زیادہ آباد اور بارونق تھا۔ (معجم البلدان ج ۵ ص ۱۱۰)

متوکل نے عمارتوں میں بعض جدتیں بھی کی تھیں' مسعودی کا بیان ہے کہ اس نے ایک خاص قسم کی عمارت بنوائی تھی' جو حیری' کمین اور اروقہ کہلاتی تھیں' یہ عمارتیں میدان جنگ کے نقشے کے مطابق تھیں' صدر عمارت میں جو رواق کہلاتی تھی' نشست گاہ سلطانی تھی' اس کے دائیں بائیں جو کمین کہلاتے تھے' میمنہ اور میسرہ کی عمارتیں تھیں' ان میں خلیفہ کے مقربین اور خواص رہتے تھے اس کے داہنے جانب توشہ خانہ اور شمال میں آبدار خانہ تھا' اس کی تقلید میں اور شائقین نے بھی اس قسم کی عمارتیں بنوائیں۔

(مروج الذہب ج ۲ ص ۱۹۲' ۱۹۳)

اس طریقہ سے ہر خلیفہ کے زمانہ میں اس کے ذوق کے مطابق عمارتوں میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہا ہے۔

معتضد نے مشرقی حصہ میں قصر التاج کے نام سے ایک محل بنوایا' اس کی تکمیل اس کے لڑکے مکتفی کے زمانہ میں ہوئی' اس کے گنبد اور ہال عجیب و غریب تھے' اور اس کو ایک زمین دوز راستہ کے ذریعہ قصر حسنی سے' جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے ملا دیا گیا تھا' جس سے حرم کی خواتین آتی جاتی تھیں' شعراء نے اس قصر کی شان میں قصیدے کہے' ایک

شعر یہ ہے۔

جللت الثر یاخیر دار و منزل

فلا زال معمورا وبورک فی القصر

ایک قصر دارالشجرہ کے نام سے موسوم تھا' اس کے عجائبات کا ذکر آئندہ آئے گا' خلافت بغداد پر دیالمہ کے تسلط کے بعد دیلمی سلاطین نے علیحدہ اپنے محل بنوائے' معزالدولہ کا محل بغداد کے بہترین محلات میں تھا (مناقب بغداد ابن جوزی ص ۲۶) عضدالدولہ دیلمی نے پرانی عمارتوں کی مرمت پر پچاس لاکھ درہم صرف کیے۔ (معجم البلدان)

مذکورہ بالا محل بغداد کے مشرقی حصہ میں تھے' ان کے علاوہ مغربی حصہ میں بھی محلات کا ایک سلسلہ تھا' ان میں سے دارالفخریہ' داریلدرک' حریم طاہری' دارالامیر حسن بن اسحاق' دارالنقابتہ الشاطیہ' دارباب الحجرہ کے نام سے ملتے ہیں' آخرالذکر محل میں وزیروں کو خلعت وزارت دیا جاتا ہے اور خلفاء عید کی مبارکباد لینے کے لیے یہیں دربار کرتے تھے۔

**باغات** عباسی تمدن کی ساری نیرنگیاں عجمی تھیں اور سرزمین عجم سراپا باغ و بہار ہے' اس لیے خلفاء اور امراء کو آب رواں باغات اور سبزہ زار سے بھی بڑا ذوق تھا' اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بغداد کی گلی گلی میں نہریں رواں تھیں اور معتصم نے سامرا کی بنجر زمین کو لہلہاتا ہوا سبزہ زار بنا دیا تھا' افسوس ہے کہ مورخین نے باغات کی تفصیل نہیں لکھی ہے تاہم کہیں کہیں ضمناً" ان کا ذکر آ جاتا ہے جس سے ان کا کسی قدر اندازہ ہو جاتا ہے' یعقوبی نے بغداد کی نہروں کی کثرت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اہل بغداد نے بصرہ اور کوفہ کی کھجوریں یہاں لگائیں اس کی زمین کی خوبی اور زرخیزی کی وجہ سے بصرہ اور کوفہ سے بھی زیادہ کھجور یہاں پیدا ہونے لگی' اس کے علاوہ انہوں نے مختلف قسم کے درخت لگائے اور عجیب و غریب قسم کے پھل پیدا کیے اور بغداد میں پانی کی کثرت کی وجہ سے بکثرت باغ و چمن پیدا ہو گئے۔ (کتاب البلدان ص ۲۵۱)

سرمن رائی کی بنجر زمین کو معتصم نے جس طرح سرسبز و شاداب اور باغ و چمن بنایا تھا اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' اس نے متعدد مستقل باغ لگوائے اور ہر باغ میں

نشست کے لیے عمارات اور تفریح کے لیے حوض' تالاب اور کھلے میدان تھے۔ (کتاب البلدان ص ۲۶۴) اس کے علاوہ مختلف خلفاء نے باغات لگوائے' کتابوں میں ان کے حسب ذیل نام ملتے ہیں' قصور' شماسیہ' رقہ' قصر احمری عیسیٰ آباد اور روضتہ الریاض' یہ باغات غالباً بغداد کے باہر تھے اور خلفاء گرمی کے موسم میں یہاں رہا کرتے تھے' بعض خلفاء نے باغات کی آرائش میں بڑی جدتیں پیدا کیں اس کی تفصیل آئندہ آئے گی' عضد الدولہ دیلمی نے بغداد میں ایک باغ لگوایا تھا جو بستان مخرم کے نام سے موسوم تھا' تاس کی تعمیر پر پچاس لاکھ درہم صرف ہوئے تھے۔ (تاریخ خطیب ج ا ص ۱۰۷)

امیر اسماعیل نے لاکھوں روپے کے صرف سے ایک باغ لگوایا تھا' یہ باغ بستان ظاہر بغداد کے مشہور باغوں میں تھا' یہ وسط شہر میں تھا اور دو سو جریب کے وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا' بغداد سے باہر اور اس سے متصل ایک نہر کے کنارے باغوں کا وسیع سلسلہ تھا اور اس نہر کے ایک پل کا نام ہی قنطرۃ البستان پڑ گیا تھا۔

**بغداد کی وسعت** تاریخوں میں بغداد کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کے حالات بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہوتے ہیں لیکن در حقیقت ان میں کوئی مبالغہ نہیں ہے اس لیے کہ بغداد ایک نہیں بلکہ کئی شہروں کا مجموعہ تھا' جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے' اور ان میں سے ہر شہر جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے نہایت عظیم الشان تھا' بلکہ ان کا ایک ایک محلہ ایک ایک شہر کے برابر تھا' ابو الوفاء بن طفیل کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک معزز خراسانی نے بغداد کا حال پوچھا' میں نے کہا کہ میں نہ بتاؤں گا اس لیے کہ تم مبالغہ سمجھو گے' بس اتنا سمجھ لو کہ اس کا ایک ایک محلہ شام کے بڑے سے بڑے شہر کے برابر ہے۔

(مناقب بغداد ص ۲۴)

مختصر یہ کہ بغداد بجائے خود ایک عالم تھا' رقبہ کی وسعت آبادی کی کثرت' علم و فن' صنعت و حرفت و تجارت' اخلاق و تہذیب' جملہ مادی اور اخلاقی اوصاف و کمالات میں اس زمانہ کا دنیا کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا' اس کی آبادی مختلف حالات و اسباب کی بنا پر مختلف زمانوں میں گھٹتی بڑھتی رہی ہے اس لیے اس کے صحیح اعداد و شمار نہیں بتائے جا سکتے' تاریخوں میں اس کی مختلف چیزوں کے جو اعداد ملتے ہیں ان سے اس کی وسعت و آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے' بغداد کے دو حصے تھے' مغربی اور مشرقی' دونوں کا مجموعی

رقبہ ۵۳۳۷۵ جریب تھا' (سیر الملوک اربلی ۵۵) ایک جریب ۳۶۰ گز کی ہوتی ہے' مغربی جانب کی سڑکوں اور گلیوں کی تعداد چھ ہزار اور مشرقی سمت کی چار ہزار تھی' (تاریخ خطیب ج ۱ ص ۹۸) مسجدوں کی تعداد تیس ہزار اور حماموں کی تعداد دس ہزار تھی' (کتاب البلدان ص ۲۵۰) لیکن مختلف زمانوں میں یہ تعداد گھٹتی بڑھتی رہی' مقتدر کے زمانے میں حماموں کی تعداد سترہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ (خطیب جلد اول ص ۱۱۸) بعض روایتوں کے مطابق تو مساجد اور حماموں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے۔

دجلہ پر متعدد پل تھے ان کے باوجود مشرقی اور مغربی دونوں سمتوں میں آمد و رفت کے لیے تین ہزار کشتیاں چلتی تھیں اور ملاحوں کی آمدنیاں نوے ہزار درہم روزانہ تھی۔ (خطیب جلد اول ص ۱۱۷) بازاروں کا کرایہ بارہ کروڑ درہم سالانہ تھا۔ (مناقب بغداد ص ۱۱)

قاضی ابوالحسن کا بیان ہے کہ ۳۴۵ھ میں جب محمد بن احمد نے موضع باور دیا کا ٹھیکہ لیا تو اس زمانہ میں نواح بغداد کے مواضعات میں صرف کاہو (یہ اہل بغداد کی مرغوب ترکاری تھی) کی کاشت دو ہزار جریب تھی' جس کی قیمت پچاس ہزار اشرفی ہوتی تھی' یہ سارا کاہو بغداد میں صرف ہوتا تھا' جس شہر میں پچاس ہزار اشرفی سالانہ کی صرف ترکاری صرف ہوتی ہو اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی سریقہ سے حمص کا ستو جس کو صرف ادنیٰ درجہ کے معمولی لوگ کھاتے تھے اور وہ بھی سال کے دو مہینوں میں جب بغداد میں پھل کی کمی ہوتی تھی صرف ایک بازار میں اوسطاً "۱۴۰ کرہ صرف ہوتا تھا۔

## بغداد کی حالت چھٹی صدی ہجری میں

مشہور سیاح ابن جبیر اندلسی نے چھٹی صدی کے آخر میں جب بغداد مسلسل انقلاب سے ویران ہو چکا تھا' بغداد کا سفر کیا تھا اور اپنے سفرنامے میں اس کے حالات لکھے ہیں' یہ بیان عروس البلاد کا گویا مرثیہ ہے' تاہم اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی اجڑی ہوئی حالت میں بھی وہ کس پایہ کا شہر تھا' وہ لکھتا ہے۔

(نشوار المحاضرہ ص ۲۶)

یہ پرانا شہر گو ہمیشہ سے عباسی خلافت کا پایہ تخت اور قریشی و ہاشمی امامت کا ایک مرکز رہا ہے اور اس کی گذشتہ عظمت کے مقابلے میں اب اس کی حیثیت ایک کھنڈر' ایک مٹے ہوئے نشان اور ایک خیالی صورت کی رہ گئی ہے' موجودہ شہر دو حصوں میں تقسیم ہے ایک دجلہ کے مشرقی سمت اور دوسرا مغربی سمت' مغربی حصہ کسی زمانہ میں بڑا آباد تھا لیکن اب

ویران ہو چکا ہے اور مشرقی حصہ نو آباد ہے' یہ شہر ویرانی کے باوجود سات محلوں پر مشتمل ہے' جن میں ہر محلہ اپنی وسعت و آبادی کی کثرت کے لحاظ سے مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے' ہر محلہ میں کئی کئی حمام ہیں' آٹھ حمام جامع مسجدوں میں ہیں' سب سے بڑے محلہ کا نام قریہ ہے' جس میں ہم ٹھہرے تھے' یہ محلہ دجلہ کے ساحل پر ہے یہاں پہلے پل تھا' جو سیلاب میں بہہ گیا ہے' اب کشتیوں کے ذریعہ آمد و رفت ہوتی ہے۔

کشتیاں بے شمار ہیں اور رات دن لوگوں کے ہجوم سے میلہ سا لگا رہتا ہے' "معمولاً" ہر جگہ دو پل ہیں ایک شاہی محلات سے متصل دوسرا ان سے الگ' لیکن آمد و رفت کے لیے یہ پل ناکافی ہیں' ہر وقت کشتیاں چلتی رہتی ہیں' دوسرا محلہ کرخ ہے' اس کے گرد مستقل شہر پناہ ہے' تیسرا محلہ باب البصرہ ہے' یہ بھی ایک مستقل شہر کی حیثیت رکھتا ہے' یہیں وہ عظیم الشان جامع مسجد ہے' جو جامع منصور کے نام سے موسوم ہے' چوتھا محلہ شارع ہے' یہ بھی گویا ایک شہر ہے' یہ چاروں بڑے محلے ہیں' محلہ شارع اور باب البصرہ کے درمیان ایک محلہ سوق المارستان ہے اس کی حیثیت ایک چھوٹے سے شہر کی ہے' بغداد کا مشہور و معروف شفاخانہ اس محلہ میں ہے اس میں مریضوں کے علاج اور ان کی دیکھ بھال کے لیے باون اطباء اور معالجین ہیں' مریضوں کی جملہ ضروریات کا انتظام شفاخانہ کی جانب سے ہوتا ہے' اطباء کے علاوہ مریضوں کی تیمار داری اور دوا و غذا وغیرہ کی تیاری کے لیے علیحدہ ملازمین ہیں' شفاخانہ کی عمارت ایک عالی شان قصر کی سی ہے جس میں بہت سے کمرے ہیں اور اس کا سازو سامان شاہانہ ہے' شفاخانہ میں دجلہ سے پانی آتا ہے' سب محلوں کا تذکرہ طویل ہو گا' مثلاً ایک محلہ وسیط ہے جو دجلہ اور فرات کی ایک شاخ کے درمیان آباد ہے اس کے ذریعہ سارے فراتی علاقوں کا سامان بغداد آتا ہے۔

ایک محلہ عتابیہ ہے' یہاں بغداد کا مشہور عتابی کپڑا جو مختلف الالوان ریشم اور سوت سے بنایا جاتا ہے' تیار ہوتا ہے' ایک محلہ حربیہ ہے اسکے بعد بغداد کی آبادی ختم ہو جاتی ہے۔

مغربی حصہ تمام تر باغات اور چمنستان پر مشتمل ہے' یہاں سے مشرقی حصہ میں میوے جاتے ہیں' آج کل دارالخلافہ اسی حصہ میں ہے شاہی محلات شہر کے چوتھائی بلکہ اس سے زیادہ حصہ کو گھیرے ہوئے ہیں' شاہی خاندان کے نظر بند ارکان ان محلوں میں رہتے ہیں

ان کے لیے ہر طرح کی سہولتیں مہیا ہیں صرف احاطہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔

مغربی حصہ میں عالی شان شاہی محلات' دلفریب باغات اور بڑے بڑے مرتب بازار ہیں' ان میں ہر وقت آدمیوں کا اتنا ہجوم رہتا ہے کہ ان کا شمار مشکل ہے' تین بڑی جامع مسجدیں ہیں۔ خلیفہ کی جامع مسجد اس کے محل کے قریب ہے یہ بڑی وسیع مسجد ہے اس میں بڑے بڑے حوض اور سقاوے ہیں اور ہر قسم کے سازوسامان سے آراستہ ہے' دوسری جامع سلطان کے نام سے موسوم ہے یہ مسجد ان سلاطین کے محلوں کی جانب منسوب ہے جو

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری نعمتیں ان میں جمع کر دیں تھیں' مورخین نے ان کے مختلف اوصاف و خصوصیات کا حال لکھا ہے یعقوبی لکھتا ہے کہ رقبہ کی وسعت' آبادی کی کثرت' پانی کی فراوانی' آب و ہوا کی خوبی میں مشرق و مغرب کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا' یہاں مختلف شہروں اور ملکوں کے مختلف طبقوں کے لوگ آباد ہیں اور دور دراز کے باشندوں نے اپنے وطنوں کو چھوڑ کر یہاں سکونت اختیار کر لی' کوئی شہر ایسا نہیں جہاں کے باشندوں کے محلے تجارت اور کاروبار یہاں نہ ہو اس لیے یہاں ساری دنیا کی نعمتیں جمع ہو گئی ہیں جو دنیا کے کسی اور شہر کو نصیب نہیں' یہاں دو بڑے دریا دجلہ اور فرات ہیں اس لیے یہاں خشکی تری دونوں راستوں سے نہایت آسانی کے ساتھ ہر طرح کا تجارتی سامان آتا ہے اور ہندوستان' سندھ' چین' تبت' ترک' دیلم' خزر' حبشہ وغیرہ مشرق و مغرب کے تمام اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں کا سامان ان کی پیداوار اور مصنوعات' جس کثرت اور آسانی سے یہاں ملتی ہیں اتنی سہولت سے خود ان ملکوں میں نہیں ملتیں' سارے روئے زمین کی پیداوار کھینچ کھینچ کر یہاں آتی ہے' دنیا کے سارے ذخیرے یہاں جمع ہو گئے ہیں اور سارے عالم کی برکتیں اس پر تمام ہو گئی ہیں۔

ریاضی کے حساب سے وہ اقلیم رابع میں ہے جو معتدل اقلیم ہے اس لیے اس کی آب و ہوا ہر موسم میں معتدل رہتی ہے گرمیوں میں تیز گرمی پڑتی ہے اور جاڑوں میں تیز ٹھنڈک' خریف اور ربیع دونوں میں موسم معتدل رہتا ہے' اور تداخل کے موسم میں آب و ہوا میں کوئی بڑا تغیر نہیں ہوتا اس لیے یہاں کی آب و ہوا معتدل' مٹی اچھی اور پانی شیریں ہے' درختوں کی بالیدگی اور نشوونما اچھی ہوتی ہے' پھل خوش ذائقہ اور کھیتی سرسبز و شاداب ہوتی ہے' کھیتی میں زیادہ مشقت نہیں اٹھانی پڑتی ہے' جس سے پیداوار کی کثرت ہے' ہوا کے اعتدال' زمین کی خوبی اور پانی کی شیرینی کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کے اخلاق پسندیدہ' چہرے شاداب اور ذہن تیز و رسا ہوتا ہے اور وہ عقل و دانش' فہم و ذکاء' علم و ادب ژرف نگاہی' قوت امتیاز اور تجارت و صنعت و حرفت وغیرہ ساری دنیا میں فائق اور ہر فن اور ہر پیشہ کے ماہر ہوتے ہیں' یہاں کے عالموں سے بڑھ کر فاضل' یہاں کے راویوں سے بڑے راوی یہاں کے متکلموں سے زیادہ مناظر' یہاں کے نحویوں سے زیادہ صحیح الاعراب' یہاں کے قاریوں سے زیادہ صحیح القرات' یہاں کے طبیبوں سے زیادہ حاذق'

یہاں کے گویوں سے زیادہ مغنی' یہاں کے صناعوں اور کاری گروں سے زیادہ چابک دست' یہاں کے کاتبوں سے زیادہ ادیب و خوشنویس' یہاں کے منطقیوں سے زیادہ لسان اور گویا' یہاں کے عابدوں سے زیادہ عابد' یہاں کے زاہدوں سے بڑے متورع' یہاں کے قاضیوں سے زیادہ فقیہ' یہاں کے خطیبوں سے زیادہ زبان آور' یہاں کے شاعروں سے بڑے سخن ور' حتیٰ کہ یہاں کے رندوں سے بڑھ کر جری اور بے باک کہیں کے رند نہیں' ہر فن کے لوگ اپنے اپنے فن میں طاق تھے۔ (کتاب البلدان ص ۲۳۳ تا ۲۳۵)

مورخ خطیب بروایت ابوالحسین لکھتے ہیں کہ:

بغداد کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کے شہروں میں صرف اسی کو عطا فرمائے ہیں' یہاں کے باشندوں کے اخلاق حمیدہ اور خصائل پسندیدہ ہیں' پانی شیریں اور میووں کی کثرت ہے' ہر فن اور پیشہ کے ماہر موجود اور ہر ضرورت کا سامان مہیا ہے' بدعات سے امن ہے' علماء و طلبہ' فقہاء و طالبین فقہ' اکابر متکلمین' حساب و نحو کے ماہرین' قادر الکلام' شعراء اور انساب و اخبار کے راویوں کی کثرت ہے' ہر نادر چیز یہاں موجود ہے اور ہر فصل کے میوے ہر وقت اور ہر موسم میں بغداد کے علاوہ کسی شہر میں نہیں مل سکتے' خصوصاً خزاں کے موسم میں' مسلمانوں کی کثرت ہے۔ اگر کسی کو کسی سبب سے کوئی محلہ یا گلی پسند نہ ہو تو اس کو آسانی کے ساتھ بدل سکتا ہے اور اس کو اس کی پسند کا وسیع و کشادہ مکان سہولت سے مل جائے گا' وہ دشمن سے خوفزدہ لوگوں کے لیے جائے پناہ ہے' بڑے بڑے ملک التجار' باعظمت سلاطین اور خاندانی اور صاحب وجاہت اشرف و معززین ہر محلہ میں موجود ہیں جن کے جودو کرم کا چشمہ غرباء اور اہل حاجت کے لیے ہر وقت جاری رہتا ہے' بغداد اللہ تعالیٰ کا ایسا بے کراں خزانہ ہے جس کی حقیقت سے اس کے علاوہ اور کوئی پوری طرح آگاہ نہیں۔ (تاریخ خطیب ج ۱ ص ۵۱) ایک دوسری روایت میں لکھتے ہیں کہ جلالت اور عظمت' علماء و اعلام کی کثرت' خواص و عوام کی تہذیب و شائستگی' رقبہ کی وسعت' مکانات' محلوں' گلیوں' پھاٹک' بند کوچوں' سڑکوں' بازاروں مسجدوں' حماموں اور سراؤں کی کثرت' آب و ہوا کی خوبی' پانی کی شیرینی' درختوں کی چھاؤں' ان کی ٹھنڈک' سردی و گرمی کے اعتدال' ربیع و خریف کی صحت' آبادی کی خارج از شمار کثرت میں دنیا کا کوئی شہر بغداد کا مقابلہ نہیں کر سکتا' اس کی آبادی اور رونق کے

عروج کا زمانہ ہارون رشید کا عہد تھا' اس کے بعد مسلسل انقلابات نے اس کو ویران کر دیا۔
(تاریخ خطیب ج ۱ ص ۱۱۹) بشاری مقدسی لکھتا ہے۔

بغداد اسلام کا سب سے بڑا شہر اور مدینۃ السلام ہے اور یہاں کے باشندے مجموعہ محاسن' خوش طبع' ذہین و ذکی اور لطیف المزاج ہیں' ہوا نہایت ہلکی اور لطیف اور علم نہایت گہرا ہے' بغداد ہر عمدہ چیز اور ہر خوبی کا مخزن اور ہر فن کے ماہرین کا مرکز ہے' ہر دل اس کی جانب کھنچتا ہے' وہ جمال و کمال کی بنا پر رشک و رقابت کی کشمکش اور حمایت و مدافعت کی رزمگاہ ہے اس کی شہرت توصیف سے مستغنی اور اس کی خوبی حد توصیف سے خارج اور مدح و ستائش کے درجے سے بلند ہے۔ (احسن التقاسیم بشاری ص ۱۱۹) بعض اہل نظر نے اس کے محاسن پر یہ جامع تبصرہ کیا ہے۔

وہ جنت ارضی' سلامتی کا شہر' قبۃ الاسلام' اصحاب کمال کا مرکز قدردانی' شہروں کا سرتاج' عراق کی آنکھ کا تارا' مستقر خلافت' محاسن و طیبات کا مرکز' لطائف و ظرائف کا معدن ہے یہاں ہر فن کے کاملین اور جنس کے ماہرین موجود ہیں۔

(معجم البلدان ج ۲ ص ۳۳۷)

اس زمانہ کے ایک بڑے سیاح ابوالقاسم دیلمی کا بیان ہے کہ

میں نے سمرقند سے لے کر قیروان تک اور سرندیپ سے لے کر روم تک کا سفر کیا مگر بغداد سے بہترین اور پاکیزہ شہر نہیں دیکھا' عراق سے نکلنے کے بعد ساری دنیا دیہات معلوم ہوتی ہے' مشہور ادیب جاحظ کا بیان ہے کہ میں نے شام اور روم اور دوسرے ملکوں کے بڑے بڑے خوبصورت شہر دیکھے مگر بغداد سے زیادہ بلند عمارتوں' اس سے زیادہ مدور' شاندار وسیع و کشادہ پھاٹکوں اور مضبوط فصیل کا شہر نہیں دیکھا' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورا شہر ڈھلا ہوا ہے۔ (خطیب ج ۱ ص ۷۷)

مشہور فلسفی اور ادیب ابوالعلاء مصری کہا کرتا تھا کہ بغداد بہت بڑا شہر ہے یہاں تم ہر دن نئے نئے اصحاب فضل و کمال پاؤ گے' جس کو اس سے پہلے دن نہ پایا تھا۔

(تاریخ خطیب ج ۱ ص ۱۴۹)

شیخ ابواسحاق فیروز آبادی کا مقولہ تھا کہ جو سلیم العقل اور صحیح المذاق ایک مرتبہ بھی بغداد آجائے گا وہ یہاں سے مر کر نکلے گا یا یہاں مرنے کی تمنا دل میں لے جائے گا۔

(معجم البلدان ج ۴ ص ۳۳۷، ۳۳۸)

بغداد کی آبادی اتنی مرتب اور اس کی عمارتیں اتنی خوبصورت تھیں کہ دوسرے ملکوں کے فرمانروا اسکا نقشہ بنواتے تھے' خطیب نے یہ روایت نقل کی ہے کہ قیصر روم نے بغداد کے بازاروں' محلوں' مشرقی و مغربی حصوں کا نقشہ بنوایا تھا' مشرقی حصے کی ترتیب خصوصاً شارع المیدان اور شارع سوقیہ نصر بن مالک الخزاعی اور اسکے بازاروں اور سڑکوں کی عمارتوں' جو قنصرۃ البروان تک چلی گئی تھیں اسکو بہت پسند تھیں' وہ شراب نوشی کے وقت اس نقشہ کو سامنے رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت عمارتیں نہیں دیکھیں۔ (تاریخ خطیب ج ۱)

اس قسم کے سینکڑوں واقعات و اقوال بغداد کی تعریف میں زبان زد خاص و عام تھے' یہ اس زمانہ کا مشہور مقولہ تھا کہ بغداد کے علاوہ ساری دنیا دیہات ہے اور جس نے بغداد نہیں دیکھا اس نے دنیا نہیں دیکھی۔

بغداد کے عوام اور اہل حرفہ ایسے مہذب اور شائستہ ہوتے تھے کہ ان سے بڑے بڑے لوگ تہذیب و شائستگی کا سبق سیکھتے تھے' مشہور صوفی حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس کو خلق و مروت سیکھنا ہو وہ بغداد کے بہشتیوں سے سیکھے' مجھ کو جب پابجولاں بغداد لے جایا گیا۔ (متوکل علی اللہ کے زمانہ میں آپ پر الحاد و زندقہ کا الزام لگایا گیا تھا اور اسی کے لیے وہ پابجولاں بغداد لائے گئے تھے' لیکن تحقیق سے یہ الزام ثابت نہ ہوا اور آپ کی باتیں سن کر متوکل آپ کا معتقد ہو گیا) تو میرے سامنے سے ایک سقا گزرا وہ مندیل کا تہبند دبیقی کا عمامہ باندھے تھا' ہاتھ میں نازک نازک مٹی کے آبخورے اور شیشے کے تراشے ہوئے گلاس تھے' اس وضع قطع میں دیکھ کر میں سمجھا کہ شاہی سقہ ہے' معلوم ہوا شاہی نہیں عام بہشتی ہے' میں نے اس سے پانی مانگا اس نے بڑھ کر کورے آب خورے میں پانی دیا' جس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی' میں نے اپنے ساتھی سے ایک دینار دینے کا اشارہ کیا سقہ نے لینے سے انکار کیا اور کہا قیدی سے کچھ لینا اخلاق و مروت کے خلاف ہے۔ (خطیب ج ۱ ص ۵۰)

**اہل بغداد کا تمدن اور ان کا حسن مذاق** یہ تو بغداد کی شوکت و عظمت کا حال تھا' اس کا تمدن بھی نہایت عظیم الشان اور بڑا دلکش و دلفریب تھا' اہل بغداد کے حسن ذوق اور

ان کے تمدنی تکلف اور معاشرتی نفاستوں کے متعلق صاحب حضارۃ الاسلام کا بیان ہے۔

**گھروں کا نقشہ** عموماً آسودہ حال طبقہ کے گھروں کے تین حصے ہوتے تھے ایک مقاصیر حرم' یعنی زنان خانہ' دوسرے مجالس السلام جسے دیوان خانہ کہہ سکتے ہیں' یہ حصہ ملاقات اور مہمانوں کے لیے ہوتا تھا' تیسرے شاگرد پیشہ کے مکانات' ہر مکان کے متعلق پائیں باغ ہوتا' جس میں میووں اور پھل پھول کے درخت ہوتے تھے' اور ان سب کے گرد چہار دیواری ہوتی تھی' مکانوں کی چھتیں اور دیواریں عموماً سنہرے رنگین نقش و نگار سے آراستہ ہوتی تھیں۔ (حضارۃ الاسلام ص ۲۵'۲۶) سادہ دیواروں کو منقش کپڑوں سے منڈھتے تھے' اور دیواروں پر دیبا کے پردے آویزاں کرتے تھے۔

**پائیں باغ** باغوں کا اتنا شوق تھا کہ مختلف ملکوں سے درخت منگا کر لگاتے تھے' بعض باغوں کی لاگت دس دس ہزار اشرفی تک پہنچ جاتی تھی' ملازموں اور غلاموں کے انتخاب میں ان کے ظاہری حسن کے ساتھ خوش ذوقی اور زندہ دلی کا لحاظ رکھا جاتا تھا' کھانوں میں تنوع' جدت اور شان امارت کا اتنا شوق غالب تھا کہ بے فصل کی چیزیں مثلاً بے موسم کے میوے اور پرندوں وغیرہ کا گوشت اس کے ہم وزن چاندی دے کر خریدتے تھے۔

**مصنوعی ٹھنڈک اور گرمی کا انتظام** گرمیوں میں ٹھنڈک اور پانی کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ آرام گاہوں میں مصنوعی طریقے سے پانی لایا جاتا تھا' جو سنگ مرمر کے تراشے ہوئے درندوں اور پرندوں کے منہ سے فوارے کی شکل میں چھوٹتا تھا اور اوپر سے پنکھا چلتا تھا' اس سے گرم ہوا کے جھونکے نسیم سحری بن جاتے تھے' غرض لباس اور زینت و آرائش حتیٰ کہ گھوڑوں کی آرائش تک میں دیبا کی جھولوں اور زیورات سے ایسی جدتیں پیدا کی تھیں کہ دنیا کی کوئی قوم اس درجہ کو نہ پہنچتی تھی۔ (حضارۃ الاسلام ص ۹۹)

مکانوں میں ٹھنڈک پیدا کرنے کے لیے اور بہت طریقے رائج تھے' عام اور سادہ طریقہ یہ تھا کہ کچی چھت کے گھر بنائے جاتے تھے ان پر کہ گل ہوتی تھی اور دیواروں کی پشت بانسوں اور بید کے ٹھاٹھ سے منڈھ دی جاتی تھی اور اس کے اور دیوار کے درمیان خلا میں برف کے تودے بھر دیئے جاتے تھے۔

پھر ایک شخص ایوب خوری نے ایک موٹا آب گیر کپڑا جو خیش کے نام سے موسوم

تھا' ایجاد کیا۔ اس کو تر کر کے آرام کے کمرے کی دیواروں یا قبہ پر منڈھ دیا جاتا تھا' اس سے ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی۔ (تاریخ الاسلام السیاسی والثقافی ص ۳۰۸)

اس سے بھی زیادہ پر تکلف طریقہ یہ تھا کہ بڑے بڑے ہوادار کمرے دیبقی (ایک قسم کا کپڑا) سے منڈھ دیئے جاتے تھے' اور درمیان میں ایک قبہ یا چھوٹا سا حجرہ بنا دیا جاتا تھا' اس کے چاروں طرف بانس کے کھپاچ اور بید کی ٹٹی ہوتی تھی اور دیبقی کو گلاب' کافور اور صندل کے عرق میں تر کر کے اس پر منڈھ دیا جاتا تھا اور دروازوں پر ہوا اور روشن دانوں وغیرہ کے تمام راستوں پر برف کے تودے رکھ دیئے جاتے تھے' اور خدام انہیں بڑے بڑے پنکھوں سے ہوا دیتے تھے اس سے کمروں میں اتنی ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی کہ گرم کپڑا پہننے کی ضرورت پیش آتی تھی لیکن یہ انتظام صرف امراء کر سکتے تھے۔ (ابن ابی اصیبعہ نے اس کی پوری تفصیل لکھی ہے ہم نے ضروری خلاصہ نقل کیا ہے دیکھو طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۳۹' ۱۴۰)

سردیوں میں گرمی پیدا کرنے کی صورت یہ تھی کہ بڑے بڑے مکانوں میں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے کمرے ہوتے تھے اور ان کے گرد لوہے اور لکڑی کے جنگلے بنے ہوتے تھے ان کے درمیان آتش دانوں اور انگیٹھیوں میں آگ بھری رہتی تھی ان کو خدام دھونکنی سے برابر دھکاتے رہتے تھے اور چوبی کمرے کے اندر چاندی کی انگیٹھیوں میں عود جلتا رہتا تھا' اس سے پورا کمرہ گرم ہو جاتا تھا۔ (طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۴۰)

**کھانوں کے اقسام و تکلفات** جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے اس دور میں کھانوں میں بھی بڑے تکلفات پیدا ہوئے' عباسیوں کا دستر خوان ایوان نعمت خانہ تھا' ان کے نام کتابوں میں ملتے ہیں' لیکن آج اس کی نوعیت بتانا مشکل ہے' اصحاب لغت کی تشریح سے بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا اور بہت نام بھی لغت میں نہیں ملتے' بعض اقسام یہ ہیں۔

مرغ اور پرندے کے گوشت کی مختلف قسمیں تھیں' جو مختلف طریقوں سے پکائے جاتے تھے' اور ان سب کے علیحدہ علیحدہ نام تھے' بکری' برہ' بھیڑ' گائے' ہرن اور دوسرے مویشیوں کے گوشت اور ان کی مختلف قسموں کا طبقات الاطباء میں تذکرہ ہے مگر ان کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔ (طبقات الاطباء ج ۱ ص ۴۰)

مچھلی کے گوشت کی بھی مختلف قسمیں تھیں' صحنا چھوٹی بھنی ہوئی مچھلیاں' (دیکھو تاج

العروس) مچھلی کب زبان کا سالن اس پر بڑا صرف آتا تھا۔

(مروج الذہب مسعودی ج ۷ ص ۳۵۰)

ثرید' ہریسہ اور خبیص عرب کے آسودہ حال لوگوں کے مرغوب پرانے کھانے ہیں جو عباسی عہد میں بھی تھے۔۔۔ کشکی یا کشک گیہوں' دودھ اور گوشت ملا کر پکایا جاتا تھا۔

(تاج العروس)

سکباج گوشت اور سرکہ سے پکتا تھا' خضیرہ ایک قسم کا شوربہ جو پھٹے ہوئے دودھ سے پکتا تھا' عصیدہ آٹے' چربی اور مکھن سے پکتا تھا' قلیہ خشک اور شوربے دار دونوں طرح کا ہوتا تھا۔ قلیفہ پتلے شوربے کی قسم' سنبوسہ' مشہور ہندوستانی سموسہ' فالوذج' یہ فالودہ کا معرب ہے لیکن ہمارے فالودہ سے مختلف اور بہت ثقیل اور سنگین ہوتا ہے اور اس کی حیثیت غذا کی تھی' لوذیخ غالباً لوازمات اور حلوہ جات خشکار غالباً خشکہ کا معرب ہے' روٹیوں کی بہت سی قسمیں تھیں' فرن اور جروق جو غالباً شیرمال اور قلچہ کے مشابہ تھیں' زیادہ مشہور تھیں' کھانے پر ترکاریاں اور میوے بھی ہوتے تھے۔ امراء کے یہاں مکلف کھانوں کے لیے جو مرغ پکائے جاتے تھے ان کو کچھ دنوں تک پہلے دانے اور پانی کے بجائے خشک میوے کھلاتے تھے اور عرق گلاب پلایا جاتا تھا۔ (طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۴۰)

ہارون الرشید کے دسترخوان پر ایک وقت میں تیس تیس قسموں کے کھانے ہوتے تھے مطبخ کا خرچ دس ہزار درہم روزانہ تھا' (تاریخ الاسلام السیاسی و الثقافی ج ۲ ص ۳۰۶) مامون کا ذاتی خرچ چھ ہزار اشرفی یومیہ تھا' جس کا بڑا حصہ باورچی خانہ پر صرف ہوتا تھا۔ (الفخری ص ۳۱۰) مقتدر کے عام اور خاص مطبخ کا خرچ دس ہزار اشرفی ماہانہ تھا' باورچیوں کی تنخواہ ایک ہزار اشرفی ماہانہ تھی۔ (کتاب الوزراء صابی ص ۱۶' ۱۷) قاہر کے دسترخوان پر تیس اشرفی روزانہ کے میوے ہوتے تھے۔ (طبری ص ۱۳۸) ان کے امراء کا دسترخوان بھی بہت پر تکلف اور وسیع ہوتا تھا' وزیر ابوالحسن بن فرات کے باورچی خانہ میں تین سو اشرفی ماہانہ کا صرف مشک خرچ ہوتا تھا۔ (کتاب الوزراء ص ۳۵۲)

اس کے دو باورچی خانے تھے ایک عام لنگر خانہ کے لیے دوسرا خاص' مطبخ عام میں نوے بکریاں' تیس برے' دو سو مرغیاں' دو سو چوزے' اور دو سو تیتر روزانہ خرچ ہوتے تھے' نان پز رات دن نان سمید اور میٹھا پکانے میں مشغول رہتے تھے' آبدار خانہ میں ہر

وقت برف کا انتظام رہتا تھا' خدام صاف ستھرے لباس میں ملبوس ہاتھوں میں تولیے اور آب خورے لیے موجود رہتے تھے جو ہر آنے جانے والے کو سکنجبین یا اور کوئی ہاضم چیز سے ملا ہوا پانی پلاتے تھے۔ (کتاب الوزراء ص ۳۵۲) تقریبات کے موقع پر رات دن میں پانچ سو من برف صرف ہوتی تھی۔ (کتاب الوزراء ص ۳۵۲)

عباسی عہد کے ایک شاعر عمانی نے شاہی خاندان کے ایک رکن محمد بن سلیمان بن علی عباسی کے دستر خوان کے کھانوں کے تنوع کو نظم کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| جاؤ بفرنی لهم ملبسون | بات يسقی خالص الستمون |
| مصومع اكرم ذی غضون | قد خشيت بالسكر المطحون |
| ولونوا ماشئت من تلوين | من بدر الطعام والسخين |
| ومن شه اسيف و من طر دين | ومن هلام و مصيص جون |
| ومن اوز فائق سمين | و من د جاج فت بالعجين |
| فالشحم فی الطهور والبطون | واتبعوا ذالک بالجوزين |
| ربالجنيص الوطب واللوزين | وفكهرا العنب و تين |

والوطب والا ذا ذ والهيرون

(ضحیٰ الاسلام ج ۱ ص ۱۳۲)

خطیب کی کتاب الطفیل میں بہت سے کھانوں کے نام ملتے ہیں۔

**دستر خوان کی آرائش' کھانے کے آداب اور طریقے** اونچے طبقے میں دعوت اور تقریبات کے موقع پر تمام ظریف طلائی اور نقرئی ہوتے تھے' صابی نے ابن فرات کی ایک محفل سرود کا ذکر کیا ہے اس میں بڑے قیمتی طلائی اور نقرئی ظروف تھے۔

(وزراء اصابی ص ۱۹۲)

کھانے سے پہلے حاضرین کی فواکہات سے تواضع کی جاتی تھی' اور سب کے سامنے میوہ جات کا ایک ایک طبق پیش کیا جاتا تھا' درمیان میں ایک کشتی میں علیحدہ میوے بھر کر رکھ دیئے جاتے تھے ہر طبق کے ساتھ میوہ کاٹنے کی چھری اور چھلکے اور گٹھلی رکھنے کے لیے شیشہ کی تشتری ہوتی تھی' میوہ خوری کے بعد دستر خوان بچھتا تھا' اور سرپوش سے ڈھکے ہوئے کھانوں کے خوان آتے ان پر دیبا کے خوان پوش پڑے ہوتے تھے اور ان کے نیچے

چمڑا بچھا ہوتا تھا اور ہاتھ منہ صاف کرنے کے لیے رومال اور تولیے رکھے ہوتے تھے۔

کھانے کی قسمیں یکے بعد دیگرے سامنے آتی تھیں اور اس کا سلسلہ دو گھنٹہ تک جاری رہتا کھانے کے دوران میں میزبان لطف و مدارات کی باتیں کرتا رہتا' دستر خوان اٹھنے کے بعد آبدار خانہ میں جو کھانے کے کمرے کے متصل ہوتا تھا' ہاتھ منہ دھویا جاتا' خدام پانی ڈالتے اور دستی تولیہ سے پانی پونچھنے کے بعد عرق گلاب کے شیشے پیش کیے جاتے جو ہاتھ اور منہ پر ملا جاتا تھا۔ (ورزاء صابی ص ۲۶۰)

**نبیذ نوشی کے تکلفات** بنی عباس کے زمانہ میں نبیذ نوشی کا عام رواج تھا' اس موقع پر ایک غلط فہمی دور کر دینا ضروری ہے' عربی میں "شراب" مطلق پینے کی چیز کو کہتے ہیں' چنانچہ شربت کے لیے بھی شراب ہی کا لفظ ہے' اسی طریقہ سے شراب مطلق پینے کو کہتے ہیں' خواہ وہ آب زمزم ہی کیوں نہ ہو' اردو کی شراب کے لیے عربی میں خمر کا لفظ ہے۔ لیکن جو لوگ عربی سے واقف نہیں ان کو شراب یا شرب کے لفظ سے اردو کی شراب یعنی خمر کا دھوکہ ہوتا ہے جو نہیں ہے اور دھوکہ اچھے اچھوں کو ہو جاتا ہے اور وہ نبیذ نوشی کو شراب نوشی سمجھ لیتے ہیں' بعض عباسی خلفاء کے علاوہ جن کی بادہ نوشی مسلم ہے' باقی اکثر خلفاء بلکہ تقریباً کل اس ام الخبائث سے محترز رہے البتہ نبیذ کی بعض ہلکی قسمیں جو نشہ آور نہ تھیں' بعض علماء عراق کے نزدیک جائز تھیں' جن کو قریب قریب سب خلفاء اور امراء بڑے اہتمام سے پیتے تھے' نبیذ کے جام و مینا و ساغر' جملہ سامان طلائی اور بلور کے ہوتے تھے' جس کا تذکرہ بکثرت تاریخوں میں ہے' موفق جب پینے کے لیے بیٹھتا تو پہلے ہاتھ دھونے کے لیے تسلہ اور سونے کی کشتی میں بلور کے جام و مینا لگا کر پیش کیے جاتے۔

(طبقات الاطباء ج ۱ ص ۲۰۲)

خلفاء اور امراء نے نبیذ نوشی کی محفلوں کی زیب و زینت میں بڑے تفنن پیدا کیے' بعض محفلوں کا ذکر تاریخ میں بھی ملتا ہے' جس سے ان کی نفاست و لطافت اور تکلفات کا اندازہ ہوتا ہے ابو جعفر بن حمدون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ راضی باللہ نے ایک مقام کو فرش و فروش سے آراستہ اور گلاب و نیلوفر کے پھولوں سے سجانے کا حکم دیا اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی' محفل کی آراستگی کے بعد راضی آیا اور پھولوں کے انبار دیکھ کر بولا خالی

پھول اچھے نہیں معلوم ہوتے اور ان پر کافور چھڑکنے کا حکم دیا' خدام نے فوراً طلائی سینیوں میں بھر بھر کر کافور کا سفوف چھڑکنا شروع کر دیا اور اتنا چھڑکا کہ کافور کی سپیدی سے پھولوں کی رنگت دب گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روئی دھنک دی گئی ہے یا کسی باغ پر برف باری ہوئی ہے اندازاً" ایک ہزار مثقال کافور چھڑکا گیا تھا' محفل برخاست ہونے کے بعد راضی نے کافور لوٹنے کا حکم دیا اس پر خدام نے کافور کے انبار جمع کر لیے۔

(نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی ص ۱۴۴ و ۱۴۵)

ایک مرتبہ متوکل کا دل چاہا کہ محفل شراب کی ہر چیز کا رنگ زرد ہونا چاہیے اس کی اس طرح تعمیل کی گئی کہ ایک حوض پر سونے سے مرصع صندل کی لکڑی کا ایک قبہ بنایا گیا اور اس میں زرد دیبا کے پردے آویزاں کیے گئے' اور اسی کا فرش بچھایا گیا' حوض کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی نہریں رواں تھیں ان کے پانی میں زعفران گھولا گیا' اور متوکل کے سامنے زرد شبو (ایک قسم کی خوشبو) لیموں اور زرد رنگ کی نبیذ سونے کی کشتی میں لگا کر پیش کی گئی' اس مجلس میں جو لونڈیاں شریک تھیں ان کا لباس زرد کتان کا تھا' اس اہتمام میں کئی ہزار اشرفیاں صرف ہوئیں۔

ایک مرتبہ عباسی وزیر مہلبی نے بھی اسی قسم کی ایک بزم طرب کی آراستگی میں تین دن کے اندر ایک ہزار دینار کے گلاب کے پھول اور عرق گلاب صرف کیا' عرق گلاب حوض میں بھرا جاتا تھا اور فواروں سے چھوٹتا تھا۔

ابو عبداللہ بریدی والی بصرہ نے ایک مرتبہ اسی قسم کی ایک بزم نشاط کی ترتیب میں ند (ایک قسم کی خوشبو) اور کافور پر بیس ہزار درہم صرف کیے۔

(نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی ص ۱۴۴ و ۱۴۵)

**لباس** اونچے تمدن اور بلند معاشرت کا ایک مظہر لباس کا حسن اور اس کی نفاست بھی ہے' اس اعتبار سے اہل بغداد بڑے خوش لباس تھے اور ان کی وضع قطع اور تراش و خراش دوسروں کے لیے معیاری سمجھی جاتی تھی' بغداد ریشمی اور سوتی پارچہ بافی کی صنعت و تجارت کا بڑا مرکز تھا اس کے ایک محلہ عتابیہ میں مختلف رنگ کے ریشمی اور سوتی کپڑے تیار ہوتے تھے' جو محلہ کے نام کی نسبت سے عتابی کہلاتے تھے۔ (سفرنامہ ابن جبیر ص ۱۲۶)

ریشمی کپڑوں کی صنعت اور تجارت اتنی وسیع پیمانہ پر تھی اور اس کے ٹیکس کی آمدنی

اتنی تھی کہ حکومت میں اس کا مستقل محکمہ قائم تھا اور کارخانوں میں جس قدر تھان تیار ہوتے تھے ان پر سرکاری مہر لگائی جاتی تھی۔ (کتاب الوزراء ص ۲۶۸) اس کے علاوہ مختلف ممالک کے بہترین کپڑے بغداد آتے تھے' ابوالطیب محمد اسحاق المعروف بہ وشاء بغدادی نے خوش لباس طبقہ کے لباس اور کپڑوں کی تفصیل لکھی ہے لیکن ان میں سے بہت سے کپڑوں اور لباس کے نام ایرانی ہیں جو موجودہ کتب لغت میں نہیں ملتے اور بعض کا ترجمہ نہیں ہو سکتا تاہم ان سے لباس اور وضع قطع وغیرہ کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے' وشاء کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ خوش لباس عموماً باریک کپڑے کے چھوٹے کرتے' قہستان کے کپڑے کی بنیان' درجرد اور اسکندریہ کے زیر پوش' دبیق اور جنابہ کے اعلیٰ درجہ کے نرم اور خوش رنگ کتان کے قمیص' نیشاپور کے ملحم (ایک قسم کا کپڑا) دبیق کے اک رنگے اور طوس کی طیلسان (چادریں) عدن کی ولائیاں' کوفی خز اور سوس کی حاشیہ دار چادریں' نیشاپور کے دھاری دار اک رنگے' بنی سعد کی چھینٹ' کوفی خز کے جبے' دھوپ چھاؤں کی کتان اور دوسرے ایرانی لباس استعمال کرتے تھے۔

زیادہ شوخ اور بھڑکیلے رنگ' مثلاً زعفران یا دوسرے شوخ رنگوں میں رنگے ہوئے کپڑے عورتوں' لونڈیوں اور گانے والی عورتوں کے ساتھ مخصوص تھے' مردوں میں ان کا استعمال معیوب تھا' البتہ فصد لینے (وہ چھوٹا ریشمی رومال جو عورتیں سر اور پیشانی پر باندھتی تھیں یہ آج بھی عرب عورتوں میں رائج ہے) علاج کے موقعہ پر بادہ نوشی کی محفلوں اور خلوت کی صحبتوں میں مشک میں رنگے ہوئے کرتوں' عنبر میں رنگی ہوئی قمیض' رنگین چادروں' زعفرانی ازار کے استعمال میں مضائقہ نہ تھا۔ اس قسم کے لباس لطف و نشاط کی مجلسوں اور صحبتوں میں استعمال کیے جاتے تھے' انہیں پہن کر گھر سے باہر نکلنا معیوب تھا' کپڑوں میں تناسب کا لحاظ ضروری تھا' بے جوڑ کپڑے مثلاً ایک میلے کپڑے کے ساتھ دوسرا دھلا ہوا یا دھلے ہوئے کے ساتھ نیا کپڑا یا دیبا کے ساتھ مروی (ایک معمولی کپڑا) کا استعمال معیوب تھا' عمدہ لباس وہی سمجھا جاتا تھا جو متناسب ہو۔ (کتاب الوشی ص ۱۳۶ جن لباسوں کے معنی لغت میں نہ مل سکے ان کو چھوڑ دیا گیا ہے)

مردوں کا لباس عام چھوٹا کرتا' لمبی قمیص' جبہ' موزہ اور عمامہ تھا' خواص زیادہ تر ایرانی لباس پہنتے تھے جس کو منصور نے سرکاری لباس قرار دیا تھا۔

ایرانیوں کی تقلید میں اونچی ٹوپیوں کا زیادہ رواج تھا' قاضیوں کی ٹوپیاں بڑی لمبی لمبی ہوتی تھیں' خلفاء ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے تھے' فقہاء' قضاۃ' اعراب' حکام اور عوام سب کا لباس جدا جدا تھا' سرکاری لباس سیاہ تھا' اور خلفاء کے دربار میں حضوری کے لیے سیاہ لباس ضروری تھا۔

عورتیں دخانی کپڑے کے کرتے' رشیدی چادریں' چھوٹی بوٹی کی دھوپ چھاؤں' طبری چادریں رنگین کتان' حریر' نیشاپوری مقنع' خراسانی کتان کے ازار' گریبان اور گلو بند (جربات الخانقیہ) سپید ڈھیلے پاجامے' سربند استعمال کرتی تھیں' سپید رنگ کے کپڑوں کا استعمال سہاگنوں میں ناپسندیدہ تھا' اور وہ بیواؤں اور مطلقہ کا لباس سمجھا جاتا تھا' سہاگن عورتیں رنگین لباس استعمال کرتی تھیں' سرخ اور زرد' سبز' سیاہ' گلابی اور سرخ رنگ کے رنگے ہوئے کپڑے زیادہ تر ادنیٰ درجے کی قبطی عورتیں اور مغنیہ استعمال کرتی تھیں اور یہ رنگ معزز خواتین میں معیوب تھے' لیکن جن کپڑوں کا اصلی رنگ یہی ہوتا ان کے استعمال میں مضائقہ نہ تھا' مثلاً رنگین لاذیا' حریر اور خز وغیرہ۔ (کتاب الموشی ص ۱۲۵' ۱۲۶)

عیسائی عورتوں کے اثر سے مسلمان عورتوں میں زنار یعنی کردھنی یا کمربند باندھنے کی ریشمی پٹیاں بھی رائج ہو گئی تھیں' جو ہلکے رنگ کی سادہ اور منقش دونوں ہوتی تھیں' تاج نما ٹوپیاں بھی استعمال کرتی تھیں' جن میں موتی اور نگینے وغیرہ جڑے ہوتے تھے اور پیشانی پر ریشم اور کلابتو کے کام کی پٹیاں باندھتی تھیں۔

**عطریات اور خوشبوئیں** عطریات اور خوشبوؤں سے بڑا ذوق تھا۔

شوقین مزاج مشک اور گلاب کا محلول' لونگ کے پانی میں بھگویا ہوا' عنبر آمیز عود' سلطانی (ایک قسم کی خوشبو) بحرین کا عنبر اور دوسری چھڑکنے والی خوشبوئیں استعمال کرتے تھے' مشک و زعفران آمیز بریان کافور کا بخور جلاتے تھے' عورتوں اور بچوں کی خوشبوئیں علیحدہ تھیں' ان سے مرد پرہیز کرتے تھے۔ (کتاب الوشی ص ۱۲۵' ۱۲۶)

مکان کی فضا معطر کرنے کے لیے' کھڑکیوں' روشن دانوں اور طاقچوں وغیرہ میں مختلف قسم کے خوشبودار پھل پھول' کافور صندل' گلاب' تخلخہ' خلوق اور ند وغیرہ خوشبودار چیزیں رکھ دی جاتی تھیں' جس سے سارا مکان مہک اٹھتا تھا۔ (طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۴۱)

جب خلفاء باغ میں سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے تو کھاد کی بو دور کرنے کے لیے

درختوں کی جڑوں میں مشک چھڑک دیا جاتا تھا۔ (نشواء المحاضرہ ص ۱۴۴)

خلیفہ مقتدر کی ماں کے لیے ریشم کی جوتیاں بنتی تھیں اور ان کی تہ میں مشک وغیرہ پیس کر جملیا جاتا تھا' دس دن سے زیادہ ایک جوتی استعمال نہ ہوتی تھی' اس کے بعد ملازمین مشک وغیرہ نکال لیتے تھے۔ (نشواء المحاضرہ ص ۱۴۳) انتہاء یہ ہے کہ بیت الخلاء تک میں خوشبو کا انتظام رہتا تھا' ہارونی دور کے ایک مشہور اور نابینا عالم ابو معاویہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون حج کے لیے مکہ آیا' میں اس سے ملنے گیا تو مجھے بیت الخلاء جانے کی ضرورت محسوس ہوئی' ہارون نے شہزادہ مامون اور امین سے کہا کہ اپنے چچا کو بیت الخلاء پہنچا دو' انہوں نے ہاتھ پکڑ کر پہنچا دیا' یہاں نہایت عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ (تاریخ خطیب ج ۵ ص ۲۴۳) اس واقعہ سے جہاں ہارون کے تعیش کا اندازہ ہوتا ہے وہاں اس کی علماء نوازی اور قدر دانی کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

**ذوق شعری** ان کے ذوق شعری اور جذبات لطیفہ کے مظاہر ان کے مختلف سامانوں میں نظر آتے تھے' چنانچہ کپڑوں' قمیص کے دامنوں' چادر کے حاشیوں' آستینوں' عورتوں کے پیشانی بند' طرے کی پٹیوں' کردھیوں' جوتوں' موزوں' رومالوں' فرش و فروش' تکیوں' پردوں' نشست کے چبوتروں' جلسہ گاہوں' مقصوروں' گدوں' پیالوں' پیمانوں' سونے چاندی کے برتنوں' آلات موسیقی اور دوسرے مختلف سامانوں پر ان کے مناسب نہایت موزوں اشعار تحریر ہوتے تھے خصوصاً عورتوں اور لونڈیوں کے لباس اور زیب و زینت کے سامانوں پر نہایت عمدہ عاشقانہ اشعار لکھتے تھے لونڈیوں کے رخساروں پر اور پیشانیوں پر مشک زعفران اور سنہرے رنگ سے نہایت دلکش اشعار لکھے جاتے تھے' محمد بن اسحاق نے کتاب الموشی میں اس کی پوری تفصیل لکھی ہے اور اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

**تقریبات کی اولوالعزمیاں** تقریبات میں اس اولوالعزمی اور حوصلہ سے کام لیتے تھے کہ اسراف کی حد سے بھی بڑھ جاتا تھا' وزیر دولت حسن بن سہل کی لڑکی کی شادی مامون سے جس شان و شوکت کے ساتھ ہوئی وہ تاریخ میں یادگار ہے' ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس تقریب میں حسن نے جس حوصلہ سے مدارات کی اور لطف و تفریح کے جو سامان مہیا کیے اس کی مثال زمانہ گذشتہ میں نہیں ملتی' ہاشمی امراء افسران فوج کاتبوں اور دوسرے بڑے عہدہ داروں میں مشک کی گولیاں لٹائی گئیں' ہر گولی میں کاغذ کا پرزہ لپٹا ہوا تھا' جس میں

زمین جائیداد' لونڈی غلام گھوڑے اور مختلف چیزیں لکھی ہوئی تھیں' جس کے ہاتھ میں جو گولی پڑتی تھی' اس میں جو کچھ تحریر ہوتا تھا اسی وقت مل جاتا تھا' عام لوگوں میں روپے پیسے مشک وغیرہ کے گولے لٹائے گئے۔ بارات میں بے شمار آدمی تھے' ان میں بڑے بڑے امراء اور افسروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے ملازمین تک کوئی بھی محروم نہیں رہا۔

شادی کے بعد مامون مع بارات کے ۱۹ دن سسرال میں رہا' حسن بن سہل نے اس پوری مدت میں بارات کی فیاضی سے مدارات کی' رخصتی کے وقت تمام امراء و عمائد کو علیحدہ علیحدہ انعامات دیئے گئے' مامون کے لیے سنہرے کام کا فرش بچھایا گیا تھا' جیسے ہی اس نے اس پر قدم رکھا اس کے اوپر بڑے بڑے موتی نچھاور کیے گئے' شب عروسی کی روشنی میں چالیس موم بتیاں سونے کے لگنوں میں روشن کی گئی تھیں۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۹۳' ۹۴)

مقتدر کی ماں نے اپنے صغیر السن پوتے کی ایک تقریب میں چاندی کا ایک چھوٹا سا گاؤں بنوایا تھا' جس کے مکانات' کھیت' فصلیں' درخت' پھل' تالاب نہریں' گائے' بیل' گھوڑے اونٹ اور دوسرے مویشی وغیرہ وہ تمام چیزیں جو گاؤں میں ہوتی ہیں' چاندی کی تھیں (البدایہ والنہایہ و ابن کثیر ج ۱۱ ص ۱۷۰) اس تقریب میں مقتدر نے وزیر ابن فرات کو کھانے کے تین خوان بھیجے تھے بڑا خوان پچاس بالشت کا تھا اس کو کئی خادم اٹھائے ہوئے تھے' دو تھان کار چوبی کے' ایک تھان سبز اور تین سپید ریشمی کپڑوں کے' ایک سونے کی سینی میں دینار سرخ کے بنے ہوئے بادام' اخروٹ پستے اور دوسرے میوے تھے جن کی قیمت پانچ ہزار اشرفی تھی۔ (کتاب الوزراء ص ۶۵)

اس زمانہ میں سونے کے میووں اور پھلوں کے تحفہ کا عام رواج تھا' صاحب استطاعت خوش ذوق اشخاص اس قسم کی فیاضیاں کرتے تھے' بصرہ کے ایک شخص کا بیان ہے کہ بغداد کا ایک دلال بڑا مسرف تھا' ایک شب کو مجھے راستہ میں ملا' اس وقت وہ بغداد کی مشہور مغنیہ برعہ کے یہاں جا رہا تھا' مجھ کو اس کی آستین کے اندر کچھ بھرا ہوا معلوم ہوا' میں نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا خراسان کی مخلط (ایک قسم کی خوشبو) ہے اس کو لے جا کر برعہ پر تصدق کروں گا' میں نے کہا تھوڑی سی مجھے بھی دے دو' اس نے تھوڑا سا نکال کر میری آستین میں ڈال دیا' میں بغیر دیکھے لیے ہوئے گھر چلا آیا' یہاں آ کر دیکھا تو

سونے کے بادام چاندی کی شکر' عنبر کے پستے اور مذ کے منقی تھے' اس لیے دوسرے دن جا کر میں نے اس کو واپس کرنا چاہا' اس نے کہا یہ واپس کرنے کی کون سی چیز ہے' میرے پاس جس قدر تھا' سب بر عہ اور اس کی لونڈیوں میں تقسیم کر دیا۔ (نشوار الحاضرہ ص ۹۹)

**مقتدر باللہ کا ایک دربار** قوموں اور حکومتوں کے دور زوال میں ان کے تمدنی تکلفات عہد عروج سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں' یہی حال عباسی دور کا بھی تھا' گویا سیاسی اور تمدنی دونوں حیثیتوں سے ہارون الرشید کا زمانہ دولت عباسیہ کا دور زریں شمار کیا جاتا ہے' لیکن دور زوال کے خلفاء کا ظاہری ٹھاٹھ اور زندگی کے تکلفات اس دور سے بھی زیادہ بڑھ گئے تھے اور اس کا سب سے بڑا نمونہ مقتدر باللہ (۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ) تھا اس کی سیاسی قوت کا یہ حال تھا کہ اس کا پورا زمانہ شورش و انقلاب میں گذرا' دو مرتبہ تخت سے اتارا گیا اور تیسری مرتبہ جان سے ہاتھ دھونا پڑا' لیکن ظاہری شان و شکوہ اور تمدنی تکلفات میں اس نے ہارونی عہد کو بھی ماند کر دیا تھا۔

عباسی دور کے مشہور ادیب و کاتب ہلال بن محسن صابی نے کتاب الوزراء میں اس کی شان و شوکت کے نہایت مفصل حالات لکھے ہیں مگر وہ بہت طویل ہیں' ایک دربار کا حال جو اس نے ۳۰۵ھ میں رومی سفیروں کی آمد کے سلسلہ میں منعقد کیا تھا' اکثر مورخوں نے تحریر کیا ہے' اس سے دربار کی شان و شوکت اور تمدنی تکلفات کا بھی اندازہ ہوتا ہے اس لیے مورخ خطیب کے بیان سے نقل کیا جاتا ہے' یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بغداد میں بکثرت شاہی محلات تھے اور مقتدر کے زمانہ میں ان کی تعداد اور بڑھ گئی' اس دربار کے موقع پر ۲۳ محل آراستہ کیے گئے تھے اور ان کا کوئی گلی کوچہ اور بام و در زینت و آرائش سے خالی نہ تھا' فرش و فروش کی تعداد بائیس ہزار اور پردوں کی تعداد جو دروازوں اور دوسرے مقاموں پر آویزاں کیے گئے تھے اڑتیس ہزار تھی' تمام پردے کارچوبی اور زرنگار تھے جن پر مختلف حیوانات اور پرندوں کی تصویریں اور نقش و نگار کڑھے ہوئے تھے۔

محلوں کے باہر ایک لاکھ ساٹھ ہزار مسلح فوجیں صف بستہ تھیں اور خاص قصر خلافت کے دو رویہ پانچ پانچ سو زرین پوش سوار تھے' جن کے گھوڑوں کی ساز نقرئی و طلائی اور ان پر دیبا کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں' ہر گھوڑے کی لگام ایک وردی پوش سائیس کے ہاتھ میں تھی' محلوں کے اندر بارہ ہزار غلام اور خدام شاہی زرق برق وردیوں میں ملبوس زرین

پٹکوں میں تلواریں لٹکائے جگہ جگہ متعین تھے۔

قصر جوشن سے متعلق ایک باغ تھا' اس میں ایک وسیع حوض تھا' جس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی تھیں' اس حوض اور نہروں میں پارے کی قلعی تھی جس کی چمک سے پانی پر سیال چاندی کا دھوکہ ہوتا تھا' حوض میں سازو سامان سے آراستہ چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں جن میں دیبا کے زرین گدے لگے اور ان پر ریشمی کپڑے پڑے ہوئے تھے' باغ میں صرف کھجور کے پانچ سو درخت کی مرتب قطاریں تھیں اور یہ سب درخت ایک قد کے تھے' اور ان درختوں پر منقش ساج کی لکڑی منڈھی ہوئی تھی۔ ایک عمارۃ دارالشجرہ کے نام سے موسوم تھی اس کے وسط میں ایک حوض تھا' حوض میں ایک درخت نصب تھا' جس کی شاخیں سونے اور چاندی کی اور پھول پتے مختلف الالوان جواہرات کے تھے شاخوں پر سونے کی چڑیاں بیٹھی تھیں' ان میں یہ صفت رکھی گئی تھی کہ شاخیں ہوا کی جنبش سے اصلی شاخوں کی طرح جھومتی تھیں اور چڑیاں ہوا بھرنے سے چہچہاتی تھیں۔

اس سے متصل پندرہ نیزہ بردار سواروں کے بالمقابل مجسمے تھے جو مصنوعی طریقے سے اس طرح حرکت کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا تھا کہ اپنے مقابل پر حملہ کر رہے ہیں۔

قصر فردوس آرائش و زیبائش کے لحاظ سے اسم با مسمیٰ معلوم ہوتا تھا' اس میں سونے کے دس ہزار جوشن' خود' زرہیں اور دوسرے اسلحہ آویزاں تھے اس کے سامنے دجلہ میں رنگ برنگ کی کشتیاں اور بیڑے رواں تھے۔

شاہی محل سے متعلق ایک جانور خانہ تھا اس کے وحشی چوپائے اس قدر پلے ہوئے تھے کہ قریب آ کر ہاتھوں سے روٹی اور چارہ لیتے تھے' ایک سو درندے تھے' جن کی گردنوں میں زنجیریں پڑی تھیں۔

اراکین و عمائد سلطنت کے محلات اتنے آراستہ و پیراستہ تھے کہ ان پر قصر خلافت کا دھوکا ہوتا تھا' چنانچہ جب رومی سفیر حاجب دولت نصر القشوری کے محل میں پہنچا تو اس کی شان و شوکت دیکھ کر اس کو خلیفہ کا قصر سمجھا' اس کے بعد وزیر ابن فرات کے محل کی عظمت و شان اور زینت و آرائش کو دیکھ کر اسے یقین ہو گیا کہ یہ ضرور خلیفہ کا محل ہو گا' مگر اسے یہ سن کر سخت حیرت ہوئی کہ خلیفہ کا نہیں بلکہ وزیر کا محل ہے۔

خود مقتدر دجلہ کے کنارہ قصر التاج میں تھا اس کی زینت و آرائش حد توصیف سے خارج تھی' وہ آبنوس کے مرصع تخت پر بیٹھتا تھا' اس کے دائیں بائیں جواہرات کے اٹھارہ ہار آویزاں تھے' یہ جواہرات بڑے گرانبہا اور سب ایک قد کے تھے' ان کی جوت سے رات کو دن کا عالم نظر آتا تھا۔ (خطیب نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے ہم نے صرف ضروری خلاصہ نقل کیا ہے' تفصیل کے لیے دیکھو کتاب مذکور ج ۱ ص ۱۰۲ تا ۱۰۴)

خلفاء کی بیویوں کے تکلفات اور عیش و تنعم کے سامانوں کی کوئی انتہا نہ تھی' ہارون کی بیوی زبیدہ کے لیے دیبا کا ایک کار چوبی فرش تیار کیا گیا تھا' جس میں یاقوت اور دوسرے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے' اس کی قیمت دس لاکھ تھی۔

اس طریقے سے مستعین کی ماں نے ایک فرش بنوایا تھا' اس میں سونے کے تاروں سے حیوانات اور طیور کی تصویریں کاڑھی تھیں اور ان کی آنکھوں میں یاقوت اور جواہرات جڑے تھے' اس کی قیمت کئی کروڑ روپے تھے۔ (المستطرف ج ۱ ص ۱۳۴)

**اہل بغداد کی عام زندگی** بغداد نہایت دولت مند اور اسی کے ساتھ بڑا ارزاں شہر تھا' ایک غریب آدمی ایک پیسہ روز میں آسانی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا تھا' اس لیے فارغ البالی اور خوشحالی صرف طبقہ امراء کے ساتھ مخصوص نہ تھی' بلکہ اپنی حیثیت و وسعت کے مطابق ہر طبقہ مطمئن اور مسرور زندگی بسر کرتا تھا اور پورا بغداد گہوارہ عیش تھا۔

ابن ہلال کا بیان ہے کہ میں اپنے گھر محلہ باب المراتب سے سوار ہو کر نکلتا اور محلہ شماسیہ میں معزالدولہ کے محل تک چلا جاتا' اس طویل مسافت میں مسلسل بازار' آباد محلے اور گھنے درختوں کی چھاؤں تھی' یہی حال مغربی سمت کا تھا' دجلہ کے ساحل دو رویہ عمارتیں' مرتب باغات اور چھوٹی نہروں کا جال بچھا ہوا تھا' اور کوئی گھر موسیقی کے ترانوں اور لطف و مسرت کے شادیانوں سے خالی نہ تھا' ابوالوفا ابن عقیل کا بیان ہے کہ ساحلی حصہ کی آبادی کے مکانوں کے سامنے دجلہ لہریں مارتا تھا' گھروں کے سامنے کی چھوٹی نہروں میں بطخیں خوش فعلیاں کرتی تھیں اور موسیقی کے ترانے دجلہ سے چلنے والی آبی چکیوں اور چرخیوں اور گھر کے لونڈی غلاموں کی آوازیں مل کر عجیب لطف پیدا کرتی تھیں' مجھے اکثر بجرے میں ان مکانوں کے سامنے سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے' باب الطاق سے لے کر باب المراتب تک ہر مکان میں موسیقی کے نغمے گونجا کرتے تھے' ساحلی مکانات میں ہر مکان کے

سامنے صاحب خانہ کے خوبصورت بجرے تیرا کرتے تھے' اور خشکی کے رخ کے دروازوں پر سامان سے آراستہ سواری تیار رہتی تھی' ان کی پر لطف زندگی سے معلوم ہوتا تھا کہ ہر دن کوئی تقریب ہے' اسی کے ساتھ ہر گھر میں قرات کی مجلسیں بھی ہوتی تھیں اور خوش الحان قاری کرسیوں پر بیٹھ کر قرات کرتے تھے۔ (مناقب بغداد ص ۲۷)

عوام کی تفریحات اور دلچسپیاں جدا تھیں اور وہ خواص کے مذاق کے ساتھ بدلتی رہتی تھیں' ان میں کشتی' کشتی رانی اور تیراکی کا عام مذاق تھا اور وہ اس میں طرح طرح کے کمالات دکھاتے تھے مثلاً تیراک ایک جلتی ہوئی **انگیٹھی** ہاتھ میں لے کر تیرتا تھا اور اس پر ہانڈی میں گوشت پکتا رہتا تھا اور اس وقت تک تیرتا رہتا تھا جب تک گوشت تیار نہ ہو جاتا۔ (خلاصہ تاریخ العراق ص ۱۰۱) عوام میں مضحکات اور مسخرے پن کا بڑا مذاق تھا اور ان کی مخصوص مجلسیں ہوتی تھیں' اس مذاق نے مسخروں کی ایک جماعت پیدا کر دی جو مضحکین کہلاتے تھے' اور اپنے مضحکات سے عوام کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے تھے' ہارون رشید کے زمانہ میں ابن ابی مریم' معتصم کے عہد میں ابراہیم الحمی اور متوکل کے دور میں عبادا لمخنث مشہور مسخرے تھے ان کے واقعات آغانی میں مذکور ہیں۔

**آداب و تہذیب** تہذیب و تمدن محض مادی سروسامان اور تعیش و تنعم کے تکلفات کے نام نہیں اس کی اصل روح اخلاق کی تہذیب و شائستگی ہے اس اعتبار سے بھی عباسی تہذیب نہایت بلند تھی۔ اس کے خاص خاص آداب تھے جس کی پابندی ہر مہذب شخص کے لیے ضروری تھی اور یہ آداب محض رسمی تکلفات تک محدود نہ تھے بلکہ اس میں اخلاقی عناصر بھی تھے' اس تہذیب کا مرکز بغداد تھا اور اس کے لیے "تظرف" "ظرف" اور "ظریف" کی اصطلاح تھی' اس مفہوم میں تہذیب کے ظاہری آداب و معنوی خصوصیات سب داخل ہیں' ابوالطیب محمد بن اسحاق المعروف بہ وشاء نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب الموشی لکھی ہے جس میں اس کے تمام اجزاء تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں' ان سب کو نقل کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اس لیے آئندہ سطور میں اس کے ایک باب کا جس میں مہذب اور شائستہ انسانوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں' خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

شائستہ انسان مکارم اخلاق اور بڑائی کے حصول میں صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں'

پست اور ادنیٰ درجہ کی باتوں سے بچتے اور بلند اخلاق و پسندیدہ خصائل اختیار کرتے ہیں' ذلیل باتوں کو ترک اور اونچی باتوں کو اختیار کرتے ہیں' مہذب انسان کے لیے دوسرے کی بات میں دخل در معقولات کرنا' درمیان سے کسی کی بات کاٹنا' کسی کے بھید کی ٹوہ لگانا' پوشیدہ باتوں کے متعلق سوال کرنا معیوب ہے' کسی دوسرے شخص کے سامنے اور مجمع میں ناک صاف کرنا' تھوکنا' جمائی لینا' ناک سڑکنا' ڈکار لینا' انگڑائی لینا' تالی بجانا' جسم کھجلانا' انگلیاں چٹخانا' ناک چھونا ناپسندیدہ افعال ہیں۔ مہذب انسان کسی کی نگاہ کے سامنے بیت الخلاء نہیں جاتے اور نہ پیشاب کے لیے بیٹھتے ہیں' اکڑو بیٹھنا' تیز چلنا' راستہ میں ادھر ادھر نگاہ ڈالنا معیوب ہے' وہ گندے مقامات پر پاؤں کی گرد نہیں جھاڑتے' مجلس میں ایسی جگہ نہیں بیٹھتے جہاں سے اٹھائے جانے کا اندیشہ ہو' کسی دوکان' مسجد اور سبیل کا پانی نہیں پیتے' نان بائی' ہریسہ فروش اور اس قسم کی دوسری دوکانوں میں نہیں جاتے' بازاری کھانے کی چیزیں نہیں استعمال کرتے' شارع عام' بازاروں اور مسجدوں میں نہیں کھاتے۔ حماموں میں لوگوں کی طرح نہیں نہاتے' کسی شائستہ انسان کے لیے پاجامہ کے بغیر ازار میں باہر نکلنا' رومال کا یا ڈھیلا یا لٹکا ہوا ازار باندھنا' لین دین اور خرید و فروخت میں حجت کرنا' اہل حرفہ سے شرط پر مال لینا' کرایہ کے گدھے پر سوار ہونا' ادنیٰ درجہ کے آدمیوں سے اختلاط رکھنا' دوستوں کو برا کہنا' غیبت کرنا' کسی کا برائی سے ذکر کرنا' کسی کا راز فاش کرنا' بدعہدی اور وعدہ خلافی کرنا' دو آدمیوں میں فساد ڈلوانا' دوستوں میں لڑانا' حکام سے چغلی کھانا' کسی شخص کی جانب اشارہ بازی کرنا' کسی کی بے حرمتی کرنا' چوری کرنا' جھوٹ بولنا' شک و شبہ میں ڈالنے والی باتیں کرنا' فسق و فجور کا اعلان کرنا فحش کلامی' دوست اور پڑوسی کی بے حرمتی کرنا سخت معیوب ہے۔

مہذب انسانوں کے لیے بدن کی صفائی' طہارت' خوش لباسی اور عطر کا استعمال ضروری ہے۔ ان کا کپڑا پھٹا میلا' گریبان چاک' ناخن اور بال بڑے' جسم گندہ اور ہاتھ میلا نہ ہونا چاہیے' منہ ناک اور آنکھ' تھوک' ناک اور کیچڑ سے صاف رہنا چاہیے' دوستوں کے ساتھ پابندی عہد' ایفائے وعدہ' وفاداری میں استواری' احباب کے ساتھ حسن سلوک' ان کی مدد' عام ملنے والوں سے کشادہ روئی' غیر حاضر احباب کی تلاش و جستجو' جسم اور مال سے اس کی مدد' بھائیوں کے بار کی تخفیف' پڑوسیوں کی حمایت ان کی جانب سے مدافعت'

بروں کی برائی سے عفو و درگذر- نیکوں کی بھلائی کی احسان شناسی' چھوٹوں سے خوش اخلاقی' بڑوں کی عزت و تکریم' تہذیب کی خصوصیات ہیں' تہذیب و شرافت محض لذت اندوزی' لطف و تفریح اور فخرو حسب کا نام نہیں بلکہ ادب و شرافت کے طریقوں پر چلنے کا نام ہے' بعض علماء نے لوگوں کو کھلانا پلانا' ان کی تکلیفیں دور کرنا' دادو دہش' خندہ جبینی' پاکدامنی' بری باتوں سے پرہیز' ادب و تہذیب' پاکیزگی اخلاق نا اہل کی صحبت سے دوری' بلند نظری' بلند حوصلگی' بد سلوکی کرنے والوں کے ساتھ احسان و سلوک' احسان کرنے والوں کے ساتھ حسن معاوضہ' اہل حاجت کی حاجت بر آری' مزاج کی لینت و نرمی' جملہ امور میں لطف و مدارات' اعتدال و میانہ روی اور خوش خلقی کی شرافت کے اوصاف قرار دیا ہے-

مہذب انسان اپنے اغراض و مقاصد اور پیش نظر کاموں کا اظہار و اعلان نہیں کرتے بلکہ ان کو مخفی رکھتے ہیں اور حسن تدبیر اور مہذب طریقوں سے ان کو حاصل کرتے ہیں اور مناسب موقع و محل پر استعمال کرتے ہیں اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں' ان کے ہدایا و تحائف جو وہ ایک دوسرے کے پاس بھیجتے ہیں' بظاہر حقیر معلوم ہوتے ہیں' مثلاً سیب یا لیموں کا ایک دانہ' کوئی لطیف خوشبو' گلاب کی ایک شاخ' نرگس کا ایک پھول' شراب کا ایک رطل' عود کا ایک ٹکڑا اور اس قبیل کی چھوٹی چھوٹی مگر لطیف چیزیں ان کا مرغوب اور پسندیدہ تحفہ ہیں' یہ لوگ بڑے بڑے ہدیوں کے بجائے چھوٹے اور لطیف ہدیے زیادہ پسند کرتے ہیں اور ان کی زیادہ قدر کرتے ہیں' ان کے خطوط اور تحریریں نہایت دلچسپ اور ان کے الفاظ دلفریب ہوتے ہیں' تحریر کے عنوان کو پر لطف مثالوں اور نوادر و لطائف سے دلکش بناتے ہیں' تحریر نہایت دل آویز' پر لطف' شکوہ و شکایت' حسن طلب اور سنجیدہ و مہذب مذاق پر مشتمل ہوتی ہے' جس کے ذریعے دور کے لوگ قریب ہو جاتے اور مشکلات آسان معلوم ہوتی ہیں' ان خطوط کو وہ بیش قیمت اور نفیس ریشمی رومالوں پر لکھتے ہیں اور اس کو مشک و عنبر اور زعفران سے معطر کرتے ہیں اور اس پر سنہری افشاں چھڑکتے ہیں-(کتاب الموشی ص ۱۵۷ و مابعد ملخصاً")